ہم دل کے حسین
حنا کامران
دل کے تاریک
کونوں میں محبت کا سویرا۔
محبت زخم بھی
دیتی ہے اور مرہم بھی
کچھ رشتے خاموشی میں
ہی شفا بن جاتے ہیں

ہم دل کے حسین

حنا کامران

(مکمل ناول)

"کہتے ہیں جب روح خوبصورت ہوتی ہے تب دل خود بخود حسین ہو جاتا ہے۔روح کا گدلا پن دل کو بھی میلا کر دیتا ہے۔یعنی آپ کی روح اچھی تو آپ کا دل اچھا اور اگر آپ کی روح بری ہے تو آپ کا دل بھی برا ہے۔برائی کے سبب دل سخت ہو جاتا ہے۔دل کی سختی مزاج میں پتھریلا پن ڈال دیتی ہے۔پتھر تو پھر بے جان مورت ہوتے ہیں۔ہنستے ہیں نہ ہنسانا جانتے ہیں۔جیتے ہیں نہ جینا سکھاتے ہیں۔ہمم۔۔یعنی بتانے والی نے بات تو بڑے پتے کی بتائی تھی مجھے لیکن بقول اس کے اس عظیم بات کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا ہے۔میں ویسا ہی رہا جیسا میں تھا یعنی کہ

ٹھس، بے مروت، کھڑوس، نک چڑھا، بے زار اور بلا بلا بلا۔۔۔"

اس نے بالوں پر جیل لگایا۔ وہ انہیں پیچھے کرنے جا رہا تھا جب یکدم ٹھٹھک گیا۔ آئینے میں خود کو غور سے دیکھا۔ کھلتا سا رنگ، بھوری سی آنکھیں، کھڑی کھڑی ناک، ترشے ہوئے نقوش، ماتھے پر موجود دو بل اور چہرے پر گھبراہٹ کی گرد۔۔۔ وہ نوح جبران تھا بقول فلک سفیر کے غصے کی دکان اور ایک دم پھیکا پکوان۔ وہ مسکرا دیا اگر اس وقت وہ یہاں ہوتی تو خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ آنکھیں پٹپٹا کر بس اسے دیکھتی چلی جاتی پھر بہت وقفے بعد کہتی۔

"نوح جبران، میں نے کبھی سوچا نہیں تھا تم مسکراتے ہوئے انسان بھی لگ سکتے ہو۔"

وہ سر جھٹک کر کھل کر مسکرا دیا۔ "ڈرامہ کوئین۔" یہ نوح کا 'اس کی' فلک کیلئے خطاب تھا۔

شیشے میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس نے بال بنائے۔ جیکٹ پہنی، جوتوں کے تسمے باندھے۔ خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکا چھڑکنے کے بعد وہ ایک سراہتی نگاہ سے خود کو دیکھ رہا تھا۔ اس ڈرامہ کوئین کو سوچ سوچ کر لبوں پر تبسم لا رہا تھا جس سے بس ابھی کچھ دیر بعد وہ ملنے والا تھا۔ آہ یہ ایک ملاقات۔

"بندے تم اچھے ہو بس تمہارا ایٹی ٹیوڈ اچھا نہیں ہے۔" آئینے میں نظر آتی اپنی تیر کمان کی طرح چڑھی ابرو کو اس نے سیدھا کیا۔ فلک کو ہمیشہ سے اس کی اس اٹھی ہوئی ابرو سے چڑ تھی۔ وہ جب

جب طیش میں ہوتا تھا یا اپنے مزاج کے خلاف بات سنتا تھا تو اسی طرح ابرو کے تیر چلایا کرتا تھا۔ جن سے گھائل ہوئے بنا فلک اس پر برس پڑتی تھی۔

"کسی دن نا میں نے تمہاری پوری بھنویں اڑا دینی ہیں یاد رکھنا تم۔"

"ون پیس۔" مسکرا کر، سر جھٹک کر مڑا مڑ کر نگاہ ان سفید پھولوں پر ڈالی جن کی خوشبو وہ آنکھیں بند کر کے محسوس کیا کرتی تھی۔ نوح نے جھک کر بیڈ پر سے ان پھولوں کو اٹھایا۔

"کبھی جب اداس ہو یا بہت خوش تو ان پھولوں کو آنکھیں بند کر کے محسوس کر لینا۔ یہ تمہاری ہر خوشی ہر غم میں تمہیں سمیٹ لیں گے۔"

اس نے زندگی میں پہلی بار پھول سونگھے تھے اور پہلی بار ہی اسے ان سے الرجی نہیں ہوئی تھی۔ اسے چھینکیں نہیں آئی تھیں۔ محبت شاید اسی چیز کا نام ہے۔ وہ چاہے جس سے بھی ہو اسی کا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی میں ڈھال دیتی ہے بالکل ویسے جیسے نوح جبران فلک سفیر میں ڈھل گیا تھا۔ وہ کون تھا؟ ایک معمولی سا انسان۔ وہ کیا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ وہ کیا بن گیا؟ فلک سفیر۔۔ ہاں بس وہی۔

پیسہ، آسائش، آزادی، گھر، کامیابی سب کچھ تھا اس کے پاس پھر بھی کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی صبحیں مصروفیت میں گزرتی تھیں۔ اس کی شامیں تنہائی میں۔ وہ ایک روٹین کی لائف گزار رہا تھا۔

وہ زندگی جی نہیں رہا تھا زندگی کو گھسیٹ رہا تھا۔ اس لڑکی نے اسے سکھایا کہ زندگی کو بسر نہیں کرنا ہے بلکہ اس تسخیر کر کے ہر خوشی اس میں سے سمیٹنی ہے۔ وہ لڑکی جسے پرپوز کرنے کی خاطر وہ بن سنور رہا تھا۔ اسے یعنی فلک سفیر کو، اسے یاد ہے آج بھی وہ شام جب وہ اسے ملی تھی۔ چودہ اگست کی شام۔ آزادی کی شام، نوح جبران کی قید کی شام۔

چلتے ہیں اس وقت میں جب یہ دو متضاد شخصیت کے لوگ ایک دوسرے سے ملے تھے۔ جہاں سے ان کی کہانی کی شروعات ہوئی تھی۔

جہاں دو دل ملے تھے۔

جہاں ریشم سے پھول کھلے تھے۔

چودہ اگست سن دو ہزار پچیس کی شام کو سکاٹ لینڈ کے شہر گلاسگو کی مسلم کمیونٹی خاص کر پاکستانی پورے جوش و خروش کے ساتھ پاں پاں پاں بجاتے ہوئے اپنی آزادی کا جشن منا رہے تھے۔ ہریالی جھنڈے، منہ پر پینٹ پاکستان زندہ باد کے نعرے اور باجے، ہر طرز کے باجے جن کی وجہ سے اس کے سر میں شدید درد ہو چکا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ایک ایک کے ہاتھ سے باجا کھینچے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے یا پھر وہ باجا بنانے والی تمام فیکٹریوں پر اتنا مضبوط کیس کرے کہ وہ بند ہونے کے ساتھ ساتھ اگلے چالیس سال تک کسی بھی قسم کا باجا نہ بنا سکیں۔ اور تو

اور ان بجانے والوں پر بھی پابندی عائد ہو شدید قسم کی پابندی۔۔۔ آہ اس کے غصے بھرے دل کی معصوم سی حسرتیں۔

"برو، کس بات کی پریشانی ہے کچھ زیادہ ہی بارہ نہیں بج رہے تمہارے منہ پر۔" اس کا کزن پلس واحد دوست مائیر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر پھسپھسا رہا تھا۔ سیاہ یونیفارم اور پیرٹ گرین رنگ کی جیکٹوں میں وہ سب ایک لائن میں ہاتھ پشت پر باندھے کھڑے تھے۔ آنکھیں چھوٹی کیے ان نمونوں کو دیکھ رہے تھے جو نمونوں کو بھی مات دے گئے تھے۔

"میں تپ رہا ہوں ان کی حرکتوں پر، پاکستان کا نام ڈبو دیتے ہیں یہ لوگ۔" سرد لہجے میں جھنجھلاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ پاں پاں ہر طرز کا تھا باریک، موٹا، بھدا، بے سرا۔

"بندروں کی طرح تو ایسے اچھل رہے ہیں جیسے ملک آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی شادیاں ہوئی تھیں نان سینس۔" مائیر دل کھول کر ہنس دیا کہ آج ہنسنا منع نہیں تھا۔ پورا اسکواڈ ہی دانت نکالے ان بندروں کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے سماں باندھا ہوا تھا۔ کوئی ان کے قریب آ کر باجے کو پھیپھڑے باہر نکال کر بجا رہا تھا تو کوئی ڈانس کرتے کرتے جھنڈے کو ہلاتے ہوئے۔ ان رنگ برنگے فسادیوں (باجوں) نے نوح کے صبر کا پیمانہ لبریز کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

"مت بھولو یار تم اور میں بھی پاکستانی ہی ہیں اور ان گوروں کی نظر میں ہم نے بھی ان جیسا ہی رہنا ہے۔"نوح نے ایک کڑی نگاہ اپنے پکے فرنگی ساتھی پر ڈالی جو دانت نکالتے ہوئے پاکستان سے آئے عجوبوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔نوح کی نظر کی گرمی خود پر محسوس کر کے اس نے گردن اس کی طرف موڑی اور اپنا پورا جبڑا دکھاتے ہوئے گویا ہوا۔

"زندہ دل لوگ ہیں یعنی بہت مزاحیہ۔"نوح کو یہ طعنہ لگا۔اس افسر کی مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک اور دانتوں کی نمائش بتا رہی تھی کہ اس کے جملے کا مطلب وہ نہیں تھا جو اس نے کہا ہے بلکہ یہ ہے جو نوح نے سمجھا ہے۔

"بے وقوف لوگ ہیں یعنی بہت ہی استہزائیہ۔"اس کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا۔

"پتہ نہیں کون سی بری گھڑی تھی جب میں نے یہاں آنے کی حامی بھری۔ایسے کون آزادی مناتا ہے بھلا۔"گوروں کی ہنسیاں، ان کے ویڈیوز بناتے ہاتھ، کل کے اخبار میں چھپتی خبریں، سوشل میڈیا کے ہیش ٹیگز سب اس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہے تھے اور اسے مزید سبکی کے دلدل میں دھکیل رہے تھے۔ایک ہجوم کو چھوڑ کر اس کی نگاہ نیلے رنگ کے اس باجے پر پڑی جو یہاں موجود لوگوں کے باجوں سے دوسرے نمبر پر سب سے بڑا تھا۔اس کی آواز موٹی اور بھدی تھی۔ بجانے والی سیدھا ہاتھ ہوا میں بلند کرتی کبھی دائیں دیکھ تو کبھی بائیں دیکھ باجے کو بجا رہی تھی۔اس کی پشت نوح کی طرف تھی۔شولڈر کٹ بال کھلے تھے۔سفید جیکٹ پر چمکتے ہوئے موتیوں سے چاند تارا بنا ہوا تھا جبکہ اس کا سلک کا ٹراؤزر اور کھلی شرٹ گہرے سبز رنگ کی تھی۔اس کی ہاتھ کی پشت پر جھنڈا بنا تھا۔وہ جب مڑی تو اس کے ایک گال پر بھی جھنڈا بنا ہوا تھا۔اس کے ساتھ موجود لڑکا جس کے پاس سب سے بڑا سرخ رنگ کا باجا تھا اس کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو آدھا فلوڈ کر کے پوری جان سے اسے بجا رہا تھا۔اتنی زور سے کہ اس کی گردن کی موٹی سبز رگیں دور سے بھی

دیکھی جاسکتی تھیں۔ دیکھنے پر لگتا تھا دونوں نے ریس لگائی ہوئی ہے کہ کون کتنا اونچا اسے بجا سکتا ہے۔ نوح کو پورے ہجوم میں ان دونوں کے ہی باجے غالب آتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس نے قدرے جھک کر مائیر کے کان میں کہا۔

"ان دونوں کے ہتھیار کھینچ لیتے ہیں۔" مائیر نے متوحش نگاہوں سے اسے تکا۔

"پاگل ہو، ہم یہاں ڈیوٹی پر ہیں سینئر پولیس نے ایکشن لے لیا تو اندر ہوں گے۔" نوح نے اپنی ابرو اوپر کو چڑھائی۔ تیر تن چکا تھا۔

"ہم ان کے ہتھیار کھینچ رہے ہیں کیونکہ ہمیں بہت سے لوگوں کی شکایت آچکی ہے۔" اس نے فون مائیر کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ وہ استعجابیہ انداز میں کان کے قریب موجود بال کھجانے لگا۔

"ہمیں کون شکایت کرے گا بھلا یعنی تم آفیشل سائیٹ کے بارے میں بات کر رہے ہو؟" نوح نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے سنجیدہ سے چہرے پر سنجیدہ سی مسکراہٹ بہت قاتلانہ سی تھی۔

"بالکل۔" وہ اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

"لیکن کرے گا کون؟" نوح نے اپنی دو انگلیاں اس کی کنپٹی پر بجائیں۔

"یہ سوچنے کیلئے دماغ چاہیے ہوتا ہے جو کہ فی الحال تمہارے پاس نہیں ہے۔" مائیر نے کڑوا منہ بنایا۔

"تم میری بے عزتی نہیں کر سکتے۔"نوح کی آنکھوں کے اوپر موجود تیرا بھی بھی تنا ہوا تھا۔

"میں کر چکا ہوں اور مزید کروں گا اگر تم نے مجھے فالو نہ کیا تو۔"مائیر اس کی دھونس پر پیر پٹختا رہ گیا۔اگر اس کے ساتھ دل کا رشتہ نہ ہوتا تو وہ اسے پوچھتا بھی نا لیکن کیا کریں دل کی طلبیں بڑے ہی گھاٹے کے سودے کی ہوا کرتی ہیں۔

"میں بتا رہا ہوں اس کے بعد ہم بہت مشکل میں پڑنے والے ہیں۔"اس نے ایک شرم دلاتی نظر مائیر پر ڈالی اور پھر بولا۔

"نوح کی زندگی میں آسانیاں کب ہیں بھلا۔"

کہہ کر وہ ابھی آگے بڑھا ہی تھا کہ ہجوم میں ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔مائیر جان گیا اس ہاتھا پائی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔وہ اپنے واحد دوست پلس کزن کے پیچھے ہی تھا جس نے پہلے اس لڑکی سے اس کا باجا کھینچا اور بعد میں اس لڑکے پر حملہ کیا۔ہر طرف شور شروع ہو چکا تھا مگر یہ شور پہلے والے سے یکسر مختلف تھا۔پولیس کی موبائلز،ایمبولینس کے سائرن اور آنسو گیس چھوڑنے کی آوازیں چہار سو پھیل چکی تھیں مگر پرواہ کسے تھی۔اگر ان نمونوں میں سے کسی کو چوٹ لگی بھی ہے تو وہ ان کی خود کی غلطی کی وجہ سے لگی ہے۔وہ نہ یوں حیوانوں کی طرح آزادی مناتے نہ نوح ان کے ساتھ یہ سب کرتا۔۔

سمپل۔

--

"جینا ہو گا مرنا ہو گا دھرنا ہو گا دھرنا ہو گا۔"

اگلے دن قریباً دو پہر دو بجے جب گلاسگو کی تمام گلیاں جاگ چکی تھیں۔ دن اگنے کے بعد ڈوبنے کی تیاری میں تھا اور ہر ذی نفس وقت کی دوڑ میں شامل ہو چکا تھا۔ تب پولیس اسٹیشن کے باہر چند نوجوان سیدھے ہاتھ کو ہوا میں لہرا لہرا کر یک زبان میں نعرے لگاتے ہوئے دھرنا کیے بیٹھے تھے۔ چند مقامی نیوز چینلز انہیں کوریج دے رہے تھے۔ آواز کی بلندی اور کیمروں کی کلک کی آوازوں سے عاجز آ کر چند پولیس آفیسرز باہر آئے اور زمین پر چوکڑی مارے ان دھرنوں کے موجدوں کو دیکھنے لگے جو ان فرنگیوں کے باہر آنے کے بعد بھی اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلے تھے۔ تین گوروں میں سے ایک نے اپنی آواز حلق سے باہر نکالی وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"کیا چاہیے آپ لوگوں کو، امن رکھنا امن پسند لوگوں کا شیوا ہوتا ہے۔" وہ یہ بات سن کر کھڑی ہوئی تھی جس نے سفید کوٹ میں خود کو چھپایا ہوا تھا۔ ماتھے پر پٹی تھی اور نچلے ہونٹ کے قریب گہرا سرخ نشان جیسے اس میں سے ابھی خون ابل پڑے گا۔

"اگر ایسی بات ہے تو بتائیں مجھے امن پسند لوگ، ہم لوگوں کی یہ حالت کرتے ہوئے آپ کا امن کہاں جا سویا تھا۔ ہماری آزادی کی خوشی چھینتے وقت آپ کا امن کہاں دبک گیا تھا۔ آنکھیں سوج گئی ہیں ہماری آپ لوگوں کی آنسو گیس کی وجہ سے، اوور سیز کے ساتھ برا سلوک کرنے والے سو کالڈ امن کے پجاری۔" وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بول رہی تھی۔ کیمرہ کلک کلک اس کی تصاویر اتارے جا رہا تھا۔

"گزشتہ رات ہوئے سانحہ کے پیچھے ہم لوگوں کا ہاتھ نہیں ہے۔ آپ کے کمیونٹی ممبرز ہی ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ ہم تو سب کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔" فلک طنزیہ مسکرائی۔ مسکرانے کے دوران ہی نچلے ہونٹ میں شدید درد ہوا تھا۔ اگر حملے کی وجہ سے وہ نیچے نہ گرتی تو ضرور اس پولیس والے کو اس کی نانی یاد دلاتی جس نے اس کے ہاتھ سے اس کا پیارا بیجا جھپٹا تھا۔ وہ پولیس والا دوڑتا ہوا پولیس اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہو رہا تھا کہ اسے وہاں ارجنٹ بلوایا گیا تھا۔

"ایسے سچوئشن کو کنٹرول کرتے ہیں آپ لوگ، فی میلز کو زخمی کر کے۔" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نوح یک لخت رکا۔ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا۔

"فی میلز کارڈ نہیں کھلیں آپ، سکاٹ لینڈ میں اس چیز کی کوئی تفریق نہیں۔" وہ اندر آیا دور سے ہی اسے چاچو نظر آ گئے تھے۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا اتنی عجلت میں کیوں بلوایا مجھے۔" دوڑنے کے سبب اس کا سانس پھول رہا تھا تبھی وہ میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر پینا شروع ہو چکا تھا۔

"باہر دیکھ تو آئے ہو تم، نوح یہ سب کیا ہے؟" اس نے گلاس پر سے نگاہ ہٹا کر چاچو پر ڈالی پھر نا سمجھی سے شانے اچکا گیا۔

"جیسا کہ؟" غفران نے ایک کاغذ میز پر سے کھسکا کر اس کی جانب بڑھایا جس پر موجود کمپلینٹز کی ڈیٹیلز موجود تھیں۔ کل رات ہوئے واقعے کے پیچھے نوح کا ہاتھ ہے یہ اس چیز کا ثبوت تھا۔

"اب وضاحت دو گے۔" وہ اس کی چپی پر دست سوال تھے۔ نوح نے گہرا سانس خارج کیا۔ گلاس کو میز پر دھرا پھر دونوں ہاتھ کی انگلیاں باہم پھنسا کر بولا۔

"چاچو، وہ لوگ جاہلانہ حرکتیں کر رہے تھے جو میری برداشت سے باہر تھا۔" غفران چند ثانیے اسے تکتے رہے پھر تحمل سے گویا ہوئے۔

"دنیا ہمارے مطابق نہیں چلتی ہے نوح، یہاں ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔" نوح نے پھر سے پانی کا گلاس اٹھایا گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے گویا ہوا۔

"دنیا پلان سے چلتی ہے جو کہ میرے پاس تھا۔" اب کہ غفران مسکرا دیے ضبط بھری مسکراہٹ۔

"تمہارا پلان بے کار تھا۔"نوح نے ان کی بات کی تردید کی، ہلکا نمکین گرم پانی سرد موسم میں اندر جاتے ہوئے اسے تراوٹ بخش رہا تھا۔

"کام اس نے اچھا کیا ہے۔"غفران نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

"اونہہ، اچھا کام نہیں کیا ہے بلکہ کام بگاڑ دیا ہے۔ بہتر ہے تم ان کے باجے انہیں واپس کر دو۔"نوح نے زور سے گلاس کو شیشے کی میز پر پٹخا۔ آس پاس کے چند آفیسرز نے گردنیں موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ غفران کی نگاہوں میں بھی تنبیہ تھی۔

"ہرگز نہیں، ناممکن۔"

"تمہیں ایسا کرنا ہو گا ورنہ خامیازے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"غفران نے لیپ ٹاپ کا منہ اس کی طرف کیا جہاں بلاکس کی صورت میں گلاسگو کے کچھ حصے نظر آ رہے تھے۔ باجا پریڈ ان حصوں میں جوش و خروش سے جاری تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟"وہ ہونق بنا پوچھ رہا تھا۔

"دو باجے چھیننے کا نتیجہ۔"اسے اب بھی یقین نہیں آیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر ان پریڈز کو دیکھ رہا تھا جو ہر گلی کوچے سے نکل رہی تھی۔ پاکستانیوں کے ساتھ ساتھ اس میں ہر ملک کا باشندہ شامل ہو رہا تھا۔ مزے جو آ رہے تھے ان لوگوں کو۔

"ناقابل یقین، اوہ میرے اللہ یہ سب۔۔۔یعنی کہ حد ہے۔"اس کی بھوری آنکھوں میں بار بار باجا پریڈ کے مناظر ابھر رہے تھے۔ساتھ میں وہ لڑکی اور لڑکا بھی اس کی نظروں میں آئے تھے جن سے اسے خوامخواہ کی چڑ ہو رہی تھی۔اس نے اپنے شانے کو جارحیت بھرے انداز میں تھپکا۔

"باجے لوٹا دو نوح نہیں تو انہوں نے ہمیں پوری دنیا کے سامنے لوٹا بنا دینا ہے۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔باہر آیا جہاں وہ ابھی تک غفران کے دوست سے جرح میں مصروف تھی۔نوح نے تھوڑی اوپر کر کے با آواز بلند اعلان کیا جو کہ یہ تھا۔

"ٹھیک ہے ہم تمہیں تمہارے معزز باجے واپس کر دیتے ہیں اس لیے اس دھرنے اور پریڈز کو ابھی اور اسی وقت ختم کرو۔"اس لڑکی نے سینے پر بازو باندھے۔سامنے کھڑے بدتمیز پولیس والے کو دیکھ کر اس نے دوسرے سے تصدیق چاہی تھی۔

"ہم کر دیں گے یقیناً لیکن ہمیں آج رات کی بھی اجازت چاہیے۔"نوح کا ماتھا ٹھنکا۔

"آج کی اجازت، کس چیز کی اجازت، آج تو پندرہ اگست ہے۔"وہ کبھی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا تو کبھی غفران کے دوست کو جو صاف ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ان کی مانگیں مان چکے ہیں۔

"تو، پندرہ اگست ہے تو کیا، ہم برصغیر کے باشندے ہیں۔ چودہ اگست ہو یا پندرہ اگست ہمارے لیے آزادی، آزادی ہے۔"نوح کا جبڑا آپ ہی آپ بھینچ گیا۔اس لڑکی کی آنکھوں کی شرارت اس کا خون کھولا رہی تھی۔

"یہ سیاست ہے، آپ ان کی بات کیسے مان سکتے ہیں۔"اور انہوں نے مان لی تھی۔

"دیکھو نوجوان جس طرح چودہ اگست منائی جاتی ہے اسی طرح پندرہ اگست کو بھی سیلیبریٹ کیا جاتا ہے بس فرق اتنا ہے کہ اس بار سیلیبریشن کی نوعیت الگ ہو گی۔ایسا ہو گا تبھی تو دھرنا ختم ہو گا۔"

نوح کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔وہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ یہ سب بھی ہو سکتا ہے۔اس کے ہزار انکار، ہزار تکرار پر اسے سزا کے طور پر ایک بار پھر سے وہاں کھڑا کر دیا گیا تھا جہاں وہ کل رات موجود تھا۔کل ہلال تھا تو آج ترنگا تھا۔کل سبز و سفید کا راج تھا تو آج نارنجی رنگ بھی اپنی جھلکیاں دکھا رہا تھا۔کل صرف باجے اور جھنڈے تھے جبکہ آج، آج تو سزا تھی۔نقلی ہاتھی، کالی ماتا، یمراج، راون ڈھول، رقص اور پتہ نہیں کیا کیا تھا۔پاکستانی اور ہندوستانی مل کر آزادی منا رہے تھے۔یہاں نفرت نہیں تھی۔یہاں عداوت کے رنگ نہیں تھے۔یہاں پر گھروں سے

دور، رشتوں سے ترسے ہوئے لوگ موجود تھے۔ طلباء تھے۔ نوکری پیشہ افراد تھے۔ خاندان تھے۔ یہاں اپنی زبان والے تھے اور سارے کے سارے تھے۔

"برو آج پھر موڈ سڑا ہوا ہے۔" مائیر نے اس کے کان میں چیختے ہوئے کہا تھا کہ آج تو آواز بھی کان میں نہیں پڑ رہی تھی۔

"موڈ کو سڑانے والی نظر نہیں آ رہی ورنہ ایک بار پھر اس کا باجا چھین کر اسے سبق سکھاتا۔" مائیر کا جواب برجستہ تھا جو اتنے تیز شور میں بھی بخوبی نوح کے کان میں پہنچ گیا تھا۔

"ہاہا اور وہ تمہیں سبق سکھا دیتی اچھا او کے معذرت کھانے والی نظروں سے گھورو نہیں اب مجھے، وہ دیکھو وہ رہی جس نے تمہاری بینڈ بجائی ہے۔" مائیر کی ابرو کے اشارے پر نوح کی گردن مڑی تھی۔ صبح والے لباس میں ہی ملبوس وہ کسی ہندو لڑکی کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ ہندو لڑکی جس کے ماتھے پر بڑی ساری سندور کی ٹکیا موجود تھی منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے اس کی کسی بات پر گردن ہلا رہی تھی۔

"فساد کی جڑ، سیاستی لڑکی۔" وہ دانت چبا چبا کر اسے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ سوچوں میں کوس رہا تھا۔ یہ سب اس کی تربیت کا حصہ نہیں تھا۔ مگر وہ مجبور ہو گیا تھا خود سے کافی دور بیٹھی لڑکی کو دل ہی دل میں کوسنے پر۔

"بیچاری آج باجا نہیں بجا پا رہی کل لڑائی میں زخمی جو ہو گئی تھی۔"سیاہ یونیفارم والے نے چونکتے ہوئے اپنے دوست کے یہ الفاظ سنے سننے کے بعد تصدیق چاہی۔

"زخمی؟"سوال چیختا سا تھا۔

"جی محترم زخمی، آپ کو ان کے ماتھے کی پٹی نظر نہیں آ رہی۔"جواب بھی چنگھاڑتا سا تھا۔اس چنگھاڑتے سے جواب پر نوح نے ایک بار پھر اس لڑکی کی اور نگاہیں کی تھیں۔دیکھا تو اس نے صبح بھی تھا تو پھر اسے صبح اور ابھی کچھ دیر قبل دیکھنے پر اس کے زخم کیوں نہیں نظر آئے تھے۔وہ چھپ کیوں گئے تھے اور اب اچانک سے اس کے سامنے وارد ہو گئے۔ہوتی ہیں نا کچھ چیزیں، کچھ لمحات، کچھ واقعات جو آنکھ تب تک نہیں دیکھ پاتی جب تک اسے جھنجھوڑ کر اس کی جانب متوجہ نہیں کیا جاتا۔اسے تب تک نہیں نظر آتا جب تک اس کی بصارت حقیقت میں بصارت کا درجہ اختیار نہیں کر لیتی۔آنکھ میں نمی ہے تو خوشی کے پل پاس ہوتے بھی پاس نظر نہیں آتے۔آنکھ بامسرت ہے تو غم بھی گلوں کی طرح مہکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اور اگر آنکھ بے پرواہ ہے تو سب کچھ سامنے ہو کر بھی اوجھل رہتا ہے۔نظر آتے ہوئے بھی نظر نہیں آتا جس طرح نوح کو نہیں آیا تھا۔سفید لانگ کوٹ میں چھپی ہوئی وہ لڑکی جس کے بال فرنچ ناٹ میں گندھے تھے اسے اب زخمی نظر آئی تھی جب "زخمی" لفظ کو اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔وہ شرمندہ ہوا بے حد شرمندہ مگر فقط ایک پل کیلئے دوسرے ہی پل وہ نارمل تھا بالکل نارمل۔

"ہا، اس میں اس کی خود کی غلطی ہے۔ وہ نا اتنا شور مچاتی نہ زخمی ہوتی، انسان اپنے حصے کے درد خود اکھٹے کرتا ہے۔" وہ خود کو تسلی دے رہا تھا تسلی دے کر نارمل ہو رہا تھا کہ ایک یہی آرٹ تو تھا جو اس نے دنیا سے سیکھا تھا۔ مزید سیکھ رہا تھا۔

پندرہ اگست سولہ اگست میں بدل گئی تھی پھر بھی ہلا گلا نہیں رکا تھا کہ اس چیز کی ہی تو انہوں نے اجازت لی تھی۔ پوری رات چرانے کی اجازت۔

دن نمی لیے شروع ہوا تھا۔ کن من بارش، بھینی بھنی ہوا، سوندھی سوندھی خوشبو، منتظر منتظر نگاہیں۔۔

بس اسٹاپ پر کھڑے اسے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے مگر جس کا اسے انتظار تھا وہ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے ریسٹ واچ اپنی آنکھوں کے سامنے کی گلابی گھڑی پر سوا آٹھ بج چکے تھے۔ سیاہ لوہے کے بینچ پر بیٹھی وہ بار بار تارکول کی گیلی شفاف سڑک پر وقفے وقفے سے نگاہ دوڑا رہی تھی۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اسے نظروں کی تشنگی منہ چڑاتی ہوئی ملی۔ اس نے ایک سرد سانس فضا میں منتشر کیا۔

"کہاں ہو تم نوح۔"خود کلامی کے دوران اس نے اپنا گلابی فون اٹھایا،ڈائلڈ نمبروں میں سے نوح کا نمبر ملایا اور وہی سنا جو وہ پچھلے بیس منٹ میں ساتویں بار سن رہی تھی۔فون بند تھا۔

"اس کا فون کیوں بند ہے اب۔"لب آپس میں جامد تھے۔انکھوں کا انتظار بول رہا تھا۔

"سیرا۔"کسی نے اسے پکارا تھا۔وہ بے قراری سے کھڑی ہوئی مگر اس کی بے قراری آسمان سے گرتی ہر بوند کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئی۔پکارنے والا مائیر تھا وہ نہیں جس کی پکار کیلئے اس نے اپنا بے تحاشہ وقت برباد کیا تھا۔

"اوہ یہ تم ہو مجھے لگا نوح ہو گا۔"مائیر اس کی بات پر مسکرا دیا قریب آیا آکر کہا۔

"نہیں نوح نہیں ہے انفیکٹ وہ آج یونی سے آف لے گا۔اس کے سر میں خاصا درد ہے۔تم جانتی تو ہو شور سے اسے کتنی الرجی ہے اور کل تو طوفان بد تمیزی مچی ہوئی تھی۔بیمار ہونا لازم تھا اس کا۔" شیلٹر کے نیچے کھڑے ہو کر نوح کی بیماری کا سنتے ہی وہ پریشان ہوئی تھی۔اس کی پریشانی واجب تھی کیوں؟کیونکہ۔۔۔۔

"وہ بیمار ہے اور تم اسے تنہا چھوڑ آئے۔کتنے برے انسان ہو تم۔"وہ اپنا بیگ اور چھتری اٹھائے مڑنے والی تھی جب مائیر کے لفظوں نے اسے روک دیا۔

"برا انسان میں نہیں تم بننے والی ہو اگر اس کی تنہائی میں خلل ڈالا تو، کم آن سیر اہم کب سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اب تو اس کی عادتوں کو جان جاؤ۔" اور وہ جو جانے والی تھی رک گئی، منہ پھلا، دل دکھا۔

"وہ انتہائی روڈ اور بد تمیز انسان ہے۔ گلاسگو آ کر بھی اس کے نخرے ختم نہیں ہوئے۔" مائیر اس کی بات پر جھٹکے سے مسکرایا۔ بارش کے مدھم سے شور میں وہ نوح کا پرزور دفاع کر رہا تھا۔

"ہاں برا تو ہے وہ۔ ویسے میں حیران ہوں وہ انسان جس نے سب سے تعلق توڑنے کے باوجود تم سے جوڑے رکھا اس کے بارے میں ایسی باتیں کیسے کر سکتی ہو تم۔ سیرا، تم جانتی ہو اچھے سے جانتی ہو کہ نوح ایسا کیوں ہے۔" سیرا سینے پر بازو باندھ کر واپس بینچ پر بیٹھ گئی۔ اس کا منہ تاہنوز پھولا ہوا تھا۔

"میں اچھے سے جانتی ہوں بار بار یاد دہانی کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ تم اتنے بن سنور کر کس کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہو۔ شک ہوتا ہے مجھے تم پر اب۔" سیاہ جینز، گرے ہڈ جرسی، سلیقے سے جمے بال اور کلون کی خوشبو۔ وہ سادہ تو تھا بے حد سادہ پھر اس کی منگیتر کو وہ بنا سنورا کیوں نظر آیا۔ وہ اس کی بات پر گڑبڑا گیا۔ ایک کڑی نگاہ اس کے حلیے پر ڈالنے کے بعد وہ اپنا گلابی بیگ اٹھاتی وہاں سے ٹھک ٹھک کرتی جا رہی تھی۔ اس کی چھتری کھل چکی تھی۔ نرم سی پانی کی بوندیں اس

خوبصورت گلیٹری چھتری سے پھسل پھسل کر گرنے لگی تھیں۔ان گرتی بوندوں کے شور میں اسے مائیر کی آواز سنائی دی۔

"لاحول ولا قوۃ،جب بھی بولنا بیکار ہی بولنا۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ہو ہی نہیں سکتا۔"چھتری کے نیچے جگہ بناتے ہوئے اس نے اپنا کیس لڑا،پرزور لڑا۔

"دیکھ لو،کسی دن میں نے اپنے جاسوس تمہارے پیچھے لگوا دینے ہیں اگر مجھے بھنک بھی پڑی نا تو تمہاری خیر نہیں۔"اس کی کھلی دھمکی تھی مائیر کے اٹھتے ہاتھ۔

"یہ ہر وقت مجھ پر زیرو ڈسٹنس اٹیک مت کیا کرو تم بچے کا دل لرز جاتا ہے یار۔"وہ حقیقتاً گھبرا گیا تھا۔ساتھ چلتے لڑکی سے کیا بعید تھی وہ ایسا کر گزرے۔ایک ساتھ ایک چھتری تلے چلتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر سیرا کو دیکھا۔زبان پر مچلتا سوال جو اسے دیکھ کر پہلی ہی نظر میں دل میں آیا تھا پوچھ ڈالا۔

اچھا یہ تو بتاؤ یہ تم چائنہ کی باربی بنی کیوں پھر رہی ہو۔"سیرا کے کاندھے سے پانچ انچ کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ہیلدی سا مائیر شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"منہ بند رکھو اپنا ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"نم سڑک کراس کرنے کے بعد وہ دونوں دائیں جانب مڑ کر چلنے لگے۔زرد قمقموں کی روشنی گیلی سیاہ زمین کو ایسے منور کر رہی تھی جیسے رات میں پورے چاند کی روشنی کیا کرتی ہے۔مدھم خوبصورت اور دل لبھانے والی۔

"اچھا تو بہت ہوا کیونکہ نوح نہیں آیا واللہ وہ اگر تمہیں اس فلاپ سے باربی کے روپ میں دیکھ لیتا تو بہت سیخ پا ہوتا،ویسے یقین کرنا مشکل ہے تم جیسی سینس ایبل لڑکی بھی ان بے ہودہ ٹرینڈز میں پھنس سکتی ہے۔"سیر ار کی رک تو مائیر بھی گیا تھا۔گلابی آئی شیڈ میں ڈھکی آگ اگلتی نگاہیں،گردن کی ابھرتی ہڈیاں اور ضبط سے بھینچا جبڑا وہ ہاتھ چھتری سے باہر نکال کر پھنکارتے ہوئے بولی۔

"آؤٹ،میں نے کہا جاؤ۔"مائیر نے چھتری سے باہر نکلے اس کے ہاتھ کی جانب دیکھا جس پر پانی کی بوندیں گرنا شروع ہو چکی تھیں پھر وہ شانے اچکاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"یار تم اتنی بے مروت تو نہ بنو میں بارش میں بھیگ جاؤں گا۔"اس کی التجا پھیکی سی تھی۔سیر انے گلابی رنگ سے رنگے اپنے ناخونوں پر مائیر کی نگاہ جمتے دیکھی ساتھ میں تضحیک بھی،سیر اکا پیمانہ لبریز ہوا یوں معلوم ہوا جیسے سر کا آدھا حصہ پھٹ کر کوکر کے ڈھکن کی طرح تھرتھرانے لگا ہے۔اس نے چھتری بند کی اور جنگلی بلیوں کی طرح مائیر یعنی اپنے کزن پلس منگیتر کی طرف لپکی۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گی موٹے سانڈ، ڈپلی کیٹ پانڈا، تمہاری اتنی جرات تم میری ہر چیز کا مذاق بناؤ، تم بچو گے نہیں آج میرے ہاتھ سے۔" وہ چھتری سے اس کا نشانہ بناتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ مائیر کو جب غلطی کا احساس ہوا تب اسے دو تین لگ چکی تھیں۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہا تھا کہ اس کے سوا کوئی چارہ تھا اور نہ ہی کوئی راہ۔ گلاسگو کی نم سڑکیں دو محبت کرنے والوں کو ایک دوجے کے پیچھے دوڑتی ہوئی دیکھ رہی تھیں۔ مسکرا رہی تھیں۔

دوسری طرف جب صبح دوپہر میں ڈھل چکی تھی اور بارش تاہنوز جاری و ساری تھی تب نوح رف سے حلیے میں اپنے گھر سے باہر آ رہا تھا۔ سیاہ ٹراؤزر اور ہڈ کے ساتھ اس نے پاؤں میں قینچی چپل پہنی ہوئی تھی۔ منہ پر رات کے سڑے ہوئے ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور آنکھوں میں شدید قسم کی بے زاری و تاؤ تھا۔ بارش اسے بالکل پسند نہیں تھی خاص کر یہ مسلسل ہوتی بارش، اسے لگتا تھا جیسے اس موسم میں اس کا دل قید ہو گیا ہے اور اس قید میں بہت حبس ہے۔ اتنی ہی زیادہ جتنی اسے پاکستان میں اپنے گھر میں لگا کرتی تھی۔ اس کے اپنے گھر میں وہاں جہاں اس کا خاندان رہتا تھا۔ اس کا گھر اس کا حبس بھرا گھر، نہیں اس کے باپ کا گھر ایک قید خانہ۔

وہ جرسی کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے شیڈز کے نیچے چلنے لگا تھا۔ کہاں جانا تھا اسے نہیں پتا تھا۔ کیوں جانا تھا وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ تو بس بری طرح تھک گیا تھا۔ اکتا گیا تھا۔ کل رات کے شور نے اسے بری طرح ڈسٹرب کیا تھا۔ اسے کبھی کبھی میگرین ہوا کرتا تھا۔ رات جو سر کا درد تھا وہ اس کے

بہت اوپر کا معلوم ہوا۔ اسے اس سفید کوٹ والی پر شدید قسم کا تاؤ آ رہا تھا اگر وہ اسے مل جائے گی تو وہ اسے چھوڑے گا نہیں ناکوں چنے چبوائے گا یہ اس نے سوچ لیا تھا۔

"اوہ تو میں درست ہوں یہ نوح جبران ہی ہیں۔"

تازہ ہوا کی خاطر وہ سڑک پر بے مقصد نکلا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس ہوا خوری کے چکر میں اس کے دل کو بری طرح چکر آنے والے ہیں۔ نسوانی آواز پر اس نے اپنی آنکھیں لمحے بھر کیلئے بند کیں۔ ماضی کی ایک جھلک پل بھر کو اس کی اندھیری بصارت سے ہو کر گزری، گزر کر اسے بے وجہ سی تکلیف دے گئی۔ اس تکلیف کو دور کرنے کی خاطر ہی آنکھیں کھول کر اس نے گہرا سانس جھٹکے سے چھوڑا لبوں پر پھیکی مسکان سجائی اور مڑ گیا۔ آواز کی لوچ اس کیلئے انجان نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے، اس کی آنکھوں کے عین سامنے وہ کھڑی تھی جس کے کھڑے ہونے کا تصور شاید ہی اس نے زندگی میں کیا ہو۔ عروبہ، عروبہ واجد خان اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی، اس کے دل کی سب سے پہلی خطا۔

"حیرانی ہوئی تمہیں یہاں دیکھ کر، بلکہ بہت زیادہ حیرانی کبھی سوچا نہ تھا یوں سر راہ ملیں گے۔" نوح نے اس کے سراپے پر نگاہ نہیں دوڑائی۔ وہ اس کی آنکھوں سے نظر ہٹا پاتا تو ہی کچھ کرتا نا، ان آنکھوں نے اسے ایک بار پھر سے جکڑ لیا تھا لاکھ سمجھانے کے باوجود، لاکھ بہلانے کے باوجود۔

"کیسی ہو؟"غصہ، تنفر، بے چینی، چڑچڑاپن یک لخت ہی اڑن چھو ہوا۔ بے بسی، روگ اور کرب چپکے سے اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ مرون فر والے مہنگے کوٹ میں چھپی وہ لڑکی پورے دل کے ساتھ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں تکبر کی آمیزش تھی مسکراہٹ میں بھی اور لفظوں میں بھی جو کہ یہ تھے۔

"ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ اور حسین، تم اپنا بتاؤ"بوند بوند بارش نے پوری سڑک کو تو نم کیا ہی تھا ساتھ میں نوح کا دل بھی نم ہو رہا تھا۔ یہ دل کی نمی ہی تھی جو اس کا وجود لمحہ بہ لمحہ سرد ہونا شروع ہو چکا تھا۔ نوح کے عقب سے تھوڑی ہی دور ایک بیکری کا دروازہ کھلا جس میں سے سفید شرگ والی لڑکی بر آمد ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈونٹ تھا۔ وہ اس کے بائیٹ لیتی ہوئی ان کی طرف ہی آ رہی تھی۔

"میں بھی ٹھیک۔"لفظ ختم ہو رہے تھے مگر اس لڑکی کے بڑھتے قدم نہیں، اس کے بال آج بھی فرنچ ناٹ میں گندھے تھے۔ آج بھی وہ اسی حلیے میں تھی جس حلیے میں وہ کل تھی۔

"ہمم تو یہاں کیسے آنا ہوا تمہارا، جہاں تک میرا خیال ہے تم تو پاکستان میں ہوتے تھے نا۔"اس لڑکی کے بالوں میں پانی کے قطرے اکھٹے تھے۔ اس کے جینز کے فلیٹ قدرے گیلے تھے۔ وہ مست مگن

سی چلتی ہوئی اسی شیڈ کے نیچے آ گئی تھی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔ جہاں نوح اور عروبہ کھڑے تھے۔

"پاکستان مجھے راس نہیں آیا کبھی تو سوچا کیوں نا اس جگہ کو آزمالیا جائے۔" عروبہ ہنس دی تھی ویسے جیسے وہ ہمیشہ ہنسا کرتی تھی۔ تین انگلیاں ہونٹوں پر رکھ کر سر کو تھوڑا پیچھے گرا کر نزاکت کے ساتھ۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے یہ جگہ تمہیں راس آئے گی۔ یہاں تمہیں تمہاری منزل مل جائے گی۔" اس کی ہنسی نے نوح کے دل کو ایک بار پھر سے چھوا تھا۔ وہ اس احساس سے بری طرح مغلوب ہوا۔ سفید شرگ والی لڑکی پاؤں کو تھرکاتے ہوئے اپنی مستی میں مگن ان کے بالکل قریب پہنچ گئی تھی اتنی قریب کہ نوح کا شانہ اس لڑکی کے شانے سے ایک بازو کے فاصلے پر تھا تب ہی اس نے کہا تھا تب ہی اس کے لفظ بر آمد ہوئے تھے۔

"یوں ہی سمجھ لو، مجھے میری منزل مل گئی۔" ان دونوں کو کراس کرتے ہوئے وہ ڈونٹ کی خوشبو وہاں پھیلا کر چلی گئی۔ عروبہ نے ابرو اچکائے۔

"ویل، پھر تو گڈ لک چلو اب میں چلتی ہوں شاید پھر کبھی ملاقات ہو۔" ہاتھ اٹھا کر انگلیاں ہلا کر وہ اسے بائے کہہ رہی تھی۔ ڈونٹ کی خوشبو اب بھی وہاں موجود تھی۔ نوح کا دل اب بھی نم تھا۔ گیلے

سے موسم میں، یخ سے وجود کے ساتھ وہ خود کی حالت پر، خود کے وجود پر کف افسوس مل رہا تھا۔ یہ کیسی سچوئشن تھی جس نے اسے جکڑ لیا تھا۔ یہ کیسا لمحہ تھا جس نے اسے پکڑ لیا تھا۔ دل پھر سے بد دل ہوا، موڈ پھر سے آف، وہ اس رستے پر جہاں عروبہ گئی تھی جانے کی بجائے مڑ گیا۔ چاہ کر بھی اسے روک نہیں پایا۔ اس کے قدم واپس اپنے گھر کی طرف تھے۔ تھکے دل، بجھی حالت کے ساتھ وہ سب مایوسیاں خود میں اکھٹی کیے پر سوچ سا چل رہا تھا جب ایک زبردست قسم کی ٹھوکر اسے لگی قبل اس کے وہ گرتا اس نے خود کو سنبھال لیا تھا کہ ایک یہی کام تو اسے بہترین طریقے سے آتا تھا۔ خود کو گرنے سے بار بار سنبھالنا۔ اس نے اپنے جھکے وجود کو سیدھا کیا اور آگ برساتے موڈ کے ساتھ مڑا۔ ایک دکان کی سب سے نچلی سیڑھی پر وہ پاؤں پسارے بیٹھی تھی۔ جس سے وہ دو دنوں سے شدید قسم کی چڑ کھا رہا تھا۔ نوح اس کے پاؤں سے الجھ کر ہی گرنے والا تھا کہ سنبھل گیا۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس صورتحال کو کیسے سنبھالے گی تبھی اس کے ڈونٹ کی آخری بائیٹ گلے میں اٹک گئی تھی۔ خوف سے آنکھیں پھاڑے اس نے بامشکل میٹھے سیال کو حلق سے نیچے اتارا، اتار کر پھیکی مسکان کے ساتھ اس آگ کے گولے کو دیکھنے لگی جو بس آتش فشاں بن کر پھٹنے ہی والا تھا اور دیکھو وہ پھٹ گیا۔

"اللہ نے آنکھیں دی ہیں یا نہیں ہاں؟" اونچی، دبنگ، شعلوں میں بجھی آواز۔

"دی ہیں نا۔۔۔ دو۔" وکٹری کا سائن بنا کر مسکینیت سے جواب دیا۔

"تو ان کا استعمال بھی کرنا آتا ہو گا، نہیں؟" فلک نے اطراف میں اپنے آئی بالز کو گھمایا، گھما کر اثبات میں سر ہلایا ایسے جیسے وہ مجرم ہو اور اپنا جرم قبول کر رہی ہو۔

"تو پھر جب دیکھ رہی تھی میں آ رہا ہوں تو پاؤں سمیٹ نہیں سکتی تھی تم، تمہارا بیڈ نہیں ہے یہ، راستہ ہے جس پر تم پاؤں پسار کر بیٹھی ہوئی ہو۔ سارا موڈ خراب کر دیا میرا۔" ماتھے پر بل ڈالے وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ سینے پر بازو باندھے اور گردن اٹھا کر بولی۔ مسکینیت اڑن چھو ہوئی۔ غلطی کا احساس ہوا میں تحلیل۔

"تمہارا موڈ گیا ڈونٹ لینے اور یہ پبلک پراپرٹی ہے عوام کی جگہ، یہاں میں جیسے چاہوں جس انداز میں چاہوں بیٹھ سکتی ہوں۔ جسے چلنا ہے نا وہ دیکھ کر چلے حکم نہیں چلائے۔" منہ پھلا کر ماتھے پر بل ڈالے وہ ایک سانس میں بول گئی تھی۔ نوح کے ہاتھ کی مٹھی بنی ہوئی تھی اگر وہ لڑکی نہ ہوتی تو اب تک وہ اس کے دانت توڑ چکا ہوتا۔

"تو پھر بیٹھی کیوں تھی لیٹ جاتی آفٹر آل پبلک پلیس ہے یہ۔" وہ سانس روک کر، دانت پیس کر، گردن کی ہڈیاں دکھاتی ایک قدم آگے بڑھی۔

"پبلک پلیس میں بل ڈوگ لیٹے ہوئے اچھے لگتے ہیں جو کہ ابھی لیٹنے ہی والا تھا مگر قسمت اس کی بچ گیا۔"منہ توڑ جواب دے کر وہ اس کا منہ توڑنے کا ارادہ رکھتی تھی۔اس ارادے کو وہ فیوچر میں پورا کرے گی اس نے سوچ لیا تھا۔

"بہت ہی بد تمیز لڑکی ہو تم۔"فلک نے تضحیک آمیز انداز میں لبوں کو پھیلایا جبکہ نوح کا فشار خون خود کیلئے بل ڈوگ لفظ استعمال کرنے پر بڑھ چکا تھا۔کن من ہوتی بارش تھم رہی تھی۔مطلع دھیرے دھیرے صاف ہونے لگا تھا۔

"اور آپ بہت تمیز دار مائی لارڈ۔"نوح نے لبوں کو بھینچا۔جرح بیکار تھی غصہ فضول۔وہ ضبط پر چڑھا اسے کچھ کہنے والا تھا مگر لفظوں اور وقت کی بربادی کا سوچ کر سر جھٹک کر مڑ گیا۔فلک نے اس سے زور کا سر جھٹکا تھا۔

"ہونہہ،مجھے تو جیسے فرق پڑتا ہے ناماہ بدولت کے غصے کا،سنکی بل ڈوگ۔"وہ واپس اس جگہ پر پاؤں پسار کر بیٹھ گئی تھی۔کون تھا جو فلک سفیر کو اپنی زندگی کے یہ پل جینے سے روک سکتا تھا۔کون تھا جو اس وقت اسے ٹوک سکتا تھا۔یہ وقت،یہ لمحہ اس کا تھا اور اسے وہ اپنی مرضی سے جینا چاہتی تھی صرف اپنی مرضی سے۔

چار دن سے ہوتی بوندا باندی نے پورے گلاسگو کو بھگو دیا تھا۔ آج چار دن بعد بارش تھمی تھی۔ وہ مطلع جو کچھ وقت کیلئے صاف ہوتا تھا آج بالکل صاف تھا۔ آسمان پر زرد رنگ کا سورج نحیف سے وجود کے ساتھ کھڑا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے نیلے آسمان پر پینٹ کے چھینٹوں کی ماند جگہ جگہ موجود تھے۔ پرندے وقفے وقفے سے یہاں وہاں منڈلاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ نیلے سمندر پر جیسے سفید راج ہنس تیر رہے ہوں۔ اس خوبصورت سے دن میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں سے بدصورت سی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کسی کے رونے کی، چلانے کی، نجات کی بھیک مانگنے کی آوازیں۔

"مجھ سے چھپو گی، مجھ سے، اپنے شوہر سے تمہاری میں جان نکال دوں گا۔" کوئی چیز اٹھا کر ماری گئی تھی۔ دلدوز چیخ حلق سے بر آمد ہو کر کمرے میں ہی دم توڑ گئی۔ خواہشات آرزوؤں مٹ گئیں۔ نسوانیت جانے کہاں جا کھوئی۔

"خبر دار، میں نے کہا خبر دار تمہاری آواز بھی نکلی تو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" سرخ آنکھوں سے وہ خوف کھا گئی تھی۔ مردانہ ہاتھ کا دباؤ اس کا منہ سہار نہیں پا رہا تھا۔ پھٹی آنکھوں کے ساتھ، آنسوؤں کے سمندر کے اس پار اسے وہ خوف ناک چہرہ نظر آیا جس سے نجات کی خاطر وہ کئی بار بھاگی تھی۔ کئی بار چھپی تھی مگر قسمت کی یاوری تو دیکھو وہ ہر بار اس کے سامنے آجایا کرتا تھا۔ وہ ہر بار اسے گھیر لیا کرتا تھا۔

"مجھے نہیں مارو ایاز، میں، میں آئندہ کہیں نہیں جاؤں گی۔" ہاتھ جوڑ کر روتے کرلاتے ہوئے وہ اس سے بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں سوج تو اس کا چہرہ بھی گیا تھا۔ مراد نہ بھاری ہاتھ کے تھپڑ کچھ زیادہ ہی سخت تھے۔

"تمہاری اتنی جرات ہی نہیں ہے اگر اب تم نے گھر سے باہر قدم نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری اور آئی مین اٹ۔" انگلی اٹھا کر وہ اسے وارن کر رہا تھا۔ بالوں سے پکڑ کر جب اس نے اسے چھوڑا تو جھٹکے کی شدت کی وجہ سے اس کا سر ماربل سے ڈھکی زمین پر زور سے لگا تھا۔ جس کے سبب اس کے ماتھے سے خون جاری ہو چکا تھا۔ وہ لڑکی زمین پر گری رو رہی تھی۔ اس کے ماتھے سے نکلتا خون اطراف میں اکھٹا ہونا شروع ہو چکا تھا۔ ہچکولے لیتے وجود کے ساتھ اس نے آہستہ سے خود کو اٹھایا۔ آنسوؤں سے تر چہرے، پھٹے ہوئے ماتھے اور ہونٹ کے ساتھ وہ خود کو اٹھا کر واش روم میں لائی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر اسے رونا آرہا تھا بہت زیادہ رونا۔ اس کا ایک گال سوجا ہوا تھا اور بال بری طرح بکھرے ہوئے۔ وہ خود کو دیکھتی رہی کئی لمحے کئی ساعتیں پھر اس نے نظریں جھکا لیں کہ وہ آج زندگی کے اس موڑ پر کھڑی تھی جس پر وہ خود سے بھی نگاہ ملانے سے قاصر تھی۔ خود کو پہچاننے سے بالکل نا آشنا۔

"امی مجھے وہ بہت مارتا ہے۔ امی مجھے واپس پاکستان آنا ہے۔" اس کی آواز اسی کیلئے صور بن کر آس پاس منڈلانے لگی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سختی سے کانوں پر جما لیے۔

"بکواس بند کرو اپنی اور چپ کر کے اس کے ساتھ رہو۔ آئندہ تمہارے منہ سے میں یہ فضولیات نہیں سنوں۔" ماتھے کا خون بہہ کر آنکھ سے ہوتا ہوا گال پر آگیا تھا۔ اس کی ناک پر بھی تو خون کے چھینٹے تھے۔

"لیکن وہ مجھ پر تشدد کرتا ہے۔ درندہ ہے وہ۔"

"بس چپ، اگر وہ تمہیں مارتا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے اکثر مرد ایسا کرتے ہیں۔ تمہارے باپ نے بھی تو مجھے پوری زندگی مارا ہی ہے تو کیا میں اسے بھی درندہ کہنا شروع کر دوں۔ ایک بات یاد رکھو تم، جب تک تم ایاز کے ساتھ رہو گی ہمیں آسانی رہے گی ورنہ جو ہمارے حالات ہیں اس سے تم اچھے سے واقف ہو اور شاید تم اتنی خود غرض نہیں ہو کہ اپنی ہٹ دھرمی کی خاطر ہم لوگوں کو وقت دو۔"

وہ یک دم تھم گئی تھی۔ لفظ جیسے رہے ہی نہیں تھے۔ وہ انہیں ضائع بھی کیوں کرتی وہ بھی ان لوگوں کیلئے جنہوں نے پوری زندگی اسے استعمال ہی کیا تھا مزید کر رہے تھے اور شاید کرتے رہیں گے تب تک جب تک وہ مر نہیں جاتی۔

اس کی آنکھوں میں جو کرب تھا وہ ان آنکھوں میں نہیں تھا جو اس وقت پولیس اسٹیشن میں موجود تھیں۔ ان آنکھوں میں فقط دکھ تھا نوح کیلئے دکھ۔

"کیسا ہے میرا بیٹا؟"ڈیوٹی آورز میں اپنی کرسی پر بیٹھے غفران کی آنکھوں میں دکھ کی لکیریں ابھر آئی تھیں۔وہ جواب نہیں دینا چاہتے تھے لیکن پابند تھے۔باپ جیسے بھائی کے لفظوں سے کیسے منہ پھیر لیتے بھلا۔

"ویسا ہی جیسا پہلے تھا۔زندہ مگر زندگی سے عاری۔"دوسری طرف خاموشی چھائی رہی دبیز چپ اور گہری خاموشی۔

"میرے بارے میں کوئی بات کی اس نے۔"توقف کے بعد آس بھرا سوال ابھرا جس کا جواب مایوسی بھرا تھا۔

"وہ تو اپنے بارے میں نہیں کرتا بات کجا کہ کسی اور کے بارے میں کرے۔آپ جانتے تو ہیں خاصا کم گو ہے۔"جبران کے دل پر اوس گری جس کے سبب ان کا پورا وجود تکلیف کی شدت سے لرز گیا۔

"تم اسے کہا کرو نا بولا کرے۔تم سے محبت بھی تو بہت کرتا ہے وہ۔"لہجے کی تشنگی،آواز کی یتیمی دوریوں کی بیڑیاں سب محسوس کرتے ہوئے غفران کا دل بھی بجھ بجھ جا رہا تھا۔بجھے دل کے ساتھ ہی مسکرائے۔

"محبت اور اپنی ذات کے بیچ میں اس نے بہت مضبوط اور بڑی دیوار کھڑی کی ہوئی ہے بھائی صاحب، وہ ان دونوں چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھتا ہے شاید تبھی تنہا ہے۔" غفران کے کڑوے لفظوں پر جبران کا سینہ کٹ گیا۔ تڑپتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ایسے نہیں کہو، میرے بیٹے کی زندگی میں تنہائیاں نہیں ہیں بہت جلد وہ اپنی نئی زندگی شروع کرے گا اور تب وہ بہت خوش ہو گا۔" غفران ان کے لفظوں پر بے طرح سٹپٹائے۔ چونکاہٹ بے ساختہ تھی۔

"اس سب کا کیا مطلب ہے۔ کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ۔" اسپیکر میں سے طویل سانس کی آواز سنائی دی۔ اسی وقت غفران کے پاس ایک افسر آیا تھا جسے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہہ کر وہ انہیں سن رہے تھے جو لمبا سانس بھرنے کے بعد کہہ رہے تھے۔

"میں نے اس کیلئے لڑکی پسند کر لی ہے بہت جلد میں اس کی شادی فکس کرنے والا ہوں۔" غفران کے چہرے پر گہرے سائے لہرائے۔ وہ ششدر انداز میں اپنے بڑے بھائی کی بات کو ہضم کرنے کی کوشش میں تھے جو کہ نہیں ہو رہی تھی۔

"مذاق کر رہے ہیں نا؟" انہیں یقین نہیں آیا۔

"میں سنجیدہ ہوں غفران، کچھ تو کروں اس کیلئے۔" انہیں اب یقین آیا تھا مگر سماعت جیسے اب بھی بے یقین سی تھی۔ ان کی حیرت گہرے سیاہ سمندر میں سفید روشنی جیسی تھی۔

"آپ، آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں اس کے ساتھ، آپ اتنے سنگدل کیسے ہو سکتے ہیں بھائی۔" انہوں نے احتجاج کیا تھا پر زور احتجاج۔

"اس کی حالت کے پیش نظر مجھے یہی بہتر لگ رہا ہے غفران، یہ وقت بالکل بھی جذباتی ہونے کا نہیں ہے۔" غفران نے تلخی سے سر کو جھٹکا۔ پولیس اسٹیشن میں واکی ٹاکی کے سگنلز کی گونج، فون کی گھنٹیاں اور چہل پہل کا شور برپا تھا۔ اس شور سے بھرے ماحول میں بھی غفران کو لگ رہا تھا جیسے وہ قبر میں آن بیٹھے ہوں جہاں فقط اندھیرا ہوتا ہے۔ گھٹن، تاریکی، تنہائی اور خاموشی بھی۔۔ دبیز خاموشی۔

"جذباتی یا پھر پتھر دل، بھائی اس کی زندگی سے کب تک کھیلیں گے آپ، کب تک وہ کٹھ پتلی بنا رہے گا۔ اسے بھی حق ہے اپنی زندگی جینے کا۔" جبران نے افسردگی سے کہا تھا۔ وہ اس فیصلے سے ناخوش تھے بے حد ناخوش۔

"جو کہ اسے ملا تھا بلکہ ملا ہوا ہے۔ وہ پچھلے چوبیس سالوں سے اپنی مرضی کی ہی تو زندگی گزار رہا ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں ہے اسے۔" جبران کچھ ساعت سانس لینے کو رکے رکنے کے بعد دوبارہ کہنے لگے۔

"میں اسے بزنس پڑھانا چاہتا تھا وہ میڈیسن میں گیا۔ میں اسے ہاسپٹل تعمیر کروا کر دینا چاہتا تھا اس نے یونیورسٹی میں جاب شروع کر دی اور جب میں نے اس کیلئے یونیورسٹی بنوانا چاہی تو وہ اسپیشلائزیشن کرنا شروع ہو گیا۔ وہ بچپن سے لے کر آج تک اپنے فیصلے میں خود مختار ہی رہا ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک وہی ہوا ہے جو نوح نے چاہا ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو۔ سب تمہارے سامنے واضح ہے۔" غفران ماتھے کو مسلتے ہوئے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک جبران کو نوح کی مرضیاں نظر آ رہی تھیں مگر وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ وہ مرضیاں اس نے کیوں شروع کیں۔ کس کیلئے کیں اور کس وجہ سے کیں۔ یہی وجہ تھی کہ بچپن سے لے کر آج تک وہی نوح کے قریب رہے تھے۔ جبران کے بعد غفران ہی تھے جو نوح کو بہت چاہتے تھے۔ وہ اکثر پاکستان اس سے ملنے چلے جایا کرتے تھے خاص کر چھٹیوں میں، تب وہ اور نوح ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارتے تھے۔ نوح کم گو ہے۔ وہ مسکراتا بھی بہت کم کم ہے۔ سنجیدگی کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ کام سے کام رکھنے والا انسان ہے۔ زیادہ شور سے، ہجوم سے گھبراتا ہے۔ تنہائی میں رہنا، مراقبوں میں غرق ہونا اسے بہت پسند ہے۔ پارٹیز اسے پسند نہیں۔ سرپرائزز سے اسے خار ہے۔ وہ بہت

جلد اکتا جانے والا لڑکا ہے۔ وہ خود سے اور دنیا سے شدید بے زار ہے۔ وہ یہ سب چیزیں اس کے بچپن میں ہی اس میں نوٹ کر چکے تھے۔ ان کا خیال تھا بڑا ہو کر وہ بدل جائے گا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ گھٹ کر رہنے والا نوح اپنے اندر ہی گھٹ کر رہ گیا۔ غفران کی کوشیشوں کے باوجود بھی وہ ویسے ہنس کر نہیں جی سکا تھا جیسے اس کی عمر کے لڑکے جیا کرتے ہیں۔ وہ ویسے نہیں رہتا تھا جیسے اس کی عمر کے لڑکے رہا کرتے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا اگر جبران اپنے بیٹے کے بارے میں جان جاتے جان کر مان جاتے تاکہ نوح کا رہا سہا مان برقرار رہتا ٹوٹتا نا۔

کتنا اچھا ہوتا نا گر ہر باپ اولاد کو اس طرح سمجھ پاتا جس طرح اسے سمجھنا چاہیے تھا۔ کتنا اچھا ہوتا نا اگر اولاد باپ کی ڈیفینیشن درست طریقے سے سمجھ پاتی۔ اس کے مفہوم کو اچھے سے جان پاتی۔ کہ باپ کیا ہے اور کیوں ہے؟ باپ کیا کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟ انہیں بھی اچھے سے معلوم ہوتا کہ باپ باگ دوڑ کرتے ہیں۔ باپ خاندان کا بوجھ اپنے کندھوں پر لادے ہوتے ہیں۔ باپ بے حد مصروف ہوتے ہیں۔ باپ وقت نہیں دے پاتے۔ باپ مسکرا نہیں پاتے۔ باپ ایک مشین ہے۔ مفت کی پیسہ چھاپنے والی مشین۔ وہ ایک ایسا اے ٹی ایم ہے جو کبھی ایکسپائر نہیں ہوتا۔ وہ ایسا بینک ہے جس کی کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی دولت ہے جو کبھی خالی نہیں ہوتی۔ باپ مفت کا مزدور ہے جو کام کرتا ہے اور پھر اجرت بھی شام کو مالک کے ہاتھ میں ہی لا کر رکھ دیتا ہے۔ باپ بے زار ہے۔ ناراض ہے۔ چڑچڑا ہے۔ لیکن باپ بھی ایک انسان ہے۔

"ٹھیک ہے جو آپ کو بہتر لگے کریں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں بھلا۔" بھائی کی جبلت کو جانتے ہوئے کچھ دیر بعد انہوں نے کہا تھا کہ جو بھی تھا آخر کو نوح پر سب سے زیادہ حق جبران کو ہی تھا کیونکہ وہ اس کے باپ تھے۔ اس کے سگے باپ۔

"تم نہیں سمجھ سکتے غفران، میں جو کر رہا ہوں وہ اس کی بہتری کیلئے ہی کر رہا ہوں۔ ایک دن تمہیں اس بات کا ادراک ہو جائے گا۔" انہوں نے بات ختم کر کے فون بند کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے ان کی دوراندیشی سب ٹھیک کر دے گی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک بار جب کچھ بگڑ جاتا ہے تو پھر سدھارے نہیں سدھرتا۔ ریت سے بنے شیشے میں اور کھنکھناتی مٹی سے بنے انسان میں جو چاک آتا ہے وہ کبھی بھر نہیں پاتا۔ عمر گزر جاتی ہے۔ اصل صورت نہیں نکلتی۔

نیلے آسمان تلے بیٹھی وہ اپنے بیگ کی زپ کو جھٹکے سے کھول بند کر رہی تھی۔ اس کے گلابی سٹریکنگ والے بال آج لوز کرل ہو کر دائیں بائیں شانوں پر گرے ہوئے تھے۔ رخساروں پر دراز پلکوں کے سائے تھے اور آنکھوں میں سوچ کی پرچھائی، میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے سنگی بینچ پر بیٹھی وہ لیدر کے بھورے بیگ کی زپ کو مسلسل کھول بند رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں بیٹھی تھی اسے نہیں معلوم تھا۔

معلوم تھا تو بس اتنا کہ اسے آج ہر حال میں نوح سے ملنا ہے۔ وہ دو دن سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔ سیر انے دو دن سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ زپ کے ساتھ کھیلتی انتظار کی گھڑیوں کو ماپ رہی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کے باہر بچھے سنگی بینچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا اسے خاصا احمکانہ سا لگ رہا تھا پھر بھی وہ ایسا کر رہی تھی۔ اس کا انتظار زیادہ طویل نہیں گیا۔ ایک سائے نے اسے کور کیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو نوح سنجیدگی کا پیکر بنا اسے تک رہا تھا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو۔" آج اس کی آواز خطرناک حد تک سنجیدہ تھی۔ بھورے بیگ کی سٹرپ کو کاندھے سے پکڑے وہ دست سوال تھا۔

"تمہارا انتظار۔" سر اٹھا کر جواب دیا گیا۔ نوح نے ابرو اچکائے۔ وہ پورا سورج کے سامنے کھڑا تھا تبھی تو سیر اچھاؤں میں آگئی تھی نوح کی چھاؤں میں۔ وہ اس کی اسی طرح حفاظت کیا کرتا تھا۔ بنا کچھ کہے بغیر کچھ جتائے۔ عمل کے ساتھ۔

"وجہ؟" سیر انے نچلہ لب ہونٹوں میں دبا کر مسکرا کر چھوڑا پھر ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ وہ اب بھی سائے میں تھی کیونکہ نوح اس سے دراز تھا۔

"تم دو دن سے غائب تھے نوح، میں پریشان ہو گئی تھی میرا پریشان ہونا بنتا ہے۔" وہ چند ثانیے اسے تکتا رہا پھر مڑ گیا۔ اس کے مڑتے ہی دھوپ نے ایک بار پھر سے سیرا کا احاطہ کیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لپکی۔

"اب کہاں جا رہے ہو بنا بات کیے۔" نوح کے ڈگ بڑے تھے۔ سیرا کو اس کے ساتھ چلنے کیلئے بھاگنا پڑ رہا تھا۔ بڑے بڑے سیمنٹ کے بلاکس ان کے قدموں کے ان دیکھے نشانات کو اپنے اوپر ہمیشہ کیلئے ثبت کر رہے تھے۔ فضا میں ان کی آواز ہمیشہ کیلئے چپک رہی تھی۔ گلاسگو کا آسمان دھیمی مسکان کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں اپنا لیکچر لینا چاہیے تھا۔ وقت برباد نہیں کرنا چاہیے تھا اور یوں بھی میں آج بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" سیرا چلتے چلتے اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ برہمی سے اسے دیکھ کر بولی۔

"تمہارا کب موڈ ہوتا ہے نوح، جب دیکھو تم آف رہتے ہو۔ کم آن ہم لوگ بہن بھائی ہیں۔ یک قلب دو جان۔ مجھ سے تو کچھ مت چھپاؤ۔ مجھے تو کم از کم تمہاری پریشانی کی وجہ کا علم ہونا چاہیے نا۔" وہ اسے دیکھتا رہا کچھ نہیں بولا کہ آج اس کا کچھ بھی بولنے کا دل نہیں تھا کہ آج جو تکلیف ہوئی تھی اس کا مداوا کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔ کہ آج درد کی انتہا الگ تھی بالکل لگ، ایک دم مختلف۔

"بس کر دو، نکل آؤنا اس فیز سے، موو آن کر لو۔" وہ اس کا ہاتھ تھام چکی تھی۔ نوح جبران بنا اس کا ہاتھ جھٹکے چپکا کھڑا اسے سن رہا تھا۔ پتہ نہیں سن بھی رہا تھا یا نہیں۔

"ہم سب کو تمہاری فکر ہے۔ ہم سب تم سے محبت کرتے ہیں۔ ہماری محبت کی خاطر ہی خود سے بے زاریت ختم کر دو پلیز۔" سنہرے سورج کے نیچے کھڑی مدھم آواز میں ٹھہر ٹھہر کر وہ بہت آس سے اس سے کہہ رہی تھی۔ نوح نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑایا، چھڑا کر ایک قدم پیچھے ہوا، دو قدم، چار قدم اور پھر بہت سارے قدم۔ وہ بنا کچھ کہے وہاں سے جا رہا تھا۔ مڑنے سے پہلے وہ نارمل تھا مگر مڑتے ہی اس کے چہرے پر روہانسیت طاری ہو گئی تھی۔ اس کا دل دکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ایک ایک کر کے رگوں کو کاٹ رہا ہو۔ کند چھری کے ساتھ، بہت آہستہ سے۔ اس آنکھوں میں نمی کی دبیز پرت اکھٹی ہو چکی تھی۔ کانوں میں دل چیر جملے گونجنے لگے تھے۔ اپنے عقب میں سوالیہ بنی سیرا کو چھوڑ وہ ان جملوں پر کان دھر رہا تھا جن پر اسے کان بالکل دھرنے نہیں چاہیے تھے۔ وہ جملے یہ تھے۔

"تمہارے لیے لڑکی پسند کر لی ہے میں نے، اس بار جب چھٹیوں پر آؤ گے تو شادی کی ڈیٹ فکس کر دوں گا۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا یونیورسٹی سے باہر آرہا تھا۔ وہ کہاں جارہا ہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کے قدم انجان منزل کے مسافر تھے۔ اس کی سوچیں بے رحم جملوں سے بھری ہوئیں تھی۔

"تم اچھے ہو نوح لیکن تمہارے ساتھ شادی نہیں کر سکتی میں، تم خود کو جانتے ہو اور مجھے میری نسل کے بارے میں سوچنا ہے۔ تم کبھی بھی ایک بہترین شوہر اور ایک بہترین باپ نہیں بن سکتے اس لیے مجھ سے آئندہ رابطہ مت کرنا۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اس کے ساتھ ہی کان بھی، دانت پر دانت جمائے وہ چلے جارہا تھا۔ لوگوں کی طرح ہوا بھی اس کے دائیں بائیں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ پلکیں جھپک جھپک کر وہ نمی کو حلق میں انڈیل رہا تھا۔ برسوں بعد اس کے زخم ادھیڑے گئے تھے۔ برسوں بعد اسے پھر سے تکلیف سے دوچار کیا گیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے ایک ناپاک خون کبھی پاک رشتہ قائم کر سکتا ہے۔ تم اپنے دل کو آب زم زم سے بھی دھو آؤ گے ناتب بھی عروبہ واجد تمہیں چوز نہیں کرے گی۔"

اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ سماعت، بصارت، حواس سب کچھ گم ہو گئے تھے۔ وہ کہاں ہے اسے نہیں پتا تھا۔ وہ کیا کر رہا ہے نہیں جانتا تھا۔ دل سے قطرہ قطرہ کر کے خون بہنے لگا۔ پورا عالم جیسے سرخ ہو گیا ہو۔ پورا عالم جیسے سوز میں ہو۔

"میرا دل کرتا ہے میں مر جاؤں اور میں جانتا ہوں میری موت حرام ہی ہو گی۔"

سڑک کب ختم ہوئی۔ بجری اور چھوٹے چھوٹے پتھر کب اس کے قدموں تلے آئے وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا کچھ بھی نہیں۔ یہ بھی نہیں کہ لوگ چیخ کر چلا کر اسے بلا رہے ہیں۔ اسے وہاں سے ہٹ جانے کی تلقین کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

"یہ بن کتنے کا ہے۔ کیا اتنا مہنگا، یا خدا یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ تم لوگ تو لوٹ رہے ہو عوام کو۔" بیگی پینٹ اور اس پر سفید کوٹ اوڑھے وہ بن والے سے بحث میں مگن تھی۔ اس کے بال آج بھی فرنچ ناٹ میں گندھے تھے۔ بالوں کی لٹیں آج بھی گالوں پر جھول رہی تھیں۔

"میڈم آپ نے اگر خریدنا ہے تو پلیز پے منٹ کر دیں۔ گاہکوں کی لائن لمبی ہے۔" اس نے پر سوچ انداز میں بن کو دیکھا اور پھر اس کی قیمت کو، پیٹ کی آواز بتا رہی تھی اسے بھوک لگی ہے جبکہ جیب چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ آج بن خریدنے کی اس کی استطاعت نہیں ہے۔ اس لیے اس نے دل پر پتھر رکھ کر شیشے پر انگلی بجائی اور پھر چاکلیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئی بولی۔

"مجھے یہ دے دیں بن سے تو یہی بہتر ہے۔" سیلز گرل نے اثبات میں سر ہلتے ہوئے منہ بنا کر شہادت کی انگلی جتنی چاکلیٹ بار کا پیکٹ نکال کر شیشے پر پٹخا اور اس سے پیسے لے کر بل بنانے لگی۔

مشین سے بل کی پرچی نکلتے ہی فلک لائن سے ہٹی تھی۔ لمبی قطار تھی اور سامان سے لدی ہوئی ٹرالیاں۔

"لوگوں کے پاس کتنا پیسہ ہے۔" ریپر کو اتارتے ہوئے وہ سرسری سی نگاہ ہر ایک کی ٹرالی پر ڈالتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اس کے دل میں حسرت جاگنے لگی جسے آعوذ باللہ پڑھ کر جھٹکتے ہوئے وہ شاپ سے باہر آئی تھی۔ شاپ کے عین سامنے ریلوے اسٹیشن تھا جس کی سیڑھیاں کچھ لوگ عجلت میں پھلانگ رہے تھے۔ افراتفری کا عالم تھا کچھ تو ضرور ہو رہا تھا۔ تجسس کی ماری کے قدم عوام کی جوش بھری رفتار پر تھمے تھے۔

"کیا ہو سکتا ہے بھلا۔" خود کلامی کرتے ہوئے وہ تھوڑی کڑوی چاکلیٹ کے بائٹس لیتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف آئی۔ ابھی وہ وہاں پہنچی ہی تھی کہ ایک دو لڑکیاں اس کے شانے سے ٹکراتے ہوئے نیچے کی سمت بھاگی تھیں۔

"افف دیکھ کر نہیں چل سکتی۔" اپنا کاندھا سہلاتے ہوئے وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔ ابھی وہ آدھی سیڑھیوں تک ہی پہنچی تھی کہ سامنے سے نظر آتے منظر نے اس کے دل کو ہولا دیا۔ وہ اس لڑکے کو پہچان گئی تھی۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گئی تھی۔ لوگ چیخ کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو کچھ ویڈیوز بنا رہے تھے۔ مگر وہ انسان ٹھس تھا جیسے کسی نے اس کی کان سی

دیے ہوں۔کان کا پردہ پھاڑ دیا ہو اور دماغ تک جاتی رگیں بند کر دی ہوں۔وہ ایسا کیوں کر رہا تھا اسے سمجھ نہیں آئی مگر اسے کیا کرنا تھا یہ وہ اچھے سے جانتی تھی تبھی چاکلیٹ کو وہیں سیڑھیوں پر پھینکتی اس کی طرف بھاگی تھی۔ٹرین کے قریب آنے کی آواز آ رہی تھی۔لوگ چیخ رہے تھے اور وہ،وہ تو انجان بنا بس ریل کی پٹڑی کے درمیان چلتا جا رہا تھا۔فلک لوگوں کو چیرتی ہوئی نیچے آئی۔

"اوئے سنو،ہیلو ہٹو وہاں سے۔"وہ دونوں ہاتھ بلند کرتی کراس کے سے انداز میں ہلاتی ہوئی چیخی۔ وہ ہونق ہو رہی تھی۔ٹرین کی سیٹی پر گردن موڑ کر ٹنل کی اور دیکھا۔جانے کیوں خوف اس کے بدن میں سرایت کر گیا۔

"آفیسر،کک،کیا نام ہے تمہارا خدا کیلئے ہٹ جاؤ وہاں سے ورنہ مر جانا ہے تم نے۔"ٹرین کی لائیٹ ٹنل میں سے نظر آنے لگی تھی۔ریلوے ٹریک لرزنا شروع ہوا تھا جس کے سبب ان سب کے پاؤں میں تھرتھراہٹ ہو رہی تھی جو پٹڑیوں سے تھوڑا قریب تھے۔

"کیا کروں،کیا کروں۔"اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ٹرین کو دیکھ کر تو وہ اور بوکھلا گئی۔کوئی اس لڑکے کی مدد کو نہیں بڑھ رہا تھا۔سب چیخ رہے تھے یا پھر ویڈیوز بنا رہے تھے۔فلک نے تیزی سے قریب آتی ٹرین پر آخری نظر ڈالی پھر دھک دھک کرتے دل کے ساتھ برق رفتاری سے ایک پٹڑی کو کراس کر کے دوسری پر آئی۔قبل اس کے کہ ٹرین اس لڑکے کو کچلتی وہ اسے کالر سے پکڑ

کر کھینچ چکی تھی۔ دونوں کے وہاں سے ہٹتے ہی ٹرین تیز آواز اور ہوا کے ساتھ وہاں سے گزری تھی۔ لوگوں کی چیخیں یکدم ہی بلند ہوئیں کیونکہ انہیں لگا وہ لڑکا کچلا جا چکا ہے جبکہ وہ لڑکا اس لڑکی کے کھینچنے پر ہی پاس والی پٹڑی پر گر گیا تھا۔ گرنے کے سبب جب چوٹ لگی تو دماغ نے کام کرنا شروع کیا۔ حیرت میں غلطاں وہ اپنے سے تھوڑی دور گری لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ اور شاید پاؤں میں چھوٹے چھوٹے کنکروں کی باعث کھرونچیں لگ گئی تھیں۔ وہ نیم دراز سی لیٹی اپنی چھلی ہوئی کہنی کا معائنہ کر رہی تھی۔ اس کی چوٹ واضح تھی۔ چوٹ تو اسے بھی لگی تھی مگر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ششدر سے انداز میں اپنے آس پاس کے منظر پر نظر ثانی کرنے لگا جہاں بہت سی فلیش لائٹس آن تھیں۔ بہت سے لوگوں کے ہاتھ منہ پر جمے تھے اور آنکھیں پھٹی تھیں۔ وہ تعجب آمیز انداز میں پولیس کو دیکھ رہا تھا جسے شاید انہی لوگوں میں سے کسی نے بلایا تھا۔ ایک پولیس آفیسر اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اسے اچھے سے سمجھ آ رہی تھی۔ اس کی

بصارت، سماعت، حواس سب کھل گئے تھے۔

"سر آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔ خودکشی کا ارادہ کرنے کے جرم میں ہم آپ کو گرفتار کرتے ہیں۔" سلور چمکتی ہوئی ہتھکڑی اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اسے بازو سے تھام کر پولیس اسٹیشن لے جایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی تھی جس نے اسے بچایا تھا۔ وہ اس کے

ساتھ کیوں تھی نہیں جانتا تھا۔ جو دکھ اسے مل چکے تھے ان کے سامنے یہ سب معاملات بالکل ہیچ تھے۔ ایک دم ہیچ۔

"یہ تو زیادتی ہوئی نا ایک تو مدد کرو اوپر سے سزا بھی بھگتو بھئی میں کس خوشی میں یہاں پر ہوں۔ مجھے بالکل بھی یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔" ماتھے پر دو بل ڈالے پھولے چہرے کے ساتھ بینچ پر بیٹھی وہ مسلسل اپنا پاؤں جھلائے جا رہی تھی۔ اس کے سفید کوٹ میں سے اس کی آدھی انگلیاں نظر آ رہی تھیں جن کے ناخونوں کو رگڑتے ہوئے وہ بولے چلی جا رہی تھی۔

"ایک تو اپنی جان پر کھیل کر میں نے آپ جناب کو بچایا اوپر سے اپنی چاکلیٹ بھی گنوائی پتہ ہے مجھے کتنی بھوک لگی ہوئی تھی۔ پورے دس منٹ میں لائن میں کھڑی ہوئی تھی اس چاکلیٹ کو خریدنے کیلئے، دس سیکنڈ بھی نہیں لگے تھے اسے سیڑھیوں پر گرتے ہوئے۔ کتنا بڑا نقصان ہوا میرا صرف ایک مدد کی خاطر اور مدد بھی وہ جس کی وجہ سے میں یہاں ادھر فضول میں، بالکل ہی فضول میں بیٹھی ہوں۔"

وہ چپ تھا بالکل چپ مگر اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ حواس قابو میں تھے۔ دکھ کے بادل چھٹ گئے تھے تبھی وہ اس لڑکی کی بک بک کو ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس لڑکی سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا خواہ اس کیلئے اسے جیل ہی کیوں نا جانا پڑے۔

"آج کل کے مفاد پرست دور میں کبھی بھی کسی کیلئے جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیے اور مجھے دیکھو کتنی عظیم ہوں بنا سوچے سمجھے ٹرین کو دیکھنے کے باوجود پٹڑی پر کود پڑی وہ بھی اس انسان کو بچانے کیلئے جس نے مجھ سے میرا باجا چھینا تھا۔ مجھ سے بد تمیزی کی تھی۔ جو میرے لیے یکسر انجان ہے۔ فلک سفیر دی گریٹ گرل یہ ٹائٹل ہونا چاہیے مجھ پر لکھی جانے والی کتاب کا۔"

وہ مسلسل ضبط کا دامن تھامے اپنا دائیاں پاؤں جھلائے جا رہا تھا۔ دونوں کے ہی پاؤں ہل رہے تھے بس فرق اتنا تھا کہ وہ لڑکی ٹانگ پر ٹانگ جمائے مست مگن سی پاؤں ہلا رہی تھی جبکہ وہ لڑکا بینچ کے کناروں کو مٹھیوں میں جکڑے جھنجھلاہٹ آمیز انداز میں تیز تیز پاؤں کو حرکت میں رکھے ہوئے تھا۔ اس کی نظر پولیس والے پر تھی جو کسی لڑکے کا بیان لے رہا تھا۔ نوح کی برداشت ختم ہونے لگی تھی بالکل ختم۔

"ہک ہا میری چھوٹی چھوٹی خواہشات۔ دیکھو اگر آج میں اندر ہو گئی نا تو میری بیل کا سارا خرچہ تمہارے ذمے ہو گا آخر کو میں نے تمہیں حرام کام کرنے سے بچایا ہے کچھ تو بھرپائی بنتی ہے۔"

فلک نے گردن جھکا کر اس لڑکے کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھنے کی سعی کی۔ اس کی تیر سی آنکھیں خود پر پڑتے دیکھ وہ سرعت سے سیدھی ہوئی اور ہونٹوں کو عجیب سے انداز میں پھیلا کر بولی۔

"یعنی نیکی کا واقعی زمانہ نہیں رہا محترم مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں کمال ہے۔" ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ مزید کچھ کہتی نوح نے بلند آواز میں پولیس آفیسر کو مخاطب کیا۔

"سر مہربانی کر کے آپ پہلے مجھ سے بیان لے لیں۔"

عجلت، جھنجھلاہٹ، کوفت، کراہیت، ضبط، غصہ سب اس کی آواز میں گھلا تھا۔ فلک نے تیکھی نظروں سے اسے تکا پھر شدید برا منہ بنا کر اسے دیکھتی ہوئی بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

"ان کی سن لیں پرائم منسٹر کی اولاد ہیں نا یہ۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ نوح نے اس کی بڑبڑاہٹ پر آنکھیں بند کر کے خود کو کنٹرول کیا اور پھر آفیسر کے اشارے پر وہاں سے اٹھ کر ان کے سامنے آن بیٹھا۔ فلک اپنا ایک پاؤں زور سے زمین پر مار کر کھڑی ہوئی۔ کوٹ کی جیبوں میں سے ہاتھ نکال کر، چند قدم پاٹ کر اس نے آواز کے ساتھ کرسی کو کھینچا جس پر میز کے اس پار بیٹھے پولیس والے نے اور کرسی کے برابر بیٹھے نوح نے بڑی ہی کوئی متسف نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ وہ شرم دلاتی نظروں کو ہوا میں اچھال کر مینرز کو اگنور کیے آگے سرکی ہوئی کرسی پر دھپ سے بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی پولیس افسر نوح سے مخاطب ہوا تھا۔

"جوان لڑکے، تمہاری حرکت کے پیش نظر یوں تو تمہیں سیدھا جیل میں ہونا چاہیے تھا لیکن پھر بھی میں تمہیں ایک بار سننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ وہ کیا چیز تھی جس نے تمہیں ٹرین کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ میں تمہیں دل سے سننا چاہوں گا۔" نوح نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اور چہرے پر حزن ایک بار پھر سے چھا چکا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"مجھے ڈپریشن کا مرض لاحق ہے سر، جس کی وجہ سے اکثر میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ یہ سب میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

"لیکن سر۔" فلک نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ "جب تک انسان کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا وہ چاہے ڈپریشن ہو یا نیند میں چلنے کی بیماری وہ کام ہوتا نہیں ہے۔ اس نے سوچ رکھا ہو گا تبھی تو ٹرین کے سامنے آیا۔"

وہ بدلہ اتار رہی تھی اس کی غصے بھری نظروں کا بدلہ، ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔ پولیس آفیسر دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ نوح جبڑا بھینچتے ہوئے۔ (ٹوٹ ہی جائے اللہ کرے) فلک نے سوچا۔

"میں متفق ہوں ان کی بات سے، کیا آپ واقعی خودکشی کا ارادہ رکھتے ہیں۔"نوح کی نگاہیں فلک پر تھیں جو مدھم سروں میں سیٹی بجا رہی تھی۔اپنے قریب بیٹھے لڑکے کی بات سن کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔وہ آنکھیں اور منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"جی، میرا ارادہ ہے۔"

اس کے جواب پر پولیس آفیسر نے اپنی پشت کرسی سے ٹکائی، آنکھیں چندھیائی اور ٹھوس لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہمم، پھر تو آپ کا جیل جانا بنتا ہے کیونکہ یہ گناہ ہے اور اس سے بڑھ کر جرم۔"فلک بات کے درمیان میں بول پڑی گھبرایا ہوا لہجہ دفعاتی انداز۔

"نہیں ایسے کیسے ممکن ہے آپ ایک، ایک پولیس آفیسر کو کیسے جیل میں ڈال سکتے ہیں۔کیا ڈال سکتے ہیں؟"آخری جملہ اس نے نوح کو دیکھ کر ادا کیا تھا۔دونوں ہاتھ لکڑی کی میز پر جمائے وہ قدرے آگے جھکی گردن ٹیڑھی کیے نوح کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی جس نے بلاسٹ کیا تھا وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"میں پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق نہیں رکھتا ہوں۔" فلک کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ شہادت کی انگلی اٹھائے پولیس آفیسر کو دیکھتی ہوئی وہ نوح سے مخاطب تھی۔ شہادت کی انگلی کا اشارہ نوح کی طرف تھا۔

"یہ، یہ کہہ رہا ہے یہ پولیس کے محکمے سے تعلق نہیں رکھتا کیا واقعی نہیں رکھتے تم؟" نوح نے ایک بار پھر سے آنکھوں کو بند کر کے خود پر کنٹرول کیا تھا کرنے کے بعد کہہ رہا تھا۔

"سر میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مجھے ڈپریشن ہے جس کی وجہ سے میرے ساتھ اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ آپ چاہیں تو مجھے سزا دے سکتے ہیں۔" فلک کے چودہ طبق روشن تھے۔ وہ کرسی کو پیچھے کیے جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے مجھ سے میرا باجا چھینا تھا یار۔" یار لفظ پر نوح کی آنکھوں کی سختی مزید بڑھی تھی۔ پولیس والے نے اسے وارن کیا۔

"اصولوں کا خیال کریں اور کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آواز میں بولیں۔" قدرے سخت لہجے پر وہ نالاں سی بیٹھ گئی۔

"مجھے کیوں یہاں لایا گیا ہے؟" مدھم لہجے میں سوال کیا۔

"آپ نے انہیں کیوں بچایا؟" گھمبیر آواز میں پوچھا گیا۔

"یہ سوال، اس طرح کے سوال کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا مجھے بھی سزا ملنے والی ہے۔" اس لڑکی کے چہرے پر خوف پھیل گیا۔ نوح نے درمیان میں مداخلت کی۔

"میری غلطی ہے۔ مجھ سے اس طرح اکثر ہو جاتا ہے۔" فلک اس کے سنجیدہ چہرے کو کھوجنے لگی۔ اچانک اس کے دماغ میں کوندا لپکا تھا۔ نوح کی بات درمیان میں رہ گئی تھی وجہ فلک کا ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنا تھا۔ وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستی ہوئی بڑی ہی کوئی نمونی لگ رہی تھی۔ اس سے بڑھ کر نمونے اس کے الفاظ تھے جو یہ تھے۔

"لو دیکھو بھلا کتنی بڑی بھول ہو گئی مجھ سے، ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں آپ کو بالکل سچ بتاتی ہوں یہ جو انسان ہے نا۔" شہادت کی انگلی کا اشارہ تاہنوز نوح کی جانب تھا اور نوح کی گردن اس کی جانب۔

"اس کا اور میرا رشتہ بہت گہرا ہے بہت گہرے کا مطلب سمجھتے ہیں نا آپ۔" نوح نے اسے ٹوکا۔ اس نے پشت تحیر کے عالم میں کرسی سے چھوڑی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں سمجھتے وہ، اور یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔" آفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کو کہا تھا۔ نوح کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"دیکھا یہ اسی طرح سے مجھ سے لڑتا ہے۔ صبح بھی ہماری لڑائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے یہ ٹرین کے سامنے کود پڑا، مجھے بہت چاہتا ہے نا میری بہت پرواہ کرتا ہے۔"نوح نے ووومٹ کے سے انداز میں منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔اس کے چہرے کے زاویے دیکھنے کے قابل تھے۔

"میرے بنا نہیں رہ سکتا اس لیے توجہ حاصل کرنے کیلئے اس طرح کی حرکتیں کرتا رہتا ہے آپ پلیز اسے سزا مت دیجیے گا ورنہ میں پوری زندگی گلٹ میں رہوں گی۔"نوح کے ہاتھ کی مٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔اس کا حلق تو کیا پورا سینہ ہی کڑوا ہو گیا تھا۔فلک چہرے پر مسکینیت طاری کیے آنکھیں پٹپٹا کر ادھیڑ عمر پولیس والے کو دیکھ رہی تھی جس نے کرسی کی پشت چھوڑ دی۔

"آپ کی باتیں اور ان کی حرکتیں دیکھ کر واقعی لگتا ہے آپ دونوں کے درمیان کچھ ہے۔"(خار ہے)نوح نے دل میں سوچا۔

"جبکہ آپ کو پولیس اسٹیشن شکریہ ادا کرنے کیلئے بلا گیا تھا۔آپ نے ایک جان بچانے جیسا عظیم کام جو کیا تھا لیکن آپ دونوں تو پارٹنر نکل آئے۔"پولیس والا جوں جوں بول رہا تھا توں توں فلک کے دل سے 'کیا، کیا' کے پٹاخے پھوٹ رہے تھے۔اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا مگر یقین نہ کرنے جیسی یہاں کوئی چیز نہیں تھی۔اس نے پھیکے سے انداز میں نوح کی جانب دیکھا جو سینے پر بازو باندھ کر بالکل آرام دہ ہو چکا تھا۔

"خیر میں آپ کے پارٹنر کو پندرہ دن کی کاؤنسلنگ کی صلاح دیتا ہوں۔ پندرہ دن بعد ہمارا وکیل ان کا بیان لے گا۔ اگر ان کے رویے میں بہتری آئی تو ٹھیک ورنہ ہمیں مجبوراً انہیں جیل میں ڈالنا ہو گا۔ اب آپ جاسکتے ہیں۔" فلک متحیر انداز میں اس گنجے پولیس والے کو دیکھتی رہی۔ اس کے لب خواب سی حیرت میں ہلے تھے۔

"کیا میں بھی جاسکتی ہوں؟" پولیس والے نے ریکارڈر کا بٹن بند کیا۔ کرنے کے دوران ہی بولا۔

"جی بالکل۔"

"مجھے سزا تو نہیں ملے گی؟" پولیس والے نے آنکھوں کو اٹھایا تھا۔ اس کی آنکھوں کو اٹھانے کے دوران ہی نوح بھی کرسی سے کھڑا ہوا۔

"آپ نے جزاوالا کام کیا ہے۔ آپ کو سزا کیوں دی جائے گی بھلا۔" فلک اسپرنگ کی طرح کرسی سے اٹھی تھی۔ یہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت تھی۔

"شکر ہے۔" اپنی جون میں وہ واپس لوٹ آئی تھی۔

وہ دونوں ایک ساتھ وہاں سے باہر آئے تھے۔ نوح کے قدم تیز تھے جبکہ اس کے ہلکے اور سست، وہ دونوں جونہی اسٹیشن سے باہر آئے سیڑھیاں اترتا نوح یکدم رکا، رک کر مڑا، مڑا کر دبی آواز میں بولا۔

"اس سے زیادہ گھٹیا حوالہ نہیں تھا تمہارے پاس جو تم نے اندر دیا ہے۔ شرمندہ کروادیا مجھے۔" وہ جو دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے والی تھی جھٹ سے سنبھلی اور پٹ سے بولی۔

"بات سنو، زیادہ سر پر نہیں چڑھو میرے مجھے اپنی جان پیاری تھی اس لیے میں صرف اپنا دفاع کر رہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا یہ پولیس والے شکریہ کرنا بھی جانتے ہیں۔" چمکتے ہوئے دن میں چبھتی ہوئی سی آواز تھی نوح کی۔

"اپنا دفاع وہ بھی میرے سہارے پر شرم کرو ایک لڑکی ہو کر اس طرح کی باتیں کرتی ہو۔ گہرا رشتہ، پارٹنر مائی فٹ۔" فلک نے بازو کہنیوں تک چڑھائے اور ایک سیڑھی نیچے اتر آئی۔ پولیس اسٹیشن کے احاطے میں دو پولیس موبائلز اور گارڈز کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

"تمہارا فٹ، میری جوتی، دیکھا ہے خود کو کبھی، پارٹنر بننے کے لائق ہو تم، سڑا ہوا کریلا، کڑوا بولتے ہو اور کڑوے ہی رہتے ہو اور بات سن لو میری تم، پندرہ دن بعد میں نے کوئی تمہارے ساتھ یہاں بیان دینے نہیں آنا ہے۔ مرو کھپو بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے تم۔ آئندہ شکل نہ دکھانا مجھے اپنی۔ آیا بڑا شرم کا دیوتا۔" اس کے شانے پر زوردار انداز میں اپنا شانہ مارتی وہ یہ جا وہ جا وہاں سے غائب ہوئی تھی۔ نوح غصے کی زیادتی سے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ اسے وہاں سے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا منہ کھل چکا تھا۔ کانوں میں سیٹیاں بجنے لگی تھیں۔ ایسی بے عزتی کسی نے زندگی میں نہیں کی

تھی اس کی جو وہ کر گئی تھی۔ سوجے ہوئے چہرے، بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ وہ وہاں سے باہر آئی آتے ہی بس پکڑی اور اس میں بیٹھ گئی۔ بس میں بیٹھنے کے قریباً دو منٹ بعد ہی اس کے فون پر میسج آیا تھا۔ وہ میسج اس کے بہن کا تھا جسے سننے کیلئے اس نے اپنی کان میں ہینڈی فری اڑالی۔ اس نے جونہی میسج کھولا اس کی بہن کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

"اسلام علیکم فلک کیسی ہو تم، مجھے تمہیں بتانا تھا کل ماں بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ان کا بی پی ایک بار پھر سے شوٹ کر گیا تھا۔ دراصل اویس بھائی اور امین بھائی کے درمیان گھر کو لے کر پھر سے جھگڑا ہوا ہے۔ دونوں اپنا اپنا حصہ مانگ رہے ہیں جبکہ بابا گھر کے بٹوارے کے حق میں نہیں ہیں۔ پانچ مرلہ کے گھر کو کتنا کاٹ سکتے ہیں وہ، اس لیے ہم نے سوچا تم سے بات کر کے دیکھ لیں۔ تم اپنے تینوں باس سے بات کر کے دیکھو ہو سکتا ہے کچھ مدد ہو جائے۔"

پورا میسج تحمل سے سننے کے بعد اس نے مائک کے پر انگوٹھا رکھا اور فون کو ہونٹوں کے قریب لے جا کر لفظوں کو برآمد کرنے لگی۔

"میں اپنے تینوں باس سے ایڈوانس لے کر آپ لوگوں کو بھیج چکی ہوں مزید وہ میری مدد نہیں کر سکتے پھر بھی میں کوشش کرتی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

میسج ریکارڈ کر کے بھیجنے کے بعد اس نے اپنا سر کھڑکی کے شیشے سے ٹکا لیا۔ گلاسگو کی سڑکیں اس کی

آنکھوں کے سامنے دوڑ رہی تھیں۔ وہ پر سوچ چہرے کے ساتھ بڑی بڑی بلڈ نگز دیکھنے لگی تھی۔ اچانک اس کی سوچوں کا محور نوح ہوا تھا وہ وہیں اس سے مخاطب تھی۔

"کتنے عجیب انسان ہو تم، ہر وقت سڑے رہتے ہو کبھی تمہارے چہرے پر مسکان نہیں دیکھی میں نے، اگست والے دن بھی جلے ہوئے تھے اور آج بھی۔" وہ اپنی سوچ پر خود ہی ٹھٹھکی تھی۔ شیشے پر سے سر ہٹایا۔ فون کو آنکھوں کے سامنے کیا اور پولیس آفیسر کے پوچھے جانے پر اس کے نام کو انسٹا گرام پر تلاشنے لگی۔

"نوح جبران۔" ڈھیر سارے نوح جبران تھے جو اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ سکرول کر کے لوگوں کو اوپر پھینکتی وہ ایک تصویر پر آکر رکی۔ نیلی شرٹ میں ایک لڑکا آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے کھڑا تھا۔ فلک نے اس کی تصویر کو کھول کر زوم کیا۔

"لگ تو وہی رہا ہے۔ پولیس کی یونیفارم میں بھی کوئی تصویر نہیں، اباؤٹ میں بھی کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ تم نہ ہو یا ہو سکتا ہے ہو خیر باجا تو تم نے ہی مجھ سے چھینا تھا۔ دھرنے کے دوران بھی تم نے ہی انہیں لوٹانے کا کہا تھا اگر تم پولیس میں نہیں ہو تو یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔ ہونہہ جھوٹا آدمی۔"

فون بند کر کے وہ اپنا سٹاپ آنے پر بس سے نیچے اتری۔ اپنے واحد کوٹ کو اچھے سے ارد گرد لپیٹ کر وہ دوڑتی ہوئی ایک تنگ گلی میں گھسی تھی۔ اس گلی کے ساتویں گھر کے سامنے آکر اس نے خود کو

روکا تھا۔ بڑی بڑی سیاہ بلاک اینٹوں سے بنی اس گلی کی دیواریں آسمان چھوتی ہوئی دکھائی پڑ رہی تھیں۔ سورج کی شعائیں بامشکل ہی وہاں پہنچتی تھیں۔ سیاہ گلی کے ہر گھر کا دروازہ گہرے نیلے رنگ کا تھا۔ فلک نے احتیاط کے ساتھ کوٹ کی جیب سے اپنا فون نکالا اس کے فون کے ساتھ ہی گھر کی چابی لٹک رہی تھی۔ اس نے چابی کو لاک میں ڈال کر گھمایا تھا۔ بڑے دل گردے کے ساتھ اس نے دروازہ کھلنے پر اندر قدم رکھا جہاں فلک کے قدم گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے وہیں مائیر حواس باختہ سا گھر سے باہر نکلا قبل اس کے کہ وہ اپنی کار کو ان لاک کر کے اس میں بیٹھتا نوح کی سلور کار وہاں آ کر رکی تھی۔ مائیر جھٹ سے اس کی طرف لپکا۔

"کہاں تھے تم اور کیا کر کے آئے ہو۔ سوشل میڈیا پر تمہاری ویڈیو دیکھی میں نے، پریشان ہو گیا تھا میں، انکل کے بھی کئی فون آ رہے ہیں۔" وہ اس کے باہر نکلنے پر چھوٹتے ہی پوچھ رہا تھا۔ نوح کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ شل وجود کے ساتھ گاڑی سے نکلتے ہی وہ اندر کی اور قدم بڑھانے لگا۔

"یار یہ کیا طریقہ ہے۔ میں یہاں پریشانی میں گھل رہا ہوں اور تم ہو کے نظر انداز کیے اندر جائے جا رہے ہو۔" لاؤنج میں پہنچ کر وہ رکا۔ اس کے سفید جوگرز گرد آلود تھے۔

"مائیر میں بہت تھک گیا ہوں۔ وضاحت کی یا صفائی دینے کی سکت نہیں ہے مجھ میں۔"اس کے لہجے سے لے کر پورا بدن تک تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مائیر نے اس کی گرے مائل بھوری آنکھوں میں جھانکا۔ ٹھوس سے لہجے میں، بھاری سے لفظ اس کے لبوں سے بر آمد ہو رہے تھے۔

"دکھ دینے کی سکت ہے؟"وہ اس کی بات پر تھم گیا۔

"تم جانتے ہو فقط تمہاری وجہ سے انکل شدید پریشان ہیں۔ غفران انکل سے ڈیوٹی نہیں ہوئی۔ سیرا نے کلاس نہیں لی اور میں، میں بے وقوفوں کی طرح ہر ایک کو تسلی دے دے کر تھک گیا مگر تمہارے لیے ان کا پیار نہیں تھکا وہ مسلسل پریشان ہی رہے ہیں۔"نوح کی نظریں جھکی تھیں جھک تو اس کا دل بھی گیا تھا۔

"میرے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا مائیر، سب اپنے لیے پریشان ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی پرائیورٹی کے حساب سے پریشان ہوتے ہیں۔ میرے لیے اگر پریشان ہوتے نا تو چودہ سال پہلے ہوتے جب دس سال کا بچہ چیخ چیخ کر انہیں کہتا تھا کہ اس کیلئے پریشان ہو مگر تب کوئی نہیں تھا۔ اب بھی کوئی نہیں ہے۔"مائیر کو اس کی بد گمانی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ کسی کو بھی اس کی بد گمانی اچھی نہیں لگا کرتی تھی۔ نوح داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر ہی ایستادہ تھا۔ مائیر داخلی دروازے اور نوح کے درمیان باڑ کی طرح آن کھڑا ہوا تھا۔

"سب اگر اپنے حساب سے پریشان ہوتے ہیں نا میرے بھائی تو اس حساب کا سب سے اہم جز ان کیلئے تم ہو۔ مت دو تکلیف خود کو، اپنے آس پاس کے لوگوں کو، سوچا ہے تم نے اگر آج وہ ٹرین تمہارے اوپر چڑھ جاتی تو کیا ہوتا۔ نہیں سوچانا، پلیز دو منٹ کیلئے سوچنا۔"

خشک لہجے میں کہہ کر وہ مڑا اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ نوح نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس خارج کیا تھا۔ یہ اس کی غلطی نہیں تھی وہ جانتا تھا۔ ڈپریشن میں اس کے ساتھ اکثر ایسا ہو جایا کرتا تھا اور اس ہونے میں کہیں نا کہیں اس کا خود کا ہاتھ بھی تھا۔ وہ زندگی سے عاجز تھا۔ وہ رشتوں سے ناخوش تھا۔ اسے آزادی چاہیے تھی ان دونوں چیزوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تبھی تو شدید ذہنی خلفشار کا شکار ہوتے ہوئے اس سے اس طرح کے کام ہو جایا کرتے تھے جس طرح کا آج اس نے کیا تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پر ایک سوچ بڑی تیزی سے آئی تھی۔

"جب تک انسان کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا وہ چاہے ڈپریشن ہو یا نیند میں چلنے کی بیماری وہ کام ہوتا نہیں ہے اس نے سوچ رکھا ہو گا تبھی تو ٹرین کے سامنے آیا۔"

ایک بار پھر سے نوح کا حلق کڑوا ہو گیا تھا۔ "دل تو کرتا ہے تمہیں ہی ٹرین کے سامنے پھینک دوں سپر اوور عورت۔"

سر جھٹک کر اسے برا بھلا کہتا ہوا وہ بھی گھر کے اندر گیا اور اپنے بیڈ روم میں گھس گیا۔ اسے نیند آ رہی تھی گہری نیند وہ جانتا تھا وہ صبح تک بے خبر ہو کر سوئے گا۔

بشر کی روح دریدہ کے کب محافظ ہیں؟

خدا، رسول، صحیفے کے سب محافظ ہیں۔

شام کے گہرے ساؤں میں جب چاند کی روشنی ٹھنڈی پھوار کی طرح پڑتی ہے۔ تاروں کی ٹمٹماہٹ دل کو تراوہٹ بخشتی ہے۔ تب پھولوں کی ادھ کھلی کونپلیں، سمندروں کی بے باک لہریں اور دل کے بے زبان کرب قصہ زبان نہیں ہوتے، قصہ عیاں نہیں ہوتے۔

گلاسگو کے اس خاموش سیکٹر میں جہاں زندگی جاگ چکی تھی وہ اپنے بیڈ کی پائنتی کے قریب زمین پر گھٹنوں پر بازو باندھے ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ اس کے گیلے بال کہنیوں پر جمے تھے۔ پلکوں سے پانی ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر گر رہا تھا۔ بھیگے وجود اور زخمی چہرے کے ساتھ وہ کارپٹ پر ٹھس سی بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر نامدار بیڈ پر اوندھا لیٹا دنیا و مافیا سے بیگانہ تھا۔ اس کا شوہر، اس کا ظالم، جابر، خطرناک شوہر۔

"کہاں گئی تھی تم، میں نے پوچھا کہاں گئی تھی؟۔"کچھ دیر قبل کے مناظر اس کی ساکت پتلیوں پر ابھرنے لگے۔وہ کرب جو بے زبان تھا آنسوؤں کی زباں بولنے لگا۔

"مم، مارکیٹ تک کچھ سامان چاہیے تھا۔"اس نے اپنے گھٹنے پر گال ٹکایا کچھ اور بال کہنیوں پر جھول گئے۔

"جھوٹ، پھر جھوٹ آوارہ گردی کرنے گئی تھی نا، ہاں، بولو اب زبان کیوں چپک گئی، بول دو ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔"گھٹنے پر گال رکھنے کی وجہ سے وہاں پر ٹیس اٹھی تھی۔ساکت آنکھیں، جامد پلکیں جانے کون سا دکھ تھا جو دیکھ رہی تھیں جانے کون سا غم تھا جس پر برس رہی تھیں۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ایاز، سچ کہہ رہی ہوں پلیز کبھی تو میرا یقین کیا کریں"ٹیس اٹھی تھی دل میں نہیں منہ کے پورے جبڑے میں کیونکہ اس جبڑے کو پوری شدت کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پر مارا گیا تھا۔

"پھر زبان چلائی پھر ہاں۔"اسے مارا گیا تھا۔اسے مارا گیا تھا بالکل ویسے جیسے وہ پچھلے ایک سال سے مار کھاتی آرہی تھی۔اسے وہ سزائیں دی جاتی تھیں جن کے بارے میں شاید ہی کوئی عورت سوچ سکتی ہے۔اذیت کی انتہا کے سبب ہی وہ خاموش ہو گئی تھی بالکل خاموش، اس کا ہنسنے کا دل کرتا تھا نا

ہی رونے کا پھر بھی یہ بے باک آنسوں جانے کہاں سے ٹپک پڑتے تھے۔ کیا پتہ وہ جانتے ہوں کہ وہ بھی انسان ہے۔ اس کے سینے میں بھی دل ہے جو دھڑکتا ہے خواہشیں پالتا ہے۔ مسکرانا چاہتا تھا۔ شاید آنسوؤں کو پتہ ہو شاید انہیں خبر ہو۔

"کیا یہ آزمائش کبھی ختم ہو گی۔" وہ خود سے پوچھ رہی تھی یا خدا سے اسے علم نہ تھا۔ بند لبوں کے ساتھ دل کے الفاظ بڑے ہی جان لیوا تھے۔

"شاید کبھی نہیں، مجھ جیسی لڑکی کی تو کبھی بھی نہیں۔" اسے سردی لگ رہی تھی شدید سردی مگر اسے اٹھ کر کپڑے بدلنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ اس کی سزا تھی۔ یہ اس کے شوہر کی طرف سے اس کی سزا تھی۔ ظلم کرنے والا بھی گناہ گار، ظلم سہنے والا بھی گناہ گار، یہی ہمارے دین نے بتایا ہے۔ یہی اسلام نے سمجھایا ہے۔ مگر کون جانتا ہے مجبوریاں، رشتوں کی بیڑیاں اور ضرورتوں کی کٹوریاں فقط اللہ کے جس نے صبر کرنا سکھایا ہے اور شکر بھی۔ مگر انسان کا کاسہ ضرورت کب بھرتا ہے بھلا؟ چاہ حوس میں بدل جاتی ہے اور حوس لالچ میں، پھر نفرتیں ہوتی ہیں بے زاریاں ہوتی ہیں ظلم ہوتے ہیں اور بے حسیاں بھی۔

"ایک وقت آئے گا جب مجھے چھٹکارا مل جائے گا اس سب سے، ایک وقت آئے گا۔" جمی ہوئی پلکیں لرزیں لرز کر آہستہ آہستہ بند ہو گئیں۔ ان بند پلکوں کے اندر اندھیرا تھا گھپ اندھیرا بالکل

ویسا اندھیرا جیسا سیر ا کے کمرے میں تھا۔ تاریک کمرے میں روشنی کی چنگاری ابھر کر بند ہو جاتی تھی۔ بٹن کو پش کرنے کا شور اور گھڑی کی ٹک ٹک اس کے مراقبے میں خلل نہیں ڈال رہے تھے البتہ وہ روشنی جو پل بھر کو اس کی شبیہ دکھا کر اندھیرے کو اوڑھ رہی تھی اس کی آنکھوں کیلئے گراں ثابت ہو رہی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ لیمپ کے ساتھ کھیلنا ترک کرتی اس کے دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔ اس دستک کی آواز وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ اس دستک میں اس کا دل جو تھا۔

"دروازہ کھولو سیر ا، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" نیند سے بوجھل آواز، پریشان لہجہ۔

"صبح بات کریں گے۔" اس کا مراقبہ ٹوٹ گیا تھا ٹوٹ تو وہ بھی جاتی تھی اس کے آگے تو مراقبہ کیا چیز ہے۔

"صبح نہیں ابھی، مجھے ابھی بات کرنی ہے پلیز دروازہ کھولو۔" اس نے چند لمحے بیڈ پر گزارے پھر لیمپ کو روشن رکھ کر اس نے بیڈ سے پاؤں اتار کر ان میں ٹیوٹی بنی سلیپرز پہنے اور دروازے کے قریب آگئی۔ لمحے کیلئے وہاں رکی گہرا سانس بھرا پھر ناب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ سیاہ جرسی ٹراؤزر اور ویسی ہی شرٹ میں، اس کے ہاتھ میں پرپل رنگ کا درمیانے سائز کا باؤل تھا جن میں موجود فرائیڈ رائس بتا رہے تھے وہ بالکل تازہ ہیں۔

"جو کہنا ہے جلدی کہو مجھے نیند آ رہی ہے۔"نوح نے نچلے لب کو دانتوں میں جکڑا،اپنی سرخ نیند کے خمار سے بوجھل آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑیں اور متانت کے ساتھ گویا ہوا۔

"اچھا پھر وہ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہی۔"انداز سنجیدہ تھا ادھ کھلی آنکھوں میں شرارت کی ہلکی سی جھلک۔

"تمہیں بھی کچھ نظر آتا ہے۔"تیکھے انداز میں پوچھا گیا۔اپنے کمرے سے باہر نکلتے غفران ان دونوں کو رات کے اس پہر دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ان کے ہاتھ میں شیشے کی خالی بوتل تھی جس میں پانی بھرنے کی غرض سے وہ باہر آئے تھے۔

"کیوں نہیں آتا اللہ نے الحمدللہ بصارت سے نوازا ہے مجھے۔"وہ اس کا طنز سمجھ گیا تھا۔سیرانے تلخی سے سر جھٹکا۔

"کاش بصیرت سے بھی نواز دیا ہوتا۔"نوح کو اس کی چوٹ بری نہیں لگی بالکل بھی نہیں۔اسے کبھی بھی اس کی باتیں بری نہیں لگتی تھیں تو اب کیسے لگتیں بھلا۔

"مومن کی زندگی میں کاش نہیں ہوتا۔"تھوڑا سا اس کی طرف جھک کر وہ سرگوشی بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تم نے یہ سب کہنے کیلئے دروازہ کھٹکھٹایا تھا؟"اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔غفران کو ان دونوں کو وہاں دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔انجانی سی،خوبصورت سی خوشی۔

"امم ہمم تم نے ڈنر نہیں کیا تھا تو سوچا تمہارے لیے کچھ آرڈر کر لوں۔"اس نے پرپل باؤل آگے کیا۔سیرا کی پلکیں نم ہو گئیں۔

"تمہارا شکریہ لیکن مجھے نہیں کھانا،مجھے سونا ہے۔"وہ مڑنے لگی تھی جب نوح نے اسے لفظوں کے ذریعے روک دیا۔بیڑی بڑی مضبوط تھی۔

"ایسا کیوں کر رہی ہو تم؟"وہ مڑی اور اس کے قریب آکر سینے پر بازو باندھ کر بولی۔

"ان فیکٹ مجھے پوچھنا چاہیے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔تم خودکشی کی کوشش کرتے ہو نوح اور ہم سے چاہتے ہو کہ ہم ناراض بھی نہ ہوں واؤ۔"نوح نے آنکھیں بند کر کے خود کو ریلیکس کیا پھر تحمل سے گویا ہوا۔

"میں نے خودکشی کی کوشش نہیں کی،میں پریشان تھا اور تم اس کی وجہ جانتی ہو۔"رات کے سناٹے میں اس کی آواز مدھم مگر دبی سی تھی۔اپنے کمرے کی چوکھٹ میں کھڑے غفران ان دونوں کو باآسانی سن سکتے تھے۔

"صرف اس لیے پریشان تھے کیونکہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ تم ہماری محبت کو کیوں نہیں دیکھتے نوح، تم میری محبت کو کیوں نہیں دیکھتے۔" سیرا کے آنسوں گرنے لگے تھے۔ نوح نے غراتی ہوئی سرگوشی لبوں سے برآمد کی۔

"میں محبت کیلئے نہیں بنا ہوں سمجھتے کیوں نہیں ہو تم سب، میرے زخموں کو مت ادھیڑو۔" اس نے آخری جملہ توڑ توڑ کر ادا کیا تھا۔ سیرا نے دو قدم پیچھے ہٹائے اور پھر ٹھاہ سے اس کے منہ پر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اسے کہہ سکتی تھی کہ عروبہ کے وقت اس کی محبت سے اجتنابیت کہاں گئی تھی لیکن اس نے نہیں کہا۔ وہ اسے دکھ نہیں دے سکتی تھی کبھی بھی نہیں۔ نوح نے اس کے دروازہ بند کرنے پر آنکھیں بند کیں، پھڑ پھڑاتی شریان کے ساتھ وہ جب مڑا تھا تو اپنے عین سامنے چاچو کو دیکھ کر تھم گیا۔ ہاتھ میں باؤل تاہنوز تھا جس میں موجود رائس ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

"آپ کو بھی کچھ کہنا ہے؟" اکتائے اور جتاتے ہوئے لہجے میں وہ ان سے دریافت کر رہا تھا۔ غفران نے شانے اچکا دیے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں تمہیں، فقط اس کے کہ میری بوڑھی روح پر رحم کرو۔" ان کی آنکھوں کی التجا اور بے چارگی کی انتہا دیکھتے ہوئے وہ بے بس ہوا تھا۔ یہاں کون تھا جو اسے سمجھتا یہاں کون تھا جو اسے جانتا۔ کتنی مشکل سے، کتنے جتن سے اس نے اپنی روح پر لگے گھاؤ چھپانے کی کوشش کی

تھی۔ کتنی بے دردی سے اس کا سگا باپ ان زخموں پر مزید چوٹ لگا رہا تھا۔ اس نے ایک تکلیف دہ نگاہ غفران پر ڈالی جو اس نظر کو دل پر لے کر نگاہ جھکائے وہاں سے چلے گئے۔ نوح کا آزردہ سانس در و دیوار میں بھی آزردگی پھیلا رہا تھا۔ مایوس کن آزردگی۔

--

"تم دیکھنا اس شیشے کو میں کیسے چمکاتی ہوں ایسے کہ تمہاری آنکھیں چم چم کرا اٹھیں گی۔ یہ فلک کے ہاتھ ہیں جادوؤں سے بھرے ہوئے کوئی معمولی شے تھوڑی ہے۔"

دھوپ کی کرنیں سونے کی تاروں کی طرح پوری روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھیں۔ افشاں کی مانند نرم گرم سی دھوپ گلاسگو کی گلیوں سڑکوں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔ ایسے میں مین سڑک سے تھوڑا ہٹ کر سرخ لکڑی کے دروازے سے بنی وہ کافی شاپ تھی جس کے دروازے کے چوکور چوکھٹوں میں گلاس کو نصب کیا گیا تھا۔ قد آدم دروازہ نہ تو زیادہ چوڑا تھا اور نہ ہی بہت تنگ، وہ درمیانے سائز کا تھا۔ کسی الہڑ دوشیزہ کی طرح اپنے دائیں بائیں کاندھوں پر سبز بیل کو گرائے ہوئے تھا۔ بیل نے دروازے کے چوکھٹوں کو قدرے ڈھک دیا تھا۔ شاپ کے اندر اور باہر سرخ لکڑی کی چھوٹی چھوٹی کرسیاں اور چوکور میزیں رکھی ہوئی تھیں جو پوشاک کے بنا تھیں۔

ہر میز کے پھٹے پر درمیان میں آنسو کے طرز کے سفید گلدان میں للی کو سجایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چھوٹی سی مینیو بک پڑی تھی اور شاپ کے لوگو کے ٹشو موجود تھے۔

دروازے کے عین اوپر بڑے سارے جلی حروف سے سجا اس دکان کا نام تھا۔

"خوشی۔"

یہ اس قہوہ شاپ کا نام تھا جس کے پریزیڈنٹ ایک ٹرکش بوڑھے سنکی انکل تھے۔ مسٹر پنار تھوڑے بوڑھے تھے لیکن سٹیمنا ان میں جوانوں سے بھی زیادہ تھا۔ سنا تھا وہ اپنے وقتوں کے جانے مانے کنگ فو ماسٹر بھی رہے تھے۔ ان کی بیوی کو قہوہ بہت پسند تھا اس لیے انہوں نے ان کے نام کی یہ قہوہ شاپ کھول لی۔ (کہنے کو تو یہ ایک قہوہ شاپ تھی لیکن یہاں چائے اور خاص قسم کی کافی بھی دستیاب ہوتی تھی۔) ان کی بیوی خوشی حصار، وہ ایک لبنانی عورت تھی جن سے پنار کو پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔ وہ یہاں گلاسگو کی سڑکوں پر اتفاقی طور پر ان سے ملے تھے۔ وہ گانا گاتی تھیں اور کیا خوبصورت گاتی تھیں۔ ایک روز یونہی مٹر گشت کرتے ہوئے وہ ڈی انیس سیکٹر کی سڑک پر نکل آئے تھے۔ وہاں ایک لڑکی سر پر رومال باندھے لبنانی گانا گا رہی تھی۔ ہجوم اس کے ارد گرد کھڑا تھا۔ وہ بھی اس ہجوم میں گئے اور پھر ہمیشہ کیلئے وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی فلائیٹ مس ہو گئی۔ ترکی جانے کا دل نہیں ہوا۔ آخر کار دل سے مجبور ہو کر وہ اس لڑکی کو پرپوز کر بیٹھے۔

"تمہیں برا نہیں لگے گا ایک اسٹریٹ سنگر تمہاری بیوی بنے۔" پنار نے جب اسے پرپوز کیا تھا تب وہ مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ وہ خوبصورت نہیں تھی لیکن پنار کو دنیا کی حسین ترین عورت لگتی تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے سب عذر کو بڑے پیار سے سائیڈ پر رکھ دیا اور خوشی کا ہاتھ خوشی خوشی تھام لیا۔

"مجھے کیوں برا لگے گا ہر ایک کا اپنا کمانے کا انداز ہوتا ہے۔ کسی کے پیشے سے ہم اس کی ذات کو تو سوالیہ نشان نہیں بنا سکتے نا۔ میرے لیے تم معتبر ہو اور تاحیات رہو گی۔"

پنار نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھایا۔ انہوں نے خوشی کو اتنی خوشی دی کہ وہ مرتے دم تک مسکراتی رہیں۔ کچھ لوگ محبت سے گندھے ہوتے ہیں۔ محبتیں بانٹنے اور سمیٹنے کیلئے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ پنار بھی انہیں میں سے تھے۔ اور ہمیشہ کیلئے رہے۔ ان کا بیٹا بھی ان کی ڈگر پر ہی تھا۔ ان کا بیٹا، ان کی واحد اولاد مہمت پنار۔

"رہنے دو تم شیشہ ہی ناٹوٹ جائے کہیں۔" انکل پنار کا بیٹا مہمت پنار جس کی چھوٹی چھوٹی بھینچی ہوئی نیلی آنکھیں تھیں اور کھڑی ہوئی چونچ کی طرح ناک، جلد اتنی گوری، چمکدار اور بے داغ کے ہاتھ لگانے سے میلی ہونے کا خدشہ ہو اور ہونٹ پتلے پتلے سرخ۔ بال چاکلیٹی مائل بھورے، وہ اس کے ہاتھ سے نرم سفید رنگ کا کپڑا کھینچتے ہوئے بولا تھا۔ یہ وہی تھا جو چودہ اگست کی شام کو اس کے ساتھ

اس کے ملک کی آزادی منا رہا تھا۔ وہی جس کا باجا سے باجوں میں بڑا تھا۔ مہمت پنار فلک کا گلاسگو میں دوسرا مخلص دوست۔

"انڈر ایسٹیمیٹ مت کیا کرو مجھے مہمت، فلک کے مایا کو ابھی تم جانتے نہیں ہو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل کا منہ شیشے کی جانب کر کے سپرے کیا۔ پانی کی بے شمار بوندیں چھینٹوں کی مانند شیشے پر پڑ کر لائن میں بہنے لگیں۔ شیشے میں پڑتے پھوار نے گلاسگو کی سڑکوں کو دھندلا اور نم آلود کر دیا تھا۔ سواری اور انسان سب بہتے ہوئے لہراتے ہوئے نظر آنے لگے۔

"ہاہا تمہارے دو نمبر جادو کا پتہ ہے مجھے، بے وقوف کسی اور کو بنانا لڑکی۔" شیشے پر پڑے لیکوئڈ پر اس نے وہ کپڑا رکھا اور گول گول گھمانا شروع ہوا۔

"دیکھو سن آف مسٹر پنار، میرے اندر کی جنگلی کو ناہی جگاؤ تو اچھا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تمہیں تمہارے باپ سے ڈانٹ نہ پڑے تو چلے جاؤ یہاں سے۔ وہ ہمیں کافی دیر سے خاصی چندھی ہوئی نظروں سے گھور رہے ہیں۔" مہمت نے فوراً سر موڑ کر دیکھا۔ اس کے بابا گلاسز کو ناک پر ٹکا کر اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے سرخ کاؤنٹر پر ایک کتاب کھلی ہوئی رکھی تھی۔ کہنیاں کتاب کے دائیں بائیں تھیں۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسی تھیں اور وہ تھوڑی کو سہارا دیے ہوئے تھیں۔

"پتہ نہیں تم میرے بابا سے اتنا ڈرتی کیوں ہو، انہوں نے تو کبھی تمہیں کچھ نہیں کہا اور یوں بھی اب میں بڑا ہو چکا ہوں ان کی ڈانٹ سے نہیں گھبراتا۔"

"مہمت۔" اپنے باپ کی پکار پر وہ دبک کر سیدھا ہوا۔ مہمت کو انہوں نے اپنی نظروں کے انتہائی سامنے رکھا ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے پھیکا سا مسکرایا۔

"جج، جی بابا۔" فلک کی سرگوشی پر اس نے آئی بالز گھما کر اسے گھورا تھا۔

"اور کوئی کہہ رہا تھا وہ بڑا ہو چکا ہے۔" وہ ہنس رہی تھی۔ مہمت کا دل جل رہا تھا۔ اس سے زیادہ جلا دینے والے اس کے بابا کے جملے تھے جو کہ یہ تھے۔

"مہمت، تمہیں اسکول نہیں جانا ہے کیا، پڑھائی پر توجہ دو اپنی اور ان فضول کے کاموں سے دور رہو۔" آرٹ اسکول سے وہ مجسمہ سازی سیکھ رہا تھا۔ اسے مجسمہ سازی میں شدید دلچسپی تھی۔ پنار چاہتے تھے ان کا بیٹا پوری دنیا میں سورج کی طرح ابھرے اور اپنے کام سے جانا جائے۔ وہ گردن کی پشت کو کھجاتا ہوا مدھم آواز میں بولا تھا مبادہ اس کے بابا ناراض ہو کر اس کی پاکٹ منی ہی بند نہ کر دیں۔

"ویک اینڈ ہے بابا، آج سکول نہیں جانا ہے۔" (ان کے بس میں ہو تو مجھے سنڈے کیا آدھی رات کو بھی سکول بھیج دیں ظالم پا) وہ فقط سوچ ہی سکا تھا بولنے کی اس میں جرات تھی اور شاید ہی کبھی ہو۔

فلک مست مگن سی دروازے کے شیشے صاف کر رہی تھی قبل اس کے وہ اوپن کا سائن بورڈ باہر لگاتی اسے مسٹر پنار کی آواز سنائی دی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک سمجھ گیا اب چونکہ تم فارغ کھڑے ہو اور کام کرنے کا بھوت تم پر سوار ہو رہا ہے تو میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ تم آکر میرے کندھے دباؤ کل رات سے کھنچاؤ ہے ان میں۔"

فلک کو ہنسی کا دورہ پڑنے والا تھا لیکن اپنے جذبات پر اس نے کنٹرول کر لیا کیونکہ وہ جانتی تھی اس چیز سے مہمت کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ وہ ایک تھکی ہوئی نگاہ اس پر ڈال کر پنار کی طرف بڑھا۔ کاؤنٹر کا لکڑی کا دروازہ کھول کر اندر گیا اور ان کی کرسی کی بیک پر آکر شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ وہ انہیں ہولے ہولے دبا رہا تھا۔ نظریں پھر سے کام میں مگن فلک پر ہی تھیں۔

"تمہارا دھیان بٹ رہا ہے مہمت، یہ اچھی بات نہیں ہے۔" بابا کی بات پر وہ چونک گیا۔ اسے لگا ان کا اشارہ شانوں کو دبانے کی طرف ہے تبھی اس نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں، نہیں تو میں محنت اور پورے دل سے آپ کا مساج کر رہا ہوں۔" پنار اس کے جواب پر مسکرائے آنکھوں پر لگے شیشے کے اس پار سے وہ اس لڑکی کو دیکھ سکتے تھے جو دروازے کا شیشہ صاف کرنے کے بعد موپ سے فرش کو چمکانے لگ گئی تھی۔

"میں تمہاری نجی زندگی کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے تم سمجھ رہے ہو لیکن نظر انداز کر رہے ہو۔" وہ گڑبڑا گیا۔ فلک فرش کو صاف کرنے کے بعد باہر سے کلوزڈ کا سائن ہٹا کر اوپن کا سائن لٹکا رہی تھی۔

"میں۔" اس نے وقفہ لیا۔ "واقعی نہیں سمجھا۔" پنار نے گردن موڑی نگاہیں اپنے اکلوتے سپوت پر تھیں۔

"میں فلک کی بابت بات کر رہا ہوں۔" زندگی سے بھرپور چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے جھٹ سے اپنے باپ کی بات کی تردید کی۔

"نا، نہیں بالکل بھی نہیں اوہ خدا۔" ماتھے پر ہاتھ رکھا اور ہنس دیا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بابا وہ، وہ صرف میری دوست ہے۔ دوست کے علاوہ کچھ بھی نہیں، کیا آپ کو لگتا ہے وہ میری کچھ ہو سکتی ہے۔" سوال بے ساختہ سا تھا جواب خاموش۔ پنار کے گردن کو واپس سیدھا کرنے پر اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس بھرا تھا۔ مدھم خاموش گہرا سانس۔ راز افشاں ہونے لگا تھا۔

"تمہاری عنائیتوں نے ایسا سوچنے پر مجبور کیا ہے۔" پنار نے فقط سوچا تھا کہا کچھ نہیں۔

"تم اچھا دبا رہے ہو تمہیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔" بلآخر انہوں نے خاموشی کو توڑ دیا۔ وہ اپنا نچلہ ہونٹ دانتوں میں دبا کر نجات بھری مسکان چہرے پر سجا گیا تھا۔ لیکن یہ سوال، اس طرح کا

حملہ۔اس نے آنکھیں بند کر کے دل کی دھڑکن کو سنا۔شور بہت واضح اور پیغام صاف عیاں تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس کی خوابوں سے بھری نظریں فلک پر تھیں جو ابھی آئے کسٹمر کا آرڈر لے رہی تھی۔نوٹ پیڈ پر قلم چلانے کے بعد وہ جونہی مڑی اس کے سرخ سفید دھاریوں والے چک دار ایپرن کی جیب میں رکھا فون تھرتھرا اٹھا۔کچن میں آنے کے بعد شیف کو آرڈر والا کاغذ دے کر وہ ایپرن کی جیب سے فون نکال رہی تھی۔نمبر دیکھ کر اس نے جھٹ سے کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو میرا کتنے دنوں بعد کال کی تم نے۔"گلاسگو میں موجود اس کی پہلی مخلص دوست میرا رحمان۔

"فلک۔"روتی،لرزتی،کانپتی سی آواز۔فلک نے اپنی پشت کو کاؤنٹر کی ٹیک سے ہٹایا۔اس کی آنکھوں،دل اور چہرے پر پریشانی پھیل گئی تھی اس سے زیادہ پریشانی اس کی آواز میں گھلی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں،ٹھیک ہو تم،کہاں ہو میں،میں ملنا چاہتی ہوں۔"میرا کی سسکیاں اس کے دل کو بری طرح نچوڑ رہی تھیں۔وہ اس کے غم سے آشنا تھی۔اس کے دکھ سکھ کی ساتھی تھی۔جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہوا ہو گا اس لیے اس کی پریشانی بجا تھی۔

"اس نے پھر مجھے ڈس رسپیکٹ کیا،اس نے پھر مجھے مارا،وہ انسان نہیں ہے جانور ہے۔"اس کی روتی سسکیوں بھری آواز سن کر فلک نے آنکھیں بند کیں اور سر کو جھکا لیا۔

"اب تم کہاں ہو مجھے لگتا ہے ہمیں بات کرنی چاہیے۔" تھوڑی مدھم آواز میں وہ کہہ رہی تھی کہ ہر بار میرا کے آنسوں اس کے درد کو محسوس کرتے ہوئے وہ یونہی ڈاؤن ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن کچھ وقت کیلئے کہ وہ فلک سفیر تھی زیادہ دیر اداس رہنا نہیں جانتی تھی۔

"تمہاری کافی شاپ کے باہر ہوں لیکن کافی آرڈر کرنے کے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" وہ شاید سنبھل گئی تھی تبھی اس کی آواز کی لرزش میں کمی تھی۔ فلک نے سر ہلا کر کال کٹ کی۔ دو کپ آرڈر میں آئے تھے اس نے ایک ٹرے میں دو کپ اور دوسری ٹرے میں ایک کپ رکھا چہرے پر بڑی ساری مسکان سجائی اور باہر آگئی۔ کسٹمر کو کافی سرو کرنے کے بعد وہ دوسری سنگل ٹرے کو لے کر باہر جا رہی تھی۔ پنار نے اسے باہر جاتے دیکھا اور با آواز بلند بولے۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے ابھی صرف دو ہی کسٹمر آئے ہیں تو یہ تیسرا کپ کس کیلئے ہے۔" ان کا مخاطب مہمت تھا۔ ان کے سوال کا مہمت نے جواب نہیں دیا تھا جواب ہوتا تو دیتا نا وہ تو بس فلک کو دیکھ رہا تھا جو کافی شاپ کے باہر بیٹھی لڑکی کو کافی سرو کر رہی تھی۔

"تمہیں یہ نہیں لانا چاہیے تھا۔" سوجے ہوئے ایک گال والی لڑکی سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے آج حلقے کچھ زیادہ تھے اور چہرہ بھی کافی زرد لگ رہا تھا۔ فلک کو اس کیلئے برا لگا بہت زیادہ برا۔

"مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا چاہیے تھا مادام، یہ بتاؤ آج کام پر نہیں گئی؟" اس کے شوہر نے اسے کیوں مارا، اس کی چوٹ، درد، تکلیف، حالات، نتائج واقعات، کسمپرسی کسی کے بارے میں بھی تو اس نے سوال نہیں کیا تھا۔ اس کی عادت ہی نہیں تھی کریدنا، میرا خود بتائے گی تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کبھی بھی اس کے زخموں پر سوالات کی مرچیں نہیں چھڑکتی تھی کبھی بھی نہیں۔ اس لیے تو وہ اب تک اس کے ساتھ تھی۔ اس کے ہر درد سے آشنا۔

"اسی کیلئے تمہارے پاس ہوں۔ ہم دونوں ایک ہی کمپنی کے ذریعے لوگوں کے گھروں میں کام کرتے ہیں۔ میری حالت دیکھ کر باس نے میری جگہ تمہیں ری پلیس کر دیا ہے۔ آج بارہ بجے میری جگہ پر تم نے اس گھر میں کام کرنا ہے اور تمہاری جگہ میں جاؤں گی کیونکہ جس لیڈی کے ہاں تم کام کرتی ہو وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہوتی ہیں اور ایک ہی ہے۔ جبکہ جہاں اب تمہیں جانا ہے وہ چار لوگ ہیں۔" فلک نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ وہ کھڑی تھی بیٹھی نہیں تھی اس کی جاب میں بیٹھنے کی اجازت ہرگز نہیں تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں تم میری اچھی دوست ہو تمہارے لیے تو دس لوگوں کا کام بھی کروں گی۔" مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ میرا نے گرم کافی کے کپ کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اس کے دائیں انگوٹھے پر بینڈیج لگی ہوئی تھی اور اس کی آس پاس کی جگہیں قدرے سرخ تھیں۔

"مینیجر نے کہا ہے میں پولیس میں اس کی شکایت کر دوں لیکن تم ہی بتاؤ میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں میں یہاں کس طریقے سے آئی ہوں تم اچھے سے جانتی ہو۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے یہ جانتے ہی وہ مجھے پکڑ لیں گے۔ میں پھنس چکی ہوں فلک، میں بری طرح پھنس چکی ہوں۔" کپ سے اٹھتی بھاپ کے اس پار بیٹھی لڑکی مایوسیوں اور دکھوں کے دلدل میں ڈولتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی امید ٹوٹ چکی تھی۔ زندگی سے چاہ ختم ہو گئی تھی بالکل ختم۔

"کہا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ سب بہتر کرے گا تم بس مسکراؤ اور یہ کافی ختم کرو ہمم۔" اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر تبسم بھرے انداز میں اس نے کہا۔ اس کی سوچ کے تانے بانے بڑے ہی الجھے ہوئے سے تھے۔ اس کی نظریں ایک بار پھر مہمت پر ٹھہر چکی تھیں ایک بار پھر۔ اس بار کی نظر مختلف تھی۔ اس بار سوچ کچھ اور تھی۔

"شاید وہ اس کی مدد کر دے۔" دماغ نے جھٹ سے ڈپٹا۔ نہیں یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ پاگل ہو تم کیا۔ میرا کو مزید دلدل میں دھکیلنے پر کیوں تلی ہو۔

"لیکن کب، مجھے تو لگتا ہے۔ میں یہیں بے موت مر جاؤں گی۔" اس کے آنسوں تواتر سے بہنا شروع ہو چکے تھے۔ وہ فلک کو بتا رہی تھی جو اس کے دل میں تھا۔ جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔

بنا کسی بات کے، کسی جرم کے اپنا جنونی پن اتارنے کیلئے وہ مجھے نشانہ بناتا ہے۔کاروبار میں نقصان ہو جائے یا اس کی کوئی بیوی اس کے ساتھ تلخ کلامی کر لے تو وہ اس سب کا غصہ مجھ پر نکالتا ہے۔ جاب کے علاوہ کہیں چلی جاؤ تو جانور بن جاتا ہے۔مجھے تو اب لگنے لگ گیا ہے جیسے اس نے مجھ سے شادی مجھے مارنے کیلئے ہی کی تھی۔زک پہنچا کر بہت سکون ملتا ہے اسے۔" فلک نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دباؤ دیا۔مزید کسٹمر آنا شروع ہو چکے تھے۔اسے اب جلد ہی وہاں سے جانا تھا۔

"اس کی گفتگو پھر سے طوالت اختیار کر گئی ہے۔ایک یہ لڑکی اور اس کی باتیں۔"پنار اسے پانچ منٹ تک وہیں ایستادہ دیکھ کر سوچ رہے تھے۔انہوں نے سر کو ہولے سے جھٹکا۔مہمت نے ان کی گردن کی حرکت دیکھ لی تھی۔

"افف فلک آجاؤ بھئی اب اندر۔"گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے دل میں کہا تھا جیسے وہ اس کے دل کی بات سن لے گی۔پاگل مہمت۔

"فکر نہیں کرو تم، میں کچھ سوچتی ہوں۔کرتی ہوں کچھ بندوبست۔"اس کا دماغ منصوبہ بندی کرنا شروع ہو چکا تھا۔میرا گھبرا گئی۔

"نہیں تم، تم خود کو اس سے دور رکھو۔وہ انسان نہیں درندہ ہے۔"فلک نے اس کا گال تھپتھپایا اور مسکرا دی۔

"اور میں درندوں کی سردار، چل کر ویار کچھ نہیں ہوتا۔ اچھا اب مجھے جانا ہو گا ورنہ باس نے مجھے لمحے میں کک آؤٹ کر دینا ہے۔ اپنا خیال رکھنا میں پھر ملوں گی تم سے۔" اس کے شانے کو تھپک کر وہ اندر کی اور دوڑی تھی۔ میر انے تشکر آمیز انداز میں اس لڑکی کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں گلاسگو پر اترتی زرد پریوں پر ٹک گئیں۔

وہ پچھلے پانچ منٹ سے لیپ ٹاپ کے سامنے خاموش بیٹھا تھا باہر سورج نکل چکا تھا۔ پتوں پر ٹکے اوس کے قطرے ان شعاؤں کی بدولت ست رنگی معلوم ہو رہے تھے۔ خزاں کی بدولت پھول مرجھا رہے تھے اور گھاس کے تنکے زرد پڑ رہے تھے۔ لان میں اس وقت خفا سی سیرا ننگے پاؤں چہل قدمی کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا گرے نائیٹ ٹراؤزر قدرے لمبا اور کھلا تھا۔ سیاہ شال جو اس نے اپنے ارد گرد لپیٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک کونا گھاس کے تنکوں کے ساتھ بغل گیر ہونے کی بڑی کوشش کر رہا تھا مگر ہوا کے جھونکوں کے سبب ان کا ملاپ نہیں ہو پا رہا تھا۔ سر پر اونی کیپ اور سینے پر بازو لپیٹے ضدی سیرا کو سرد موسم میں باہر دیکھ کر اس نے سرد سانس تو خارج کیا تھا لیکن اسے اندر بلانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ کچھ دیر ہی سینٹرل ہیٹنگ کے مزے لے پایا تھا کہ جبران کی کال اس کے لیپ ٹاپ پر موصول ہونے لگی۔ ناچار اس نے کال پک کی اور ہوں ہاں میں

انہیں جواب دینے لگا۔ یہ وہ واحد شخص تھے جن سے وہ کبھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور یہی وہ واحد شخص تھے جن سے اسے بے حد پیار تھا۔

"اب یونہی چپکے بیٹھے رہو گے یا کچھ بولو گے بھی۔" طویل خاموشی پر اکتائے سے لہجے میں انہوں نے دریافت کیا تھا جس کا جواب اس نے بڑے ہی ٹھنڈے انداز میں دیا۔ موسم سے بھی زیادہ ٹھنڈے انداز میں۔

"آپ جانتے ہیں لفظ میرے پاس کم ہوتے ہیں۔" جبران کی تلخ مسکراہٹ سنتے ہوئے اس نے ایک سرسری سی نگاہ لان میں ٹہلتی سیر اپر پھر سے ڈالی تھی جو عمیق سوچوں میں گم تھی۔ پتا نہیں اس کی سوچوں کا محور کیا تھا۔ جبران کی اگلی بات پر اس نے چونک کر واپس ان کی طرف دیکھا جو کہہ رہے تھے۔

"تمہارے پاس لفظ کم نہیں ہوتے بلکہ تم لفظوں کو کم میسر ہوتے ہو۔ زندگی ایسے نہیں گزرتی نوح۔" ان کی بات کے جواب میں اس کا جواب بہت ہی سادہ سا تھا جو کہ یہ تھا۔

"شاید ایسا ہی ہو، آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔" اس کی بے قرار نگاہ ایک بار پھر سے سیر اکی جانب اٹھیں۔ تنکیں ابھی تک وصال کی خواہش رکھ رہے تھے۔ ہوا تاہنوز بضد تھی۔ ظالم سماج کی طرح دونوں کے درمیان آکر انہیں جدا کیے چلی جا رہی تھی۔

"جب اتفاق کرتے ہو تو عمل بھی کرو، یقین جانو یہ تمہاری صحت کیلئے بے حد ضروری ہے۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔ وہ فی الحال اس گفتگو سے چھٹکارہ چاہتا تھا۔ وہ ان کے قریب نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ دل کو بھٹکانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پھر سے تہی داماں نہیں رہ جانا چاہتا تھا۔

"میں تھوڑا مصروف ہوں، آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" بنا ان کی کچھ سنے اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو گرا دیا۔ یہ وہ انسان تھے جن سے طویل گفتگو وہ بالکل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دم گھٹتا تھا جب جب وہ ان سے بات کیا کرتے تھے۔ خود کو ایک ان دیکھے سے جال میں جکڑتا ہوا محسوس کیا کرتا تھا، اس لیے ان کی لاکھ کوششوں، لاکھ جتنوں، محبتوں کے وہ کبھی بھی زیادہ دیر انہیں میسر نہیں رہا تھا۔ اسکرین گرا کر وہ اٹھنے ہی والا تھا کہ سیرا اس دوران اندر آ گئی۔ نوح نے خود کو وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ مائیر بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ سیرا اور مائیر آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے جب ٹھیک بارہ بجے گھر کی کال بیل بجی تھی جس پر نوح اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ شرٹ کو کمر پر سے درست کرتے ہوئے اس نے مین ڈور کھولا اور اپنی سست نظریں آنے والی پر ڈالیں۔ پہلے تو اسے یقین نہیں آیا پھر آنکھیں پھیلیں، منہ کے زاویے بگڑے اور آخر میں زور کا دھچکا لگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر شدید ٹھٹھکے تھے خاص کر نوح۔

"تم؟"سفید کوٹ میں خود کو چھپائے اس نے نیلی کیپ کے نیچے موجود اپنے چہرے پر مسکان سجائی تھی۔ سچوئشن آکورڈ تھی لیکن پرواہ کسے تھی۔

"ہیلو، میرا نام فلک سفیر ہے۔ میں واش اینڈ شائن سے یہاں سروس دینے آئی ہوں۔ کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"وہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے، مصنوعی مسکان کے ساتھ گلے میں پڑے کارڈ کو اٹھا کر اسے دکھا رہی تھی۔ نوح کو یقین کرنا دشوار ہوا اس نے مڑ کر اندر کی جانب جھانکا پھر قطعیت سے بولا۔

"ہرگز نہیں جاؤ یہاں سے، چلو نکلو۔"ہاتھ اٹھا کر جھلاتے ہوئے کہتے ساتھ ہی اس نے اس لڑکی کے منہ پر دروازہ بند کیا تھا۔ ابھی وہ دروازہ بند کر کے مڑا ہی تھا کہ بیل ایک بار پھر سے بجی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خود پر کنٹرول کیا پھر جارحیت سے دروازہ کھول کر پھنکارا۔

"کیا مسئلہ ہے۔ ایک بار سمجھ نہیں آتی، ہمیں کوئی میڈ نہیں چاہیے جاؤ یہاں سے۔" قبل اس کے وہ پھر سے دروازہ بند کرتا فلک نے گردن میں لٹکا کارڈ اس کے سامنے کیا اور ضبط بھری مسکان کے ساتھ گویا ہوئی۔

"سر (منحوس آدمی) میں واش اینڈ شائن کمپنی سے فلک سفیر ہوں۔ مجھے یہاں کام کیلئے ایک ماہ کے کانٹریکٹ پر ہائیر کیا گیا ہے چونکہ پروسیجر آن لائن تھا تو آپ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ دیکھیں میں یہاں پر

سلیکٹ کی گئی ہوں۔"مہر لگا آن لائن کانٹریکٹ فون پر دکھاتی وہ اس سے بالکل پیشہ وارانہ انداز میں بات کر رہی تھی۔نوح نے اس پیج پر نظر ڈالی۔ایڈریس اس کے گھر کا ہی تھا اور اپائنٹ اس لڑکی کو اسی کمپنی سے کیا گیا تھا۔نوح نے ایک نظر پھر سے اندر کی جانب ڈالی پھر مڑ کر ٹھنڈے انداز میں کہنے لگا۔

"میں پوچھ کر آتا ہوں اگر یہ جھوٹ ہوا تو تم بچو گی نہیں،ایک قدم نہیں ہلنا یہاں سے۔"وہ مڑا تھا جب یکدم پلٹ گیا وجہ فلک کی بڑبڑاہٹ تھی جو یہ تھی۔

"ہاں جیسے تم جیمز بونڈ کی اولاد ہو جس سے ملنے کی خاطر میں جھوٹ بولوں گی۔"

"کیا کہا؟"نوح کے سوال پر وہ سٹپٹائی پھر الرٹ ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں،کچھ بھی نہیں سر میں نے کہا تھا یس شیور۔"(لاحول ولا قوۃ)وہ جونہی اندر گیا فلک نے آٹھ دس قدم اندر باہر کے اٹھائے تھے۔کبھی یہاں کبھی وہاں،دائیں بائیں اور ہاں آگے پیچھے بھی۔

"ہونہہ آیا بڑا ایک قدم نہیں ہلنا۔"وہ مسلسل کیپ میں سے نکلتی اپنی چھوٹی سی پونی کو جھلاتے ہوئے اس گیلری پر نگاہ رکھے ہوئے تھی جو تھوڑی تنگ سی تھی۔جس کے اس پار نواب کی اولاد غائب ہوئی تھی۔راہداری کی دیواریں چھوٹے چھوٹے پرپل پھولوں والے وال پیپر سے ڈھکی تھی۔اس وال پیپر کی زمین سفید تھی اور اس پر چھوٹے چھوٹے سے پرپل پھول کھلے ہوئے تھے۔

راہداری کی دیواروں کے دائیں بائیں مختلف قسم کے قول سفید فریمز میں قید ہو کر دیوار پر ٹنگے ہوئے تھے۔ اسی راہداری کو کراس کر کے نوح لاؤنج میں گیا تھا جہاں مائیر اور سیر اسابقہ پوزیشن میں بیٹھے کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ اس کے آتے ہی وہ دونوں چپ ہو گئے کیونکہ اس نے آتے ہی سوال کیا تھا۔ سنجیدہ، سرد عجلت میں لپٹا ہوا سوال۔

"اس گھر کیلئے کس نے واش اینڈ شائن کمپنی سے رابطہ کیا ہے۔" سیر اکا ہاتھ بلند ہوا۔ گرے شال کو اپنے ارد گرد لپیٹے وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اسے دیکھ رہی تھی جو مزید کہہ رہا تھا۔

"اور اس کی وجہ؟" وہ ہنوز پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھلے بالوں والی لڑکی سے جرح کر رہا تھا۔ جس کو اس گھر کے معاملات ہینڈل کرنے کے لیے کسی سے اجازت درکار نہیں تھی۔ وہ آزاد تھی گھر کے معاملات کو لے کر چاہے کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ کیونکہ وہ اس گھر میں فی الحال واحد عورت تھی۔ اور جہاں عورت ہو وہاں اسی کی چلتی ہے۔

"میں بھی ابھی اسی بارے میں اس سے بات کر رہا تھا لیکن اس کا پوائنٹ ٹھیک ہے۔ مڈز شروع ہونے والے ہیں تو ایسے میں اس کیلئے گھر کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے لگتا ہے اس بات پر آبجیکشن بیکار ہے۔" نوح کی تنی ہوئی طنزیہ ابرو اور ماتھے پر بل مائیر کو اس کے برے موڈ کا سندیسہ

دے رہے تھے۔ قبل اس کے کہ تیر کمان سی اٹھی ابرو والا کچھ کہتا گرے چادر کو شانوں پر جمائے سیر اکھڑی ہوئی اور بلند آواز میں بولی۔

"صفائی کو اگر اگنور کر بھی دیں جو کہ ناممکن ہے تو دو وقت کا کھانا تیس دن ہم باہر سے نہیں کھا سکتے اس لیے یہ بات واضح کرتی ہے کہ ہمیں میڈ کی شدید ضرورت، ضرور دروازے پر وہی ہو گی میں اسے اندر لے کر آرہی ہوں۔" ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر وہ راہداری کو عبور کر کے دروازے کی طرف آئی جہاں نیلی کیپ والی چوکس کھڑی تھی۔ سیر انے اوپر سے نیچے تک اس لڑکی پر ایک سرسری نگاہ ڈالی پھر سائیڈ پر ہو کر اس کیلئے جگہ چھوڑ دی۔ فلک محتاط قدموں سے اندر آرہی تھی۔ سیر ااس کے آگے ہی تھی۔

"میں تمہیں اپنے گھر میں خوش آمدید کہتی ہوں اب چونکہ تم نے یہاں قدم رکھ ہی لیے ہیں تو امید کرتی ہوں تم بہت دل سے اور ایمانداری سے اس گھر کا کام کرو گی۔" وہ دونوں لاؤنج میں آگئے تھے جہاں ناخوش سا نوح لان میں نظرے گاڑے بیٹھا تھا جبکہ مائیر اپنے فون پر گیم کھیلنے میں مصروف تھا۔

"ہم نے تمام معاملات چونکہ پہلے ہی سیٹ کر لیے تھے اور تمہیں ہر چیز سے آگاہ کر دیا تھا تو تم اپنا کام ابھی سے شروع کر سکتی ہو۔ سب سے پہلے تمہیں ہمارے لیے بریک فاسٹ بنانا ہو گا تم کیا کھاؤ

گے مائیر؟"اسے ہدایت دیتے دیتے اس نے اچانک مائیر سے پوچھا تھا جس نے سرسری نگاہ اٹھا کر "کچھ بھی"کہا اور واپس نظر فون پر ڈال دی لیکن یہ کیا؟ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے گردن کو پھر سے اوپر اٹھایا تھا۔ نیلی کیپ میں موجود وہ لڑکی ستائش بھرے انداز میں اس اپارٹمنٹ کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں آج سے لے کر پورے ایک ماہ تک اسے کام کرنا تھا۔ اس کے دیکھنے کا ارتکاز حیرت بھرے سوال سے ٹوٹا۔

"ارے واہ یہ تو مس باجاہیں۔ کیسی ہیں آپ؟"شوخ سے سوال پر اس نے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

"میں بالکل ٹھیک۔"سیرا ان دونوں کی شناسائی پر اچنبھے میں مبتلا ہوئی۔ بھلا ایک میڈ کے ساتھ مائیر کی کیسے جان پہچان وہ پر سوچ انداز میں اس سے دست سوال ہوئی۔

"تم دونوں واقف ہو ایک دوسرے سے؟"ٹھنڈ میں گرم سا جواب تھا جو مائیر کی جانب سے آیا تھا۔ نوح کو تو وہ جواب جلاتا ہوا سا ہی محسوس ہوا تھا تبھی تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"ہم دونوں، تصحیح کرو مادام ہم تینوں ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"سیرا کے الجھنے پر مائیر نے اسے یاددہانی کروائی جس پر مزید نوح کے تاثرات بگڑ چکے تھے۔

"ارے وہ آزادی کی رات والا قصہ سنایا تھانا میں نے، اس کی لیڈ یہی محترمہ ہیں۔" سیر انے جھٹ سے فلک کو دیکھا اب کہ اس کی نظروں میں جانچ کے ساتھ تحیر بھی تھا۔ نوح کو ناکوں چنے چبوانے کی جرات والا تحیر۔

"سر ان باتوں کو نہیں چھیڑیں آپ میں یہاں جاب کیلئے ہوں تو میرے خیال سے مجھے وہی کرنا چاہیے۔ ناشتے میں آپ لوگ کیا لیتے ہیں مجھے بتادیں میں بنا دیتی ہوں۔" اس چالاک لڑکی پر ایک تلخ نگاہ ڈال کر وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اب اس لڑکی کو ہر روز پورے ایک ماہ کیلئے جھیلنا ہو گا۔ اس سوچ نے ہی اس کا موڈ مزید خراب کر دیا تھا۔ اس لیے وہاں بیٹھنا اسے دشوار لگا۔ سیر ا اور مائیر کے کھانے کی روٹین اور ان کی ڈائیٹ کے حساب سے تمام ضروری اجزاء اس نے اپنی نوٹ بک میں تحریر کر لیے تھے۔ نوح کو کیا پسند تھا وہ بھی اسے بتا دیا گیا تھا۔ اس گھر میں اسے ہر ایک کونے کو صاف کرنے کا حکم تھا فقط نوح کے کمرے کے کہ اس نے انہیں سختی سے منع کیا تھا وہ اس کی کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔ اس کے اتنے شدید بیر کی وجہ کوئی بھی نہیں جان پا رہا تھا یہاں تک کہ فلک خود بھی نہیں، وہ جہاں ہوتی تھی نوح کا وہاں سے اٹھ کر جانا لازم تھا۔ وہ جو بناتی تھی اسے چکھنا حرام تھا کیوں؟ کوئی اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا یہاں تک کہ وہ خود بھی نہیں۔

"پتہ نہیں اس آدم بیزار کو مسئلہ کیا ہے جب دیکھو منہ پر بلڈوزر پھرا رہتا ہے۔ کیا سوچ رہا ہے کیا نہیں کچھ سمجھ نہیں آتی، ذو بئی کی اولاد۔" سنک کے برتنوں میں کافی کے کپوں کو پھینکتے ہوئے وہ

اس کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے بارے میں اسے سوچنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ کافی کا کپ جو وہ نوح کیلئے بنا کر لے گئی تھی جوں کا توں ان چھوا پڑا تھا۔ پہلے تو فلک نے اسے پھینکنے کا سوچا پھر اوون میں رکھ کر اسے گرم کر کے وہ وہیں سٹول پر بیٹھی اس کی چسکیاں بھرنے لگی۔ پہلی چسکی بھرتے ہی اس کے منہ کے ہزار زاویے بنے۔

"اونہہ، جیسا خود کڑوا ہے ویسی ہی کڑوی چیزیں پسند کرتا ہے۔ خیر اب ضائع تو کرنے سے رہی میں مجبوراً نگلنی ہی پڑے گی۔ رزق کو کون ضائع کرتا ہے بھلا۔" پاؤں جھلاتے ہوئے وہ بڑبڑائے جا رہی تھی۔ نظر اسی کڑوے انسان پر تھی۔

سیر ا اور مائیر پھیکی دھوپ میں بیٹھے سٹڈی کر رہے تھے جبکہ وہ موصوف لاؤنج کے صوفے پر براجمان فون پر سکرولنگ کرنے میں مصروف تھا۔ اس کی پشت فلک کی طرف تھی۔ وہ صرف اس کا سر دیکھ سکتی تھی۔

"پتہ نہیں ہر وقت تنہا اور سنجیدہ کیسے رہ لیتا ہے۔ بور نہیں ہو جاتا۔ عجیب ہی ڈپریسڈ قسم کا بندہ ہے۔" اس نے جھرجھری بھری تھی۔ گرم گرم کافی سرد سرد موسم میں اب کچھ بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ناپسندیدہ چیزیں وقت کے ساتھ یونہی پسند کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔ پہلے وہ بری لگتی ہیں مگر پھر اپنی تمام تر برائی کے ساتھ ان کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر ایک چیز پر جب دل

قبول ہے بول دے وہ عزیز ہو کر ہی رہتی ہے۔ فلک نے شانے اچکا کر اس بات کو مان لیا۔ ابھی اسے ڈھیر سارے برتن دھونے تھے ڈھیر سارے برتن۔

"اگر یہ اسٹوڈنٹ ہے تو اس دن پولیس کی یونیفارم میں کیا کر رہا تھا۔ کیا پوچھوں اس سے، ناہ لاحول والا قوۃ بھیڑیے کی طرح پیچھے پڑ جانا ہے میرے۔" اس نے کپ کو سنک میں رکھا۔ ہاتھوں پر گلوز چڑھائے ان پر لیکوئڈ چھڑکا، چھڑکنے کے بعد وہ نل کھول کر برتن دھونا شروع ہوئی تھی۔

"افف، ڈش واشر ہی رکھ لیتے کنجوس کہیں کے۔ تمہارا بھی کمال ہے میر اتم ٹھیک ہوتی تو آج میں یہاں نہیں ہوتی اب کیسے کٹیں گے یہ تیس دن اس جیل خانے میں۔" برتن دھو کر سکھا کر اس نے ریک میں ترتیب سے لگائے۔ اس کے بعد موپ اٹھا کر وہ کچن کو صاف کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی تھی جہاں نوح بیٹھا سکرولنگ میں مصروف تھا۔ سر پر تکون رومال باندھے، نیلی شرٹ اور پنڈلیوں کو چھوتی اسکرٹ پر اپنی کمپنی کا نیلا ایپرن کسے وہ کشمکش میں گھری اس آدمی کو دیکھ رہی تھی جو تلخ لفظوں کی توپ تھا۔ جس سے بات کرنا اپنی سماعت میں زہر گھولنے کے مترادف تھا۔ لیکن بات کرنی تو تھی نا آخر تبھی اس نے گہرا سانس بھرا اور اسے مخاطب کر بیٹھی۔

"سر مجھے یہاں کی صفائی کرنی ہے آپ سائیڈ پر ہو جائیں گے پلیز۔" بات ڈلیور کرنے کے بعد وہ ایک منٹ تک اسے دیکھتی رہی تھی جس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ وہ ویسا ہی بیٹھا رہا جیسے بیٹھا ہوا تھا ٹھس اور ارد گرد سے لاپرواہ، فلک نے پھر سے کہا۔

"سر آپ پلیز مجھے صفائی کرنے کیلئے جگہ دے دیں۔" ہنوز لاپرواہی جیسے کچھ پھر سے نہ سنا ہو۔

"لعنت ہو اس غربت پر اور ان امیر زادوں کے نخروں پر۔"

فلک نے دانت پر دانت جمائے۔ کوئی اتنا ڈھیٹ کیسے ہو سکتا ہے یہ فلک کی سوچ تھی۔ اپنی سوچ اپنے اشتعال پر قابو پا کر وہ ایک بار پھر سے کہہ رہی تھی۔

"نوح سر (الو کے ڈیش) مجھے صفائی کرنی ہے۔" اب کہ اس نے سننے کی زحمت کی تھی تبھی گردن اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا جو موپ کو ہاتھ میں تھامے فریبی مسکان چہرے پر سجائے اس کے دائیں سائیڈ پر کھڑی تھی۔ نوح نے فون صوفے پر رکھا اور خشک انداز کے ساتھ گویا ہوا۔

"ہاں تو کرو میرے سر پر کیوں کھڑی ہو۔" کڑوی بات، کڑوا انسان۔ (جاہل آدمی، تم ہٹو گے تو کام کروں گی نا)

"سر آپ وہاں ادھر چلے جائیں مہربانی کر کے۔" چہرے پر مسکان تھی جبکہ دل جلا ہوا تھا۔ اس جلے دل کو بہت جہت کے ساتھ بجھا کر وہ اس سے کہہ رہی تھی جو خطرناک گھوری کے ساتھ اٹھ کر دوسرے صوفے پر گیا تھا۔ فلک نے خود پر جبر کر کے موپ کو فرش پر پھیرنا شروع کیا۔

"اچھے سے کرو اس جگہ ابھی بھی گرد ہے۔" فلک جو بس جانے والی تھی اس ہدایت نامے پر پھر سے مڑی (تمہارے منہ پر بھی گرد ہے وہاں بھی پھیر دوں پوچا) زمین پر صوفوں کے درمیان والی جگہ پر اچھے سے اسے رگڑنے کے بعد وہ سر اٹھا کر دوبارہ اسے دیکھ رہی تھی نظروں کا سوال تھا۔

"اب ٹھیک ہے؟"

"تمہیں تو صفائی نہیں کرنی آتی۔ کیا سکھاتی ہے تمہاری کمپنی تم لوگوں کو، پھر سے صاف کرو جب تک یہ جگہ صاف نہیں ہوتی جانے نہیں دوں گا تمہیں۔" فلک ضبط بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گرفت موپ پر سخت ہو چکی تھی۔ جو الہ مکھی پک رہا تھا بس پھٹنا باقی تھا۔

"فکر نہیں کریں اس بار ایسی صفائی کروں گی کہ یاد رکھیں گے۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے موپ کو صوفوں کے نیچے بھی پھیرا تھا۔ سفید فرش چمچما اٹھا تھا۔ اتنا صاف ہو گیا تھا کہ چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن نوح کی آنکھوں میں جانے کونسی گرد آن سمائی تھی کہ اسے صفائی نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ اس نے پھر سے ٹوکا۔

"ابھی بھی صاف نہیں ہوا۔ کیا کر رہی ہو تم۔ کیوں وقت برباد کر رہی ہو۔ پھر سے کرو اور اچھے سے کرو۔ مجھے بار بار نہ کہنا پڑے۔ بچی نہیں ہو تم جسے بتایا جائے گا کہاں گرد ہے کہاں نہیں۔"(تمہاری آنکھوں میں گرد ہے۔ تمہارے چہرے پر گرد ہے۔ تمہاری سوچ میں گرد ہے۔ تمہارے پورے وجود میں گرد ہے۔ گرد یلے آدمی)

یہ کوئی پانچویں بار تھا جب نوح اس سے کہہ رہا تھا۔ فلک نے بہت مشکلوں سے اپنی سوچ کو قابو میں کیا۔ تحمل کو لفظوں میں گھولا اور اس شخص کے آگے پیش کیا جو اس کے قابل نہیں تھا۔

"سر میں نے بہت اچھے سے صفائی کی ہے کہیں کوئی گرد نہیں ہے۔ آپ نے اپنی آنکھوں میں پتہ نہیں کون سا مائکرو سکوپ فٹ کر رکھا ہے جس سے ان دیکھی گرد بھی آپ کو نظر آ رہی ہے۔ یہ دیکھیں بالکل صاف ہے زمین۔"سفید ماربل پر اس نے اپنی مخروطی انگلی پھیر کر اسے دکھائی جو بالکل صاف ستھری ہی زمین سے واپس آئی تھی۔ (چاٹنا تھوڑی ہے زمین کو جو اور رگڑو اور رگڑو کی گردان لگا رکھی ہے۔ گرد یلے آدمی ہو نہہ)فلک کی بات کو بڑی مشکل سے ہضم کر کے اس نے ابرو اچکائی تھی۔ فلک کو تو جیسے فرق پڑتا تھا نا ایسی کی تیسی اس کی اٹھی ہوئی ابرو کی اور برف جیسے منہ کی۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو میں غلط بیانی کر رہا ہوں"(سو فیصد سر کے ہوئے انسان)

"نہیں سر، میں نے ایسا نہیں کہا مجھے کپڑے لانڈری کیلئے لے جانے ہیں اور میرے ڈیوٹی آوورز ختم ہونے والے ہیں۔ امید ہے آپ سمجھ رہے ہوں گے۔"موپ اٹھاتی اپنی بات ختم کر کے وہ وہاں سے جانے کو پر تول رہی تھی۔ نوح نے بلوں والی پیشانی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"تو کس نے کہا ہے اتنی سستی سے کام کرنے کو، ہاتھ چلاتی تو بیس بار کام ختم ہو جاتا ہے۔"فلک کے دل میں انگارے پھوٹ پڑے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے ساتھ کچھ کر گزرے۔

"سر، میں اپنا کام بہت برق رفتاری سے کرتی ہوں۔ آپ ہوتے نہیں ہیں اس لیے آپ کو معلوم نہیں ہے۔"اس کے کام پر سوال اٹھایا۔ اس کے کام پر، ایسی کی تیسی۔

"تبھی صفائی سے کام نہیں کرتی۔ جلد بازی جو ہوتی ہے۔"فلک کی بس ہو گئی تھی۔ بالکل اینڈ، بارڈر پر بس فائرنگ ہونے ہی والی تھی۔ اس سے پہلے نقصان کافی بڑا ہو تا سیز فائر کر دی گئی۔ اس نے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

"سر میں جاؤں۔"بہت ضبط کے ساتھ وہ دست سوال تھی۔ نوح نے برا سا منہ بنا کر تخلیہ والے انداز میں ہاتھ کو جھلایا۔ بے عزتی کا نیا انداز۔ (اللہ کرے ٹوٹ جائے یہ ہاتھ آمین) وہ موپ کو اس کی گردن سمجھ کر بھینچتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔ یہ شخص اس کی ہیڈ لسٹ میں نمبر ون پر آ گیا تھا۔

"ڈھیٹ، پتہ نہیں کب کانٹریکٹ توڑ کر جائے گی یہاں سے۔" وہ سوچ رہا تھا سوچنے کے بعد پھر سے سکرولنگ میں مصروف ہو چکا تھا۔

یہ جو گہرے سناٹے ہیں

وقت نے سبھی کو بانٹے ہیں

تھوڑا غم ہے سب کا قصہ

تھوڑی دھوپ ہے سب کا حصہ

انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے کبھی غم میں کبھی خوشی میں، کبھی آہ میں تو کبھی چاہ میں، کسی موڑ پر کسی راہ پر، کبھی سانس میں تو کبھی آس میں، انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اور یہ دل مجبور بھی کس بات پر کرتا ہے بھلا؟ اپنی من مانی پر، ضد پر، خود غرضی پر، وہ چاہتا ہے اس کی مانی جائے وہ چاہتا ہے بس اسی کی سنی جائے۔ دلوں کی ضدیں پاتال میں گراتی ہیں تو خواہشوں کے عرش پر بھی بٹھا دیتی ہیں۔ دلوں کی ضدیں بہت بری ہوا کرتی ہیں۔

آج کی دوپہر میں بھی زندگی رواں دواں تھی بالکل ویسے جیسے صدیوں پرانی دوپہروں میں ہوا کرتی تھی بس فرق اتنا ہے تب خالص زندگی ہوا کرتی تھی اور اب ملاوٹی، ملاوٹی دل ہیں اور ملاوٹی ہی رشتے، خود غرضی کا دور ہے۔ 'میں' کا دور ہے۔ دوپہر چڑھے وہ اپنے سامنے بچھی میز پر چوکور گرے رنگ کا چائے سے بھرا کپ لیے بیٹھی تھی۔ وہ کافی ٹیبل تھی جو گول تھی۔ سرخ رنگ میں ملا سیاہ رنگ، یہ رنگ تھا اس میز کا بالکل ویسا رنگ جیسا اکثر اس کے چہرے اور ماتھے پر ابھرتے زخموں کا ہوا کرتا تھا۔ بالکل ویسا رنگ جیسا ابھی اس کی کہنی پر موجود تھا۔

"سس۔" دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو زخم پر سہلاتے ہوئے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔ ساتھ میں دو آنسو بھی جو بے وقت و بے مراد سے اس کے گالوں سے پھسل کر تھوڑی سے ٹپک گئے، ٹپک کر ٹوٹ گئے، ٹوٹ کر اپنی پہچان کھو گئے بالکل ویسے جیسے اس نے اپنی پہچان کھوئی تھی۔ اپنی خوشیاں، اپنی خواہشات، اپنی ذات، اپنا مان سب کچھ، وہ سب کچھ بہت آسانی سے بہت ہی خود غرض لوگوں کیلئے کھو چکی تھی اور اس کے بدلے اسے کیا ملا تھا۔ پھٹکار، درد، آنسو اور تنہائی۔

"اس ماہ کا پورا پورا حساب چاہیے مجھے، تمہارے گھر والوں کو کتنا بھیجنا ہے۔ وہ میری سر دردی ہے۔" اسے اپنے شوہر کی آواز سنائی دی۔ کہنی پر موجود زخم میں نئے سرے سے درد اٹھا۔

"حالات کی تنگی کی وجہ سے گھر بکنے کے دہانے پر کھڑا ہے۔ میں نہیں چاہتی ایسا ہو میرے والدین سڑک پر آجائیں گے اس لیے۔" اس نے ڈرتے ہوئے اپنے شوہر کو دیکھا جو تیکھی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ "اس لیے چاہتی ہوں کہ پورے پیسے بھیج دیں ہم۔" اس کے شوہر کی سماعت جلاتی ہنسی کانوں میں گونجی، وہ اس سے عمر میں کئی گنا بڑا تھا۔ اس کی پہلے بھی تین شادیاں ہو چکی تھیں۔ گیارہ بچوں کا باپ تھا۔ اس کا سب س بڑا بیٹا تقریباً اس کی تیسری بیوی کی عمر کا ہو گا مگر پھر بھی، پھر بھی اس شخص کی ہوس ختم نہیں ہوتی تھی۔ بد فطرت، بد فطرت رہتے ہیں اس بات کو اس انسان نے ثابت کر دیا تھا۔

"کمال نہیں جن دو انسانوں نے تمہیں اپنے مفاد کیلئے مجھے بیچ دیا آج بھی تمہیں انہی کی فکر ہے، کس مٹی کی بنی ہو ہاں۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔ ٹیس اٹھی تھی مگر نظر انداز کیا۔

"نکاح ہوا ہے ہمارا اور وہ۔" توقف، پھر نظریں اٹھیں۔ "حق مہر تھا میرا۔" ایک اور بھدی ہنسی اتنی بھدی کہ اسے رونا آگیا مگر اس نے آنسو نگل لیے کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"یہ صحیح ہے تم غریبوں کا، اپنے مفاد کو حلال کا ٹیگ دے دیتے ہو، سنو کیا کبھی ایک غریب، لاچار اور بے بس لڑکی کا حق مہر پندرہ لاکھ ہوا ہے؟" برچھی پڑی تھی بڑی زور کے پڑی تھی۔ اتنی زور

سے کہ لگا پورا چہرہ، آہ، نہیں بلکہ پورا بدن لہولہان ہو چکا ہے۔ اٹھی ہوئی پلکیں پھر جھک گئیں۔ دل پھر سے تھک گیا۔

"ایک غریب لاچار لڑکی ہی آپ کے دل کو بھائی تھی۔" جرات کی تھی غلط کیا۔

"اب تم مجھے باور کرواؤ گی کہ میری چوائس کتنی تھرڈ کلاس ہے، ہاں۔" وہ اس کے قریب غراتے ہوئے پہنچا۔ چاقو کا دستہ پوری قوت سے کہنی پر پڑا تھا۔ کہانا جرأت کر کے غلط کیا۔

"آپ مجھے لائے ہی کس لیے ہیں یہاں پر، مارنے پیٹنے کیلئے، اذیت دینے کیلئے۔" اس کے شوہر نے اس کی کہنی کو قریب رکھی میز پر زور سے پٹخ دیا جس کے سبب اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ درد ایسا تھا کہ گویا ہڈی ٹوٹ گئی ہو مگر نہیں فقط گوشت پھٹا تھا تبھی سوجن اور سرخی شروع ہو چکی تھی۔

"تم نے ایاز کی اذیت دیکھی کہاں ہے ابھی، جس دن اس سے روشناس ہو گئی نا اس دن تمہاری زبان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے گی۔"

سیاہی مائل سرخ نشان میں بیتا وقت آکر گزر گیا تھا۔ اب جو منظر تھا وہ دوپہر کا تھا جس میں کھلی دھوپ مسحور سی تھی اور چائے کی خوشبو تر و تازہ، اس نے نگاہ چائے پر مرکوز رکھی۔ دماغ میں پنپتی ثولیدہ سوچیں اسے بے کل کیے دے رہی تھیں۔ اسے ان سے چھٹکارا چاہیے تھا لیکن مل نہیں رہا

تھا۔اسے زندگی سے چھٹکارا چاہیے تھا لیکن مل نہیں رہا تھا۔کتنی بار تو وہ خودکشی کا ارادہ کر چکی تھی۔ کتنی بار تو وہ اس حرام کام کی کوشش کر چکی تھی۔

"پانچ بار،ہاں پانچ بار میں نے ایسا کیا۔"انگلیوں کے پوروں پر گنتی ہوئی وہ حساب لگا رہی تھی پھر تھک کر آنکھیں موند گئی۔

"لیکن کیا فائدہ ہوا،سوائے جسمانی و روحانی اذیت کے کچھ بھی نہ ملا،کچھ بھی نہیں۔"آنکھیں بند تھیں۔میز پر رکھی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ظہر کا وقت نکلا چلا جا رہا تھا۔وقت تیزی سے سرک رہا تھا قبل اس کے وہ وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگتی اس کے فون پر کال آنے لگ گئی تھی۔نمبر دیکھ کر اس نے مردہ دل کے ساتھ اسے اٹینڈ کیا۔

"بات سنو آج رات میں گھر نہیں آؤں گا لیکن تم مجھے گھر پر چاہیے ہو۔کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش بھی مت کرنا۔"وہ چپ چاپ اسے سنتی رہی پھر مدھم آواز میں گویا ہوئی۔

"فکر نہیں کرو بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گی۔بیسمنٹ مجھے یوں بھی پسند نہیں۔"آنسو ایک بار پھر سے روانہ ہو گئے۔کہا تھا نا انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے چاہے وہ دکھ ہو یا پھر غم۔

"صد شکر کہ چھ ماہ قبل کی وہ سزا تمہیں یاد رہ گئی اب اگر ایسی کوشش بھی کی نا تو دس دنوں کیلئے نہیں پوری زندگی بیسمنٹ میں گزارو گی۔ ہڈیاں گل جائیں گی لیکن باہر نہیں نکلو گی۔ گاٹ اٹ۔" کال منقطع ہو گئی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھر کر نگاہ کھلے آسمان کی اور کی۔

"تمہارے بابا کی سرجری بہت ضروری ہے تمہیں اس کیلئے یہ کرنا ہو گا۔" آسمان پر مرکوز نگاہیں ساکت تھیں بالکل ساکت۔

"ڈاکٹر کیا رپورٹ ہے ان کی؟" آخری موہوم سی امید کہ کیا پتہ اسے قربانی دینی نہ پڑے۔ کہ کیا پتہ وہ بچ جائیں۔

"دیکھیں آپ کے والد کی دل کی سرجری ہونا بہت ضروری ہے۔ انہیں ہائڈرو پیری کارڈیم ہے۔ ہمیں جلد سرجری کرنی پڑے گی ورنہ ان کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" اور وہ نہیں بچی، اپنے بابا کو بچانے کی خاطر اسے اپنی زندگی پندرہ لاکھ کے عوض تیاگنی پڑی تھی۔ وہ پندرہ لاکھ تو پندرہ گھنٹوں میں ختم ہو گئے تھے۔ پندرہ گھنٹوں بعد جب ڈاکٹرز آپریشن تھیٹر کا بلب بجھا کر باہر آئے اور انہیں ان کے باپ کی زندگی کی نوید سنائی دی۔ تب اسے لگا تھا اس کی موت کا اعلان چہار سو ہونے لگا ہے۔ اس کے بابا بچ گئے تھے وہ نہیں بچی تھی۔ اس کے بابا تیزی سے صحت یاب ہوئے تھے۔ وہ آج تک صحت یاب نہ ہو سکی۔ جب اپنے گھر تھی تب بھی وہ پیسہ کمانے کی مشین تھی اور جب بیاہی

گئی اس کے بعد بھی اسے وہی سمجھا گیا۔ اس کے شوہر نے اسے خریدا تھا۔ وہ بہت برا، بہت بدکار اور بد فطرت آدمی تھا لیکن اس نے ایک کام اچھا کیا تھا۔ وہ اس سے کام کروا رہا تھا اور اس کی کمائی کا دس فیصد اس کے گھر والوں کو بھیج رہا تھا۔ اس نیکی کا خیال اسے کیوں آیا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ بس اتنا علم تھا اس نیکی کی وجہ سے ان کے گھر کا چولہا جل رہا تھا اور اس کیلئے یہی کافی تھا۔

اس کی چائے میں سے اٹھتا دھواں مہمت کی کافی میں سے اٹھتے دھوئیں کی مانند ہی تھا جو اس وقت اپنے گھر کے کمرے میں کلر فل شیٹس میز پر بچھائے بیٹھا ہوا تھا۔ سرخ رنگ کی چوکور شیٹ پر اس نے ایک گھر کا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ وہ آرٹ میں جانا چاہتا تھا یہی اس کا خواب تھا اس لیے اس نے شروع سے ہی آرٹ مضمون کو اپنے سلیبس میں رکھا ہوا تھا۔ لینڈ اسکیپ بنانا، پورٹریٹ بنانا اور آنکھ کو بھاتا ہر منظر کاغذات پر اتارنا اسے از حد پسند تھا۔ ابھی بھی وہ یہی سب کچھ کر رہا تھا جب اچانک اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے فون کی گیلری کھولی اس میں سے ایک تصویر نکالی پھر دل سے مسکراتے ہوئے خود سے ہمکلام ہوا۔

"ہمم، تو مہمت پنار اس بار اپنے سکول کے آرٹ کمپیٹیشن میں فرسٹ آنے والے ہیں۔" اس تصویر کی آؤٹ لائنز جلدی جلدی شیٹ پر اتار کر وہ اپنے چیزیں سمیٹنے لگا تھا۔ اسے کسی بات کی جلدی تھی کس بات کی۔ آفکورس اپنے اسٹوڈیو جانے کی تبھی تو وہ کافی کو ان چھوا چھوڑ کر دروازے کی جانب روانہ ہوا تھا۔

"تم کہتی ہو تم خوبصورت نہیں ہو میں پوری دنیا کو بتاؤں گا کہ فلک سفیر کتنی خوبصورت لڑکی ہے، بس تھوڑا سا انتظار کرو۔" چھوٹی عمر کے بڑے خواب، خوبصورت و حسین خواب، پاکیزہ سے نرم سے خواب۔

چھوٹے سے فلیٹ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود وہ ٹرکش لڑکا بہت دل جمعی کے ساتھ کینوس پر کسی کو پینٹ کرنے میں مصروف تھا۔ وہ لڑکا نہیں جانتا تھا اس کی یہ پینٹنگ کیا کرنے والی ہے جان جاتا تو شاید۔۔۔۔

اسے آج دیر ہو گئی تھی پورے دس منٹ دیر، وہ جانتی تھی صبح جانے والے دوپہر ڈھلے واپس لوٹتے ہیں اس لیے آتے ساتھ ہی اس نے لسٹ میں درج کھانا بنانا شروع کر دیا تھا۔ کھانا بنانے کے بعد اس نے گھر کی صفائی کا کام شروع کیا۔ اسے پورا گھر صاف کرنے کی اجازت تھی ماسوائے نوح صاحب کے کمرے کی یوں تو اسے بھی دلچسپی نہیں تھی اس تیر کمان کے کمرے میں جانے کی لیکن آج نا جانے کیوں ادھ کھلے دروازے نے اسے پورا کھولنے پر مجبور کر دیا۔ کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا پھر بھی وہاں سلیقے سے رکھی ہر چیز رہنے والے کی طبیعت کا پتہ دے رہی تھی۔ کہیں بھی

وہ باقی کے کمروں کی طرح یہاں گرد نہیں دیکھ پا رہی تھی۔ ہر چیز اتنی صاف اور چمکدار تھی جیسے ابھی ابھی خرید کر یہاں رکھی گئی ہو۔ وہ رہنے والے کے ذوق سے متاثر ہوئی اور حیران بھی، جس طرح کا وہ بندہ تھا اس سے اس طرح کی نفاست کی اسے امید نہیں تھی۔ ترتیب ہر شے پر تھی اور کچھ زیادہ تھی۔ وہ مڑنے لگی تھی جب اس کی نظر ایل ای ڈی کے نیچے شیلف پر موجود ڈھیر ساری سیڈیز اور کتابوں پر پڑی۔ اس کی توجہ کا مرکز وہ دونوں چیزیں نہیں بلکہ لٹکتا ہوا صفحہ تھا جو اس پورے کمرے میں موجود نفاست کے اثر کو زائل کر رہا تھا۔ فلک نے دروازے کو دیوار سے لگایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی شیلف کے قریب آئی۔ صفحے پر موجود سیاہ جلی حروف میں درج تھا۔

"بعض انسانوں کے دل جلدی مر جاتے ہیں افسوس نوح جبران اس لسٹ میں نمبر ون پر ہے۔"

یہ الفاظ توڑ توڑ کر مختلف زبانوں میں لکھے ہوئے ہوتے۔ ہر لفظ الگ تھا ہر لفظ جدا جدا، ایک لائن میں دو لفظ تھے تو دوسری لائن میں کنارے پر فقط ایک۔ اس کی نچلی لائن پر پھر سے تین لفظ اوپر نیچے لکھے تھے۔ اس سے نچلی لائن میں لہر دار انداز میں پھر سے ایک لفظ۔ ہر لفظ الگ زبان میں تھا اسپینش، کورئین، ٹرکش، ہندی، بنگالی، جاپانی، چائنیز، عربی، رشئن اور اطالوی، زبانیں مختلف تھیں مگر جملہ ایک ہی تھا۔ فلک نے اس کاغذ کی تصویر اتاری اور جلدی سے ان الفاظ کی ٹرانسلیشن کر لی۔ اس ایک جملے نے فلک کو کچھ دیر سوچنے میں لگا دیا تھا پھر اس نے گہرا سانس بھرا پیچ کو ویسا ہی لٹکا رہنے دیا جیسے وہ لٹکا ہوا تھا۔۔ نیم اندھیرے کمرے کو اس کے حال پر چھوڑ کر وہ باہر آئی۔ پورا

گھر صاف تھا اب بس کھانا بنانا رہتا تھا۔ وہ کافی کو پھینٹ ہی رہی تھی کہ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی ساتھ میں تھوڑی سرگوشیاں بھی تھیں۔ اس نے ابلے ہوئے دودھ میں پھینٹی ہوئی کافی کو ڈالا، راہداری سے سائے نظر آئے تھے۔ ابلے ہوئے دودھ میں وہ چمچ ہلا ہی رہی تھی کہ سلام کی آواز کے ساتھ پہلے سیر اپھر مائیر پھر غفران انکل اور ان کے پیچھے گم صم ساتھکا ساوہ چلا آرہا تھا۔ لوٹنے والے لوٹ آئے تھے۔ وہ سب آتے ہی صوفے پر ڈھے سے گئے تھے۔ فقط نوح تھا جو سیدھا اپنے کمرے میں جارہا تھا۔ فلک نے ان سب کو پانی پیش کیا، غفران انکل کے کہنے پر وہ اس کے کمرے میں ناک کرکے آئی تھی جو بیڈ پر بیٹھا جھک کر اپنے شوکے تسمے کھول رہا تھا۔ دستک کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ شیشے کی چھوٹی سی ٹرے میں گلاس رکھے وہ اس کے دروازے کی دہلیز پر کھڑی تھی۔ نوح اسے وہاں دیکھ کر چونک گیا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو تم؟" وہ ہاتھ میں تھامی ٹرے کو اپنی ناک تک اونچا کرکے اندر آئی۔

"سوال احمکانہ ہے لیکن کوئی نہیں چلتا ہے۔" وہ اس کی جرات پر بھنویں اچکا کر رہ گیا۔ موسم آج بہت زیادہ ابر آلود تھا۔ وقفے وقفے سے بادل ایسے گرج رہے تھے جیسے وہ آسمان کو پھاڑ کر ہی دم لیں گے۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں کام کیلئے ہو تو وہی کرو۔" اس نے ایک جھٹکے سے شو کے لیسز کھول کر پاؤں کو ان سے آزاد کروایا۔ فلک نے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھی اور مؤدب انداز میں گویا ہوئی۔

"میں اپنی جاب کی نوعیت جانتی ہوں سر، ہاؤس میڈ ہوں تو جانتی ہوں کہ مجھے اپنا کام ذمہ داری سے کرنا چاہیے اور میں کر رہی ہوں۔" وہ جو شوز کو اٹھا کر سائیڈ پر رکھ رہا تھا لمحہ بھر کو رکا، اسے احساس ہوا شاید اس کے الفاظ سخت تھے تبھی تھوڑی سی نرمی اس کے چہرے پر پھیل گئی چہرے کے ساتھ لفظوں میں بھی۔

"مجھے لگتا ہے میں سخت بول گیا، اب تمہیں یہاں سے جانا چاہیے۔" فلک کے لبوں پر مبہم سی مسکان دوڑی، بادلوں کی گرج اس بار شدت کی تھی۔

"آپ کو تو معذرت کرنا بھی نہیں آتا۔" مسکراتی سی بات پر تیر کمان سی ابرو اچکی، سینے پر بازو بندھے اور انداز میں سنجیدگی در آئی۔

"اور آپ کو یہ خوش فہمی کیوں ہوئی کہ میں آپ کو معذرت کروں گا۔" باہر سے کال بیل بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے ہونٹ کو تھوڑا سا فولڈ کیا پھر شانے اچکاتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے نہیں زندگی سے، آپ کو اپنی زندگی سے معذرت کرنی چاہیے جسے آپ کے سڑے ہوئے موڈ نے۔"اس کی بات درمیان میں رہ گئی وجہ سیر اکا اسے آواز دینا تھا۔

"فلک کافی سرو کر دو آکر۔"نوح کے ماتھے پر پڑتے بل اور چہرے کی سرخی کو نظر انداز کرتی وہ باہر آئی تھی جہاں آکر معلوم ہوا تھا کہ غفران کے مہمان آئے ہیں تبھی وہ ڈرائنگ روم میں چلے گئے ہیں۔

"ظالم لڑکی پانی کے علاوہ تو تم کچھ پوچھ ہی نہیں رہی ہو۔ عرصے بعد تو پاکستان والی فیلنگ آرہی ہے۔ایک ماہ کیلئے ہی سہی مگر کھل کر تو جینے دو۔"اس کے باہر آتے ہی مائیر نے شکوہ کیا تھا۔اندر جامد کھڑے نوح کی سماعت میں اس کا دوستانہ شکوہ گونجا تھا۔اس کے بعد اسے فلک کی بات بھی سنائی دی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"بس ابھی لائی سر۔"مائیر نے شوخ پن سے چلاتے ہوئے کہا۔

"سر،یعنی اتنی عزت یعنی اتنی مروت،لڑکی یہ سرور چھوڑو سیدھا نام لیا کرو تم تاکہ کچھ جان پہچان تو بڑھے۔"وہ مسکراتے ہوئے کچن میں گئی۔

"جان پہچان کیلئے آپ میری پروفائل پڑھ لیں۔"اس نے کپ میں کافی انڈیلتے ہوئے کہا تھا۔

"پروفائل میں ستر فیصد جھوٹ ہوتا ہے۔میں چاہتا ہوں ہماری دوستی جھوٹ پر مبنی نہ ہو۔"وہ کھلے اور صاف دل سے کہہ رہا تھا۔وہ ایک زندہ دل انسان تھا۔

"فکر نہیں کریں اس میں کچھ جھوٹ درج نہیں ہے۔"کافی کو ٹرے میں رکھ کر وہ اس کے پاس لے آئی تھی۔

"لڑکی پروفائل میں نہیں لیکن تمہاری آنکھوں میں ضرور جھوٹ ہے۔یہ سوجی سوجی، سوئی سوئی سی کیوں رہتی ہیں۔"اس نے پہلی چسکی بھری پھر اس کے ہاتھ کے ذائقے کو سر ہلاتے ہوئے سراہا تھا۔

"لڑکے، میری آنکھیں بلی ایلش کی طرح مشہور ہیں۔لائیک سلیپی آئیر۔"مائیر کا قہقہہ جاندار تھا۔

"تم میرے ٹائپ کی ہو۔تمہارے ساتھ میری خوب جمنے والی ہے۔کمال کا سینس آف ہیومر ہے تمہارا۔"وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔فلک کی نظر خود بخود نوح کے کمرے کی جانب اٹھی۔

"زندہ دل لوگ کمال ہی ہوتے ہیں۔وہ انسان ہی کیا جن کے دل جلد مر جائیں۔"

نوح کے وجود پر چھایا دو منٹ کا وہ سکتہ ٹوٹ گیا تھا۔اس نے جلدی سے اپنے کمرے میں نگاہ دوڑائی ترتیب سے سمٹے ہوئے کمرے میں بے ترتیب سا وہ کاغذ ساری داستان سنا گیا تھا لیکن کیا وہ ان

زبانوں سے واقف تھی؟اس نے ایک نظر کاغذ پر ڈالی اور دوسری دروازے پر جہاں کچھ دیر قبل وہ کمپنی کی یونیفارم پہنے کھڑی تھی۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں،یہ ممکن نہیں ہے۔"دروازہ بند کر کے اس نے آنکھیں بھی موند لی تھیں۔باہر تیز بارش شروع ہو چکی تھی اور اندر خود کا احتساب۔

"غفران مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

سرد سے دن میں جب سب کے منہ سے بات کرتے ہوئے دھوئیں کے مرغولے نکل رہے تھے ڈرائنگ روم کے پر حدت ماحول میں بیٹھے غفران کے دوست نے رازدارانہ انداز میں آگے جھک کر اس سے کہا تھا۔وہ جو ابھی سرو کی گئی کافی کے سپ بھرنے میں مشغول تھے اس انداز پر ٹھٹھک گئے۔کپ کو پرچ میں رکھا اور سنجیدگی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ہاں بالکل،کہو میں ہمہ تن گوش ہوں۔"پتلی ناک والے اس گورے نے خود کو تھوڑا سا اور آگے کیا۔تجسس بڑھانے کی کوشش،راز کی انتہا۔

"یہ جو بچی ابھی کافی دے کر گئی ہے اسے میں جانتا ہوں۔ کچھ عرصے قبل یہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ پولیس اسٹیشن آئی تھی۔ اس کے بوائے فرینڈ نے خودکشی کی کوشش کی تھی جس پر میں نے اس کیلئے سائکالوجسٹ کو کنسلٹ کیا تھا بعد ازوہ لڑکا اپنی رپورٹ لے کر تنہا آیا۔ میں نے ان کے رشتے کی بابت دریافت کیا تو لڑکے نے بتایا کہ ان کا بریک اپ ہو چکا ہے۔ مجھے افسوس ہوا۔"

پوری بات سن کر غفران سیدھے ہوئے۔ انہیں گاسپ میں دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی عمر اور طبیعت دونوں اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پر سوچ انداز میں انہوں نے دروازے کی سمت دیکھا تھا دیکھتے ساتھ ہی انہیں پھر سے اپنے نئے نئے بنے دوست کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔

"لیکن یہ اہم بات نہیں ہے۔" غفران کی آنکھوں میں سوال در آئے۔

"تو پھر؟" پتلی ناک والے نے ٹانگ پر سے ٹانگ اتاری، کافی کی ایک طویل چسکی بھری پھر بم پھوڑا۔

"اہم بات یہ ہے کہ وہ لڑکا تمہارا بھانجا ہے یعنی میں نوح کی بات کر رہا ہوں۔" غفران کو شدید حیرت کے سبب اچھو لگا، کھانستے ہوئے وہ کپ کو میز پر رکھنے کے بعد ہونٹوں کو ٹشو سے پونچھ رہے تھے۔ انہیں لگا نہیں سننے میں دشواری ہوئی ہے۔ تصدیق چاہی استعجاب میں لپٹی ہوئی تصدیق۔

"یعنی تم کہہ رہے ہو نوح جبران، میرانوح؟" ان کے دوست نے اثبات میں سر ہلایا۔ غفران نے لبوں کو بھینچا تھا۔ وہ جانتے تھے بوائے فرینڈ والی بات غلط ہو سکتی ہے لیکن خودکشی؟ ان کا دماغ یکدم ماؤف ہوا تھا یقین کرنا دشوار تھا۔

"اس نے اعتراف کیا تھا؟" ایک بار پھر سے اثبات میں ہلتے سر نے ان کے دل میں ٹیس سی جگائی تھی۔ سانس میں دقت ہونے لگی اور پریشانی میں انتہا۔

"اس نے واضح اعتراف ریکارڈ کروایا تھا۔ اسے خودکشی جیسے عظیم جرم کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔" کافی ختم ہو رہی تھی لیکن اس کی کڑواہٹ جیسے غفران کے اندر ہی رچ بس گئی۔ انہوں نے ضبط کا دامن تھاما اور خود کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"ہاں صحیح کہہ رہے ہو لیکن تم جانتے تو ہو آج کل کی یوتھ کو کتنی جذباتی ہے۔ میں سمجھاؤں گا اسے آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اچھا تم اپنی شادی کا بتاؤ کب کر رہے ہو، سنا ہے کرسٹینا نے تمہیں پرپوز کیا ہے۔" بات کا رخ بدلتے ہوئے وہ اس کا من پسند ٹاپک شروع کر چکے تھے جبکہ ان کا دل تو خودکشی والی بات پر ہی رک گیا تھا۔ وہ جانتے تھے گزشتہ سالوں میں ہوئے نوح کے ایکسیڈنٹس میں اس کی رضا کا ہی ہاتھ ہے لیکن ایک پردہ تھا جو پڑا ہوا تھا۔ آج وہ پردہ بھی ہٹ گیا۔

آج سب کھل گیا۔ انہیں اس کم عمر بچے کی ذہنی حالت پر رونا آرہا تھا۔ وہ کتنا اسے پیار دیتے تھے۔ کتنی توجہ سے رکھتے تھے پھر بھی ایک خلش سی تھی جو رہ گئی تھی۔

جبران نصر اللہ، نصر اللہ احمد خان کے خاندان کے پہلے چشم وچراغ تھے۔ شادی کے دوسرے سال ہی وہ اس دنیا میں ان کا نام چمکانے کیلئے اتر آئے تھے۔ نصر اللہ کو اپنی یہ اولاد از حد پیاری تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنی دوسری اور آخری اولاد غفران نصر اللہ پر زیادہ توجہ نہیں دے پائے تھے۔ جبران تیز دماغ کے بڑے ہی الرٹ قسم کے انسان تھے۔ وہ بہت ہی کم عمر میں باپ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی چالاکی و پھرتی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے پراجیکٹس ان کو با آسانی ملنے لگے۔ کوئی ٹینڈر ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔ اور جب بھر دیا جاتا تو ان کے ہی حصے میں آتا تھا۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا تھا کہ ٹینڈر بھرنے کے بعد بھی پراجیکٹ ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وہ نون گروپ آف کمپنیز کی سربراہی کرسی پر پچیس سال کی عمر میں ہی بیٹھ گئے تھے۔ ان کے پنکھ بہت بڑے تھے۔ اور آسمان ان کیلئے بے حد وسیع، جہاں وہ ایک پکے کاروباری انسان تھے وہیں ان میں کچھ بری عادات بھی تھیں۔ ہر بڑے بزنس مین کی طرح وہ بھی شراب و شباب کی لت میں پڑ گئے تھے۔ اس لت نے ان کو برا پھنسایا تھا۔ ان کا چھوٹا بھائی غفران بہت نیک دل اور نیک فطرت کا انسان تھا۔ وہ انہیں ہر وقت نصیحت و وعظ کرتا رہتا تھا۔ لیکن وہ جبران ہی کیا جن کے کان پر جوں تک رینگے۔ انہوں نے خود کو وقت کے ساتھ بہنے دیا بغیر کسی باڑ کے وہ آگے سے آگے بڑھتے چلے

گئے۔انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ایک لمحے کیلئے ٹھوکر لگی تھی جب آگے پیچھے والدین دنیا سے گئے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے فل اسٹاپ نہیں لگایا۔ان کیلئے کام اہم تھا۔نام اہم تھا۔جو گزر گیا گزر گیا،جو رہ گیا رہ گیا۔وہ اسی فارمولے پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ان کی عادت تھی حکمرانی کرنا۔لیکن اس بار ان کی حکمرانی ایک غلط روپ دھار رہی تھی۔نتائج بہت برے ہو رہے تھے۔اس کا احساس غفران اور مائیر دونوں کو ہو گیا۔

دروازے پر کھڑا مائیر جو اندر آنے والا تھا ان کی باتیں سن کر واپس پلٹ گیا۔لاؤنج میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔سیر ااندار آرام کرنے چلی گئی تھی اور نوح آتے ہی اپنے کمرے میں گھس گیا تھا۔ اب وہاں فقط وہ تھا اور کاؤنٹر صاف کرتی فلک جو اسے پہلی ہی نظر میں نوح کیلئے بہت زیادہ بھائی تھی اتنی کہ وہ اس کیلئے دل میں ایک نرم جذبہ رکھنا شروع ہو چکا تھا۔اسے لگتا تھا یہ اس کے دل کا نرم جذبہ ہی ہے جس نے فلک کو اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے لیکن ابھی وہ باتیں جو اس نے اندر سنی تھیں وہ سب کیا تھا۔نوح کی طرف سے تو وہ بالکل شیور تھا لیکن فلک، کیا اس کے دل میں نوح کیلئے کچھ ہے جو وہ بات چھڑی۔

"کیا مجھے اس سے پوچھنا چاہیے؟"وہ خود سے دست سوال تھا۔"ہاں کیوں نہیں یہ میرا حق ہے۔" فلک کاؤنٹر صاف کر کے کپڑے کو سائیڈ پر رکھ رہی تھی۔مائیر کی پکار پر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے ڈیوٹی آوورز ختم ہو چکے ہیں کیا ہم دونوں کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟" مائیر اچھی شکل و صورت کا حامل لڑکا تھا۔ رنگ صاف تھا۔ نقوش بھی بہت تھے۔ قد بھی دراز تھا لیکن بس تھوڑا سا ہیلدی تھا۔ وہ کھانے پینے کا شوقین تھا اور یہی کھانا پینا اس کی صحت پر اپنا اثر چھوڑ جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی پرسنالٹی میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ جاذبیت تھی۔ سکون سا محسوس ہوتا تھا۔ بہت نرم گرم سا انسان لگتا تھا وہ۔ بہت دوستانہ قسم کا۔

"کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں اوہ ہاں یہاں تو میں ہی ہوں۔" اس لڑکی نے یہاں وہاں نظر دوڑانے کے بعد پی کیپ کو سر پر جمایا اور کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل آئی۔ مائیر کھڑا ہو چکا تھا۔

"جی اور مجھے آپ سے ہی بات کرنی ہے کیا ہم کہیں باہر چل سکتے ہیں۔" اسی دوران بادلوں کی گڑگڑاہٹ پوری شدت سے گونجی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے واقعی آسمان کے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔

"اس موسم میں۔" اس نے انگوٹھا اٹھا کر شہادت کی انگلی کا پوائنٹ اپنی لفٹ سائیڈ پر کیا تھا یعنی داخلی دروازے کی جانب۔

"یہ موسم تو اس جگہ کا حصہ ہے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" فلک نے اوپر لے لب کو دانتوں میں جکڑا پھر پرسوچ انداز میں آئی بالز کو گھمایا۔ خود کو کسی نتیجے پر پہنچا کر وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تو پھر چلتے ہیں لیکن یاد رہے میں آج اپنی امبریلا نہیں لائی، مجھے نہیں لگا تھا موسم اس طرح کا ہو جائے گا۔" مائیر نے امبریلا اسٹینڈ میں سے ایک پولکا ڈوٹ والا چھاتا نکال کر اس کی طرف بڑھایا جسے تھامتے ہوئے وہ اس کے پیچھے چل دی۔ چھتری کھولے، سفید کوٹ میں خود کو چھپائے وہ مائیر کے قدموں کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی تھی جو گھر سے باہر آنے کے بعد سڑک پر خاموش چلا جا رہا تھا۔ فلک اس خاموشی سے اکتا گئی۔ محتاط سے انداز میں بولی۔

"میں آپ کو کہنا چاہتی ہوں کہ میں بہت باتونی قسم کی لڑکی ہوں خاموشی اور خاموش لوگوں سے مجھے جھرجھری چڑھتی ہے تو وہ کہیں نا آپ جس کیلئے ہم یہاں ہیں۔" مائیر اس کی بات پر ہنس دیا ہنستے ہوئے ہی گویا ہوا۔

"ویسے میں بھی آپ کو بتا دوں میں بہت بولتا ہوں کبھی کبھی تو بہت فضول ہی بول لیتا ہوں اس لیے مجھ پر نارمل انسان کی اسٹیمپ لگا دیں آپ، میں خاموش طبعی لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہوں۔" فلک نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ شام رات کی مانند لگنے لگی تھی۔ ہوائیں تیز چل رہی تھیں۔ بارش کسی بھی پل پھر سے ہونے والی تھی۔

"دلچسپ، یعنی آپ کا تعلق میرے قبیلے سے ہے اچھا لگا سن کر۔" چنگھاڑتی شام کی سرد سی سڑک پر وہ دونوں بے مقصد سے چلے جا رہے تھے۔ دونوں کے سروں پر کھلی ہوئی چھتریاں تھیں جو پرندے کی طرح ان کے ہاتھوں میں پھڑ پھڑا رہی تھیں کسی طرح اڑنا چاہتی تھیں۔

"لیکن مجھے سن کر اچھا نہیں لگا یعنی بہت نا قابل یقین سی بات ہے۔" چھتری کو سنبھالتی ہلکان ہوتی فلک اس بات پر چونک گئی۔ رک کر، ٹھہر کر اس نے فرصت سے اس انسان کو دیکھا پھر سمجھنے کی کوشش کیے بنا ہی سوال داغ دیا۔

"کیا؟" پختہ سڑک پر پانی کی بوندیں کرسٹل کی طرح ٹوٹ کر گر رہی تھیں۔ سیاہ آدھ انچ جتنا گہرا سمندر ان کے قدموں کے نیچے بن چکا تھا۔

"یہی کہ آپ نوح کو ڈیٹ کر رہی ہیں۔" اس کے جملے کے دوران ہی زور دار بجلی کڑکی تھی۔ رات میں دن کا سماں فقط ایک سیکنڈ کیلئے ہوا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ، خدا ایسا وقت کسی لڑکی پر نہ لائے۔ وہ فلاپ ڈرامہ، ایک پھٹی ہوئی مووی کا بیکار سین ہے اس قابل کہ اسے بیٹھ کر دیکھا جائے۔ اس کیلئے وقت نکالا جائے۔" روانی میں بولتے بولتے اسے جملوں کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ مائیر نوح کا فرسٹ کزن تھا۔ جبران کے ماموں کا واحد بیٹا۔ اس کے بچپن کا دوست اور بہترین ساتھی، نوح کا سایہ۔ وہ با آسانی اس کے سستی ترین افشاں

میں لپٹے سنہری حروف نوح تک پہنچا سکتا تھا۔ پھر کیا تھا بھلا جاب کے دوسرے ہی دن اسے اللہ حافظ کہنا پڑتا۔ پھیکی مسکان چہرے پر سجا کر اس نے آنکھوں میں مسکینیت طاری کی اور اسے دیکھا جو چہرے پر شدید قسم کی سنجیدگی طاری کر چکا تھا۔

"میں (افف کیا بہانہ گھڑوں) میرا کہنے کا مطلب ہے کہ جو آپ نے ابھی سنا وہ سب درست نہیں ہے۔ کوئی انسان کیسے ایک فلاپ ڈرامہ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کیا؟" مائیر کے چہرے پر تاہنوز سنجیدگی تھی۔ اس کے بوٹوں پر بارش کے چھینٹے پڑ رہے تھے۔ وہ آنکھوں کو ٹیڑھی کیے خاموش سا اسے تکے جا رہا تھا۔ اس نے لب کھولے اور انتہائی سرد لہجے میں گویا ہوا۔

"یہ بہت غیر جانبدارانہ سوچ ہے جس نے مجھے حیران کیا ہے۔" فلک کو اس سے مزید بات نہیں کرنی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ آگے بھی اس شخص سے محتاط رہے گی۔ بارش کی رفتار میں تیزی آگئی تھی۔ قدرت نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے اس ساتھ کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

"یعنی۔" اس نے لفظوں کو ترتیب دینا چاہا۔ الفاظ اچھل اچھل کر دور گر رہے تھے۔ سر اہاتھ ہی نہیں لگ رہا تھا۔ "یہ سچ نہیں ہے۔ آپ کو غلط فہمی کا سامنا ہوا ہے۔ وہ تو مجھ سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کرتا کجا کہ اس کے ساتھ میں دوستیاں کرتی پھروں۔ آپ کو کس دو نمبر رپورٹر نے

یہ غلط اطلاع دی ہے؟"وہ ایک بار پھر سے بولتے بولتے پٹڑی سے اتر چکی تھی۔اس کی چرب زبانی ایک دن اسے ضرور مروائے گی۔وہ پھیکی ہو گئی۔

"غالباًوہ دو نمبر رپورٹر وہی پولیس والا ہے جس نے آپ دونوں کو ڈیل کیا تھا۔اور آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے وہ غفران انکل کے دوست ہیں۔"وہ پانڈا اب بھی سنجیدہ تھا۔فلک کے شانے یکدم ڈھلکے۔

"سب کچھ ویسا نہیں ہے جیسا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں یا انہوں نے بتایا ہے۔دراصل ہوا کچھ یوں تھا کہ۔"اس کے بعد اس نے تمام باتیں اس کو من و عن سنا دیں۔مائیر سب کچھ سننے کے بعد سوچ میں پڑ گیا تھا۔اسے تو یہ منچلی سی لڑکی اپنے حد درجہ سنجیدہ بھائی نما کزن کیلئے بے حد بھائی تھی۔ لیکن یہاں گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔جہاں نوح اس لڑکی سے عاجز تھا وہیں وہ بھی ناک تک اس سے تنگ تھی۔کم از کم اس کی باتوں سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔

"وہ انسان ایک نمبر کا کریلا ہے۔میں تو سوچ بھی نہیں سکتی اس کے ساتھ۔"روانی سے بولتے بولتے وہ پھر سے یکدم رکی تھی۔مائیر کی تیکھی نظر اور اس کی پھیکی مسکان۔

"اوہ، کتنی غیر ذمہ دار ہوں میں، میں تو بھول گئی مجھے آگے ڈیوٹی پر وقت پر پہنچنا ہے۔ میں چلتی ہوں اوکے۔" مائیر کی نظروں سے پہلو بچاتی۔ اس کی کچھ بھی سنے بغیر قدموں کو پانی پر زور زور سے مارتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی مائیر اسے تک رہا ہو گا۔ اس نے خود پر افسوس کیا۔

"افف فلک افف کتنا بے ہودہ بولتی ہو تم۔"

بارش کی گرتی بوندیں اس کی خود کے ساتھ جرح سن رہی تھیں سن کر مسکرا رہی تھیں۔

اسلام آباد بھی گرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مسلسل ہوتی بارش نے سڑک سمیت ہر شے کو نہلا دیا تھا۔ گرداتر رہی تھی۔ سب نکھر رہا تھا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں آپ نوح کی شادی پلان کر رہے ہیں۔" سرد سے موسم میں انگیٹھی کے سامنے بیٹھے جبران تنزیلہ کی بات پر کتاب سے نگاہ ہٹا گئے۔ ریوالونگ چیئر میں لمحہ بھر کو سکوت آیا۔

"آپ کی سماعت نے بروقت اور صحیح سنا ہے۔" چشمہ کے پیچھے موجود ان کی آنکھوں میں گھمبیرتا طاری تھی۔ انگیٹھی میں موجود جلتی آگ نے ان کے چشمے کے شیشوں میں جگہ بنائی ہوئی تھی۔

"مگر یہ درست فیصلہ نہیں ہے۔ آپ کو پہلے اپنی بیٹیوں۔" جبران نے قدرے درشتی سے ان کی بات درمیان میں قطع کی۔ وضع دار سی تنزیلہ خاردار سی یقین دہانی پر دل مسوس کر رہ گئیں۔

"وہ بھی میری اولاد ہے اور یہ بات برحق ہے۔" ماڈرن سی وہ عورت جس کے بھورے بالوں کا ڈھیلا ڈھالا بن بنا ہوا تھا لبوں کو تضحیک کے سے انداز میں پھیلا گئی۔

"برحق تو سچائی بھی ہے، کیا نہیں ہے؟" ان کی پنڈلیوں سے اونچی سورا رنگ کی قمیض کے کٹاؤ اتنے نوکیلے نہیں تھے جتنے ان کے لفظ تھے۔ وہ گھاؤ دینے میں ماہر تھیں۔ ان کا یہ ہنر انہیں کبھی سکھ لینے نہیں دیتا تھا۔

"تنزیلہ، آپ یہاں سے چلی جائیں۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ تنزیلہ کی بھنویں اچک گئیں۔

"کب تک مجھے سچوئشن سے مائنس کرتے رہیں گے، کب تک یوں بچتے رہیں گے۔" جبران کے چشمے کے شیشوں پر موجود آگ کی لپٹیں ان کے دل کو پکڑنے کے جتن میں تھیں۔ انہوں نے دوبدو جواب دیا۔

"جب تک آپ میرے دکھوں کو ایڈ کرنا نہیں چھوڑیں گی۔" تنزیلہ دو قدم آگے آئیں۔ برانڈڈ موزوں میں قید ان کے نفیس سے پاؤں نرم سی قالین پر پڑ رہے تھے۔ یہ قالین انہوں نے بڑے

چاؤ سے منگوائی تھی۔ مگر وہ ان کے پاؤں تلے تھی۔ کچھ رشتے بھی بہت چاہت سے بنائے جاتے ہیں مگر قسمت کی ستم ظرفی کے تحت قدموں کی دھول بن جاتے ہیں۔ وہ دھول جو طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

"کس نے کس کو زخم دیے ہیں یہ بات آپ جانے دیں جبران، حساب بہت لمبا ہو جائے گا۔ اس لیے مجھے ابھی فقط یہی کہنا ہے کہ پہلے آپ اپنی بچیوں کی شادی کریں۔ اس کے بعد اپنے بیٹے کی کیجیے گا۔ نوح سے پہلے آپ کی رامیہ کا حق ہے کیونکہ وہ اس سے بڑی ہے۔" بات ختم کر کے وہ ٹھہری نہیں تھیں۔ وہ کبھی بھی ان کے پاس نہیں ٹھہرتی تھیں۔ راستے جب جدا ہو جائیں تو پھر اتفاق سے بھی نہیں ملا جاتا۔ کبھی وہ دونوں ایک دوسرے کے بہترین ہمسفر ہوا کرتے تھے۔ بہت محبت ہوا کرتی تھی ان دونوں میں، مگر پھر ایک جھونکا آیا اور گرباد کی شکل اختیار کر کے ان کے آشیانے کے تنکے تنکے کر گیا۔

"آہ، وہ ظالم وقت۔" ان کی آنکھوں میں مرچیں لگنے لگی تھیں تبھی وہ انہیں موند گئے تھے۔ ان کی آنکھوں جتنی ہی مرچیں نوح کی آنکھوں میں بھی موجود تھیں۔ موسلا دھار بارش میں وہ سوئمنگ پول کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر موجود چھتری کے چاروں طرف سے پانی گر رہا تھا۔ پول کے نیلے پانی میں طلاطم برپا تھا۔ اس سے کئی زیادہ طلاطم اس لڑکے کے دل میں تھا۔ پانی کی کچھ

بوندوں نے اسے بھگو دیا تھا۔ وہ ہاتھوں کو جوڑ کر ہونٹوں پر رکھے بیٹھا تھا۔ عمیق سوچوں میں گم تھا جب ایک گرم سا لمس اس کے شانے پر پڑا۔ ہاتھ کا بوجھ غفران کا پتا دے رہا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو بچے؟" ان کے لہجے میں ہمیشہ والی شفقت تھی۔ نوح نے گردن موڑے بغیر جواب دیا۔

"معلوم نہیں۔" اس کی نگاہوں کا مرکز پول تھا جس میں سونامی بس آنے ہی والی تھی۔ لہریں بہت گہری تھیں مگر پانی بہت شفاف۔

"چلو یہ تو بہتر ہو گیا اگر کوئی مقصد نہیں ہے تو ہم اندر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" اس نے اعتراض کیا نہ ہی استغراق ٹوٹ جانے پر احتجاج بس چپ چاپ اٹھا اور اندر جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ باہر ٹھنڈ کا احساس نہیں ہو رہا تھا مگر اندر آتے ہی جیسے ہی گرمائش بدن کو پہنچی تو سردی کی شدت اور خود کے گیلے پن کا احساس اسے فوراً سے ہوا تھا۔ غفران نے پول میں کھلتے مرر دراز ے کو بند کیا۔ اس پر لاک لگایا۔ پھر مرر وال کی سائیڈ پر لگے بٹن کو دبا کر وہ نوح کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے عقب میں بھورے پردے سست روی سے پوری دیوار کو ڈھانپ رہے تھے۔ غفران اس کے برابر آ کر بیٹھے۔

"آپ کی پریشانی کی نوعیت معلوم ہے مجھے مگر میں پر سکون ہوں کیونکہ ایسا ہونا فی الحال متوقع نہیں ہے۔"اس نے اپنی گہری پلکوں کو اٹھایا جن کے نیچے قید بھورا جہان ساکت تھا۔

"آپ کے وثوق کی وجہ؟"غفران کی نگاہوں میں اس کا سنجیدہ سا چہرہ تھا۔بارش کی آواز شیشے بند ہونے اور پردے گرنے کی وجہ سے دب کر رہ گئی تھی۔لیکن وہ اس کے دل کی بارش کی آواز سن سکتے تھے جس نے اس کی آنکھوں کو ان دیکھا بھگو دیا تھا۔اس کی ذات کو ڈبو دیا تھا۔

"تم۔"وہ جواب پر تمسخرانہ مسکان لبوں پر لے آیا۔اس کی مسکان کیسی تھی کسی کو یاد نہیں تھا۔

"میں۔"سر نفی میں ہلا۔"میں تو کہیں بھی نہیں،ناممکن۔"غفران نے آزردہ سی سانس خارج کی۔ اس سانس نے ماحول میں گھٹن سی طاری کر دی تھی۔

"حالانکہ تمہاری رائے بہت بامعانی ہے۔"انہوں نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ جمایا اور پدرانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ "نوح،اپنے وجود کو،اپنی ذات و بات کو کبھی بھی مٹنے نہیں دینا۔کسی کا غلط فیصلہ،کسی کی تلخ بات میں اتنی طاقت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ تمہیں زندگی سے عاجز کر دے۔اپنی سانس ان لوگوں کیلئے نہیں اپنے لیے روانہ رکھو۔خود کیلئے جیو۔تمہیں حق ہے اس کا۔"وہ سر جھکائے ان کی نصیحت سن رہا تھا۔دل کی ہوک بہت نوک دار تھی۔اسے لگا اسی کی بدولت قطرہ قطرہ خون شریانوں میں سے رسنا شروع ہو چکا ہے۔اس نے خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔

"آپ پلیز۔"وہ یکدم رکا۔اسے لگا دل کے رستے خون کی بدبو اس کے لفظوں میں سے بھی پھوٹ رہی ہے۔اس نے وقت کا سہارا لیا پھر توقف کے بعد بولا۔"اپنے بھائی سے کہیں کہ مجھے ان کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔اگر انہوں نے ضد کی تو وہ اپنی زندگی کے مزید کئی سال مجھے تلاشنے میں گزار دیں گے۔"غفران کو اس کی بات نہیں بھائی۔

"فرار راستہ نہیں ہے بیٹے۔"اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں جواب دیا۔

"میرے لیے ہے۔میرے لیے ایک یہی تو ہے۔میں۔"وہ چپ ہو گیا۔اس کی دل کی کشمکش اس کے لفظوں سے عیاں تھی۔غفران اسے سمجھانا چاہتے تھے مگر رک گئے کہ بعض اوقات لبوں کو سیے رکھنا ہی بہتر ہوتا ہے۔بہت زیادہ بہتر۔

"اچھا بی ایزی، ہم اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں۔مجھے بتاؤ یونیورسٹی میں سب کیسا چل رہا ہے۔سوچ رہا ہوں ڈاکٹر فاؤ سے ملاقات کروں۔"ڈاکٹر فاؤ اس کے سب سے قریب اور بہترین استاد تھے۔غفران کو یونیورسٹی کے حوالے سے کوئی بھی اپ ڈیٹ لینی ہوتی تھی تو فاؤ سے ہی رابطہ کرتے تھے۔فاؤ کی وجہ سے وہ نوح کی جانب سے کافی مطمئن تھے۔ڈاکٹر فاؤ ایک کامیاب ہارٹ سرجن تھے۔وہ ایک گولڈ میڈلسٹ تھے۔بیاسی کی دہائی کو چھو رہے تھے۔نوح سے انہیں بے حد لگاؤ تھا۔

بقول ان کے نوح میں ان کی جوانی بستی تھی۔ وہ ان جیسا ہی تھا۔ بالکل ان کی ہی طرح کم گو مگر بے حد ذہین۔

"جو آپ کو ٹھیک لگے وہ کریں۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ اتنی مدھم کہ بامشکل ہی پردوں تک اس کی آواز پہنچی ہو۔

"تمہارے کپڑے بھیگ گئے ہیں۔ بدل لو کہیں زکام نہ ہو جائے۔ اوہاں بھیگنے سے یاد آیا ڈیرک آیا تھا کل، وہی جس نے تمہارا بیان ریکارڈ کیا تھا۔" نوح اچانک گڑبڑا گیا۔ وہ اسپرنگ کی طرح صوفے سے اچھلا۔

"اچھا۔" توقف۔ "میں اب سونے جا رہا ہوں۔ شب خیر۔" سنبھلتے ہوئے بولا کیونکہ اس روز کا پورا قصہ یکدم آنکھوں کے سامنے سے گزرا تھا۔ غفران کی کھوجتی ہوئی نگاہوں پر ایک ہلکی سی نظر ڈال کر اس نے ایک قدم بڑھایا پھر دوسرا، تیسرے پر غفران کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو رکا۔ پھر متحیر سا مڑ گیا۔

"فلک اچھی لڑکی ہے یعنی ہم سے اس کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔"

"اس بات کا۔۔۔۔ کیا مطلب ہے؟" بھورے جہان میں پریشانی پھوٹ پڑی۔ ناک جو پہلے ہی سردی کی وجہ سے سرخ پڑ گئی تھی مزید لال ہو گئی۔ دل کی دھڑکن جیسے پورے عالم کو سنائی دینے

لگی۔اس جرم کے پکڑے جانے پر وہ بوکھلا رہا تھا جس کو اس نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔

"مطلب تم سمجھتے ہو۔"مسکراہٹ لبوں پر دب رہی تھی۔غفران مسکرا کیوں رہے تھے۔اس نے جلدی سے وضاحت دی۔

"میں نہیں سمجھتا اور میرا ان سب سے کوئی تعلق نہیں۔سیرا جس طرح خود بے وقوف ہے اسی طرح کے لوگوں کو چنتی ہے۔وہ لڑکی اس گھر میں آتی ہے۔یہ غلطی سیرا کی باقی غلطیوں میں سے سب سے بڑی ہے۔"اس نے واضح کر دیا۔اسے اس لڑکی اور اس کے ہونے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔اس کی زندگی پہلے ہی مشکل اور گھٹن زدہ ہے۔وہ مزید پریشانی مول نہیں لے سکتا۔

"ویل،مجھے تو یہ حسین غلطی لگتی ہے۔تم جا سکتے ہو۔کپڑے بدلو نہیں تو زکام ہو جائے گا۔"احتجاج میں اس کے کھلتے لبوں پر ان کے جانے والی بات نے بند لگایا تھا۔وہ ضبط کیے پھر سے مڑ گیا۔اس لڑکی پر اسے پھر سے خوامخواہ غصہ آنے لگا تھا۔

"فلک سفیر،اچھا نام ہے۔"

سر جھٹکتے ہوئے اس نے ان کے لفظوں کو اس نے اپنے عقب میں ہی چھوڑ دیا۔وہ جب آگے بڑھ رہا تھا تو کسی فلک کا حوالہ اس کے دماغ میں نہیں تھا۔وہ تھا اور بس اس کی ژولیدہ سوچیں۔

رات کے ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ بارش کی شدت تاہنوز برقرار تھی۔ سردی نے تو بس انتہا ہی کر دی تھی۔ پانی سیلاب کی طرح سڑکوں پر موجود تھا۔ اس طوفانی رات میں وہ سوپ شاپ کا کچن چمکانے کے بعد کاؤنٹر کے قریب آئی۔

"جون، میرا کام ہو گیا ہے اب میں چلتی ہوں۔" فربھی مائل چینی نقوش کے آدمی نے دراز سے پیسے نکال کر گنے پھر ایک مشین اس کی طرف بڑھائی۔

"پنچ آؤٹ کر دو مگر میری ایک صلاح ہے۔ آج رات تم یہیں قیام کر لو، اس موسم میں باہر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" اس نے انگوٹھا لگایا جو کہ فوری ہی اسکین ہو گیا۔ فی گھنٹے کے حساب سے اپنی تنخواہ لینے کے بعد وہ مسکراتی ہوئی اسے دیکھ کر گویا ہوئی۔

"ایسی کوئی باڑ نہیں جو فلک سفیر کو روک لے، تم پریشان نہیں ہو میں چلی جاؤں گی۔" وہ آنکھ مار کر چل سے انداز میں کہتی ہوئی اپنی چھتری کھول رہی تھی۔ جون نے شانے اچکا دیے۔

"خیال کرنا لڑکی، باڑ کے ساتھ اکثر بیڑیاں بھی بہہ کر آجاتی ہے۔ اپنے پاؤں کو ان سے بچا کر چلنا۔" اس نے ہنستے ہوئے کلوز کا سائن لگایا پھر شیشے کو دھکیل کر باہر آگئی۔ رات واقعی گہری تھی۔ بارش بھی بہت تیز تھی مگر کوئی بات نہیں یہاں یہ سب چلتا ہے۔ یہ زندہ دل لوگوں کا شہر ہے۔ یہاں

راتیں جاگتی ہیں لیکن آج طوفانی بارش نے اس رات میں نیند بھر دی تھی۔ موسم کی شدت اور سڑکوں کی حالت کا اندازہ اسے باہر نکل کر ہوا تھا۔ وہ جب نوح کے گھر سے آئی تھی تب اتنی سنگین صورتحال نہیں تھی جتنی اب تھی۔ ایک گہرا سانس بھر کر وہ خود کو پانی سے بچاتی چل رہی تھی۔ ایک کھلے بار کے نیون سائن کو اس نے جیسے ہی کراس کیا اس کا فون چنگھاڑ اٹھا۔ فون پاکستان سے تھا۔ اس نے جلدی سے کال پک کی۔

"جی آپا، پاکستان میں سب ٹھیک ہے نا، بابا۔ وہ ٹھیک ہیں۔" اس نے ایک ہی سانس میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ بارش سے بچتی ہوئی وہ چھوٹی اینٹوں سے بنی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"ہاں ہاں سب ٹھیک ہے۔ توبہ فلک، تم تو ابھی بھی ویسی کی ویسی ہی ہو، جذباتی۔" اس کی آپا ٹھٹھہ لگاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ فلک کے سینے سے سکھ کا سانس خارج ہوا۔

"بابا کا الزائمر ٹھیک ہو جائے تو میں چین کا سانس لوں۔ مجھے اب پاکستان آنا ہے۔" اس کی آپا اس کی یہ ڈیمانڈ سن کر انگشت بنداں رہ گئیں جھٹ سے تردد کیا۔

"لو بھلا ابھی سے کیوں پاکستان آنا ہے۔ ابھی تو تمہیں بہت سارے کام کرنے ہیں۔ مینہ کی شادی کی ذمہ داری تمہارے سر پر ہے۔ گڈو کی پڑھائی ہے۔ ہمارے نکھٹو بھائی جو چھوٹے سے گھر پر لڑ مر رہے ہیں ان کو پلاٹ لے کر دینے ہیں اور تمہارے جیجو وہ بھی تو کہہ رہے تھے کہ فلک کو کہو مجھے

چھوٹی موٹی دکان کروادے تاکہ جو سود پر پیسے لیے ہیں انہیں اتار سکیں اور طیبہ (آپا نگہت کی بیٹی) وہ تو ابھی کہہ رہی ہے کہ خالہ سے کہوں گی کہ اسے کمپیوٹر کورس کروادیں۔ احسن میاں بھی تو۔"

اس نے ہنستے ہوئے آپا کی لسٹ پر فل اسٹاپ لگایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"آپا، آپا بس کیا ہو گیا ہے یار، میں یہاں چھوٹی سے کمپنی میں عام سی نوکری کرتی ہوں۔ سچ میں میرے پاس نوٹوں کی مشین نہیں ہے۔" اس کی آپا کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ ان کی حالت سوچ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔ بار کے نیون سائن سے جگمگاتے دروازے میں سے کچھ لوگ نکل کر باہر آرہے تھے۔ فلک نے ان لوگوں کی طرف گردن کو گھمایا تھا۔

"تو۔" وہ اڑیں جیسے کوئی پھانس سی گلے میں اٹک گئی ہو۔ "تو کیا تم یہ سب نہیں کر پاؤ گی۔" ان لوگوں میں مہت بھی شامل تھا۔ اس نے فلک کو دیکھ لیا تھا تبھی شرمندہ سا گردن کی پشت کو کھجاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"لو بھلا ایسا ہو سکتا ہے کیا، میں آپ سے مذاق کر رہی تھی سب ہو جائے گا پریشان نہیں ہوں۔" وہ اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے اس نے نظریں اپنے بوٹوں پر جمائیں۔

"آہ، شکر خدا کا مجھے تو یکلخت ہی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔" آپا کی بات سنتے ہی اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپا، یہاں رات ہو گئی ہے صبح بات ہو گی اللہ حافظ۔" وہ ارے ارے کرتی رہیں مگر اس نے کال کاٹ کر فون کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ ماتھے پر بل لیے وہ ایک نظر بار کے سائن کو دیکھنے کے بعد دوسری ڈوب مر جانے کا پیغام دیتی نگاہ اس لڑکے پر ڈال رہی تھی جس نے اپنے دفاع میں بولنا شروع کیا تھا۔

"تم سونگھ سکتی ہو، میں نے خدانخواستہ کسی بھی حرام چیز کو منہ نہیں لگایا ہے۔ وہ تو دوستوں نے اصرار کیا تو چلا آیا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔" فلک نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے گہرا سانس لیا۔ اسے واقعی بدبو نہیں آئی تھی۔ وہ اسے ایکسرے کرتی نگاہ سے جانچ رہی تھی یہ مہمت کو اچھے سے معلوم تھا۔

"گرل فرینڈ بھی ساتھ تھی کیا؟" وہ اس غیر متوقع بہتان پر گڑبڑا کر رہ گیا۔ بارش نے اس لڑکے کی پشت کو بھگو دیا تھا۔

"کون سی گرل فرینڈ؟ خدا کا خوف کرو لڑکی، یہ کیسی بات کہہ دی تم نے۔" فلک نے آنکھوں کو چندھیا کر تھوڑا سا بند کیا۔ مہمت بوکھلا گیا۔ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"وہ تو پتہ نہیں کون تھی تھوڑا سا ڈانس کیا تھا اس کے ساتھ اور بس، اچھا اب آنکھوں کو تو ٹھیک کرو یا خدا تم میں زیر کرنے کے سارے گر ہیں۔" فلک کے لبوں پر مسکان نے ڈیرہ جمایا تھا۔ وہ اس کا اس ملک میں واحد لڑکا دوست تھا۔ جو اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ یہ اس

کی نظروں کا احترام اور تربیت کا اچھا پن تھا جس نے فلک کو اس کی طرف بڑھنے دیا تھا۔ ورنہ وہ یہاں بے شمار لوگوں کو جانتی تھی مگر کسی کو بھی اتنا اختیار نہیں تھا کہ وہ اس سے ڈھنگ سے بات کر سکے۔

"ہاہا او کے فائن، میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ تمہاری زندگی ہے تم اسے اپنی منشا کے مطابق گزار سکتے ہو۔" پھر اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ پونے دو ہو گئے تھے۔ اسے جلد از جلد جانا تھا تاکہ وہ اپنی نیند پوری کر سکے۔

"تم مجھ سے کچھ بھی پوچھ سکتی ہو اور میں تمہیں کچھ بھی بتانے کا روادار ہوں۔" فلک نے عاجزانہ نگاہیں اس پر ڈالیں۔

"یس برو، تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اس کے "برو" لفظ سے خائف ہوا تھا۔ وہ اکثر اس کی طرف سے ادا ہوئے ایسے لفظوں سے خائف ہو جایا کرتا تھا۔

"لیکن اب مجھے جانا ہو گا، بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس نے جونہی قدم اٹھائے مہمت دوڑتا ہوا اپنا بازو اس کی راہ میں حائل کر گیا۔ چھتری تلے کھڑی لڑکی نے قدرے بھیگے ہوئے لڑکے کو حیرت سے دیکھا۔

"ہر گز نہیں، ممکن ہی نہیں کہ تم جاؤ۔ میں کار لے کر آرہا ہوں۔ تم میرا یہیں انتظار کرنا۔" اس نے احتجاج کیا تھا بالکل ویسے جیسے بادل اپنے حق میں بار بار دھاڑ رہے تھے۔

"مگر میں جا سکتی ہوں، میرے لیے یہ بہت بڑی بات نہیں ہے۔" مہمت نے اس کی ایک نہیں سنی۔ وہ پلٹ گیا تھا۔ آگے چلتے ہوئے اونچی آواز میں اس سے گویا ہوا۔

"جانتا ہوں آپ فلک دی ماچو وومن ہیں۔ آپ کیلئے کوئی بات بہت زیادہ بڑی نہیں ہوتی۔" وہ اس کے کامپلیمنٹ پر ہنس دی۔

"پاگل۔"

'انتظار کرنا آرہا ہوں میں۔"

اور وہ شیڈ تلے اس کی منتظر رہی۔ کون جانتا تھا کبھی وہ اس کی منتظر رہے گی بھی یا نہیں۔

دن چڑھ چکا تھا مگر اس کی قسمت کا سورج ابھی تلک طلوع نہیں ہوا تھا۔ وہ اندھیروں میں تھی، گھور اندھیروں میں۔

"یہ کیا ہے؟" اس کے شوہر نے رپورٹ اس کے منہ پر پھینک کر ماری تھی۔ زمین پر بیٹھی ہوئی وہ سسکی کو دبا گئی۔

"کیا نحوست ہے۔ میں نے کہا بھی تھا مجھے اولاد نہیں چاہیے لیکن تمہاری موٹی عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ تم کیوں مجھے زچ کرتی ہو، کیوں؟" وہ حلق کے بل دھاڑ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ اسے مغلظات بک رہا تھا۔ اسی دوران ان کے گھر کی کال بیل بجی تھی۔ وہ غصے پر کنٹرول کر کے دروازہ کھولنے گیا۔

"جی میم؟" جو دروازہ کھولنے گیا تھا وہ جاہل اجڈ انسان تھا۔ جس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ شائستگی کا پیکر لگتا تھا۔ جھوٹا، منافق کہیں کا۔

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم میاں بیوی ڈاکٹر ہیں اور ابھی ابھی اڑتالیس گھنٹوں کی ڈیوٹی پوری کر کے گھر لوٹے ہیں لیکن آپ کے جھگڑوں کی آواز ہمارے آرام میں خلل ڈال رہی ہے۔ مہربانی کر کے آپ اپنا والیوم تھوڑا کم کر لیں تاکہ ہم آرام کر سکیں۔" وہ بزرگ عورت اپنی بات پوری کر کے اس کی سنے بغیر مڑ گئی تھی۔ ایاز نے دانت کچکچائے۔ دروازے کو آہستہ سے بند کیا پھر اپنا آتش فشاں جا کر اس پر پھاڑ دیا۔

"میری بات غور سے سنو غلیظ عورت۔" وہ اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ چکا تھا۔ "تم آج ہی ڈاکٹر کے پاس جاؤ گی اور اس گند کو صاف کرواؤ گی نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" دبی آواز میں غراتے ہوئے وہ اس کے سر کو بری طرح جھٹکا دے کر چھوڑ گیا تھا۔ اس کے اشک بہہ رہے تھے مگر کیا فائدہ ایسے آنسوؤں کا جو بے مول ہوں۔ بے وقعت ہوں۔ جن کو پونچھنے والا کوئی نہ ہو۔ وہ

یہاں تھی۔اس حال میں تھی تو یہ سب اس کے گھر والوں کی عنایت کی بدولت،اس کی غربت کی بدولت۔بے بسی کی بدولت۔اس نے سفید سنگ میں خود کے عکس کو تلاشا۔

"کیا یہی زندگی ہے بس،اسے حیات کہتے ہیں۔اسی کیلئے جنگیں لڑی جاتی ہیں۔دھوکے بازیاں کی جاتی ہیں۔اکڑا جاتا ہے۔اسی زندگی کیلئے۔"

اس کیلئے بہترین سامع اور اس کی اکلوتی دوست فلک تھی۔جس سے اس کی ملاقات واش اینڈ شائن میں ہوئی تھی۔بائیس سال کی نٹ کھٹ سی لڑکی،جس کی آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کا جہان موجود تھا۔جس کے ارادے بہت پختہ اور نیک تھے۔اسے فخر محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کیلئے کچھ کر رہی ہے۔اسے آسودگی ہوتی تھی یہ سوچ کر کہ اس نے اپنی زندگی بے کار نہیں گزاری۔وہ خود بھی محنت کرتی تھی اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتی تھی۔وہ ایک زندہ دل لڑکی تھی۔خوشیاں بانٹنا اس کا شیوہ تھا۔وہ جہاں جاتی تھی پھول کھلا دیتی تھی۔ہنسیاں بکھیر دیتی تھی۔اس کی دوست،اس کی پیاری دوست،اس کی ایک سال پرانی سب سے اچھی دوست۔ اس کا یکلخت دل کیا وہ فلک سے بات کرے۔اسے تمام ماجرا سنائے مگر کیسے؟اگر اس نے اس سب میں اس لڑکی کو گھسیٹ لیا تو اس کا ظالم شوہر اسے بھی نہیں چھوڑے گا۔وہ اس سے دشمنی مول لے لے گا اور ایسا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔اس کی آنکھوں کی ویرانی کسی کی آنکھوں سے ہو بہو ملتی تھی بس فرق اتنا تھا کہ وہ عورت ہے اور دوسری جانب مرد،میرا کی آنکھیں سیاہ ہیں تو نوح کی بھوری

جیسے کرسٹل ہوتا ہے۔ جس میں سے سورج کی شعائیں رفلیکٹ کر کے قوس قزح کا سا منظر پیش کرتی ہیں۔ وہ ابھی ابھی کلاس سے فارغ ہو کر یونیورسٹی کے لان میں بچھے سنگی بینچوں میں سے ایک پر آ کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ بار تھی جس کے چھوٹے چھوٹے بائیٹ لیتا ہوا وہ آس پاس کی عوام سے یکسر بے خبر تھا۔ صبح اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ کیوں؟ یہ اس کی اپنی مرضی تھی۔ وہ سب کے جاگنے سے قبل ہی یونیورسٹی آ گیا تھا۔ رنگ رنگ کے طلباء طرح طرح کے رشتے دیکھتے ہوئے اس کا دماغ ہمیشہ سے ہی بلینک رہتا تھا۔ اب بھی وہ دو لڑکوں کو آپس میں کلام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا جب اس کی سماعت سے ایک بہت بھیانک آواز ٹکرائی۔ باجے سے بھی بھیانک آواز۔

"میں یونیورسٹی پہنچ گئی ہوں لیکن آپ کا صاحبزادہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ اب اس کا ڈیپارٹمنٹ کون سا ہے کیسے معلوم مجھے۔" وہ تقریباً دھاڑتے ہوئے ان سے بات کر رہی تھی۔ نوح حواس باختگی میں اس لڑکی کی پشت کو تک رہا تھا جسے سب محظوظ ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"پورا نام کیا ہے، اچھا نوح جبران، ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں پتہ کرتی ہوں۔" وہ چیختے ہوئے اس کا نام لے رہی تھی۔ کئی گردنوں نے چاکلیٹ بار ہاتھ میں پکڑے لڑکے کو دیکھا تھا۔ وہ ضرور اس سے واقف تھے۔ نوح کے حلق میں ٹکڑا اڑ گیا۔

"نوح جبران، کیا کوئی نوح جبران کو جانتا ہے۔" اس نے صدا لگائی تھی۔ نوح کا پورا چہرہ ٹماٹر کی طرح ہو گیا۔ رات کی طوفانی بارش کے اثرات ابھی تک ہر جگہ موجود تھے۔ اس لیے اسٹوڈنٹس نے سنگی بینچوں کو سنبھالا ہوا تھا۔ نوح جیسے ہی وہاں سے کھڑا ہوا دو لڑکیوں نے جھٹ سے اس کی جگہ بدک لی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو، پاگل ہو، کیوں چلا رہی ہو۔" وہ جست لگا کر اس تک پہنچا تھا مبادہ وہ پھر سے حلق پھاڑ کر بولنے نہ لگ جائے۔ فلک اس افتاد پر دہل کر رہ گئی۔ اس نے اپنے بازو پر نظر ڈالی جو اس شخص کی قید میں تھا۔

"میرا موبائل خراب ہو گیا ہے۔ سننے اور سنانے والے کی آواز نہیں آ رہی اس لیے مجھے لاؤڈ اسپیکر بننا پڑ رہا ہے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا بازو اس کی قید سے آزاد کروا کر ہاتھ بلند کر کے ایک بیگ اوپر کو اٹھایا۔ نوح نے ابرو اچکا کر اس کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

"اب یہ کیا ہے؟"

"من و سلویٰ، خاص آپ کیلئے آیا ہے او بھئی آپ کے گھر والوں نے آپ کیلئے ناشتہ بھیجا ہے۔" یہ بات سن کر نوح کا منہ کھل گیا۔ تعجب کے گہرے جھٹکے کے اثر سے اس سے بولا نہیں گیا۔

"واٹ ربش، دو سال کا بچہ ہوں میں جو وہ میرے لیے ناشتہ بھیجیں گے اور تم اسے منہ اٹھا کر لے آؤ گی۔" فلک کے ماتھے پر بل پڑے بالکل ویسے جیسے اس وقت نوح کی سی گرین ٹی شرٹ پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس لڑکے کا ہاتھ اٹھا کر اس میں بیگ کی ڈوری ڈالی، اس کے بعد حتمیٰ انداز میں گویا ہوئی۔

"تم دو سال کے بچے ہو یا دو ماہ کے کاکے میری بلا سے، مجھے میرے کام کا معاوضہ ملا ہے جو کہ میں نے کر دیا۔ اب تم جانو اور تمہاری سوکالڈ۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے وکٹری کا سائن بنا کر انگیلوں کو دو بار ہلایا۔ "حیرت، مجھے پرواہ نہیں۔" بات مکمل کر کے وہ مڑ گئی تھی۔ نوح دانت کچکچاتے ہوئے اس سر کے درد کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جھٹ سے اس کے دماغ نے کام کیا تو پٹ سے اس نے فون نکال کر غفران کا نمبر ڈائل کر دیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے، اس لاؤڈ اسپیکر کو یہاں کیوں بھیجا اور ناشتہ، کیا ہے یہ سب؟" کال کے پک ہونے پر وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔ اس کے لہجے کی جھنجھلاہٹ بہت واضح تھی۔

"مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی۔" نوح نے آنکھیں موند کر کھولیں۔ تاریکی کے بعد یکدم اجالا آیا تھا ایسا اجالا جس نے اس کے ہر طرف روشنی بکھیر دی تھی۔

"چاچو، سیر ئسلی، آپ مجھے جان بوجھ کر تنگ کر رہے ہیں نا۔"غفران نے برا منالیا۔ان کی آواز واضح کر رہی تھی وہ خفا ہو گئے ہیں۔

"تم میری نیت پر شک کر رہے ہو۔کیسے بیٹے ہو تم۔"نوح نے ہاتھ بلند کر کے خاکی بیگ کو دیکھا۔

"آج تک تو آپ نے کبھی مجھے ناشتہ یا لنچ نہیں بھجوایا تو پھر آج کیوں،یقیناً آپ اس لڑکی کو میرے سر پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔میں آپ کو کھل کر بتا چکا ہوں وہ اور میں ایک نہیں ہیں۔زمین آسمان کا فرق ہے ہم دونوں میں۔"اس کے اکتائے سے لہجے نے غفران کو شرارتاً مسکرانے پر مجبور کر دیا۔جانے کیوں انہیں اچانک سے سب کچھ بے حد اچھا لگنے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔جانتا ہوں تم میں اور اس لڑکی میں بہت فرق ہے۔اب زیادہ فضول نہیں بولنا ورنہ مجھے غصہ آجائے گا۔"مصنوعی خفگی لہجے میں طاری کی جس پر سننے والا چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا۔

"اچھا فائن،ناراض مت ہوں۔لیکن یہ آخری بار ہے۔آئندہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔اور وہ لڑکی تو مجھے میرے ارد گرد ہرگز نہیں چاہیے۔یہ بات آپ مائیر اور سیر اکو بھی سمجھا دیجیے گا۔"کال منقطع کرنے کے بعد وہ جگہ کی تلاش میں نظریں گھما رہا تھا جب وہ لڑکی اسے دور کسی کے ساتھ ہنستے ہوئے نظر آئی۔وہ بات کرنے کے ساتھ ساتھ کھلائے بھی جا رہی تھی۔نوح اسے یونیورسٹی کے

اوباش لڑکے کے ساتھ یوں فری دیکھ کر خائف ہوا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا وہ اسے جا کر ٹوک دے مگر دوسرے ہی لمحے وہ اس پر لعنت بھیجتا ہوا آگے کو بڑھ گیا۔

"میری بلا سے، اتنی میلی کچیلی بدبو کے بھبکوں والی سے کون ہی فلرٹ کرنے کی سوچے گا بھلا۔" ایک ناگوار نگاہ اس لڑکی پر ڈال کر اس نے سوچا تھا پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

"میں آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ پھر مجھے فوراً یاد آیا کہ آپ تو وہی ہیں جس نے میری کیتھرین کی جان بچائی تھی سچ میں، وہ بلی مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ آپ اس وقت وہاں نہ ہوتیں تو پڑوس والوں کا بل ڈوگ اسے کھا چکا ہوتا۔ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔" زرد دھوپ کے نیچے کھڑی وہ لڑکی سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کی گھنی پلکوں کا سایہ اس کی سیاہی مائل کہکشاں سی آنکھوں پر پڑ رہا تھا۔ اس کے چمکتے ہوئے سیاہ میلے بالوں کی لٹیں اس کے چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔ بیگی جینز اور گھٹنے تک بند پرپل جرسی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ محظوظ سی اس لڑکے کو سنے جا رہی تھی جو اس کی تعریف و شکریہ ادا کرنے کے بعد اب اپنی کیتھرین کے قصے لے کر بیٹھ گیا تھا۔ فلک نہیں جانتی تھی کہ دو آنکھیں کس قدر خفا کن انداز میں اسے دیکھ رہی ہیں۔ جان جاتی تو کبھی یوں بے پرواہ سی نہ کھڑی ہوتی۔

"احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔ جان سب کی اہم ہوتی ہے۔"اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے بڑے پن کا مظاہرہ کیا۔ وہ اوباش لڑکا باقیوں کے ساتھ جیسا بھی تھا۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی محسن تھی۔ وہ بالکل بھی اسے غلط اینگل سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس لڑکی کا سینس آف ہیومر کافی دلچسپ تھا تبھی وہ اس کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا تھا۔ جتنے مزے مزے کے قصے تھے وہ سب اس کے گوش گزار رہا تھا۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ اب سے کچھ دیر بعد اس کی کلاس ہے۔ پاکستان سے آئی یہ لڑکی لوگوں کا وقت چرانے میں ماہر ہے۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا۔

"میرا تو دل ہی دہل کر رہ گیا تھا اماں۔"

کراچی کے نواحی علاقے کے ایک پست سے گھرانے کا یہ منظر تھا جہاں سرخ اینٹوں سے بنے گھر کے صحن میں چارپائی بچھائے ماں بیٹی آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مالٹے کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی کے عین سامنے ایک برآمدہ تھا جس میں بچے کھیلتے ہوئے دیکھائی دے رہے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا اس لیے فی الحال درخت کے پتے خشک تھے۔ وقفے وقفے سے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے زمین بوسی میں مگن تھے۔ ان کی ہجرت بے معنی تھی کیونکہ وہ اپنی جڑ کھو چکے تھے۔ جڑیں کبھی نہیں کھونی چاہیے ورنہ نام و نشاں مٹ کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات فلک کو کون سمجھاتا جو اس وقت

بیرون ملک اپنے خاندان کی کفالت کرنے کیلئے موجود تھی۔ وہ ان سب کیلئے پیسہ بنانے کی مشین تھی اور اس رتبے کیلئے وہ دل و جان سے حاضر تھی۔

"جب اس نے کہا تھا کہ وہ نوٹ تھوڑی چھاپتی ہے جو سب کے پیٹ بھرے۔" ایک کی دو لگا کر پیش کی گئی تھی۔ مڈل کلاس کی ان پڑھ عورتوں والا کام کیا تھا۔ ان کی غریب پست سسرال سے تعلق رکھنے والی پانچ پاس بیٹی نے۔

"آئے ہائے ایسے کیسے کہہ دیا۔ کیا وہ بھول گئی وہ وقت جب سر چھپانے کو سہارا نہیں تھا اس کے پاس، ماں باپ کے مرتے ہی بھائی بے دید ہو گئے تھے۔ کوئی گھر میں رکھنے کو تیار نہ تھا۔ یہ صغیر کا جگرا تھا جو اسے اٹھا کر گھر لے آئے، پڑھایا لکھایا اور اس قابل بنایا کہ اب گوروں کے ساتھ رہنے گئی ہوئی ہے۔ چھ سال کی تھی وہ، کل ملا کر پندرہ سال گیارہ ماہ ہو چکے ہیں ہماری شناخت حاصل کیے ہوئے اسے۔" فرخندہ ہاتھ نچا نچا کر بات کر رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے سے مالٹے کے درخت کی ڈالیاں ہل ہل جا رہی تھیں۔ کھٹی سی خوشبو وہاں پر پھیلی ہوئی تھی۔

"اور نہیں تو کیا ایک بھائی آوارہ دوستوں کے ساتھ ایسا بھاگا کہ اب تک نام و نشاں نہیں ملا اس کا اور دوسرا اپنی بیگم کو لے کر گھر جمائی بن گیا۔ کچی عمر کی چھوٹی سی بچی تھی اگر ماں کے خاندان میں جاتی تو اب تک رگڑیں کھا رہی ہوتی۔ یہ تو ابا تھے جو بھائی کی محبت میں اسے اٹھا لائے، ہمارا حق بھی

مار کھایا اس نے تو، قسم سے اماں اب تک عید کا وہ سنہری جوڑا آنکھوں میں سورج کی تیز روشنی کی طرح چبھتا ہے جس پر میرا دل تھا مگر ابا نے اس پر کٹی کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ دل خون کے آنسو رویا تھا میرا اس وقت۔" فرخندہ نے بیٹی کا بازو سہلایا، نادیدہ سا دکھ دونوں کی آنکھوں میں ہلکورے مار رہا تھا۔

"ہک ہا، کیسے کیسے وقت کاٹے ہیں ہم نے اس کے ساتھ لیکن اب سکون ہے۔ جب سے اس نے گھر کی دہلیز کو پار کیا ہے تب سے قائد اعظم بھی مہربان ہیں اور آسودگی بھی۔" نگہت نے اپنی ماں کے شانے سے شانہ جوڑ کر جھٹکا دیا۔ گڈو اپنی سائیکل کا تیا پانچہ نکالنے میں مصروف تھا۔ نگہت کے چاروں بیٹے کھیل چھوڑ کر اس کے گرد بیٹھ گئے تھے۔

"ویسے اماں یہ بات تو نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اس گھر کے حالات اسی کی بدولت بدلے ہیں۔ ورنہ وہ ہمارے دو نکھٹو بھائی جو بیویوں کی پٹی پر گھر کا بٹوارہ کرنے کا سوچ رہے تھے اب تک اس گھر کو خالی کروا چکے ہوتے۔ وہ تو بھلا ہو فلک کا جس نے دونوں کو ٹھنڈا کروایا۔" فرخندہ کے چہرے پر اپنی بہوؤں کا سوچ کر زہر پھیل گیا تھا۔ تاثرات ایسے بگڑے کے دیکھنے والا کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ان ناگنوں کا ذکر چھیڑ کر تو نے میرا حلق کڑوا کر دیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا۔" انہوں نے سب سے بڑی بیٹی کے شانے کو پرے جھٹکا تھا۔ وہ ماں کی ناراضی پر اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

"میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ اچھا ناراض مت ہوں فلک سے پیسے منگواتی ہوں پھر آئس کریم کھانے چلیں گے، ٹھیک ہے۔" بسورے ہوئے منہ پر نیم رضامندی آئی پھر توقف کے بعد دونوں ماں بیٹی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیں۔ ان کے دماغ میں فلک تھی جو ان سے دور بہت بہت دور، خوشی کی میزیں سیٹ کرنے کے بعد کچھ جھجھکتے ہوئے پنار کے پاس آئی۔ وہ اس وقت اور حان پامک کا 'مائی نیم از ریڈ' پڑھنے میں مگن تھے۔ فلک کی نظر کتاب کے سرورق پر بنے سرخ لباس میں موجود صوفی پر پڑی کتنا سکون تھا نا اس صوفی کے چہرے پر بالکل اس کتاب میں موجود کہانی کی طرح۔ وہ یہ کتاب پڑھ چکی تھی۔ پنار کی خوشی میں بنی بک شیلف سے وہ کبھی کبھی کچھ کتابیں اٹھا کر پڑھ لیا کرتی تھی۔ اس سے اس کا بور وقت کٹ جاتا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے پنار نے کتاب کا ایک کونہ فولڈ کر کے اس لڑکی کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر انہوں نے اس کتاب کو کاؤنٹر پر اوندھے منہ رکھ دیا۔

"سن رہا ہوں۔" انہوں نے چشمہ نہیں اتارا تھا۔ چشمے کی تار ان کی گردن میں جھول رہی تھی۔ چاندی جیسی چمکتی ہوئی تار۔

"مجھے نوکری چاہیے۔" پنار کی عینک کے پیچھے موجود آنکھیں چندھیائیں۔

"میرے خیال سے وہ تمہارے پاس پہلے ہی ہے، کیا نہیں ہے؟" فلک نے اپنے لبوں کو چبایا پھر اپنی پلکیں اٹھا کر آنکھوں میں پورے جہان کی معصومیت طاری کر کے انہیں پٹپٹایا۔

"یعنی مجھے آپ کے دوست کے کارخانے میں نوکری چاہیے۔ کیا آُپ ان سے میری سفارش کر دیں گے۔" پنار اس کی بات سے زیادہ اس کی آنکھوں سے گڑبڑائے تھے۔ اس لڑکی میں ایک یہی ہنر تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے کسی کو بھی زیر کر سکتی تھی۔ سمندر جیسی گہری آنکھیں جن میں تاروں جیسی ٹمٹماہٹ موجود رہتی تھی۔ پنار نے طویل سانس بھرا۔

"میں تمہاری منطق سے واقف نہیں ہوں لڑکی مگر حیران ہوں کہ تمہاری جیب اتنی جلدی کیسے خالی ہو جاتی ہے جو تم یوں کولہوں کے بیل کی طرح کام کرنا چاہتی ہو، آخر کونسی بھوک ہے یہ۔" وہ اسے شرمندہ کروانا چاہتے تھے جو کہ بیکار تھا۔ وہ ہوئی اور نہ ہی اس نے ہونا تھا۔

"پرانی کہاوت ہے یعنی آپ ترکیوں کی ہی کہاوت ہے۔" اس کے عقب میں کسٹمر آتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب اپنی اپنی کرسیوں کو سنبھال رہے تھے۔ "کہ سوال نہیں کرو اور جھوٹ نہیں سنو، اس لیے میری صرف اتنی سی گزارش ہے کہ آپ اپنے دوست سے میرے لیے بات کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔" خوشی میں دو ویٹرز تھے ایک فلک جو ویٹر بھی تھی اور سوپر بھی اور دوسرا اطالوی لڑکا جو کہ ایک اسٹوڈنٹ تھا اور یہاں کام کر کے اپنے اضافی اخراجات پورے کرتا تھا۔ وہی لڑکا آنے والوں سے آرڈر لے رہا تھا۔

"میرے خیال سے تم بھول رہی ہو اس کا گرم کوٹ بنانے کا کارخانہ ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے تمہیں سوئی میں دھاگا بھی ڈالنا نہیں آتا۔ کیا آتا ہے؟" وہ اس توہین پر بلبلا گئی تھی۔ کاؤنٹر پر ہاتھ رکھ کر جذباتی انداز میں آگے کو ہوئی اور اسی انداز میں بولی۔

"یہ بہتان ہے کیونکہ ساتویں کلاس سے لے کر بارویں کلاس تک کا خرچہ میں نے سلائی کر کے ہی اٹھایا ہے۔ اس لیے آپ میرے اس ٹیلنٹ پر سوال نہیں اٹھا سکتے، پلیز پنار انکل کر لیں نا بات۔" پنار نے شاپ میں بڑھتے رش پر سرسری سی نگاہ ڈالی۔ وہ لڑکی اب بھی آنکھوں میں تارے ٹمٹمائے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ پنار نے دونوں ہاتھ سیز فائر کے سے انداز میں کھڑے کر لیے۔

"اچھا تم (ٹھیک ہے) میں شام میں اس سے بات کر لوں گا اب تم جاؤ اور کسٹمر کو دیکھو۔" وہ خوشی کی مغلوبیت سے ان کا شکریہ ادا کر کے مڑ گئی تھی۔ پنار نے کتاب اٹھانے سے پہلے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو خوش خوش کسٹمر کو ڈیل کرنے میں مگن تھی۔

"نہیں معلوم تم کن کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی ہو مگر لڑکی یہ سچ ہے کہ وہ بہت ظالم ہیں اور تم خطرناک حد تک معصوم۔"

فلک نوٹ پیڈ پر آرڈر درج کر رہی تھی جب اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ پنار اسی لمحے اسے دیکھ کر سوچ رہے تھے۔ اس نے ایپرن کی جیب سے فون کو تھوڑا سا باہر نکال کر دیکھا۔ نگہت آپا کی کال

تھی۔اس نے نہیں اٹھائی۔ٹھیک دو منٹ بعد اسے میسج آیا تھا جس میں اماں کی طبیعت خرابی کا حوالہ دے کر پیسوں کا مطالبہ کیا گیا تھا۔فلک کے پاس پیسے نہیں تھے۔وہ پریشان حال سی کچن میں آئی جہاں شیف اسے یوں دیکھ کر دست سوال ہوا۔

"کیا تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہے؟"اس نے ادھیڑ عمر شیف کو دیکھا پھر اداسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اماں کی طبیعت خراب ہے پاکستان پیسے بھیجنے ہیں مگر میں نے کل رات ہی سارے پیسے امین اور اویس بھائی کے اکاؤنٹس میں بھیج دیے تھے تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں کی اقساط بھر سکیں۔"شیف نے بغور اس کی بات سنی پھر قہوے کی خوشبو میں گھر اشانے اچکاتے ہوئے بولا۔

"تم باس سے بات کر سکتی ہو یا ٹھہرو میں تمہیں پیسے ٹرانسفر کرتا ہوں۔تم مہینے کے اختتام میں مجھے دے دینا یوں بھی میں نے اپنے بیٹے کی فیس ہی تو بھرنی ہے۔"کہنے کے بعد وہ اس کے اکاؤنٹ میں پیسے بھیج رہا تھا ساتھ ساتھ دل ہی دل میں اس لڑکی کیلئے فکر مند بھی تھا جو اپنے گھر والوں کیلئے کچھ زیادہ ہی ہلکان رہتی تھی۔

"ہاں، آگئے آپ کا بہت شکریہ میں جلد ہی آپ کو لوٹا دوں گی۔"اس کے چہرے پر خوشی ایک بار پھر سے آگئی تھی۔وہ بے ضرر سی لڑکی تھی۔اس کے چہرے پر کیسے دکھ کو دیکھ سکتا تھا کوئی، جو

دوسروں کو خوش کرنے کا ہر ہنر جانتی تھی۔ شیف متھ کو یاد آیا وہ وقت جب وہ ڈپریشن کا مریض بن چکا تھا۔ مالی حالات اتنے پست تھے کہ بس اس نے خودکشی کر ہی لی تھی۔ یہ تو فلک تھی جس نے اسے آٹھویں منزل سے کودنے سے بچایا تھا۔ اسے یہاں نوکری دلوائی اور اس کی دلجوئی کیلئے ہر جتن کیے۔ بہانے بہانے سے ہنسوانا، فیملی کی ویلیوز یاد کروانا، دکھوں پر مرہم رکھنا۔ وہ چھوٹی سی لڑکی اس بڑے سے آدمی کو جینے کا ہنر سکھا گئی تھی تو پھر کیونکر وہ اس کے چہرے پر اداسی برداشت کرتا، وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا جب تک زندہ ہے اور یہاں ہے تب تک تو بالکل بھی نہیں۔

شام ڈھل رہی تھی۔ سائے دراز ہو رہے تھے جب وہ دونوں گھر کے مین گیٹ کے پاس اکھٹے پہنچے۔ سیرا نے اپنا سبز کوٹ بازو پر ڈالا ہوا تھا جبکہ نوح کی جیکٹ اس کے بدن پر ہی موجود تھی۔

"آج اتفاق نہیں ہو گیا، ہم دونوں ساتھ پہنچے۔" وہ اپنے فون سے منسلک چابی کو لاک میں لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایسے ہی کرتا تھا۔ ہمیشہ خاموش ہی رہتا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے آج یونیورسٹی میں ایک غیر متوقع واقعہ ہوا یعنی وہاں افواہ پھیل گئی کہ جگہ جگہ بم نصب ہیں اور ہمارے پاس بس تھوڑا سا وقت ہے۔ اسی لمحے میرے دماغ میں سب سے پہلے تم آئے تھے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔" اس نے خاموش

نگاہیں اٹھا کر اس لڑکی کو دیکھا جو کہنے کو تو اس کی بہن تھی مگر ماں کا رول بخوبی نبھاتی تھی۔ کھانے پینے اوڑھنے پہننے ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ سائے کی طرح رہتی تھی۔ اس کا سایہ بن جاتی تھی۔

"تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔" مدھم بھاری، گھمبیر آواز میں کہا گیا۔

"انسان سوچنے کے معاملے میں بالکل آزاد ہے بس اس کی نوعیت کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتی ہے۔ جیسے صبح مجھے لگا میں مر جاؤں گی۔" نوح نے درشتی سے اسے ٹوکا۔

"سویرا۔" آنکھوں میں برہمی تھی اور چہرے پر خلش۔

"اچھا بابا گھورنا بند کرو اور اندر چلو، پتہ نہیں میڈا ابھی تک آئی ہو گی یا نہیں رات کا کھانا بھی تو اس نے بنانا ہے۔" اس کے ذکر پر نوح کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔ خوامخواہ ہی اسے وہ لڑکی زہر لگنے لگی تھی۔ وہ دونوں جب اندر آئے تو خدا کا لاکھ شکر تھا کہ وہ لڑکی اپنا سارا کام کر کے جا چکی تھی۔ مائیر اوپن ائیر کچن کے کاؤنٹر کے پاس ترتیب سے رکھے تین اونچے اسٹولوں میں سے ایک پر بیٹھا ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر موجود پیلا باؤل نوڈلز سے لبالب بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ ان میں سے بھاپ بھی نکل رہی تھی۔ چاپ اسٹک کی مدد سے بائیٹ لیتے ہوئے وہ قدموں کی آہٹ پر اسٹیل کے اسٹول کو

تھوڑا سا گھما کر مڑا۔ وہ دونوں اسے اندر آتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے پلاسٹک جیسے نوڈلز کو چباتے ہوئے انہیں ویلکم کیا۔

"بہت بہتر وقت پر آئے ہو، ڈنر تیار ہے، گرم ہے۔ فریش ہو جاؤ مل کر کرتے ہیں۔ ویسے فلک ابھی ابھی گئی ہے۔ کیا ملی ہے تم لوگوں کو۔" نوڈلز اس کے منہ میں تھے باؤل بھرا ہوا تھا اور وہ پھر بھی کھانے کی باتیں کر رہا تھا۔ سیرا کے پیارے سے لبوں کو تبسم نے چھوا تھا۔ نوح دل میں شکر کر کے کہ وہ لڑکی ان سے نہیں ٹکرائی اپنے کمرے میں آیا تھا۔ بیڈ پر بیٹھ کر وہ جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا جب اچانک اسے غیر معمولی سا احساس ہوا۔ اس نے جھٹ سے گردن موڑ کر بند دروازے کو دیکھا جہاں ایک گول دائرے میں کاغذ چسپا تھا۔ اس پر سیاہ مار کر سے سمائل کو بنایا ہوا تھا۔ دو آنکھیں تھیں اور اس کی بڑی بڑی پلکیں، نوح کا چہرہ یکدم سرخ ہوا۔ وہ کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کاغذ کو کھینچ کر اتارا پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بین میں ڈال دیے۔ اس کا دماغ بری طرح کھول رہا تھا۔ اس لڑکی کی اتنی جرأت۔ اس نے بیڈ پر پڑے اپنے فون پر نظر ڈالی، دل میں آگ جل رہی تھی جس کی حدت سے چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں بیڈ کے پاس پہنچا، جھک کر اپنا فون اٹھایا۔ واٹس اینڈ شائن کی ویب سائیٹ کھولی، وہاں فلک سفیر کو زیرو ریٹنگ دینے کے بعد وہ اس کے خلاف درخواست لکھ کر میل کر چکا تھا۔ ایسا کرنے کے بعد اس نے خود کو پھر سے بیڈ پر بٹھایا تھا۔

"اس کی ہمت کیسے ہوئی، سوچا بھی کیسے ؟"

اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اسی وجہ سے اس نے ڈنر نہیں کیا تھا۔ چاچو کی آج نائیٹ شفٹ تھی۔ سیرا اور مائیر کچھ دیر کی پڑھائی کے بعد سونے چلے گئے تھے مگر تب تک بھی اس کا موڈ بحال نہیں ہوا تھا۔ اسے لگا تھا وہ سمائلی نہیں ہے بلکہ اس کی ذات پر ایک ہنستا ہوا جیتا جاگتا انسان ہے۔ جو حالات کی ستم ظرفی سے پڑے اس کے چہرے کے تناؤ پر کھکھلا رہا ہے۔ اسے کمرے میں گھٹن محسوس ہوئی۔ وہ گھر سے باہر آیا اور کار لے کر سڑکوں کی خاک چھاننے نکل گیا۔ یہ رات کے ایک بجے کا وقت تھا جب اس کی کار سگنل پر رکی تھی۔ اسٹیرنگ کو تھامے اس کی نظر یونہی بائیں جانب اٹھی تو پلٹنا بھول گئی۔ وہ سوپ شاپ میں لوگوں کو سوپ سرو کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کے نیلے ایپرن کی جیب بہت سارے اسٹکی نوٹس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ شیشہ دھندلا تھا مگر عکس بہت واضح، نوح نے گھڑی میں وقت دیکھا پھر سگنل کھلنے پر اپنی کار کو اس شاپ کے پارکنگ ایریا میں لے آیا۔ سیٹ بیلٹ اتار کر وہ کار سے باہر نکلا، کیوں اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اس شاپ کا مرر ڈور کھول کر اندر آیا اور ایک کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ اس سے آرڈر لینے والی وہ نہیں تھی بلکہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ اسے سوپ سرو کرنے والی بھی وہ نہیں تھی۔ ہاں مگر بل جیکٹ فلک کے ہاتھ میں تھما کر کونے والی میز کی طرف اشارہ کر کے اسے جانے کو کہا تھا۔ فلک اس میز پر بیٹھے انسان کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی پھر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بھوری جیکٹ تھامے اس کی میز کے

قریب آئی اور بل کی رسید مع جیکٹ اس کے سامنے رکھ دی۔ نوح نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے کنارے تھوڑے سے سرخ تھے اور چہرہ بند کتاب، ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد اس نے بل جیکٹ کو دیکھا اور پھر سے نظر اٹھا کر اسے دیکھ کر گویا ہوا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی تھی وہ کاغذ لگانے کی، ہو کون تم؟" وہ دبے سے طیش میں پھنکارہ تھا۔ فلک نے کن انکھیوں سے کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے اپنے باس کو دیکھا۔ موقع تھا نا مناسبت کے وہ اس وقت اس سے دوبدو ہوتی اس لیے تحمل کے ساتھ گویا ہوئی۔

"سر، کارڈ پیمنٹ کی سہولت بھی میسر ہے۔" جھٹ سے مڑ کر وہ بھاگتی ہوئی گئی اور کاؤنٹر سے ڈیوائس اٹھالائی۔ اس کے ایپرن کی جیب پر جیل پن بھی لگا ہوا تھا۔ وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔

"میں نے تمہارے خلاف شکایت درج کی ہے۔ بہت جلد اس کا انجام تمہارے سامنے ہو گا۔" اسے لگا تھا وہ اس کے پاس آئے گی۔ معذرت کرے گی، شکایت واپس لینے کی التجا کرے گی شاید واویلا کرے یا احتجاج مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ ہلکا سا مسکائی، نظر انداز کیا اور شائستگی سے گویا ہوئی۔

"جانتی ہوں اور میں اس کیلئے تیار ہوں۔" نوح کو حیرت ہوئی۔ اس کا اطمینان چٹان جیسا کیوں تھا۔ اسے تو روئی کے پھاہے جتنا نرم و نازک ہونا چاہیے تھا۔ آخر کو وہ صنف نازک تھی۔ اوور سیز تھی۔

ایک عام سی کمپنی کی بہت ہی معمولی سی ملازمہ تھی۔ اس شکایت سے اس کا یہاں رہنا محال ہو سکتا تھا۔ وہ پاکستان واپس بھیجی جا سکتی تھی۔ پھر وہ اتنی پر سکون کیوں تھی۔

"جبکہ اس شکایت کے پیش نظر تمہیں کمپنی سے نکال کر بلیک لسٹ کیا جا سکتا ہے۔ تم جہاں سے آئی ہو وہیں بھیج دی جاؤ گی۔" اس کے لہجے میں تنفر تھا۔ فلک نے جھک کر بل جیکٹ کو کھولا، اس میں موجود رسید پر لکھی رقم پر انگلی رکھی۔

"آپ کو اتنے پیسے ادا کرنے ہیں سر۔" جھکی ہوئی، رسید پر انگلی رکھے وہ نوح کو دیکھ کر آگاہ کر رہی تھی۔ اس لڑکے کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ اس کی عاجزی سے عاجز آ رہا تھا۔ بے چینی صاف عیاں تھی۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔ تم نکال دی جاؤ گی۔" وہ سیدھی ہوئی۔ انگلی کو رسید پر سے ہٹایا۔

"آپ بھی تو یہی چاہتے تھے تبھی تو میری جاب کو خطرے میں ڈالا ویسے میں آپ کو اطلاع دے دوں کہ وہ اللہ ہے جس نے رزق کا وعدہ کیا ہے اور یہ اختیار اپنے پاس رکھا ہے انسان کے نہیں، انسان کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ ہوتا جو آپ میرے ساتھ کر چکے ہیں۔" وہ لاجواب ہوا تھا۔ وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ اس نے بھی تو منع کرنے کے باوجود اس کے کمرے میں گھس کر ایک غیر اخلاقی حرکت کی ہے مگر وہ اس وقت اس سے کہہ نہیں پایا۔ اس کے لب سل چکے تھے۔ قبل اس

کے وہ کچھ کہنے کے قابل ہوتا فلک کو آواز دے کر بلا لیا گیا تھا۔ وہ اب پیلے نرم اونی کپڑے سے شیشے کی دھند ہٹانے میں مگن ہو گئی تھی۔ اس کے ماتھے پر واقعی کوئی شکن نہیں تھی۔ اس کا سکون قابل دید تھا۔ یہ فلک کا سکون ہی تھا جس نے نوح کو بے سکون کیا تھا۔ وہ بل کے پیسے رکھ کر رسید اٹھاتا ہوا برق رفتاری سے وہاں سے جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کار میں بیٹھنے کے فوراً بعد اس نے شکایت واپس لی اور غلط فہمی کی بنا پر کیے گئے زیرو ریٹ پر کمپنی والوں کو ایک معذرتی نوٹ لکھ کر میل کر دیا۔ گھر آنے کے بعد وہ چند لمحے ہاتھوں میں تھامی رسید کو تکتا رہا پھر اس نے اسے سائیڈ ڈرار میں رکھ دیا۔ کیوں؟ یہ بھی وہ نہیں جانتا تھا۔

"بے وقوف۔" دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ آنکھیں موند گیا۔

فلک نے بل جیکٹ میں کچھ زیادہ ہی اضافی پیسے دیکھے تو اس لڑکے کو بلا لیا جس نے نوح کو ڈیل کیا تھا۔

"لگتا ہے اچھا خاصا پیسے والا ہے تبھی اتنی بڑی ٹپ چھوڑ کر گیا ہے تمہارے لیے۔" وہ لڑکا اتنے سارے پیسے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ اس نے فلک کی ایمانداری کی بدولت اسے کچھ رقم دینی چاہی مگر وہ انکار کر گئی۔ اسے اس سڑیل کی ایک پائی بھی نہیں چاہیے تھی۔ اس نے اس کی روزی پر اٹیک کیا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی یہ بات۔

"کوئی اتنا بغضی کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ کام سے فارغ ہونے کے بعد خود سے سوال کر رہی تھی۔

"یعنی یہ تو حد ہو گئی، میں نے تو ہمدردی کی تھی۔ سوچا تھا اتنے پیچیدہ چہرے پر کیا معلوم مسکان آجائے مگر وہ، اس نے کیا کیا سیدھا سیدھا شکایت کر دی میرے خلاف۔" اس نے پنچ آؤٹ کیا، رقم لی، اسے متھ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کیا اور پھر دن جیسا سماں رکھتی سڑک پر نکل آئی۔ برف باری کا موسم بس ہو ہی چلا تھا۔ بات کرو تو منہ سے دھوئیں نکلتے تھے۔ سڑکوں کے کنارے اگے درختوں پر فیری لائیٹس لگائی گئیں تھی۔ کچھ لڑیاں ان کے نیچے بچھے بینچوں پر بھی سجاوٹ کے طور پر لگائی گئی تھیں۔ دکانوں کی نیون لائٹس ہمہ وقت آن رہتی تھیں۔ سیاہ شفاف سڑک گیلے شیشے کا گمان دیتی تھی جس میں جھلمل کرتا عکس بڑا ہی مدھم اور غیر واضح تھا۔

"کیا بندہ ہے۔ اتنا اداس، اتنا خفا۔ اتنا کینہ پرور۔" اس نے یکدم جھرجھری بھری۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چل رہی تھی جب اچانک سے ایک لڑکا اس کے راستے میں حائل ہوا تھا بڑا ہی کوئی عجیب و غریب قسم کا انسان تھا۔ کانٹے دار بڑے بڑے سفید بال، ہونٹوں اور ابرو کے کنارے پر پرسنگ، ڈبل ٹی شرٹ جس کی سیاہ زمین پر سرخ چڑیل منہ سے خون اگلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ چست پینٹ اور کوئی بہت ہی میں نے کہا بہت ہی عجیب و غریب قسم کے جوگر، وہ اپنے سامنے اس جوکر کو دیکھ کر سٹپٹا گئی جو اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کے بعد ہاتھ جتنا لمبا ڈبا جو کہ اس کی پینٹ سے لٹک رہا تھا اس کے آگے کر رہا تھا۔ فلک کو غش آنے لگے۔

"بھائی میرے کیا ہی اچھا ہو کہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ چیرٹی کرنے لگوں، وللہ پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی تمہاری بہن کے پاس۔" وہ لڑکا اس کی مسکینیت پر یکدم رک گیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی بھری سنجیدگی آگئی تھی۔

"اگر ایسا ہی تھا تو تم نے میرے پورے تین منٹ کیوں ضائع کیے۔" فلک نے کمر پر دونوں ہاتھ دائیں بائیں رکھے، درخت کی روشنی اس کی چہرے پر پڑ کر اس کی آنکھوں کو منور کر رہی تھی۔ وہ انہیں آنکھوں کو سکیڑ کر اس سے بولی۔

"نا، میں نے تمہیں کہا تھا میرے سامنے آکر بندروں کی طرح اچھلو، ایک تو مغرب کی عوام کو بھی پتہ نہیں کیوں بھیک مانگنے کی بری عادت ہے۔" اس لڑکے کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ بری طرح چیخ اٹھا۔

"کیا۔۔۔ کیا کہا بندروں کی طرح اچھلنا اور بھیک، خشک اور فہم و فراصت سے خالی لڑکی، اسے ہپ ہاپ کہتے ہیں جس کا میں معاوضہ لیتا ہوں۔" وہ تو جیسے بھیک لفظ پر کراہ کر رہ گیا تھا۔ بلبلاہٹ کافی واضح تھی۔

"واہ بھئی ہمارا کتا، کتا اور تم لوگوں کا کتا ٹومی، اصل میں نا اس بھیک کا سلسلہ تم مغربی لوگوں نے ہی نکالا ہے۔ ٹیلنٹ کے ریپر میں اپنے لیے اس لفظ کو لپیٹ کر رکھتے ہو اور ہم لوگوں کو بے وقوف

بناتے ہو۔اور پھر ہم مشرقی لوگوں کو منہ بگاڑ بگاڑ کر کہتے ہو پور پیپل، اصل میں غریب لوگ تم ہو، بھکاری تم ہو۔ جگہ جگہ سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہو یو۔۔یو پور پیپل۔" چیختے چلاتے ہوئے انگلی کا اشارہ اس کی جانب کر کے وہ کہہ رہی تھی۔ سر اتنی زور سے ہل رہا تھا کہ تقریباً سارے بال ہی منہ پر آ گئے تھے۔ اگلے پانچ منٹ میں وہاں تیسری جنگ عظیم چھڑ چکی تھی۔ آس پاس کے تمام لوگ ان دونوں کو چپ کروانے میں ہلکان ہو رہے تھے۔ لڑکا اچھل اچھل کر اس لڑکی پر پڑ رہا تھا جو اپنے لفظوں سے اسے بری طرح زیر کر چکی تھی۔ چند لڑکوں نے اسے پیٹ سے پکڑ کر روکا ہوا تھا اور دوسری طرف چند لڑکیاں اور عورتیں تھیں جو لفظوں کی مشین کا منہ بند کرنے کے جتن میں تھیں۔ کچھ لوگ اس منظر کو انجوائے کر رہے تھے کچھ انڈ ئنز کو لڑاکا کہہ رہے تھے تو کچھ اپنے ولاگز کیلئے ویڈیوز رکارڈ کرنے بیٹھ گئے تھے۔ بڑا ہی کوئی ناقابل یقین اور دلچسپ منظر تھا جسے پولیس نے بامشکل آ کر سلجھایا تھا۔ ورنہ جس طرح کے حالات تھے لگ نہیں رہا تھا دونوں میں سے کوئی ایک بھی ہار ماننے والا ہے۔

فلک سفیر ہار مان جائے ناممکن۔

"چلو بس بہت ہوا، لڑائی جھگڑا بند کرو۔" دبلے پتلے سے تیکھے تیکھے نقوش والے پولیس آفیسر نے میز پر دونوں ہاتھ بجاتے ہوئے کہا تھا۔ فلک نے ناک پھلاتے ہوئے سینے پر بازو باندھے اور سر کو اتنی زور سے جھٹکا دے کر پیچھے کیا جیسے وہ اسی سر سے کانٹے دار بالوں والے لڑکے کو اڑا دے گی۔

"شروعات اس نے کی تھی میں تو اپنا کام کر رہا تھا۔" وہ ایکدم سے مسکین بن گیا جیسے اس جتنا مظلوم اس دنیا میں کوئی نہ ہو۔ "آپ کو معلوم تو ہے پیسے کمانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ اور ہم جیسے لوگ تو کچھ زیادہ ہی محنت کرتے ہیں۔ راتوں کو بھی آرام نہیں کرتے۔ پورے دن کے تھکے ہوتے ہیں۔ ایسے میں ان جیسی عوام جب خون کھولا دے تو لڑائی تو برحق ہے نا۔ اس لڑکی نے نہ صرف میرا وقت برباد کیا بلکہ ایک روپیہ بھی نہیں دیا اوپر زبان کے تیر ایسے چلائے جیسے میں کوئی شکار ہوں اور یہ میری ہی تاک میں بیٹھی ہو۔" فلک کے تو تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی۔ وہ سینے پر بازو باندھے باندھے مڑی۔

"ایکسکیوزمی، میں کوئی بل گیٹس کی اولاد نہیں ہوں جو راتوں کو سکون کی خاطر چہل قدمی کروں گی۔ پورے دن کی محنت مشقت کے بعد میں گھر واپس جا رہی تھی۔ راستے میں یہ بندروں کی طرح اچھل کر میرے سامنے آیا۔ ایک تو اس نے میرے تین منٹ برباد کیے اوپر سے مجھ پر ہی چڑھ دوڑ رہا ہے۔ منہ نہ نوچ لوں میں اس کا، آگے سے فرماتا ہے ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ بھائی صاحب، کبھی فی گھنٹہ حساب سے کما کر دکھاؤ تب تمہیں مانوں۔ فرش رگڑو گے نا تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔" وہ بھڑکی ہوئی تھی۔ پولیس آفیسر کو اب ان کی بحث سے مزا آنے لگا تھا۔ اس نے اپنی نیند سے بھری آنکھوں کو دونوں پر ٹکایا اور پشت کو کرسی پر گرا دیا۔

"پیچھے ہو کر بات کرو، بدبو کی دکان۔" وہ لڑکا ناک پر ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ کو جھلا رہا تھا۔ فلک نے بری طرح دانت کچکچائے اور اس پر پل پڑی۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گی نویں عجوبے۔" اس نے اس لڑکے کے بال پکڑ لیے تھے۔ وہ انہیں بری طرح کھینچ رہی تھی۔ شہ رگ پر ہاتھ رکھ دی تھی۔ ایک لڑکی کی ڈگنٹی پر وار ہوا تھا وہ کیسے جھیلتی بھلا۔ پولیس والے نے ہونق ہو کر اس کو چھڑوایا تھا۔ وہ لڑکا آزادی پاتے ہی پولیس آفیسر کی آڑ میں چھپ گیا۔

"دیکھا، دیکھا کیسے پڑی میرے پیچھے یہ، جنگلی عورت، پاگل اس کو پاگلوں کی جیل میں ڈالیں۔ یہ معاشرے کیلئے ایک خطرہ ہے۔" فلک کے کانوں میں سیٹی بجنا شروع ہو گئی۔

"تیری تو۔"

وہ ہاتھوں کی مٹھی بناتے ہوئے پھر سے اس پر لپکی تھی لیکن روک لی گئی۔ پولیس آفیسر نے اسے بازو سے پکڑ پیچھے کیا۔

"اچھا بس بہت ہو گیا۔ پر سکون ہو جاؤ ورنہ دونوں کو جیل میں ڈال دوں گا۔" اس کی دبنگ آواز نے دونوں کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ فلک سانس پھلاتے ہوئے پیچھے ہوئی۔ اسے جیل میں جانے کا قطعاً شوق نہیں تھا۔ بالکل بھی نہیں۔ کس کو ہوتا ہے بھلا۔

"اس نے مجھے بدبو کی دکان کہا۔ پاگل عورت کہا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی۔ میں آپ کو بدبو کی دکان لگتی ہوں بتائیں مجھے۔ بولیں۔" وہ قریب آتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ آفیسر نے سانس روک لی۔

"بالکل بھی نہیں، غلط کہا اس نے۔ بری بات لڑکیوں سے ایسی باتیں نہیں کرتے۔" پولیس آفیسر کی جھڑک کی وجہ سے وہ واپس کرسی کی سمت بڑھی مگر اس پر بیٹھی نہیں۔

"اس کو سمجھا لیں اگر اس نے پھر سے کچھ ایسا کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" کالر درست کرنے کے بعد اس نے کر اس بیگ کو پہنا۔

"یہ ایسا نہیں کرے گا اور تم بھی ایسا نہیں کرو گی۔ دونوں باز رہو گے۔ میں تم دونوں پر سڑک پر موجود کیمروں کی ذریعے نظر رکھوں گا اگر کبھی ٹکراؤ پر تھوڑے سے بھی لڑے تو سیدھا جیل میں پھینک دوں گا۔ سورج کی روشنی کو ترسو گے سمجھے۔" لڑکے کی جانب منہ کر کے پھنکارتے ہوئے کہا گیا تھا۔ مصنوعی پھنکار، دبی مسکان، خوشگوار موڈ۔ دونوں کی لڑائی نے جیسے پورے دن کی کلفت اتار دی۔ وہ پولیس والا اچانک تازہ دم ہوا تھا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس جوکر سے لڑنے کا۔ اب میں جاؤں۔" اثبات میں سر ہلتے ہی وہ وہاں سے کھسک لی تھی۔ آنکھوں میں نیند کا خمار تھا اور سر چکرا رہا تھا۔ اللہ پوچھے ان گوروں کو۔

"تم بھی جاؤ لیکن محتاط رہنا۔" دبی مسکان کے ساتھ کہا گیا۔ وہ لڑکا باہر آیا۔ فلک اور وہ دونوں ساتھ ہی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ اچانک ہی دونوں کے شانے ایک دوسرے سے ٹکرائے پھر دونوں نے جان بوجھ کر ایک دوجے کو مارنا شروع کیا تھا۔ جتنا زور سے ہو سکتا اتنی زور سے، دھکا دیتے ہوئے، ساتھ ساتھ چلتے ہوئے۔

"انسان بن جاؤ ورنہ جیل میں پھینک دوں گا۔" ایک پولیس آفیسر کی آواز گونجی تو دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ دائیں بائیں مڑ گئے لیکن ایک دوجے کو برا بھلا کہنا نہیں بھولے۔

"بدبو کی دکان۔"

"بھیک منگا جوکر۔"

دھند میں لپٹے سے دن تھے۔ ہر شے نمی سے پر تھی۔ ہر شیشہ دھندلا، ایسے میں ایک گرم کمرے میں وہ مائک کے سامنے منہ کیے بورڈ ممبرز سے مخاطب تھے۔ سلائڈز دیکھنے کے بعد انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا پھر تمام معاملہ اپنے مینیجر پر چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ ان کا لیدر بنانے کا بزنس تھا۔ وہ چمڑے کو امپورٹ اور ایکسپورٹ کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے حال ہی میں لنک روڈ کے قریب "مائی ہوم" پراجیکٹ کی شروعات کی تھی۔ آج کی میٹنگ اس ہی کے

متعلق تھی۔ وہ پر سکون ماحول میں ایک ویل مینٹینڈ کالونی بنانے کا خیال رکھتے تھے جس میں ہر قسم کی سہولت اور آسائشات ہوں۔ کالونی کی ریکوائرمنٹس سے صاف واضح تھا کہ یہ عام انسان کیلئے تو بالکل بھی نہیں ہے۔ وہاں موجود گھر جدید قسم کے تھے، سہولیات اعلیٰ درجے کیں، مغربی چیزز کے اسکولز و کالجز اور دفاتر خاکے میں موجود تھے۔ جم، شوٹنگ و سوئمنگ کلبز، سائنس و آرٹس گیلریاں بھی، وہ کالونی اگر بن جائے گی تو وہ یقیناً اسلام آباد کی سب سے مہنگی ترین کالونی ہو گی جو سیاست، بزنس، ٹریڈرز اور بیوروکریٹس کیلئے بالکل موزوں ہو گی۔ اس کالونی کا آغاز ہی اس سوچ سے کیا جا رہا تھا کہ وہاں ملک کی کریم آ کر رہے۔

"میرے کیبن میں کافی بھجواؤ۔" انہوں نے اپنے اسٹاف کے کسی ممبر کو حکم دیا تھا اور خود دروازہ دھکیل کر اندر آ گئے۔ کرسی سنبھالنے کے بعد وہ گردن کو اس کی پشت سے ٹکا کر اونچا کر گئے تھے۔ نوح جبران بالکل جبران نصر اللہ پر گیا تھا۔ ویسی ہی کھڑی ناک ویسے ہی نقوش۔ وہی بھوری آنکھیں۔

"بابا آپ نے مجھے بلایا تھا۔" دروازے پر دستک دے کر رامیہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے گرے ڈریس پینٹ پر وائیٹ چیک دار شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس پر دراز بلیزر، جبران اس کی آمد پر آنکھیں کھول گئے۔

"جی بیٹا ایسا ہی ہے، دراصل مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی پلیز ہیو آسٹ۔" وہ اپنا بلیزر درست کرتی کرسی سنبھال گئی۔ وائے ایس ایل کی ہیل اس کے پاؤں میں سوٹ کر رہی تھی۔ جبران نے دراز سے ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھی۔

"بیٹا یہ کچھ لڑکوں کی پورٹ فولیو ہیں۔ آپ دیکھ لیں اور پسند کر کے مجھے بتا دیں۔" اس کے ماتھے پر لائنیں پڑیں۔ وہ سمجھے بغیر دریافت کر رہی تھی۔ شیشے کی میز میں موجود اس کا عکس بڑا ہی الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"یعنی۔" اسے سمجھ نہیں آئی وہ کیسے سوال کرے۔ "یعنی کس لیے؟" سیکرٹری دروازے پر ناک کر کے اندر آئی۔ ایک کپ اس نے رامیہ کے سامنے رکھا تھا تو دوسرا جبران کے، اپنا کام کرنے کے بعد وہ وہاں سے جا رہی تھی۔

"شادی کیلئے۔" مختصر جواب دے کر وہ اپنی بیٹی کے نقوش کو کھوج رہے تھے جن میں بے چینی بھر چکی تھی۔ "آپ کی ماما چاہتی ہیں نوح سے پہلے آپ کی شادی ہو۔"

"بابا۔" اس نے پرزور احتجاج کیا۔ "آر یو سیریئس یعنی ماما کی اتنی دقیانوسی سوچ ہے۔ یقین نہیں آ رہا۔" اس نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کرسی کی پشت پر خود کو گرایا وہ واقعی حیران لگ رہی تھی۔

"مطلب اگر میں نے شادی کرنی بھی ہو گی تو میں اپنی مرضی سے کروں گی، کسی انجانے سے کیوں کروں گی۔ ارینج میرج کا وقت ہے اب؟" اسے تنزیلہ کی ہدایت شدید ناگوار گزری تھی۔ اس سے بھی زیادہ اسے نوح کے ساتھ خود کا موازنہ کھلا تھا جس کا اظہار وہ اپنے باپ کے سامنے نہیں کر پا رہی تھی مگر اس کا باپ اس کے چہرے کے ہر ابھرتے رنگ کو پہچان رہا تھا تبھی خاموش تھا، مصلحتاً خاموش۔

"آپ ماما سے کہہ دیں میں نے انکار کر دیا ہے اور یہ۔" اس نے نخوت سے فائل کو پرے کھسکایا جیسے اس پر زہر لگا ہو۔ "اسے دور کریں آپ، مجھے میری زندگی جینی ہے۔ کیریئر بنانا ہے اور اس دوران مجھے میرے مزاج کا بندہ ملا تو میں کر لوں گی شادی۔" کافی کو اس نے چھوا تک نہیں تھا۔ اس سے اٹھتا دھواں ہوا میں مدغم ہو کر بے نام و نشاں ہو گیا۔ سیاہ ملگوبے میں موسم کی ٹھنڈک آن سمائی تھی۔ رامیہ وہاں سے چلی گئی۔ جبران نے میز کی دراز کھولی۔ اس میں فائلز کے نیچے ایک الٹی تصویر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر دیکھنا چاہتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یوں تو بہت کچھ تھا جو انہیں کرنا چاہیے تھا مگر نہیں کر پائے تھے۔ غلط کیا، اقدام اٹھانے چاہیے تھے۔ زخموں کو رسنے ہرگز نہیں دینا چاہیے تھا۔ وہ مرہم تھے لیکن نہیں بنے، انہیں بننا چاہیے تھا۔

جبران کی تین اولادیں تھی۔ پہلی رامیہ جبران تھی۔ ٹھنڈے مزاج کی، حسین، مغرور اور دماغی مریض۔ بروکن فیملی کی وجہ سے وہ مستقل طور پر سیشن لینے کی عادی تھی۔ دماغ کی ادویات بھی

لیتی تھی۔ چھوڑ دیتی تو اس کو فٹس پڑتے تھے۔ غصہ ہمیشہ اس کی ناک پر رہتا تھا۔ نوح سے اسے شدید نفرت تھی۔ اسی نفرت کی وجہ سے بہت چھوٹی عمر میں پڑھائی کے دوران ہی اس نے بزنس میں اپنی دلچسپی شامل کر دی تھی۔ جبران کی چھوٹی سی فرم سے شروعات کی تھی اور اب یہ حال تھا کہ کسی بھی پراجیکٹ کو شروع کرنے سے پہلے اس کے سائن سب سے پہلے لیے جاتے تھے۔ بہت سی جائیداد اور بزنس چیزز اس نے طریقے سے اپنے نام کروالی تھیں تاکہ نوح کو ایک پائی بھی نہ ملے۔ رامیہ کے بعد نوح کی باری تھی۔ نوح کون تھا۔ اس کا ان لوگوں کی زندگی میں کیا کردار تھا یہ تھوڑا آگے جا کر پتہ چلے گا۔ اس لیے اس کا تعارف یہیں پر روک دیتے ہیں۔ ہم چلتے ہیں سویرا جبران کی طرف جو بہت نرم مزاج، امن پسند اور زندہ دل لڑکی تھی۔ اسے گھر کی لڑائیوں، نفرتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ بس اپنی زندگی میں مگن تھی۔ وہ بھی رامیہ کی طرح بزنس ہی پڑھ رہی تھی۔ مائیر کے والد عادل فیاض کو سویرا بچپن سے ہی پسند تھی۔ تبھی ان دونوں کی منگنی کم عمری میں ہی کر دی گئی۔ اب جہاں جہاں سیرا ہوتی تھی وہاں وہاں مائیر کا ہونا لازمی ہوتا تھا۔ سیرا کی وجہ سے ہی اس نے بھی بزنس میں ایڈمیشن لیا تھا۔ جبران کو یقین تھا ان کی سویرا کا نصیب بہت اچھا ہے۔ لیکن دو اولادوں کا انہیں دھڑکا لگا رہتا تھا۔

نوح اور رامیہ۔

دو متضاد لوگ، دو متضاد سوچ، دو متضاد زندگیاں۔

اسلام آباد کا آسمان گلاسگو کے آسمان سے یکسر مختلف تھا۔ گہرے گرے بادلوں نے پورے شہر کو گھیرا ہوا تھا۔ رات کا سا سماں تھا دن میں، متوقع بارش والے موسم میں نوح لکڑی کے ٹکڑے کی تراش خراش میں مصروف تھا۔ اس کا نچلہ ہونٹ دانتوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ماتھے پر بے تحاشہ بل تھے اور آنکھیں قدرے چندھی ہوئی۔ اسٹینڈ پر اس کا فون پڑا تھا جس پر ایک ویڈیو چل رہی تھی۔ وہ بتانے والے کی ہدایت پر ہی اس نرم لکڑی کو کاٹے جا رہا تھا۔ اس کے سامنے نمی میں ڈھکا لان تھا جس کے وسط میں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ عقب میں بے تحاشہ پھول و پودے تھے۔ سیاہ گول گلے والی ٹی شرٹ پہنے وہ ایک بار پھر سے ویڈیو کی جانب متوجہ ہوا، گردن ٹیڑھی کر کے وہ اس کے اگلے اسٹیپ کو دیکھ رہا تھا۔ آج ویک اینڈ کا پہلا دن تھا اس لیے سب ہی گھر پر موجود تھے۔ غفران اسے ڈھونڈتے ہوئے لان میں آئے تھے۔ اس کی پشت کو دیکھتے ہی انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"کبھی جو یہ لڑکا سدھر جائے۔" وہ اس کے لانگ کوٹ کو کرسی کی بیک پر پڑا ہوا دیکھ چکے تھے۔ جس موسم میں چار چار جرسیوں میں بھی جھرجھری چڑھے اس موسم میں وہ اکثر یونہی پایا جاتا تھا۔ پتہ نہیں کیسی سزا تھی جو وہ خود کو دیتا رہتا تھا۔ غفران اس کے قریب آئے مگر وہ ان کی آمد نہیں پہچان سکا۔ اس کا انہماک دیدنی تھا۔ غفران اس کی گردن اور اس بازوؤں کے کھڑے بال دیکھ چکے تھے یعنی اسے سردی لگ رہی تھی مگر وہ نظر انداز کر رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں کر سکتے تھے تبھی انہوں

نے کوٹ اٹھا کر اس کے شانوں پر ڈال دیا۔ نوح چونک کر مڑا تھا۔ ویڈیو اسٹاپ کی اور پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوا جو کرسی سنبھال رہے تھے۔

"مجھے لگا شاید آج تم دیر تک سو مگر تم پھر سے پانچ بجے اٹھ گئے۔" اس نے لکڑی کے چھلکوں کے اوپر اوزار اور وہ ٹکڑا رکھا جسے وہ شیپ دے رہا تھا۔

"آپ کو معلوم ہے یہاں کی راتیں دراز ہوتی ہیں، میں اپنی نیند پوری کر چکا ہوں۔" غفران نے میز پر رکھی اس کی سرگرمی کو دیکھا اور سوال کیا جو وہ کرنا چاہتے تھے۔

"کیا بنا رہے ہو؟" اس نے اس لکڑی کے ٹکڑے کو اٹھایا پھر اس پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے گویا ہوا۔

"انفنٹی۔" یک لفظی جواب تھا۔

"لامحدود، ریاضی کا سائن، مگر کس کیلئے۔" نوح کو ان کا جواب اچنبھے میں مبتلا کر گیا۔ ماتھے پر بل تاہنوز تھے۔ ہوا کا تیز جھونکا چلا تھا جس کے ساتھ اڑتا ہوا جواب غفران کی سماعت سے ٹکرایا۔

"یہ کس طرح کا سوال ہے یعنی میں یہ سائن کیونکر کسی کیلئے بناؤں گا۔ ظاہر سی بات ہے یہ میری آج کے دن کی نئی سرگرمی ہے۔" اس نے یقین دلانا چاہا تھا۔ غفران نے کر لیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا ان کے پاس۔

"یہ بھی درست ہے، تم کیونکر یہ کسی کیلئے بناؤ گے، بنانا بھی نہیں چاہیے۔"نوح ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ اسے یہ گلہ لگا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو دے سکتا ہوں میں، بلکہ دوں گا۔"وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ایک وہی تو ہستی تھی جس کے خفا ہونے سے وہ خوف زدہ ہو جایا کرتا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک، اس کے ماں باپ، بہن بھائی، دوست سب وہی تو تھے۔ اور کون تھا بھلا اس کے پاس۔

"آپ کو کافی بنا کر دوں، موسم سرد ہے آپ کو پینی چاہیے۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تھا جب غفران نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے سے روک دیا۔ موسم واقعی سرد تھا یہ ان کی سرخ ناک بتا رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ نوح اور اتنی جلدی پریشان مت ہوا کرو، فلک آنے والی ہے وہ بنا دے گی۔"وہ اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گیا۔ فلک کا نام سن کر اس کے دماغ میں ہزار سوال شروع ہو چکے تھے۔ معلوم نہیں تھا واش اینڈ شائن نے اسے نکالا ہے یا نہیں، وہ یہاں آئے گی بھی یہاں نہیں۔

"ٹھیک ہے، کب تک آتی ہے وہ؟"اس نے لہجے کو سرسری بنا کر پوچھا۔ غفران نے ریسٹ واچ میں وقت دیکھا تھا۔

"سات بجے، آنے ہی والی ہو گی بس اوہ لو دیکھو وہ آ گئی۔" اس نے خود کو تھوڑا سا موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بوسیدہ سا بھورا کوٹ پہنے اندر چلی جا رہی تھی۔ غفران اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور اس کی طرف جانے لگے۔ وہ انہیں دیکھ چکی تھی اس لیے تھم گئی۔

"آجاؤ بیٹے۔" اس کے قریب پہنچ کر وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر آنے کا کہہ رہے تھے۔ فلک نے ایک نظر سرد ہواؤں کے درمیان بیٹھے اس لڑکے پر ڈالی پھر غفران کے پیچھے چل دی۔

"تمہیں آج تھوڑی احتیاط سے کام کرنا ہو گا، سیر ا اور مائیرا ابھی تک استراحت کی حالت میں ہیں اور دن کے ایک دو بجے تک رہیں گے۔ اس لیے کام اور صفائی آہستہ سے کرنا۔" وہ سر ہلاتے ہوئے ان کی ناک کو تک رہی تھی جو سرخ ٹماٹر ہو چکی تھی۔ ان کی بات کے ختم ہوتے ہی بے چین سی وہ بول اٹھی۔

"میں۔" ان کے مڑنے سے پہلے ہی اس نے کہا تھا۔ وہ تھم گئے واپس سیدھے ہوئے۔ "آپ کیلئے لیمن ٹی بناؤں، بہتر رہے گی۔" وہ سر ہلا گئے۔ فلک نے دو کپ بنائے تھے۔ ایک انہیں دیا اور ایک ان کے کہنے پر نوح کو دینے چلی گئی جس کا کوٹ ایک بار پھر سے اتر کر دوسری کرسی پر جا پڑا تھا۔ آدھے بازوؤں کی ٹی شرٹ میں وہ اسے بغیر کسی گرم چیز کے وہاں بیٹھا دیکھ کر عجیب سی ہوئی تھی۔ وہ اس انسان کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سمجھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ یہ اس کی جاب کا حصہ نہیں تھا

مگر اس کی رگ اس لڑکے کے تعقب کیلئے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہ غمگین رہتا ہے بہت زیادہ رہتا ہے۔ وہ مایوس دکھتا ہے، بہت زیادہ دکھتا ہے۔ وہ سنجیدہ ہے، حد سے زیادہ ہے۔ وہ خودکشی کا ارادہ رکھتا ہے، شدت سے رکھتا ہے۔ مگر کیوں؟ کس لیے۔ وہ سوال کر رہی تھی لیکن جواب ندارد تھا۔ اگر اسے جواب حاصل کرنا تھا تو اس کی طرف دوستی کی پیش رفت کرنی تھی۔ مگر کس طرح، کیسے؟ اور کیوں کیا یہ ضروری تھا؟

اس نے تو شکایت درج کی تھی۔ لیکن پھر واپس بھی تو لے لی تھی۔ یعنی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ یعنی وہ زیادہ برا انسان نہیں تھا۔

"اس کی مایوسی دور کرنا بہت ضروری ہے۔" کہیں اندر سے، بہت اندر سے غیر متوقع انداز میں جواب آیا تھا۔ اس جواب نے اسے شانے اچکانے پر مجبور کر دیا۔ گہرا سانس بھر کر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک پہنچی۔ نوح نے تھوڑی سی نظریں گھما کر اسے دیکھا جو میز پر بری طرح بکھرے چھلکے ایک سائیڈ پر اکھٹے کرنے کے بعد چھوٹی سی ٹرے کو وہاں پر رکھ رہی تھی۔ نوح نے لیمن ٹی پر سرسری سی نظر ڈالی، دیکھنے کے بعد پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"مجھے شکریہ ادا کرنا تھا۔ وہ آپ نے شکایت واپس لے لی اس لیے۔" نوح نے بہت آہستہ سے گردن کو جنبش دی، فلک کی بھنویں اٹھ گئیں۔ (کس قسم کا بندہ ہے بھئی، اتنا سرد اف)

"ورنہ کمپنی نے کہہ دیا تھا کہ میں صبح سے جاب سے خارج ہوں۔ شوکاز نوٹس بھیجنے والے تھے وہ۔" ایک اور سعی، ایک اور ریجیکشن۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں چلتی ہوں۔"(شارٹ سرکٹ، انیس سو بیس کا گھٹیا گونگا موبائل) عجیب سے منہ بنا کر وہ مڑی تھی جب اس نے اسے پکار دیا۔ وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مڑی۔

"رکو، اسے لے جاؤ، میں یہ نہیں پیتا۔" وہ جو تھوڑی سی خوشی تھی وہ یکدم اڑن چھو ہوئی۔ فلک اس کے دیکھنے پر جھوٹا مسکرا رہی تھی۔ اسے کہنے کے بعد وہ واپس اپنے سابقہ کام میں مشغول ہو گیا تھا۔

"مگر یہ آپ کی صحت کیلئے اچھی ہے۔ اتنی سردی میں یوں بھی اس کا استعمال بہت ضروری ہے۔" نوح نے انفنٹی کے سائن کے آدھے حصے کو فائنل ٹچ دیا پھر ناک کے گرد ہاتھ جھلاتے ہوئے اپنا فون اسٹینڈ پر سے اٹھا کر، کوٹ وہیں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ جو چیز وہ صبح صبح اٹھ کر بنا رہا تھا۔ وہ بھی آدھی ادھوری وہیں پڑی رہ گئی۔ فلک نے اپنے بالوں کی لٹ کو پکڑ کر ناک کے قریب کیا۔ اس میں سے بدبو نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے شانے کو ناک کی جانب کیا تھا۔ کوٹ میں سے حبس بھری بدبو آ رہی تھی۔ فلک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"اس میں میرا نہیں کوٹ کا قصور ہے۔"

اس نے چیڑ کی لکڑی سے بنے اس سائن پر ایک نگاہ ڈالی۔ ہاتھ خود بخود گردن میں جھولتی باریک سی چین پر گیا تھا۔ فلک نے دھوئیں سے بھرا سانس فضا میں منتشر کیا۔ یہ شخص اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے مان لیا۔

دھند سے لپٹے اس شہر کے ایک خوبصورت سے گھر کی دیواروں پر نمی کی تہہ جمی تھی۔ وہ گھر خاموش اور پر سکون تھا۔ چھوٹا سا گڑیا گھر کی طرح۔ جہاں ایک سرما کے پھولوں سے مہکتا مختصر سا لان تھا۔ ایک صاف ستھرا لاؤنج، تین کمرے اور ایک اسٹوڈیو، اسٹوڈیو جس کی دیواروں پر بس رنگ پھینک دیے گئے تھے مگر ان پھینکے ہوئے رنگوں سے ایسے ایسے شاہکار بنائے گئے تھے کہ دیکھنے والا انگشت بنداں رہ جائے۔ یہ نیو ائیر سے پہلے کی تبدیلی تھی۔ ہر سال اس کا ہر دل عزیز اسٹوڈیو نئے روپ میں ہوتا تھا۔ نئے جذبوں اور قوت کے ساتھ۔

وہ اپنے ڈیسک پر چکنی مٹی لیے بیٹھا تھا جسے گوندھنے میں وہ بہت زیادہ منہمک تھا۔ یہ کام کرنے کے بعد اس نے کلے اٹھا کر زمین پر رکھا۔ پلاسٹک پر اس کلے کو بچھانے کے بعد اس نے اپنی بنائی گئی پینٹنگ کو ریٹینا پر نقش کیا، کرنے کے بعد وہ اس چکنی مٹی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر شیپ میں

ڈھال رہا تھا۔ باہر شام ڈھل رہی تھی اور اندر وہ بہت جذب کے ساتھ چکنی مٹی سے کسی کے چہرے کو تراشنے میں لگا ہوا تھا۔

"تم خود سے بیگانی رہتی ہو فلک سفیر، تم میری نظروں سے خود کو دیکھو گی تو جان جاؤ گی تم کتنی حسین ہو۔" وہ اس مٹی کو اس کے چہرے کے حساب سے ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ اس کے دل کی پہلی خوشی تھی۔ اس کی پہلی دیکھی جانے والی کامیابی، اس سے پہلے وہ جتنے مجسمے بنا چکا تھا۔ اسکول میں جتنے ایوارڈ حاصل کر چکا تھا وہ سب تو فقط اس ایک چہرے کی بنیاد کے آگے بالکل ہیچ تھے۔ آنکھ، ناک کان کسی بھی رگ، کسی بھی لائن سے عاری مٹی کا وہ سر مہمت کے دل کو کس قدر خوش کر چکا تھا۔ اس کے معدے میں کتنی تتلیاں بھر چکا تھا۔ یہ کوئی بھی محسوس نہیں کر سکتا تھا، اس کا اسٹوڈیو، اس کا گھر حتیٰ کے اس کا باپ بھی نہیں۔

"میں نے دیکھا ہے۔ تم خوش معلوم ہوتے ہو۔" وہ اپنے باپ کے ہاتھ کا بنایا ہوا ملغوبہ بڑی رغبت کے ساتھ پی رہا تھا اور یہی بات پنار سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ روز اس کے بنائے گئے سوپ میں کیڑے نکالنا اس کی عادت تھی تو پھر آج یہ عادت کہاں جا سوئی؟

مہمت نے چونک کر سر اٹھایا۔"بالکل ایسا ہی ہے،خوش رہنے سے صحت اچھی ہوتی ہے۔"وہ شانے اچکا کر اپنی بات کو مکمل کر رہا تھا۔پنار نے اس کے ہاتھ میں موجود سوپ سپون پر نگاہ گاڑے رکھی جسے وہ بات کے درمیان میں ہلا رہا تھا

"بالکل ٹھیک کہا،نظام انہضام،دل اور اس کی شریانوں کیلئے ہمارا آسودہ ہونا بہت فائدے مند ہوتا ہے یعنی میں مانتا ہوں دواؤں سے زیادہ ہماری خوشی ہمارے جسم کو تندرست رکھنے میں مدد دیتی ہے۔"انہوں نے بات ختم کی۔ان کا بیٹا سوپ کے پیالے کو منہ سے لگا کر باقی ماندہ بچا ملغوبہ بھی پی رہا تھا۔وہ جب اس پیالے کو منہ سے ہٹا رہا تھا تب پنار نے کہا تھا۔

"میں نے اس میں پنیر ڈالا ہے۔"ری ایکشن دیکھنے کی سعی۔

"کوئی بات نہیں،میں مانتا ہوں کہ کبھی کبھی ناپسندیدہ چیز کا مزہ بھی چکھ لینا چاہیے تاکہ مستقبل میں زیادہ پریشانی نہ ہو۔"کرسی کو پیچھے دھکیل کر وہ منہ پونچھتا وہاں سے سامان اٹھا کر کچن میں رکھ رہا تھا۔یہاں تک کہ بنا کسی بحث کے اس نے تمام برتن تک دھو ڈالے،میز صاف کی،کچن کو چمکایا پھر سیٹی بجاتا،بائیک کی چابی کو شہادت کی انگلی سے گول گول گھماتے ہوئے چل دیا۔پنار نے عمیق نگاہوں سے اپنے بیٹے کی پشت کو گھورا تھا۔

"ہمم، تو تمہیں محبت کی دیمک لگ رہی ہے، کاش یہ تمہیں گھن کی طرح کھائے نہ۔" وہ اندر آئے، ایک نظر اوپر موجود اس کے اسٹوڈیو پر ڈالی پھر سر کو جھٹک کر اپنے کمرے میں چلے گئے کہ بچوں کی پرسنل اسپیس میں گھسنے کا انہوں نے اول دن سے نہیں سوچا تھا۔ وہ چاہے جتنے بھی پر تجسس کیوں نہ ہو جائیں خود کو کبھی بھی اس بات کیلئے قائل نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کی ذاتیات میں گھسیں۔ وہ قابل ہیں، بالغ ہیں۔ اپنا فیصلہ خود کر سکتے ہیں اور کریں گے۔ پنار اپنے اس ایک بیٹے کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے جو بائیک پر بیٹھا فلک کو ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ اس کے ہیلمٹ کے شیشے پر فون کی اسکرین بڑی واضح تھی۔ اس شیشے میں چیٹ باکس نظر آ رہا تھا جو مہمت کے میسجز سے بھرا ہوا لگ رہا تھا۔

"یار، تم جواب کیوں نہیں دے رہی۔" اس نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا جو گہرے گرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہواؤں کا رخ بتا رہا تھا کہ آج مینہ پھر سے برسنے والی ہے۔

"اگر میں درست ہوں تو تم مہمت ہو، مہمت پنار، ہے نا؟" نسوانی آواز پر اس نے گردن کو موڑا، گہرے سیاہ بالوں و آنکھوں والی خوبصورت، سلم سی مشرقی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مہمت نے ہیلمٹ اتارا اور پرجوش سی حیرت کے ساتھ گویا ہوا۔

"اوہ خدایا، یہ تو تم ہو، عروبہ واجد، مرحبا حسین لڑکی۔" ہیلمٹ کو بائیک پر رکھ کر وہ خود بھی نیچے اتر آیا۔ عروبہ اتراہٹ کے ساتھ مسکرا دی۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر چونکی میں، تم تو چلسی میں ہوتے تھے نا۔" اس کے بدن پر سنہری ستاروں والا لباس تھا۔ آنکھیں گلیمری لک لیے ہوئی تھیں۔ سیاہ آؤٹ لائن لیے ہوئے مرون لپ اسٹک ہونٹوں پر موجود تھی۔ ہاتھ میں سنہری اسٹار فش والا ہینڈ بیگ تھا اور گلے میں اوپر تلے چار پانچ گولڈن مالا۔

"ارے نہیں وہاں میں کچھ ماہ اپنے کزن کے پاس قیام کیلئے گیا تھا، ہوتا تو میں یہیں ہوں۔ تم بتاؤ چلسی گھومنے کے بعد اب تم اس جگہ کو ایکسپلور کرنے آئی ہو۔ غالباً بار سے لوٹی ہو۔" عروبہ نے تعظیم کے سے انداز میں شانے اچکا کر گردن کو تھوڑی سی جنبش دی۔

"بتایا تو تھا تمہیں میں نے، میں ایک سفری کیڑا ہوں، ملک ملک، شہر شہر نہ گھوموں تو چین نہیں آتا مجھے، ہاں یہ درست ہے اس بار میں نے اس جگہ کا انتخاب کیا مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہم ہر بار ٹکرائیں، پہلے چلسی پھر پیرس اور اب یہاں۔" وہ ہنس دیا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ کیا وہ دونوں ہی نہیں جانتے تھے مگر یہ طے تھا وہ تیسری بار ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔

"شاید قدرت چاہتی ہے ہم دوست بن جائیں، ویسے یہ خیال برا نہیں ہے۔ تم مجھے اپنا نمبر شئیر کر سکتی ہو، ہو سکتا ہے تمہاری اگلی ڈیسٹینیشن پر ہم پلان کر کے ملیں۔" عروبہ کو اس کا آئیڈیا برا نہیں لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ نمبر کا تبادلہ اور تھوڑی گپ شپ کر کے چلی گئی تھی۔ حالانکہ وہ چاہتی تھی وہ دونوں کہیں بیٹھ کر کافی پئیں مگر یہ مہمت تھا جو اس سے معذرت کر چکا تھا۔

"پھر کبھی، ابھی مجھے بہت ضروری کام ہے مگر ہاں میں بہت جلد تمہیں دعوت دوں گا، تم ضرور آنا۔" وہ مسکرا کر اس کی بات پر رضامندی ظاہر کر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مہمت نے ایک بار پھر آس سے فون کی اسکرین کو دیکھا تھا جو اب تک ویران تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا۔

"کر سکتا ہوں، میں تمہارا طویل انتظار کر سکتا ہوں۔"

گھڑی کی سوئیاں ایک بجنے کا سندیسہ دے رہی تھیں۔ کیا معلوم جلد ہی وہ دو بھی بجا دیں اور انتظار کرنے والا لاحاصل ہی کھڑا رہے، کیا معلوم تھا بھلا۔

"اماں فلک نے ابھی تک پیسے کیوں نہیں بھیجے، بینک والے میسج کر کر کے پریشان کر رہے ہیں مجھے۔"

کراچی کی ہوا میں خنکی قدرے گھلی ہوئی تھی۔ کل موسم ابر آلود تو ہوا تھا مگر بارش نہیں برسی تھی۔ بھاری جثے والا امین کرنڈی کے سوٹ کے اوپر بھورا سویٹر چڑھائے اپنی ماں کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا جو اس وقت چولہے پر پائے چڑھا رہی تھیں۔ بیٹے کی فرمائش پر بدک کر پلٹیں۔

"خدا کی امان، پندرہ روز قبل ہی تو تم نے پورے نوے ہزار لیے ہیں اب کیا تم لاکھوں ماہانہ لوگے۔" امین کے بھرے بھرے منہ پر بارہ بجے، ماتھے پر بل آئے جو تاریک گلیوں کی مانند لگ رہے تھے۔

"اماں میرے خیال سے وہ اویس بھی ہے جو بینک کی قسط بھرتا ہے اور میرے اکاؤنٹ سے ہی بھرتا ہے۔" وہ کڑوے کسیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اماں تم نا ایک کام کرو، اویس نواب کو کہو پیسے بھرنے والا اپنا الگ اکاؤنٹ کھلوائے بینک میں اور خود قسط کی رقم بھرا کرے، مجھے تو آپ چور بنا دیتی ہو۔" فرخندہ اصل بات جان کر ترنت سے پٹڑی پر آئیں تھی۔ میٹھے لہجے میں بولیں۔

"ارے نہیں بیٹا، میرے چاند، تم تو جانتے ہو تمہارا بھائی بے چارہ اجڈ ہے۔ اسے کہاں معلوم بینک وینک کے چکر، سادہ لوسا ہے۔ گھبرا جاتا ہے۔ ناراض نا ہو بھردو اس کی قسط، میں ابھی بس ابھی اسے فون کر کے منگواتی ہوں پیسے، ٹھیک ہے میرے لال؟" امین سر مار کر وہاں کھڑا رہا تھا۔ فرخندہ بھاگم بھاگ اپنا نوکیا کا فون اٹھا کر آئیں۔ چولہے پر چڑھے پائے کے سالن میں جوش آنے لگ گیا تھا۔ انہوں نے پہلے فلک کو فون ملایا پھر آنچ دھیمی کی۔

"جارہی ہے گھنٹی۔" وہ اپنے نافرمان بیٹے کو چاشنی بھرے لہجے میں آگاہ کررہی تھیں جس نے اچھی کالونی میں گھر لینے کیلئے اپنے اس چھوٹے سے ذاتی گھر کے بٹوارے کا شور مچادیا تھا۔ فرخندہ کے حساب سے یہ ان کی نرینہ اولاد ہی ان کے بڑھاپے میں کام آنے والی تھی۔ بھلا سوچیں ماں باپ کہ جو اولاد انہیں ابھی ذلیل کررہی ہے۔ روٹی، رہائش اور دوا کیلئے تنگ کررہی ہے وہ بعد میں جب بوڑھے ہو جائیں گے تب ان سے نہیں اکتائے گی کیا، تب عاجز نہیں آئے گی کیا۔ اولاد وہی حلال ہوتی ہے جو فرمانبردار ہو، تمیز دار ہو اگر آپ کی اولاد آپ سے بدکلامی کررہی ہے۔ نافرمان ہے تو سمجھ جائیں کہ یہ مکافات عمل ہے۔ آپ کا کیا آپ کے آگے آرہا ہے یا پھر یہ آپ کی کمائی ہے جو آپ کی ہزار کوشش کے باوجود سو فیصد حلال نہیں ہے۔ کہیں کوئی معمولی سی حرام کی آمیزش ہے جس نے آپ کی اولاد کے اندر جگہ بنا کر اسے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ حرام کی کمائی سے پروان چڑھ کر کوئی فرمانبردار نہیں ہوتا، حرام سے بڑھ کر گناہ گار کوئی نہیں ہوتا۔ یہ حرام ہی ہے جو نسلوں کو بگاڑ کر برباد کردیتا ہے۔ حرام رزق سے پروان چڑھا وجود کبھی بھی باغی و بدزن ہونے سے باز نہیں آتا۔

فلک نے فون اٹھایا تھا کہ وہ تو پیدا ہی اس چیز کیلئے ہوئی تھی فون اٹھائے اور پیسے بھجوائے۔

"فکر نہیں کریں میں۔" اس نے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا پھر اپنے باس کو جو اسے ہی فرصت سے تک رہا تھا۔ "سورج طلوع ہوتے ہی آپ کو پیسے بھیجتی ہوں دراصل اس بار کمپنی نے آدھی تنخواہ

دی تھی مگر کوئی پریشانی کی بات نہیں، وہ صبح میرے اکاؤنٹ میں پیسے بھیج دیں گے، کہا ہے انہوں نے۔" فرخندہ نے منہ بسورتے ہوئے کال کاٹی۔

"کہتی ہے صبح پیسے بھیجوں گی، اس نے بھی ذلیل کیا ہوا ہے توڑ توڑ کر تو ایسے پیسے بھیجتی ہے جیسے چندہ مانگ رہے ہوں ہم۔"

فلک نے پھیکی مسکان کے ساتھ اپنے باس کو دیکھ کر فون ایپرن کی پاکٹ میں ڈالا، فرش پر اچھے سے موپ لگانے کے بعد اس نے ایپرن اتار کر کیبنٹ میں رکھا پھر کاؤنٹر پر آکر پنچ آؤٹ کرنے لگی۔

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے ڈیوٹی کے وقت فون کا استعمال نہ کیا کرو، دیکھو لڑکی یہ بالکل بھی اچھی بات نہیں ہے۔" پیسے لے کر، انہیں گن کر وہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھنے کے بعد گویا ہوئی۔

"دراصل یہ بہت ضروری کال تھی۔ امی کی تھی تو نظر انداز نہیں کر سکی۔" اس کی نک چڑھے باس نے اپنا سر ہونہہ کر کے جھٹکا۔ فلک شیشے پر کلوزڈ کا سائن بورڈ لگا کر شاپ سے باہر آگئی۔ آج ہوا پھر سے بہت تیز تھی اور بجلی بھی زور و شور سے کڑک رہی تھی۔ باہر آتے ہی وہ "می" بار کی سرخ نیون لائیٹس کے نیچے آن کھڑی ہوئی۔ اینٹوں والی دیوار سے ٹیک لگائے وہ فون کو آن کر رہی تھی جہاں مہمت کے ڈھیر سارے میسجز تھے۔

"اوہ مہمت، تم نہیں جانتے میں کتنی مصروف ہوتی ہوں۔"اس نے اس کا نمبر ڈائل کیا لیکن یہ کیا وہ تو بند جا رہا تھا۔

"لگتا ہے انتظار کر کے چلا گیا، فون بھی تو بند ہو گیا ہو گا بے چارے کا۔"بار کی اینٹوں والی دیوار سے ٹیک ہٹا کر وہ سرخ لائٹس سے آگے قدم بڑھا رہی تھی۔فٹ پاتھ پر اپنی مستی میں مگن چلتی ہوئی وہ یکدم رکی تھی وجہ کسی کا اچانک سے سامنے آجانا تھا۔وہ گھبرا کر رک گئی۔

"ہے، گورجئس گرل میرے ساتھ چلو گی کیا؟"ایک اسٹریٹ ایڈکٹ ہاتھ میں پرپل بوتل تھامے لہراتے ہوئے اس سے سوال کر رہا تھا۔اس کے منہ سے اٹھتے بھبکوں نے فلک کو اپنی ناک پکڑنے پر مجبور کر دیا۔

"یخ،استغفر اللہ، تم آدمی ہو یا بدبو کی دکان، ہٹو میرے رستے سے۔"وہ اسے دھکا دیتے ہوئے آگے کو جانے ہی والی تھی جب اس آدمی نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔

"سنو لڑکی تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"اس کے کان کے قریب وہ گندی بدبو کے ساتھ بول رہا تھا۔"ہم خوب مزے کریں گے، سچ کہہ رہا ہوں میں۔"فلک نے اسے ایک بار اور دھکا دینا چاہا تھا مگر وہ آدمی ڈھیٹ معلوم ہو رہا تھا۔

"تمہیں میری بات سمجھ نہیں آ رہی، چھوڑو میرا ہاتھ، میں نے کہا چھوڑو۔" وہ اس کے میلے ہاتھ میں قید اپنی کلائی چھڑوانے کی حتی المقدور کوشش میں مبتلا تھی یہاں تک کہ اس نے اپنے ناخونوں سے اس کی ہتھیلی کی پشت تک زخمی کر ڈالی مگر وہ پھر بھی اس کا ہاتھ آزاد نہیں کر رہا تھا۔ اسے چھوڑ نہیں رہا تھا۔ اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ درد پوری شدت سے کلائی میں سرائیت کر گیا۔ فلک کے دل کو پہلی بار دھڑکا ہوا۔

"دیکھو انسان بن جاؤ، ورنہ میں نے تمہاری چمڑی ادھیڑ دینی ہے۔" اس کی کوشش دیکھنے کے قابل تھی۔ اس صورتحال میں اس کا کوٹ اس کے ایک شانے سے ڈھلک گیا تھا۔ وہ دفاع کر رہی تھی مگر کمزور تھا۔ وہ جرح کر رہی تھی مگر بیکار تھی۔ ایک آواز نے اس آدمی کی بھدی ہنسی اور فلک کی دھمکیوں کو روکا تھا۔ ایک بھاری سرد آواز نے۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" وہ بکھرے ہوئے بالوں اور کھڑی ناک پر سرخی سجائے وہاں موجود تھا۔ جینز کی سفید اون کالر والی جیکٹ زیب تن کیے، سیاہ جینز اور سفید جوگز پہنے سرد آنکھوں کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ٹھہراؤ اور آواز کے بھاری پن نے اس نشے میں جھولتے آدمی کو رعب میں مبتلا کر دیا۔ لیکن وہ نشے میں مبتلا تھا رعب کا اثر جلد ہی ختم ہو گیا۔

"سنو، تمہیں کیا مسئلہ ہے۔ میں اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ معاملہ طے کر رہا ہو۔" فلک اس بہتان پر بری طرح سٹپٹا گئی، تڑخ کر بولی۔

"لاحول ولا قوۃ، جھوٹے انسان، چھوڑو میرا ہاتھ۔" اس نے کھینچنے کی سعی کی، بے سود۔

"ہاتھ چھوڑو اس کا۔" اس نے پھر سے سرد لہجے میں کہا تھا۔ وہ آدمی فلک کو کھینچتا بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے کہا یہ میرا اور میری گرل فرینڈ۔" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی وجہ وہ گھونسا تھا جس نے اس آدمی کو زمین بوس کر دیا تھا۔ وہ بدبودار انسان لمحے کے ہزارویں حصے میں بے ہوش ہوا تھا۔ فلک کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ریت کی طرح سرکا۔ اس نے تحیر کے عالم میں اس خاموش انسان کو دیکھا جو اس آدمی کو گھونسے کے ذریعے بے ہوش کرنے کے بعد مڑ گیا تھا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہی، وہ گنگ تھی بے حد گنگ۔ جب اس نے خود کو اس آدمی سے چھڑوانے کی کوشش کی تھی تو کتنے لوگ تھے جو اس کے پاس سے گزرے تھے مگر کوئی نہیں رکا تھا مگر جو رکا تھا اس نے تو انتہا کر دی تھی۔ ہواؤں تلے کھڑی وہ اس انسان کو دور جاتا ہوا دیکھ رہی تھی جس نے اس کی مدد کی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کیے بغیر اسے کیسے جانے دے سکتی تھی تبھی اس کے پیچھے لپکی۔

"سنور کو پلیز۔" وہ اس کے سامنے آئی۔ اس کے بالوں کی چھوٹی سی پونی اس کی گردن پر تھی جبکہ گالوں کے اطراف میں لٹیں جھول رہی تھیں۔ آنکھیں نیند کے غبار سے اٹی ہوئی، ہمیشہ کی طرح۔ نوح نے خاموش خالی نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں نیند سے زیادہ تھکن کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی پھر اس نے نامحسوس انداز میں نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے۔ کافی کینڈی۔۔۔۔۔ کافی کینڈی بطور تحفہ لے سکتے ہو تم۔" اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ مارا مگر یہ کیا وہ یکدم ٹھٹھک گئی۔ اس نے ایک جیب ٹٹولی، پھر دوسری اور پھر تیسری، اس کے چہرے پر سفیدی پھیل چکی تھی۔ وہ شوخی، وہ تشکر جو اس کی آنکھوں میں تھا ندارد ہوا، ڈر، پریشانی، گھبراہٹ عود کر آئی۔

"میرے پیسے، میرے پیسے کہاں ہیں۔ یہیں، یہیں تو تھے۔ کہاں ہیں وہ؟" نوح جو اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنے والا تھا اس کی بے چینی و عجلت پر تھم گیا۔ وہ بڑے غور سے اس لڑکی کے بدلتے رنگوں، بدلتی حالت کو دیکھ رہا تھا۔

"کہاں گئے، کدھر؟" پھر اس نے دیکھا وہ لڑکی گردن موڑ کر اس جگہ کو دیکھ رہی ہے جہاں وہ خود کو چھڑوانے کیلئے زور آزمائی کر رہی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں گئی مگر وہاں پیسے نہیں تھے۔ فٹ پاتھ پر اوندھے منہ پڑے اس شرابی کو اس نے زور لگا کر سیدھا کیا تھا۔ نوح کو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی جو لڑکی

اپنی کلائی نہیں چھڑوا پا رہی تھی وہ چند پیسوں کیلئے اس ستر کلو کے آدمی کو رول کر کے وہاں سے ہٹا رہی ہے۔

"لالچی۔" اس کے دماغ میں اس لڑکی کیلئے یکلخت یہ لفظ آیا تھا۔ اسے پیسے مل جانے پر آسودہ دیکھ کر نوح کے چہرے پر کراہت بھرے تاثرات ابھرے، وہ ناپسندیدگی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ انسان ہے نا وہ بھی، جو بہت جلد بہت غلط مقام پر بہت برے طریقے سے کسی کو جج کر کے اچھائی یا برائی کا لیبل لگا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ بات کی گہرائی میں جائے بغیر، حالات و واقعات کا تجزیہ کیے بغیر اپنے دل میں رائے قائم کرنا تو انسان کا وطیرہ ہے۔ وہ بشر ہی کیا جو حشر کے خوف سے خود ساختہ باتیں گھڑنے سے باز آجائے، دوسروں کو اچھا یا برا جاننے سے رک جائے۔ نوح جبران کی نظر میں آج فلک سفیر ایک لالچی لڑکی کے طور پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ لڑکی جسے فقط پیسے سے غرض تھی، صرف پیسے سے۔

میرا نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ رپورٹ اپنے شوہر کے ہاتھ میں تھمائی جسے پڑھ کر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

"یہ کیا تم نے انسانوں والا کام، آئندہ بھی ایسے ہی کرنا کیونکہ مجھے اولاد کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس پہلے ہی بڑی اولاد ہے الحمدللہ۔" ریپورٹ کو بیڈ پر اچھال کر خود پر پرفیوم چھڑکتا اپنی گرل فرینڈ سے ملنے چلا گیا تھا۔ میر انے اس جھوٹی ریپورٹ پر نظر ڈالی پھر نظروں کو بھٹکا کر فرش کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔

"امی بس بہت ہو گیا اب، مجھے نہیں رہنا ہے اس انسان کے پاس، وہ چاہتا ہے میں اپنی اولاد ختم کر دوں ایسا ہو سکتا ہے کیا؟" یہ کل شام کی بات تھی جب اس نے پاکستان فون ملایا تھا ملا کر منہ کی کھائی تھی۔

"میر ا تم کیوں اپنے باپ کی زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہو، تم جانتی ہو نا ایاز کی بدولت ہی اس گھر کا چولہا جلتا ہے۔" انسان کیسا ہے نا جو خالق کو چھوڑ کر نعوذ باللہ اس کی مخلوق کو رزق کا ضامن سمجھتا ہے۔ بے شک سہارے اللہ بناتا ہے مگر اختیار تو پھر بھی ہر صورت اس کے ہاتھ میں ہے نا، تو انسان خسارے میں کیوں چلا جاتا ہے، کیوں خود کو ڈبو دیتا ہے۔

"اور تمہیں اولاد کی پڑی بھی کیا ہے۔ ابھی عمر ہی کیا ہے تمہاری، شوہر کی مانو بس، ان جھنجھٹوں کیلئے پوری زندگی پڑی ہے۔" وہ اس کی ماں تھیں جو اس سے یہ سب کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی ماں نہ ہوتیں کوئی اور ہوتیں تو شاید اسے اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا اب ہوا تھا۔ شاید اس کی تکلیف کم ہوتی

جتنی اب اسے ہو رہی تھی۔ اس نے بنا کچھ کہے فون بند کر دیا تھا کہ اب تو الفاظ بھی اپنے نہیں رہے تھے۔ بے گانے ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کون کون اسے چھوڑ کر جائے گا اور کب تک۔

اس نے پلکیں اٹھا کر ریپورٹ پر ڈالیں۔ "میں تمہاری غمگسار ہوں مگر ایک مشورہ دیتی ہوں، اپنے شوہر کے خلاف ریپورٹ کر دو یقین کرو اس میں تمہارے لیے بہت فائدہ ہے۔" وہ کیسے جونا کو بتاتی کہ اس میں سراسر اس کا نقصان ہی تھا۔ وہ غیر قانونی طریقے سے یہاں شادی کر کے لائی گئی تھی۔ اس کا حقیقی نام تو یہ تھا بھی نہیں جو اب ہے۔ وہ فضیلہ تھی اسے تو یاد بھی نہیں ہے۔ جس کمپنی میں وہ کام کرتی ہے اس کمپنی کا آنر اس کے شوہر کا بہترین دوست ہے۔ وہ انسان بھی ایک نمبر کا کرپٹ ہے۔ رجسٹرڈ کمپنی میں اس نے بہت سارے اسٹاف کے درمیان کچھ ان رجسٹرڈ لوگوں کو گھسایا ہوا ہے۔ جن کی کمائی کا تیس فی صد حصہ وہ ہر ماہ تنخواہ میں سے کاٹ لیتا ہے۔ ان کے نام جو آئی ڈی ہے وہ ان لڑکیوں کی ہے جو زمین میں دفن ہیں لیکن ان کی موت رجسٹرڈ نہیں ہوئی ہے۔ غیر قانونی طریقے سے لانے کے بعد اوورسیز کو اپنا غلام بنانے کیلئے یہ لوگ اس طرح ہی کرتے ہیں۔ انہیں ان کی شکل کے مشابہت لوگوں سے جوڑ دیتے ہیں۔ جعلی آئی ڈی دیتے ہیں جس کا کوئی پراپر ریکارڈ نہیں ہوتا۔ کیونکہ بیرون ملک آپ کا آئی ڈی ہی آپ کی اصل پہچان ہوتا ہے۔ اس کی رسائی ہاسپٹلز، کالجز، یونیورسٹیز، بینکس حتیٰ کہ پولیس تک کے پاس بھی موجود ہوتی ہے۔ بس آئی ڈی نمبر

ڈالا اور ساری ڈیٹیلز سب کے سامنے۔اس لیے ان لوگوں کو جب نئی شناخت دی جاتی ہے تو پہلا سبق یہی پڑھایا جاتا ہے کہ انہوں نے ڈرنا نہیں ہے۔ہر جگہ ہر موڑ پر بے دھڑک جانا ہے۔پولیس سے نہیں گھبرانا،ڈھٹائی سے پھرنا ہے تاکہ آپ کسی کی نگاہوں میں مشکوک نہ بن جائیں،کوئی آپ پر نگاہ نہ رکھ لے۔وہ جانتی تھی اگر اس نے رپورٹ کی تو وہ پکڑی جائے گی یا پھر اسے پکڑوا دیا جائے گا۔خوف تو اتنا پکڑے جانے کا بھی نہیں ہے۔خوف تو اس بات کا ہے کہ پھر اس کے باپ کا علاج کیسے ہو گا؟اس کے گھر ماہانہ رقم کون بھیجے گا؟اگر وہ خلع لے کر واپس چلی بھی جاتی ہے تو تب تبھی اس کے گھر والے اسے رکھنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔غربت ہی اتنی ہے وہ کیسے طلاق یافتہ بیٹی کو رکھیں گے،پھر چھوٹی بہنوں کی پڑھائی بھی درمیان میں رہ جائے گی اور بھائی کا مستقبل بھی،اس نے بے چارگی بھرے انداز میں رپورٹ پر نظر جمائے رکھی تھی۔

"کوئی فرشتہ آئے اور میری مدد کرے یا پھر کوئی معجزہ ہو جائے،ہمارے گھر سے غربت ختم ہو جائے تاکہ میں واپس جا سکوں۔"اس کی آنکھوں کے سامنے سفید کاغذ تھا مگر وہ کلینک کی رپورٹ تھی جبکہ سیرا کے ہاتھ میں جو سفید کاغذ تھا وہ کوئسچن پیپر تھا جسے وہ تین بار پڑھ چکی تھی۔

"مجھے لگتا ہے میں نے نائٹی نائن پرسنٹ پیپر حل کیا ہے،ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔"انرجی ڈرنک کے سپ بھرتے مائیر کو اچھو لگا تھا۔

"کیا بات کر رہی ہو تم، کیا سچ میں ؟"غفران نے سلاد سے بھری پلیٹ اٹھا کر کھانی شروع کی اور ان دونوں کو سننے لگے جو ایک دوجے سے ہم کلام تھے۔

"بالکل ایسا ہی ہے، سو فیصد ایسا ہے۔"اس نے ایک بار پھر سے پیپر پر نظر ثانی کی اور خود کو داد دی کہ وہ واقعی میں ہی نائٹی نائن پرسنٹ پیپر حل کر کے آئی ہے۔مائیر کی تو حیرت کی انتہا نہیں رہی۔

"میرا دل کر رہا ہے میں تمہارا سر دیوار میں دے ماروں یعنی کون نائٹی نائن پرسنٹ پیپر حل کر کے آتا ہے۔یہ میرے اور باقی ایوریج طلباء کے ساتھ زیادتی ہے۔ہم اس پر احتجاج کریں گے۔"چاچو کی ہنسی اس کی بات پر چھوٹ گئی تھی۔احتجاج سے انہیں یک لخت ہی وہ چھوٹی سی پونی والی حسینہ اور اپنا نک چڑھا بھتیجا یاد آیا تھا۔دوسرے صوفے پر براجمان نوح نے پلکوں کی معمولی سی جنبش سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔یاد تو اسے بھی وہ آئی تھی اور کیا ہی کڑوے انداز میں آئی تھی۔

"گریڈی۔"اس کے دل نے پھر سے صدا لگائی۔

"تم اور تمہارے احتجاج، نکمے اس لیے کہتی تھی پڑھ لو مگر نہیں تمہیں تو گیمز کھیلنی تھیں یقیناً پیپرز میں بھی چیٹس ہی لکھ کر آئے ہو گے۔"وہ بہتان سے زیادہ نکمے لفظ پر بلبلایا تھا۔کچن کے کاؤنٹر کے پیچھے سے خود کو نکالا، ہاتھ میں کیفین سے پر کپ تھا۔

"دیکھو لڑکی، یہ میں ہی تھا جو اسکالرشپ کیلئے منتخب ہوا تھا اور وہ تم تھی جس نے پیسے بھر کر ایڈمیشن لیا۔۔"سیر اسفید جھوٹ پر بری طرح گڑبڑائی۔ بیٹھے بیٹھے پوری مڑی اور انگلی نچاتے ہوئے چیخنے والے انداز میں بولی۔

"جھوٹے انسان، قبر کالی کرتے ہوئے ذرا شرم نہیں آرہی تمہیں۔ اتنی ڈھٹائی سے اتنا بڑا جھوٹ، حد ہے۔"غفران نے پلیٹ میں سے آخری نوالہ لیا اور پھر اسے اپنے دائیں جانب رکھ کر گویا ہوئے۔

"ٹام اینڈ جیری کی طرح لڑنا بند کرو تم دونوں، نوح تمہیں ان دونوں کو سمجھانا چاہیے۔"انہوں نے دانستہ اسے درمیان میں گھسیٹا تھا۔ نوح نے سر کو لیپ ٹاپ کی اسکرین سے اٹھا کر ہولے سے شانے اچکائے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، یہ دونوں بالغ ہیں۔ خود سمجھ سکتے ہیں۔"اس نے بھی ہمیشہ کی طرح دامن بچایا۔ غفران نے اپنا پورا رخ اس کی جانب کر لیا تھا۔ مائیر سیر اکے پاس دھپ سے صوفے پر آن بیٹھا۔ اس نے اس افتاد پر کشن اٹھا کر اسے مارا تھا۔

"ہاں مگر تم ان کے بڑے بھائی ہو۔"نوح کے دل میں ٹیس اٹھی۔" کبھی میں نہ ہوں تو وہ تم ہی ہوگے جو انہیں سمجھا رہے ہوگے۔"

"آپ ہمیشہ ہوں گے چاچو۔"اس نے لفظوں پر زور دے کر کہا تھا۔مائیر اور سیرا نے ماحول کی سنجیدگی کو نوٹ کر لیا۔وہ گھونٹ جو مائیر کے حلق میں تھا غفران کی بات سے بامشکل نیچے اترا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ہر چیز کی ایکسپائری ڈیٹ ہوتی ہے۔رشتے بے شک نہیں مرتے لیکن انسان مر جاتے ہیں اور میں تو ویسے بھی بوڑھا ہو رہا ہوں۔کیا معلوم کب وقت آجائے۔"سینے میں اٹھتی ٹیس نے شدت اختیار کی تھی۔اس نے آنکھیں ساکت رکھیں ہمیشہ کی طرح مگر اس کا دل تڑپ اٹھا تھا ہمیشہ کی طرح۔

"موت عمر نہیں دیکھتی چاچو،ہندسوں کا کوئی۔۔"اس نے ایک نظر تینوں پر ڈالی پھر بات مکمل کی۔

"مول نہیں اس کی نظر میں۔"سیرا اس ٹاپک سے روہانسی ہو گئی۔اس کیلئے دونوں ہی ہستیاں عزیز تھیں اور دونوں ہی دل جلانے والی باتیں کر رہے تھے۔

"بس کر دیں آپ لوگ،یہ کیا باتیں چھیڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"وہ رو دینے کو ہو گئی۔نوح نے اس سے نظریں چرائی تھیں۔مائیر نے ماحول میں پھیلی ژولیدگی کو کم کرنے کی سعی کی،وہ کامیاب رہا۔

"اوکے گائیز،میں سوچ رہا ہوں کیوں نا آج ہم چاروں ہینگ آؤٹ کریں۔کسی بار شار میں ڈسکوشسکو میں جائیں۔کیا کہتے ہیں؟"غفران کو بھی اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔وہ نوح کے چہرے

کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر اندازہ کر گئے کہ اب تمام رات اس نے آنکھوں میں کاٹنی ہے اسی لیے ناپسندیدہ جگہ کیلئے انہوں نے رضامندی دے دی۔ اپنی لیپ پر ہاتھ مار کر کھڑے ہوئے۔

"ویل، گریٹ آئیڈیا ہے۔ کیا معلوم وہاں مجھے میری بیٹر ہالف مل جائے۔" سیر اہنستی ہوئی کھڑی ہوئی تھی جا کر چاچو سے لپٹ گئی۔

"پھر تو آپ کو ٹام کروز بن کر جانا چاہیے۔" دونوں ہاتھوں سے ان کے بازوؤں کو تھام کر وہ ان سے کہہ رہی تھی۔ غفران نے آنکھ مار دی۔

"چلو میرے بیٹے، پھر تو آپ ہی مجھے ٹام کروز بناؤ۔ لڑکیوں کو کیا پسند ہوتا ہے یہ لڑکیوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔" نوح نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا وہ جب اپنی جگہ کو چھوڑ رہا تھا تب غفران نے اسے آن لیا۔

"سنو لڑکے، کوئی ایکسکیوز نہیں دو منٹ میں ریڈی ہو کر آؤ ہم نکل رہے ہیں۔" وہ جو بولنے کیلئے منہ کھولنے والا تھا چاچو کے ہاتھ کے اشارے سے رک گیا۔ ناچار اسے بھی ان کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ یہ ایک فیملی بار تھا جہاں وہ لوگ موجود تھے۔ ایک حصہ بزرگوں کیلئے تھا جہاں میوزک بینڈ موجود تھا اور اسٹول پر ایک حسین لڑکی کوئی پرانا گیت گنگنا رہی تھی تو دوسرا حصہ جوانوں کیلئے تھا جہاں ڈانس فلور پر سب اچھلنے میں مگن تھے۔ لڑکیوں نے بالوں میں نیون لائٹس والے ہیئر کیچر لگائے ہوئے

تھے۔ کسی پر بلی بنی تھی، کسی پر دل تو کسی پر نام، سیر اکو مائیر نے دو کانوں والا کیچر لے کر دیا جسے وہ لگا کر دوڑتی ہوئی لڑکیوں میں جا گھسی اور اچھلنے لگی۔

"دو سوفٹ ڈرنک۔" آرڈر دینے کے بعد مائیر بار کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے بہترین دوست پلس بھائی کو دیکھا جو اسٹول پر ساکت بیٹھا تھا۔ اسے دائیں بائیں نہیں جھلا رہا تھا۔

"تم اتنے خاموش کیسے رہ لیتے ہو یار۔" میوزک اتنا تیز تھا کہ کانوں میں آواز نہیں پڑ رہی تھی۔ نوح نے لبوں کو زبردستی کھینچا اور جواب دیا۔

"جیسے تم اتنا بول لیتے ہو۔" وہ حاضر جواب تھا بس اس نے اپنی اس صلاحیت کو کہیں اندر دبا کر رکھا ہوا تھا۔

"حالانکہ میری کمپنی میں تمہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے بچپن کا ساتھ ہے ہمارا مجال ہے جو تم پر اثر ہوا ہو تھوڑا سا بھی۔" وہ حلق پھاڑ کر اپنی بات اس تک پہنچا رہا تھا۔ اتنے میں ڈرنکس انہیں سرو کی گئی تھیں۔ نوح نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"یہی میرا بھی خیال ہے۔" سپ بھرنے کے بعد وہ بھی چلاتے ہوئے ہی بول رہا تھا کہ اس کان پھاڑ میوزک میں کوئی بھی انسان نارمل لہجے میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے مائیر کچھ مزید کہتا یا

نوح مزید کچھ سنتا اسے اپنے عقب میں کچھ احساس سا ہوا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر یونہی دیکھا۔ وہاں عروبہ تھی جو کسی لڑکے سے ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی۔ نوح اسے دیکھتے ہی سیدھا ہوا۔ اس کا چہرہ پتہ نہیں کیسے سرخ ہو گیا۔ کان گرم ہوئے تھے اور دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا۔ مائیر بھی اس لڑکی کو دیکھ چکا تھا۔ اس کی نظروں میں اس کیلئے ناپسندیدگی ابھری قبل اس کے وہ ان دونوں کو نگاہ میں رکھتی یا ان کی طرف آتی مائیر اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکوں کے فلور پر چلا گیا، جانتا تھا نوح بھی اس کے جاتے ہی خود بخود اٹھ جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ ٹھس بیٹھا رہا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ وہاں سے نہیں اٹھے گا۔

"میز نمبر پانچ کیلئے جلدی سے چار سافٹ ڈرنک ریڈی کرو۔" آشنا آواز پر وہ چونکا۔ وہ سامنے ہی موجود تھی۔ سیاہ اسکرٹ جو پنڈلیوں سے قدرے اونچی تھی۔ سفید سوکس اور سفید مردانہ شرٹ پر سیاہ ٹائی، ٹائی جو تھی اس پر نیون لائٹس لگی ہوئی تھی جو پانی کی طرح بہتی آبشار جیسی تھی۔ بالوں کو سپاٹ باندھ کر اس نے چھوٹا سا بن بنایا ہوا تھا۔ اس پر اس نے بھی نیون لائٹس والا کیچر لگایا ہوا تھا۔ جس پر "لا بیلا" یعنی بار کا نام چمک رہا تھا۔ نوح کو یقین نہیں آیا وہ وہاں بھی تھی۔ اسے پیسے کی کتنی ہوس تھی۔ اور کہاں کہاں پائی جائے گی وہ۔

"سنو لڑکی۔" وہ عجلت میں تھی۔ نوح کے عقب میں کھڑی لڑکی کی طرف دیکھنے لگی، دیکھ تو وہ اس محسن کو بھی گئی تھی جس نے گزشتہ رات اس کی مدد کی تھی مگر ابھی وہ ڈیوٹی پر تھی اس لیے اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی بات نہیں وہ کل صبح اس بات کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔

"یس میم۔" وہ گھوم کر عروبہ کے پاس پہنچی۔ نوح ان دونوں کو با آسانی سن سکتا تھا۔ وہ اس کے بالکل پاس جو کھڑے تھے۔

"میرے کپڑوں اور جوتے پر ڈرنک گر گئی ہے کیا تم انہیں صاف کر سکتی ہو۔" ایک تو وہ مشرقی تھی اوپر سے مالدار اوچھاپن تو دیکھاتی نا۔

"میم واش روم اس طرف ہے آپ ادھر۔" عروبہ نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

"کیا میں نے یہ پوچھا؟" وہ سوال کر رہی تھی۔ نوح کے چہرے پر ناگواریت عود کر آئی۔ ڈی جے نے جس وقت ساؤنڈ بدلا تھا اسی لمحے نوح نے اپنے اسٹول کو موڑ دیا۔ اس نے فلک کو ٹشو باکس میں سے ڈھیر سارے ٹشو نکالتے دیکھا تھا۔ عورت کا وہی روپ اس کے سامنے آ رہا تھا۔ لالچی، مگر مختلف انداز میں۔

"اوہ نوح، تم یہاں کیسے ؟"وہ اس کی بیل رینا ہیل صاف کرنے کیلئے جب ٹشو اٹھا رہی تھی تب عروبہ کی نظر نوح پر پڑی جو بڑی فرصت سے باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔بس فرق اتنا تھا کہ اس بار اس کی نظروں میں ساکت پنا نہیں تھا بلکہ کراہت تھی جو دونوں لڑکیوں کیلئے تھی۔

"میں۔"اس نے ایک بار پھر تلخ نگاہ اس لڑکی کی پشت پر انڈیلی جو عرف عام میں نوح کیلئے لالچی تھی۔"فیملی کے ساتھ آیا ہوں اور تم ؟"فلک ٹشو اٹھا چکی تھی۔اسے ان دونوں کی باتوں میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔وہ یہاں کام کیلئے موجود تھی اور اسے جلد از جلد ٹیبل نمبر پانچ کیلئے ڈرنک لے کر جانی تھی۔

"کزنز کے ساتھ آئی تھی یو ویری ویل نو کہ یہاں آئی ڈی کارڈ چیک کیے بنا اندر نہیں آنے دیتے۔" وہ ٹشو لے کر نیچے بیٹھی،نا جانے کیوں نوح کی آنکھوں کے کناروں سے غصہ پھوٹ پڑا تھا قبل اس کے وہ جوتوں کی طرف ہاتھ بڑھاتی ویٹر چلا اٹھا۔

"نمبر تھرٹی ٹو فوراً سے ٹیبل نمبر پانچ کیلئے ڈرنک لے کر جاؤ۔"وہ کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی،ٹشو وہیں کاؤنٹر کے قریب موجود بن میں پھینکا اور ٹرے اٹھا کر رفتار کے ساتھ چلی گئی۔وہ جیسے گئی تھی ویسے ہی نوح کی آنکھوں میں بھی معمولیت آگئی۔

"یہ تو ٹھیک کہا، اور۔۔یعنی اپنا کلینک کھولا ہے یا جاب کر رہی ہو۔"وہ بات کو طول دے رہا تھا کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"ابھی کچھ بھی نہیں، فی الحال فارغ ہوں دنیا کو کھوج رہی ہوں۔نئے سال کے اینڈ میں شاید اپنا کلینک کروں۔تم بتاؤ اسپیشلائزیشن کیسی جا رہی ہے۔ صبح یونیورسٹی نہیں جانا دس بجنے والے ہیں۔" وہ اپنی گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی جبکہ نوح کے ریٹینا پر وہ نقش ہو رہی تھی جو ایک کمرے میں گئی تھی۔

"مڈز شروع ہیں اس لیے کل چھٹی ہے۔"وہ جب اس کمرے میں گئی تھی تب یونیفارم میں تھی۔ جب باہر آئی تو عام سی گھسی ہوئی بیگی جینز اور اس پر رائیل بلیو رنگ کی گھٹنوں تک آتی پرانی سی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ایک اور لڑکی جو اسی کی طرح ویٹرس تھی اسے فلور کی طرف کھینچ رہی تھی مگر وہ ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر انکار کر رہی تھی۔اس کی حرکتوں میں عجلت تھی۔یہ عجلت ہی تھی جو اسے بار سے باہر لے گئی۔

"پھر تو ہم کافی وقت ساتھ گزار سکتے ہیں، کیا نہیں گزار سکتے؟"نوح نے مائیر اور سیرا کو دیکھا وہ دونوں اپنے اپنے فلورز پر مصروف تھے۔چاچو پرانے گیتوں کا لطف لے رہے تھے۔وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"یہ آج ممکن نہیں، مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی ملاقات ہو۔" عروبہ نے دبی مسکان کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی وہ ہمیشہ کی طرح اس سے مرعوب ہو کر بھاگ رہا ہے۔ کتنی خود پسندانہ سوچ تھی نا اس کی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر۔"

وہ اپنی جیکٹ بازو پر ڈالتا بار سے باہر آیا۔ وہ اسے دور سے ہی دوڑتی ہوئی دکھائی دے گئی تھی۔ اس نے اپنی رفتار معمولی رکھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا نہیں جانتا تھا۔ اس تعقب کا مقصد کیا تھا نہیں معلوم مگر وہ ایسا کر رہا تھا۔ سوپ شاپ کا دروازہ کھول کر جب وہ اندر آنا چاہتا تھا تب اس نے دیکھا وہ لڑکی وہاں ان کا ایپرن پہنے کھڑی ہے۔ وہ شیشے کے اس پار سے ہی واپس مڑ گیا تھا۔ فلک سفیر کو پیسوں کی شدید ہوس ہے یہ وہ جان گیا۔

بادل سے ایک تنہا قطرہ ٹپکا، بلندیاں پھلانگ کر وہ زمین پر آیا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ قطرہ جس کے فنا ہونے پر بادل تڑپ اٹھا تھا زار و قطار رونے لگا۔ یہ اسلام آباد کے ڈیفنس میں موجود ایک گھر کا منظر تھا جہاں گہرے بھورے بالوں والی گریس فل سی خاتون آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ ان کے ہاتھ ہولے ہولے سے اپنے ریشم سے بالوں میں پھر رہے تھے۔ بالوں کی نرمی کو وہ

اپنی انگلیوں پر محسوس کر سکتی تھی۔ انہوں نے سفید سلک کا شب خوابی کا لباس پہنا ہوا تھا۔ چہرہ ہر قسم کی پروڈکٹ سے آزاد تھا کہ رات کو وہ اپنی جلد کو سانس لینے کیلئے چھوڑ دیتی تھیں۔ خواہ کتنی ہی اچھی، کتنی ہی مہنگی پروڈکٹ کیوں نہ ہو، رات کو کبھی استعمال نہیں کرتی تھیں۔ وہ ایک ڈاکٹر تھیں بخوبی جلد کی اہمیت و حفاظت سے آگاہ تھیں۔ ان کے چہرے پر جوان اولاد ہونے کے باوجود ایک بھی جھری نہیں تھی کہ وہاں بوٹوکس موجود تھا پلاسٹک سرجری اور لیزر ٹریٹمنٹ بھی۔ ان کا چہرہ فینسی لائیٹ کی روشنی میں ایسے گلو کر رہا تھا جیسے وہاں آئل لگا دیا ہو جبکہ وہاں کچھ بھی موجود نہیں تھا جیسے ان کے دل میں کچھ موجود نہیں تھا۔

"تم اگر باوفا ہوتے تو کیوں میں بے وفا ہوتی۔" انہوں نے تخلیق میں موجود اپنے شوہر سے دل کی زبان میں کہا تھا۔ ان کے چہرے پر کوئی ملال نہیں تھا۔ ان کے ہاتھ میں ویڈنگ رنگ کی جگہ ہیروں سے جڑی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ انہیں اس انگوٹھی کے وہاں ہونے پر کوئی مضائقہ نہیں لگا۔ یہ ان کی مرضی سے ان کی رضا سے وہاں موجود تھی۔

"تم نے مجھے اس وقت دھوکا دیا جب میں تمہاری نسل بڑھا رہی تھی۔ تم نے میرے دل کے درد کو نہیں سمجھا تھا۔ میں بھی نہیں سمجھوں گی۔" وہ حتمیٰ انداز میں گردن کو ہلا رہی تھیں۔ شیطان نے اپنا جال بچھا دیا تھا۔ وہ اس میں پھنس گئیں۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گی جبران نصر للہ بالکل ویسے جیسے تم نے مجھے اس دن روتے ہوئے چھوڑا تھا۔"ان کے سیدھے ہاتھ میں ایک باریک سا بریسلٹ تھا۔یہ جبران نے انہیں منہ دکھائی میں دیا تھا۔باریک ستاروں سے بھرا نازک سا بریسلٹ،جو ان کی جلد کی رنگت میں کہیں کھو سا رہا تھا۔

"میں ہرگز رحم نہیں کروں گی جیسے تم نے نہیں کیا تھا۔"ان کی انگلیاں سلکی بالوں میں پھسل رہی تھی جب رامیہ دروازہ ناک کر کے اندر آئی۔وہ اپنی ماں کی پرتوں تھی۔بالکل ان کی کاربن کاپی جیسے نوح اپنے باپ کی کاپی تھا۔

"ماما،گلیسرین ٹرنیٹا بھی رات کو دینی ہے نا بابا کو۔"اس کے ہاتھ میں دواؤں کی شیشیاں تھیں۔تنزیلہ نے چونک کر اپنی بیٹی کو دیکھا جس کے بال کھلے تھے۔جس کی ناک میں موجود لونگ جگمگا رہی تھی۔

"بالکل،بی پی چیک کیا ان کا؟"وہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔اسی دوران بجلی کڑکی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

"ہاں وہ نارمل ہے،آپ ٹھیک ہیں؟"اس کے اچانک حملے پر وہ گڑبڑا گئیں جھٹ سے رخ شیشے کی طرح کیا اور خود کو کھوجتے ہوئے بولیں۔

"مجھے کیا ہونا ہے،فٹ تو ہوں۔"رامیہ نے دیوار سے ٹیک لگائی اور مسکراہٹ دباتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"فٹ بھی ہیں اور ماشاءاللہ سے خوبصورت بھی بس کھوئی کھوئی لگ رہی ہیں آج۔" تنزیلہ اپنی بیٹی کی تعریف پر تھوڑی بلش ہوئی۔ ان کی گلابی رنگت میں مزید چھلکتی سرخی دیکھ کر رامیہ نہال ہو گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس کچھ سوچ رہی تھی۔" پھر انہیں کچھ یاد آیا تھا۔ واپس اپنی بیٹی کی طرف مڑیں۔ "رامیہ، آپ نے شادی سے انکار کیوں کر دیا یعنی آپ کو اس بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔" رامیہ کی مسکراہٹ یکدم سمٹی۔

"ماما، اگر آپ نوح کے ساتھ میرا موازنہ کریں گی تو یہ میرے لیے بہت انسلٹنگ ہو گا۔ وہ شادی کرے یا جہنم میں جائے ہو کیئرز، اس کی وجہ سے میں کیوں قربانی دوں۔" تنزیلہ نے اسے دونوں شانوں سے تھاما اور سمجھانے والے انداز میں گویا ہوئیں۔

"کیونکہ بیٹا آپ پہلے آتی ہیں۔ آپ کا حق پہلے ہے ہر چیز پر، وہ آپ پر سبقت لے جائے یہ مجھے منظور نہیں ہے۔" وہ اپنی ماں کی معصومیت پر مسکرائی تھی۔ مسکراہٹ میں کوئی حلاوت نہیں تھی۔

"ماما، میں ایک بزنس وومن ہوں۔ مجھے ایسے ٹپکل موازنے یا جنگ کا حصہ نہیں بننا بلکہ اپنا کیریئر بنانا ہے۔ اور اس دوران اگر مجھے میرے ٹائپ کا ملا تو واقعی شادی کیلئے راضی ہو جاؤں گی لیکن ابھی نہیں اور اس طرح تو بالکل بھی نہیں۔" تنزیلہ نے تحمل سے اس کی بات سنی سن کر بولیں۔

"بیٹا آپ کے بابا اس کو جائیداد میں حصہ دار بنا رہے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس کو آدھے شئیر دے رہے ہیں۔" رامیہ کو فرق نہیں پڑا، اسے کبھی بھی نوح سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ بالکل کرتی ہے اور شدید کرتی اس لیے اس نے اسے ہمیشہ اپنے سے پیچھے ہی رکھا ہے اور وہ اس سے پیچھے رہا بھی ہے۔

"جو چیز میری ہے وہ میری ہی رہے گی۔ اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا اس لیے آپ فکر نہ کریں اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ میں یوں ہی بزنس میں نہیں آئی ہوں، بہت کچھ بہت پہلے سے ہی سوچا ہوا ہے میں نے۔" اپنی ماں کا گال تھپتھپا کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ تنزیلہ کو اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی باتوں میں الجھا کر سوچوں کے بھنور میں دھکیل دیا تھا۔ لیکن وہ جبران کو الجھا نہیں سکتی تھی۔ وہ بچے نہیں تھے۔ اس کی ہر ہر حرکات سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے ان کی اس چھوٹی سی بیٹی نے کون کون سی کمپنی کو کس وقت میں اپنے نام پر ٹرانسفر کروایا تھا۔ انہوں نے اگر ڈاکومنٹس پر سائن کیے تھے تو کیوں کیے تھے۔ وہ اس کی حد دیکھنا چاہ رہے تھے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ پاور آف اٹارنی ابھی بھی ان کے پاس ہے جو ان کے مرنے کے بعد آٹو میٹک نوح کو منتقل ہو جائے گی۔ تب ہر چیز کا اختیار نوح کو ہو گا۔ ہر چیز کا مالک وہ ہو گا۔ وہ چاہے گا تو سب کچھ واپس حاصل کر سکے گا لیکن اس سب سے پہلے انہیں نوح کو دنیا کے سامنے لانا ہو گا۔ دنیا کو بتانا ہو گا کہ ان کا ایک بیٹا بھی ہے جو ان کا بازو ہے۔ وہ ایسا کرنا چاہتے تھے مگر

ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دیرینہ دوست کی مدد سے انتہائی خفیہ طریقے سے پاور آف اٹارنی پر کام کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں میرے بعد ساری دولت کا حقدار نوح بنے لیکن یہ بات راز میں رہے کسی کو اس کا علم نہ ہو۔ نوح میرا بیٹا ہے اگر یہ راز فاش ہو گیا تو میں نہیں جانتا کہ کیا ہو گا۔ مجھے بس اپنی ساکھ عزیز ہے اسی کو برقرار رکھنے کیلئے میں چاہتا ہوں حقدار کو اس کا حق بھی مل جائے اور دنیا سے سب مخفی بھی رہے۔"

یہ بات انہوں نے تب اپنے رازدار سے کہی تھی جب نوح بورڈنگ میں تھا۔ انہیں اب کبھی کبھی پشیمان ہو جاتا تھا کہ انہوں نے کیوں ایسا کیا۔ وہ ساری دنیا کو بتا سکتے تھے۔ چھپانا اتنا ضروری بھی نہیں تھا اور نہ ہی اس بات کے عیاں ہو جانے میں کوئی قباحت تھی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب تو وقت سرک چکا تھا۔ ان کا بیٹا ان سے بری طرح خفا و نالاں تھا۔ وہ اسے زندگی کے ہر حالات میں تنہا چھوڑ چکے تھے۔ انہوں نے تو کبھی دو منٹ بھی بیٹھ کر اس سے بات نہیں کی تھی۔ اس کا حال احوال نہیں پوچھا تھا۔ بلکہ وہ جہاں سے گزرتا تھا وہ اپنا راستہ بدل لیتے تھے یا پھر شدید قسم کا نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے تھے۔ وہ پڑھائی میں اچھا ہے یا برا وہ نہیں جانتے تھے۔ وہ کس طرح سے میڈیکل میں گیا اور کب ڈاکٹر بنا انہیں تو یہ تک بھی معلوم نہیں تھا۔ اگر وہ بچپن میں لگے اس کے زخموں کے بارے میں پوچھ لیتے یا اس کا منہ ہر دوسرے دن کیوں نیلا رہنے لگا ہے جان جاتے تو وہ

کبھی بھی ان سے اتنا دور نہ ہوتا۔ انہوں نے اکثر اپنے لیے اس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھے مارتا سمندر دیکھا ہے۔ محبت کی بھوک دیکھی ہے جسے ان کا بھائی ہی مٹانے کی سعی کرتا تھا۔ ان سے لڑتا جھگڑتا تھا۔

"بھائی وہ جیسا بھی ہے آپ کی اولاد ہے۔ آپ کا بیٹا ہے۔ جس طرح آپ رامیہ اور سیرا کو وقت دیتے ہیں اسے بھی دیا کریں۔ اسے بھی اجازت ہو وہ اس گھر میں آکر رہے۔ اسے حق ہے عید یہاں کرنے کا، وہ کب تک ہاسٹلز میں رہے گا۔"

وہ ہر بات سنتے تھے۔ ہر بات سمجھتے تھے مگر انجان بن جاتے تھے۔ ان کی جڑ سے پھوٹا وہ بیج کب بڑا ہو کر تناور درخت بنا انہیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ یہ لمبا قد کاٹھ، گہری بھوری آنکھیں، باوقار چال، کھڑی ہوئی ناک اور مزاج کی سنجیدگی۔ انہیں یاد ہے گرمیوں کی وہ دوپہر جب مین روڈ سنگل پر ان کی گاڑی رکی تھی تو انہوں نے دیکھا روڈ سائیڈ پر کار کی بونٹ کھولے کھڑا تھا وہ، اس کی کار شاید ہیٹ اپ ہو گئی تھی تبھی وہ اس میں پانی ڈال کر کھڑکی والی سائیڈ پر آیا۔ سورج سوا نیزے پر موجود تھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی بوتل کا پانی منہ پر انڈیل رہا تھا۔ جبران نے اس لمحے بڑی محویت سے اپنے چشم و چراغ کو دیکھا تھا جس کی پلکوں پر ٹھہرا پانی اور ماتھے کے بل دور سے ہی دل موہ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کئی اونچی گاڑیوں میں سے گردنیں ان کے سپوت کو جھانک رہی ہیں۔ اس کی سفید شرٹ کی مڑی ہوئی آستینوں میں سے جھانکتے کسرتی بازو کئی کی نگاہوں میں ہیں۔ اس کا اونچا

قدکئیوں کو زیر کر رہا ہے۔اس کے چہرے کی سفیدی میں چھلکتی سرخی کو انہوں نے پہلی بار نوٹ کیا تھا اور تب انہیں اپنے بیٹے کی وجاہت کا پہلی بار ادراک ہوا تھا۔تب انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ کتنے حسین شخص کو نظر انداز کر چکے ہیں۔

"خوبصورتی کو برائی جلدی گھیرتی ہے۔"ان کے دل نے صدا لگائی تھی۔وہ پہلی بار ہی تھا جب انہوں نے اسے کال کی تھی۔

"سگنل پر ہوں جلدی آؤ۔"آرڈر دیا گیا تھا جس پر وہ نگاہیں گھما کر باپ کی کار کو ٹٹول رہا تھا۔انہوں نے شیشہ گرایا۔بھوری سحر زدہ ساکت آنکھوں نے سیاہ آنکھوں کو دیکھا۔وہ ناچار چلتا ہوا آیا۔ جبران نے اس کیلئے کار کا دروازہ کھول دیا۔تپتی دھوپ کو چھوڑ کر وہ ائیر کنڈیشن کار میں آن بیٹھا تھا۔اس کی شرٹ کچھ پسینے سے بھیگی تھی تو کچھ منہ پر گرائے ہوئے پانی سے۔

"کار کو کیا ہوا؟"سگنل کھل گیا تھا۔جبران نے ٹائروں کو آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہیٹ اپ ہو گئی۔"بھاری گھمبیر آواز میں جواب دیا گیا۔جبران نے اس کے چہرے کو ٹٹولا جس پر سنجیدگی بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"اوتھ کب لینا ہے تم نے؟"استہزاء سے سجی معمولی سی مسکان نے اس لڑکے کے چہرے پر جگہ بنائی۔

"لے چکا ہوں۔" جبران شرمندہ ہوئے، گلا کھنکھارا۔

"پھر کیا ارادہ ہے جاب کرو گے یا اپنا ہاسپٹل رن کرنا ہے۔" اس نے نچلہ ہونٹ تر کر کے زبان واپس اندر کی اور کی پھر ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ یہ وہ سوال تھا جس کا وہ جواب دینا نہیں چاہتا تھا اس لیے چپکا بیٹھا رہا۔

"مینرز کہاں گئے؟" ڈپٹتے سوال پر اس نے جن نگاہوں سے جبران کو دیکھا تھا وہ نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گئے۔ ماحول میں پھیلی تشنگی کا احساس انہیں ہو چکا تھا۔ ان کا بیٹا باوقار ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب بھی تھا۔ یہ رعب خود بخود اس کی پرسنالٹی سے پھوٹ رہا تھا۔ جبران نے بھنویں اچکا کر گرائیں۔

"کوئی لڑکی ہے زندگی میں؟" ایک بار پھر سے اسے اچھے سے ٹٹولنے کے بعد انہوں نے غیر متوقع سوال کیا تھا۔ نوح نے نچلہ لب دانتوں میں جکڑ کر پلکیں اٹھا کر باپ کو دیکھا پھر وہ کہا جو کہنا اسے صحیح لگا۔

"مجھے ہاسپٹل جانا ہے۔ آپ کا وقت ضائع ہو گا اس لیے آپ مجھے۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی کیونکہ وہ اس کے ہاسپٹل والی سڑک پر مڑ چکے تھے۔ نوح نے ونڈ اسکرین سے نظر آتے تھریشر کو دیکھا جو اس کے ہسپتال کا پتا بتا رہا تھا۔

"تم نے بات گول کی یعنی تم پر بہت کام ہونا ہے۔ تمہیں کم از کم یہ سیکھنا چاہیے کہ بڑوں کی بات کو نظر انداز۔"

"عروبہ، وہ۔۔۔ مجھے پسند ہے۔" اس نے بات قطع کر کے انفارم کیا۔ وہ مزید تربیت پر کوئی الزام نہیں سن سکتا تھا کیونکہ اس کی تربیت غفران نے کی تھی اور وہ انہیں بہت عزیز تھے۔

"ہمم، یعنی محبت کرتے ہو۔" نوح کی آنکھوں کے کناروں پر مرچیں ابھریں۔

"معلوم نہیں ہے مگر۔" اس نے بات درمیان میں چھوڑ دی تھی۔ اپنے بیٹے کی یہ عادت جبران کو شدید ناگوار گزری۔ اسے اس عادت کو ترک کرنا ہو گا۔

"انسان کو زندگی میں فوکسڈ رہنا چاہیے ہاں یاناں ہو، اگر مگر نہیں۔" ہاسپٹل کے سائن بورڈ کے پاس انہوں نے کار کے بریک لگائے تھے۔ نوح سر کو معمولی سی جنبش دے کر گاڑی سے اتر آیا۔

اس کے اترنے کے بعد جبران نے کسی کو کال ملائی تھی۔

"نوح جس لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے اس کے بارے میں معلوم کرو اور یہ بھی کہ اس کی زندگی میں مزید کوئی لڑکی تو نہیں ہے۔ مجھے اس کی ساری ایکٹویٹیز کی ڈیٹیلز چاہیے۔" یہ پہلی بار تھا جب انہوں نے نوح کی ذات میں دلچسپی لی تھی۔ وہ اس پر عمیق نگاہوں سے غور کر رہے تھے۔ ناک کی سیدھ میں وہ اندر بڑھ رہا تھا۔ آس پاس موجود لوگوں کو وہ ایسے نظر انداز کر رہا تھا جیسے وہ ہوں ہی

نا۔وہ وثوق سے کہہ سکتے تھے کہ اس پورے ہسپتال میں اس وقت ان کے بیٹے سا ہینڈسم کوئی نہیں ہو گا۔

مہمت پچھلے تین دنوں سے اس کی آنکھوں پر کام کر رہا تھا۔اس سال کے سب سے بڑے مقابلے میں وہ حصہ لینا چاہتا تھا مگر یکدم اس کا دل پھر گیا۔فی الحال وہ اپنا سارا فوکس مجسمے پر لگائے ہوئے تھا۔وہ دل و جان سے اس پر محنت کر رہا تھا مگر اس کی آنکھیں اس سے بن نہیں رہی تھیں اور وہ اسے مل نہیں رہی تھی۔

"فلک مجھے تم سے آج ہر صورت ملنا ہے۔آج میں تمہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔"وہ جلدی جلدی بیگ پیک کر کے الٹے سیدھے شوز پہن کر "خوشی" کی طرف بھاگا تھا۔وہ جانتا تھا اب تک فلک وہاں پہنچ چکی ہو گی تبھی اڑتا ہوا وہاں گیا۔وہ واقعی موجود تھی۔میزوں کو صاف کر رہی تھی جب وہ شیشہ دھکیل کر اندر آیا۔

"کہاں غائب ہو لڑکی،نہ فون اور نہ ہی ملاقات۔"وہ اپنا بیگ ایک کرسی پر رکھ کر اس کے قریب آیا۔پنار نے چشمے کے پیچھے موجود آنکھوں سے اسے تکا تھا۔

"ایسا اس لیے ہے کیونکہ یہ لڑکی بہت مصروف ہوتی ہے۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بھنویں اچکا کر کہہ رہی تھی۔ پرنٹڈ ایپرن جس پر خوشی تحریر تھا اور پرنٹڈ ہی تکونی رومال جو اس کے سر پر بندھا تھا۔

"تو کم کرو اپنی مصروفیت کسی دن تو فارغ ہوا کرو تاکہ ہم لوگ تھوڑی دیر بات کر سکیں۔ جس دن میں نے تمہیں میسجز کیے اس دن مجھے تمہارے ساتھ کافی پینی تھی۔ میں نے بہت انتظار کیا تھا تمہارا۔" وہ شکوہ کر رہا تھا۔ فلک نے پھیکی مسکان لبوں پر سجائی۔

"تو کوئی بات نہیں ہم بارہ بجے کے بعد کافی پی لیں گے اس وقت میں دس منٹ کیلئے فارغ ہوتی ہوں۔" مہمت کا پورا فوکس اس کی آنکھوں کی طرف تھا۔ گہری سیاہی مائل سرمئی آنکھیں، سرمئی پن بہت معمولی سا تھا اتنا معمولی کہ سیاہی اس پر غالب آ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں ہلکا سا نیلا پن سورج کی کرنیں پڑنے سے چھلک رہا تھا بالکل ویسے جیسے رات کو کبھی کبھی آسمان ہوتا ہے۔ ہاں رات کے آسمان جیسی ہی تو تھیں اس کی آنکھیں جن میں امنگوں کی جوت تاروں کی مانند ٹمٹما رہی تھی۔ ہلکی نہ زیادہ گہری پلکیں جو بار بار اٹھ کر گر رہی تھیں۔ مہمت اس کی آنکھوں میں موجود سرخ رگوں تک کو نقش کر رہا تھا۔

"اس وقت میں فارغ نہیں ہوتا نا میری کلاس ہوتی ہے۔ ہم ابھی کافی پی لیتے ہیں۔" اس کی آفر ناقابل قبول تھی۔ فلک نے جھٹ سے انکار کر دیا۔

"ہر گز نہیں آدھے گھنٹے تک تو بالکل بھی نہیں، دیکھ رہے ہو نارش لگ رہا ہے۔" کسٹمرز کو آتا دیکھ وہ الرٹ ہوئی تھی۔ مہمت باپ کے پاس گیا۔ فلک نے دیکھا وہ ان سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اسی لمحے سرخ دروازے کے باہر بچھی کرسیوں میں سے ایک پر کوئی آکر بیٹھا تھا۔ اندر سے اس کی پشت نظر آتی تھی۔ گرے رنگ کی پورے بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے وہ لڑکا اپنے ہڈ کو سرخ کرسی کے بازو پر گرا چکا تھا۔ فلک کسٹمر کو دیکھ کر فوراً سے باہر آئی۔

"جی سر، آپ کیا لیں۔" اس کی زبان اٹک گئی کیونکہ وہاں وہ موجود تھا۔ اس نے بہت چونک کر نگاہ اٹھائی تھی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔ وہ اس کے ایپرن اور اس پر بنے شاپ کے لوگوں کو دیکھ کر واپس اسے دیکھنے لگا۔ گردن اٹھا کر آنکھوں میں حیرانی درے وہ اسے تک رہا تھا۔ جہاں تک اس کا خیال تھا وہ پندرہ منٹ قبل ہی ان کے گھر سے کام کر کے گئی تھی اور اب یہاں۔

"ٹرکش قہوہ۔" وہ آرڈر دے رہا تھا اور فلک مسکراتے ہوئے اس کا آرڈر نوٹ کر رہی تھی۔ وہ جلدی سے اندر آئی، کچن میں گئی اور متھ سے گویا ہوئی۔

"متھ بھائی، آج آپ اپنے ہاتھوں کا جادو چلا دیں۔ ایسا قہوہ بنائیں کے تاریخ رقم ہو جائے۔" متھ اس کی پر جوشیت پر مسکرا دیا۔ حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"خیریت کیا پارلیمنٹ کے ممبر میں سے کوئی آرہا ہے۔" فلک نے نوٹ پیڈ میں سے کاغذ پھاڑ کر انہیں دیا پھر سارا واقعہ ان کے گوش گزار دیا۔ ماجرہ سن کر وہ کہہ رہا تھا۔

"ایسی بات ہے تو پھر یہ قہوہ ان کے لیے مفت ہونا چاہیے۔ تم تھینک یو نوٹ لکھو میں ابھی تیار کرتا ہوں۔" فلک کے چہرے پر سفیدی پھیلی۔ وہ ایک کپ قہوے کی قیمت جانتی تھی۔ متھ اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ گیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا، ہم اس میں اجزاء زیادہ اور اچھی کوالٹی کے ڈالیں گے اور پیسے آدھے آدھے کرلیں گے۔" فلک نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ خود کو آمادہ کرچکی تھی۔

"نہیں یہ ضروری نہیں ہے۔ میں سیلری میں سے پیسے کٹوالوں گی۔ انسان کو تھوڑا تو خرچ کرنا ہی چاہیے۔" وہ جانتا تھا وہ خرچ نہیں کرتی ہے۔ خود پر بھی نہیں کرتی، کرتی ہوتی تو عام لڑکیوں کی طرح بنی سنوری نظر آتی یوں معمولی سے حلیے میں نہ پھرتی۔

"وہ تمہارا محسن ہوا تو میرا بھی ہے۔ ہم دونوں آدھے آدھے پیسے بھریں گے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے یہ۔" فلک نے نوٹ پیڈ کے کاغذ پر بڑا بڑا تھینک یو لکھا پھر قہوے کا کپ ٹرے میں رکھ کر بولی۔

"سمجھیں آپ نے کہہ دیا اور میں نے مان لیا مگر یہ میرے مہمان ہیں فکر نہیں کریں ڈیل کرلوں گی۔"ٹرے لے کر وہ باہر آئی تھی جہاں وہ سیل فون میں مصروف تھا۔ سرما کی ٹھٹھراتی ہوائیں چل رہی تھیں مگر اسے کیا فکر تھی۔ برف باری بھی ہو جائے وہ تو تب بھی خود سے یوں ہی بے نیاز بیٹھے گا۔ گرم کپڑے پہننا تو جیسے اس پر فرض ہی نہیں ہے۔ فلک نے گلا کھنکھارتے ہوئے ٹرے میں سے قہوے کا کپ اور پھر پانی کا گلاس میز پر رکھا۔ پانی کے گلاس کے نیچے وہ تھینک یو لکھے کاغذ کو رکھ رہی تھی۔ ایسا ضروری تھا کیونکہ اگر اس رات وہ اس کی مدد نہ کرتا تو یقیناً وہ اپنی تنخواہ کے پورے پیسے گنوا چکی ہوتی۔ نوح نے اپنا فون سفید چینی کے گلدان کے قریب رکھا پھر قہوے کے کپ کو اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکی تھی اس لیے آج کر رہی ہوں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اسے قبول کریں گے۔"مہمت کاؤنٹر کے پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھا پاؤں ہلاتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسٹیل کی ٹھنڈی ٹرے کو پیٹ سے لگائے اس گرے ٹی شرٹ والے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ کہہ کر مسکراتی ہوئی وہ اندر آئی۔ اس کی مسکراہٹ پیشہ ورانہ تھی۔ وہ صبح سے لے کر شام تک یہی تو کرتی تھی۔ اکثر وہ اس سے پوچھ لیتا تھا کہ کیا وہ یوں مصنوعی مسکراتے ہوئے تھکتی نہیں ہے مگر وہ ہر بار اس کے سوال کا جواب مسکراہٹ سے دے کر آگے بڑھ جاتی تھی۔ پورے دس منٹ بعد جب وہ گرے شرٹ والا اٹھ کر وہاں سے گیا تب فلک باہر آئی تھی۔ باہر آتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب

ہو گئی۔ میز پر تھینک یو لکھا نوٹ جوں کا توں پڑا تھا۔ پانی کے گلاس کے قریب بل کے پیسے بھی موجود تھے جو دکھنے میں زیادہ تھے۔

"کیا عجیب مخلوق ہے۔" گہرا سانس بھر کر اس نے اس نوٹ کو اٹھا کر قریب رکھی ڈسٹ بن میں پھینکا اور پیسے لے کر اندر آ گئی۔

"اب وقت ہو گیا ہے۔ اب ہم کافی پی سکتے ہیں بابا نے اجازت دے دی ہے۔" فلک نے جھجھکتے ہوئے پنار کو دیکھا جن کی اثبات میں ہلتی پلکوں کی جنبش نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ وہ مہمت کی آگے کی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کو کافی سرو کی گئی۔

"تمہارے شوق بھی ویسے بہت ہی وقت طلب ہیں مہمت، اگر زیادہ رش ہو گیا۔" مہمت نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"تو سٹاف سنبھال لے گا، تم فضول میں ہر چیز کی فکر نہیں لیا کرو۔" اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ فلک نے بھی اپنا کپ اٹھا لیا تھا۔

"تم بھی انسان ہو، لڑکی ہو۔ وقت نکالا کرو اپنے لیے۔" وہ ہنس دی تھی۔ یہی تو اس کی عادت تھی ہنس کر ٹالنے والی۔

"اب تم کیا چاہ رہے ہو؟"مہمت کی نگاہوں میں اس کی آنکھیں پھر سے آچکی تھیں۔وہ سوال پر جھٹ سے اپنے بیگ سے دو ٹکٹس نکال چکا تھا۔

"فلم،میں تمہارے ساتھ فلم دیکھنے جانا چاہتا ہوں اور پلیز اس بار تم ٹائم نکالو گی۔"وہ لب کھولنے والی تھی کہ جذباتی مہمت روانی میں بولتا چلا گیا جیسے اگر وہ نہیں بولے گا تو اس کی ٹرین چھوٹ جائے گی۔وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"ورنہ تم جانتی ہو میں ناراض ہو جاؤں گا اور میرے خیال سے وہ تمہیں تھی جو مجھے کہتی تھی اپنے لیے وقت نکالا کرو۔خود کو انجوائے کروایا کرو۔خود کو آؤٹنگ پر لے کر جایا کرو اور اب تم ہی بہانے کرنے والے منہ بنا رہی ہو۔حد ہے۔"وہ انگلیوں پر گنوا رہا تھا۔فلک کی آنکھیں ششدر انداز میں پھٹ گئیں۔

"اللہ ھو اکبر،کتنا بولتے ہو تم مہمت۔"اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا تھا پھر ماتھے پر سے ہاتھ ہٹا کر انگلیوں کو باہم پھنسا کر اس نے تھوڑی تلے رکھا۔انگلیوں کی بناوٹ،ناخونوں کی شیپ اور تھوڑی کی چونچ سب ہی آج الگ انداز میں اس کو نظر آرہے تھے۔کیونکہ آج وہ مہمت کی نظر سے نہیں بلکہ ایک آرٹسٹ کی نگاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور میں کب تمہیں انکار کر رہی ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ گھومنے پھرنے کا تو میں کیڑا ہوں بس وقت ہے جو مجھ پر مہربان نہیں ہوتا۔ سرکتا جاتا ہے سرکتا جاتا ہے جیسے وہ آبشار کا پانی ہو۔" بہت سلجھے ہوئے طریقے سے اس نے آمادگی اور وقت کی تنگی اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ ایسے کہ وہ خفا بھی نہیں ہوا اور حل بھی نکل آیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں راتیں جاگتی ہیں اس لیے میں نے رات کی ہی ٹکٹ لی ہے۔ ہم ڈیڑھ بجے والے شو پر جائیں گے۔ بس یہ ڈن ہو گیا۔ اب اور کوئی بہانہ نہیں سنوں گا میں۔" وہ مہمت کے چہرے پر پھیلتی خوشی کے سبب خاموش رہی کیونکہ وہ اس کا سب سے بڑا محسن تھا۔ وہ انکار کر کے اس کی دل آزاری نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے ناچار اسے ماننے ہی بنی۔

کراچی کے ٹھنڈے میٹھے موسم میں بان کی چارپائی پر پتلا سا کھیس ڈالے بیٹھی فرخندہ سیخ پا ہو رہی تھیں۔ سر پر دوپٹہ کس کر بندھا تھا اور ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی تو سرخ خون جیسی ہو رہی تھیں۔ سادہ لوح اویس نے ماں کو یوں آگ بگولہ دیکھا تو بائیک کا ہینڈل گرا کر ان کے پاس چلا آیا۔

"کیا ہوا اماں، تیور ٹھیک نہیں لگ رہے کچھ۔" وہ چارپائی کی پینتی پر ٹک گیا۔ فرخندہ بیچ و بیچ بیٹھی پیچ و تاب کھا کر بولی۔

"ٹھیک کیسے ہو گا کچھ وہ تمہاری خالہ ہے نا، وہی ساتھ والی۔" وہ ہاتھ نچا نچا کر بول رہی تھیں۔ "اس کا بیٹا فلک کے پیچھے مرا جا رہا ہے کہتا ہے زہر کھا لے گا اگر فلک سے شادی نہیں کروائی، نا میں پوچھتی ہوں۔" انہوں نے سر پر موجود دوپٹے کو مزید کسا۔

"جب وہ یہاں تھی تو سب کو آنکھ میں پڑا کنکر لگتی تھی اب یکدم ہی وہ کنکر تارا بن گیا کیوں، کیونکہ میاں اس کے پاس اب انٹرنیشنل نوکری ہے۔ وہیں رہتی ہے اور مزید کئی سال رہے گی۔ سب کی نظروں میں تو آئے گی ہی نا۔" دوپٹہ کسنے کے بعد وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگیں۔ اویس نے گہرا سانس بھرا۔

"اماں، تنویر برا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے سرکاری نوکری نہیں ہے اس کے پاس لیکن پھر بھی اچھا خاصا کما لیتا ہے۔ آپ اس کا اور فلک کا رشتہ کر دیں کوئی قباحت نہیں ہے۔" اس کی تجویز نے فرخندہ کو مزید سیخ پا کر دیا تنک کر بولیں۔

"رشتہ کرتی ہے میری جوتی، ارے پہلے میری مینہ کی شادی ہو گی پھر اس کا کچھ سوچوں گی اس سے پہلے کسی نے بھی اس بارے میں سوچا تو اس کی زبان کھینچ لوں گی۔" اویس کو ماں کی بات ناگوار گزری جس کا اظہار اس نے لفظوں سے کر بھی دیا۔

"اماں مینہ کا رشتہ تو ان کی معذوری کی وجہ سے ٹل رہا ہے۔ آپ اس کی سزا فلک کو تو نہ دیں۔ وہ تو بہت اچھی ہے۔" فرخندہ نے نیچے جھک کر چپل اٹھائی اور آنکھیں نکالتے ہوئے بولیں۔

"چلا جا میں نے کہا جا یہاں سے ورنہ میں عمر کا لحاظ بھول جاؤں گی، جا۔" اویس اپنا سا منہ لے کر وہاں سے چلا گیا۔

مالٹے کے درخت کے سائے تلے بیٹھی عورت پکی اجڈ تھی۔ اسے بولنے، اوڑھنے کا سلیقہ ہر گز نہیں تھا۔ صغیر کے چچا کی بیٹی تھی اور عمر میں ان سے تین سال بڑی تھی۔ باپ نے بھائی کی محبت میں آکر اس کو صغیر کے ساتھ بیاہ دیا۔ جبکہ سفیر نے شہر کی پڑھی لکھی سلیقہ شعار لڑکی کو اپنے لیے چنا اور فرخندہ کی بہن رخشندہ کیلئے صاف انکار کر دیا۔ وہ دن تھا اور آج کا دن، فرخندہ اب بھی سفیر کے نام سے چڑتی تھی۔ یہ چڑ بھی بہن کے آنسوؤں کی بدولت ہی پیدا ہوئی تھی۔

"بجو، کیا میں اتنی بری، کالی اور پھنی تھی جو وہ اس چڑیل کو مجھ پر فوقیت دے گیا۔ میں نے تو بچپن سے لے کر جوانی تک صرف اسی کے نام کو جپا ہے۔ میں کیسے اسے بھول جاؤں ہائے اب میں کیا

کروں گی کہاں جاؤں گی۔ کون مجھے بیاہے گا کیسے میں اپنے دل کے دروازے کسی اور کیلئے وا کروں گی۔"اس کی چھوٹی بہن نے رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا تھا۔ بہن کے آنسوں ان کے دل میں نفرت کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ وقت گزرا تو نظیر کو احساس ہوا کہ بھائی کی محبت میں آکر وہ صغیر کے ساتھ ظلم کر بیٹھے ہیں۔ بات بات پر لڑنے والی، طعنوں تشنوں سے بات کرنے والی اس بد تمیز و بد دماغ عورت نے ان کے بیٹے کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ وہ کسی کنارے نہیں رہا تھا۔ اوپر تلے دو بیٹوں نے تو ان کے دماغ کو مزید آسمان پر چڑھا دیا۔

"لو دیکھو سفیر کی وو ہٹی کی ابھی تک اولاد نہیں ہوئی اور اللہ نے مجھے دو دو بیٹوں سے نواز دیا پھر بھی آپ کو میری قدر نہیں ہے۔ میں بتا رہی ہوں صغیر چڑیا گھر میں نہیں رہ سکتی میں، مکان کا بٹوارہ کریں یا پھر تایا ابو سے کہیں اپنا اور اپنی بیگم کا بوریا بستر سمیٹ کر اپنے لاڈلے کے پاس چلے جائیں۔ بس اب بہت ہو گیا، مزید گزارا میرا مشکل ہے۔"

مگر صغیر نہیں مانے تھے۔ وقت گزرا تھا اور جیسے تیسے کر کے اس عورت کا منہ بھی بند ہو گیا تھا۔ وجہ سفیر کے ہاں دو جڑواں بیٹوں کی ولادت تھی اور ان کے ہاں ایک صحت مند بیٹی ہونے کے دو سال بعد ایک معذور بیٹی کی پیدائش تھی جس کا بازو تو تھا مگر ہاتھ کی دو انگلیاں نہیں تھیں اوپر سے اسی ہاتھ پر پولیو کا حملہ۔ فرخندہ نے بچی کی پیدائش پر رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں کالا جادو کروایا ہے۔ میری ہائے لگے گی تم سب کو، کالے علم والو سکھی تم بھی نہیں رہو گے۔" وہ دلجمعی سے رو رہی تھی۔ اپنی عقل، سوچ کی وسعت اور علم کی کمی کی بدولت جو منہ میں آرہا تھا بولے جارہی تھیں۔ وقت سرک رہا تھا اس سرکتے وقت نے نظیر اور پھر ان کی شریک حیات کو خود کے ساتھ بہالیا۔ سفیر اپنی اہلیہ کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی زندگی پر دو حاسدین کی نگاہیں تھی۔ حسد کی نگاہ پیچھا نہیں چھوڑتی انسان قبر میں بھی چلا جائے تب بھی لگ جاتی ہے انہیں بھی لگ گئی۔ اللہ نے انہیں بھی بیٹی سے نوازا تھا۔ جو ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھی جبکہ دونوں بھائیوں کو اچھی تربیت ہونے کے باوجود کھٹکتی تھی کیونکہ اس کی آمد تب ہوئی تھی جب وہ کالج میں تھے اور اپنی اپنی منگیتروں کے ساتھ شادی پلان کر رہے تھے۔ تب وہ نمونہ آسمان سے اتری تھی۔ ان کی منگیتروں اور ان کے گھر والوں میں خوب یہ بات اچھلی تھی۔ فلک کے بھائیوں کیلئے یہ جگ ہنسائی ناقابل قبول تھی مگر کیا ہو سکتا تھا۔ پانی تو سر سے بہہ چکا تھا اس لیے انہوں نے صبر کا گھونٹ بھر لیا مگر تب نہیں بھرا جب ایک رات ماں باپ گیس سلنڈر پھٹنے کی وجہ سے دار فانی سے کوچ کر گئے اور نانی کے گھر گئی سات سالہ بچی واپس لوٹ آئی۔

"میری اپنی فیملی ہے۔ بچے ہیں، خرچے ہیں اوپر سے ہمارے باپ نے ہمارے لیے کوئی جائیداد بھی نہیں چھوڑی جسے بیچ کر اس کا خرچہ اٹھائیں اس لیے ہماری طرف سے معذرت، ہم اسے نہیں رکھ سکتے۔ آپ لوگ چاہیں تو دارالامان بھجوا دیں۔"

ایک بھائی تو کب کا گھر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ تین سالوں میں اس کی کچھ خبر نہیں تھی۔ دوسرے نے صاف رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اسے یتیم خانے بھیجنا چاہتے تھے۔ بھلا صغیر کے ہوتے ہوئے ایسا ہو سکتا تھا۔

ایسا بالکل نہیں ہوا تھا۔ صغیر اس بچی کو گود میں اٹھائے اپنے گھر کی دہلیز پر لے آئے تھے۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر تو فرخندہ کے دل پر چھریاں چل گئیں تھی۔ انہوں نے بہت واویلا کیا تھا مگر اس بار تعبید ار شوہر ہٹ دھرم بن گیا۔ کوئی دم درود کوئی وظیفہ کام نہیں کیا تھا ان پر، وہ کالے جادو اور اس کی سزا سے واقف تھیں اور یوں بھی صوم و صلوۃ کی وہ پکی پابند تھیں کہ دین کو بنا سمجھے جانے، نابینوں کے طرح انہوں نے اپنے بڑے بزرگوں کا دامن تھاما تھا جن میں ان کیلئے غیر اللہ کے نام پر تقسیم ہوا کھانا حرام تھا اور نہ ہی قرآن کے ایک آیت پڑھ کر رکنا، کسی کی بات کا جواب دینا اور پھر پڑھنا شروع کر دینا۔ قرآن پڑھتے ہوئے وہ بار بار بولتی تھیں۔ ستر فیصد لوگ ایسا کرتے ہیں جو کہ انتہائی غلط فعل ہیں۔ جب ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم اللہ سے ہم کلام ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس سے بات کر رہے ہوتے ہیں التجا کر رہے ہوتے ہیں جبکہ قرآن، وہ تو بذات خود کلام باری تعالیٰ ہے۔ اس میں اللہ ہم سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ ہمیں پکار رہا ہوتا ہے۔ "اے لوگو، اے میرے بندوں، اے ہدایت پانے والوں۔" تو پھر کیسے، کس طرح اور کیوں ہم اس کی بات کو درمیان میں توڑ کر فضول گوئی کرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب نماز میں بولنا جائز نہیں ہے جس میں ہم اللہ سے

مخاطب ہو رہے ہوتے ہیں تو قرآن کے درمیان بولنا بھی جائز نہیں ہونا چاہیے۔ جس میں اللہ ہم سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ یہ بات فرخندہ کو نہیں پتہ تھی ہاں انہیں یہ ضرور معلوم تھا کہ کالا جادو گناہ کبیرہ ہے اس لیے انہوں نے اپنے دل کے کاٹنے پر بھی علم نہیں کروایا تھا اور خون کے گھونٹ بھر کر اس بچی کو گھر پر رکھ لیا تھا۔ اب وہی بچی ان کے حلق کا کانٹا بن رہی تھی۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہر گز نہیں، تنویر کی دلہن میری مینہ ہی بنے گی۔ اس بار میں تاریخ کو خود کو دوہرانے نہیں دوں گی۔ اس بار اس ڈائن کی بیٹی میری لخت جگر کا حق نہیں کھائے گی۔ نہیں میری بیٹی بجو کی طرح بال سفید کر کے گھر کی دہلیز پر نہیں مرے گی۔ ایسا ہر گز نہیں ہو گا، بالکل بھی نہیں۔"

بان کی چارپائی پر بیٹھیں وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھیں۔ اس بات سے بے خبر کہ اس بار قسمت کوئی الگ ہی کھیل کھیلنے والی ہے۔ بالکل مختلف کھیل۔

نم سی رات میں وہ مرر کیبن میں بیٹھا کافی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ وہ کمرہ فقط دو سفید رنگ کے کاؤچز پر مشتمل تھا جن کے سامنے ایک میز دھری تھی۔ اس میز پر چینی کا سفید گلدان تھا جن میں پمپز سجے ہوئے تھے۔ وہ بھی سفید رنگ کے ہی تھے۔ روئی کے گالوں جیسا سفید رگ پاؤں میں بچھا تھا

اور فینسی لائٹس نے اس کمرے کو دودھیا روشنی میں نہلایا ہوا تھا۔ سفید بھاری پردے کمرے کے ہر کونے میں ایک دوجے کے ساتھ چپکے کھڑے تھے۔ نمی نے شیشوں کو دھندلا دیا تھا۔ وہ گھٹنوں تک اون سے بنی چادر کو چڑھائے پاؤں پسارے نیم دراز تھا۔ نگاہیں نم آلود شیشے پر تھیں اور سوچ کی طنابیں کہیں اور۔

"میں چاہتا ہوں ہم ہر ویک اینڈ بات کیا کریں اور یہ سلسلہ ویڈیو کال پر مشتمل ہوا کرے۔" اس نے چکور کپ میں سے سیاہ مائع کو حلق میں انڈیلا، شیشے کی نمی آنکھوں میں اور لفظوں کی کڑواہٹ سینے میں اترنا شروع ہوئی تھی۔

"میں یہاں مصروف۔" اس کی بات قطع کر دی گئی بالکل ویسے جیسے اس کی ذات کو اپنی اپنی زندگیوں سے قطع کیا گیا تھا کبھی۔

"کوئی عذر نہیں، بس۔۔۔ اب فیصلہ ہو گیا۔" اس نے کپ خالی کر کے جھک کر میز پر رکھا۔ یہ جگہ اس کی جائے پناہ تھی۔ اسے یہاں آ کر سکون ملتا تھا مگر آج، آج اسے گھٹن ہو رہی تھی۔ اس کمرے سے، اس گھر سے، اسے سانس کی تنگی کا احساس ہو رہا تھا۔

"ہاں ایک اور بات ایشل جلد ہی آ رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ وقت بتاؤ اور انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ کرو۔" اس نے تیزی سے گھٹنوں پر سے اون کے بوجھ کو ہٹایا، میز پر سے فون کو اٹھایا اور کاؤچ کے ہتھے پر سے جیکٹ کو۔

"وہ میرے بہت اچھے پارٹنر کی بیٹی ہے۔ بزنس کرتی ہے۔ بہت کامیاب ہے۔ مجھے بہت عزیز ہے۔" کار کی چابی لے کر وہ مین دروازے سے باہر نکلا۔ غفران نے اسے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"تمہیں اسے سنجیدہ لینا چاہیے۔ مجھے لگتا ہے وہ تمہیں سمجھ پائے گی۔" ریش ڈرائیونگ کے بعد اس نے کار کو ایک سنسان سی جگہ پر روکا تھا۔ کار سے اتر کر وہ اس کی بونٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل تنگ ہو رہا تھا بے حد تنگ، اس نے بے ساختہ ہاتھ اپنی گردن کی پشت پر پھیرا۔

"آپ، جب آپ مجھے سمجھ نہیں پائے جس کی میں اولاد تھا تو وہ۔" اس کی نگاہیں بھٹک کر اس اونچی بلڈنگ پر گئیں۔ اس نے ٹیک چھوڑ دی۔ "وہ کیسے سمجھے گی اور کیوں؟" اس کا احتجاج گونج رہا تھا۔ نوح کے قدم بلڈنگ کی اور اٹھے۔

"تم مجھ سے بحث مت کیا کرو نوح، جان لو جو میں کہوں گا وہی ہو گا اور وہ تمہارے لیے بہتر بھی ہو گا۔" لفظوں کے گرد باد میں گھرا وہ اس بلڈنگ کی چھت پر آیا۔ رات گہری تھی مگر دنیا روشن ایسے جیسے گیلیکسی نے زمین پر جگہ بنالی ہو۔ وہ چلتا ہوا منڈیر کے قریب آ گیا۔

"میرے لیے بہتر کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ آپ بھی نہیں۔" وہ نہیں جانتا تھا وہ کس رو میں بہہ کر بد کلام ہو گیا۔ اسے بس اتنا معلوم تھا اس کی شہ رگ چھیڑی گئی تھی۔ درد تبھی غضب ناک تھا۔

"نوح۔" وہ دھاڑے تھے۔ اس نے ہاتھ منڈیر پر جمائے۔ "حد کی دہلیز مت پار کرو، مجھے یہ سوچنے پر مجبور مت کرو کہ جو میں تمہارے ساتھ کر چکا ہوں تم اس کے ہی حقدار تھے۔" اس نے اپنا وزن ہاتھوں پر ڈالا تھا۔ زمین پر اتری ملکی وے بانہیں کھول کر اس شخص کا ویلکم کرنے لگی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے، خنکی اور جسم کو چھوتی کپکپی، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں واقعی اس سب کا حقدار تھا۔"

"خون کا اثر آخر آئے گا ہی نا تم میں۔" آنکھوں کے کنارے بھیگ چلے۔ بند آنکھوں سے بھی زیادہ تاریک یہ زندگی ہو چلی تھی۔

مہمت ہاتھ میں دو ٹکٹس تھامے وعدے کی پاسداری کے تحت اس کے سامنے کھڑا تھا ناچار کام ختم کر کے فلک کو اس کے ساتھ جانا پڑا۔ وہ ایک بہت بڑا سینما ہال تھا جس میں اس وقت "رن" اور "الون" کے شو لگے ہوئے تھے۔ مہمت کو "رن" دیکھنی تھی اس لیے وہ ہاتھ میں دو پاپ کارن کے بڑے پیک لے کر مووی دیکھنے کیلئے تیار تھا۔ ایک بار ان دونوں نے مل کر بیٹ مین بھی دیکھی تھی

تب بھی ہوسٹ مہمت ہی تھا اور آج بھی وہی تھا۔ وہ اس کے برابر بیٹھی تھی۔ مووی کب کی شروع ہو چکی تھی جبکہ وہ جوڑ توڑ میں مصروف تھی۔ مہمت کے سوالوں کے جواب ہوں ہاں میں دینے کے دو منٹ بعد ہی مووی کی بریک ہو گئی۔

"میں بس ابھی آرہی ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ تھکن سے چور وہ لڑکی اسے جانے کیوں بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے اپنے اور اس کے پاپ کارن کی جگہ بدل لی۔

"زندگی میں یونہی ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ بہت کچھ بدلنا ہے۔"

فلک سینما ہال سے باہر آئی۔ اس کے سر میں شور کی سبب ٹیسیں اٹھنی لگی تھیں۔ ایک تو نیند کی کمی اوپر سے کام کی تھکن۔ اس نے کنپٹی کو ہتھیلی سے دبانا شروع کیا۔

"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی تھکن ہو گئی ہے۔" سینما ہال کے دائیں طرف اندھیرے میں ڈوبی ایک تعمیراتی بلڈنگ تھی۔ جس کے تمام فلور تعمیر ہو چکے تھے مگر ان پر پلستر ہونا باقی تھا۔ وہ ہال سے تھوڑی دور اس بلڈنگ کے سائے میں آکر کھڑی ہوئی جہاں تازہ ہوا اور سکون ڈیرہ جمائے ہوئے تھا۔

"کیا معلوم یہ پر سکون جگہ کس چیز میں بدلے۔" اس نے یونہی سر اٹھا کر بلڈنگ کی لمبائی کو ماپا مگر اگلے ہی لمحے اسے زور کا جھٹکا لگا تھا۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"افف یاخدا، کیاوہ کوئی بلا ہے یا کوئی جن، یہ میں نے کیا دیکھ لیا، اعوذ باللہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے تیز قدموں کے ساتھ اس جگہ کو چھوڑ رہی تھی۔ سارا سکون گرم سے ڈر میں جھلس کر رہ گیا۔ وہ ہاتھوں کی مٹھی بنائے سر جھکائے لمبے ڈگ بھرتی جا رہی تھی جب نگاہوں سے جانی پہچانی چیز گزری۔ اس نے بریک لگائی۔ گردن کو ہولے سے جنبش دی کہ کہیں پھر کوئی الٹی سیدھی چیز نہ دیکھ لے مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ سلور کار تھی جس کو اس کے ہاتھ روز صاف کرتے تھے۔

"یہ نوح کی کار ہے۔ اسے صاف کرتے ہوئے تم نے احتیاط برتنی ہے۔" سیر اکے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔ اس نے ماتھے پر بل لاتے ہوئے اس کار کا جائزہ لیا۔

"بالکل، یہ حقیقی ہے اور اس میوٹ موبائل کی ہی ہے۔" کار کی یخ بستہ باڈی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے دماغ نے کام کیا تھا تبھی اس نے واپس ٹھٹھکتے ہوئے گردن کو بلندی پر ڈالا اور موبائل کی لائیٹ آن کر کے دیکھنے کی سعی کی مگر ندارد۔

"ہونا ہو یہ وہی ہو گا، کہیں پھر سے خود کشی کا دورہ تو نہیں پڑ گیا۔" ٹارچ لائیٹ آن کیے وہ اس خاموش بلڈنگ کے اندر دوڑی تھی۔ یا تو اس نے آج آر ہونا تھا یا پھر پار، ہر چیز کی پرواہ کیے بغیر سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے وہ پھولے سانس کے ساتھ چھت پر آئی جہاں وہ منڈیر پر چڑھا کھڑا تھا۔ فلک نے ڈولتی سانسوں کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟" وہ جو صدموں سے چور تھا۔ دل سے مجبور تھا۔ نصیب کا بور تھا۔ نسوانی آواز پر یکدم سوچوں کے گرداب سے باہر آیا تھا۔ اس نے دیکھا اس کے پاؤں اینٹوں پر جمے ہیں اور نیچے بہت زیادہ گہرائی ہے۔

"دیکھو اگر تم انسان نہیں ہو نا تو چپ چاپ غائب ہو جانا میں جیسے بنا دیکھے دوڑتی ہوئی اوپر آئی ہوں بالکل اسی طرح واپس بھی چلی جاؤں گی مگر تم مجھے اپنی اصل صورت مت دکھانا پلیز۔" وہ جو اداس تھا۔ وہ جو بے حد اداس تھا۔ جس کا دل دکھا ہوا تھا۔ جس کی آنکھوں میں فقط اندھیرا تھا روشنی کی کوئی جوت بالکل بھی نہیں تھی۔ سامنے کھڑی لڑکی کی بے تکی بات سن کر، اس کے نکلتے دانت دیکھ کر سیخ پا ہو گیا۔

"اور اگر تم ہو تو میں کہنا چاہوں گی کہ آخر اس خودکشی میں رکھا کیا ہے جس کا تمہیں کریز ہے۔ میں بھولی نہیں ہوں تم نے کہا تھا تم ارادتاً اس کا ارتکاب کرتے ہو۔" وہ چلتی ہوئی منڈیر تک آئی۔ اس کے پاؤں سے تھوڑے فاصلے پر دونوں ہاتھ جما کر نیچے جھانکا، ہوا سے چڑھتی جھرجھری کم تھی، گہرائی کو دیکھ کر وہ زیادہ کپکپائی تھی۔

"افف لاحول ولا قوۃ اگر تم یہاں سے گرے نا تو ہڈیوں کا چورا بھی نہیں بچنا، مجھے لگتا ہے مجھے تمہارے سائکاٹرسٹ کو اس بارے میں آگاہ کرنا چاہیے۔" یہ آخری کیل تھی جو وہ ٹھونک گئی

تھی۔نوح نے پاؤں کو موڑا فلک کا دل بری طرح دھڑکا تھا اسے لگا وہ کودنے والا ہے اس کے برعکس وہ مڑ کر واپس چھت پر آگیا تھا۔اس کے مقابل کھڑا ہو کر وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ دریافت کرنے لگا۔

"کیا بتاؤ گی تم ہاں؟"دبی غراتی آواز،ستا ہوا چہرہ،ویران،تنہا آنکھیں،فلک کی سیٹی گم ہو گئی۔

"بولو جواب دو مجھے۔"وہ قدم قدم پیچھے ہو رہی تھی وہ چلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

"اور تم ہوتی کون ہو میرے معاملات میں پڑنے والی،اختیار کس نے دیا۔تمہیں لگتا ہے تمہاری ان گیدڑ بھبکیوں سے میں ڈر جاؤں گا۔"وہ نہیں جانتی تھی اس لڑکے کو اتنا طیش کس بات پر آیا ہے۔ وہ تو بس دانتوں کو سختی سے ایک دوجے پر جمائے پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔اس کا دل پسلیوں کو توڑنے ہی والا تھا۔

"میں کسی کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا،میری زندگی میں کسی کے بھی جملوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مجھے کوئی نہیں چاہیے میں تنہا ہی پرسکون ہوں سمجھی تم۔"وہ دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔وہ انسان جو خوبرو تھا۔کم گو تھا۔آج بری طرح دھاڑ رہا تھا۔وہ جانتی تھی اس کے حلق میں خراشیں پڑ گئی ہوں گی مگر اس کی وجہ کیا چیز ہے۔جس کے سبب وہ ایسا ہے۔آخر کیا۔

"اور اگر آئندہ میں نے تمہیں اپنے آس پاس دیکھا۔" اس نے اپنی میچی ہوئی آنکھیں کھولیں۔ وہ انسان اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ اس کی آنکھوں کا حزن اتنا گہرا تھا کہ وہ چونک گئی، بری طرح چونک گئی یہاں تک کہ اس کے لفظوں کو بھی نہیں سمجھ پائی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا نہیں۔

"تو بخدا جان سے مار دوں گا تمہیں۔" کیا کسی کے چہرے پر اتنا کرب ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کی آنکھوں میں اس قدر تاریکی چھا سکتی ہے۔ اس کے دل نے رفتار پکڑی۔ یہ والی رفتار جو تھی وہ بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اسے اپنے الفاظ سنائی دیے وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"کیا غم ہے تمہیں؟" نوح کا خون یکدم خشک ہوا۔ وہ ایسے پیچھے ہٹا تھا جیسے اس نے کرنٹ کی تار کو چھو لیا ہو۔

"کس چیز کا ملال ہے؟" اس کے وار بے دھڑک تھے۔ وہ سمجھ نہیں پایا، وہ جان نہیں پایا۔

"ان کی آنکھوں میں کس کے سبب اتنی ویرانی ہے۔ کون چاہیے انہیں۔" اس کے ماتھے کی شریان پھڑک اٹھی۔ وہ اسے کیا کہہ رہا تھا اور آگے سے سننے کو اسے کیا مل رہا تھا۔

"میں نے کہا بکواس بند کرو۔" وہ دبی آواز میں چلایا۔

"نوح جبران، محبت کا اسیر؟" اس کے سوال نے نوح کی گردن کو بری طرح سے دبوچا تھا۔ ایسے کہ اسے معلوم ہوا اس کا سانس رکنے والا ہے۔ وہ گھبرا گیا۔ گھبرا کر ہی اس نے اپنا رستہ موڑ لیا۔ بنا

جواب دیے وہ سیڑھیوں کی طرف لپکا تھا۔راہ فرار اس کیلئے ہمیشہ سے بہترین آپشن رہا تھا مگر کیا اس سے فرار ممکن تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا دل بہت جلد قید ہونے والا ہے مگر وہ یہ ضرور جان گیا تھا کہ وہ لڑکی اس کے بھید سے آشنا ہو گئی ہے۔اس چیز نے اسے بے چین کر دیا،بہت زیادہ بے چین و بے کل۔

فلک بھی اس کے پیچھے ہی نیچے آئی تھی۔وہ اپنی کار کے پاس آ کر تھما تھا اور فلک اس کے پاس آ کر۔

"تمہیں کسی اور بات پر غصہ ہے مگر تم یوں خود کو نقصان پہنچا کر کس طرح بھلا اس غصہ کا اثر زائل کر سکو گے۔زندگی میں سب سے آسان چیز خود کو نقصان پہنچانا ہے اور وہ تم کر رہے ہو۔"اس نے دل میں اٹھتے آتش فشاں کو دبایا۔رخ اس کی جانب موڑا پھر شہادت کی انگلی کھڑی کی۔

"لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں۔اس کے بعد انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔مجھ سے۔۔۔۔دور رہو۔"وہ اسے وارن کر رہا تھا۔شدت سے کر رہا تھا۔فلک کے کھلتے لبوں پر اس کے درشت لفظوں نے چپ کی ٹیپ چڑھائی۔"ورنہ اس بار کمپلینٹ واپس نہیں ہو گی،یو گاٹ دیٹ۔"

"فلک کہاں چلی گئی تھی تم،مووی بس ختم ہی ہونے والی ہے چلو۔"مہمت اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں آیا تھا۔نوح نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس لڑکی پر ڈالنے کے بعد مہمت کو دیکھا پھر کار میں بیٹھ کر اسے زن سے اڑا کر لے گیا۔فلک مڑتے ہوئے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

"کون تھا یہ؟"وہ ٹھنڈ میں کھڑی پر سوچ سی مڑی، الجھی سی نظریں اس ترکی لڑکے پر ڈالیں اور پھر سر کو ہولے سے نفی میں جنبش دے دی۔ مہمت مطمئن ہو گیا۔ وہ جانتا تھا فلک کی فطرت کو، اس کو معلوم تھا وہ لڑکی کتنی زیادہ محتاط ہے۔ اس کا یہ محتاط پنا، یہ بے نیازی ہی تو تھی جس نے اس کے دل کو گھیر لیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ زندگی میں ہمیشہ اس کے پیچھے ہی رہنا چاہتا تھا تاکہ اس کے قدموں کے نشانوں پر قدم رکھ کر اس تک پہنچ سکے۔ یہ اس کی خواہش تھی ایک بے ضرر سی خواہش۔

"تمہارے بھتیجے کی رپورٹ۔"

سرد سے، سانسوں سے دھواں نکالتے دن میں پولیس اسٹیشن کی کھلبلی دیکھنے کے لائق تھی۔ انڈسٹنز کا کوئی تہوار تھا جس کی ریلی آج شام نکلنی تھی۔ جبران اس وقت اسٹیشن میں بیٹھے فائل کی ورق گردانی کر رہے تھے جب ان کے دوست نے ایک نیلی فائل ان کے سامنے میز پر رکھی۔ انہوں نے فائل پر سے نگاہ ہٹائی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"ریپورٹ؟"ان کا دوست کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھا۔ دو کپ کافی اس دوران ان کی میز پر سرو کی جا چکی تھی۔ اس آدمی نے سر پر سے کیپ کو اتارا اس کا چکنا بغیر بالوں والا سر روشنی کے سبب لشکارے مار رہا تھا۔ وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد بولنے لگا۔

"خودکشی کے اعتراف والی۔"غفران کا چہرہ نچڑ گیا۔ انہیں اس بات سے خوف آیا کہ کہیں نوح ان اسٹیبل قرار نہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں وہ لوگ اس کو ہسپتال نما جیل میں کافی عرصہ تک رکھیں گے۔ وہ نوح کو کبھی بھی جیل نہیں جانے دیں گے انہوں نے سوچ لیا تھا۔

"ڈاکٹرز کی آبزرویشن کیا کہتی ہے۔"انہوں نے دل کے ڈر کو دل میں ہی رکھا۔ لفظ کافی مروت بھرے سے تھے۔

"یہی کہ وہ بالکل نارمل ہے۔ ہو سکتا ہے کسی قسم کا دباؤ یا ہیجان ہو جس نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو خیر پوائنٹ یہ ہے اسے اسٹیشن آنا پڑے گا سائن کرنے کیلئے اور ہاں اس لڑکی کو بھی۔" کافی کی چسکیاں بھرنے کے دوران ہی ان کا دوست کہہ رہا تھا۔ غفران نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے ان کا نوح کسی بھی طرح سے کسی بھی قسم کے کیس میں پھنسے۔ انہوں نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"دونوں آجائیں گے فکر نہیں کرو بلکہ نوح تو شاید آج بھی آئے، انڈ ئنز کی کوئی پریڈ ہے اس لیے مائیر اور نوح کو بلایا ہے میں نے۔" وہ جن دونوں کو بلانے کی تاک میں تھے ان میں سے ایک اس وقت یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا برگر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے عین سامنے سیرا بیٹھی تھی جو بڑی ہی کوئی ملامتی نگاہوں کے ساتھ اسے گھورے جا رہی تھی۔

"واقعی صحیح کہتے ہیں پیٹ دوزخ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بھرتا، تمہیں شرم آنی چاہیے مائیر کس طرح رغبت سے کھا رہے ہو حالانکہ معلوم بھی ہے اس ریستوران کے مینیو کے زیادہ تر اجزاء میں شک ہے کہ وہ حلال ہیں یا حرام۔" وہ اسے شرم دلا رہی تھی جو اچھی کوالٹی کا شیشہ تھا جس پر سے پانی پھسلتا تھا تو اس پر پانی کے ہونے کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ بالکل صاف۔

"بھوک میں سب حلال ہوتا ہے۔" اس لڑکی کی چوٹ کا اس پر قطعی اثر نہیں ہوا تھا۔ ہاں البتہ اس لڑکی پر اس لڑکے کی بات نے واقعی میں بہت اثر ڈالا تھا۔

"ہاں بالکل بجا فرمایا، پیٹ دوزخ ہے اور دوزخ میں تو سب حرام ہی جاتا ہے۔" مائیر نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا پھر مڑ کر تازہ تازہ برگر بناتے برگر بوائے کو۔

"اگر اس نے کہہ دیا اس میں ایک معمولی ذرہ بھی حرام کا ہے تو جمی چوکا جوتا میری طرف سے۔" سیرا نے ابرو اچکائی۔ اس کے آدھے بال اس بار وائلنٹ رنگ میں ڈائے تھے۔ پاؤں میں ڈولچے اینڈ

گبانا کاشوز، گوچی کا بیگ اور ایل وی کا سفید اور سیاہ بلاکس کا کوٹ زیب تن کیے اس نے اپنی ابرو کو نوح کی ابرو کی طرح اچکایا۔

"ڈیل کرتے ہو۔" مائیر نے ایک اور بڑی بائیٹ لی۔ ان کے عقب میں، دائیں اور بائیں بے تحاشہ اسٹوڈنس بیٹھے تھے۔ باتوں، قہقہوں کا شور، چمچ کانٹے کی آواز، زندگی کی رمق وہاں بخوبی دیکھی جاسکتی تھی۔

"جینٹل ڈیل۔" وہ اسے چیلنج کر رہا تھا اسے جو رامیہ کی بہن تھی اور نوح کی چہیتی، سیر انے کرسی کو بیٹھے بیٹھے پیچھے سرکایا۔ مائیر نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ وہ دونوں سرخ پلاسٹک کی کیپ والے کے سر پر جا کر کھڑے ہوئے جو بری طرح اپنے کام میں مصروف تھا۔

"سنو لڑکے، مجھے دلچسپی ہے یہ جاننے میں کہ اس برگر میں کس طرح کے اجزاء استعمال ہوئے ہیں۔ کیا تم ہمیں معلومات دے سکتے ہو۔" اس لڑکے نے چکن کا ٹکڑا برگر میں رکھتے ہوئے انگلی سے کاؤنٹر کی جانب اشارہ کیا۔

"سر، آپ اس بروشر کو پڑھ لیں۔" سیر انے جھٹکے سے بروشرز کے بنڈل میں سے ایک اٹھایا اور واپس اسی میز پر آکر بیٹھ گئی جس پر وہ دونوں پہلے بیٹھے تھے۔ اس نے پیلے اور سرخ رنگوں سے بنے اس بروشر کو میز کے وسط میں رکھا۔

"ہمم تو اب دیکھتے ہیں کون درست ہے اور کون غلط۔" اس نے انگریڈینٹس والی فہرست کو کنگھالا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ کوڈز اور ان کی حقیقت واضح تھی۔

"مبارک ہو مائیر علی، تمہارا پیٹ تو واقعی دوزخ بن گیا، لارڈ، تم لارڈ نگل چکے ہو۔" اس نے بروشر کے اجزاء والے خانے پر انگلی بجائی۔ مائیر کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"تم غلط بیانی کر رہی ہو، ہے نا، کیا نہیں کر رہی؟" سیر انے نفی میں گردن کو جنبش دی۔ مائیر کی اڑتی رنگت اس بات کی گواہ تھی کہ وہ واقعی معاملے کی سنگینی سے آگاہ نہیں تھا۔

"یہ لارڈ (سور کی چربی) کا اس طرح بے دھڑک استعمال کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے یہاں کا بیس فیصد طبقہ مسلمان ہے۔ ہمیں اس بارے میں سوچنا پڑے گا، احتجاج کرنا پڑے گا۔" برگر پورا اس کے پیٹ میں جا چکا تھا۔ اس کے دانتوں پر اس کے ذرات لگے تھے اور زبان ابھی تک ذائقے سے پر تھی مگر اسے خود سے گھن آنے لگی۔ اسے لگا اس کے وجود میں پھیلی ہر رگ ناپاک ہو گئی ہے۔ سیر انے اپنے ہاتھ کو آگے پھیلایا۔

"میری جمی چو کی ہیل۔" مائیر ہونقوں کی طرح بیٹھا تھا۔ اسے اب سمجھ آ رہی تھی کہ چاچو کیوں انہیں لنچ گھر سے لے جانے کا کہتے تھے یا پھر انڈین یا پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانے کی تلقین کرتے تھے۔ ٹھیک ہے اتنا تو اسے بھی معلوم ہے کہ یو ایس سمیت ہر غیر مسلم ملک میں کھانے پینے کا بہت

زیادہ خیال کرنا پڑتا ہے کیونکہ جس طرح پاکستانیوں کا بنیادی گوشت چکن ہے اسی طرح ان کا پگ ہے۔اس نے کئی ملک گھومے ہیں۔ بچپن میں بھی ڈزنی لینڈ اور جیوراسک ورلڈ دیکھ چکا ہے۔افریقہ کے جنگلات اور نیویارک کی سڑکیں بھی، مگر اس نے کبھی بھی اس طرح کی سچوئشن کو ڈیل نہیں کیا جس طرح کی اب اسے لاحق ہوئی تھی۔وہ اسٹوڈنٹ تھا۔یہاں کافی سارے مسلمان تھے۔اس رو سے انتظامیہ کو ان کا خیال کرنا چاہیے تھا۔وہ لوگ کونسا یہاں مفت تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ بھاری فیس ان کی جیب سے جا رہی تھی تو انہیں بھی ان کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ وہ انتظامیہ سے بات کرے گا اس نے سوچ لیا تھا۔

سیر اکو ہیل دلوانے کے بعد وہ ڈین کے سر پر موجود تھا جو اس کی بات سن کر آنکھیں چندھی کیے اسے دیکھ رہے تھے۔

"دیکھو لڑکے، یہ درست ہے کہ ہمارے برگرز اور دیگر تلی ہوئی چیزوں میں لارڈ کو استعمال کیا جاتا ہے لیکن وہ صرف ہمارے مذہبی دن ہی استعمال ہوتا ہے یعنی ہفتے میں فقط ایک بار اور چونکہ آج وہ دن نہیں ہے اس لیے آج کینولا ہی استعمال کیا گیا۔سورج مکھی کا تیل میرے خیال سے حلال ہے۔"مائیر کا ہونق پنا یکدم عود کر آیا۔وہ تاویل دے رہا تھا ٹھوس تاویل جو بعد از بودی ثابت ہوئی۔

"مگر بروشر میں واضح لکھا ہے۔"ڈین نے اب کے سینے پر ہاتھ باندھ کر پشت کو کرسی کی بیک سے ٹکایا۔وہ اوپر تا نیچے اس لڑکے کو تکنے لگے جو فٹ تھا اور نہ ہی زیادہ موٹا بس ہیلدی ہیلدی سا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے چربی نے تمہارے عقل کو زائل کر دیا ہے۔کیا تم نے وہ بروشر بہت زیادہ توجہ کے ساتھ پڑھا تھا؟"وہ کشمکش میں مبتلا نا میں سر ہلا رہا تھا۔اس کے ذہن و دل میں بے تحاشہ سوال کلبلانے لگے۔

"میری منگیتر نے پڑھا تھا۔"یکدم ہی اس کی بولتی کو بریک لگی۔ڈین کی مسکراتی نگاہیں اور اپنی کم عقلی نے اس پر بہت کچھ واضح کر دیا۔وہ گدھا بن گیا تھا کیا اس بات پر یقین کیا جا سکتا ہے؟

"اوکے۔"اس نے توقف کیا۔"میں بروشر کو ایک بار پھر سے پڑھنا چاہوں گا۔تب تک کیلئے اس معاملے کو ٹال دیتے ہیں۔"سرخ چہرے کے ساتھ وہ کمرے سے باہر آیا تھا،آتے ہی خود کو ملامت کرنے لگا۔

"اف سیر اف،تمہیں معاف نہیں کروں گا میں،شرمندہ کروا کر رکھ دیا۔"بدمزہ سا وہ راہداری میں سے جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔اس کے آس پاس سے ڈھیر سارے طلباء گزر رہے تھے مگر پرواہ کسے تھی۔

عورت جب باغی ہو جائے تو سات نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ عورت کا غرور بھلے اس کا فن ہے مگر یہ فن خون آلود چھری سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جو رشتوں کی گردنیں اتنی بے رحمی سے کاٹتی ہے کہ زبان گنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دل پارچہ پارچہ ہو جاتے ہیں اور روح بری طرح زخمی۔

میلٹ اینڈ نائن میں بھورے کیرٹین ٹریٹمنٹ سے ریشم ہوئے بالوں کو اکھٹا کر کے ایک سائیڈ پر ڈالے بیٹھی تنزیلہ کہیں سے بھی جوان بچوں کی ماں نہیں لگ رہی تھیں۔ جدید تراش خراش کا جوڑا، برینڈڈ جوتے و بیگ، بے تحاشہ گلو کرتا چہرہ، انہوں نے گال پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔ ایسا کرتے ہوئے ان کے چھوٹے چھوٹے ہیروں سے سجے اسٹڈز ہل گئے تھے۔ وہ مسکارے سے سجی پلکوں کو جھپکاتے ہوئے اسے سن رہی تھیں جو ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ خوبرو، ٹیلنٹڈ، شادی شدہ ان ہی کی عمر کا نعیم حسین۔

"فرانس میں حال ہی میں ڈاکٹرز کا سیمینار ہوا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ ہم دونوں وہاں نہیں جا پائے۔ سنا ہے دنیا کے بہترین معالجوں نے وہاں شرکت کی ہے۔" منٹ مارگریٹا کا سپ لینے کے بعد وہ کانٹے سے چکن کے ٹکڑے کو کاٹ رہا تھا۔ تنزیلہ نے پاستے کا نوالہ لیا۔

"افسوس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس مزید مواقع آئیں گے۔" نعیم نے اسٹیک کو ختم کرنے کے بعد اپنے ہاتھ ٹشو سے پونچھے، نیپکین تاہنوز اس کے گھٹنوں پر موجود تھی۔

"یہ تو ہے مگر ہمیں اسے کیچ اپ کرنا چاہیے تھا واثق امید ہے کہ وزیر خزانہ اپنی سرجری ملک میں ہی کروائیں اور ہمارے ہسپتال کو ہی چنیں، یہی وجہ ہے جس کے سبب میں فرانس جانا چاہتا تھا مگر قسمت، ویزہ اپروو نہیں ہوا۔" اسے ملال تھا۔ یہ ملال اس کے ہر جملے سے ٹپک رہا تھا۔ تنزیلہ نے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی کو لاشعوری طور پر ہلانا شروع کیا۔

"کوئی بات نہیں ہر چیز کے پیچھے مصلحت ہوتی ہے۔" نعیم کی نگاہ اس کی مخروطی انگلی کی طرف گئی۔ لبوں پر مسکان آپ ہی آپ آن ٹھہری۔

"بجا فرمایا مگر میں اضافہ کرنا چاہوں گا۔" وہ جھک کر تھوڑا آگے ہوا۔ تنزیلہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما، بائیں ہاتھ کے شانے پر بیٹھے نامہ اعمال لکھتے فرشتے نے اس عورت کی کتاب میں ایک نازیبا لفظ ایڈ کیا تھا۔ وہ لفظ جو باعث شرمندگی ہے۔

"کہ کچھ مصلحتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ بہت دلکش اور دلنشین بھی۔" وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو انگوٹھے سے سہلا رہا تھا۔ آنکھوں میں خمار اور لہجے میں جذب لیے، تنزیلہ نوعمر لڑکیوں کی طرح شرما گئیں۔

"بہت زیادہ رومانٹک نہیں ہو رہے ہو تم۔" ہاتھ کو چھڑوانے کی جہت کیے بنا ہی وہ دل لبھاتے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ دل پھینک نعیم دل ہار بیٹھا۔

"ہائے، ابھی آپ نے اس بندے کا رومانس دیکھا کہاں ہے۔ ہمارے لفظوں میں تو شیریں گھلی ہے۔" من پسند گفتگو شروع ہو چکی تھی اس لیے کچھ دیر قبل کی جو بے چینی و بے کلی تھی وہ اب تنزیلہ کے چہرے سے مفقود نظر آ رہی تھی۔ وہ چہک رہی تھیں۔ واضح دکھ رہا تھا۔ وہ پھولوں کی طرح کھل رہی ہیں۔ صاف نظر آ رہا تھا۔

"اچھا تو کیا اپنی بیگم کے ساتھ بھی اسی طرح ہمکلام ہوتے ہو۔" بالکل اچانک سے نعیم کے چہرے کے رنگ بدلے تھے۔ اس نے محسوس ہو جانے والے انداز میں تنزیلہ کے ہاتھ کو میز پر تنہا چھوڑ دیا۔

"کیا ہوا، کچھ۔۔۔ غلط کہہ دیا ہے کیا؟" اپنی فاش غلطی کا احساس انہیں ہو چلا تھا۔ نعیم جو سنجیدہ تاثرات چہرے پر سجائے اپنے دائیں جانب موجود بیٹھی خلقت کو دیکھ رہا تھا ویسی ہی سنجیدہ نگاہوں سے اب تنزیلہ کو دیکھنا شروع ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں سے زیادہ اس کے جملے سنجیدہ تھے۔

"آپ کو بہت پہلے سے پتہ ہے کہ اس عورت سے شادی کا فیصلہ میرے لیے ایک مجبوری تھا۔ میری جڑیں گاؤں میں ہیں اور ان جڑوں کی مزید مضبوطی کیلئے میرے ابا حضور چاہتے تھے کہ میں خاندان میں ہی شادی کروں بصورت دیگر مجھے جائیداد سے عاق کر دیا جائے گا۔ اگر میں زمیندار نہ

ہوتا یا پھر شاہ خرچ نہ ہوتا تو سچ کہہ رہا ہوں اس عورت سے کبھی شادی نہ کرتا۔" سرد لہجہ، سرد الفاظ، سرد باڈی لینگوئج۔

"اچھا ایم سوری اب موڈ کو واپس ٹریک پر لے کر آؤ، پرامس آئندہ اس موضوع پر بات نہیں ہو گی۔" اور وہ کیا تھا بھلا، ایک دل پھینک انسان جس کے دل کو اس عورت کے نازک ہاتھوں نے کیچ کر لیا تھا کیونکر بھلا سنہرے مواقعوں کو جانے دیتا۔ اس کی مسکراہٹ دیدنی تھی۔ جہاں وہ دونوں ہنستے کھلکھلاتے ہوئے ڈنر کر رہے تھے وہیں جبران سائیٹ سے واپس آ رہے تھے۔ ان کی مرسڈیز میں ان کے برابر پتلے پتلے نقوش والی ماڈرن سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بال بالکل سیدھے اور سیاہ تھے، کھلتی ہوئی رنگت، خوبصورت آواز۔

"کام بہترین چل رہا ہے اسی طرح اگر سب رہا تو ہمارا پراجیکٹ لانچ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" جبران نے پدرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھا تھا جو ان کے دیرینہ دوست کی بیٹی تھی۔ ایشل، ایشل صدیقی، ہائلی ایجوکیٹڈ، پرکشش، ذہین اور کام کیلئے پیشینیٹ۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" اسے بزنس میں آئے فقط ایک سال ہی ہوا تھا اور اس ایک سال میں اس نے بہت بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جبران آنکھ بند کر کے کہہ سکتے تھے کہ مزید آنے والے سالوں میں وہ بزنس کی دنیا میں ایک ابھرتا ہوا سورج ثابت ہو گی۔

"انکل، میں سمجھتی ہوں آپ کو نوح کو بھی بزنس کی طرف لانا چاہیے تھا۔ میرے خیال سے اس کیلئے یہ بہترین ہوتا۔" حادثاتی طور پر وہ نوح کی حقیقت کو جان گئی تھی۔ ایک دن جبران، صدیقی کے ساتھ نوح کو ڈسکس کر رہے تھے تب ایشل نے انہیں سن لیا تھا اور اس بات پر حیرت کا اظہار بھی کیا تھا۔ یہ کوئی لمبے عرصے کی بات نہیں ہے بس ڈیڑھ سال پہلے کا ہی واقعہ ہے۔ تب سے اب تک ایشل نے نوح میں دلچسپی ہی دکھائی ہے۔ وہ مغرب کی پروردہ تھی۔ اپنی آدھی سے زیادہ زندگی اس نے وہیں گزاری تھی اس لیے نوح کی حقیقت اس کیلئے بے معنی تھی جس کا اس نے کئی بار برملا اظہار بھی کیا تھا۔ ان کا وکیل اور ان کا دوست یہ دو ہی باہر والے تھے جو نوح کو جانتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ کوئی اور جان جائے گا تو کیساری ایکشن دے گا مگر ایشل نے ان کی مشکل کو آسان کر دیا۔ وہ اتنی کول ہو گی سب جان کر انہوں نے سوچا نہ تھا۔

"اس وقت وہ جس فیلڈ میں ہے وہ بھی اس کیلئے بہترین ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کی چوائس بری نہیں ہے۔" ایشل نے تائیدی انداز میں سر کو اثبات میں جنبش دی۔ گاڑی یوٹرن سے گزر رہی تھی اس لیے ایشل کا رخ کھڑکی کی جانب زیادہ ہوا۔ اس نے ایک نظر بزرگ ڈرائیور پر ڈالی پھر دل میں پنپتے خیال کو زبان دی۔

"اور۔"وہ ہچکچائی،ذات کی نفی بھلا کب کسی کو بھائی ہے۔"کیا میں اس کی چوائس میں آتی ہوں؟" وہ جبران کی فیورٹ تھی تھوڑی سی لاڈلی بھی،انہوں نے متبسم لبوں کے ساتھ آنکھیں بند کر کے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اگر آپ اس کی چوائس پر نہیں ہوں گی تو یقیناً وہ سب سے زیادہ خسارے والا انسان ہو گا۔" انہوں نے بات کو گول کر کے مصلحت کی ٹرے میں رکھ کر پیش کیا جس سے وہ لڑکی خوش بھی ہو گئی اور بات کور بھی ہو گئی۔

"آپ کا کامپلیمنٹ دل خوش کر دیتا ہے۔"وہ مسکرا دیے کہ اس وقت زیادہ اس بات کو ڈسکس کرنا مناسب ہر گز نہ تھا۔اسلام آباد کی سڑکوں پر گاڑی اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں تھی جن میں موجود نفوس ایک ہی شخص کو سوچ رہے تھے۔ایک پریشانی کے ساتھ تو دوجا مسکراہٹ کے ساتھ۔

وہ جس کے متعلق سوچ رہے تھے وہ انسان اپنے پروفیسر کے ساتھ کچھ ڈسکس کرنے کے بعد ان کے آفس سے باہر آیا۔اس کے شانے پر بیگ موجود تھا جس میں اس کی کتابیں تھیں۔سیاہ جینز پر اس نے سیاہ ہی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی بس وہ لانگ کوٹ تھا جس کا رنگ بھورا تھا اور بھورے ہی ڈیزرٹ شوز تھے۔آنکھوں پر گاگلز لگائے وہ گھڑی میں وقت دیکھتا تیز تیز چل رہا تھا۔اسے دیر

ہو گئی تھی۔ چاچو نے کہا تھا وہ پانچ بجے تک پہنچ جائے اور اب تو پونے پانچ ہو چلے تھے۔ دل کی شریانوں پر بحث کرتے ہوئے کافی وقت بیت گیا تھا ورنہ وہ عموماً اتنا لیٹ نہیں ہوتا تھا۔ یونیورسٹی کے پارکنگ لاٹ میں سے اپنی کار نکال کر وہ روڈ پر ڈال چکا تھا۔ اس کا رخ پولیس اسٹیشن کی جانب تھا۔ یونہی ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر روڈ کی دوسری جانب دیکھا تھا۔ اس کی نظر نے ایک لمحے کیلئے وہاں کے منظر کو کیپچر کیا اور پھر گردن سیدھی کر لی، دو سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے جب نا جانے کیوں اور کیسے اس کا پاؤں بریک پر پڑا تھا۔ یہ سب جو ہوا تھا وہ اس کی مرضی کے بغیر ہوا تھا ورنہ اب تک اس نے کبھی خود کو کسی کیلئے نہیں روکا تھا۔ اس نے دیکھا ایک سائیکل والا بری طرح آ کر اس لڑکی سے ٹکرایا ہے اور تبھی اس لڑکی کے آس پاس لوگ جمع ہونا شروع ہوئے تھے۔ بس اس کے ریٹینا میں یہی منظر قید ہوا تھا۔ جس نے اس سے اچانک اور غیر ارادی عمل کروایا۔ ایک لحظے کو تو وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔ کہ آخر یہ ہوا کیا ہے۔ پھر دماغ نے کام کیا تو اس نے کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر کے سائیڈ پر روکا۔ یہ بھی اس کی مرضی کے بغیر ہی ہوا تھا۔ صد شکر کہ پیچھے کوئی وہیکل نہیں تھی ورنہ آج اس کا زبردست ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ہواؤں کو چیرتا ہوا وہ وہاں اس لڑکی کے پاس پہنچا تھا۔ وہ جو زمین پر گری تھی اپنی کہنی کو پکڑ کر کھڑی ہوئی اور منہ پر ہاتھ رکھ کر کھکھلا دی جبکہ سائیکل سوار چوٹ لگنے کے سبب بری طرح درد سے کراہ رہا تھا۔ نوح کو شدید تعجب ہوا۔ وہ جانتا تھا بلکہ اس نے دیکھا تھا کہ کس بری

طرح سائیکل والا اس سے آکر ٹکرایا ہے اگر کوئی اور ہوتا اس کی جگہ تو ویسا ہی ری ایکشن دے رہا ہوتا جس طرح سائیکل سوار دے رہا تھا۔ مگر یہاں تو الٹی ہی گنگا بہہ رہی تھی۔ دو لڑکیاں اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑی کر رہی تھیں اور وہ اس دوران بھی ہنسے جا رہی تھی۔

"کیا یہ کوئی نمونہ ہے۔" نوح جبران کا فلک سفیر کیلئے پہلا تجزیہ۔

عجیب سا بلکہ ناپسندیدگی کے تاثرات سے چہرہ سجا کر وہ اسے دیکھ کر پلٹا تھا۔ فلک نے کہنی کو تھامتے ہوئے اسے جاتے دیکھا۔ وہ اب وہاں تنہا کھڑی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ وہ بھورے کوٹ والا دوبارہ کار کو اسٹارٹ کر گیا ہے۔ اسے جلد از جلد پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا اور لو دیکھو وہ پہنچ بھی گیا۔

"کیسے ہو جینٹل مین؟" کسی آفیسر نے اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ مسکراہٹ کے ساتھ سر کو ہلا کر اندر آیا۔ چاچو اسے سامنے ہی مل گئے تھے۔ بیگ اپنے برابر بچھی کرسی پر رکھ کر وہ بیٹھا اور جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"آپ چار منٹ لیٹ ہو گئے ہیں۔" چاچو کی یاد دہانی کے دوران ہی مائیر دوڑتا ہوا وہاں آیا اور پھولے سانس کے ساتھ دھپ سے کرسی سنبھال گیا۔ نوح کا بھرا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے لبوں سے لگایا تھا۔

"میں تو پروفیسر کے ساتھ تھا مگر تمہاری تاخیر سمجھ نہیں آئی۔"مائیر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ہیروں کی مانند چمک رہے تھے۔یہ عرق آلود ماتھا کس وجہ سے تھا اس کی اس نے وضاحت کر دی۔

"میں۔"سینے پر انگلی بجائی۔"اپنے لٹنے پر ماتم کناں تھا۔کیا تم جانتے ہو مجھے کتنا بڑا دھچکا ملا ہے۔" چاچو نے میز پر پن کو بجایا بات لمحے کے ہزارویں حصے میں ان کی سمجھ میں آگئی تھی مگر ٹانگ تو کھینچنی تھی نا،مزہ تو اسی میں تھا۔

"کس نے تمہیں لوٹ لیا؟"بچوں سی معصومیت،ویسا ہی سوال،مائیر نے آنکھوں کو خشمگیں انداز میں سکیڑا۔

"جیسے میں تو جانتا ہی نہیں ہوں نا کہ آپ کو خبر نہیں لیکن چلو۔"پانی کو ایک ہی سانس میں ختم کر کے وہ گلاس میز پر رکھ رہا تھا۔رکھنے کے دوران ہی بتا رہا تھا۔"اس قصے کو ختم کر دیتا ہوں اور بتا دیتا ہوں کہ آپ کی ڈھائی انچ کی بھتیجی نے مجھے ڈھائی سیکنڈ میں ڈھائی لاکھ روپے کا لوٹ لیا۔میری جیب بالکل خالی کر دی ہے محترمہ نے۔"وہ گردن پر ذبح کے سے انداز میں ہاتھ کو پھیر رہا تھا۔نوح نے لبوں پر مٹھی کو رکھ کر امنڈ آنے والی مسکان کو روکا۔وہ ایسا ہی تھا ہر وہ چیز ہر وہ بات جو سکون دیتی تھی۔تراوٹ بخشتی تھی۔خوشی کا ضامن بنتی تھی اسے وہ روک دیتا تھا۔ہر وہ در بند کر دیتا تھا جو اسے نارمل انسان بنانے میں معاون کردار ادا کرتا تھا۔

"تم بھی تو عقل پکڑو، کب تک اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہو گے۔" مائیر کی دوہائی بے ساختہ تھی جیسے بادلوں کی گرج بے ساختہ شروع ہوئی تھی۔

"کب تک؟ معلوم ہوتا ہے بوڑھا ہونے تک میں اس سے الو بنتا رہوں گا۔ آپ بڑے بزرگ بھی کبھی کبھی ہم بچوں کے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں بچوں کی بچپن میں منگنی یا نکاح نہیں کرنا چاہیے۔" نوح کو اس کا پھولا ہوا چہرہ بہت بھا رہا تھا مگر سنجیدگی ضروری تھی تبھی دوبارہ سے گلاس میں پانی بھرا اور اسے لبوں سے لگانے سے پہلے ہی گویا ہوا۔

"تو یعنی تمہیں اس منگنی پر ریگریٹ ہے۔ کوئی بات نہیں، منگنی ہی تو ہے ختم ہو سکتی ہے۔ چوائس تمہاری ہے۔" خاموش رہنے والا جب بولتا تھا تو یونہی مائیر کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی۔ اس نے نوح کو پانی پینے نہیں دیا۔ گلاس اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور کڑوے کسیلے لہجے میں گویا ہوا۔

"چاچو یہ آدمی خاموش ہی بہتر لگتا ہے۔ اسے کہیں زبان کو تالا لگا کر بیٹھا کرے۔" اب تو نوح نے حد ہی کر دی تھی۔ ایسی کی تیسی اس کی۔

"کیوں اس نے غلط ہی کیا کہا ہے۔ جب بھی تم سیرا کے ہاتھوں بے وقوف بنتے ہو اسی طرح کی باتیں کرتے ہو۔ مجھے تو خدشہ ہے کہیں تم شادی کے بعد بھی اسے یونہی طعنے نہ دیا کرو۔" غفران کے لفظوں نے تو مائیر کا دل ہی پکڑ لیا تھا۔ اس کی آنکھیں پورے چہرے پر پھیل گئیں۔

"طعنے، اب یہ طعنے کہاں سے آ گئے بیچ میں۔ میں نے تو بس ایک بات کہی تھی اور آپ، آپ لوگ اسے جانے کہاں موڑ رہے ہیں۔" اس کی تو جان پر بن آئی۔ نوح سے وہاں بیٹھنا دشوار ہوا۔ ہنسی سینے سے گزرتی ہوئی حلق تک آ گئی۔

"نہیں، میں سوچ رہا ہوں آج بھائی کو فون کروں تا کہ کوئی فیصلہ کر سکیں ہم۔ وقت پر ہی معاملہ سلجھ جائے تو بہتر ہوتا ہے۔" کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی مصداق وہ سینے میں سانس روکے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ سیر ا اسے کتنی عزیز تھی دونوں ہی جانتے تھے۔ وہ کتنی جلدی بے وقوف بن جاتا تھا ہاں مگر یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

"فیصلہ، کیسا فیصلہ میں بتا رہا ہوں اگر کچھ الٹا سیدھا کرنے کی کوشش کی تو میں۔" اس سے بات نہیں بن رہی تھی۔ غفران کی بس ہو رہی تھی۔ نوح کا ہاتھ ہونٹوں پر مزید سختی سے جم گیا۔

"میں اپنی جان لے لوں گا۔" صدقے مائیر کی محبت کے، اس کی اڑی رنگت کے اور اس کے خوف کے۔

غفران کا ہنسی کا فوارہ بے ساختہ تھا۔ نوح جھٹ سے اپنی جگہ چھوڑ وہاں سے چلا گیا کہ فی الحال یوں دل کھول کر ہنسنا اسے پسند نہیں تھا اور ہنسی اب واقعی اس کے حلق میں آ کر پھنس گئی تھی۔ لیکن ایسا ضروری نہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی تو ہنسے گا اور دل کھول کر ہنسے گا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔"جب اسے معلوم ہوا کہ وہ یہاں بھی گدھا بن چکا ہے تب اس کا چہرہ دیکھنے کے لائق تھا۔ سرخ، شرمندگی سے ستا ہوا۔ اس نے دانت کچکچائے اور پھر ہاتھ میں پکڑا نوح کا پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔

حد ہے مائیر، حد ہے۔

وہ خود کو دل میں کوس رہا تھا۔

گدلے آسمان تلے موجود تمام پیڑ پودوں پر زردی پھیل چکی تھی۔ درختوں کے سامنے پتوں کی کارپیٹ بچھی تھی۔ اس کارپیٹ پر چند بینچ قطار میں ایک ساتھ لگے تھے مگر کافی وقفے کے ساتھ، بینچوں کے عین سامنے ڈوبتے سورج کی سرخی، پتوں کی زردی اور بگلوں کی سفیدی سے سجی وہ جھیل تھی جو دور دور تک زردی میں گھلی نظر آرہی تھی۔ یہ جھیل اس کی پسندیدہ تھی۔ وہ سردی گرمی غرض ہر موسم میں اپنے فارغ وقت میں یہاں پائی جاتی تھی۔ آج بھی وہ وہاں موجود تھی مگر آج اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی جس طرح گدلے بادلوں کے پیچھے چھپتا سورج ٹھیک نہیں تھا۔

"سس۔"جرسی کا بازو اس نے احتیاط کے ساتھ اوپر کیا مگر وہ نہیں ہوا۔اون کے دھاگوں کے ساتھ اس کا زخم چپک چکا تھا۔اسے ہاسپٹل جانا تھا۔ڈاکٹر کو چیک کروانا تھا مگر اس سے پہلے اسے خود کے ساتھ اس حالت میں وقت بتانا تھا۔اسے خود کو دیکھنا تھا۔اپنے صبر کو،اپنی طاقت کو۔

"کوئی بات نہیں فلک،یہ وقت بھی گزر جائے گا۔"صدیوں پرانا جملہ اس نے خود سے دوھرایا۔ زرد جھیل میں سفید بگلا چونچ مارتا ہوا چل رہا تھا۔

"تم بہادر ہو،سروائیول ہو۔تم ہار نہیں مان سکتی بالکل بھی نہیں۔"یہ وقت یہ منظر اس کے دل کے بے حد قریب تھا۔وہ اگر ممکن ہوتا تو اپنی پوری زندگی یہاں بیٹھے گزار دیتی مگر ایسا نہیں تھا۔اس کیلئے تو بالکل بھی نہیں اس لیے ناچار اپنے وجود کو گھسیٹتی وہ ہسپتال آئی تھی۔پٹی کروا کر وہ ڈسپینسری سے دوائیں لے رہی تھی جب اسے میر امل گئی۔وہ والہانہ پن سے اس کی طرف لپکی تھی۔

"کیا زبردست اتفاق ہے میرا،ہم ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔"میرا کے چہرے پر پھیلی زردی اور آنکھوں کی ویرانی آج کچھ زیادہ ہی عروج پر نظر آرہی تھی۔اس نے لبوں کو بامشکل گھسیٹا۔

"ہاں بالکل ٹھیک کہا،بہت وقت سے ہم دونوں یوں بھی ملے بھی تو نہیں۔"اس نے میرا کا ہاتھ تھاما۔وہ جل رہا تھا جیسے آگ دہکتی ہے۔وہ دوراندیش نہیں تھی مگر احساس والی تھی۔دوسرے کے درد پہچان جاتی تھی۔

"ضرور کچھ ہوا ہے۔ تم بجھی بجھی لگ رہی ہو۔" اسے جاب پر جانا تھا۔ اسے دیر ہو رہی تھی لیکن کیا کام اس کی بہترین دوست سے بڑھ کر تھا جس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ انہیں اس کی ضرورت ہے۔

"زندگی جب بجھ جائے۔" ان کے پاس سے وہیل چیئر پر بیٹھا آدمی گزرا تھا جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے مگر ہاتھ چل رہے تھے۔ "تب روشن نہیں ہوا جاتا۔"

"زندگی آخری سانس کے بعد بجھتی ہے میرا۔" اس نے ایک بار پھر سے اس عمر رسیدہ آدمی کو دیکھا جو وہیل چیئر کے پہیوں کو برق رفتاری سے حرکت دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید اس کی اپائنٹمنٹ تھی اور وقت کی تنگی کے سبب اس کی عجلت بڑھ رہی تھی۔

"سانس جب تک ہے تب تک جینے کا جذبہ تازہ رہتا ہے چاہے پھر دونوں پیر ہی کیوں نہ کٹ جائیں۔" دواؤں کی سمیل، لوگوں کا شور، اناؤسمنٹس، میرا گھبرا گئی۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔ مجھے تمہیں کچھ بہت ضروری بتانا ہے۔" اور اس نے بتا دیا۔ وہ دونوں اپنے اپنے خرچے میں سے کافی افورڈ نہیں کر سکتے تھے اس لیے ایک پارک کے فاؤنٹین کی بنیری پر بیٹھے ایک دوجے کو سن رہے تھے۔ ان کے عقب سے رسٹ رنگ کا پورا کھلا پھول پانی اگل

رہا تھا۔اس پانی میں سے بھی سونے کی شبیہہ آ رہی تھی۔انڈیئنز کی کوئی پریڈ تھی جو ان کے سامنے سے گزر رہی تھی۔بڑے بڑے بلاکس والی صاف زمین رنگ برنگی چیزوں سے لد رہی تھی۔

"تمہارا شوہر کتنا جانور ہے اسے ذرا بھی خدا کا خوف نہیں۔"اس نے جرسی کا وہ بازو اونچا کیا ہوا تھا جس پر چوٹ لگی تھی۔لانگ کوٹ فقط ایک شانے پر ڈلا تھا۔

"کچھ لوگ نعوذ باللہ خود کو خدا مان بیٹھتے ہیں تبھی تو انجام سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔"فلک کو تشویش ہو رہی تھی۔ماتھے پر بل لیے سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔

"گھر والوں سے رابطہ کرو، کیا معلوم وہ مدد کر دیں تمہاری۔"اس کی بات پر جن نظروں سے میرا نے اسے دیکھا تھا وہ پانی پانی ہو گئی۔پلکوں کے ساتھ گردن بھی جھکالی۔

"ہم جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں نا فلک، وہاں کی بیٹیاں اپنے حقوق کیلئے آواز نہیں اٹھا سکتیں، اٹھائیں تو مجرم قرار کر دی جاتی ہیں۔بے حس و خود غرض کہلائی جاتی ہیں جنہیں فقط اپنا خیال ہوتا ہے۔اپنی ذات سے پیار ہوتا ہے۔چاہے وہ خود کتنی اذیت میں ہوں پھر بھی دست شفقت سر پر نہیں پڑتا۔محروم پیدا ہوتی ہیں، محروم ہی رہ جاتی ہیں۔"

پولیس کی لائن وہاں موجود تھی۔ان کی موبائلز مخصوص بتی جلاتی ان کے عقب میں کھڑی تھیں۔واکی ٹاکی پر کسی سے بات کرتے نوح کی نظر اچانک ہی پریڈ میں کتھک کرتی لڑکیوں کے عقب میں

پڑی جہاں سرد پانی اگلتے فاؤنٹین کے سامنے وہ بیٹھی تھی۔اس کا بازو کہنی سے اوپر تک برہنہ تھا۔ شاید پٹی کے بعد عجلت میں وہ جرسی نیچے کرنا بھول گئی تھی۔نوح نے ایک نظر اس کے بازو پر ڈال کر دوسری فوراً ہی چرا لی۔اسے ناجانے کیوں یہ چیز نازیبا لگ رہی تھی حالانکہ وہ جس کلاس سے تعلق رکھتا تھا وہاں کی لڑکیاں زیادہ تر سلیولس کپڑے پہنتی تھیں۔یہاں تک کہ اس کی ماں اور بہنیں بھی اکثر اس چیز میں کوتاہی برت دیتی تھیں۔وہ بچپن سے لے کر جوانی تک ہاسٹل میں پڑھا تھا۔وہاں ہر قسم کا مرد اس نے پایا تھا شریف سے لے کر عیاش تک،اس نے کیسی کیسی باتیں اور کیسے کیسے جملے نہیں سن رکھے تھے ان مردوں کے منہ سے عورتوں کیلئے،حتیٰ کہ اس کے تعلیمی دور میں بھی اس نے ماڈرن سے ماڈرن لڑکی کو دیکھا تھا اور یہاں کی تو بات ہی الگ تھی۔پھر کیوں،کیوں اسے فقط اس لڑکی کا یوں بازو اوپر کر کے بیٹھنا کھل رہا تھا۔کیوں اس سے نظریں چرا رہا تھا۔اسے عجیب سی بے چینی سی ہونے لگی۔

"آہاہا،میں کہتا ہوں کمال ٹیلنٹ ہے ہمارے پڑوسیوں میں،کیا ڈانس کر رہی ہیں یار۔"نوح نے ملامتی انداز میں اسے لتاڑا،گانے کی دھن میں اس کی آواز دب سی رہی تھی۔

"شرم کرلو،تم میں کب سے مجرے دیکھنے کا شوق آگیا۔"مائیر کا سارا موڈ غارت ہوا تھا۔وہ سو فیصد درست کہتا تھا کہ یہ آدمی خاموش ہی بہتر لگتا ہے۔

"میں بالکل بھی غلط نہیں کہتا کہ تم ایک انتہائی خشک انسان ہو جسے آرٹ اور مجرے کا فرق تک نہیں پتہ اور تم یہاں کر کیا رہے ہو چلو مجھ سے دور ہٹو، دوسری لائن میں جاؤ۔" وہ جانا چاہتا تھا مگر جا نہیں پایا۔ وہ اب بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد لڑکیوں کے ڈانس موو بدلنے پر اسے نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی آنسو بہا رہی تھی اور وہ اس کے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں میرا، اگر ہمارا خون بھی ہمارے ساتھ نہیں کھڑا ہے تو کوئی بات نہیں، فرق صرف اس چیز سے پڑتا ہے کہ ہم اپنے ساتھ کتنا موجود ہیں، خود کے ساتھ کتنے مخلص ہیں اور کتنے نہیں، تم" اس نے اپنے اسی برہنہ ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"تم فکر نہیں کرو، میں کچھ نہ کچھ سوچ لوں گی یوں بھی تم جانتی ہو میں کتنا اچھا سوچتی ہوں۔" ماحول میں پھیلی کثافت کے اثر کو زائل کرنے کی خاطر وہ اسے کہنی مارتے ہوئے کہہ رہی تھی مگر ایسا کرنا اسے مہنگا پڑا کیونکہ اس کی چوٹ دکھ گئی تھی۔ درد اتنی شدت سے ہوا کہ وہ ہنستے روتے چہرے کے ساتھ پیٹ کے بل مڑ گئی۔ نوح نے دیکھا دوسری لڑکی اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کر رہی ہے۔

"ٹھیک ہو تم، افف زیادہ دکھا تو نہیں، دکھاؤ تمہاری شرٹ تو نیچے کروں سردی لگ جائے گی تمہیں۔" وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔ وہ تب بھی ہنسی تھی اور اب بھی، کیا کوئی انسان زخم ملنے

پر، درد ہونے پر ہنستا ہے۔ کیا کوئی اتنا بے وقوف، اتنا بے نیاز ہو سکتا ہے؟ یا پھر یہ بے وقوفی نہیں تھی بلکہ دردوں پر مرہم کی پٹی تھی، بہت پر اثر پٹی۔

"تم کو معلوم ہے میرا۔" وہ کوٹ کو زیب تن کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ کاسٹیوم میں چھپے لوگوں کا ہجوم وہاں آیا تھا۔ میڈیا تو تھی ہی لوگ بھی اپنے اپنے کیمرے و فون ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ ڈھول کی تھاپ پر تھرکتے مردوں پر ایک مسکراتی نظر ڈال کر وہ اس سے مزید کہہ رہی تھی۔ "میں جس گھر میں کام کرتی ہوں وہاں ایک لڑکا رہتا ہے۔ خاموش، پر اسرار سا، سنجیدہ، انجان سا۔" وہ اپنی رو میں بول رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ دو بھٹکتی ہوئی آنکھیں بار بار اس کا طواف کر کے راہ بدل رہی ہے۔ گم جانے سے ڈر رہی ہیں۔

"پیسے والا ہے مگر اسے کوئی غم ہے۔ کوئی ایسا غم جو اس کی جان سے زیادہ بڑا ہے۔ اتنا گہرا کہ وہ اس کے اثر کے سبب خود کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اور اس پر اس کو پچھتاوا بھی نہیں ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں بہت حزن ہے۔ اتنا گہرا حزن کہ کھونے کا ڈر ہو۔ اتنی تاریکی کہ سانس رک جائے۔ اتنی ویرانی کہ دل گھبرا جائے۔ سوچو کوئی انسان آخر کس طرح بھلا اپنی جان لینے کا ارادہ کر سکتا ہے۔" جذب سے بولتے ہوئے اس نے میرا کو دیکھا تھا جس کے آنسو تھم چکے تھے۔ وہ اپنی دوست کو سن رہی تھی جو مزید کہہ رہی تھی۔

"ہمیں اپنے غم بہت بڑے بڑے لگتے ہیں۔ پہاڑ جتنے، گردن اٹھا کر دیکھو تو گر جاؤ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ اپنے برابر کھڑے انسان کو اگر ہم دیکھیں جانیں تو یقین کرو اس کے غموں کے آگے خود کے دکھ درد ہیچ لگنے لگتے ہیں۔ بے معنی سے، جیسے کوئی معمولی سا ذرہ ہو یا پھر ایک تنکا، ہم لوگوں نے المیہ بنالیا ہے خود پر مظلومیت طاری کرنے کا، ایک کھرونچ لگ جاتی ہے تو بلبلا اٹھتے ہیں اس انسان کو کیوں نہیں دیکھتے جس کی دونوں ٹانگیں کٹی ہیں مگر پھر بھی وہ پر عزم ہے۔ مطمئن ہے۔ زندہ ہے اور جی رہا ہے۔" وہ بہت کم سنجیدہ ہوتی تھی۔ وہ بہت بہت کم اس طرح کی باتیں کرتی تھی۔ پھولی ناک و چہرے کے ساتھ وہ پریڈ کو دیکھنے لگی۔ ہنستے کھلکھلاتے لوگ، مچلتے، لہکتے لوگ، دفعتاً پریڈ میں سے ایک لڑکا نمودار ہوا اور ان دونوں کے سر پر آن پہنچا۔

"فلک، فلک ہو نا تم، اور یہ تمہی ہو نا میرا؟" وہ خوشی سے دہکتے چہرے کے ساتھ اس سے دریافت کر رہا تھا۔ فلک نے بھینس کے سینگوں کو سر پر لگائے لڑکے کو پہچاننے کی کوشش کی، آشنائی کی رمق اس کی آنکھوں میں چمک اٹھی تھی۔

"فیضان؟" اس نے شہادت کی انگلی کھڑی کر کے کنفرم کرنا چاہا وہ زور زور سے سر ہلا گیا۔

"ہا، وقعی؟" وہ چہکتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ میرا سے بھی اس لڑکے کی اچھی علیک سلیک رہی تھی۔ واش اینڈ شائن میں وہ ان کا کلیگ تھا۔ یہ پچھلے سال کی ہی بات ہے جب ایک لینڈ لارڈ کی بیٹی کو خود

کے ساتھ نازیبا سلوک کرنے پر وہ جھڑک گیا تھا۔ وہ اس کی بے عزتی کر کے وہاں سے چلا گیا بعد از اس لڑکی نے اس کی ریٹنگ بالکل صفر کر دی اور اس کے خلاف تگڑی شکایت کی جس کی وجہ سے وہ واش اینڈ شائن سے نکال دیا گیا۔ اور اب وہ یہاں تھا۔ ان دونوں کے عین سامنے۔

"یار تم دونوں تو ویسی کی ویسی ہو، بالکل بے حس و بے مروت مجال ہے جو مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہو۔" وہ ان سے گلہ کر رہا تھا فلک نے کمر کی دونوں جانب ہاتھوں کو جمایا۔

"دیکھو میرا غور سے دیکھ لو، لوگ جھوٹ بولنے کے باوجود بھی بندر نہیں بنتے۔ نواب صاحب کا فون بند تھا اور شکایت کر رہے ہیں ہم سے۔" فیضان نے کان کی لو کو کھجایا، خجل پن اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

"یار دراصل، فون گم گیا تھا نئی سم لینی پڑی اور پرانی کو بلاک کرا دیا تاکہ مس یوز نہ ہو جائے۔" اس نے شور میں وضاحت دی تھی۔ نوح کی نظروں میں یہ منظر قید ہو رہا تھا۔ سنجیدہ روہانسا چہرہ، خوشی کے دیوں سے یکدم ٹمٹماتا محظوظ چہرہ۔

"اچھا چھوڑو ان سب باتوں کو آؤ مزے کرتے ہیں۔ اتنی زبردست جگہ پر ہو اور یوں چپکی بیٹھی ہو آؤ چلو۔" فلک کے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تھے جس کے سبب دونوں سائیڈوں پر وی بنا ہوا تھا۔ وہ اسی میں سے ایک وی میں ہاتھ ڈال کر انہیں کھینچتا ہوا پریڈ میں لے آیا۔ وہ دونوں اب اس شخص

کے ساتھ اچھلنے کودنے میں لگے تھے۔ کھکھلاہٹیں ان کے چہروں پر آن جمیں تھی۔ خوشی ان کی شخصیت کا خاصا معلوم ہو رہی تھی۔ کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل یہ دونوں لڑکیاں کس دکھ سے گزری تھیں۔ دیکھنے والے اس بات کو مبالغہ آرائی کی حد تک جانتے۔ انہیں پر مسرت دیکھ کر نوح نے خاموش نظروں کے ساتھ واکی ٹاکی کو ہونٹوں کے قریب سے ہٹایا۔ اپنے قریب کھڑے پولیس آفیسر سے کچھ کہہ کر وہ دبے قدموں وہاں سے جا رہا تھا۔ موبائل کے پاس پہنچ کر اس نے واکی ٹاکی اندر رکھی، جیکٹ اور کیپ بھی اتار کر سیٹ پر رکھ دی۔ اب وہ فقط سیاہ پینٹ اور شرٹ میں موجود تھا۔ اپنے بھورے کوٹ کو جھک کر ڈگی میں سے لینے کے بعد وہ اسے بند کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے دل کا شور عجیب بے ہنگم سا تھا، ناآشنا اور ناسازسا۔ قدم تھے تو معلوم ہوتے تھے جیسے راکھ پر پڑ رہے ہوں اور سوچوں کی سلیٹ ہو نہ ہو وہ تو بالکل خالی تھی۔ اس نے طوفان بدتمیزی مچاتی سڑکوں پر گشت کرتے ہوئے گہرا سانس بھرا، خنکی ٹھٹھرا دینے والی تو تھی ہی ساتھ میں کچی مٹی کی خوشبو بھی گھل گئی تھی۔ یہ شاید کن من کا اثر تھا تبھی درختوں کی لکڑی کی تازہ خوشبو ہوا میں رچی بسی تھی۔ واثق امید تھی آج رات بارش برسے اور پھر سفید دنیا جنم لے لے، سفید دنیا سنوئی ورلڈ اس کا سب سے پسندیدہ موسم، اسی کی طرح سرد، خاموش اور پراسرار سا۔

اس کے فون نے رنگ کرنا شروع کیا۔وہ گاڑی روک کر سڑک کنارے بنی بڑی ساری گیندوں میں سے ایک پر بیٹھا،بیگ کو شانے سے اتار کر وہ دونوں ٹانگوں کے بیچ رکھ چکا تھا۔غفران کا نام پڑھ کر اس نے فوراً کال پک کی۔

"تمہیں پوری ڈیوٹی دینی تھی درمیان میں چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہو،مائیر نے پریشانی کے عالم میں مجھے کال کی۔اسے تو انفارم کر دیتے۔"چھوٹتے ہی انہوں نے اسے لتاڑنا شروع کیا۔نوح کے لبوں پر افسردہ سا تبسم ابھرا۔

"پریشان نہیں ہوں آپ،میں کچھ غلط نہیں کر رہا ہوں،وہاں کا شور میری طبیعت پر گراں گزر رہا تھا اس لیے۔۔"اس نے مصلحتاً بات کو ادھورا چھوڑا غفران کئی ثانیے چپ رہے پھر توقف کے بعد بولے تو آواز میں پدرانہ شفقت گھلی تھی۔

"بچے،مزاج کو تھوڑا سا بدلو،زیادہ خاموشیاں انسان کی پرسنالٹی کو سلب کر لیتی ہیں۔"ایک فرنچ لڑکی روڈ سائیڈ پر کھڑی گٹار کی دھنوں کو چھیڑ رہی تھی۔اس کے پاؤں کے پاس کاؤ ہیٹ پڑی تھی جو نوٹوں سے رفتہ رفتہ بھر رہی تھی۔اس لڑکی کی نظروں میں نوح آ گیا۔آنکھوں کی چمک آپ ہی آپ بڑھی۔

"ایشئن ہے اوپر سے مالدار لگ رہا ہے یا تو بہت بڑی قیمت دے گا یا پھر آفر، چلو فروسٹا قسمت آزماتے ہیں۔ ہیلووین اچھی گزرے گی میری۔" بلونڈ ہیئر، انجیکشنز سے بھرے ہوئے ہونٹ، چست جینز سلیولیس ٹاپ جس سے اس کے بازوؤں پر ہوئی کھدائی صاف نظر آرہی تھی۔

"جبکہ میرا خیال ہے یہ آپ میں گریس پیدا کرتی ہے، وقار وغیرہ۔" اسے چاچو کے ہنسنے کی آواز آئی تھی۔ اس دوران وہ فرنچ لڑکی اس کا طواف کرتے ہوئے گٹار کی مدھر سی دھن بجائے جارہی تھی۔ نوح نے خیر مقدمی والی مسکان کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

" صحیح ٹریک پر چل رہے ہو بیٹا، اب چونکہ تم ڈیوٹی کو ڈاج کر کے آہی گئے ہو تو گھر چلے جانا سیرا نے بتایا تھا اس نے زیرے میں تلی ہوئی بھنڈی بنائی ہے۔" وہ جانتے تھے بھنڈی نوح کی پسندیدہ سبزی ہے۔ اگر اس کے سامنے اسٹیک رکھ دی جائے اور دوسری جانب بھنڈی وہ بھی زیرے میں تلی ہوئی تو وہ اسٹیک پر بھنڈی کو ترجیح دے گا لیکن آج معاملہ الٹ ہوا تھا یکسر مختلف۔

"اس نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے کیونکہ آج میرا سوپ پینے کو شدت سے دل کر رہا ہے۔ چلو کوئی بات نہیں میں ناشتے میں لے لوں گا بھنڈی۔" وہ لڑکی اب بھی بھنورے کی طرح اس کے گرد منڈلا رہی تھی۔ نوح نے والٹ نکال کر کچھ پیسے اس کی ہیٹ میں ڈالے۔ وہ اتنے ہینڈسم لڑکے کی

آفر کی منتظر تھی مگر یہاں بے نیازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی تبھی اس نے اس کی طرف غور سے دیکھا تک نہ تھا ورنہ وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہ تھی۔

"نوح، کیا یہ سچ ہے، یہ تم ہی ہو نا؟" چاچو کو یقین نہیں آیا تھا۔ وہ بیگ اٹھاتا ہوا مخصوص راستے پر چل دیا۔

"سو فیصد سچ ہے۔ آپ فکر نہ کریں صبح میری رغبت دیکھیے گا۔" وہ ہنستے ہوئے خدا حافظ کہہ گئے تھے۔ نوح نے فون جیکٹ کی جیب میں ڈالا اور شیشے کو دھکیلتا ہوا اندر آ گیا۔ وہ آج بھی اسی کرسی پر بیٹھا تھا جس پر کچھ دن قبل موجود تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ یہاں کیوں آ رہا ہے۔ اس کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ وہ لڑکی تو بالکل بھی نہیں ہے جو شدید لالچی ہے۔ جو اس کے معاملات میں فضول میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ اگر وہ وجہ نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے؟ اس نے خود سے سوال کیے تھے جن کے جواب نہیں ملے۔

"میری آج کہنی میں درد ہے یعنی چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اس لیے آج آرڈر اور بل لے لیتی ہوں، کیا کہتے ہیں آپ؟" وہ اپنے باس سے کہہ رہی تھی جو مرر وال کے قریب ہی کاؤنٹر کے پیچھے براجمان تھا۔ اس نے جھٹ سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔ تم ان ٹیبلز کو کور کرو جہاں ایک یا دو باؤلز سرو ہونے ہیں باقی مائیکل دیکھ لے گا۔" وہ کچھ دیر شش و پنج میں مبتلا رہی پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کام میں جت گئی۔ وہ ایک میز کا آرڈر نوٹ کر کے شیف کو دینے کے بعد باہر آئی تھی جب وہ اسے دروازہ دھکیل کر اندر آتا ہوا نظر آیا۔ یہ دوسری بار تھا جب وہ اس شاپ میں آیا تھا۔ بیگ کو میز کے اوپر پرے کھسکا کر رکھنے کے بعد وہ سیل فون آن کر کے بیٹھ گیا۔

فلک مقناطیس کی طرح کھنچتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔ اس کے وہاں آتے ہی نوح نے اس پر نظر ڈالے بنا مینیو کارڈ کو میز پر آگے کو کھسکایا۔

"نمبر تھری۔" فلک نے نوٹ پیڈ میں اس کا آرڈر لکھا اور جا کر شیف کو دے دیا۔

"ہیں، یہ کیسی نشانی ہے میوٹ بٹن؟" ریستوران میں یا ہوٹلز اور کیفیز میں عموماً ویٹرز میزوں کی نمبرنگ یاد رکھتے ہیں لیکن آرڈر لکھتے ہوئے وہ آرڈر بک میں اس میز پر موجود ایسی چیز کی نشاندہی بنا لیتے ہیں جو باقی ٹیبلز پر نہیں ہوتی، جیسے افراد کی تعداد، کپڑوں کا رنگ، ایورتج پارٹی یا ایلیٹ پارٹی، منچلے یا پھر سنجیدہ مگر جو فلک نے نشانی لگائی تھی وہ کچھ زیادہ ہی عجیب تھی تو پھر چونکنا تو بنتا ہی تھا۔

"تو پھر کیا کہتے ہو سڑا ہوا کریلا، مرچوں کی دکان یا پھر مری ہوئی مولی کیسا رہے گا کیونکہ یہ القاب اس شخص پر پرفیکٹ فٹ جاتے ہیں۔"شیف نے بھنویں اچکائیں، معاملے کی تہہ اور نزاکت تک وہ پہنچ گئے تھے۔

"ہمم، یعنی یہ ذاتی تجزیہ ہے اور نوعیت اپنی سی ہے۔ ٹھیک ہے۔"وہ کٹی ہوئی سبزیوں کو بڑی سی کڑاہی میں انڈیل رہا تھا۔"میوٹ بٹن کا آرڈر اگلے دس منٹ میں تیار ہو جائے گا۔"وہ وہاں کھڑی کھڑی دس منٹ کا انتظار نہیں کر سکتی تھی اسی لیے باہر آگئی جہاں وہ تاہنوز فون کو ہاتھ میں تھامے اس میں گم تھا۔ فلک نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے کام میں جت گئی۔ لیکن یہ کیا اچانک اس کی آنکھیں بھاری کیوں ہو چلی ہیں۔ سر میں درد کیوں شروع ہو گیا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ بس ایک لمحے کو تو ہی کی تھیں پھر اس بری طرح اسے جھنجھوڑ کیوں دیا گیا۔ وہ ہڑبڑا اٹھی تھی۔

"تم سو رہی تھی؟"سوال مائیکل کی جانب سے آیا تھا۔ ایک یونیورسٹی اسٹوڈنٹ۔

"نہیں تو۔"فلک صاف مکر گئی۔ آنکھوں کی مرچیں بتا رہی تھی وہ سو گئی تھی۔ اس نے نگاہ اطراف میں گھمائی باس شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ فلک کی جان حلق میں میں آگئی۔

"جھوٹ، تم آج پھر سو رہی تھی۔ تم ہر روز یونہی کہیں نہ کہیں سونا شروع ہو جاتی ہو۔ کبھی شیشے سے سر ٹکا کر تو کبھی دیوار سے ٹیک لگا کر اور کبھی واش روم میں۔ میں کیا تمہارا کیئر ٹیکر ہوں جو ہر روز تمہیں ڈھونڈ کر جگاتا پھروں۔" وہ غصے میں آ گیا تھا۔ سوپ شاپ میں رش بڑھ رہا تھا اور اس لڑکی کی نیند پوری نہیں ہو رہی تھی۔

"دیکھو مائیکل، ہر وقت بہتان نہیں لگایا کرو مجھ پر میں کب سوتی ہوں اتنا۔" وہ خجل ہو رہی تھی۔ بری طرح ہو رہی تھی۔ نا جانے کیوں اسے لگ رہا تھا شیشے کی دیوار کے ساتھ فون میں مگن انسان ان دونوں کی تمام باتیں سن رہا ہے۔ سن کر اس پر افسوس کر رہا ہے۔

"بہتان۔۔۔۔ تم کتنی پکی ہو کر سفید جھوٹ بولتی ہو۔ یہ بہتان ہر گز نہیں ہے سچ ہے۔ جاؤ، فوراً جاؤ باس نے تمہیں طلب کیا ہے۔" وہ آنکھیں مسلتی ہوئی لب بھینچ کر باس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ منہ پھولا ہوا تھا اور پلکیں بار بار اٹھ گر رہی تھیں۔

"تمہیں منع کیا تھا نا سونے سے اور آج تو حد کر دی سامنے ہی دیوار سے ٹیک لگا کر سونے لگی۔ وہ بھی سارے کسٹمرز کے سامنے۔" فلک نے کان کے قریب اپنے بالوں کو کھجایا پھر منمناتے ہوئے بولی۔

"حالانکہ میں نہیں سونا چاہتی تھی۔ آنکھیں خود بخود بند ہوئی ہیں۔ پکا یہ میڈیسن کی وجہ سے ہوا ہے۔" باس کے ہاتھ کی مٹھی بن گئی۔ دانت اتنی زور سے کچکچائے کہ ٹوٹنے کے قریب ہو گئے۔

"آج تمہیں سزا ملے گی۔ باہر ٹھنڈ میں جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ پورے دس منٹ کھڑی رہو۔ آنکھیں کھلی رکھنا۔ کیمرے سے میں تمہیں دیکھوں گا۔ اگر ایک سیکنڈ کیلئے بھی آنکھیں بند ہوئیں تو تم آج جاب سے فارغ۔ جاؤ اب۔" وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن بیکار تھا۔ نوح پر ایک نظر ڈال کر وہ پوری دنیا میں سب سے برا منہ بناتے ہوئے شاپ سے باہر عین کیمرے کے سامنے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"آج کا دن ہی خراب تھا۔ بے عزتی ہونی بھی تو اس سڑے ہوئے کریلے کے سامنے۔" وہ پاؤں سے زمین کو کھرچتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اسے جمائی آئی۔ اس نے فوراً سے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے اور آنکھوں کو مزید پھیلا لیا تاکہ دیکھنے والا یہ نہ سوچے کہ وہ سونے کی تیاریوں میں ہے۔

"جم کر ہی بیٹھ گیا ہے جاتا کیوں نہیں بھئی۔" ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ شانے پر بیگ درست کیا۔ ریسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ اس پر ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی۔ چلو کچھ عزت رہ گئی۔ فون کال سنتے ہوئے وہ برق رفتاری میں وہاں سے چل دیا۔ فلک نے ایک آزاد سانس خارج کیا تھا۔ اس کے جانے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد مائیکل اس کو بلانے آیا تھا۔ وہ لپکتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی تھی۔

ہر رات کی طرح یہ رات بھی اس کیلئے مصروف ترین ثابت ہوئی تھی بالکل ہر دن کی طرح، اور بھی ناجانے کتنے سورج یوں مصروف گزریں گے، جانے کتنے چاند عجلت میں۔

سرما کی سرد خنک ہواؤں میں گھرا پکی سرخ اینٹوں سے بناوہ گھر اس وقت بڑا ہی متجسس معلوم ہوتا تھا۔ مہمان خانے میں چند افراد جمع تھے جن میں دو خواتین تھیں اور ایک مرد، فرخندہ، اس کے دونوں بیٹے معہ آل اور رشتے کروانے والی آپا اور ان کے برابر بیٹھی نگہت مع سپوت۔

"میری مینہ تو اتنی سگھڑ ہے کہ مت پوچھو یہ جو میز پر سفید پوش پڑا ہے نا ارے وہی جس پر گلدان دھرا ہے۔ یہ میری مینہ نے ہی کڑھا ہے۔ گلدان میں سرخ پھول بھی اس نے ہی سجائے ہیں۔ نازک بہت ہے نا اس لیے نازک چیزیں پسند کرتی ہے۔" فرخندہ مبالغہ آرائی کی حد تک پہنچتے ہوئے گویا ہوئیں۔ نگہت نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس نے سمجھایا بھی تھا اماں کو کہ اتنے بڑے بڑے جھوٹ نہ بولیں مگر مجال ہے وہ کسی کی سنیں۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ، لڑکیاں سگھڑ اور قناعت پسند ہی اچھی لگتی ہیں۔ آپ کے گھر کی ترتیب بتا رہی ہے کہ آپ کی بچی کو گھر سے لگاؤ ہے۔" پیور کراچی زبان میں بولتی ہوئی وہ عورت اپنے زرد دانت

دکھا گئی تھی۔ دراصل اس بے چاری کے دانتوں کا رنگ زرد تھا جسے دیکھنے پر دور سے میلے پن کا گمان ہو۔

"بالکل ٹھیک کہا، نت نئی چیزیں گھر میں لا کر سجانے کا تو اسے جنون ہے۔ کہتی ہے اماں جس طرح انسان سجے ہوئے اچھے لگتے ہیں نا اسی طرح گھر بھی بھاتے ہیں۔ وہ عورت ہی کیا جو گھر کو جنت نہ بنادے۔" نگہت نے کان کی لو کو کھجا کر ماں کو آنکھیں دکھائیں۔ وہ دو عورتیں جو رشتے کیلئے آئی تھیں ایک دوسرے سے نظروں ہی نظروں میں باتیں کرنے لگیں۔

"بہت دانا معلوم ہوتی ہے آپ کی بیٹی، بلائیں تو صحیح ذرا اسے۔" دوسری عورت نے کام کی بات کی تھی۔ گرم گرم خستہ بسکٹوں کی خوشبو نے مہمان خانے کو مہکایا ہوا تھا۔ کپوں میں چائے موجود تھی جن میں بسکٹوں کو ڈبو ڈبو کر کھایا جا رہا تھا۔

"جی ضرور پہلے آپ یہ چاٹ تو چکھیں، یہ بھی میری مینہ نے ہی بنائی ہے اور یہ زعفران سے ڈھکی ہوئی بالائی تو لیں بالکل تازہ اور ذائقے دار ہے۔ آپ کو بہت پسند آئے گی۔" جیسی بھی تھیں جو بھی تھیں ماں تھیں۔ بیٹی کے نصیب اس کی آنے والی زندگی کا سوچ سوچ کر دل گیند کی طرح اچھل رہا تھا ان کا، تھوڑی تھوڑی دیر بعد گردن کے بال کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر اس رشتے نے بھی انکار کر دیا تو بہت ذلالت ہو گی۔ مینہ تو رو رو مرے گی۔ بھلا ایک لڑکی ساٹھویں بار بھی انکار پر نہ روئے۔

اب تو معلوم ہوتا تھا پورا کراچی ہی ان کے گھر کا دیدار کر چکا ہے اور زعفران سے سجی بالائی کھا چکا ہے جو فرخندہ کی واحد پسندیدہ ڈش تھی۔ جتنی طوالت وہ برت سکتی تھیں برت لی مگر کب تک، آخر بلی کو تھیلے سے باہر نکالنا ہی پڑا۔ سانولی سی پکے چہرے والی مینہ جو ایک ہاتھ سے پولیو کا شکار تھی ان کے سامنے شرمندہ سی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ہتک کی سرخی ابھی سے گھل گئی۔ آتشی رنگ کا جوڑا بھلے ہی مہنگا تھا مگر چوائس میں بالکل زیرو، عورتیں جس سگھڑ لڑکی کی تاک میں تھیں اسے دیکھ کر ہق دق رہ گئیں۔ ان کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں ماش کی دال کی جگہ مسور دیکھنے کو ملے گی۔ وہ بیک وقت بول اٹھیں۔

"ماسی پیراں، کیا یہ لڑکی ہے؟" وہ عورت جو رشتے کرواتی تھی سٹپٹا گئیں۔

"ہاں بالکل، بچی شریف اور سلیقہ۔" ان کی بات سفاکی سے درمیان میں قطع کی گئی۔

"شریف اور سلیقے مندی کا اچار ڈالنا ہے۔ شکل نہ صورت اوپر سے معذور، کیا سوچ کر تم ہمیں یہاں لائی ہو۔" دل پارچہ پارچہ ہو گیا۔ لفظوں کی سنگینی، لہجے کی سفاکی، ماحول اور وہاں موجود لوگ اور ایک وہ جو خود سے معذور نہیں ہوئی تھی، ہونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو بس اللہ کی طرف سے آزمائش اتری تھی جسے وہ بچپن سے سہہ رہی تھی مگر کب تک؟ آخر کب تک لوگوں کے تیر سے

جملے اس کا دل چھلنی کرتے رہیں گے۔ کب تک وہ یوں نظریں جھکائے، آنسوں پیے بیٹھی رہے گی۔ کب تک؟

"بس بہن، اب تم حد پھلانگ رہی ہو۔" فرخندہ شعلہ بنی کھڑی ہوئی تھیں۔ مینہ چپکے سے وہاں سے نکل گئی۔ وہ عورتیں صوفے سے اسپرنگ کی طرح اچھلیں۔

"کیسی حد، ارے حد تو تم نے پھلانگی ہے۔ کوئی خدا کا خوف نہیں ہے تمہیں، تعریفوں کے اتنے قلابے ملائے کہ ہم تو حور پری سمجھ بیٹھے مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ دھوکا دیا جارہا ہے۔" نگہت معاملے کو بگڑتا دیکھ میدان میں کود پڑی۔ وہ لڑائی کرنے اور کرانے میں بہت مشہور تھی۔ پھوٹ ڈلوانے میں تو اس کا ثانی نہیں تھا مگر یہاں بات معذور بہن کی تھی اس لیے اس نے اپنا شاطر دماغ لڑایا اور پینترا اچھینک دیا۔

"بس کر دو اماں، ان جیسے کم ظرف لوگوں سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یوں بھی یہ کونسا ہماری بہن کو مفت میں لے جاتے، پلاٹ اور گاڑی نام کرواتے جو کہ ہم دینے کو تیار تھے اوپر سے لڑکے کو کام بھی تو کروا کر دیتے مگر نہیں انہیں تو معذوری نظر آئی سہولتیں نہیں جو ہم پیش کرنے کو تیار ہیں۔ ارے جاؤ بہن جا کر اپنے سونے سے بیٹے کو شیشے کے کیس میں سنبھال کر رکھو۔" گاڑی، پلاٹ اور کاروبار کا سن کر جہاں ان عورتوں اور مرد کی سیٹی گم ہوئی تھی وہیں فرخندہ اور

امین، اویس بھی گڑبڑا گئے تھے۔ انہوں نے ماں کو استعجابیہ نگاہوں سے تکا۔ ان کی آنکھوں میں سوال تھے بے تحاشہ سوال۔

"ہاں، بالکل۔" فرخندہ کی نظریں تمسخر اڑاتی اپنی بہوؤں پر گئیں جو بعد از نگہت کے اعلان پر سفید پڑ چکی تھیں۔ یہی موقع تھا انہیں کا لا راستہ دکھانے کا سو وہ بنا سوچے سمجھے نگہت کی زبان بول گئیں۔

"اپنی بیٹی کو اس کے بہتر مستقبل کیلئے زبردست جہیز نہ دیں تو پھر فائدہ ہمارے والدین ہونے کا، ٹھیک ہے بہن جتنی بے عزتی تم نے کرنی تھی کر لی اب اپنی راہ لو۔" ان دونوں عورتوں نے اس واحد مرد کو راہ نجات کیلئے دیکھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔ وہ بھلا ایسی موٹی آسامی کس طرح ہاتھ سے جانے دے سکتے تھے۔ اگر یہ موئی ماسی پیراں انہیں حقیقت کی خبر دے دیتی تو وہ یوں منہ بھر کر اس بچی کو باتیں نہ سنا رہی ہوتیں۔ ماسی پیراں تو بے چاری خود ہق دق تھیں انہیں کیا بتاتیں۔

"ارے بچے، خفا نہ ہوں یہ تو بے وقوف ہیں کچھ بھی بولے چلی جا رہی ہیں۔ عورتیں ویسے بھی جذباتی ہوتی ہیں معلوم ہے نا آپ کو۔" وہ آدمی لالچ کی چمک سے منور ہوتی آنکھوں کے ساتھ فرخندہ کو کہنے کے بعد امین کو دیکھ کر مخاطب ہوا۔

"اور ویسے بھی اس طرح کے معاملات گھر کے مرد دیکھ لیں تو بہتر ہوتا ہے۔ کیوں بیٹے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" امین نے بادل نخواستہ سر کو ہلایا۔ نگہت مچھلیوں کو جال میں پھنسانے کے بعد اتراتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک کہا آپ نے، تو پھر؟" امین کے سوال کا جواب انہوں نے مٹھائی کی ٹوکری میں سے گلاب جامن اٹھا کر دیا تھا۔

"تو پھر یہ کہ یہ رشتہ پکا سمجھیں۔" دونوں عورتوں نے روبوٹی انداز میں تیز تیز اثبات میں سر ہلایا۔ امین کے منہ میں مٹھائی ٹھونسنے کی سعی کرتا ہوا اس آدمی کا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا وجہ فرخندہ کی باریک چبھتی ہوئی آواز تھی۔

"معاف کرنا لیکن اب یہ ممکن نہیں کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے ساتھ آئی خواتین میری بیٹی کی عزت کی دھجیاں اڑا رہی تھیں جو کہ میری برداشت قبول نہیں کر رہی۔" مادیت پسند اس آدمی نے مصنوعی ہنستے ہوئے فرخندہ کو دیکھا پھر دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"بہن جی، میں نے تو ایک لفظ نہیں بولا نا کیونکہ میں جانتا ہوں یہ دونوں جذباتی ہیں جو منہ میں آتا ہے اول فول بک دیتی ہیں مگر آپ فکر نہیں کرو ہمارے گھر کے فیصلے مرد ہی کرتے ہیں۔" فرخندہ

نے چہرے کا رخ اپنی کاریگر بیٹی کی طرف کیا جو بالوں کی لٹ کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے ابرو کا اچکا گئی تھی۔ماں نے بیٹی کے انداز کو دیکھا، سمجھا پھر جواب دیا۔

"مان لیں بھائی صاحب ان کا سلوک غیر انسانی تھا۔انسان معذور ہو یا صحت مند یہ اس کے اختیار میں نہیں ہوتا اوپر والا فیصلہ کرتا ہے۔"اس آدمی نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھولنے والے انداز میں ہلایا۔

"بجا فرمایا،بجا فرمایا، لیکن غلطی بھی تو انسان سے ہی ہوتی ہے اور یہ دونوں تو ویسے بھی زبان کی کچی ہیں۔"فرخندہ صوفے پر ٹکیں،رشتہ پکا تھا وہ جان گئیں۔

"اور کیا گارنٹی ہے۔جو آج اتنا منہ بھر کر بول رہا ہے وہ کل کو میری بیٹی کو ستائے گا نہیں۔"اس آدمی نے اپنے ساتھ آئی عورتوں کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔وہ دونوں گڑبڑاتے ہوئے بول اٹھیں۔

دیکھو بہن،وہ ماضی تھا۔اسے ماضی ہی رہنے دو۔ہم جذباتی ہیں یہ بات درست ہے مگر تمہیں یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ ہمارے لبوں سے بچی کے خلاف لفظ تک نہیں سنو گی۔"لالچ نے انہیں کھسیانے پر مجبور کر دیا۔فرخندہ کے ماتھے پر تیوریاں ابھر گئیں۔پھر وہ اپنے جوبن میں بولیں۔

"چلو کر لیا یقین۔"

"تو پھر منگنی کی رسم کب کرنی ہے۔" وہ آدمی پوچھ رہا تھا۔ فرخندہ نے اپنے بیٹوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اویس نے پہلی بار مداخلت کی۔

"اگلے جمعے۔" پھر ماں اور بھائی کو تائیدی انداز میں دیکھا۔ "میرے خیال سے ٹھیک رہے گا، نہیں؟" سب کے سر اثبات میں ہل گئے تھے۔ جہیز کی لعنت اور پیسے کی خباثت ان لوگوں پر پڑ چکی تھی۔ پاکستان کے نوے فیصد گھرانوں کی طرح اس گھر نے بھی اپنی بیٹی کو مہذب انداز میں بیچ دیا تھا بیچتے نہ تو وہ گھن لگی شے کی طرح وہاں پڑی رہتی۔

دن آج سیاہ تھا جیسے رات ہو۔ دل ویران تھا جیسے کھنڈر ہو۔ قہر بے زباں تھا جیسے مرگھٹ ہو۔

وہ اپنے کمرے میں کھڑی خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے کی رگ بری طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ سانس غیر متوازن تھا۔ وہ طیش کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کی دماغ کی رگ پھٹ جائے گی تبھی خود کو کالم کرنے کیلئے اس نے ایک کے بعد ایک چیز کو توڑنا شروع کیا تھا۔ یہ اس کیلئے دوا تھی۔ اسی کے باعث تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا تھا۔ گوچی کا پرفیوم بھوری رگ پر پوری طرح پھیل چکا تھا۔ کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دیوار سے ٹکرانے کے بعد اچھلتے ہوئے رگ پر گر رہے تھے۔ پرفیوم، باڈی مسٹ، رول آن، فاؤنڈیشنز پیلٹس، لیمپ، فریمز حتیٰ کہ ایل

ای ڈی بھی اس کے عتاب کا نشانہ بن چکی تھی۔ مگر آج اسے سکون نہیں آرہا تھا کسی طور نہیں آرہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھی دہراتے ہوئے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکے جا رہی تھی۔ اس کے ماتھے کا درمیانی حصہ شدت کے ساتھ دکھ رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں ہتھوڑا مارا گیا ہو۔ عین رگ کے اوپر۔ وہ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ شیشے چبھ جاتے اگر اس نے موٹے ویلوٹ کا نائیٹ سوٹ نہ پہنا ہوتا۔

"میں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، یہ کس طرح ممکن ہے بھلا۔" وہ اس وقت رامیہ جبران نہیں تھی۔ وہ اس وقت ایک سائکو پیشنٹ تھی۔ ایک ڈپریس لڑکی جسے انگزائٹی کے دورے پڑتے تھے۔ جو خلاف مزاج ایک بات بھی سننے کی روادار نہیں تھی۔ جو خود پسند، خود شناس لڑکی تھی۔ جس نے بہت چھوٹی سی عمر میں ہی بہت نام کما لیا تھا۔ اس کی محنت، اس کا کام، اس کی لگن کس طرح بھلا نظر انداز ہو سکتی تھی۔ جبران کس طرح بھلا اس کی محنت سے پھلتا پھولتا کاروبار اس شخص کے نام کروانے کا سوچ سکتے تھے جو اب تک فقط گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ کس طرح اس لڑکے کو اس پر فوقیت دے سکتے تھے بھلا۔

"نہیں، بالکل بھی نہیں، میں۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر کو گرایا، گھٹنوں کے بل بیٹھی ابلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ لڑکی بالکل ابنارمل لگ رہی تھی۔ کانفیڈنٹ، بزنس وومن رامیہ نہیں بلکہ ایک مریض، موٹی سلاخوں کے پیچھے موجود پاگل مریض۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ وہ میری محنت ہے۔ میری آنکھوں کے نیچے حلقے ہیں۔ میری وہ لمبی راتیں ہیں جو اس کو بنانے میں آنکھوں میں کٹی ہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں یہ زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ بکھرے ہوئے بالوں اور برہنہ پاؤں کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اس نے کوئی بھی گرم چیز نکلتے ہوئے نہیں پہنی تھی۔ اسے احساس ہی نہیں تھا۔ وہ راہداری پھلانگ کر دائیں جانب مڑی، بڑے سے شیشے کے دروازے کے عقب سے جبران کی آواز آرہی تھی۔ وہ آن لائن پریس میٹنگ کر رہے تھے۔ رامیہ نے دھاڑ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھولا۔ نظر کے چشمے کے پیچھے موجود دو آنکھوں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔ اس کی بکھری ہوئی حالت اس کی ذہنی خلفشار کا پتہ دے رہی تھی۔

"میں آپ لوگوں کو دس منٹ کا وقفہ دیتا ہوں۔ دس منٹ بعد ہم پھر سے یہیں سے شروع کریں گے۔" کہتے ساتھ ہی انہوں نے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو گرا دیا۔ رامیہ سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ان کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔ جبران نے چہرہ اٹھا کر اپنی بیٹی کو دیکھا جو گردن کے نیچے انگلی رکھ کر رگیں پھلاتی ہوئی دھیمی آواز کے ساتھ بول رہی تھی۔

"میں آپ کو اپنے ساتھ بد سلوکی کرنے نہیں دوں گی، میں اس زیادتی کی اجازت نہیں دوں گی۔"

نم آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، بکھرے بال، ابنارمل سی وہ۔

"بات کا لب لباب کیا ہے؟" وہ چیخ پڑی۔ اس بار آواز میں اونچائی اور لہجے میں گستاخی شامل تھی۔

"یہی کے آپ میری محنت اس شخص کو دے رہے ہیں جو بالکل بے وجود ہے۔" جبران خاموشی سے اسے سنتے گئے۔ رات کے سناٹے میں اس کی آواز بہت دور تک پھیل رہی تھی۔ یقیناً اس کی ماں گھر پر نہیں تھی ہوتی تو اب تک ضرور آچکی ہوتی۔

"لیکن میں۔" اس نے پھر سے شہادت کی انگلی کا رخ اپنی جانب کیا۔ سر ہل رہا تھا اور ضبط ڈگمگا رہا تھا۔ "بالکل بھی ایسا۔۔۔ نہیں ہونے دوں گی۔" لبوں کو بھینچ کر ابرو کو اچکا کر وہ انہیں باور کروا رہی تھی جو اچھے سے ہر ایک کو اس کی اوقات باور کروانے کا ہنر رکھتے تھے۔ ناچار انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ بھی ایسا کیا تھا۔

"کس حق سے؟" لفظ تھے کے نشتر، وہ جو بلک رہی تھی ضرب سے تھم گئی۔ سماعت نے سنا اور دماغ نے اسے ڈی کوڈ کر کے محفوظ کر لیا۔ چہرے کے تاثرات یکلخت بدلے۔

"کس حق سے آپ روکیں گی، وہ آپ کا بھائی ہے۔ آپ سے زیادہ اس جائیداد پر اس کا حق ہے جو میری ہے اور یہ مجھ پر ہی منحصر ہے کہ میں کس کو کتنا اور کیا دوں گا۔ آپ نے اس کمپنی پر محنت

کی، آپ نے بہت سی کمپنیوں پر محنت کی ہے اور میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ مگر رشتوں کی قدر آپ بھول رہی ہیں۔ میں اسے کچھ بھی دے لوں گا تو آپ کا واویلا بالکل ایسا ہی ہو گا اس لیے آپ جا سکتی ہیں۔" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ناممکن، کیا یہ اس کے ہی ڈیڈ تھے جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جنہیں اس کے انگزائٹی اٹیک سے خوف آتا تھا۔ جو اسے بالکل نارمل کرنے کیلئے کچھ بھی کر لیتے تھے۔ اس کی ہر بات مانتے تھے تو پھر آج۔۔۔

"آئی سی۔۔۔ بیٹا ہے وہ۔" اس نے سر کو پیچھے کی اور جھٹکا دے کر کہا۔ "بیٹوں سے افضل، ہم سے زیادہ کا حقدار۔" خاموش طبع جبران اپنی بیٹی کے لفظوں سے تڑپ کر رہ گئے۔ اسے وارن کیا۔

"فار گاڈ سیک رامیہ۔" وہ ایک قدم آگے آئی۔ جبران کی گردن مزید اوپر اٹھ گئی اسے دیکھنے کیلئے۔

"اگزیکٹلی، فار۔۔ گاڈ۔۔ سیک۔" ایک قدم آگے آنے کے بعد وہ یکلخت ہی مڑ گئی تھی۔ اس کے قدم دروازے کی جانب تھے جنہیں لفظوں کی زنجیروں نے بری طرح جکڑ لیا۔

"اس سے اتنی نفرت کیوں بیٹا؟" اس نے مڑنے کی زحمت نہیں کی تھوڑی کو شانے سے ٹکایا، فینسی لائیٹ میں اس کے بالوں سے زیادہ اس کا چہرہ گلو کر رہا تھا۔ پتہ نہیں چہرے کی چمک زیادہ تھی یا آنکھوں میں موجود نمی کی جو بھی تھا بہت تضاد لیے ہوئے تھا۔

"آپ بتائیں اس سے اتنی محبت کیوں؟" دل کاٹ سوال آیا تھا انہوں نے جواب نہیں دیا۔ بعض اوقات خاموشیاں بہترین جواب ہوتی ہیں اور سامنے والا جج، اب یہ اس پر منحصر کرتا ہے کہ وہ بات کو کس رخ پر لے کر جاتا ہے۔ دانائی کا دامن تھام کر درست یا پھر بدگمانی کے دھاگے کو پکڑ کر غلط رخ پر، وہ بہترین جج نہیں تھی غلط رخ پر لے گئی۔

"سب سے عزیز ہے، ہے نا؟ مگر سن لیں مجھے نہیں ہے وہ عزیز، اس کی اور اس کی ماں کی وجہ سے ماما نے بہت سفر کیا ہے، بہت کچھ سہا ہے۔ آپ کیلئے وہ پیارا ہو گا لیکن میرے لیے وہ ہماری خوشیوں کا دشمن ہے۔ اس لیے مرتے دم تک میں اس سے نفرت کرتی رہوں گی۔" اس نے تھوڑی کو شانے سے ہٹایا کچھ دیر وہاں رکی رہی یہی کوئی دو تین سیکنڈ پھر وہ اپنے شکستہ وجود کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔ جبکہ جبران ٹھس بیٹھے رہ گئے۔ ان کی میٹنگ ہونے والی ہے وہ فراموش کر گئے تھے۔ شکست خوردگی کے ساتھ انہوں نے کرسی کی پشت پر سر کر گرایا فانوس کی دودھیا روشنی ان کی سیاہ آنکھوں پر جگہ بنا چکی تھی۔ انہیں یاد تھا وہ وقت جب رامیہ نے بزنس میں دلچسپی لی تھی۔

"میں نے یہ سبجیکٹ پڑھا ہی اس لیے ہے تاکہ اسے اپنا پروفیشن بنا سکوں۔ میں اس فیلڈ میں اپنا بے تحاشہ نام بنانا چاہتی ہوں۔" کم عمر اور ناتجربہ کار سی وہ لڑکی اپنی روشن آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انہیں کہہ رہی تھی۔ انہوں نے ہر قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کی کاوشوں کو سراہا تھا۔

"ہانگ کانگ میں میری نئی پروجیکٹ کو لے کر میٹنگ ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اس پروجیکٹ کو لیڈ کریں اور میری جگہ میٹنگ اٹینڈ کریں۔" یہ تب کی بات ہے جب ان کا بیٹا اسکالرشپ کیلئے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ وہ چھوٹا تھا تو ان کے پیسے رکھ لیتا تھا۔ وہ بڑا ہوا تو اسے کاغذ کے وہ نوٹ احسان اور خیرات لگنے لگے۔

"میں نے نوح کے نام کی ایک کمپنی کھولی ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کا جتنا بھی پرافٹ ہو نوح کو جائے۔" وہ جانتے تھے ان کی کمپنی کی ہر نئی برانچ کو آگے سے آگے بڑھ چڑھ کر وہ سنبھالنے میں لگ جاتی تھی۔ اس بار بھی ایسا ہی ہو رہا تھا اور زور و شور سے ہو رہا تھا۔ وہ جان گئے بچپن کی طرح اب بھی نوح کیلئے آئے گئے سامان کو اس تک پہنچنے سے روکنے کی سعی اب بھی جاری و ساری ہے۔ وہ دن رات اپنے اس لیے ضائع کر رہی ہے تاکہ وہ کمپنی اسے نا ملے جو پہلے ہی لینے سے انکار کر چکا ہے۔

"مجھے اس دولت میں کوئی دلچسپی نہیں جو میری نہیں ہے۔ ایم سوری میں سائن نہیں کروں گا۔" انہوں نے کل صبح ہی تو اسے فون کر کے پاکستان آنے کو کہا تھا جب وہ آنے پر راضی نہ ہوا تب انہوں نے مدعے کی بات کی تھی۔ وہ انکاری تھا وہ ہر چیز کی طرح اس پر بھی انکاری تھا مگر یہ بات رامیہ اور تنزیلہ نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ وہ اسے لالچی سمجھتی تھی۔ اسے جو بالکل بھی نہیں تھا۔

گلاسگو میں صبح کے سات بج چکے تھے۔ جبران کی آنکھوں میں اس انسان کا چہرہ تھا جو اس وقت اپنی

مقررہ جگہ پر بیٹھا انفنٹی کے سائن کو مکمل کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا وہ خود کو کوٹ میں چھپائے اندر آئی ہے۔ ایک نظر اس پر ڈال کر دور سے ہاتھ ہلا کر وہ مین دروازے پر گئی جسے مائیر نے وا کیا تھا۔

"سردی کی شدت بتاؤ لڑکی۔" دروازہ کھولتے ہی ٹھٹھراتی ہوا نے مائیر کے بے چارے کانوں کو جما دیا۔ وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اس سے پوچھ رہا تھا جس کا کوٹ ہوا میں موجود ان دیکھی نمی کے باعث نیم گیلا ہو چکا تھا۔ کوٹ اتار کر اس نے اسٹینڈ پر لٹکایا اور مسکراتی ہوئی آواز کے ساتھ گویا ہوئی۔

"اس کا جواب لان میں بیٹھا ہوا انسان بہتر دے سکتا ہے۔" وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر آئے۔ اندر ہیٹر کی گرمی نے اعصابوں کو تراوٹ بخش دی تھی۔ اس نے غفران اور سیرا کو وش کیا تھا کرنے کے بعد ہی وہ کچن کی جانب چل دی۔

"ارے وہ تو برف کا مجسمہ ہے۔ وہ کیا جواب دے گا مجھے بھلا۔" سیرا نے اس جواب پر اسے آنکھیں دکھائیں۔ مائیر بھرپور طریقے سے اگنور کر کے صوفہ سنبھال گیا۔

"ہر وقت فضول نہ بولا کرو اور فلک۔" انڈوں کو فریج سے نکالتی ہوئی وہ رک کر سیرا کو دیکھنے لگی جو کہہ رہی تھی۔ "میں چاہ رہی تھی اگر تم مزید دو ماہ اور ہمارے گھر کام کر لو تو یہ بہتر رہے گا، نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"اس کے کھلتے چہرے پر برف سے الفاظ ٹکرائے، ٹکرانے کے بعد وہاں اداسی کی دراڑیں چھوڑ گئے۔"مجھے گھر میں ہجوم پسند نہیں ہے۔پرائیوسی چاہیے ہوتی ہے۔اگر اس نے یہاں مزید کام کیا تو میں کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا۔"دراڑوں میں خون سے بھری سرخی تھی۔ پلکیں مسلسل جھپکے جا رہی تھیں۔اس نے خاموشی سے انڈوں کو اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھا اس دوران سیر انوح سے بحث میں مگن ہو گئی۔

"لیکن بھائی آپ جانتے ہیں سردی میں مجھ سے کام نہیں ہوتا۔"وہ غفران کے بالکل برابر آ کر بیٹھا جو لب بستہ مگر پر سوچ تھے۔

"یہاں پاکستان کی طرح گرد نہیں ہے سو لمبے عرصے تک ہمیں صفائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے رہی کوکنگ کی بات تو وہ مینج ہو جائے گا۔"وہ پین میں موجود بہت بہت کم آئل میں ایک ساتھ تین انڈے توڑ کر ڈال رہی تھی۔اس کے یہاں مزید پندرہ دن باقی تھے جنہیں بہت صبر اور تحمل کے ساتھ اس نے پورا کرنا تھا۔وہ نوح کی بھیں بھیں کو بالکل اسی طرح نظر انداز کر رہی تھی جیسے چپکو مکھی کی آواز کو نظر انداز کرتی ہے۔ہونہہ، آیا بڑا۔

"مگر نوح۔"اس بار قدرے درشتی سے بات قطع کی گئی۔ فلک نے انڈوں کو خوبصورت پلیٹ میں منتقل کیا۔ وہ یہی عمل پھر سے دہرا رہی تھی یعنی تین انڈوں کو توڑ کر پھر سے پین میں ڈال رہی تھی۔

"بحث مت کرو سیرا۔"وہ چپ ہو گئی تھی۔ منہ پھلا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ مائیر کو ایک یہی چیز بہت پسند تھی۔ اس کا پھولا ہوا منہ، افف کتنی اچھی لگتی ہے ایسے وہ۔

"تمہیں اس کے ساتھ پولیس اسٹیشن سائن کرنے جانا ہے۔"یہاں کون سے سائن کی بات ہو رہی تھی نوح اچھے سے جانتا تھا اس لیے سر کو ہولے سے ہلا کر گویا ہوا۔

"معلوم ہے، میں سائن کر آیا ہوں۔"اس کی اطلاع پر غفران بدکے۔

"کب کی بات ہے یہ؟"نوح نے سیرا کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ ٹانگ ہلاتی ہوئی فون میں مگن ہو چکی تھی جبکہ مائیر نیلی یونیفارم والی کے ساتھ خوش گپیوں میں۔

"پرسوں دوپہر۔"مختصر جواب پر وہ اب فلک کی جانب متوجہ ہوئے تھے جس نے کیتلی میں چائے چڑھا دی تھی۔

"اسی وجہ سے چڑ کھاتے ہو نا اس سے۔"نوح انہیں دزدیدہ نگاہوں سے تکنے لگا پھر حیرت سے گویا ہوا۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے اس سے چڑ ہے، نہیں چاچو ایسا بالکل بھی نہیں ہے بلکہ میں اس کے لالچی پن سے گھن کھاتا ہوں۔ اس لیے چاہتا ہوں ہم اس سے جلد از جلد چھٹکارا پالیں۔" غفران کو اس کی ججمنٹ ایک آنکھ نہیں بھائی لفظوں کے ساتھ چہرے پر بھی کڑواہٹ پھیل چکی تھی۔

"وہ لالچی ہے تمہیں کیسے معلوم؟" چاچو بھتیجے کی کھسر پھسر پر مائیر نے آنکھیں چڑھاتے ہوئے مڑ کر دونوں کو دیکھا پھر سیدھا ہو کر فلک کی معلومات میں اضافہ کرنے لگا۔

"یہ چیک دار شرٹ والا کھسکا ہوا ہے اسے سردی کی طرح اگنور کیا کرو، جتنا نظر انداز کرو گی اتنا فائدہ ہے۔" فلک نے دبی مسکان کی طرح اس کی نصیحت سنی تھی۔ نوح کی نظروں سے اس کی مسکان پوشیدہ نہیں رہی۔

"بس پتہ ہے۔" اپنی سفید جیکٹ اٹھا کر وہ سب کو خدا حافظ کر کے چلا گیا۔ آہستہ آہستہ سب ہی چلے گئے۔ فلک نے اچھے سے گھر کو صاف کیا۔ بچپن میں جس طرح ہم کاپی کے پیج پر گھر بنایا کرتے تھے جس کے پیچھے موجود پہاڑوں کے درمیان سے سورج شعائیں پھیلاتا ہوا مسکراتا ہوا نکلتا تھا بالکل اسی طرح کا سرخ میل باکس ان کے گھر کے باہر لگا تھا جس پر غفران کا نام درج تھا۔ وہ اس میں سے میلز نکال کر اندر لائی اور انہیں سنٹرل میز پر رکھ دیا۔ ایک نظر صاف ستھرے گھر پر ڈالنے کے بعد وہ اپنا کوٹ اٹھاتی باہر آگئی۔ گھر کو لاک کیا اور نکل پڑی "خوشی" کی طرف، راستے

میں صبح کے اجالوں نے اس کا ویلکم کیا تھا۔ کسی کے گھر سے ٹوس بننے کی خوشبو آ رہی تھی تو کوئی اپنے باغیچے میں خشک لکڑیوں کو جلا رہا تھا۔ اونچی نیچی اس کے پاؤں تلے بچھی سڑکیں نمی کے باعث گیلی تھیں۔ شیشہ سڑک پر آگے بڑھتے ہوئے وہ خوشی کے قریب آ کر رکی۔ اس کے رکنے کا سبب وہ انسان تھا جو اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی آئی تھی تبھی اس کا سانس پھول رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کا سفر اس نے پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔ اس کی سیاہ اسکرٹ اور رسٹ رنگ کی جرسی سفید ملگجے سے کوٹ کے اندر سے جھانک رہی تھی۔ وہ یقیناً واش اینڈ شائن جا کر یونیفارم بدل آئی تھی۔ فرنچ ناٹ ہمیشہ کی طرح بنی تھی مگر آج اس نے بالوں کی ہائی پونی ٹیل بنائی ہوئی تھی جو اس پر بہت سوٹ کر رہی تھی۔ نوح ایک نظر میں ہی اسے جانچ چکا تھا۔ وہ چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ کر رکی۔

"تم یہاں بھی کام کرتی ہو نا۔" لہجے میں تحقیر کی آمیزش تھی۔ فلک نے سر کو ہلایا ایسا کرنے سے اس کی پونی ہل گئی تھی۔

"ہمم، واش اینڈ شائن، خوشی، بار، سوپ شاپ۔۔" انگلیوں پر گن کر وہ گردن اٹھائے اسے تک رہا تھا۔ تکتے ہوئے سراپا سوال تھا۔ "کوئی اور جگہ بچی ہے کیا؟"

"بن اسٹیچنگ انڈسٹری۔" فلک نے مدھم آواز میں اسے مطلع کیا، نوح کی تیر کمان سے ابرو اچک گئی۔

"پر آوور سیلری یعنی پاکستان یا پھر عام ممالک میں موجود ایک گورنمنٹ کے بندے سے چار گنا ڈبل پیسے تم کمار ہی ہو۔ تم تو اچھی خاصی۔" وہ مصلحتاً چپ ہو گیا۔ فلک کے ماتھے پر جال بننا شروع ہوئے تھے۔ نمی بھری ہوا کے نیچے وہ ننگے سر کھڑی تھی۔ اس کے بالوں پر جو چمک تھی وہ دراصل نمی کے باعث تھی قدرتی نہیں تھی۔

"کیا مطلب ہے ان باتوں کا؟" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا فلک سے وہ کافی لمبا تھا یہ احساس اس لڑکی کو اب ہوا تھا ورنہ کبھی اس طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

"مطلب یہ کہ۔" اس کی چیک دار شرٹ میں جو کیمل رنگ تھا وہی رنگ اس لڑکے کی جیکٹ اور شوز کا بھی تھا البتہ جینز اور ریسٹ واچ لائیٹ گرے رنگ کی تھی۔ "آئندہ تم میرے رستے میں آئی تو میں تمہارے سارے رستے بند کر دوں گا اور یہ دھمکی نہیں ہے۔ اس کا ڈیمو آج تمہیں مل جائے گا۔" سرخ ناک کے ساتھ گردن اٹھائے وہ اس لڑکے کو سن رہی تھی جسے وہ میوٹ کہتی ہے۔ وہ میوٹ ہی رہے تو کتنا اچھا ہو گا نا۔

"اور کیا کرو گے تم؟"اس نے جواب نہیں دیا تھا۔وہ اسے جواب دینے کے قابل سمجھتا بھی نہیں تھا۔اس لیے اس کی سائیڈ سے نکل کر پارکنگ کے سائن بورڈ کے پاس کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا مگر اس کی یہ کوشش ناکام گئی تھی۔وہ کر اس بیگ کی اسٹرپ تھام کر اس کی راہ میں حائل ہوئی۔

"تمہیں مجھے بتانا ہو گا کیا کرنے والے ہو تم یعنی۔"اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیا کہے،بدترین خیالات اس کے ذہن میں کنڈلی مار گئے تھے۔اس نے بے چین نظروں سے خوشی کو دیکھا اور پھر اسے جو کہہ رہا تھا۔

"سامنے سے ہٹو۔"منہ سے بھاپ نکالتے ہوئے وہ سخت لہجے میں بولا،آسمان سے گرتی نمی کی چادر میں وہ دونوں لپٹے کھڑے تھے۔نوح نے اس کی بات پر دانت کچکچائے۔

"میں ہٹ جاؤں گی ہر اس جگہ سے ہٹ جاؤں گی جہاں تم ہو گے لیکن دیکھو پلیز مجھ سے پنگا مت لینا کیونکہ یہ سب میرے بس کی بات نہیں ہے۔تمہارے گھر بھی میں شوق سے نہیں آئی ہوں میری کمپنی مجھے جہاں بھیجے گی میرا وہاں جانا ضروری ہو گا کیونکہ یہ میری جاب ہے اور اسی طرح جب تم خودکشی کا ارتکاب کرنے لگتے ہو تو میں اپنی مرضی سے وہاں نہیں آتی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔"تیز تیز بولتے ہوئے اس نے گہری بھاپ اپنے اطراف میں چھوڑ دی تھی۔بات ختم کرنے

کے بعد بھی کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے دونوں ہاتھ ہلا کر بھاپ پلس سموگ کو ہٹا کر دیکھا تو وہاں کچھ نہیں تھا ماسوائے دور تک پھیلی خالی سڑک کے، گاڑی کے چلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ شکست آلود قدموں کے ساتھ وہ خوشی کا دھندلا شیشہ دھکیل کر اندر جا رہی تھی۔

کچھ دنوں بعد اکتوبر کا اختتام ہونے والا تھا اور نومبر کا آغاز، کیلنڈر پر تاریخ اور قول درج تھا۔

"محبتیں نومبر میں جنم لیتی ہیں۔" لونیر کلینڈر پر اس قسم کے قول اکثر و پیشتر لکھے ہوتے ہیں۔ جو انہیں پڑھنے و دیکھنے والوں کو موٹیویٹ کرتے ہیں۔ آنکھیں ملتے ہوئے مہت نے اس قول کو پڑھا اور جی اٹھا۔

"درست لکھا ہے محبتیں نومبر میں جنم لیتی ہیں۔ ہاں ایسا ہو گا، میری اور فلک کی محبت ان شاء اللہ اسی مہینے تکمیل کو پہنچے گی۔" چیک دار نائیٹ سوٹ اور فوم والے روم سلیپرز اب بھی اس کے پاؤں میں تھے۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے مگر اب بھی نیم اندھیرا تھا۔ اس نے منہ دھو کر برش کر لیا تھا۔ ٹوسٹ کو کترنے کے بعد اس نے خود کو وارڈروب کے سامنے کھڑا کیا اور جو ہاتھ لگا پہن لیا، تیار

ہونے کے بعد اس نے شوز کے لیسز باندھے اور بیگ کو کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ ہیلمٹ اٹھا رہا تھا جب اس کے فون کی گھنٹی بج اٹھی، نمبر انجان نہیں تھا۔ اس نے کال پک کر لی۔

"صبح بخیر عروبہ۔" عروبہ کی چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ وہیں کاؤچ پر ٹک گیا۔

"تمہیں بھی صبح بخیر، بتاؤ اٹھ گئے ہو؟" وہ اس کے احمکانہ سوال پر ہنسا تھا۔

"ایک اسٹوڈنٹ کیلئے وقت کا پابند ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔" وہ اسے بتا رہا تھا جب عروبہ پھر سے ہنس دی۔

"اوکے لائق فائق اسٹوڈنٹ آپ اپنے گھر کا دروازہ کھولیں گے۔" مہمت نے اچنبھے سے دروازے کو دیکھا اور پھر فون کو۔

"تم باہر ہو؟" وہ سوال کر رہا تھا جواب سننے سے پہلے ہی اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"میں تمہارے سامنے ہوں۔" دو تھیلوں کو اٹھا کر اس نے اوپر کیا تازہ ناشتے کی خوشبو وہ سونگھ سکتا تھا۔

"یہ تو زبردست سرپرائز ہو گیا صد شکر تم نے پہلے ہی فون کر لیا ورنہ میں تو ابھی جانے والا تھا۔" اس کے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ اندر آیا۔ اوپن ائیر کچن عروبہ کی نظروں میں آ چکا تھا۔ وہ مہمت کی مدد سے ناشتہ چن چکی تھی اور اب وہ دونوں بیٹھے ہوئے اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"آج بیس اکتوبر ہے تو میں نے سوچا اسے ناشتے کے ساتھ سیلیبریٹ کیا جائے۔" وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔ مہت مسکرا دیا۔ پچھلے کچھ ہفتوں سے فون پر بات چیت اور کافی شاپس پر ان دونوں کی ملاقاتیں چل رہی تھیں۔ وہ اس لڑکی کی طرف خود کو مائل کر رہا تھا تاکہ ان کا کلچر، ان کے کھانے اور پسند و ناپسند جان سکے۔ وہ یہ سب جان پائے گا تبھی تو خود کو فلک کے دیس میں رنگ لے گا اسی دیس کے رنگ میں جس کی تعریف کے قلابے فلک زمین آسمان کے ساتھ ملاتی رہتی تھی۔ مبالغہ آرائی کی حد کر دیتی تھی۔

"ہمارے پاکستان میں مرد عورت کا بہت فرمانبردار ہوتا ہے مجال ہے جو تیز نظر یا اونچی آواز سے بول لے۔"

"لڑکیوں کے تو مزے ہیں اسٹرانگ اور انڈیپینڈنٹ ہیں بالکل میری طرح۔"

"ہا، تمہیں نہیں معلوم ایشئن مرد کتنی خالص محبت کرتے ہیں۔ ان جیسی محبت پوری دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسے سوہنی مہیوال، ہیر رانجھا، سسی پنوں اور الف لیلی وغیرہ۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ عروبہ نے اس کی مسکان کو خود کی موجودگی سے تشبیہ دے کر غلط رنگ دے دیا۔ وہ غلط فہمیوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو چکی تھی۔ کانچ سی نیلی آنکھوں والا وہ ٹرکش لڑکا کس طرح بھلا نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ ناممکن۔

"اس کے بعد تم اپنا آرٹ اسکول کھولو گے یعنی یونیورسٹی ایرا ختم ہونے کے بعد؟" وہ آنکھوں کو ادا کے ساتھ جنبش دیتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔ مہمت نے حامی بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"بالکل ایسا ہی ہو گا، یعنی یہ بہت دلچسپ لگتا ہے۔" عروبہ ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر ہنس دی، نوالے کو نگلا۔

"جبکہ میں سمجھتی ہوں تمہیں شیف بننا چاہیے تھا تمہارے آباؤ اجداد بھی تو اس فیلڈ سے ہی تھے۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا۔" مہمت نے شانے اچکا دیے۔

"انقلاب آنا چاہیے اور وہ میں لا رہا ہوں۔" اس انقلاب کا تعلق فلک سے بھی تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ پورے خاندان کو ٹھکرا کر، ساری برادری سے منہ موڑ کر اس نے ایک پاکستانی لڑکی کو پسند کیا اور اسے ہی جیون ساتھی چننے کا فیصلہ کر لیا۔ کوئی کیا کہے گا سے فرق نہیں پڑتا تھا اس کا دل کیا چاہتا ہے یہ بات اہم تھی۔

" صحیح کہا جو قومیں انقلاب برپا نہیں کرتیں وہ تباہی کے دہانے پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔"مہمت نے اس کیلئے خاص ٹرکش قہوہ بنایا تھا۔ایک اور خوش فہمی۔

"ہاں ٹھیک کہا پھر تباہی ہی ہوتی ہے۔"ایک لحظے کو فلک کے ساتھ جدائی کا خیال اس کے دل میں آیا تھا۔وہ جھرجھری بھر کر رہ گیا۔ایسا نہیں ہو گا۔ایسا کبھی نہیں ہو گا۔اس کا دل کہہ رہا تھا۔وہ دل کی بات پر ایمان لے آیا۔دل بھلا کب جھوٹ بولا کرتے ہیں۔

"تمہارے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے مہمت۔"وہ قہوے کی خوشبو کو دل میں اتارتے ہوئے بولی۔ ایک ادا سے اس نے اپنے بالوں کو پیچھے کی اور جھٹکا تھا۔گھونٹ بھرا تو معلوم ہوا پوری دنیا کا ذائقہ تو بس یہیں ہے۔

"سب یہی کہتے ہیں۔بابا کے کچن میں اکثر میں بھی شیف کے فرائض سرانجام دیتا ہوں۔ان کی بھی تمہارے جیسی ہی سوچ ہے۔وہ کہتے ہیں انقلاب ضرور برپا کرو لیکن اس کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم اپنا ریستوران بھی کھولو تاکہ جو نعمت تمہیں عطا ہے وہ کہیں کھو نہ جائے۔"وہ اس کے عین سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔مسکرا رہا تھا تو آنکھیں چندھی ہو رہی تھیں۔نیلا سمندر جیسے سمٹ سا رہا تھا۔عروبہ مبہوت ہو گئی۔ایک مرد پر اتنی خوبصورتی۔۔۔۔بری بات،ایسا تو نہیں ہونا چاہیے۔

"وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، نعمت کو نہیں کھونا چاہیے۔"مہمت کچھ لمحے خاموش رہا پھر اپنا اور اس کا خالی کپ دھونے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے لگتا ہے اب چلنا چاہیے آج خاصی دیر ہو گئی ہے۔"کلائی موڑ کر اس نے گھڑی دیکھی پھر عروبہ کے ساتھ باہر آ گیا۔ وہ اسے لفٹ دے رہا تھا۔ عروبہ اس کی عقب میں بیٹھی تھی لیکن سوچ میں اس کے فلک تھی۔

اس کی سوچ کا جو محور تھی وہ اس وقت متھ کو تسلیاں اور دلاسے دے رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں متھ بھائی، آپ کا بیٹا سمجھ جائے گا۔ آج نہیں تو کل اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور وہ لوٹ آئے گا آپ کی طرف۔"پریشان سا متھ آج قہوے اور چائے میں بھی اداسی گھول رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو گا، اس بار ڈانسر نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کی لالچ میں وہ اس کے پیچھے چلا گیا ہے اور میں جانتا ہوں جلد یا بدیر وہ کسی غلط کام میں اسے ملوث کر کے اس سے پیسہ لوٹ کر بھاگ جائے گی۔"متھ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا یا نہیں یہ تو اللہ کو ہی بہتر معلوم تھا مگر اس وقت اندیشے اور قیاس آرائیوں نے کام نہیں آنا تھا۔ اس وقت دور اندیشی اور بہترین حکمت عملی ہی سب ٹھیک کر سکتی تھی۔

"اللہ نہ کرے متھ بھائی کہ کبھی ایسا ہو، آپ ایک کام کرو جیک کا پتا اور فون نمبر مجھے لکھ دو، میں دیکھ لوں گی کیا کرنا ہے۔" متھ نے فٹ سے انکار کیا تھا۔ باہر کسٹمر کا رش تھا اور اندر وہ اس کے مسئلے سلجھانے میں لگی تھی جس نے کبھی بہت ضرورت کے وقت اسے فقط کچھ پیسے ادھار دیے تھے۔ وہ بھول جانے والوں میں سے نہیں تھی۔ فراموشی اس کی صفت میں نہیں تھی اس لیے وہ ہر وقت اس انسان کی مدد کیلئے تیار رہتی تھی جو اس کا محسن رہ چکا تھا۔

"ضروری نہیں ہے یہ اور بہتر بھی نہیں ہے۔ جوان خون ہے۔ دو چار ٹھوکریں لگیں گی تو لوٹ آئے گا۔" وہ صرف سولہ سال کا تھا اور ابھی ہائی اسکول میں تھا۔ متھ کو دیکھ کر کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ ایک سولہ سالہ بیٹے کا باپ ہو گا کیونکہ غربت اور پریشانی نے اسے بہت جلد بوڑھا کر دیا تھا۔ اس کی قلمیں تو سفید تھیں ہی داڑھی کے بالوں اور سر کے بالوں میں بھی چاندی کسی ضعیف عورت کی طرح چوکڑی مارے بیٹھی تھی۔ آنکھوں کی جھریاں اور حلقے فکر مندی کی داستان سنا رہے تھے۔ چہرے کی کھال سہم کر بس سکڑی ہی جا رہی تھی۔ وہ آنکھیں جن میں نور ہونا چاہیے تھا بے نوری کی اور گامزن تھیں۔ بہت تیزی سے تھیں۔

"لیکن ہمیں اسے شتر بے مہار بھی تو نہیں چھوڑنا چاہیے نا ایسے تو وہ بالکل بے فکر ہو جائے گا، کچھ بھی کرے گا۔" وہ متھ کے بیٹے کو بہت اچھے سے جانتی تھی۔ ایک روز خوشی میں بیٹھ کر اس نے ہی غم زدہ سی حالت میں اپنی ماں کی اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کی داستان سنائی تھی۔ اگر اسے اس

وقت زرا سا بھی شبہ ہوتا کہ رشتوں کا بھوکا کسی کے بھی پھینکے گئے ٹکڑے کے پیچھے بنا سوچے سمجھے لپک جائے گا تو وہ خود ہی متھ سے اس کیلئے بات کر لیتی۔ اسے یوں بھٹکنے سے روک لیتی مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا بہت اونچا۔

متھ کو یقین دلا کر کہ وہ کچھ نہیں کرنے جا رہی ہے وہ کر گئی تھی۔ اگلے دو دن میں اسے کوششوں کے بعد جیک کا پتہ مل گیا تھا۔ بن اسٹیچنگ سے چھٹی ملتے ہی اس نے بھورے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس سفید پرچی کو باہر نکالا جس پر جیک کا پتہ موجود تھا۔ ابھی پانچ بجے تھے اور اسے سات بجے بار کیلئے نکلنا تھا۔ اس کے پاس دو گھنٹے تھے جبکہ پرچی پر لکھا پتہ اسے تین گھنٹوں کی روداد سنا رہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

"تم کر سکتی ہو فلک، تم یہ بھی کر سکتی ہو۔"

وہ بھاگتی دوڑتی سب وے پر آئی مگر ٹرین کے آنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ جس جگہ اسے پہنچنا تھا وہ شہر کے تقریباً آخری سرے پر تھا۔ ایک پل کو اس کا دل کیا متھ کے کہے پر عمل کرے مگر اگلے ہی لمحے اسے ان کی پریشان آنکھیں یاد آ گئیں۔ وہ بینچ پر بیٹھی ٹرین کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے آس پاس لوگوں کا شور اور میوزک کی آواز موجود تھی۔ ہالووین کی آمد آمد تھی ہر طرف بھوتوں کے کاسٹیوم میں لوگ منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہاں اس کا یہ تیسرا

ہالووین ہونا تھا مگر ڈر پہلے والے کی طرح ہی امنڈ کر آ رہا تھا۔ وہ بے حد ڈرپوک تھی اس معاملے میں، آج تک اس نے ہارر مووی تک نہیں دیکھی تھی۔ کہیں بھی اگر غلطی سے بھی کسی مووی میں ہارر ساؤنڈ آجاتا تھا تو وہ اسے فوراً سے بند کر دیتی تھی۔ اگر دیکھ بھی لیتی تھی تو تین دن تک نیند صاحبہ روٹھ جاتی تھیں۔ پھر کیا تھا آنکھوں کے حلقے کچھ زیادہ نمایاں لگنا شروع ہو جاتے تھے۔ اور وہ جو بس سوپ شاپ میں ہی اونگھتی ہوئی پائی جاتی تھی ہر جگہ جمائیاں روکتی ہوئی نظر آ رہی ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں ان دن دنوں بلی آئلش سے کچھ زیادہ مشابہ لگنے لگتیں۔ بلکہ مشابہ کیوں ایسا لگتا جیسے وہ بلی آئلش کی ہی آنکھیں ہوں، سوئی سوئی سی، نیند میں غرق۔

اب بھی اس کی حالت سب وے کے مناظر دیکھ کر پتلی ہو رہی تھی۔ ہالووین میں ہفتہ باقی تھا لیکن معلوم ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ تہوار ہو۔ اللہ اللہ کر کے ٹرین آئی تھی۔ وہ جلدی سے اس میں گئی اور ایک سیٹ سنبھال گئی لیکن یہ کیا، اسٹیشن سے زیادہ تو اندر کی حالت عجیب تھی۔ کوئی ڈائناسار کے کاسٹیوم میں تھا تو کوئی سبز ایلین کے، کوئی لڑکی نن بنی بیٹھی تھی تو کوئی مریض کے لباس میں چھت سے چپکی ہوئی تھی۔ فلک کا دل غیر متوازن ہوا۔ ایک لڑکا اس کے قریب آیا۔ وہ تھا تو بالکل انسانوں والے حلیے میں ہی لیکن جب اس نے چہرہ اٹھا کر مسکراتے ہوئے اس لڑکی کو دیکھا تو فلک کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے آنکھوں پر سفید لینز لگائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ زندہ لاش لگ رہا تھا۔ وہ لڑکا اپنے اسکول بیگ میں سے دل نکال کر ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔ فلک کرنٹ

کھانے والے انداز میں وہاں سے اٹھی تھی کیونکہ اس دل میں سے خون ٹپک رہا تھا بھلے وہ نقلی ہو لیکن گمان اصلی کا ہی ہو رہا تھا۔ وہ دو چار سیٹس چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

"اللہ غارت کرے ان لوگوں کو، خون ہی خشک کر دیا میرا۔" اسٹیشن سے باہر آ کر اس نے کھلی ہوا میں گہرے گہرے سانس لیے۔ دل کو یک گونہ سکون ملا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے اس کے اعصاب کو کافی تراوٹ بخشی تھی۔ اسٹیشن کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے ایک بار پھر پرچی نکالی، بار کا نام دیکھا اور چل دی اس رستے پر، دس منٹ بعد وہ نیون سائن سے جگمگاتے اور لوگوں کے ہجوم سے بھرے بار کے باہر کھڑی تھی۔

"اگر پاکستان میں کسی کو پتہ چل گیا کہ میں اس بار کے باہر کھڑی ہوں اور اندر جانے والی ہوں تو واللہ قبر کھود کر زندہ در گور کر دیں گے مجھے، کوئی نہیں فلک اللہ کی امان میں۔" وہ اپنا شانہ تھپکتی ہوئی ٹکٹ لے کر رسیوں کے درمیان موجود بنی قطار کا حصہ بن گئی۔ اس کی نظریں نیچی تھیں نیچے ہی رہیں تو بہتر تھا۔ وہ بدمزہ باتوں، دھکم پیل اور غلیظ قہقہوں سے بچتی بچاتی اندر آئی تھی آتے ہی اسے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے۔ لو درجے کے اس بار میں وہ ایک منٹ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی تھی فقط ایک لحظے کیلئے اس نے نظریں اٹھائی تھیں دوسرے ہی لمحے پول پر ناچتی لڑکیوں کو دیکھ کر وہ الٹے پیر وہاں سے باہر آئی۔ صد شکر اس کی آنکھیں زیادہ آلودہ نہیں ہوئی تھیں۔ باہر آتے ہی اس نے وہاں موجود سیکیورٹی گارڈ سے جیک کو بلانے کو کہا تھا۔

"اسے کہو اس کی بہن آئی ہے۔ وہ آجائے گا۔ بس دو منٹ کیلئے اسے بلا دیں پلیز۔" بے تحاشہ منتوں کے بعد وہ آدمی اپنے فون پر کسی سے بات کرنے لگا تھا۔ اس نے ابھی فون بند ہی کیا تھا کہ حواس باختہ سا جیک اینٹرنس پر نمودار ہوا۔ اسے بار کے باہر موجود گندے ہجوم میں کھڑا دیکھ اڑ کر اس تک پہنچا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو، تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ کوٹ کے اوپر سے اس کی کلائی تھامتے اسے بار سے دور اور قدرے پر سکون گوشے میں لے آیا تھا۔ فلک نے گردن کے گرد کوٹ کے اوپر گرے رنگ کے مفلر کو لپیٹا ہوا تھا جو جیک نے بہن کے دن پر اسے اپنی پہلی کمائی سے لا کر دیا تھا تب فلک کی آنکھوں میں نمی آئی تھی مگر دل خوشی سے بھر اٹھا تھا۔

"آج سے آپ میری بڑی بہن ہیں۔" اس کے سر کے پیچھے سے مفلر کو گزار کر آگے ڈالتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ کیسے پھر اسے دلدل میں چھوڑ سکتی تھی بھلا۔

"یہیں سوال میں تم سے کرنا چاہتی ہوں جیک، تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس لڑکے کے چہرے پر سرخی تھی اب اس کا تعلق شرمندگی سے تھا، دکھ سے تھا یا غصے وہ نہیں جانتی تھی۔ معلوم تھا تو اتنا کہ وہ سرخ ہو رہا ہے۔

"ڈیڈ نے بتا تو دیا ہے تمہیں، تبھی تو تم یہاں موجود ہو۔" ہاں وہ شرمندہ ہی تھا۔ اس کے لہجے، بولنے کے انداز اور آواز میں شرمندگی کی آمیزش گھلی تھی۔ پھوار نما پانی برساتے آسمان کے نیچے کھڑے وہ دونوں ہی اپنی اپنی وجہ سے اداس تھے۔

"ہاں اسی وجہ سے ہوں کیونکہ میں نے متھ بھائی کی آنکھوں میں غم گھلا دیکھا ہے۔ تم کس طرح بھلا اتنی چھوٹی عمر میں اپنے باپ کے دل میں رنج ڈال کر ایک، ایک۔" وہ مناسب لفظ ڈھونڈ رہی تھی لیکن مل نہیں رہا تھا۔ اس نے کوشش کی ہار نہیں مانی، ہار کی سوچ ہی شکست کی ضامن ہوتی ہے جب ہمارے دل سے ہار کا خوف سرنڈر کا احساس مٹ جاتا ہے ناکامیابی تبھی ملتی ہے جیسے اسے ملی تھی وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"ایک غیر مناسب لڑکی کے ساتھ رشتہ استوار کر سکتے ہو، اس کیلئے باپ کو چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو۔ تمہارا متھ کو چھوڑتے ہوئے تھوڑا سا بھی دل نہیں کانپا۔ یاد رکھو جیک ان لڑکیوں کی فطرت میں وفا نہیں ہوتی۔ وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔ وثوق سے کہہ رہی ہوں میں یہ بات۔" اس نے ڈرانا چاہا تھا۔ خوف، محبوب ہستی کے کھو جانے کا خوف انسان کو جتنا ادھ موا کرتا ہے نا اتنا اس کی فراق نہیں کرتی، کھو جانے کا خوف جدائی سے زیادہ خطرناک اور پر اثر ہوتا ہے۔ جدائی تو ایک بار ہی مارتی ہے مگر یہ پل پل مارتا ہے، اس کا گھائل پل پل تڑپتا ہے بلکتا ہے پھر بھی مسکراتا ہے۔ پاگل جو ہوتا ہے۔

"میں جانتا ہوں جلد یا بدیر ایسا ہو گا، میں اس کیلئے تیار ہوں۔" فلک کی بھنویں آپس میں مل گئیں۔ نمی چھوٹی چھوٹی موتیوں کی مانند اس کے بالوں میں اکھٹی ہو رہی تھی۔ روشنی پڑنے پر وہ افشاں کا گمان دے رہی تھی۔

"یعنی کہ؟" جیک نے نظریں اس کے چہرے پر ڈالیں پھر گہری سانس فضا میں خارج کر دی۔ دھند ان دونوں کے درمیان بھرپور طریقے سے آئی تھی۔ فلک نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر پردے کو درمیان سے ہٹایا۔

"میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں فلک اور اسی عزت کی خاطر میں تم سے کہتا ہوں یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ مڑنے لگا تھا فلک نے اس کا بازو تھام لیا۔ کم عمر لڑکے نے نظریں زمین پر ہی گاڑے رکھیں۔

"مگر میں تمہیں لیے بغیر نہیں جاؤں گی، جب تم جانتے ہو کہ وہ عورت تمہیں چھوڑ دے گی تو کیوں تم اس کی خاطر اپنے محنتی باپ کو اذیت دے رہے ہو تم۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ جیک نے اپنا ہاتھ چھڑوا کر اونچی آواز میں کہا۔ وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"کیونکہ مجھے دولت چاہیے، ڈھیر سارا پیسہ کمانا چاہتا ہوں میں جو کہ ایک گھٹیا سے گورنمنٹ اسکول میں پڑھ کر مجھے کبھی بھی نہیں ملے گی نہ ہی تمہاری طرح روبوٹ بن کر۔" وہ چپ ہو گئی تھی۔ اس

کے لب سل گئے تھے۔اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا بالکل بھی نہیں آرہا تھا۔وہ اس چھوٹے سے لڑکے کو سنے گئی جو اس سے کہہ رہا تھا۔

"میں۔"اس نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر بجائی۔"اپنے باپ کی طرح دو دو کوڑی کا محتاج نہیں ہونا چاہتا،میں سسک سسک کر نہیں جینا چاہتا،میں نے اگر گریجوائشن کر بھی لیا تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا،کچھ لوگ کبھی امیر نہیں ہوتے،ان کی قسمت اور ہاتھوں کی لکیروں میں وہ لائن ہی نہیں ہوتی،میری بھی نہیں ہے مگر میں بناؤں گا۔لڑ جاؤں گا مگر بناؤں گا اور تب تم مجھے سمجھانے نہیں آؤ گی۔"وہ اپنی بات ختم کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔فلک ٹھس کھڑی رہی۔اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو چکے تھے۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ ہوا کیا ہے۔جیک کو دولت کی لالچ نے آن گھیرا ہے۔وہ دولت حاصل کرنے کیلئے ایک عورت کا استعمال کر رہا ہے دفعتاً اس کے کان گرم ہوئے تھے۔وہ آتش فشاں سے مڑی تھی کہ یکدم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔وہ تحیر کے عالم میں ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے ریٹینا پر دو چہرے نقش ہو چکے تھے۔

تنزیلہ بیڈ پر بیٹھی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی جب دھاڑ کی آواز کے ساتھ جبران دروازہ کھول کر اندر آئے اور ان پر تصاویر اچھال دیں۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوئیں۔ انہوں نے اچٹتی نگاہ اپنی اور نعیم کی تصویروں پر ڈالیں اور پھر سے اپنی مصروفیات میں مگن ہو گئیں۔

"یہ سب کیا بے ہودگی ہے، میں کہتا ہوں بولو۔" وہ چیخ رہے تھے۔ دھاڑنا اور رعب جھاڑنا ان کی صفت میں تھا مگر وقت کے پلٹتے ابواب نے ان سے رفتہ رفتہ سب چھین لیا۔ ان کا چین، خوشی، سکون سب کچھ۔

"میری اور نعیم کی تصاویر ہیں۔" وہ برف جیسے ٹھنڈے لہجے میں اعتراف کر رہی تھیں۔ کرتی بھی کیوں نا انہوں نے ہی تو یہ تصاویر بنوائی تھیں جس میں وہ دونوں ریستوران میں ہاتھ میں ہاتھ دیے بیٹھے تھے جیسے نیا شادی شدہ جوڑا ہو۔

"شرم آ رہی ہے نا محرم کا نام زبان سے لیتے ہوئے۔" کتاب پھینک کر وہ بپھرتے ہوئے شیر کی طرح کھڑی ہوئیں۔ ان دونوں کی آوازیں رامیہ کے کمرے تک جا رہی تھیں جو کارپٹ پر نظریں ٹکائے ان کی آپس میں بدکلامی کو سن رہی تھی۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ یہی تو کرتی آ رہی تھی۔ اسے تو آگے کی پوری لڑائی کی سمری معلوم تھی۔ وہ انگلیوں پر سب ڈائلاگ گنوا سکتی تھی۔

"آپ کو شرم آئی تھی نا محرم عورت کو کمرے تک لانے میں، نہیں آئی تھی نا تو یہی حال میرا ابھی ہے۔ مجھے بھی نہیں آرہی شرم۔" وہ ہمیشہ ان کی دکھتی رگ چھیڑتی تھیں۔ وہ ہمیشہ مقابلے میں غلط کر جاتی تھیں۔ یہ ان کا دوسرا افیئر تھا جسے جبران پکڑ چکے تھے۔ ان دونوں نے تو اپنے رشتے کو کئی سالوں سے ختم کیا ہوا تھا۔ نکاح اور اولاد کا دباؤ تھا جو وہ ساتھ رہنے پر مجبور تھے ورنہ اب تک تو وہ ایک دوسرے کی شکلیں تک بھول چکے ہوتے۔

"تنزیلہ، آپ عورت ہیں۔" وہ انہیں ان کی حیثیت باور کروا رہے تھے۔ پرکشش سی عورت کے چہرے پر جو تلخ مسکان ابھری تھی وہ اس کے چہرے سے میل نہیں کھا رہی تھی۔

"یہی بدقسمتی ہے میری کہ میں ایک عورت ہوں اور تم جیسے گھٹیا مرد کی بیوی، وہ گھٹیا انسان جو محبت کے دعوے کرتا ہے اور پھر دوسری عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہے۔ افسوس کہ میں اس گھٹیا انسان کی بیوی ہوں، افسوس کہ میں عورت ہوں۔" وہ جب جب سر کو جھٹکتے ہوئے بولتی تھیں تب تب ان کے بال دھاگوں کی صورت بکھرتے، اچھلتے تھے۔ جبران نے دانت پیسے۔

"رامیہ گھر پر ہے۔" ان کی اطلاع پر وہ سر کو پیچھے گرا کر ہنس دیں۔ آنکھوں میں پانی اکھٹا ہو گیا، کون جانے دکھ کا تھا یا ہنسنے کے سبب آیا تھا جو بھی تھا انہوں نے انگلی کی نوک سے اس پانی کو صاف کیا اور ایک تحقیر بھری نگاہ اپنے شوہر پر ڈال کر گویا ہوئیں۔

"رامیہ تو پچھلے پچیس سالوں سے گھر پر ہی ہوتی ہے جبران صاحب، وہ تو تب بھی یہیں تھی جب تم نے گناہ کبیرہ کیا تھا۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنکارہ بھرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ جبران کی بس ہو گئی انہوں نے کہنی کے اوپر سے انہیں تھام کر خود کے نزدیک کیا اور غراتے ہوئے گویا ہوئے۔

"بس بہت بکواس ہو گئی، بہت خاموش رکھ لیا میں نے خود کو، بہت ڈھیل دے دی تمہیں مگر اب نہیں، اب میں نے تمہیں نعیم تو کیا کسی بھی غیر مرد کے قریب دیکھا تو بخدا دونوں کو قتل کر دوں گا۔ اور میں یہ کر سکتا ہوں تم بہت اچھے سے جانتی ہو۔" اپنی انگلیاں ان کے بازو میں پیوست کر کے وہ انہیں بیڈ پر پھینکتے کمرے سے باہر گئے تھے۔ تنزیلہ دانتوں پر دانت جمائے آنکھوں میں آنسوں روکے بیٹھی رہیں۔ یہ شخص ان کی پہلی اور آخری محبت تھا۔ وہ میڈیکل کے چوتھے سال میں تھیں جب ان کی اور جبران کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ان کے کالج میں ایز آ چیف گیسٹ آئے تھے مگر ان کے دل میں ہمیشہ کیلئے مہمان بن کر رہ گئے۔ وہ ملک کے نامور گھرانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہوں نے بلا جھجھک اپنے باپ سے جبران کے بارے میں بات کی تھی۔ یوں بزنس کو مزید مضبوط کرنے کیلئے دونوں گھرانوں میں باہمی رضامندی سے یہ رشتہ طے پا گیا۔ ملاقاتوں، فون پر لمبی باتوں اور انڈراسٹینڈنگ کے بعد ان دونوں کی شادی ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ہی تنزیلہ نے اپنا میڈیکل مکمل کیا تھا۔ اس دوران ان کی بیٹی ہو چکی تھی۔ وہ ایک خوبصورت اور مثالی زندگی گزار

رہے تھے۔ جبران بہت اچھے، نرم دل اور ذمہ دار انسان تھے۔ وہ اس کے ساتھ خوش تھیں۔ اپنی اس زندگی پر انہیں ناز تھا۔ اس ناز کی دھجیاں تب بکھریں جب وہ دوسری بار جبران کی اولاد کو دنیا میں لانے والی تھیں۔ وہ ایک ہفتے سے رامیہ کو لے کر میکے گئی ہوئی تھیں۔ آج ان کی واپسی تھی۔ خوش خوش سی وہ جب اپنے گھر لوٹیں تو اس کے گھر کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اس کا شوہر کسی دوسری عورت کے ساتھ تھا اور ان دونوں کے بیڈ روم میں تھا۔ وہ خاموش نہیں رہیں تھی۔ چیخی تھی چلائی تھی خوب واویلا مچایا تھا۔ بے وفائی ان سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔ وہ خلع لینا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کے ساتھ ہر گز رہنا نہیں چاہتی تھیں۔

"بابا میں نہیں رہ سکتی یہاں، میرا، میرا دم گھٹتا ہے۔" وہ روتے ہوئے اپنے باپ سے کہہ رہی تھی۔ جبران لب بستہ سے وہاں بیٹھے تھے۔ گناہ اور غلطی ان سے ہو گئی تھی مگر اب کیا کیا جا سکتا تھا بھلا۔

"جبران تمہیں وضاحت دینی ہو گی، آخر کیوں میری تربیت کو شرمندہ کروایا۔" تنزیلہ اپنی ساس کے شانے سے جا لگیں کہ ایک وہی تو تھیں جو اس کے دکھ کو بہت اچھے سے سمجھ رہی تھیں۔

"ماما ہم بزنس میٹنگ کر رہے تھے مجھے نہیں معلوم کہ اچانک کیا ہوا، میں، میں بہک گیا تھا۔" تنزیلہ کی آنکھوں سے مزید آنسوں ابل پڑے۔ اسے اب سمجھ آ رہی تھی کہ اس کا شوہر کتنی بار بہکا ہو گا۔ وہ بالکل بھی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی۔ جب تک اس کی دوسری اولاد ہوئی وہ اپنی ساس

کے پاس ہی رہی۔ دوسری بار بھی بیٹی ہوئی تھی مگر وہ پیدا ہوتے ہی مر گئی۔ یہ نیا صدمہ تھا جو تنزیلہ کو لاحق ہوا تھا۔ کئی کئی راتیں اس نے شب خوابی میں گزاری تھیں۔ شوہر کی بے وفائی اور اولاد کی جدائی نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ مگر آزمائش یہاں پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ ایک رات رامیہ بہت بے چین تھی اور رو رہی تھی تب جبران کی کسی کے ساتھ بحث کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ کمرے کے دروازے سے نکلیں اور اسی کی چوکھٹ تھام کر کھڑی ہو گئیں کہ اب ان میں کھڑے ہونے کی استطاعت بھی نہیں رہی تھی۔

"ایک کروڑ دو اور اپنی اولاد رکھو ورنہ میڈیا کے سامنے تمہارے منہ پر پھینک کر جاؤں گی اسے۔"

ایک سال چھ ماہ کا بچہ ماڈل فگر لڑکی کی گود میں تھا۔ ٹوٹ بیگ اس کے شانے پر تھا جو غالباً اس بچے کی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔

"محبت کے دعوے اور یقین دہانیاں کروا کر شادی اس عورت سے کی جس کے گھرانے سے تمہارے بزنس کو فائدہ ہوتا۔ چھپ کر نکاح کیا تھا تو ڈنکے کی چوٹ پر سب کو بتاتے۔ یوں منہ تو نہ موڑتے۔ مجھے لگا تھا کالج کے زمانے کا ساتھ ہے۔ تب کی محبت ہے ہماری ڈچ نہیں کرو گے، بچے کی خبر کو بھی میں نے اسی لیے تم سے چھپایا کہ تم اپنے بیٹے کو جب دیکھو گے تو لپک کر لوٹ آؤ گے مگر میں غلط تھی اور سب صحیح تھے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے جبران، تم نے مجھے ہی نہیں اس عورت کو بھی دھوکا دیا ہے جو میرے بعد تمہارے نکاح میں آئی تھی۔ اپنے بیٹے کو پکڑو کہ میں تمہارا گند اپنے

پاس نہیں رکھ سکتی، اس بیگ میں سارے رپورٹس ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمہاری اولاد ہے اور اگر پھر بھی یقین نہ ہو تو جا کر خود معلوم کروالینا اور ہاں خلع کا نوٹس تمہیں جلد مل جائے گا۔ تم جیسے بزدل مرد کے ساتھ رہنا میں اپنی توہین سمجھتی ہوں۔" وہ ان پر قیامت برپا کر کے جاتے جاتے مڑی تھی۔

"پیسے ٹرانسفر کروانا مت بھولنا۔" وہ بچے اور بیگ کو وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ سرخ چہرے کے ساتھ جبران نے مڑ کر تنزیلہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں نفرت آن جمی تھی۔ وہ بولی نہیں تھیں زہر اگلا تھا۔

"عورت کے تو کئی روپ سنے ہیں مگر مرد کی بدکاری کے یہ روپ میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ایک کراہت آمیز شخص ہو گے۔"

وہ دن تھا اور آج کا دن تنزیلہ اور جبران کی راہیں ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئیں۔ نوح ان کی نفرتوں اور مسائل میں پس کر رہ گیا تھا۔ غفران نہ ہوتے تو شاید اب تک وہ مر چکا ہوتا۔ کیونکہ دس سال تک وہ بچہ اس طرح سے پالا گیا تھا جیسے کسی سرونٹ کی اولاد ہو، تنزیلہ کی ساس جلد اس دنیا سے چلی گئیں۔ باپ بھی بیٹے کی بے راہ روی کے باعث دل کے عارضے میں لاحق ہو کر دار فانی سے کوچ کر

گئے۔رہ گئے لے دے کے غفران جنہوں نے فرشتے کی طرح بانہیں کھول کر اس بچے کو اپنے پروں میں چھپالیا اور اب تک چھپایا ہوا ہی ہے۔

اس کی آنکھوں کے ریٹینا پر وہ دو چہرے ابھرے ہوئے تھے۔وہ دو جوکر تھے۔سیاہ آنکھوں والے، سرخ گال کی ہڈی تک پہنچے ہونٹوں والے، سبز کانٹوں والے بال، سبز پینٹس اور سفید کالر شرٹس جن پر سرخ بریسز موجود تھے اور کلان شوز، اسے جوکرز سے ڈر لگتا تھا۔اسے لگتا تھا جوکرز ہر قسم کے گھناؤنے کاموں میں ملوث ہوسکتے ہیں۔اپنی جھوٹی مسکان کے ذریعے وہ آنکھوں میں موجود نفرت کو دبانے کی سعی کرتے ہیں تاکہ سامنے والا ان کا زہر دیکھ نہ لے، بھانپ نہ لے، جان نہ لے۔بچپن میں جب وہ باہر جاتی تھی تو اس کے بابا کہتے تھے رنگ برنگا آدمی پکڑ کر لے جائے گا اور پھر انہوں نے ایک دن اس رنگ برنگے آدمی سے اس کا تعارف کروادیا۔بچپن کا بیٹھا ڈر ہمیشہ کیلئے دل میں کنڈلی مار گیا۔اس لیے کہتے ہیں بچوں کو نہیں ڈرانا چاہیے کہ فلاں آجائے گا یا فلاں لے جائے گا۔وہ ڈر ان کیلئے عمر بھر کا روگ بن کر رہ جاتا ہے۔وہ عمر میں، قد کاٹھ میں تو آگے نکل جاتے ہیں مگر ایک مخصوص چیز کیلئے وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں جو تاحیات ان میں زندہ رہتا ہے جیسے فلک کے دل میں رہ گیا تھا اور کیسی اس کی سوچ و گمان تھا کہ وہ ڈر وہ خوف کہ جو کر ظالم ہوتے ہیں

مجسم صورت اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ان دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں چاقو تھے اور وہ اسے کونے میں چلنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

"مگر میں کیوں چلوں تم لوگوں کے ساتھ۔"وہ جہاں موجود تھی وہ پر سکون گوشہ تھا۔اس کے عقب میں بہت دور بار کی نیون لائٹس جگمگا رہی تھیں۔زندگی تھوڑی دور تھی۔وہ مدد کو پکارے بھی تو کسے،کون تھا جو اس کیلئے آتا،کون تھا جو اس کیلئے رکتا۔

"زبان درازی نہیں ورنہ یہیں کاٹ کر پھینک دیں گے۔"وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے اسے مکمل طور پر گھیرے ہوئے۔کہنے والے نے تو باقاعدہ چاقو کی تیز نوک اس کے کوٹ میں گھسائی جس کی چبھن اسے محسوس ہو گئی تھی۔اس کا دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا۔سیاہ آسمان پر موجود تارے خوف سے آنکھیں میچنے لگے۔فلک کے لب تھر تھرا اٹھے۔

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔یہ،یہ کوٹ بھی میں نے تھرفٹ کیا ہے سچ کہہ رہی ہوں۔"وہ ان کے سامنے منمنانے لگی کہ اسے اس کے سوا اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔اس کے برابر کھڑے جوکر نے کہنی فولڈ کر کے اس کی کمر میں ماری وہ آنکھیں بند کر کے تکلیف سہہ گئی۔

"کچھ نہیں ہے تبھی اتنے مہنگے بار سے نکلی ہو، تمہیں تو ہم ابھی بتاتے ہیں۔" ان دونوں نے اسے دائیں بائیں بازوؤں سے تھاما اور پھر خود کے ساتھ گھسیٹنے لگے۔ وہ ایڑھیاں رگڑتی ہوئی مدد کی بھیک مانگنے لگی۔

"میں کہہ رہی ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پورے کرہ ارض میں مجھ جیسا غریب کوئی نہیں ہے۔ یقین کرو میرا۔ چھوڑو مجھے۔ ہیلپ، ہیلپ۔" وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی مگر بے سود۔

"میں چلتا ہوں اب۔" انگیٹھی کی نرم گرم سی آگ کے سامنے سے وہ کھڑا ہوا تھا۔ نیم اندھیرے کمرے میں جلتی آگ کی لپٹوں کے سائے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ دیواروں پر بھی پڑ رہے تھے۔ پروفیسر فاؤ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تم بہت زیادہ یہاں ٹھہرے ہو، مجھے خوشی ہوئی۔" نحیف سی مسکان تھی، سوبر سا چہرہ۔

"آپ جلد صحت یاب ہو جائیں بس یہی دعا ہے میری، آپ کے بغیر یونیورسٹی ادھوری لگتی ہے۔" تشکر بھری مسکان ایک بار پھر ان کے لبوں پر تھی۔ سنا تھا یہودی مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں مگر یہاں تو ماجرہ ہی الگ تھا۔ ڈاکٹر فاؤ ایک مسلمان ڈاکٹر کے گرویدہ تھے جو کہ ان کا طالب علم تھا۔ وہ ایک ذہین، خاموش طبع اور مقناطیسی پرسنالٹی کا حامل لڑکا تھا۔ جسے ایک بار دیکھ لو تو دل کرتا ہے واپس مڑ کر دیکھنے کا، جسے سن لو تو بس سنتے ہی جاؤ، بہت نفیس اور بہت جاذب نظر۔

"تمہاری تیمارداری مجھ پر احسان ہے لڑکے، شاید کسی دن اتار پاؤں۔" وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مین دروازے کے قریب آئے۔ نوح نے اپنا لانگ کوٹ اٹھا کر بازو پر ڈالا، وہ انہیں بتانا چاہتا تھا اس کے کچھ کلاس فیلوز بھی اس کے ساتھ آئے تھے انہیں ملنے مگر یہاں ایک بہت زبردست، پرائیوٹ بار کو دیکھ کر ان کا دل بدل گیا۔ وہ ایک بوڑھے انسان جو کہ مارکنگ میں سختی کرتا ہے اور پڑھاتے ہوئے بالکل بے دید ہو جاتا ہے کی تیمارداری کرنے سے بہتر انجوائے کرنا زیادہ مناسب سمجھ رہے تھے۔ اس لیے حیلے بہانے کیے بنا ہی نوح کو وہاں چھوڑ کر بار کیلئے نکل گئے۔ اب وہ پروفیسر فاؤ کو گڈ بائے کر رہا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھیے گا۔" اوور کوٹ کو پہنے بنا ہی وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ پروفیسر فاؤ اپنے گھر کا داخلی بند کر چکے تھے۔ نوح نے گروپ میں میسج چھوڑا کہ وہ پروفیسر کے گھر سے نکل پڑا ہے اور اگلے دس منٹ تک وہ لوگ نہ آئے تو وہ چلا جائے گا۔ وہ تنہائی پسند تھا۔ زیادہ لوگوں میں گھلنا ملنا اسے بالکل پسند نہیں تھا لیکن یہ آج دوپہر کی ہی بات ہے جب وہ مائیر کو تاخیر سے آنے کی وجہ بتا رہا تھا۔ اس کے ایک کلاس فیلو نے اس کی بات سن لی یوں اس سمیت مزید چار لڑکے بھی پروفیسر کی تیمارداری کیلئے جانے کو تیار ہو گئے تھے۔ نوح نے بہت ہی خاموش نظروں کے ساتھ اپنی ابرو اچکاتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لے جانے کی حامی بھری تھی لیکن اب وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر رہا تھا۔ اسے روڈ ہو جانا چاہیے تھا۔ کون سا وہ تیمارداری کیلئے آئے تھے۔ یہ بات

نم آلود سڑک پر اترتے ہوئے اور ان کے انتظار میں یہاں وہاں ٹہلتے ہوئے اس کے دماغ میں بار بار آرہی تھی۔ اس نے ایک آخری بار میسج کیا اور دائیں جانب مڑ گیا۔ ابھی رات میں چھپی نم سڑک پر وہ قدم جماتا ہوا تھوڑا سا آگے ہی نکلا تھا کہ ایک شناسا سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلپ۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا اور غور کیا، ہاں یہ آواز شناسا ہی تھی۔

پلیز سم بڈی ہیلپ می۔" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ گردن گھما کر یہاں وہاں دیکھا۔ کس کی آواز ہے یہ؟ سماعت جانتی تھی مگر شناخت نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ آواز کی سمت لپکا۔

"مدد کرو میری، خدا کیلئے مدد۔" آواز رک گئی، نہیں وہ روک دی گئی تھی۔ سڑک خالی تھی بالکل ویران، سردیوں کی ٹھٹھرتی راتیں تھیں اور یہ شہر سے دور ایک قصبہ نما جگہ تھی جہاں سکون بھی تھا اور آرام کی ہر شے بھی، نوح چلتا ہوا کافی آگے آگیا۔ بار کی نیون لائٹس اس کے قدموں تلے روندے جانے کیلئے موجود تھیں۔ وہ ان لائٹس کو بے دردی سے پیچھے چھوڑتا اس گوشے کی طرف آیا جہاں کچھ دیر قبل وہ وہاں تھی۔ آواز جانی پہچانی نہ ہوتی تو شاید وہ وہاں نہ آتا مگر ابھی وہ مجبور تھا۔ ابھی اسے لگ رہا تھا کہ یہ کوئی بہت زیادہ جان پہچان والا انسان ہے جو اس وقت مشکل میں ہے شدید مشکل میں، ہالووین سے پہلے اور اس رات کو جتنے گناہ اور گھناؤنے کام ہوتے ہیں وہ ان سب سے اچھے سے واقف تھا تبھی نسوانی آواز کی مدد کی پکار پر وہ بنا سوچے سمجھے لپک گیا۔

"کون ہو سکتا ہے بھلا اور کہاں؟" اس کی سوچ کا نقطہ اڑ گیا تھا۔ وہ اطراف میں نظر دوڑا رہا تھا لیکن ویرانی ہی نصیب ہو رہی تھی۔ کیا اسے چلے جانا چاہیے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ اس نے نیم اندھیرے میں اپنا موبائل نکال کر ان باکس کھولا۔ گروپ میں اس کے میسج کا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ اس نے ان سب کو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ واپس قدم موڑنے لگا تھا جب اس کے پاؤں کے نیچے کوئی چیز آئی تھی۔ اس نے اپنے بھورے جوتوں کو تھوڑا سا ہٹایا۔ وہ ایک چین تھی جس کی چمک نوح کی آنکھ پر پڑی۔ اس نے جھک کر اس چین کو اٹھایا۔ رات کی سیاہی میں وہ سلور چین تاروں کی طرح جھلمل کر رہی تھی۔ انگلیوں پر پڑی اس چین کے مالک کو وہ جانتا تھا۔ انفنٹی، اس کو اس نے کئی بار لاشعوری طور پر اس کی گردن میں دیکھا تھا۔ کبھی وہ اس کے کوٹ پر موجود ہوتی تھی تو کبھی یونیفارم کی جرسی پر۔

"فلک۔" لبوں پر بہت آہستہ سے یہ نام ابھرا۔ اس نام کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں پریشانی بھی ابھر آئی۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ دائیں جانب مڑ گیا تھوڑی سی آگے جا کر اسے اندھیرے میں وہ دو آدمیوں سے گھری نظر آئی تھی۔

"اگر مزید چیخی تم تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے تمہارے۔" اس کی آواز بند کر دی گئی تھی۔ اسے ڈرا دیا گیا تھا۔ نوح کو اس کا ڈرنا پسند نہیں آیا۔ وہ دبنگ آواز کے ساتھ بولا۔

"کیا ہو رہا ہے وہاں۔" رعب دار آواز پر وہ دونوں آدمی مڑے تھے۔ ان کے مڑنے پر جو چہرہ فلک کو نظر آیا تھا اسے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اللہ نے اس کیلئے مدد بھیجی تھی۔ اس نے دل کی دعا کی تکمیلیت پر بے ساختہ بند لبوں سے شکر ادا کیا۔

"کون ہو تم، چلے جاؤ یہاں سے۔" نوح نے پولیس بیج نکال کر فضا میں لہرایا۔ وہ آدمی اس بیج کو دیکھ کر سٹپٹا گئے۔

"اگر دو منٹ میں دفع نہیں ہوئے تو پوری فورس بلوا لوں گا، یہ میری آخری وارننگ ہے۔" ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر دانت پیستے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے۔ ان کے وہاں سے جانے پر فلک کو لگا جیسے اسے دوسری زندگی مل گئی ہو اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر گہرے گہرے سانس لیے۔ نوح نے اس کے ہاتھ کی جنبش دیکھی۔ نظریں وہیں رک گئیں کیونکہ اس کا ہاتھ خون آلود تھا۔

"انہوں نے تمہیں زخمی کیا ہے؟" وہ دریافت کر رہا تھا۔ فلک کو لگا اس کا اتھل پتھل ہوتا دل رک گیا۔ وہ اب بھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ وہ ڈری ہوئی ہے نوح کو پتہ چل گیا تبھی کچھ قدم طے کر کے اس کے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔

"تمہیں ان سے ڈرنا نہیں چاہیے تھا۔ انفیکٹ ان کا مقابلہ کرتی۔" یہ کیسی تسلی تھی۔ کیسی نصیحت، فلک نے پلکیں اٹھائیں، ستاروں سے سجے آسمان تلے کھڑے لڑکے کے دل کو نامعلوم سا کچھ ہوا تھا۔ اس لڑکے نے نظر انداز کر دیا۔

"وہ بہت خوف ناک تھے۔" نوح کو شدید حیرت نے گھیرا۔ ڈر سے ستا ہوا چہرہ، تیز سانس چھوڑتے لب۔

"وہ جو کر تھے۔" اس نے چبا کر کہا، بھنویں اچکی ہوئی تھیں۔

"ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں وہ نہیں تھے۔ وہ جو کر تھے تبھی تو ظالم تھے۔ دیکھو انہوں نے میرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔" آنکھوں میں جھلملاتا پانی اس کے دل کو ڈوبا رہا تھا۔ اس نے اپنے دل کو ڈوبنے نہیں دیا جھٹ سے نظروں کا زاویہ بدلا۔ وہ اب اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جس میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ زخم گہرا ہے اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا تبھی اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کے ہاتھ کو پکڑ کر بھینچا تھا۔

"پاگل لڑکی، یہ زخم بہت گہرا ہے۔ انفیکشن ہو جائے گا چلو ہمیں فوراً ہسپتال جانا ہو گا۔" وہ اسے کھینچتا ہوا اس ویران جگہ سے باہر لایا۔ ہسپتال نام پر فلک کا دل مزید برق رفتاری سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سنبھلتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"اگر میں اس پر مرہم لگالوں اور پھر پٹی باندھ لوں تو یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ہے نا۔" وہ چلتے چلتے یکدم رکا، نیچے سے اوپر تک مڑ کر اس لڑکی کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ اس کے دونوں ہاتھوں میں قید تھا۔ ایسا اس لیے تھا تاکہ مزید خون نہ نکلے۔

"یعنی، ہاں پٹی سے ٹھیک ہو جائے گا لیکن اس کیلئے ہسپتال جانا ضروری ہے۔" وہ ایک ٹرینڈ ڈاکٹر تھا اور اسپلائزیشن کیلئے یہاں آیا تھا۔ اسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ کون سا مریض کس کیٹگری میں آتا ہے۔ فلک کی جھجھک کو وہ جان گیا۔ اس جھجھک کی وجہ تب زیادہ سمجھ آئی جب ڈاکٹر نے اس کا زخم سینے کا اعلان کیا تھا۔ فلک کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

"میں، میں اس چیز کی اجازت نہیں دے سکتی، تم سن رہے ہو نا میری بات۔" وہ اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوح سینے پر بازو باندھے کھڑا رہا۔ وہ جان گیا اس لڑکی کو ان چیزوں سے خوف آتا ہے۔

"یہ ضروری ہے ورنہ زخم پھیل گیا تو انفیکشن ہو گا، انفیکشن کی نوعیت خطرناک ہو سکتی ہے۔ معاملہ تمہارا ہاتھ کاٹنے تک بھی آسکتا ہے۔ اس لیے یہ دو ٹانکے ضروری ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر کرتا ہے۔ ہاتھ کٹواؤ گی یا دو ٹانکے لگواؤ گی۔" فلک کی آنکھوں میں لبالب پانی بھر گیا جیسے کسی بچے کی آنکھوں میں بھرتا ہے۔ نوح کے لبوں پر ان دیکھی مسکان آئی۔

"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" اس نے اپنی ابرو کھجائی۔

"تم بہت ظالم ہو۔" وہ لرزتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نوح نے شانے اچکا دیے۔

"جانتا ہوں۔" پیلا چہرہ تاہنوز پیلا ہی رہا۔ جھلملاتی آنکھیں جھلملاتی ہی رہیں۔

"مجھے کارڈیک اریسٹ ہو سکتا ہے کیونکہ مجھے سوئی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں مر سکتی ہوں۔" آنسو آنکھ کے کٹورے سے نکل کر گال پر پھسلنے لگے۔ دل کی دھڑکن سماعت میں واضح گونجنے لگی۔

"ہارٹ اٹیک کی بھی نوعیت ہوتی ہے جو اس وقت تمہیں آئے گا وہ یا تو انجائنہ ہو گا یا پھر صدمہ اور اس پر قابو پانا بہت آسان ہے یعنی مرنے کے چانس۔" اس نے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے زیرو کا سائن بنایا۔ آنسوؤں کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔ دل کی اتھل پتھل کو وہ لڑکا شدت سے نظر انداز کیے جا رہا تھا۔ یہ ہو کیا رہا تھا آخر اسے۔

"تم سفاک بھی ہو۔" ایک اور ٹیگ، ایک اور الزام، اس نے پھر سے شانے اچکا کر تسلیم کر لیا۔

"اس کا بھی علم ہے۔" وہ مان رہا تھا۔ وہ مانتا رہے گا۔ نرس اتنے میں ایک ٹرے کے اندر انجیکشن، اسٹیچنگ کا سامان اور روئی رکھ کر لے آئی تھی۔ فلک کی سانس کی رفتار تیز ہو گئی۔

"مجھے۔" اس نے سر اٹھا کر مدد طلب نگاہوں سے نوح کو دیکھا۔ "مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی سرخ متورم، تنہا آنکھوں کو دیکھ کر نوح مکمل طور پر دل ہار گیا۔ اس بار نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس

بار نظر انداز کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔نامحرم مرد کی نظر اور نامحرم عورت کی نظر آگ پانی کی طرح ہوتی ہے۔جو ایک دوسرے کو کھینچتی تو ضرور ہے مگر ایک دوسرے کو تباہ و برباد بھی کر دیتی ہے۔وہ نوح جو رشتوں و محبت کا بھوکا تھا۔جس نے اپنے دل کو عروبہ کی بے وفائی کے بعد ویران رکھا تھا۔کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ محبت میں مزید درد سہنے کا روادار نہیں تھا۔ٹوٹنا بکھرنا نہیں چاہتا تھا۔اپنے جیسے نوح کو جنم دینا نہیں چاہتا تھا۔وہ ایک بروکن فیملی کو تشکیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ ان سب سے بھاگ رہا تھا مگر فرار حاصل ہو کر نہیں دے رہی تھی۔اس کے قدموں کو جکڑ دیا گیا۔اس کے دل کو پکڑ لیا گیا۔اس نے آنکھیں بند کیں۔محبت کی دیوی طلسم محبت اس پر پھونک چکی تھی۔اب تو مات تھی یا نجات اور کچھ بھی نہیں۔

"کچھ نہیں ہو گا ہم آپ کا ہاتھ سن کر دیں گے۔"نرس کی آواز اسے کھینچ کر وہاں لے آئی تھی۔فلک نے انجیکشن کی سوئی کو دیکھا جو رفتہ رفتہ اس کے قریب آ رہی تھی۔سوئی کو دیکھتے ہوئے اچانک ہی وہ بیڈ پر گر گئی۔ہوش و خرد سے بیگانہ ہونے میں اسے چند سیکنڈ لگے تھے۔

"بن جا،بن جا،بن جا۔"

پر اسرار سی رات میں سردی نے اپنی چادر پھیلائی ہوئی تھی۔ تمام شے نم آلود تھے یہاں تک کہ مہمت کے اسٹوڈیو کا شیشہ بھی، اندر کیا ہو رہا تھا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ باہر کیا ہو رہا تھا وہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس کے ہاتھوں، منہ اور کپڑوں پر چکنی مٹی لگی تھی۔ کمرے کے وسط میں ایک بنا سر کے پتلا کھڑا تھا جس کا سیدھا بازو تو بنا ہوا تھا مگر الٹا بازو مہمت کیلئے مسئلہ کشمیر ثابت ہو گیا۔ وہ پینک ہو رہا تھا۔ اس کی ذات کا مائنس پوائنٹ تھا کہ وہ پینک ہو جایا کرتا تھا۔ جو چیز اس کی دسترس سے دور ہو جائے، جو چیز اسے نہ ملے اس کیلئے وہ شدید پینک ہو جاتا تھا۔ اب بھی ہو رہا تھا۔ یہ کوئی گیارہویں بار تھا جب وہ میز پر بچھے پلاسٹک پر پڑی مٹی سے بازو کو ترتیب دے رہا تھا مگر ترتیب ٹھیک نہیں آ رہی تھی۔ ہاتھ بمع انگلیاں بنا پڑا تھا مگر بازو، اس کے کٹاؤ ٹھیک طرح سے اس کو بن کر نہیں دے رہے تھے۔ اس نے طیش کے عالم میں اس بازو کو اٹھا کر زمین پر پٹخا، گیلی چکنی مٹی ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئی۔ اس نے میز پر سر گرا لیا۔

"میں ہار نہیں مانوں گا، مہمت پنار ہار کیوں مانے بھلا۔" مٹی کی خوشبو کو اندر اتارتا ہوا وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے تھوڑی دور چکنی گیلی مٹی پڑی تھی۔ اس نے سر کو میز پر سے اٹھایا۔ میز پر پڑے فلک کے ہاتھ نے اس کے دل میں نرم سی آسودگی بھر دی۔ اس ہاتھ کو اٹھا کر اس نے سینے سے لگایا اور اس کے ارد گرد بازو لپیٹ لیے۔

"تمہیں کتنا چاہتا ہوں میں، اس کا جلد اندازہ ہو جائے گا۔" پھر یک لخت وہ ٹھٹھکا تھا۔ پٹ سے آنکھیں کھول کر گردن کا رخ موڑا، گیلی مٹی سے بنا ہوا وہ بازو ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ کو میز پر رکھا اور ٹوٹے مٹی کے بازو کے قریب جا کر زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"نہیں، ایم سوری۔۔ اوہ۔۔۔ یہ سب غصے میں ہوا۔ میں، میں بھلا کیسے تمہیں زک پہنچا سکتا ہوں۔ ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔" اس نے پھولوں کی طرح اس مٹی کو چنا، چن کر میز پر لے آیا۔

"صدق اور جذبہ یہ دو چیزیں انسان کو منزل مقصود پر پہنچانے کی ضامن ہیں مگر ان سب سے اوپر ہے محنت، بار بار لگاتار محنت۔" پنار کے الفاظ اس کے ارد گرد گول دائروں کی صورت منڈلانے لگے تھے۔

"محنت کرو ہار نہ مانو تو کامیابی تمہیں مل جائے گی۔" وہ جذب کے عالم میں دوبارہ بازو کی شیپ بنانے لگا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے جیسے اس نے واقعی میں فلک کے بازو کو نقصان پہنچایا ہو۔ وہ گلٹ میں تھا۔ شدید گلٹ میں۔

"محبت بھی مل جاتی ہے؟" سوال بے ساختہ تھا جواب کچھ دیر بعد آیا۔

"لاحاصل شے کبھی نہیں ملتی لیکن ہاں دل اور جدوجہد اس میں کتنے کارفرما ہیں یہ چیز معنی رکھتی ہے۔ دل کا خالص پن اور خلوص کی جدوجہد کسی انسان کو آپ میں دلچسپی لینے پر مجبور کر سکتی ہے

لیکن نیت نہیں بھلائی جاسکتی۔"اس بار بازو ویسا ہی بن رہا تھا جیسا وہ چاہتا تھا۔اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔

"نیت صاف ہے یہ کیسے معلوم ہو گا؟"سوال بڑھ رہے تھے۔پنار مسکرا دیے۔

"یہ تم پر منحصر کرتا ہے بیٹے کہ تم تنہائی میں خود کو کتنا پاک رکھتے ہو،تمہاری سوچ جب صرف تم اور اوپر اللہ ہو تو کیسی رہتی ہے۔کسی انسان سے محبت کا تقاضا کیا ہے۔لسٹ یا پھر روحانیت،تمہاری محبت جس طرز کی ہو گی محبوب اسی انداز میں تم تک ڈھلے گا۔یہ یاد رکھنا خالص محبت کبھی رد نہیں ہوتی۔اس کیلئے صبر درکار ہوتا ہے۔"وہ بازو بنانے کے آخری مراحل میں تھا۔پنار کے الفاظ پورے کمرے میں روشن جگنو کی مانند اکھٹا ہو چکے تھے۔

"صبر میں اجر ہے؟۔"اس کے سوال میں تضحیک اور تشویش رچی تھی۔ "یہ نہ ہو اجر کی بجائے محبت کی قبر بن جائے۔"اسے اپنے باپ کا مسکراتا چہرہ بڑا بھایا۔وہ اکثر اپنے کسمٹرز کے ساتھ اس طرح کی باتیں کرتے تھے اور وہ یونہی ان کی دوراندیشی کو سنتا رہتا تھا۔

"دل سے صبر کرو گے تو اجر تمہارے سامنے ہو گا۔"اور وہ ٹھیک تھے۔اس نے صبر کے ساتھ دوبارہ بازو بنانا شروع کیا تھا اور وہ بن بھی گیا۔مٹی کا مجسمہ بغیر سر کے دونوں بازوؤں کے ساتھ کھڑا تھا۔ہوا میں لہراتی اسکرٹ اور وی گلے والی بے رنگ شرٹ اس مجسمے نے زیب تن کی ہوئی تھی۔

مہمت جانتا تھا ان کپڑوں پر اس نے کون سا رنگ کرنا ہے۔ وہ کون سے رنگوں میں رنگی جائے گی۔ وہ خوب ان چیزوں سے واقف تھا۔ وہ نظر بھر کر جس کے بازو کو دیکھ رہا تھا وہ اس وقت نرم گرم سے بیڈ پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔ اس کے دائیں جانب انگیٹھی جل رہی تھی جس میں موجود لکڑیاں وقفے وقفے سے چٹخ رہی تھیں۔ ایسی ہی ایک چٹخ کی آواز پر نوح نیند سے بیدار ہوا۔ کرسی پر ڈھلکا ہوا سر اس نے سیدھا کیا اور نظریں اس وجود پر جا پڑیں جو پر سکون سی آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی، چھ کا ہندسہ بتا رہا تھا صبح پھوٹ پڑی ہے۔ وہ گہری سانس بھرتا ہوا کرسی سے اٹھا۔ سردی کی شدت بتا رہی تھی باہر برف برسنا شروع ہو چکی ہے۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ پردے کو تھوڑا سا سرکانے پر سفید دنیا اس کی آنکھوں میں آن سمائی۔ وہ مڑا، سائیڈ میز سے جمے ہوئے پانی کا باؤل اور تولیے کو اٹھایا پھر دبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر آ گیا۔

"صبح بخیر لڑکے۔" پروفیسر فاؤ نے اسے خوش دلی سے وش کیا۔ وہ سر کے خم سے ان کی وش کا جواب دیتے ہوئے کچن میں گیا اور تھوڑی دیر بعد ہاتھ پونچھتا ہوا واپس آ گیا۔

"امید ہے نیند ٹھیک سے آئی ہو گی، تمہاری دوست کی طبیعت کیسی ہے اب، بخار اترا؟" فاؤ ایزی چیئر پر بیٹھے جھولتے ہوئے کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ نوح ان کے برابر والی کرسی سنبھال گیا۔ یہ بالکل گزشتہ رات والا منظر تھا۔ وہ دونوں بالکل ویسے بیٹھے تھے جیسے کل بیٹھے تھے

بس فرق اتنا تھا کہ اب فاؤ کے جسم پر شب خوابی کا گاؤن موجود تھا اور پاؤں میں گرم روئی سے بنے جوتے۔

"سانس اور چہرے کی رنگت بتا رہی ہے بخار کی شدت کم ہو گئی ہے۔ آپ کو زحمت دی اس کیلئے معذرت۔" فاؤ نے ہاتھ جھلایا۔

"کہا تھا قرض لوٹاؤں گا لیکن اس کیلئے قسمت اتنی جلد مہربان ہو گئی اندازہ نہیں تھا۔" یکدم سیڑھیوں پر شور برپا ہوا۔ وہ بھاگتی دوڑتی حواس باختہ سی نیچے آ رہی تھی۔ اس کے قدم آخری سیڑھی پر پڑنے سے پہلے ہی رک گئے۔ خوف سے لبریز نیند کے خمار سے بھری آنکھوں کے ساتھ وہ باری باری ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے ریٹینا پر ان دونوں کے نقش بنے تھے۔ انگیٹھی کے قریب بیٹھا ہوا ایک بزرگ مشفق چہرہ جس کے ہاتھ میں کتاب تھی اور ان کے عین سامنے کرسی کے کنارے پر ٹکا وہ جو اب گردن تھوڑی سی ترچھی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بچی۔۔۔ پر کشش ہے۔" کہنے کے بعد وہ نوح کو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہے تھے جو یک لخت ہی کھڑا ہوا تھا۔ یہ اس کا بھید تھا۔ اس تک ہی محدود رہے تو بہتر ہے۔ کسی اور کو ہرگز بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔

"کون سی جگہ ہے یہ؟" پریشان حال سی وہ سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے پوچھ رہی تھی۔اس کے سوال میں ڈر تھا۔اس کا ڈر واجب تھا۔

"فکر نہیں کرو محفوظ ہو تم، یہ میرے پروفیسر ہیں۔تم بے ہوش ہو گئی تھی اور ہاسپٹل میں کوئی بیڈ فارغ نہیں تھا اس لیے مجبوراً تمہیں یہاں لانا پڑا۔پوری رات تمہیں بخار رہا تھا۔" وہ اتنی لمبی وضاحت پر جس بات پر اچھلی تھی وہ "پوری رات" کے الفاظ تھے۔لپکتے ہوئے نیچے آئی اور اس کے برابر آن کھڑی ہوئی۔فاؤد لچسپ نظروں سے بکھرے بالوں والی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

"پوری رات؟ کیا مطلب ہے۔مجھے تو ڈیوٹی پر جانا تھا۔یا خدا میری دو شفٹیں نکل گئیں۔" وہ اردو میں بول رہی تھی اس لیے فاؤ کو کچھ سمجھ نہیں آئی مگر جو نوح کو سمجھ آیا تھا اس پر وہ عش عش کر اٹھا۔اسے لگا تھا انجانی جگہ پر خود کو پا کر اور پوری رات خود سے بیگانہ رہنے پر وہ دوسرے والاری ایکشن دے گی۔گھبرائے گی، چیخے گی۔چلائے گی۔سوال کرے گی۔وہ جب سے اٹھا تھا اسی پر وضاحت سوچ رہا تھا۔لفظوں کے جوڑ توڑ میں مگن تھا۔مگر اس کی سوچ پر پانی پڑ گیا کیونکہ میڈم کو تو اپنی شفٹ کی پرواہ تھی۔کیا بات تھی۔لالچی کہیں کی۔

"واقعی میں؟" نوح نے سر کو جھلاتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"خوش آمدید بیٹا، آپ فریش ہو جاؤ پھر مل کر ساتھ ناشتہ کرتے ہیں۔" فاؤ نے کتاب بند کر کے سائیڈ سائیڈ پر موجود میز پر رکھ دی۔ اسی میز پر سے انہوں نے ریموٹ اٹھا بٹن دبایا تھا۔ پورا لاؤنج روشن ہو گیا۔

"نہیں، ناشتے کا تکلف نہیں۔ ہمیں نکلنا ہو گا پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔" اس نے اپنی تلخی چھپاتے ہوئے کہا تھا۔ اس کا تو سارا موڈ ہی غارت ہو گیا تھا۔

"ایسے کیسے، پوری رات وہ بیمار رہی ہے۔ اسے فوری اور صحت بخش خوراک کی ضرورت ہے۔" وہ ریلنگ تھامے ان دونوں کی تکرار سن رہی تھی۔ اس کے بال مضحکہ خیز انداز میں بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ بھی میلا تھا۔ خاص کر آنسوؤں کے نشان تھے جو ایک سیدھ میں اس کے گالوں پر موجود تھے۔

"آج کیلئے معذرت، مجھے فوری طور پر جانا ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو میں خود آپ سے کھانے کی درخواست کروں گا۔"

اپنا کوٹ اٹھا کر ڈاکٹر فاؤ کے بے حد اصرار پر بھی وہ وہاں سے چل دیا۔ ہونق سی فلک اس کے پیچھے لپکی تھی۔ ہوتی برف باری کو دیکھ کر وہ مزید خود میں دبک گئی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے اس کے ہاتھ کا درد جاگ اٹھا۔ وہ اس تلخی کی اعلیٰ مثال کے ساتھ سیڑھیوں سے نیچے اتری جو لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی کار

کی سمت بڑھ رہا تھا۔ فلک کو تو سب وے سے جانا تھا اس لیے وہ کشمکش کے عالم میں سر کھجاتے ہوئے اسے دیکھنے کے بعد دوسری طرف مڑنے ہی والی تھی جب نوح کی تیز آواز نے اسے تھما دیا۔

"میرے خیال سے میری کار یہاں پارک ہے وہاں نہیں۔" فلک رکی، دو منٹ اس کی ڈھکی چھپی آفر پر غور کیا۔ سب وے کے رات کے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے آئے تھے۔ وہ جھرجھری بھرتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گئی۔

"عجیب و غریب نمونے دیکھنے سے بہتر ہے میں اس تلخ کریلے کے ساتھ ہی سفر کر لوں اور ویسے بھی افف بدن کتنا دکھ رہا ہے۔ آہ میں بیمار ہوں۔" شانے ڈھلکا کر خود کو گھسیٹ کر وہ سوچتے ہوئے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی۔ نوح بھی اپنی سیٹ سنبھال چکا تھا۔ گاڑی کے گرم ماحول نے اس کے اندر سکون بھر دیا۔ اس نے کن انکھیوں سے سڑے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنے سر سے روئی کے گالے ہٹا رہا تھا۔ فلک نے بھی اس کی دیکھا دیکھی اپنے سر اور شانوں کو جھاڑنا شروع کیا۔ اس کے بال مزید بکھر گئے۔ نوح نے عجیب سے منہ بناتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ویسے کتنے دنوں سے باتھ نہیں لیا تم نے۔" دنیا کا سب سے برا منہ بناتے ہوئے اس نے کار میں اسپرے کر دیا۔ فلک کے گال سرخ ہوئے۔

"ہفتہ تو ہو ہی گیا ہو گا۔" اس کے بڑبڑاہٹ سرخ گالوں والی نے با آسانی سن لی۔

"دیکھو بہتان نہیں لگاؤ پورا ہفتہ نہیں ہوا ہے ابھی، دو دن رہتے ہیں۔" وہ بدک کر پیچھے ہوا۔ آنکھوں میں ساری دنیا کا استعجاب تھا۔ روئی کے نرم گالے سست روی سے آسمان سے زمین کی جانب گامزن تھے۔

"تم لڑکی ہی ہو نا؟" سوال میں ایسی حیرانی گھلی تھی کہ پیالے میں موجود پانی ہرا ہو جائے۔ پانی ہرا ہو سکتا تھا فلک نہیں۔ گالوں کے بعد اب کانوں کی باری تھی۔ جی اب اس کے کان سرخ ہو چکے تھے۔

"میرے پاس نا تم امیروں والا باتھ روم نہیں ہے جو میں روز شاور لیا کرو۔ اتنی ٹھٹھرتی سردی میں تو بندہ پورے ماہ نہ نہائے تو بھی چلتا ہے۔" نتھنے پھلاتے ہوئے اس نے کہا اور پھر سینے پر بازو باندھ کر بیٹھ گئی۔ نوح نے گیلے ٹشو کا ڈبا اس کی جانب کیا۔ یعنی لو یہ پکڑو اور اس سے اپنا میلا کچیلا منہ صاف کرو ورنہ اپنی شکل گم کرو۔ فلک نے ناچار اس کے ہاتھ سے ڈبا تھاما اور اس میں سے ٹشو نکال کر منہ رگڑنے لگی۔

"لالچی اور کنجوس۔" ایک اور لفظ کا اضافہ ہو جانے اب فلک کیلئے کون کون سے اور کب کب ذخیرہ الفاظ استعمال کیے جائیں گے۔

"تم گئے کیوں نہیں تھے مطلب تمہیں چلے جانا چاہیے تھا۔"نوح نے جواب نہیں دیا۔اسے دینا بھی نہیں تھا۔وہ چکنی زمین پر محتاط انداز میں گاڑی کو آگے بڑھانے میں مگن ہوا۔

"ویسے میں انجیکشن کی وجہ سے بے ہوش نہیں ہوئی تھی میری طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی اس لیے۔"نوح کی چبھتی ہوئی صرف ایک نظر نے اسے پھیکی مسکان چہرے پر لانے پر مجبور کر دیا۔ وائپر مسلسل نم شیشے کو صاف کر رہے تھے۔گاڑی میں ان کی آواز کے سوا کسی کی آواز نہیں تھی۔ وہ فلک ہی تھی جو مسلسل اس خاموشی کے تانے کو توڑ رہی تھی۔ایک بار پھر سے اس کی آواز گونجی۔

"تم اس کو راز رکھو گے۔ہے نا۔"سوال پر اس نے ایک بار پھر سے گردن موڑ کر اس لڑکی کو دیکھا جو دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔اس کا پورا وزن دروازے پر تھا نوح نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں انہیں لاک کیا ورنہ وزن سے دروازہ کھل کر فلک کا گرنا متوقع تھا۔

"دیکھو اگر تم نے ایسا کیا نا تو میں پکا تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی بلکہ واش اینڈ شائن سے اپنے متبادل کا بھی کہہ دوں گی بس تم کسی کو کچھ مت بتانا ورنہ شرمندگی ہو جائے گی۔"اس نے گہرا سانس لیا۔کتنا بولتی ہے یہ لڑکی۔

"اور اگر میرا راز فاش ہوا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ میں تمہارا راز بھی فاش کر دوں گی۔ مطلب میں تمہیں بلیک میل نہیں کر رہی بس گیو اینڈ ٹیک والی بات کر رہی ہوں۔" اس نے پہلے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچانک اپنی فاش غلطی کا احساس ہوا تو سٹپٹا گئی۔ وہ جان گئی تھی اس شخص کا پارہ ہائی ہو گیا ہے۔ وہ ٹھیک تھی۔ اس کا ضبط بھرا چہرہ ساری داستان سنا رہا تھا۔ اس نے فوراً سے بات سنبھالی۔

"اس لیے پلیز ایسا مت کرنا۔ مجھ بے چاری پر رحم کرنا ورنہ بہت سبکی ہو جائے گی۔ سب کیا کہیں گے کہ نڈر، مضبوط اور چٹان سے حوصلے والی اس قدر ڈرپوک ہے۔ افف، پلیز ایسا مت کرنا۔" منہ پھلاتے ہوئے، آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے وہ اس سے التجا کر رہی تھی۔ نوح کار سائیڈ پر لگا کر درشت آواز میں گویا ہوا۔

"اگر تم نے مزید بک بک کی تو میں تمہیں نیچے اتار دوں گا اینڈ آئی مین اٹ۔" فلک نے برے انداز میں ہونٹوں کو پھیلاتے ہوئے منہ میں بڑبڑایا۔ وہ کیا بڑبڑا رہی تھی یہ نوح نہیں سن پایا۔

"کیا کہا ہے ابھی تم نے؟" فلک نے ہیں والے انداز میں آنکھیں ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

"میں کہا کہوں گی بھلا، تم نے خود ہی تو کہا بک بک نہیں کرنا۔ اس لیے میں چپ ہوں ابھی۔" منہ پھولا ہوا تھا۔ آنکھیں یہاں سے وہاں تیزی سے حرکت میں تھیں۔ ہونٹ بار بار عجیب و غریب شکلوں میں ڈھل رہے تھے۔ نوح نے کار کو بند کیا اور سینے پر بازو باندھ لیے۔

"کھڑوس، ہٹ دھرم، نگیٹو وائبز پھیلاتا ہوا بے حس انسانی پتلا، زمین پر بوجھ گھر والوں کیلئے کڑی آزمائش۔ او سی ڈی کا مریض، الوکا۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔" نوح اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فلک اچانک اس کی نظروں کی تپش سے چونکی۔ گردن اس کی طرف موڑی جو بھنویں آپس میں ملائے سینے پر بازو باندھے اسے ملاحظہ کر رہا تھا۔

"دو دو اور گالیاں دو، دیکھ رہا ہوں میں تمہارے چہرے کے اتار چڑھاؤ۔ شرم تو نہیں آتی نا ایک لڑکی ہو کر گالیاں دیتی ہو۔" وہ سٹپٹا گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے ظاہر کر دیا کہ وہ واقعی میں یہ کام بخوبی سر انجام دے رہی تھی۔

"میں تمہیں کیوں گالیاں دوں گی۔ میں گالیاں نہیں دیتی۔ میں ایک شریف لڑکی ہوں۔" اس نے ایک سانس میں کہا تھا۔ اس انسان میں ایسا کیا فکس تھا جو وہ یوں وثوق سے کہہ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت نہ خراب ہوتی نا تو اب تک تم گاڑی سے باہر ہوتی۔ اپنے یہ منہ کے زاویے درست کرو اور مجھے کوسنا بند کرو۔" فلک نے غصے میں کار کے دروازے کو کھولنا چاہا۔ اس کی غیرت جاگ گئی۔ کھوکھلے غصے کا ناٹک تو وہ کر ہی سکتی تھی نا، آخر کو لڑکی تھی اور یہ عزت کا سوال تھا۔

"یہ کیا تم نے بار بار گاڑی سے تار دوں گا گاڑی سے اتار دوں گا کی گردان لگا رکھی ہے۔ تمہیں لگتا ہے میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جو ان چیزوں سے مرعوب ہوتی ہے۔ ہا، بھول ہے۔ سب وے ہم لوگوں کیلئے ہی بنا ہے۔ تم اتار دو گے تو تمام سواریاں میرے لیے بند نہیں ہو جائیں گی۔ کھولو دروازہ۔" وہ کار کے دروازے کو جھٹکا دے رہی تھی۔ نوح نے بٹن پش کیا اور دروازے کو جھٹکا دیتی وہ اچانک ہی زمین پر لڑھک گئی۔ اس انداز میں کہ سر اس کا جمی ہوئی ٹھنڈی ٹھار برف پر تھا اور آدھا وجود گاڑی کی سیٹ پر۔

"یہ کیا ہو گیا۔ ہیں کیا واقعی اس نے دروازہ کھول دیا۔" وہ اچانک سے سیدھی ہوئی تھی۔ اس کے بکھرے میلے بالوں پر ہر جانب برف چپک چکی تھی۔ وہ نوح کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی جیسے اس کی آنکھیں کہہ رہی ہوں۔ شرم تو نہیں آتی لڑکی کے ساتھ اس طرح کا ناروا سلوک کرتے ہوئے۔ اس نے کر ٹھاہ کی آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا۔

"میں بیمار ہوں اس لیے لحاظ کر رہی ہوں ورنہ اس کا جواب میں بہت اچھے سے دے سکتی تھی۔"

نوح کے لب مسکراہٹ روکنے کے سبب تکلیف کرنے لگے تھے۔اس نے دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر ہونٹوں پر رکھی اور دوسرے ہاتھ سے کار کے پہیوں کو زحمت دے دی۔فلک گردن اکڑائے باہر دیکھنے پر مجبور تھی۔نوح نے ہولے سے نگاہ موڑ کر اسے دیکھا۔لبوں پر مٹھی مزید سختی سے جم گئی۔

راستہ یونہی خاموشی سے کٹا تھا۔اپنے شہر میں پہنچنے کے بعد نوح نے اس سے پہلی بار دریافت کیا۔

"کہاں ڈراپ کرنا ہے تمہیں؟"سوال جتنا سنجیدہ تھا اس سے زیادہ سنجیدہ اور ناراض سا جواب آیا تھا۔

"تمہارے گھر۔"وہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگا۔فلک نے روٹھے انداز میں شانے اچکا دیے۔"یعنی میری پہلی ڈیوٹی وہی سے شروع ہوتی ہے۔"نوح نے روڈ سائیڈ پر کار لگائی۔سیٹ بیلٹ کھول کر باہر نکلا۔اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور اسے باہر آنے کو کہا۔

"ہری اپ۔"وہ شش و پنج میں مبتلا کار سے اتری۔نوح نے اس کی سائیڈ کا دروازہ زور سے بند کیا اور ٹھنڈے گولے برساتے ہوئے بولا۔

"ہمارے گھر سے آج تمہاری چھٹی ہے انفیکٹ ہر جگہ سے تمہاری چھٹی ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو سب جگہ سے پرمننٹ چھٹی سمجھنا۔"اس نے کہہ کر یہ جا وہ جا والا کام کیا تھا۔فلک کو اس پر بڑا تاؤ آیا۔

"دھمکیوں سے ڈرتے ہیں یہ روئی کے گالے، آیا بڑا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے قدم روئی کی زمین پر ثبت ہوتے جا رہے تھے کہ یکدم اسی بری طرح دبکنا پڑا وجہ اسی کار کا واپس اس کے قریب آ کر رکنا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ سرکنے کے بعد ایک ہاتھ باہر نکلا تھا۔ جس میں سیلڈ پیک دواؤں کا شاپر تھا۔

"ہدایت کے مطابق دوا استعمال کرنا اور پانی سے بچا کر رکھنا ہاتھ کو کل تک یہ ٹھیک ہو جائے گا۔" سرد سی آواز موسم سے زیادہ جما دینے والی تھی۔ اس نے جونہی دوائیں پکڑی ٹائر پھرتی سے حرکت میں آئے تھے۔ بیک ویو مرر سے وہ نوح کو جامد کھڑی نظر آئی۔ اس کے لبوں پر انجانی مسکان نے جگہ بنائی تھی۔ اس نے پورا اسٹیرنگ گھما کر یوٹرن لے لیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی اماں آپ نے کس طرح تنویر سے یوٹرن لیا، جبکہ آپ تو بری طرح اس کے حق میں تھیں۔" کراچی کی فضاؤں نے بھی سردی کا رخ کیا تھا۔ ہر جانب ٹھٹھراتی سی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ فرخندہ نے بیٹی کو مالٹے چھیلتے دیکھا پھر کھٹے لہجے میں گویا ہوئی۔

"میرے بس میں ہوتا تو میں کھونٹی سے باندھ کر رکھتی تنویر کو مگر ہک ہا۔" انہوں نے لمبی آہ بھری۔ نگہت کے کان کھڑے ہو چکے تھے کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے یہ اس کی عقل بتا رہی تھی۔ ناک نے بھی تو سونگھ لیا تھا۔

"ہیں اماں، ایسا بھی کیا ہو گیا جو یوں آہ بھر کر دل ٹھنڈا کیا جا رہا ہے۔" کریدنا اس کی صفت میں تھا۔ بری بات۔ وہ انسان ہی کیا جو دوسروں کے معاملات کو کریدے، ٹوہ لگائے، نظر رکھے، یہ تو تھرڈ کلاس بات ہوئی نا، بے حد گھٹیا اور بری بات۔

"ارے۔" فرخندہ کھسک کر اس کے قریب آئیں، پھسپھسانے والے انداز میں گویا ہوئیں۔ "سنا ہے نشہ کرنا شروع ہو گیا ہے۔ جوا بھی کھیلتا ہے۔ تم کو تو معلوم ہے جواری کسی پاسے نہیں لگتے، میں بھلا اپنی مینہ کو کیوں فاقے مرنے دوں۔" نگہت کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے گویا ہوئی۔

"ہا، تبھی میں کہوں کہ آئے روز مینہ کے رشتے کیوں دیکھے جا رہے ہیں۔ میں تو سمجھ رہی تھی تنویر کی اماں کو جلانے کی خاطر آپ ایسا کر رہی ہو۔ تاکہ مینہ کو رد کرنے کا ملال اسے تا عمر رہے اور بھاری جہیز کا سن کر الٹے پیر دوڑی چلی آئے۔ مگر یہ تو الگ ہی بات سن لی میں نے۔ ویسے اماں یہ تنویر کو کس کی آہ لگ گئی۔ اچھا بھلا خاندان کا پہلا آٹھویں پاس لڑکا تھا۔ ابا کی دکان سنبھال رہا تھا یہ کیا

ہو گیا، ہیں۔"فرخندہ نے بر آمدے کی چوکھٹ پر نظر ڈالی۔ آنکھوں میں تضحیک کے رنگ بھر کر بولیں۔

"منہ بھر کر میری مینہ کیلئے انکار کیا تھا نا، اللہ نے منہ کے بل گرایا ہے۔"نگہت نے سر ہلاتے ہوئے مالٹے کی پھانک منہ میں ڈالی۔ کالا نمک قدرے تیز تھا اس لیے اس کے منہ کے زاویے بن گئے۔

"بڑی مشکل سے مینہ کا دل اس کلموہے سے ہٹایا ہے۔ اب بس اللہ میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔"دوسری پھانک کو منہ میں بھرتے ہوئے نگہت نے ان شاء اللہ کہا تھا ساتھ ہی اس کے دماغ میں کلبلاتا سوال منہ سے پھوٹ پڑا۔ اس نے جھٹ سے اماں کو مخاطب کیا۔

"رشتے والے تو بہت اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کے ہیں اماں، لڑکا بھی سلجھا ہوا ہے مگر۔"اس کا مگر کافی دراز تھا۔ فرخندہ کے کان کھڑے ہوئے گئے۔ ابرو اچکائی جو کہہ رہی تھی اس مگر کا کیا مطلب ہے۔

"فلک کیا اتنے پیسے کر پائے گی کہ ہم سب کو بھی دے اور مینہ کیلئے بھی انتظام کرے۔"فرخندہ کے ماتھے پر بے شمار بل پڑ گئے۔ وہ جانتی تھی اگر صغیر اس سارے معاملے میں چپ ہیں تو وہ بیٹی کی معذوری ہے ورنہ وہ بڑھ چڑھ کر جہیز کی مخالفت کرتے۔

"اس کا تو باپ بھی کرے گا۔ ایک بار مینہ کی شادی ہو جائے اور میرے بچوں کی زمین اور کاروبار اپنے ہو جائیں پاکستان بلوا کر تنویر کے کھونٹے سے بندھواؤں گی۔ وہ حق دار بھی اسی کی ہے۔"

"ایک جواری اور دوسری بے چاری کیا جوڑی رہے گی اماں۔" نگہت نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگایا تھا۔ پھر جیسے اس کی عقل نے کام کیا۔

"لیکن اس طرح سے تو ہماری مشکل بڑھ جائے گی۔" فرخندہ اس کی بات پر بھنوؤں کو آپس میں ملا گئیں۔

"وہ کیسے بھلا؟" ناک پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے دریافت کیا تھا۔ نگہت اور ان کے قریب کھسک آئی۔

"پیسہ کمانے کی مشین کو بیچ دیں گے تو پیسے کہاں سے آئیں گے۔ میری مانو تو اس کی شادی کا خیال دل سے ہی نکال دو۔ پڑے رہنے دو باہر ہمارا کون سا کچھ جا رہا ہے۔ بلکہ نوٹوں میں کھیلیں گے ہم تو، یہ تنگی چک چک قریب بھی نہیں پھٹکے گی۔ عیش کریں گے اماں عیش۔" اس کے منصوبے نے نئے سرے سے فرخندہ کو سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ نگہت کی بات ان کے دل پر لگی تھی۔ شادی کر کے وہ کرے گی بھی کیا۔ اسے تو کنوارا رہنا چاہیے آخر کو اتنے بڑے خاندان کی ذمہ داری ہے اس کے کندھوں پر۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اس کی شادی نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔

ان کے منصوبے کچھ اور تھے اور قدرت اس کیلئے کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔ وہ انسان جس نے پھر کبھی کسی کو دل دینے کا نہیں سوچا تھا ایک لمحے میں اس کے آگے سرنڈر کر بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے کبھی بھی عروبہ سے محبت نہیں رہی تھی۔ اس کا خود کی طرف جھکاؤ، پروٹیکشن اور حد سے زیادہ حفاظت کرنا ہی اسے عروبہ کی طرف کھینچ گیا تھا۔ وہ اس کی پہلی افیکشن تھی۔ کم عمری کی غلطی، وہ محبت کا بھوکا تھا۔ اس کا دل ہر اس انسان کی طرف مائل ہو جاتا تھا جس میں سے اسے محبت کی وائبز آتی تھیں مگر یہ پہلی لڑکی تھی جو اسے لالچی لگی تھی۔ جسے فقط پیسے کی بھوک تھی لیکن پھر بھی، پھر بھی اس کا دل اس کیلئے بری طرح دھڑک گیا تھا۔ ایسا تو اس نے کبھی کسی کیلئے محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ مینٹلی طور پر بری طرح ڈسٹربڈ تھا۔ عروبہ نے اسے ڈچ کیا تھا۔ اس کی ذات پر سوال اٹھایا تھا۔ اس کے بعد سے لے کر اب تک اتنے سالوں میں اس کا یقین مرد اور عورت کی محبت سے اٹھ گیا تھا۔ اسے لگتا تھا سب کچھ بس وقت پر مشروط ہے۔ ہر رشتے کی ایک معیاد ہے۔ کچھ مقرر مدت سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ بس تب تک ہی رہتے ہیں۔ آخر میں جدائی ہی حتمی ہے۔ اس کی ذات تو یوں بھی سوالیہ نشان تھی۔ وہ زندگی کے جس دوراہے پر تھا وہاں اس وقت پیار و محبت، شادی و وعدوں کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پھر یہ دل کی کیسی تمنا جاگ اٹھی تھی۔ کیسی خواہش سر اٹھا رہی تھی۔ اس نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"میں تمہیں سمجھالوں گا، میں جانتا ہوں تم سمجھ جاؤ گے۔" وہ پردے ہٹائے مرر روم میں بیٹھا تھا۔ ہر طرف سفیدی تھی۔ آسمان سے روئی کے گالے تیزی سے گر رہے تھے۔ اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ چاچو، مائیر اور سیرا جا چکے تھے۔ اس نے بہانہ کیا تھا کہ وہ برف باری کی وجہ سے پھنس گیا تھا اس لیے پروفیسر فاؤ کے ہاں ٹھہر گیا۔ کسی نے زیادہ کرید ابھی نہیں تھا۔ یہ ان لوگوں کی عادت بھی نہیں تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے خود کیلئے کافی بنائی اور اپنی پسندیدہ جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"اور اگر نہیں سمجھے تو؟" اس کے آنکھوں میں ڈر ہلکورے لینے لگا۔

"ہو سکتا ہے یہ وقتی جذبہ ہو، مائنر اٹیک کچھ دنوں بعد پھر سب نارمل ہو جائے گا۔ عروبہ کو بھی تو میں نے بھلا دیا نا حالانکہ اس سے تو میں شادی بھی پلان کر چکا تھا تو پھر یہ تو۔" وہ یکدم رک گیا۔ اسے اچنبھے کا احساس ہوا۔

"یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ کیوں تاویلیں پیش کر رہا ہوں جبکہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے بالکل بھی نہیں۔" اس نے اپنا فون اٹھایا۔ دھیان بٹانے کو ایک نمبر ڈائل کیا۔ کال پک ہونے پر اس نے دس منٹ کی بات کی پھر فون واپس رکھ دیا۔ وہ پر سکون تھا یا شاید نہیں اس کا اندازہ شام تک ہو جائے گا وہ جانتا تھا۔

"وہ عروبہ سے زیادہ میرے قریب نہیں ہو سکتی۔ بالکل بھی۔ کیا ہو سکتی ہے؟" اسے پھر سے خوف لاحق ہوا۔

"وہ لالچ سے بھری لڑکی ہے۔ اسے پیسوں کی حوس ہے۔ وہ میلی کچیلی رہتی ہے۔ اس میں سے بدبو کے بھبکے آتے ہیں۔ ڈیزل کی خوشبو تو خاص کر، لاابالی ہے۔ بالکل میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔ مجھے اس کے ساتھ خود کو آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔ مجھے خود کو روک لینا چاہیے۔" وہ ٹہلتے ہوئے سوچوں کے گرداب میں پھنسا تھا۔ شیشے کی میز پر مکمل ہوا پڑا انفنٹی کا سائن اس کی نظروں میں آیا پھر اچانک ہی وہ اپنے کوٹ کی جانب لپکا تھا۔ اس نے جیب میں سے اس کی چین نکال لی۔ وہ چین اس کی انگلیوں کے پوروں پر تھی اور قدرے سرد تھی۔

"لامحدود۔" گہری سانس بھر کر یہ سوچ اس کے دماغ میں ابھری۔

"کیا تمہیں اس کا مطلب بھی معلوم ہے۔ کیا تم اس چکر کو جانتی ہو جس کا کوئی سرا نہیں، کوئی اختتام نہیں۔ جو جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں سے پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔ کیا تم اس کی گہرائی سے واقف ہو؟" وہ نہیں جانتا تھا یہ چین اس نے اس کو واپس کیوں نہیں کی۔ وہ اب سے کچھ بھی نہیں جان سکے گا کہ اس کے ساتھ آخر ہو کیا رہا ہے۔ اس نے انگلی کی پوروں سے چین کو مٹھی میں بھینچ لیا۔

"تم مجھے پریشان کر رہی ہو فلک اور میں اب مزید پریشان نہیں ہونا چاہتا۔ اس بار مجھے ذلیل نہیں ہونا ہے۔ تم سے تو بالکل بھی نہیں۔ میں جانتا ہوں کچھ عرصے بعد میرا دل سنبھل جائے گا۔ اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقتی جذبے کو میں تم پر آشکار نہیں ہونے دوں گا۔ میں تمہیں اس مقام تک ہرگز نہیں لاؤں گا جہاں تک میں عروبہ کو لے آیا تھا۔ تمہیں میری تذلیل کرنے کا موقع ہرگز نہیں ملے گا۔ کبھی بھی نہیں۔"

اس کی سوچ میں عروبہ کا چہرہ تھا جو اس وقت خوشی میں بیٹھی کافی کی چسکیاں بھرتے ہوئے کھکھلائے جا رہی تھی۔ فلک نے دبی مسکان کے ساتھ بھنویں اچکاتے ہوئے مہمت اور اسے دیکھا پھر ٹرے میں کپ رکھے پینٹری میں آ گئی۔ وہاں سے اس نے جڑی بوٹیوں والی شیشی اٹھائی اور متھ کے پاس لے آئی جو اس کی مسکان دیکھ کر ٹھٹھک گئے تھے بالکل ویسے جیسے وہ اس کا زخم دیکھ کر ٹھٹھکے تھے۔ اس نے زخم کے بارے میں انہیں اے ٹوزی بتا دیا تھا بالکل ویسے جیسے اب مہمت کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"تمہاری مسکان کسی خوشگوار واقعے کا پیش خیمہ لگتی ہے۔" اس نے ٹرے کو سنک میں رکھا اور جڑی بوٹیوں والی شیشی کاؤنٹر پر۔

"مجھے لگتا ہے اپنے مہمت صاحب کو کوئی مل گیا ہے۔"متھ کا چہرہ اس بات پر یکدم سنجیدہ ہوا۔وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"تبھی ہنسیوں کی آواز یہاں تک آرہی ہے۔ویسے لڑکی تو اچھی ہے۔دونوں ساتھ میں جچ رہے ہیں۔اللہ کرے ان کے درمیان میں جو بھی ہو جلد اور اچھا ہو۔"متھ چھوٹتے ہی بولا۔اس کے لبوں سے پھوٹتے الفاظ بے ساختہ اور غیر متوقع قسم کے تھے۔

"خدا نہ کرے۔"فلک چونک گئی۔"یعنی اسے وہی ملے جو اس کے دل میں ہے۔دستک دینے والے آئیں اور بس جائیں۔"انہوں نے بات سنبھال لی تھی۔فلک مطمئن ہو گئی۔مہمت کی خود کیلئے فیلنگز صرف وہ نہیں جانتی تھی باقی پنار اور متھ اس کی نظروں کی گردش اور چہرے کی سرخی کو پہچان گئے تھے۔وہ جانتے تھے مہمت کس کا اسیر ہے۔متھ اس راز کے افشاں ہونے پر بہت خوش تھا۔وہ فلک کی محنت اور اس کی لگن دیکھ چکا تھا۔ایک اچھے دل کی لڑکی کم از کم اتنا بہتر مستقبل ضرور ڈیزور کرتی ہے۔وہ ہمیشہ ان دونوں کی بھلائی و بہتری کی دعا کرتے تھے۔وہ ہمیشہ ان کے بہتر مستقبل اور مکمل زندگی کی دعا کرتے تھے۔

"ایسا ہی ہو گا ان شاءاللہ۔"اس نے بھرے ہوئے کپ ٹرے میں رکھے اور باہر آگئی۔مہمت کی نظروں نے بڑی چاہت سے اس کے سراپے کا دیدار کیا تھا۔فلک مسکان دباتے ہوئے آنکھ مار کر

آگے بڑھ گئی۔ وہ اس کی حرکت پر بھونچکارہ گیا تھا۔ اس کے کان گرم ہوئے اور دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا۔

"قہوہ انجوائے کریں۔" مسکراہٹ میں بھی شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مہت نے اس کو آنکھیں دکھائیں۔ وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے کھسک گئی۔ اس لڑکے نے سر کو ہولے سے نفی میں جنبش دی۔

"یہ لڑکی کبھی نہیں سدھرے گی۔" وہ کان کی لو کھجاتے ہوئے کن انکھیوں سے اپنے باپ کو دیکھنے لگا جو بظاہر تو کھاتے کے رجسٹر میں مصروف تھے مگر ان کا سارا فوکس اپنی نرینہ اولاد پر تھا۔ مہت نے انہیں مصروف دیکھ کر سکھ کا سانس لیا۔ عروبہ کو سنتے ہوئے اس کی نظریں ایک بار پھر سے اسے کھوج رہی تھیں جو کسٹمرز کے ساتھ مصروف تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ اس کے ہاتھ پر پڑی اور اس کا دل بیٹھ گیا۔

"تمہارے بابا کی یہ شاپ کافی اچھی ہے۔ میں اب یہاں آتی رہا کروں گی۔" وہ اپنے آگے کے پلان بتا رہی تھی جبکہ مہت کی نظروں میں فلک کا پٹی ذدہ ہاتھ تھا۔ اس کا دھیان عروبہ سے بٹ گیا تھا۔ اس کا دھیان اب پورا دن بٹا رہے گا۔ وہ جانتا تھا۔

اندھیری رات میں گناہ اپنے عروج پر تھا۔رات شیطان کا سب سے مضبوط وار ہے۔اس کی خاموشی،اس کی سیاہی میں شیطان کا پڑاوار اچھے سے اچھوں کو بہکا دیتا ہے۔جس کے دل میں زرا سا بھی کینہ ہو، نفرت، حسد، بغض ہو، ایمان کی سچائی میں لڑکھڑاہٹ ہو، دماغ میں اندیشے ہوں اور چاہے پانچ وقت کا نمازی ہو، روح کی پاکی پر لگا ہلکا سا ناپاکی کا چھینٹا اسے شیطان کے بہکاوے میں لانے کیلئے کافی ہوتا ہے۔سجدے وہ قبول نہیں ہوتے جس میں زمین توڑی جائے۔سجدے وہ تکمیلیت کو پہنچتے ہیں جن میں عاجزی، توکل اور خشوع و خضوع ہو۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں تب جب انہوں نے خود کو اپنے ہی تخت پر خواب میں مردہ حالت میں دیکھا تھا۔اور اس کی تعبیر یہ نکالی گئی تھی کہ وہ اپنی رعایا سے ابھی تھوڑے دور ہیں تب اللہ نے عذاب کے طور پر شیاطین اور جنات کا حملہ ان کی رعایا پر کروایا تھا۔اس دور میں جن کے دل بالکل پاک صاف تھے وہ شیاطین کے حملے سے محفوظ رہے اور جنات ان کے جسم میں نہیں گھس پائے۔لیکن وہ لوگ جن کے تقویٰ میں رائی برابر شبہات، شک، جھوٹ وغیرہ شامل تھا جنات نے ان کے وجود پر قبضہ جما لیا تھا۔اور جب ان کے جسموں سے جن نکل کر حضرت سلیمان کے تابع ہوئے تب وہ لوگ جو ان کے قبضے میں اپنے وجود دے گئے تھے شرم سے پانی پانی ہو گئے تھے۔کیا ہم ہوتے ہیں؟ہم اکثر سنتے ہیں کہ فلاں کے جسم میں جن آگیا، فلاں کو سایا ہو گیا تو یہ کیوں ہوتا ہے؟کبھی غور کیا ہے؟ اپنے اندر جھانکا ہے؟میں بتاتی ہوں، دل جب حد سے زیادہ گدلا ہو جاتا ہے۔روح جب مشرکین

سے بھی زیادہ ناپاک ہو جاتی ہے تب شیاطین حملہ کرتے ہیں تب جنات حاوی ہوتے ہیں۔ یہ حسن اور خوشبو کے قصیدے تو خود کے دل کے بہلاوے ہیں۔ اصل حقیقت تو یہ ہے جو بتائی گئی ہے۔ بے راہ روی اس کی کھلی مثال ہے۔ جس میں نظروں کو آلودہ کرنا، سماعت کو گندہ کرنا، حلال اور حرام میں تمیز ختم کرنا شامل ہے۔ یہ جو آپ کے دلوں میں کسی کے میسج کا انتظار کرتے ہوئے گدگدی ہوتی ہے نا اور گھنٹوں باتیں کرتے ہوئے آسودگی ہوتی ہے تو یہ سب شیطان کی عنایت ہیں۔ اللہ تو کبھی بھی نہیں کہے گا نا بندوں کو کہ وہ رات رات بھر جاگ کر کسی انجان سے باتیں کریں۔ اس کو تصاویر بھیجیں۔ ویڈیوز سینڈ کریں اور پھر بدنام ہو جائیں۔ یہ سارے شیطان کے کام ہیں۔ وہ آپ کو گناہ کی گہرائی تک اتار دیتا ہے اور آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ آپ کب پاتال تک چلے گئے۔ خودکشی کی شرح اس لیے تو بڑھ رہی ہے ہمارے ملک میں، گناہ بے لذت میں پڑ کر زندگی برباد کر رہے ہیں سب۔ بے موت مر رہے ہیں سب۔

وہ گود میں ہاتھ رکھے ایک کونے میں چپکی بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر اندر کمرے میں کسی عورت کے ساتھ مصروف تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کمرہ اب صبح تک بند رہے گا۔ اس لیے ان کے کمرے میں جانے کے دس منٹ بعد وہ دبے قدم اٹھی اور آہستہ آہستہ پورا گھر چھان مارا فقط اس کمرے کے جس میں اس کا شوہر موجود تھا۔

"کہاں ہیں میرے ڈاکومنٹس، آخر کہاں۔"اس کا ویزہ کینسل ہو گیا تھا۔ لیکن ایاز کو اسے ہر صورت یہاں لانا تھا۔ اس لیے وہ یہاں کسی اور کی شناخت پر لائی گئی تھی اگر اسے اپنی اور اپنے بچے کی زندگی بچانی تھی تو وہ سب چیزیں لے کر یہاں سے فرار ہونا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا وہ یہاں سے سیدھا فلک کے پاس جائے گی اس کے بعد پاکستان ایمبسی، وہ جانتی تھی جب وہ لوگ اس کی مجبوری سمجھیں گے تو ضرور اس کی مدد کریں گے مگر اس کیلئے اسے ڈاکومنٹس ڈھونڈنے تھے ہر صورت ڈھونڈنے تھے۔

"اللہ غارت کرے تمہیں ایاز، تم نے کہاں چھپایا ہے انہیں۔"وہ اس کے کمرے کی ایک ایک شے چیک کر چکی تھی فقط کبڈ کے جو کہ لاکڈ تھا۔

"پن، کسی بھی تالے کو کھولنے کیلئے پن درکار ہوتی ہے ایسا سن رکھا ہے ہم سب نے جبکہ یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔ پن فقط وقت برباد کرتی ہے جبکہ یہ کارڈ ہماری راہ نجات ہے۔ یہ ہمیں یہاں سے باہر نکالے گا۔"ایک بار وہ اور فلک پینٹری میں لاکڈ ہو گئے تھے۔ میرا کو بند جگہوں سے گھبراہٹ ہوتی تھی اس لیے اس نے جلدی سے اپنے بالوں کی پن نکال کر اس کے حوالے کی۔ آدھے گھنٹے تک دروازہ بجانے پر جب کوئی نہیں آیا تھا تب فلک نے پن لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے پرس میں سے سب وے کا کارڈ نکالا اور اسے لہراتے ہوئے بولی۔

"اب تم میرا جادو دیکھنا بس تمہیں میرے ساتھ تھوڑا سا زور لگوانا ہو گا۔" وہ کارڈ کو لاک والی جگہ پر رکھ کر ناب کو گھماتے ہوئے زور لگانے لگی۔ دس منٹ کی مشقت کے بعد دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اس وقت اس نے خوشی کے عالم میں فلک کو گلے سے لگایا تھا۔

"یہ سب تم نے کہاں سے سیکھا؟" پینٹری سے نکلتے ہوئے وہ سوال کر رہی تھی۔ فلک جو اس کے آگے چل رہی تھی رک کر کہنے لگی۔

آرٹ خود بخود نکلتا ہے اس کو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ میرا تب بھی اس کی بات پر مسکرائی تھی اور اب بھی مسکرا رہی تھی۔ وہ جلدی سے باہر آئی۔ اپنے پرس کو ٹٹولا، نیلا کارڈ اس میں سے بر آمد ہوا تھا۔ وہ اس کارڈ کو لے کر الماری کے پاس آئی اور گہرا سانس لے کر اسے لاک میں اڑا کر اس کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگی مگر بے سود وہ اس سے کھلا تھا اور نہ ہی اس نے کھلنا تھا۔ صبح ہونے تک وہ اس کے ساتھ لگی رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں زخم پڑ گئے تھے۔ کارڈ دونوں طرف سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ جان گئی اس کو استعمال کرنے کیلئے پہلے سیکھنا ضروری ہے۔ اس لیے مشقت ترک کر کے بجھے دل کے ساتھ واپس صوفے پر آ کر بیٹھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنا شروع ہوئے تھے۔

"میں ہار نہیں مانوں گی، مس اس قید سے رہائی لے لوں گی پھر چاہے دربدر کی ٹھوکریں کھاؤں، اس جہنم میں کبھی واپس نہیں آؤں گی، کبھی بھی نہیں۔" اس نے ارادہ کرتے ہوئے فلک کو کال ملائی تھی۔

"کہو کیسے صبح صبح یاد کر لیا؟" شاید وہ چل رہی تھی تبھی اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"تم نے کارڈ سے لاک کھولنا با قاعدہ سیکھا ہے نا؟" تیز تیز قدم اٹھائی لڑکی کی رفتار سست ہوئی۔ رفتار کے ساتھ آواز کا جوش بھی کم ہوا تھا۔

"ہاں نا، بہت لمبے عرصے کے بعد میں اس ٹرک کو سمجھ پائی تھی۔" میر اچند لحظے کو خاموش ہوئی پھر دریافت کیا۔

"تم کہاں بند ہوتی رہی ہو فلک؟" اس کے سوال پر فلک کے لبوں پر مجروح مسکان پھیل گئی۔

"نگہت آپا کو لڑکے والے دیکھنے آتے تھے تو امی مجھے کمرے میں بند کر دیا کرتی تھیں۔ انہیں لگتا تھا کہیں میں ان کے ہونے والے سسرالیوں کو لے نہ اڑوں۔" ہنستے ہوئے اس نے یہ بات کہی تھی۔ میر اکو برا لگا۔

"حالانکہ تمہاری اور ان کی عمر میں اچھا خاصا فرق ہے۔" لہجے کا ترش پن فلک نے اچھے سے نوٹ کر لیا۔ وہ مسکرا دی۔ اس پوری دنیا میں میر اہی تھی جس کو فلک کے ساتھ ہوئی ناانصافی پر برا لگا

کرتا تھا۔ باقی تو کوئی بھی نہیں تھا اس کی زندگی میں۔ اگر وہ ایڑھیوں کے بل پورا گھوم کر بھی دیکھے تو بھی کوئی اسے اپنا نظر نہیں آئے گا سوائے میر اکے۔

"یہ بات انہیں کون سمجھاتا بھلا اچھا یہ بتاؤ لاک کھولنا کیوں سیکھنا ہے؟" چلتے چلتے وہ ایک گلی میں مڑی تھی۔ اس کی رفتار پھر سے تیز ہو گئی تھی۔

"مجھے ایاز سے اپنے کاغذات واپس چاہیے جو اس نے لاکر میں رکھے ہیں۔" فلک برف سے ڈھکے ایک درخت کے نیچے سے گزری۔ سفیدی ہر جگہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا میں ایک سفید رنگ کے علاوہ اور کوئی رنگ ایجاد ہی نہیں ہوا ہے۔ ہر سو امن کا رنگ بکھرا ہے۔ ہر سمت سکون ہی سکون ہے۔ جامد، سرد سکون۔

"اچھا پھر مجھے غور سے سنو، کارڈ کو لاک والی جگہ پر اچھے سے فکس کرو پھر کارڈ اور لاک کو ایک ساتھ زور لگاؤ۔ جتنا اچھا کارڈ لاک والی جگہ پر فکس ہو گا اتنا ہی جلدی تمہارا کام بھی ہو گا۔ مجھے لگتا ہے تمہیں سمجھ آ گئی ہو گی۔"

وہ اسے ہدایت دیتے ہوئے چلے جا رہی تھی۔ میر امحتاط انداز میں اس کی باتیں سنے جا رہی تھی۔

"اگر پھر بھی تمہارا کام نہ ہو تو تم مجھے چائے پر مدعو کر سکتی ہو۔ اس کے ساتھ میں فری سروس دے دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔ میر ا بھی اس سارے عرصے میں پہلی بار

مسکرائی تھی۔اس کی دوست تھی ہی ایسی کسی نہ کسی بہانے اس کے لبوں پر آسودگی کے دو پل لے ہی آتی تھی۔اس صبح دونوں نے خوب باتیں کی تھیں۔ان کا دن مصروف لیکن اچھا گزرنے والا تھا۔

"فلک کل نہیں آئی تھی نا۔"

ویک اینڈ شروع ہو چکا تھا۔یہ جمعہ کی رات تھی۔کل اور پرسوں ان کے آرام کا دن تھا اور آج وہ سب ایک ساتھ بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔میز پر ہر ایک کی پسند کی ڈش پڑی تھی۔ان کے عقب میں مرر وال سے پردے سرکائے گئے تھے جن میں سے برف گرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔دھندلے مرر میں برف کے گالے بھی دھندلے ہی نظر آ رہے تھے۔سینٹرل ہیٹنگ کے سبب ان سب کے اعصاب پر سکون تھے۔اوول شیپ انگیٹھی میں سے نیلی و سرخ آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔مائیر نے رامن کا نوالہ منہ میں بھرتے ہوئے سیرا کو دیکھا جس نے یہ سوال داغا تھا۔

"میرے خیال سے نوح گھر پر تھا۔اس لیے اس نے ہی اسے چھٹی دی ہو گی۔"غفران نے بالکل درست پیش گوئی کی۔نوح نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنی توجہ کھانے پر ہی مرکوز رکھی۔

"ایسا ہی ہوا ہو گا تبھی مجھے برتنوں کا ڈھیر گھر آ کر دھونا پڑا اف دیکھو میرا ناخون بھی اس وجہ سے ٹوٹ گیا۔"اس نے اپنا نازک ہاتھ نوح کی طرف کیا۔ساری انگلیوں کے ناخون بڑھے ہوئے تھے جن پر گلیٹر لگا تھا۔جبکہ وہ چھوٹی انگلی تھی جس کا ناخون جڑ سے کاٹا گیا تھا۔گلیٹر سے تو وہ بھی رنگی ہوئی ہی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا ہے جنگلیوں کی طرح اتنے بڑے ناخون بڑھاؤ،تمہارا کھانا مکروہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ بھی ہنڈرڈ پرسنٹ۔"سیرا نے دانت پیستے ہوئے اس گوشت کی دکان کو دیکھا۔بہت اچھے الفاظ اس کے لبوں پر آ رہے تھے مگر اس نے روک دیے۔

"چاچو،اس پانڈا کو کہیں اپنے کام سے کام رکھے۔"رامن منہ میں لے جاتا مائیر کا ہاتھ راستے میں ہی رک گیا۔اس نے صدمے کے ساتھ اس خطاب کو خود کیلئے برداشت کیا تھا۔

"کیا کہا پانڈا،میں تمہیں پانڈا دکھتا ہوں؟"

چاچو نے مسکان دباتے ہوئے چمچ کو میز پر بجایا۔

"او کے انف،ڈنر کرو چپ چاپ لڑائی بعد میں کرنا۔"مائیر نے اچٹتی نظر اس خاموش چٹان پر ڈالی پھر شدید قسم کی تلخی سے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے بیٹا، منہ میں سرسوں جما کر بیٹھے رہو، تمہیں بھی مجھ سے 'وقت 'ضرور پڑے گا۔" اس کا نشانہ نوح تھا جس نے مسکان روکنے کی خاطر نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ کر سر جھکا لیا تھا۔ چاچو نے چمچ ساتھ بیٹھے مائیر کے کندھے پر مارا وہ بلک کر رہ گیا۔

"منہ میں سرسوں نہیں جمتی انگریز کی اولاد، اس لیے کہتے ہیں بچوں کو پیورا نگلش میڈیم اسکول میں نہیں پڑھانا چاہیے ورنہ ایسے نمونے بن جاتے ہیں۔" وہ اسے لتاڑ رہے تھے۔ ڈنر بڑے ہی پر لطف انداز میں سر انجام پا رہا تھا جب دفعتاً ڈور بیل سنائی دی۔ نوح نے اپنی کرسی پیچھے کو کھسکائی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ اعلان کرتا اپنی نیپکن میز کے کنارے پر ہی رکھ گیا۔ اس کے منہ میں نوالہ تھا جسے ہولے ہولے چباتا ہوا وہ گیلری میں آیا اور فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اپنی ازلی بندھی چھوٹی سی پونی کے ساتھ وہ سینے پر بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ سفید کوٹ کی جگہ آج چاکلیٹ براؤن پرانہ سا اوور کوٹ تھا۔ شانے پر برف پڑی تھی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔

"آپ نے کیا ہے نا؟" سوال اچانک تھا۔ نوح نے نوالہ پتھر کی طرح نگلا۔

"بار والوں کو آپ نے کہا ہے نا مجھے جاب سے نکالنے کیلئے، ہے نا؟" شام سے برف پڑ رہی تھی۔ اس کی مقدار میں اس وقت اضافہ تھا۔ وہ دروازے کی شیڈ تلے کھڑی تھی لیکن معلوم ہوتا تھا پیدل

چل کر آئی ہے تبھی اس کے بالوں اور کوٹ پر روئی کے گالے موجود تھے۔ جو اندر سے ہیٹر کی گرمائش آنے کی وجہ سے پگھلنا شروع ہو رہے تھے۔

"میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ ہاتھ کٹنے سے بہتر تھا تمہاری نوکری چلی جائے۔" اس نے اسی سرد انداز میں کہا جیسی سرد ہوا باہر چل رہی تھی۔ وہ چند ثانیے خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہی، ڈوبتی، بے بس، بے چین نگاہیں۔

"کون ہے نوح؟" چاچو کی آواز اس کے عقب سے ابھری تھی۔ اس نے خود کو ان جادوئی نظروں سے آزاد کروا کر دروازہ تھامے اندر کی طرف رخ کیا، گلا کھنکھار کر چند لمحے آواز کو متوازن کیا پھر قدرے بلند انداز میں گویا ہوا۔

"کوئی انجان ہے۔" اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ لڑکی اس کیلئے یکسر انجان تھی۔ بے شک فی الحال اس کے دل میں تھی مگر غیر تھی۔ انہیں جواب دینے کے بعد وہ مڑا تو دھک سے رہ گیا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ اس کے قدموں کے نشان اس کی دہلیز پر چھپے تھے مگر وہ نہیں تھی۔ نوح کی آنکھوں میں ویرانی چھا گئی۔ وہ پھرتی سے دروازہ بند کر کے باہر آیا۔ سیوٹ پینٹس اور ٹی شرٹ میں ملبوس اس نے مین ڈور بھی عبور کر لیا۔ گیٹ کے جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر وہ دائیں بائیں عجلت میں دیکھ رہا تھا جب اس کی نظروں کو تقویت پہنچی۔ وہ تیز تیز وہاں سے جاتی ہوئی دکھائی دے

رہی تھی۔ ٹیل پونی اس وقت اس کے چلنے کے سبب ہل رہی تھی۔ اس نے ایک آزردہ سانس لبوں سے خارج کی۔

"تمہیں کیسے بتاؤں کہ وہ جگہ تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا جب مائیر کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"ہیلو گوتم بدھ، اندر آنا ہے یا یہیں مجسمہ بننا ہے۔" مائیر گھر کے اندر دودھیا روشنی میں کھڑا اس سے دریافت کر رہا تھا۔ پیلا پلاسٹک کا رامن سے بھرا دوسرا باؤل اس کے ہاتھوں میں تھا۔ نوح نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے۔" اس کی نظر پھر اس رستے پر پڑی جس پر وہ جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ موڑ آنے والا تھا۔ وہ بس مڑنے ہی والی تھی۔ اسے فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ "مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" کہنے کے بعد وہ مائیر کے شدید روکنے پر بھی رکا نہیں تھا۔ اس نے کوٹ نہیں اوڑھا تھا حالانکہ سردی کی شدت ایسی تھی کہ اس کے کان اور ہاتھ کٹنا شروع ہو چکے تھے۔ وہ فلک کے پیچھے دوڑا۔ برف پر تازہ قدموں کے نشان اسی کے تھے۔ وہ نشان آگے جا کر بہت سارے نشانوں کے ساتھ مدغم ہو گئے۔ سانس پھلائے وہ اطراف میں دیکھ رہا تھا لیکن بے سود، اسے لگا دل دنیا سب خالی ہو چکے ہیں۔ یہاں کے لوگ، مستیاں کچھ بھی تو نہیں ہے۔ وہ شانے ڈھلکاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم

اٹھا تا بہت دور نکل آیا۔ ایک بڑے سے مال کے سامنے بنیں سنہری گیندوں میں سے ایک پر آکر بیٹھا جس کے عین سامنے ایک رشئن لڑکی گٹار کی دھنوں کو چھیڑا کرتی تھی۔ ہجوم کی صورت آتے جاتے لوگ، ان کے شور کے درمیان بھی اس کا گٹار مخصوص انداز میں دھن بجا رہا تھا۔ وہ مائنس ڈگری میں بغیر کسی گرم چیز کے وہاں موجود تھا۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے لوگ گزر رہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھا گٹار کی دھن کو سن رہا تھا جب کسی نے اس کے شانے پر کوئی گرم چیز ڈالی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ مائیر تھا اور اس کے برابر چاچو کھڑے تھے۔ دونوں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے زبردستی لبوں کو کھینچا اور کھڑا ہو گیا۔

"تم یوں آناً فاناً بھاگے میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔" نوح لانگ کوٹ کو تھام کر اس کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالتا ہوا اسے سن رہا تھا۔ "ویسے خوبصورت لڑکی ہے، کیا اسے سننے کیلئے دوڑے تھے۔" نوح نے سرد نظروں سے اسے دیکھا، کالر درست کرتے ہوئے ٹھنڈے انداز میں گویا ہوا۔

"بہت فضول بولتے ہو تم۔" چاچو نے اون سے بنا مفلر اس کی طرف بڑھایا۔ زرد روشنی میں کھڑا وہ ان کے ہاتھ سے مفلر تھام کر گلے کے گرد لپیٹ رہا تھا۔

"یہ بولتا فضول ہے اور تم حرکتیں فضول کرتے ہو، کیا ضرورت تھی بنا بتائے ڈنر درمیان میں چھوڑ کر جانے کی اور یہ تم ہجوم میں کیوں ہو، گھبراہٹ نہیں ہو رہی تمہیں۔" یہ طنز نہیں تھا پریشانی تھی

جوان کی آواز کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی ہلکورے لے رہی تھی۔نوح نے اپنے جمتے ہوئے ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے،اچانک اسے یاد آیا تھا کہ اس کے ہاتھ برہنہ تھے اور مفلر بھی نہیں تھااس کے پاس اس لیے آہستہ سے ہاتھ جیبوں سے نکال لیے پھر غیر محسوس انداز میں مفلر کو اتار کر کہنے لگا۔

"معذرت چاہتاہوں چاچو مگر مجھے تنہا رہنا تھا۔"اس نے سرگوشی ملی آواز میں کہا تھا۔

"دروازے پر کون آیا تھانوح؟"ان کے سوال پر نوح کی نظر پھر سے گٹار والی لڑکی پر جا ٹکی۔

"کوئی اجنبی تھا۔"اس نے پھر سے وہی بات کہی۔

"ضرور اس آدمی نے تم سے کچھ کہہ دیا ہو گا۔کوئی ایسی بات جس نے تمہاری دکھتی رگ کو چھیڑ دیا۔اس لیے تم فوراً یہاں پر آ گئے۔تمہیں کم از کم صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔"مائیر کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر شکوہ گھلا تھا۔"بات چاہے خلاف مزاج ہو لیکن اپنوں کو تو اطلاع دینی چاہیے۔"

"مجھے تنہا رہنا ہے۔"نوح نے غفران سے درخواست کی۔مائیر کے کھلتے لبوں کو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بند کروا دیا۔

غفران نے دونوں شانوں سے اسے تھاما پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

"دیکھو بیٹے، میں کریدوں گا نہیں تمہیں اور نہ ہی تمہارے کمفرٹ زون میں گھسنے کی کوشش کروں گا بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔"نوح نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ کشمکش کی جنگ میں مبتلا تھا۔کسی چیز میں اٹکا ہوا تھا یہ صاف

اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

"ٹیک یور ٹائم۔"وہ اس کا شانہ تھپکتے مائیر کے خاموش احتجاج کے باوجود اسے وہاں سے لے کر چل دیے۔ان کے جانے کے بعد وہ مفلر کو گود میں رکھے اسی بال پر واپس بیٹھ گیا۔

"مجھے اس کے پاس رہنا تھا۔"مائیر منمنایا۔غفران نے رک کر رخ اس کی جانب موڑا،ایک گھر کے داخلی دروازے کے اوپر زرد بلب جل رہا تھا۔جس کی روشنی باڑ کو چیر کر باہر نکل رہی تھی۔سفید باڑ کا سیاہ سایہ برف پر پھیلا ہوا تھا۔اسی باڑ کے کنارے پر سے غفران کا دراز سایا نظر آ رہا تھا جو موٹے مائیر کو سمجھانے کی ناکام سعی میں مشغول تھے۔

"یہ جاننے کے باوجود کہ اسے اسپیس چاہیے تھی۔تم جانتے ہو ناوہ کس کیٹگری سے تعلق رکھتا ہے۔"مائیر ہمیشہ کی طرح قائل نہیں ہوا تھا۔لوگوں سے پرے گھروں کے سامنے کھڑے وہ دونوں اس وقت کچھ زیادہ ہی سنجیدہ معلوم ہو رہے تھے۔

"چاچو اسے اسپیس بچپن سے ہی چاہیے، گوشہ تنہائی آخر کب تک اس کا مقدر رہے گی۔ اسے بھی نارمل ہونا چاہیے ہماری طرح، اسے بھی جینا چاہیے ہماری طرح، ہم کیوں اسے ہر وقت اکیلا چھوڑیں۔ ہم اس کے دل سے یہ احساس مٹا دیں گے تبھی تو وہ اس چیز سے آزاد ہو گا۔" وہ نوح کیلئے بے چین تھا کیونکہ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی اس کے دل میں نوح کی محبت ڈال دی تھی۔ کہتے ہیں نا جب کوئی نہیں ہوتا تب ایک ایسا دل ہوتا ہے جو آپ کیلئے بے چین و بے کل رہتا ہے۔ مائیر بھی ہر وقت نوح کی فکر میں گھلا رہتا تھا۔ وہ نوح کی بہت پرواہ کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی آنکھوں کے حزن میں ایسا راز تھا جو بوجھتے نہ بوجھتا پھر بھی وہ اس حزن کو کم کرنے کی اپنی سی کوشش کیے رکھتا تھا۔ اس کو معلوم تھا اس کے وجو کے گرد ایسا دائرہ تھا جو کوئی عبور نہیں کر سکتا تھا پھر بھی وہ اس میں چھلانگ لگا لیا کرتا تھا۔ وہ ایک اچھا اور تنہا لڑکا تھا۔ اس کا حلقہ احباب بہت کم تھا۔ وہ زیادہ تر دل کی باتیں دل میں ہی رکھتا تھا اس لیے تھوڑا قنوطی تھا۔ اسے مصروف رکھنا ہی اس کی سب سے بڑی مدد کرنا ہے نا کہ یوں تن تنہا چھوڑ دینا۔ یہ سوچ اول دن سے مائیر کی تھی جس کا وہ برملا اظہار کر بھی دیتا تھا۔

"ہم جتنا مرضی اس کیلئے بہتر سوچ لیں، خوش رکھنے کی کوشش کر لیں آخر میں اس کا ری ایکشن وہی ہو گا جو جبران بھائی کی مداخلت سے ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ وہ خاموش ہے۔ ٹھیک ہے اس سے گریس پیدا ہوتی ہے مگر وہ خطرناک حد تک حساس ہے اس بات کا احساس جبران بھائی کو لازمی ہونا چاہیے۔

میں جانتا ہوں اس وقت بھی وہ ضرور ان ہی کی کسی بات پر دل جلا رہا ہو گا۔ اس کی معیاد کتنے دن ہے کوئی نہیں جانتا۔" وہ چلنے لگے تھے مائیر ان کے پیچھے ہو لیا۔

"تو پھر اس کا حل کیا ہے۔" وہ ان سے سوال کر رہا تھا جنہیں جواب تو معلوم تھا مگر اسے زباں زد عام پر لانے سے کترا رہے تھے۔ انہوں نے مائیر کو دیکھا مائیر نے چلتے چلتے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

"عروبہ؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیا۔۔ کیا واقعی عروبہ؟" وہ سٹپٹا گیا تھا سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کی نظروں کے پیغام پر یقین کرے یا نہیں، اس نے ہار ماننے والے انداز میں شانے اچکا دیے۔

"دیکھو بچے، ایک بکھرے دل کو کسی ایسے دل کی ضرورت ضرور ہوتی ہے جو اس کو سنبھال لے، نوح بلاشبہ شروع سے ہی محبت کا بھوکا بچہ ہے لیکن بروکن فیملی کا اثر اس کے دماغ پر اس بری طرح ہوا ہے کہ وہ رشتے اور شادی سے کتراتا ہے۔ عروبہ اس کی پرسنالٹی اور ذہانت کی وجہ سے اپنے مفاد کی خاطر اس کے قریب ہوئی تھی تاکہ نوح میڈیکل کو سر کرنے میں اس کی مدد کرے، جیسے ہی وہ پاس آؤٹ ہوئی اس نے نوح کو ڈچ کر دیا۔ یہ بات تم، میں ہر کوئی جانتا ہے۔ اس کے بعد سے ہی نوح کو اپنی حقیقت سے نفرت ہونے لگی ہے۔ وہ کچھ زیادہ ہی خول میں چلا گیا ہے۔ اس کو خول سے نکالنے کیلئے کوئی چاہیے۔ عروبہ کی طرف وہ اب کبھی نہیں جائے گا مگر کوئی تو ہو گا جس کی طرف اس کا دل جھکے گا۔ بس ہمیں اسی شخص کا انتظام کرنا ہے۔" مائیر نے سر کو کھجایا۔ وہ

پر سوچ انداز میں خراماں خراماں چلتے چاچو کو دیکھ رہا تھا۔اس کے دماغ میں جو سوال ابھر رہا تھا اسے اس نے عملی جامہ پہنایا۔

"وہ شخص کون ہو گا اور اس کا انتظام کس طرح کریں گے ہم بھلا۔"چاچو نے گھر کے گیٹ کو پھلانگتے ہوئے جواب دیا۔مائیر ان کے پیچھے ہی تھا۔

"وہ کون ہو گا علم نہیں،انتظام کس طرح ہو گا یہ بھی معلوم نہیں بس صبر شرط ہے۔صبر ہی سب ٹھیک کر سکتا ہے اب یا پھر دعا۔"اس کا دل یکدم بجھ گیا۔اسے لگا تھا شاید کوئی پلان ہے چاچو کے پاس مگر ان کے پاس دعا تھی جو رنگ لے آئی تھی۔دعا سے بڑھ کر بھلا کون سا بہترین پلان ہو سکتا ہے۔ہمم۔۔

وہ ایک بہت بڑی بزنس کیمپین سے ہو کر آئی تھی۔میڈیا اور لوگوں کے سامنے اس کے چہرے پر مسکان چسپا تھی مگر جونہی وہ کیبن میں آکر بیٹھی اس کا چہرہ شدید سنجیدہ ہو گیا۔اس کے عین سامنے ایشل پنک بلیزر پہنے بیٹھی تھی۔سینے پر بازو بندھے تھے اور کانوں میں وائیٹ گولڈ کے گول سٹڈز جگمگ کر رہے تھے۔رامیہ نے اپنا سفید بلیزر اتار کر ہائی نیک کے گلے کو درست کیا۔اس کی سلور چین گرے ہائی نیک پر پڑی تھی۔چین کے اینڈ میں ایک چھوٹی سی ادھ کھلی کلی لٹکی ہوئی تھی۔یہ

ہیروں سے جڑی چین اس کی ماما نے پہلی کامیاب بزنس میٹنگ پر اسے دی تھی۔تب سے آج تک یہ اس کے گلے کی زینت تھی۔تب سے آج تک یہ اسے بے حد پسند تھی۔

"بابا کو قائل کر لیا تم نے؟" بالوں میں انگلیاں پھیرتی وہ انہیں درست کر رہی تھی۔لوز کرل ہوئے چاکلیٹ بال ایسا کرنے پر دائیں شانے آن گرے تھے۔ایشل نے آئی فون سیاہ میز پر رکھا،سیاہ میز میں اس کا عکس شیشے کی طرح واضح تھا جو رامیہ سے کہتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"ہاں ویسے بھی یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی۔" آئی فون پر انسٹا گرام کھلا ہوا پڑا تھا۔وہ شاید اکاؤنٹ پر کچھ پوسٹ کرنے والی تھی کیونکہ گیلری کے آپشنز بالکل سامنے تھے۔

"ویسے بھی انہیں اپنے ٹھکرائے ہوئے خفیہ بیٹے کیلئے ایک ویل ایجوکیٹڈ بیوی چاہیے اور مجھے اپنی بیٹے کیلئے باپ،ایک ایسا باپ جو اس ناجائز پنے کے درد کو سمجھ سکے۔" رامیہ کے لبوں پر تلخ مسکان دوڑ گئی۔اس نے سفید نیل پینٹ سے رنگے اپنے بڑے ناخونوں کو میز پر بجایا۔

"درد کو نہیں یوں کہو تمہاری تکلیف کو سمجھے جو اپنی ایڈکشن کے ہاتھوں بری طرح مجبور ہے۔بس کر دو آئس پینا اب ورنہ جتنی بچی ہو وہ بھی نظر نہیں آؤ گی۔" وہ اس کی نصیحت کو کھکھلا کر نظر انداز کر گئی۔سر جھٹکتے ہوئے گویا ہوئی۔

"یار اب تم بھی مجھے میری اسمارٹنس کا طعنہ دو گی۔ بچپن کی دوست ہو میری کچھ تو لحاظ کرو اور ویسے بھی یہ زیرو فگر ہے۔ڈیمانڈ میں ہے۔ماڈلز تو مرتی ہیں ایسے فگر کیلئے۔"رامیہ نے ہاتھ کو جھلایا۔وہ صبح کی تھکی ہوئی اب لوٹی تھی۔اس نے کافی اور دو پینا ڈول منگوائیں۔ان دونوں کو نگلنے کے بعد وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہاں سب معلوم ہے ماڈلز کے بارے میں مجھے،اسی طرح تو اپنے فگر کو مینٹین رکھتی ہیں وہ ورنہ ایکسر سائز اور ڈائیٹ تو آدھی دنیا کرتی ہے جن میں سے کچھ ہی ایسے فگر والے ہوتے ہیں۔مجال ہے کہ ڈائیٹ اور ایکسر سائز کے ساتھ تمہاری طرح سو پرسنٹ لیس وزن ہو،نیور۔"وہ کافی کے سپ بھرنا شروع ہوئی تھی۔پورے بدن میں گھونٹ بھرتے ہی جیسے سکون اتر آیا تھا۔اس نے کپ کو پرچ میں رکھا اور اسے سننے لگی جو اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"اچھا اس لامتناہی بحث کو چھوڑو یہ بتاؤ نوح سے میری شادی تمہیں کیا فائدہ دے گی،سچ کہوں پہلے دن سے ہی میرے دل میں یہ سوال منڈلا رہا ہے۔"کپ کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے چند لحظے سوچا پھر تضحیک بھری مسکان لبوں پر سجالی۔

"سکون،مجھے سکون ملے گا۔"ایشل نے سر کو سائیڈ پر کیا۔وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی۔

"وہ کس طرح بھلا؟"اس نے نفی میں سر ہلایا۔ایک سپ لے کر کپ کو واپس پرچ میں رکھا۔اس کی دودھیا انگلی سفید کپ کے کناروں پر ہولے ہولے پھر سے گھومنا شروع ہوئی۔

"یہ ایک معمہ ہے ایشل،اسے وہی رہنے دو۔تم بابا کی فیورٹ ہو۔ان کی گڈ لسٹ میں شامل ہو۔تم نوح کو پسند کرتی ہو۔ایسا وہ سوچتے ہیں۔انہیں سوچنے دو۔جیسا چل رہا ہے سب چلنے دو۔تمہیں نام کیلئے ایک شوہر درکار ہے۔تم وہ لو اور اپنی زندگی میں چل کرو"ایشل کی بات کی تائید کی۔

"ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے،ویسے تمہارا سوتیلا بھائی ہے بہت گریس فل،دیکھو اس کی ناک پر کتنا وقار ہے۔"فون آگے کھسکایا۔انسٹاگرام پر نوح کی تصویر موجود تھی۔سفید کوٹ میں آنکھوں پر بغیر فریم کے گلاسز لگائے وہ سینے پر بازو باندھے کھڑا تھا۔اس کے دائیں بائیں دو اور میل ڈاکٹر بھی موجود تھے۔اس تصویر میں وہ سنجیدہ،خاموش اور وجاحت کا پیکر نظر آرہا تھا۔اسے دیکھتے ہی رامیہ کا حلق کڑوا ہو گیا۔

"تم میرا دن خراب مت کرو۔"اس نے نخوت سے موبائل کو واپس میز پر کھسکایا۔ایشل نے لبوں کو سیٹی کے سے انداز میں گول کیا۔

"تم اس کی تصویر دیکھنے پر ایسے ری ایکشن دے رہی ہو۔ وہ میرا شوہر بن جائے گا تو، تو تم نے مجھ سے بائیکاٹ کر دینا ہے۔ دیکھو مجھے یہ فکر کیوں لاحق ہو رہی ہے تم میری شادی میں بھی نہیں آؤ گی۔" اس کی تشویش بجا تھی۔ اس تشویش پر حقیقت کا رنگ رامیہ نے چھڑکا تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہو گا۔ لیکن فکر نہیں کرو منہ کے بل گرتا اسے میں ضرور دیکھوں گی۔ تمہیں بھی کونسا اس سے محبت ہے۔ تم اپنی زندگی میں اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ مگن رہنا۔ وہ تمہاری اولاد کو پالتا رہے گا۔" وہ دونوں ہی اس بات پر دبی دبی ہنسی ہنس گئی تھیں۔

رامیہ کی طنز بھری آنکھوں میں جس کا چہرہ تھا وہ ابھی سوپ شاپ کا دروازہ دھکیلتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ رات بری طرح چڑھ چکی تھی۔ یوکے کی سرزمین پر بسا یہ شہر جاگ اٹھا تھا۔ رات یہاں دن ہوتی تھی اور دن، ظاہر سی بات ہے دن ہی ہوتا تھا۔ اس نے سوپ شاپ کا دروازہ کھولا اندر بھیڑ تھی اور گرمائش بھی، اپنی مخصوص کونے والی میز وہ پھر سے سنبھال رہا تھا۔ اس کی نظروں کو جس کی کھوج تھی وہ وہاں نہیں تھی۔ ایک انجانا چہرہ اس کے سامنے آیا۔

"سر، اپنا آرڈر لکھوائیں پلیز۔" وہ ایک نوعمر لڑکا تھا شاید اسٹوڈنٹ ہو، نوح نے اسے ٹالا۔

"کچھ دیر بعد آنا۔" وہ منع کر رہا تھا کیوں، اس کا جواب تو اسے بھی معلوم نہیں تھا۔ معلوم تھا تو بس اتنا کہ اس کی نظریں اطراف میں گھوم رہی ہیں۔

"کہاں چلی گئی۔" یہ اس کے دل کی آواز تھی۔ دل، اس دنیا کی سب سے بے کار شے، جذبات کا پلندہ، خواہشات کا ڈھیر۔

میز پر ہاتھ دھرے اس نے گردن کو باہر کی طرف موڑا۔ نم شیشے کے پار اسے ایک لڑکی نظر آئی تھی جو کھرپے کو تھامے برف کو ہٹانے میں مگن تھی۔ اس نے اس لڑکی پر غور کیا۔ چھوٹی سی ٹیل پونی بوسیدہ کوٹ، وہ یکدم کرسی کو پیچھے دھکیل کر اٹھا اور باہر آ گیا۔ اس کا شک درست تھا۔ وہ، وہی تھی۔ شاپ کے باہر سے برف کے ڈھیر کو اکھٹا کر چکی تھی اب بس سائیڈوں پر جمی ہوئی برف کو کھرچ کر اٹھا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر پلاسٹک کے گلوز چڑھے تھے۔ برف گرنا بند ہو چکی تھی جس کے سبب ماحول میں خنکی کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ نوح لمبے ڈگ بھرتا اس کے عین سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ کھرپے سے برف کو کھرچتا اس لڑکی کا ہاتھ رک گیا۔

"تمہیں معلوم ہے نا، ایسا کرنے سے تمہارے ہاتھ کے ٹانکے کھل سکتے ہیں۔ کیا تم چاہتی ہو تمہیں دوبارہ سوئی لگے۔" وہ جانی پہچانی آواز پر سر اٹھا رہی تھی جب شاپ کا دروازہ کھول کر اسے آواز دی گئی، دے کر واپس اندر غڑاپ سے غائب ہو گیا۔

"فلک، باس نے کہا ہے اس کام کو مکمل کر کے پانچ منٹ میں اندر آؤ، رش بڑھ گیا ہے۔" مڑ کر سیدھا ہونے کے بعد اس نے مسکراہٹ کے ساتھ اس لڑکے کو دیکھا تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"اللہ نہ کرے مجھے دوبارہ سوئی لگے، کیسی باتیں کر رہے ہو۔"وہ بہت نارمل تھی۔کیسے ؟نوح کو تو لگا تھا وہ خفگی ظاہر کرے گی۔عام لڑکیوں کی طرح چیخے گی چلائی گی، جاب ختم کروانے پر اسے برا بھلا کہے گی پھر اس سے بات کرنا بند کر دے گی مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔کچھ بھی نہیں۔

"اور اب تو یہ ٹھیک ہو رہا ہے۔شام کو پٹی بدلی تھی میں نے۔"وہ اس کے چہرے کو خاموش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ماتھے پر محنت کرنے کے سبب اتنی سردی میں بھی پسینے کے ننھے ننھے قطرے پھوٹ رہے تھے۔جس برف کو وہ کھرچ رہی تھی وہ جم چکی تھی۔جمی ہوئی برف بہت مشکل سے ہٹتی ہے۔اسے کھرچنے کیلئے بڑی طاقت درکار ہوتی ہے جو اس وقت وہ لگا رہی تھی۔

"میں مدد کر سکتا ہوں۔"اس نے مدھم آواز میں کہا کیونکہ ایک جگہ اس کا کھرپا اڑ گیا تھا۔وہ برف کا بہت بڑا ٹکڑا تھا۔وہ اٹھ جاتا تو جگہ صاف ہو جاتی۔فلک نے اس کی آفر پر کھرپے کو کھڑا کیا اور متحیر انداز میں بولی۔

"ہیلو، میں فلک سفیر ہوں کوئی عام چھوئی موئی لڑکی نہیں، میں اسے تو کیا اس سے بڑی اور دوگنا بھاری چیز کو بھی اٹھا سکتی ہوں۔تم نے کیا سمجھا ہوا ہے مجھے۔"وہ کہنے کے بعد واپس اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔اس نے اپنی پوری قوت لگائی تھی تبھی اس ٹکڑے نے زمین کو چھوڑ دیا۔وہ اب اسے لڑھکا کر ایک کونے میں لگا رہی تھی تاکہ شاپ کی آس پاس کی ساری جگہ صاف ہو جائے۔

"تم، کچھ کہو گی نہیں مجھ سے؟" بہت دقتوں بعد نوح نے پوچھا تھا۔ اس نے پلاسٹک کے گلوز ہاتھوں سے اتارے۔ اس کے زخمی ہاتھ سے خون شروع ہو چکا تھا تبھی پٹی تر اور سرخ تھی۔

"کس بارے میں، کیا کوئی بات تھی۔" وہ انجان بن رہی تھی مگر نوح نہیں بنا۔ اس کی نظر خون آلود ہاتھ پر پڑ چکی تھی۔ ماتھے پر بل لیے وہ تفکر بھرے انداز میں اس کی طرف لپکا۔

"میں نے۔" ہاتھ تھام کو اوپر کیا۔ "میں نے کہا تھا ٹانکے کھل سکتے ہیں، دیکھو اب کتنا خون بہہ رہا ہے۔" وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ چکا تھا۔ اس کی نظریں شاپ کے ارد گرد منڈلائیں، وہاں کوئی بھی میڈیکل اسٹور یا پھر ہاسپٹل نہیں تھا۔

"کوئی بات نہیں معمولی سا تو خون ہے اندر جا کر کس کر پٹی کروں گی تو خود ہی رک جائے گا ویسے بھی ابھی تم نے سنا نا کہ باس بلا رہے ہیں۔ یہ نہ ہو انہیں غصہ آ جائے اور یہ نوکری بھی ہاتھ سے جائے۔" نوح کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"یعنی یہاں بھی تمہیں نوکری کی فکر ہے۔ تم اپنے خون کو نہیں دیکھ رہی بلکہ پیسے کی فکر کر رہی ہو۔" ماتھے پر بل لیے اس نے کہا تھا۔ لہجے میں کب حقارت گھلی معلوم ہی نہیں ہوا۔ فلک چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ایک قدم اس کی جانب بڑھایا۔ ان دونوں کے درمیان ایک بازو کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہے کیونکہ میں لالچی جو ہوں۔"اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔اعتراف مسکراتا سا تھا۔سیاہ آنکھوں کی قید میں بھوری آنکھیں ہوئیں۔رات نے چڑھتی صبح کی چادر لپیٹ لی۔نوح کے ماتھے پر موجود بل رفتہ رفتہ کم ہوئے۔

وہ نرمی سے اس کے ہاتھوں کی قید سے اپنا ہاتھ نکال چکی تھی۔اندر جانے سے قبل اس نے تھوڑی سی برف اٹھائی،اسے دستانے میں بھرا پھر خاموش انسان سے مخاطب ہوئی۔

"یہ جادو ہے۔اس سے خون رک جائے گا۔"وہ مسکراتے ہوئے دروازہ دھکیل کر اندر چلی گئی۔پھر سے درگزر،پھر سے سکون۔وہ بری طرح بے سکون ہو گیا۔فلک کے جاتے ہی نوح نے پہلی فرصت میں مائیر کو فون ملایا تھا۔وہ برق رفتاری سے اپنی کار میں آکر بیٹھا تب تک مائیر فون اٹھا چکا تھا۔

"بولو جان جگر،سماعت سننے کو بے تاب ہے۔"اس کی شوخ آواز فون کے اسپیکر سے ابھری۔نوح بے ہودہ بات پر جھلا گیا۔

"کم گھٹیا سیریز دیکھا کرو،لینگویج تباہ ہو گئی ہے تمہاری۔"کار کو اسٹارٹ کر کے وہ مین روڈ پر لے آیا۔سوپ شاپ پیچھے چھوٹ رہی تھی اور وہ زرد روشنیوں میں آگے۔

"یار میرے سیریز کو نشانہ نہ بنایا کرو تم جو تمہاری ایکٹو ٹیز ہیں نا اس سے بندہ تباہ۔۔۔اوہ نہیں بلکہ تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔"نوح نے صبر بھرا طویل سانس بھرا۔ونڈ اسکرین پر درختوں پر جابجا لگی فیری لائٹس کا عکس پڑ رہا تھا۔اس نے موڑ موڑا اور ساتھ میں بات کا رخ بھی۔

"مائیر،مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے اس لیے بی سیریس۔"وہ یک لخت ہی سنجیدہ ہوا تھا۔یہ اس کی آواز سے ظاہر تھا۔

"ڈن،گھر آرہے ہو؟"اس کے بات سننے کے بعد مائیر نے کمبل سے پاؤں کو آزاد کیا۔کتاب کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہوا تھا۔اس کے قدم مین ڈور کی طرف تھے۔

"پہنچ گیا ہوں تم دروازہ کھولو۔"دروازہ کھولنے کے پورے پندرہ منٹ بعد وہ گھر آیا تھا۔مائیر کا دل تو کر رہا تھا اسے کھری کھری سنائے لیکن شام کے واقعے کی وجہ سے چپ سادھ کر اسے گھورتا ہوا اندر آگیا۔سیرا کب کی سو چکی تھی اور چاچو اس وقت اسٹڈی میں کوئی نئی کتاب پڑھنے میں مگن تھے۔وہ دونوں لاؤنج میں آئے۔نوح کے آنے کے بعد مائیر کیتلی میں پڑی چائے کو گرم کر کے لے آیا۔ایک مگ نوح کو تھما کر دوسرا خود لیے بیٹھ گیا۔اس کی پوری توجہ اس لڑکے پر تھی جو رشتے میں اس کا سالا تھا مگر دل سے بھائی۔

"تم پندرہ منٹ جلدی آئے ہو۔"اس کے طنز کو نوح نے سائیڈ پر رکھ دیا۔اور وہ بات کہی جو اس کو کہنی تھی۔

"مائیر اگر میں تمہاری جاب ختم کروادوں اور پھر اس بات کا اعتراف تمہارے سامنے کروں تو تمہارا ری ایکشن کیا ہو گا؟"جیسے پانی شیشے پر گرتا ہے نا اسی طرح یہ بات بھی مائیر پر سے ایسے ہی گزری تھی۔اس نے پر سوچ انداز میں آنکھوں کو ہلایا پھر فٹ سے جواب دیا۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ میں نے تو اپنا بزنس کرنا ہے۔میں کیوں جاب کروں گا بھلا؟"وہ شانے اچکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔نوح کی شرم دلاتی نظروں سے خائف ہو کر خجل سا ہو گیا۔

"میں کیوں حیران نہیں ہوا۔"وہ ہمیشہ شرم دلوا دیتا تھا۔مائیر نے جلدی سے گرما گرم گھونٹ بھرا۔

"نوح جبران،اتنی لمبی گفتگو تمہیں سوٹ نہیں کرتی،پوائنٹ پر آؤنا یار،اچھا اب ایسے تو مت دیکھو،کرو دوبارہ سوال اس بار اچھے سے جواب دوں گا۔"ایک لمحے کو نوح کا دل چاہا اٹھ کر چلا جائے مگر جائے بھی تو کہاں۔یہ کنفیوژن صرف اس انسان کے اور کوئی دور نہیں کر سکتا تھا۔ٹھیک ہے وہ چاچو اسے اٹیچڈ ہے مگر ہر طرح کی بات ان سے نہیں کر سکتا۔اس طرح کی باتوں کیلئے اسے

مائیر ہی درکار ہوتا تھا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ اس کی امیدوں پر بالکل پورا اترا تھا۔ نوح نے نچلا لب دانتوں میں جکڑ کر چھوڑا۔

"اگر میں تمہیں تمہاری جاب سے نکلوا دوں تو تم کیا کرو گے میرے ساتھ۔" مائیر کے جواب پر وہ چند لمحے ساکت ہوا، جانے کیوں اس کے اندر سناٹا سا چھا گیا، گھور سناٹا۔

"میں تمہارے دانت توڑ دیتا، تم سے شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ار تمہاری شکل تک دیکھنا گوارا نہ کرتا ہاں بالکل میں ایسا ہی کرتا کیونکہ جاب ملنا اکیسویں صدی کا سب سے مشکل ترین کام ہے۔" مائیر نے دیکھا اس کے سامنے بیٹھے لڑکے کی ناک کی نوک سرخ ہونا شروع ہوئی ہے۔ ایک منٹ رکو، اس کے گال اور کان بھی دہک رہے ہیں بالکل ویسے جیسے برف پر کوئی جلتا ہوا شعلہ پڑا ہو۔

"اور اگر تم لڑکی ہوتے۔" مائیر نے چھوٹتے ہی کہا۔

"خدانخواستہ۔" پھر وہ نوح کے انداز پر ٹھہر سا گیا۔ چائے کا مگ اس کے دونوں ہاتھوں میں قید ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔ وہ اسی انداز میں، وہ اسی روبوٹی انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"مائیر اگر تمہاری جگہ کوئی لڑکی ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے۔" کچھ ہوا ہے اس بات کا اندازہ مائیر کو بہت پہلے ہو گیا تھا۔ کچھ بہت ہی غلط و عجیب ہو گیا ہے اس بات کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

"لڑکیاں بہت کمزور دل کی اور جذباتی ہوتی ہیں۔اس صورتحال میں عموماً وہ روئیں گی۔ظاہر سی بات ہے۔مگر تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو۔"نوح نے گردن اٹھا کر مائیر کو دیکھا۔مائیر اس کی آنکھوں میں موجود گھور ویرانے میں کوئی انجانا سا تاثر دیکھ رہا تھا۔کچھ تھا جو ان کہا سا تھا،ان پڑھا سا۔

"وہ نہیں روئی،انفیکٹ اس نے بہت اچھے سے مجھ سے بات کی ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو،کیا یہ نارمل ہے؟"نوح کا کسی لڑکی کے ساتھ تعلق بہت معنی رکھتا ہے۔وہ عروبہ کے بعد سے لڑکیوں سے کنارہ کشی اختیار کر چکا تھا۔آج سالوں بعد اس کے منہ سے یوں کسی لڑکی کی بابت کچھ سننا بڑا ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔وہ اپنے لفظوں کو دل میں رکھتا تھا۔اچھے ہوتے تھے یا برے،دل آزاری ہوتی تھی یا نہیں وہ بس دبا لیا کرتا تھا۔وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نوح،کس کی بات کر رہے ہو تم۔کیا،کیا ہے تم نے،کوئی کانڈ تو نہیں کر دیا۔"اس کی چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔وہ چائے ہو یا کافی ٹھنڈی کر کے پینے کا عادی تھا۔مائیر کے سوال کو اس نے نظر انداز کیا۔نوح اور لڑکی دو متضاد چیزیں تھیں تو پھر یہ حوالہ،وہ بے چین ہوا۔

"میں تمہاری اس عادت سے بہت عاجز ہوں پہلیاں بجھوا کر پتھر کی مورت بن کر بیٹھ جاتے ہو،یہ انسانیت نہیں ہوتی۔"وہ اس کی خاموشی پر تلملا گیا۔نوح نے اس احتجاج کو بھی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی ترجیح دی تھی۔دو تین گھونٹ میں مگ کر خالی کر کے وہ وہاں سے اٹھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا منہ میں آٹا جمائے رکھ، یاد رکھنا اگلے مشورے پر چارج کروں گا تمہیں میں۔" وہ اس کا شانہ تھپک کر کمرے میں آیا۔ دروازہ لاک کرنے کے بعد بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا تم بے انتہا لاپرواہ ہو یا پھر واقعی اسٹرانگ ہو۔" وہ اسے سوچ رہا تھا۔ اس نے ہمت کر کے اس کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی۔ نوح کا دل غیر معمولی پن سے دھڑکنے لگا۔ تیسری بیل پر اس کی کال رسیور کر لی گئی۔

"سنو، مجھے تم سے ملنا کب تک فارغ ہو گی تم؟" اس کی گھمبیر آواز بہت ٹھہر ٹھہر کر فضا میں گونج رہی تھی۔

"آج تو ممکن نہیں صبح آؤں گی تب بات کر لینا۔" وہ اب بھی اطمینان سے ہی گویا تھی۔ نوح بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ اس سے طویل بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن یہ اچانک کیا ہوا۔ وہ اس قدر بے کل کیوں ہو گیا۔ اس نے کال کاٹ کر فون بیڈ پر اچھال دیا اور خود مرر وال کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ دھاگے بڑھ چکے تھے۔ وہ شیشے کے اس پار سست روی سے گرتی برف کو دیکھے گیا۔

آج کی رات اس کی یونہی آنکھوں میں کٹنے والی تھی۔

ہالووین کی آمد آمد تھی۔ بس ایک ہفتہ ہی بچا تھا۔ ایسے میں اس کے اسکول میں ایک فنکشن رکھا گیا تھا۔ جس میں ہر کوئی اپنے اپنے پارٹنر کے ساتھ شامل ہو رہا تھا۔ مہمت نے اپنے نام کے ساتھ فلک کا نام لکھوایا تھا۔ وہ دونوں بیج لے کر گھر آیا۔ ڈائننگ میز پر بیجوں مع بیگ رکھ کر وہ پانی کی بوتل میں سے پانی پی رہا تھا۔ پنار اپنے کمرے سے باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں فون تھا جس پر کال چل رہی تھی۔ مہمت نے انہیں اپنے بیگ کے پاس بیٹھتے دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اگر انہوں نے وہ بیج دیکھ لیے تو ضرور سوال اٹھائیں گے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابھی اس کے بابا کو اس کے دل کا حال معلوم ہو اور ان کا شک حقیقت میں بدل جائے۔ اس لیے وہ تیزی سے وہاں آیا۔ بیگ اور بیج سنبھال کر وہ کمرے میں لے گیا جب واپس آیا تو پنار کال کو کاٹ رہے تھے۔

"اگلے ماہ کے شروع کے ہفتے میں جڑی بوٹیوں کو لینے کیلئے مجھے دو دن کیلئے گاؤں جانا ہو گا چونکہ کھیتوں میں سے انہیں چننا ہے تو سوچ رہا ہوں کسی کو ساتھ لے جاؤں، تم ان دو دنوں میں خوشی کو سنبھال لو گے نا۔" اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی یوں بھی ایسے مواقع اس کیلئے غنیمت ہوا کرتے تھے۔ سال میں گنتی کے دن ہی تو پنار خوشی کو سانس لینے کیلئے چھوڑتے تھے ورنہ تو وہ ہوتے تھے اور کاؤنٹر کے پیچھے بچھی ان کی کرسی۔

"ضرور، میں نہیں سنبھالوں گا تو کون سنبھالے گا۔" پنار کی کھوجتی آنکھوں نے اس کے چہرے کا طواف کیا، جانے انہیں کیا سوجھا تھا جو وہ پوچھ بیٹھے۔ ان کا سوال یہ تھا۔

"دراصل مجھے کہنا چاہیے کہ کیا تم جڑی بوٹیاں لینے جاسکتے ہو، چاہو تو فلک کو ساتھ لے جاسکتے ہو۔"
وہ جو پہلی فرصت میں منع کرنے والا تھا۔ اس تجویز پر یکدم ہی بوکھلا گیا۔ آنکھوں کی جوت ایسے جلی جیسے دیوں میں تیل کی مقدار بڑھ گئی ہو۔ وہ چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ڈائننگ میز کی ایک کرس سنبھال رہا تھا۔ پنار سے اس کا جوش مخفی نہ رہا۔

"یہ ہو سکتا ہے یعنی کیا یہ ممکن ہے؟" وہ لاکھ چھپائے، لاکھ پردے ڈالے اس کی محبت اس کے چہرے سے جھلکتی تھی۔ مخالفت کے باجود بھی وہ اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش تھے۔ لڑکی کا رہن سہن، ماحول و زبان الگ ہے انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ اگر ان کا بیٹا خوش ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ سب خوش ہے۔

"کیوں نہیں ہو سکتا، اللہ کے بعد اس کا اختیار مجھے ہے کہ جڑی بوٹیوں کو لینے کسے بھیجوں اور میں سوچ چکا ہوں۔ میری جگہ تم جاؤ گے۔ میں یوں بھی ٹھنڈ میں اتنا زیادہ سفر طے نہیں کر سکتا۔" اس کا دل کر رہا تھا وہ اپنے بابا کو گلے لگا لے مگر اس نے اپنی جذبات پر کنٹرول کیا۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ اس کے دل کی ہر بات جان لیتے ہیں۔ وہ کھل کر ان کے ساتھ اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا لیکن سب سے پہلے اسے فلک کی رائے جاننی تھی۔ اس کے حامی بھرتے ہی وہ پنار کو سب بتا دے گا۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

"لیکن میں کہنا چاہوں گا عروبہ کے ساتھ تمہارا گھلنا ملنا پسند نہیں آیا مجھے، امید ہے تم سمجھ رہے ہو گے۔" کرسی کو چھوڑ کر انہوں نے رک کر ایک نگاہ 'مسرت کی مثال' پر ڈالی۔

"میں احتیاط کروں گا۔" اس وقت سب باتوں پر اس کی خوشی غالب تھی۔ اس وقت اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ پنار نے اس کے گال کو تھپتھپایا پھر فون کو جیکٹ کی جیب میں رکھ کر مین دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ مہمت نے ان کے پیچھے دروازہ بند کیا۔ ان کے جاتے ہی وہ "یس، یس، یسسس" کرتا خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنا فون اٹھا کر فلک کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"افففف، کم آن، اٹھاؤ فون لڑکی۔" اس نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ مہمت نے ہار نہیں مانی۔ اس نے دوسری بار ٹرائے کیا جب امید ٹوٹ رہی تھی تب کال اٹھالی گئی۔

"مہمت، میں اس وقت بہت مصروف ہوں تھوڑی دیر میں بات کرتی ہوں تم سے۔" سرگوشی میں بات مکمل کر کے وہ رابطہ منقطع کر گئی تھی۔ مہمت نے تحیر سے فون کو دیکھا۔

"یا احد، مصروفیت تو دیکھو اس لڑکی کی، آہ مہمت آہ۔" وہ جانتا تھا اس دشمن جاں کی تھوڑی دیر کبھی نہیں آتی تھی۔ فون کو میز پر رکھ کر وہ کرسی سنبھال چکا تھا۔ اس کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکان آن دوڑی۔

"تم اور میں یا خدا یہ سوچ کتنی خوبصورت ہے۔"اس نے گردن اٹھائی، ملگجی سی روشنی میں اس کے اسٹوڈیو کا دروازہ نظر آرہا تھا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔اس کی سماعت سے اس کے دادا کے الفاظ ٹکرائے جو وہ اس کے بابا سے کہا کرتے تھے۔

"نرمی ایک اچھے انسان کا وطیرہ ہے اور محبت۔"اس نے ریلنگ پر ہاتھ رکھا۔اپنے دائیں پاؤں کو پہلی سیڑھی پر رکھ کر اس نے پورا وزن اس پر ڈال دیا۔

"محبت ولیوں کا،خالص پاک محبت جس میں کوئی حرص نہ ہو،کوئی گندگی نہ ہو کوئی آلودگی نہ ہو۔" وہ لکڑی کی ٹھنڈی ریلنگ کو تھامے قدم اٹھائے جارہا تھا۔دادا کے الفاظ ماضی کے پنوں کو پھاڑ کر اڑ کر اس تک آئے۔

"محبت کی آلودگی کیا ہوتی ہے؟"سوال داغنے والے نے داغ دیا تھا۔اس نے گہرا سانس لیا۔لفظ اڑ کر اس کے دل پر بیٹھ رہے تھے جیسے کوئی پرندہ ستانے کیلئے کسی شاخ پر بیٹھتا ہے اور پھر وہیں گھونسلہ بنا کر رہنے لگ جاتا ہے۔

"محبت کی سب سے بڑی آلودگی حوس ہے۔بے غرض محبت میں پانے کی حوس نہیں ہوتی اور جس محبت میں پانے کا حصول شدت سے ہو وہ محبت نہیں ہوتی۔وہ صرف چاہ ہوتی ہے جو بعد میں آہ بن کر رہ جاتی ہے۔"اس نے زینوں کو پار کر لیا تھا۔چند قدم پاٹ کر وہ دروازے کے سامنے آیا۔

"قربت تو بنیادی جز ہے نا۔" اس نے ناب پر ہاتھ رکھ کر اسے ہولے سے گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

"بالکل ہے لیکن تب جب آپ جائز ہو جاؤ، ناجائز نار کی طرف لے جاتی ہے بیٹا۔" اس نے اپنا سیدھا پاؤں چوکھٹ پر رکھا، بغیر سر کے اسٹینڈ کے ذریعے کھڑا وہ مجسمہ ابھی تک بے رنگ تھا۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"تو یعنی ناجائز خواہشات آلودگی کی علامات ہیں۔" اس نے ہولے سے بازو پر ہاتھ پھیرا بالکل ویسے جیسے کسی بچے کو سہلایا جاتا ہے۔ اس کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔

"درست، خالص محبت میں حوس نہیں ہوتی، صبر ہوتا ہے۔ جس محبت میں صبر نہیں ہوتا وہ محبت نہیں ہوتی آلودگی بن جاتی ہے جو فقط نقصان پہنچاتی ہے۔" مجسمے کے بازو پر مٹی سے بنا اون کا سویٹر موجود تھا مگر وہ بھی بے رنگ تھا۔ دھاگے باریک اور واضح تھے۔

"میری محبت میں صبر نہیں ہے مگر یہ ناپاک بھی نہیں ہے۔ ہر کسی کی اپنی سوچ اور اپنا نظریہ ہے۔ میری سوچ تم ہو اور تم ہی رہو گی۔ بس کچھ وقت اور، پھر تم میری ہو گی۔"

اس کی سوچ و دل میں موجود چہرہ اس وقت بن اسٹیچنگ انڈسٹری سے گیلی آنکھوں کے ساتھ باہر آیا تھا۔ نمی دکھ کے سبب تھی۔ اس کی تھوڑی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس نے اپنے دکھتے ہاتھ بازو پر دوسرا ہاتھ دو بار مارا۔

"کوئی بات نہیں فلک، یہ وقت بھی گزر جائے گا۔" وہ خود کو تھپکتی ہوئی فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ وہ ہر بار ہر مشکل میں خود کو یونہی تھپکا کرتی تھی۔ آسمان کی آنکھ سے جمے ہوئے آنسوں گر رہے تھے۔ شاید وہ بھی اس کے دکھ کے ساتھ نوحہ کر رہا تھا چلو کوئی تو تھا جو اس کا غمگسار تھا۔ اس نے ایک بار پھر کارخانے کی بلند عمارت پر نظر ڈالی جہاں سے ابھی ابھی اسے یہ کہہ کر نکالا گیا تھا کہ وہ یہاں کیلئے فٹ نہیں ہے۔ وہ جانتی تھی یہ فقط عذر ہے۔ اصل معاملہ کچھ اور ہے۔ انہیں یقیناً نوح جبران نے ہی کہا ہو گا تبھی تو ایک معمولی سی چوٹ کو نشانہ بنا کر اسے نوکری بدر کیا گیا تھا۔ برف کے گالوں کو خود پر جگہ دیتے ہوئے اس نے گہرا سانس بھرا، ٹھنڈی ہوا نے اس کے پھیپھڑوں کو تازہ دم کر دیا تھا۔ اسی دوران اس کے فون پر پاکستان سے فون آنے لگا۔ گلا کھنکھار کر اس نے کال پک کی اور خوشگوار لہجے میں ان سے بات کرنے لگی۔

"اچھا سنو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ اس کی تائی امی تھیں جنہیں وہ امی کہہ کر بلاتی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد انہوں نے مدعے پر آنا مناسب سمجھا۔ فلک ان کی سنجیدہ آواز پر چوکنا ہوئی تھی۔

"جی میں ہمہ تن گوش ہوں۔" آج تک جب بھی اس کی امی نے ضروری بات کہی تھی تو اس کا تعلق ہمیشہ پیسوں سے ہوا تھا۔ اس لیے وہ ان کے لہجے سے قدرے گھبرائی تھی مگر پر یقین تھی کہ وہ سب ہینڈل کر لے گی۔ تبھی اطمینان برقرار تھا۔

"مینہ کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔" وہ اس بات پر پر جوش ہوئی اور خوش بھی لیکن اگلے ہی لمحے اس کی خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ وہ تائی امی کو سن رہی تھی جو کہہ رہی تھیں۔

"لڑکے والوں نے جہیز میں گھر، گاڑی اور کاروبار کی ڈیمانڈ کی ہے۔ پہلے میں انکار کر رہی تھی لیکن لڑکا پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا ہے۔ خاندان بھی کوئی بہت زیادہ بڑا نہیں ہے۔ سب سے اچھی بات نندیں ہیں ہی نہیں، دو ہی بھائی ہیں۔ ہماری مینہ وہاں بہت خوش رہے گی۔ انہوں نے ایک سال کا وقت دیا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں بس باقاعدہ منگنی کر دیں گے اس کے بعد شادی لیکن۔" وہ چپ ہوئی تھیں اور فلک کا سانس خشک۔

"اس سے پہلے ہمیں ان کی ڈیمانڈ پوری کرنی ہو گی، تم جانتی تو ہو مینہ کی کمزوری کو جو بھی رشتہ آ رہا ہے وہ اسی چیز کو بنیاد بنا کر منہ پھاڑ کر ڈیمانڈ کر رہا ہے۔ ہر بار میں انکار کر دیتی تھی لیکن کب تک، اس بار میں نے ہاں کر دی اور ڈٹ کر کہا ہے کہ اس کی بہن اس کا جہیز بنا دے گی، وہ اس سے پیار جو بہت کرتی ہے۔ تم۔۔۔ کر دو گی نا سال تک سب چیزوں کا انتظام۔" اس کے گلے کے ساتھ ساتھ دل میں بھی پھندہ پڑ گیا تھا۔ پیٹ میں گرہیں بننے لگیں۔ وہ دوسری نوکری سے نکال دی گئی تھی۔ برف میں ٹھٹھر رہی تھی اور اس کی ماں کروڑوں کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اس سے ہاں نہیں ہوا، اس سے ہاں نہیں ہو رہا تھا۔

"امی میں۔" کسی نے اس کے سر پر چھتری تانی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا سیاہ لانگ کوٹ میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے ہی گویا ہوئی۔

"میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ ان کی کال کاٹنے کی کبھی جرات نہیں کرتی تھی اس لیے اس بار بھی نہیں کی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، کوئی زیادہ مسئلہ نہیں کل تک بتا دینا کہ کب تک پیسوں کا انتظام کر دو گی تا کہ کاروبار کی بنیاد تو ڈالیں گھر اور گاڑی شادی سے کچھ دن پہلے دے دیں گے۔ چلو اب میں فون کاٹ رہی ہوں۔ تم کام کرو۔ اللہ کی امان میں۔" انہوں نے اسے مصروف جان کر کال منقطع کر دی تھی۔ فلک فون کو کان سے لگائے سر اٹھائے خاموش نظروں کے ساتھ اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس نے بے کار میں اس کے ساتھ بیر باندھ لیا تھا۔ وہ خودکشی کر رہا تھا۔ وہ مر رہا تھا۔ اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ وہ اپنی مرضی سے تو ہر اس اسٹاپ پر نہیں جاتی تھی نا جہاں وہ ہوتا تھا۔ وہ خود بخود پتہ نہیں کیسے وہاں پہنچ جاتی تھی۔ صرف اس ایک وجہ کو بنیاد بنا کر اس کے ساتھ زیادتی کرنا کیا صحیح تھا؟

"میرے خیال سے شیلٹر زبرف سے بچنے کیلئے ہی لگائے جاتے ہیں۔" بھاری گھمبیر آواز۔

"میرا موڈ ہو رہا تھا یہاں بیٹھنے کو، یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔"چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ ہولے سے مسکرائی، مسکراتی آواز کے ساتھ ہی جواب دیا گیا جبکہ اس کی آنکھیں۔۔۔وہ تو کوئی اور ہی داستان سنا رہی تھیں۔وہ بری طرح بے چین ہوا۔ابرو ایک دوجے کے ساتھ مل گئیں۔ چھتری تاہنوز فٹ پاتھ پر بیٹھی لڑکی کے سر پر تھی۔

"میں سمجھا۔"اس نے وقفہ لیا۔بے چینی نے دل کے گرد جال سا بنا دیا۔اسے گھٹن محسوس ہونے لگی۔"میں سمجھا تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے، کیا نہیں کہنا۔"فلک نے نرمی سے ناں میں سر ہلایا۔

"کچھ خاص تو نہیں لیکن ہاں میں کہنا چاہوں گی کہ میں کراچی کی پیداوار ہوں جہاں پانی میں ڈالنے والی برف کو بھی ترسا جاتا ہے۔یہ موسم یہ برف میرا خواب تھا، میری زندگی کی خواہشوں میں سے ایک خواہش، مجھے اس میں بیٹھنا یقیناً بے حد پسند ہے۔اس لیے پلیز تم یہ چھتری میرے سر پر سے ہٹا دو۔"اس نے پھر بھی چھتری اس کے سر سے نہیں سرکائی تھی بلکہ اس کے خود کے شانوں پر سفید برف کے گالے اکھٹے ہونا شروع ہو چکے تھے۔وہ الجھے ہوئے انداز میں اس لڑکی کو تک رہا تھا۔اس کے صبر کی بس ہو رہی تھی۔وہ کیوں اس سے کچھ نہیں کہہ رہی، وہ باز پرس کیوں نہیں کر رہی، اس کی آنکھوں کی بے تابی صاف عیاں تھی بس اس کو دیکھنے کیلئے نظر چاہیے تھی۔کون جانے وہ محبت کی نظر اسے عطا ہوئی تھی کہ نہیں۔

"تم۔"اس نے کارخانے کی طرف نگاہوں کا رخ کیا۔وہ لڑکی اس کی نظروں کے واپس آنے تک فون کو کر اس بیگ میں رکھ چکی تھی۔"یہاں کام کرتی ہو نا پھر وہاں کیوں نہیں ہو؟"فلک سر اٹھائے اسے تکتی رہی۔اس کے دونوں شانوں پر برف کی اچھی خاصی مقدار جمع ہو چکی تھی۔وہ کھڑی ہوئی۔نوح کے بالکل سامنے ایسے کہ اب چھتری ان دونوں پر آچکی تھی۔

ٹرانسپیرنٹ،بے داغ،خوبصورت چھتری۔

"یہ تو تم بتاؤ گے۔"بلواسطہ سوال تھا بلاواسطہ جواب،کوٹ بہت مہنگا اور اچھی کوالٹی کا تھا تبھی برف کی ٹھنڈک اس کے شانوں پر محسوس نہیں ہو رہی تھی ہاں ایک غیر ضروری وزن سا تھا جو وہ محسوس کر سکتا تھا۔

"میں۔"وہ لڑکی اس کے قریب کھڑی تھی تھوڑی سی دور مگر قریب ایسے جیسے کوئی حسین خواب ہو۔جیسے رات کے سمے میں آسمان سے روئی نہیں بلکہ کہکشاں گر رہی ہو۔وہ اس کے ساتھ ایک چھت تلے تاروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔پر سکون رات،آسودہ سماں۔

"میں کیا بتاؤں سوائے اس کے کہ بار کی جاب بہتر آپشن نہیں ہے۔"اس نے چھوٹتے ہی جواب دیا۔

"اور کارخانے کے بارے میں کیا خیال ہے۔"خوش نما سا سماں بد نما سی بحث میں بدل رہا تھا۔

"تم نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ یہ بات مجھے ابنارمل سی لگی۔" اس نے دائیاں شانہ اچکاتے ہوئے کہا۔ فلک کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"صرف ری ایکشن دیکھنے کی خاطر کسی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ایک بد فعل کی نشانی ہے۔ کیا حاصل ہوا تمہیں یہ سب کر کے؟" وہ ناراض ہو رہی تھی۔ ناراضگی اس کے لفظوں سے عیاں تھی۔ نوح کے سنجیدہ چہرے پر رنگ آنے لگے۔ اس کی بے چینی رفع ہونے لگی۔

"مجھے کیوں کچھ حاصل ہو گا میرے لیے یہ اہم نہیں ہے۔" وہ چند ثانیے پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں پر تمسخر نے جگہ لی تھی۔

"کیا ایسا ہے۔" وہ اس کے لاجواب طنز پر لب بستہ ہو کر رہ گیا۔ وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"مجھے تو لگا تھا تم اب سکون سے ہو گئے ہو گے۔ دو بار میں تمہاری راہ میں حائل ہوئی تھی نا دو بار ہی تم نے مجھے جاب سے نکلوا دیا حساب برابر مگر ایک بات یاد رکھنا۔" وہ ایک قدم اس کے نزدیک آئی۔ نوح غیر محسوس انداز میں ایک قدم پیچھے ہوا تھا۔

"تم سو بار بھی مجھے جاب سے نکلوا دو اور چاہے سو بار ہی خود کشی کرنے کی کوشش کرو، میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔ حرام چیز کا ارتکاب نہیں کرنے دوں گی۔ پہلے میں نے کہا تھا تمہارا راستہ صاف ہے مگر اب نہیں، اب جب بھی تم کچھ غلط کرنے کی سعی کرو گے مجھے اپنے سامنے پاؤ گے۔"

وہ اسے للکار رہی تھی۔ نوح کا دل ہر للکار پر تھم رہا تھا۔ اس نے ناک کے ذریعے گہرا سانس لیا۔ دھواں دونوں کے بیچ چند لمحوں کیلئے حائل ہوا تھا۔

"یہ سرد جنگ تم نے شروع کی ہے۔ تم کیا جانو میں اس کی ماہر ہوں۔" وہ اس کی چھتری کے سائے تلے سے نکلی۔ اس کے ہاتھ تھک گئے تھے جیسے چھت تنی رہنے کا وقت تمام ہوا۔ اس نے فلک کے چھتری سے نکلتے ہی اسے بند کر دیا۔

"مجھے تم سے جنگ نہیں کرنی۔ میں تمہاری جاب بحال کروا سکتا ہوں۔" اس لڑکی کی آنکھوں کی سوجن، سرخی کبھی کبھی اس کے بے حد غم میں ہونے کا عندیہ دیتی تھی۔ لیکن ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ تو بے حد خوش اور پاگل لڑکی ہے۔ اسے کون سے غم ہوں گے بھلا۔

"میں احسان نہیں لیتی تم سے تو بالکل بھی نہیں لوں گی۔" نوح اسے دیکھتا رہا۔ دونوں کے بال برف میں سفید ہونے لگے تھے۔ نوح کے دل میں اچانک ایک خواہش جاگی۔ کتنا اچھا ہو وہ دونوں یونہی ساتھ بوڑھے ہوں۔

"لیکن میں احسان کرتا ہوں اور تم پر تو ضرور کروں گا۔" وہ لبوں کو تلخ مسکان سے سجا گئی تھی۔

"دشمنی کا اچھا انداز ہے۔" آسمان سے کہکشاں ہی برس رہی تھی۔ وہ دونوں زمین پر کب کھڑے تھے بھلا۔

"میں دشمنیاں نہیں پالتا۔" فلک نے سینے پر بازو باندھ لیے۔

"اگر یہ دشمنی نہیں ہے تو تمہاری دشمنی کتنی خطرناک ہو گی نوح جبران، میں حیران ہوں۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ فلک نے اپنا راستہ لیا۔ ملگجی برف پر اس کے قدم نوح کو کراس کر کے آگے بڑھے تھے۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر نہیں روک پایا۔ سردی کی شدت زیادہ تھی۔ آسمان سے گرتی برف میں اضافہ ہوا۔ وہ سفید چھتری کو تھامے سر جھائے وہاں کھڑا اس کے قدموں کے نشانوں کو تکتا رہا تھا۔ وہ ری ایکشن دے یہی تو وہ چاہتا تھا۔ اس کا دل بے حد ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اس نے گہرا سانس بھرا۔ دفعتاً اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔ اس نے اپنا سیدھا پاؤں اٹھا کر اس کے سیدھے پاؤں کے نشان کے بالکل پاس رکھا۔ بوٹ دو انچ برف میں دھنس گئے۔ پاؤں واپس ہٹا کر وہ اپنے اور اس کے نشان کو دیکھنے لگا تھا۔ اچانک ہی اس کے لبوں پر دلفریب مسکان آئی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کے قدموں کے برابر اپنے قدم اٹھائے جا رہا تھا۔ اس کا راستہ اس لڑکی تک جا رہا تھا۔ کیا معلوم وہ اس کی منزل تھی بھی یا نہیں۔

رات ڈھل گئی۔ دن طلوع ہو گیا۔ سفید دنیا ہر سو آباد تھی۔ چھتیں، بالکونیاں، لان یہاں تک کہ گھر کے دروازے بھی برف کی پوشاک پہنے ضعیف بوڑھوں کی طرح دبکے بیٹھے تھے جن کی چمنیوں

سے نکلتا گرے رنگ کا دھواں بھی برف کے رنگ میں رنگ رہا تھا۔ لمبی قطار میں ایک جیسے موجود گھر بوڑھوں کی محفل کا گمان دے رہے تھے۔ سڑک بالکل سنسان اور سپاٹ تھی۔ یہ فجر کا وقت تھا۔ غفران وضو کرنے کے بعد مسجد میں جانے کیلئے جونہی باہر آئے ٹھٹھک کر رک گئے۔ رات بھر بارش برسنے کے بعد جانے کس وقت برف گرنا شروع ہوئی تھی کہ اب تک نہیں رکی تھی۔ گرے بادلوں نے اپنا قبضہ جمایا ہوا تھا لیکن پھر بھی زندگی نہیں رکی تھی۔ بہت سے گھروں میں زرد و سفید لائٹس روشن ہو چکی تھیں کیونکہ اسکول جانے والوں کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ غفران نے مین ڈور کو کھولتے ہی بند کر دیا۔ لاؤنج میں واپس آئے، نماز ادا کی اس کے بعد رین کوٹ پہن کر کھرپہ لیے مین گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"اوہو یہ تو واقعی نہیں کھل رہا۔" انہوں نے گیٹ کھولنے کی سعی کی مگر بے سود۔ اس لیے کھرپہ کا استعمال کرنا ہی مناسب جانا۔ دو منٹ بھی نہیں گزریں ہوں گے جب نوح مندی مندی آنکھوں کے ساتھ وہاں عجلت میں آیا تھا۔ آتے ہی اس نے کھرپہ غفران کے ہاتھ سے لینا چاہا۔

"یہ مجھے دے دیں آپ، میں کر لیتا ہوں۔" اس کی آواز بھی نیند کے بوجھل پنے سے بھاری ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں تو خیر سرخی تھی ہی۔

"تم نے نماز ادا کی؟" چاچو کا سوال برجستہ تھا۔ خمار سے لبریز آنکھوں والے کا چہرہ خفیف ہوا۔

"کبھی چھوڑی ہے۔" کہنے کے بعد وہ پھر سے کھرپہ پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھا رہا تھا جب غفران نے اپنا ہاتھ پرے کر لیا۔

"تمہاری آواز اور آنکھوں سے لگا جیسے ابھی سو کر اٹھ کر آرہے ہو اور یہ اپنا ہاتھ پیچھے کرو لڑکے کیا تم بھول گئے ہو میں ایک جانباز سپاہی ہوں۔ یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" مدھم سی پیاری سی مسکان اس لڑکے کے چہرے پر آئی تھی۔ برف کے گرنے میں بالکل تھوڑی سی کمی ہوئی۔

"جانتا ہوں آپ مجھ سے زیادہ فٹ ہیں مگر یہ آپ کے جونیئر کی التجا ہے سر، کمانڈ کریں، حکم دیں اور سائیڈ پر ہو جائیں پلیز۔" وہ جب سو کر اٹھتا تھا تو اس کا منہ تھوڑا سا سوجا ہوا ہوتا تھا تبھی اس کے پپوٹے بھرے بھرے سے لگ رہے تھے۔ غفران نے ہنستے ہوئے کھرپہ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ وہ ایک گرم وول کی شرٹ میں ملبوس تھا جس کے بازو اس نے کہنیوں تک فولڈ کر رکھے تھے۔ ٹیل بلیو رنگ کی شرٹ اور گرے پینٹ میں وہ بہت جاذب نظر لگ رہا تھا۔ برف کو ہٹاتے اس کے ہاتھ یک لخت ہی سست ہوئے وجہ وہ آواز تھی جو سلام کرنے کے بعد دریافت کر رہی تھی۔

"سر، میں اندر کیسے آؤں۔" نوح نے بغیر آواز کے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ غفران جو دوسرے کھرپے کو ڈھونڈ لائے تھے۔ اسے وہاں دیکھ کر مسکرا دیے۔

"بیٹا جی، اس میں تو ابھی وقت ہے اس لیے گیٹ پھلانگ کر آنا ہو گا آپ کو۔" برف بہت زیادہ تھی اور جم چکی تھی اس لیے اسے صاف کرنے میں وقت لگ رہا تھا۔ فلک نے جالی دار گیٹ کو سر اٹھا کر دیکھا جس کے اینڈ کے سروں پر نوک دار ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ اگر کوئی اوپر سے گرتا تو سیدھا وہ نوکیں اس کے پیٹ کے آر پار ہوتیں۔ اس نے سردی سے جھرجھری بھرتے ہوئے کہا۔

"بات تو دلچسپ کہی ہے لیکن کیا یہ واقعی نہیں کھل سکتا۔" وہ باہر سے اندر کی طرف زور لگانے لگی تھی۔ دروازہ جام لگ رہا تھا۔ نوح اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"چاچو اگر ہم دونوں مل کر زور لگائیں تو یہ کھل سکتا ہے۔" فلک نے ہانپتے ہوئے گولڈن سلاخوں کو چھوڑا، گلوز میں چھپے ہاتھ وہ اب رگڑنے لگی تھی۔

"یہ بہترین حل نہیں ہے۔ ہمیں اس کو صاف کرنا ہو گا۔ آپ اوپر سے ہی آؤ، انتظار کرو یا پھر چھٹی کر لو۔ ان میں سے کچھ ایک تو کرنا ہی ہو گا تمہیں۔" نوح کو جواب دینے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہو رہے تھے۔ فلک نے پھر سے گیٹ کی اونچائی دیکھی۔ وہ اڑھائی فٹ برف میں دھنسا تھا۔ اس کا زور لگا کر کھلنا واقعی ناممکن سا تھا۔ اس لیے اس نے ہار مانتے ہوئے ایک بار پھر اپنے پرانے گلوز میں چھپے ہاتھوں کو دروازے کی سلاخوں پر جمایا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ چھٹی افورڈ نہیں کر سکتی تھی اس لیے اسے گیٹ کو پھلانگنا ہی پڑے گا۔ اس نے گہرا سانس بھرا۔

"تم یہ کر سکتی ہو فلک، یہ اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔"اس نے ہمیشہ کی طرح خود کو داد دی۔

"کیا یہ ٹھیک رہے گا؟"نوح نے قدرے جھجھکتے ہوئے چاچو سے دریافت کیا تھا جو اس لڑکی کو بڑی محویت سے دیکھ رہے تھے۔ دروازہ کچھ اس انداز سے بنا تھا کہ پاؤں رکھنے کی جگہ بامشکل ہی بن رہی تھی۔ نوح کے سوال کرنے کے دوران ہی وہ اس کی طرف لپکے۔

"ارے یہاں نہیں رکھو پاؤں گر جاؤ گی۔ ادھر، اس والے پوائنٹ پر رکھو۔"فلک اپنے جو گر کو وہاں فٹ کرنا چاہ رہی تھی مگر نہیں ہو رہا تھا۔ ایک پاؤں کو لٹکائے وہ ان سے کہہ رہی تھی۔

"میرے خیال سے اگر میں شوز اتار دوں تو با آسانی چڑھ کر آسکتی ہوں۔ ان جوتوں کی وجہ سے پاؤں جم نہیں پا رہے۔"غفران نے فوراً اس کی تجویز کو رد کیا۔ موسم کی شدت کو وہ جانتے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو بات الگ تھی مگر اس وقت جوتے اتارنا انتہائی نامناسب تھا۔

"ہر گز نہیں ایسے ہی آؤ، کیا تم نے کبھی گیٹ نہیں پھلانگے؟"فلک نے دوبارہ پاؤں رکھنا چاہا، وہ پھر سے ناکام ہوئی۔

"سر کبھی ایسی نوبت ہی نہیں آئی، مجھے لگتا ہے میں نہیں آپاؤں گی۔"وہ کھسیاتے ہوئے ہار مان رہی تھی۔ ایک یہی پوائنٹ تھا جس پر اس کا پاؤں نہیں ٹک رہا تھا یا اس سے اگلا باقی جگہ تو آسانی سے

پاؤں جما کر آسکتی تھی۔نوح نے گردن موڑ کر غفران کو دیکھا پھر فیصلہ کن انداز میں آگے بڑھا، کھرپہ وہ برف میں دبا کر کھڑا کر چکا تھا۔

"رکھو پاؤں۔"اس نے اپنا ہاتھ جالی سے باہر نکال کر کہا تھا۔انداز وہی سنجیدہ اور لاپرواہ سا تھا۔فلک نے سٹپٹاتے ہوئے غفران کو دیکھا۔(لگتا ہے گزشتہ رات کی شرمندگی مٹانے کی غرض سے یہ پیشکش کی سڑے ہوئے کریلے نے)

"لیکن۔"

"وقت برباد نہیں کرو۔"لہجے کو اکتاہٹ میں ڈھالا تاکہ غفران دل میں پنپتی حساسیات کو جان نہ جائیں۔(میرے بس میں ہو اس ہاتھ کو جو گر سے ہی کچل دوں۔اتنے زور سے پاؤں رکھوں کہ چیخ نکل جائے اس فلاپ ڈرامے کی)

"آجاؤ بیٹا، برف گر رہی ہے بیمار پڑ جاؤ گی۔"اجازت ملنے پر اس نے اپنے پرانے بوٹ کو اس کے ہاتھ پر رکھا۔وزن ڈال کر وہ اپنا ایک پاؤں پوائنٹ پر اڑا چکی تھی جبکہ دوسرے پاؤں کو ایک بار پھر سے سہارے کی ضرورت تھی جو کہ اسے مل گیا۔نوح کا ہاتھ پھر سے اس کے بوٹ تلے تھا۔آخری بار اس کے پاؤں پر وزن ڈال کر وہ گیٹ کی باہر والی سائیڈ پر سے اندر کی طرف آئی۔

"اگر میں چھلانگ لگاؤں تو زخمی تو نہیں ہوں گی۔"وہ رخ موڑے سوال کر رہی تھی۔نوح نے گہرا سانس بھر کر چاچو کو دیکھا جو محظوظ سے مسکرا دیے۔

"اس والی جگہ پاؤں رکھو اور پھر چھلانگ لگا دو۔"وہ سردی سے سرخ ہوتی ناک کے ساتھ اسے ہدایت دے رہا تھا جسے وہ نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔وہ بندروں کی طرح گیٹ سے چپکی کھڑی تھی۔ باہر سے تو پھر بھی اس کی اونچائی کم تھی مگر اندر والی سائیڈ سے برف ہٹنے کی وجہ سے وہ کچھ لمبا دکھ رہا تھا۔

"سر، واقعی میں چوٹ نہیں لگے گی یعنی اس سردی میں چوٹ لگنا کافی برا ہوتا ہے۔"اس نے خدشہ ظاہر کیا۔آواز کی لرزاہٹ بتا رہی تھی وہ خوف زدہ ہو رہی ہے۔

"کچھ نہیں ہوتا بیٹا، آپ کو چوٹ نہیں لگے گی۔"غفران اسے پچکار رہے تھے۔اس لڑکی پر جانے کیوں انہیں پیار آیا۔انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے اس کے اچھے نصیب کی دل سے دعا کی جو سیدھا عرش پر جا کر پہنچی اور قبولیت کا شرف حاصل کر گئی۔

"سر میرے ہاتھ چھوٹ رہے ہیں۔"نوح نے پریشانی کے عالم میں غفران کو دیکھا۔

"نوح سنبھالو اسے۔"وہ اسے ہدایت دے رہے تھے۔وہ اس ہدایت کو لینے سے قاصر تھا۔

"چاچو یہ ممکن نہیں ہے میں کیسے یعنی یہ مناسب نہیں ہے۔"غفران کے آنکھیں دکھانے پر وہ اونچا اسٹول لے کر آیا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسا کر اس سے کہنے لگا۔

"دھیان سے پاؤں رکھو، نہیں گرو گی تم۔"نوح نے دونوں بندھے ہاتھ اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دیے۔ سہارا محسوس کر کے اس نے اپنا وزن اس کے ہاتھوں پر ڈالا تھا۔

"میں نیچے اتر رہا ہوں تم دوسری راڈ کو پکڑ کر اسٹول پر چڑھ جاؤ، تب تک پاؤں ہاتھوں پر سے نہیں ہٹانا۔"وہ ہاتھوں کی اوک میں تھامے اس کے پاؤں کو سہارا دیے کہہ رہا تھا۔ فلک نے شرمندگی کے عالم میں اپنے بوٹ میں قید پاؤں کو اس کے ہاتھ پر محسوس کیا تھا۔ وہ اب باآسانی راڈ کو تھام کر نیچے اتر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خفت کے آثار تھے۔ برف تاہنوز گرنے میں مگن تھی۔ روئی کے گالے بہت سفید اور نرم تھے مگر جب وہ زمین پر آتے تھے تو زمین والوں کی طرح ہی بے رحم، سفاک اور پتھر بن جاتے تھے۔ فلک انہی پتھر سے جمے برف کے گالوں پر قدم رکھ کر کھڑی ہوئی۔

"معذرت چاہتی ہوں۔"اس نے بیک وقت دونوں سے کہا تھا۔ آنکھوں کے شیشوں پر دونوں کی شبیہ تھی۔ نوح اسے سہارا دینے کے بعد ایسے اپنے کام میں مشغول ہو گیا جیسے اس دنیا میں اس وقت سب سے اہم کام وہی ہو۔ غفران نے اسے تسلی دی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا ایسا ہو جاتا ہے۔ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی خوف ضرور ہوتا ہے۔"خوف لفظ پر اس کی نظریں بے ساختہ اپنے زخمی ہاتھ پر گئی تھی جس کی بدولت اس کی گرفت کمزور پڑ رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔ قدم اندر کی جانب موڑ دیے۔ کچن کی بتی جلانے پر برتنوں کے ڈھیر نے اس کا استقبال کیا تھا۔ حالانکہ سینٹرل ہیٹنگ تھا مگر پھر بھی کچن کی سلیب سے لے کر صوفوں تک نمی کی ہلکی سی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لگایا اور کام میں جت گئی۔ وہ جب فارغ ہوئی تھی تب سات نہیں بجے تھے۔ غفران اور نوح گیٹ کو صاف کر کے اندر آئے۔ نوح کے کان اور ناک سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے آتے ہی گرم پانی کا گلاس اٹھا کر پیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں غائب ہو گیا۔

"فلک بیٹا کسی کمپنی کے ذریعے آئی ہو آپ یہاں؟"غفران نے اس کے ہاتھ سے کافی کا کپ تھامنے کے بعد سوال کیا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"جی ایسا ہی ہے۔ میرا تین سال کا کانٹریکٹ تھا ان کے ساتھ پھر بڑھ ہو کر چھ سال پر مشتمل ہو گیا یعنی اس کمپنی کے ساتھ میرا چوتھا سال ہے یہاں۔"اس نے تفصیلاً کہا۔ غفران کو گرم کافی نے تراوٹ بخشی تھی۔

"ہوں، آپ اور جگہوں پر بھی کام کرتی ہو نا؟" غفران باتوں کے موڈ میں تھے۔ یہ فلک کو پتہ چل گیا۔ نوح بدلے ہوئے کپڑوں اور گیلے بالوں کے ساتھ باہر آیا تھا۔

"جی دراصل کمپنی والوں نے اجازت دی ہوئی ہے مجھے، لیکن ان کے مطابق اگر میں آزادانہ طور پر یہاں کام کرنا چاہتی ہوں تو وہ دیگر سہولیات یعنی کہ کھانا، رہائش اور سیکیورٹی کی سروس نہیں دیں گے۔ میڈیکل تو آپ کو معلوم ہے یہاں فری ہی ہوتا ہے۔" نوح نے ایک بار پھر سے کچن کا رخ کیا تھا۔ اس بار بھی وہ پانی کا گلاس اٹھا کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"اور میرے حساب سے یہ چیزیں میٹر بھی نہیں کرتیں، آپ کی ایکسٹرا ارننگ کے سامنے شاید ان کی کوئی وقعت نہ ہو۔" فلک نے غفران کی اس بات پر خاموش رہنا جانا۔ اس کا جواب نہ دینا غفران نے اتنا زیادہ نوٹ نہیں کیا تھا جتنا گرم پانی حلق سے نیچے اتارتے شخص نے کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹی نظر سیدھا اس انسان سے ٹکرائی جس کے ہاتھ میں چوکور لمبا کانچ کا گلاس تھا۔ اس میں پانی ایک گھونٹ ہی بچ گیا تھا۔ فلک کاؤنٹر کے سامنے آ کر رکی۔ واش اینڈ شائن میں وہ ہاؤس میڈ کے طور پر اپائنٹ تھی جس میں صفائی سے لے کر کھانا پکانا تک شامل تھا۔ زیادہ تر اس کمپنی کا کام صفائی کا ہی تھا۔ لیکن ہاؤس سروس بھی وہ دیا کرتے تھے۔ یہ میڈ ہائیر کرنے والوں پر منحصر تھا کہ وہ اسے فل ڈے سروس کیلئے رکھتے ہیں۔ ہالف ڈے سروس کیلئے رکھتے ہیں یا پھر ٹو آوورز سروس کیلئے، سیرا

نے ٹو آوورز کیلئے میرا کو اس کام کیلئے چنا تھا مگر چونکہ میرا ان فٹ تھی اس لیے اس کی ری پلیسمنٹ میں فلک کو یہاں بھیج دیا گیا تھا۔ وہ نوح کے سامنے کھڑی اس سے دریافت کر رہی تھی۔

"سر آج کا مینیو۔" نوح نے گلاس کاؤنٹر کی سفید سطح پر رکھا۔ اس کے بعد کاؤنٹر پر پڑی کٹ کو کھولنے لگا۔ اس کٹ میں زخم صاف کرنے کی ہر چیز موجود تھی۔

"نوح نے بتایا تھا مجھے کہ آپ کا ہاتھ زخمی ہے۔ بہتر ہو گا پہلے آپ پٹی کروالیں پھر چھٹی کر جائیں۔" فلک کی آنکھیں کھل گئیں۔ اسے کٹ کے اندر ہر قسم کا اوزار نظر آ رہا تھا۔ اس نے برق رفتاری سے ہاتھ پیچھے کیا اور دو قدم بھی۔

"لو بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میں آدھی سروس دے چکی ہوں۔ اب تو بہت آسان کام باقی ہے بس، اور میرا ہاتھ تو بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی ٹینشن ہی نہیں ہے۔" وہ بولے جا رہی تھی اور نوح ایک ایک کر کے کٹ میں سے چیزیں نکالے جا رہا تھا۔ اسپرٹ، پایوڈین، روئی، اسکیل پل۔۔ اسکیل پل، اس نے اسکیل پل کیوں نکالی۔ فلک کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"تم سے رائے نہیں مانگی۔" دبی مدھم آواز میں وارننگ دی گئی۔ غفران اس لڑکی کا مسئلہ بہت اچھے طریقے سے سمجھ رہے تھے۔ انہیں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"لیکن یہ میرا معاملہ ہے۔مجھے حق ہے کہ میں۔"نوح کی طرف سے اس کی بات کاٹی گئی تھی۔نیلی کیپ کے نیچے موجود سہمی ہوئی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہیلتھ والے تم پر کیس کر سکتے ہیں۔تمہاری وجہ سے فضا میں کسی بھی طرح کے جرمز پھیلیں یہ انہیں کسی طور منظور نہیں ہو گا۔"ملگجی پٹی،خوف زدہ دل،خشک ہونٹ۔

"ان،انجیکشن تو۔"اس کی نظر غفران کی سمت اٹھی جو بڑے ہی دلچسپ انداز میں یہ سین ملاحظہ فرما رہے تھے۔"نہیں۔۔لگے گا نا۔"نوح کے لبوں پر خوبصورت مسکان نے یکدم ڈیرہ جمایا اگر اس کی پشت غفران کی طرف نہ ہوتی تو وہ ضرور آج خوشی سے بے حال ہو جاتے۔مگر وہ اسے نہیں دیکھ پا رہے تھے۔وہ کاؤنٹر کی دوسری طرف تھی اور نوح دوسری طرف۔ایک سرحد تھی دونوں کے درمیان،نوح نے اپنے ہاتھ کو پھیلایا تھا۔فلک نے جھجھکتے ہوئے زخمی ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔وہ اس کی سیلن زدہ پٹی کو اتار رہا تھا۔ٹانکے نہیں کھلے تھے مگر زخم ہرا تھا۔اس نے الجھے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں اٹھائیں۔فلک کی نظریں جھکی تھیں۔

"حالت خراب کر دی ہے تم نے تو۔"الجھی ہوئی آنکھیں کہہ رہی تھیں جبکہ لب خاموش تھے۔

"آپ کو آتا ہے نا کرنا،کبھی کسی کے زخم کو صاف کیا ہے۔"وہ سوال کر رہی تھی۔نوح کے پاس سارے جواب ختم ہو گئے۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی جھلملا رہی تھی۔کیا کوئی لڑکی اس قدر بھی

خود کے زخموں سے انجان ہو سکتی ہے۔ کیا واقعی درد سے نا آشنا ہے یا پھر اسے جھیلنے کا مادہ زیادہ ہے۔

"تم پہلی ہو۔" اس کے لب ہلے تھے۔ جملہ کسی اور بات کیلئے ادا ہوا تھا۔ فلک کے ماتھے پر تفکر کی لکریں ابھر گئیں۔

"بس پایوڈین لگا کر پٹی کر دو زیادہ کچھ مت کرنا۔" ہدایت میں ڈر کے ہلکورے تھے۔ نوح نے نچلا لب تر کر کے چھوڑا۔ وہ سہلاتے ہوئے اس کے زخم کو صاف کر رہا تھا۔

"درد نہیں ہوتا تمہیں؟" سوال بے ساختہ تھا۔ فلک کی نظر ہرے زخم پر ہی تھی۔

"ہوتا ہے لیکن میں برداشت کر لیتی ہوں۔" چمٹی میں قید روئی کے ٹکڑے کو اس نے اسٹیل کی پلیٹ میں رکھا۔

"مجھے بھی ایسا حوصلہ چاہیے۔" اس نے نظر اٹھائی تھی۔ فلک کا فل فوکس اپنے ہاتھ پر ہی تھا۔ "تم اب بھی افسردہ ہو؟" سوال بے ساختہ آیا تو جواب بھی برجستہ ہی ملا۔

"میں ناراض نہیں ہوتی۔ میں نے ناراض ہونا سیکھا ہی نہیں۔" پہلی بات کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ نوح نے ایک بار پھر غیر معمولی انداز میں لبوں کو پھیلایا۔ وہ پٹی کو اس کے ہاتھ پر باندھ رہا تھا۔

اپنے مطابق اس کے ہاتھ کو صاف کر کے بینڈیج کر دی تھی۔ پٹی بڑے ہی پروفیشنل انداز میں کی تھی۔ فلک متاثر ہوئی۔

"یہ تو اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" اس نے گرہ لگا کر قینچی سے باقی بچی پٹی کو کاٹا۔

ایسا کرنے کے کے بعد وہ کٹ میں موجود ڈبی میں سے کچھ گولیاں نکال کر صاف ستھرے کاؤنٹر پر رکھ رہا تھا۔

"ہفتے کی میڈیسن ہے۔ صبح، دوپہر، شام، ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ الگ الگ گولیوں کے جوڑے بناتا کہہ رہا تھا پھر توقف کے بعد اس نے نظریں اٹھائیں۔

"ایک اور بات، مجھے تم سے جنگ نہیں کرنی۔ تم اس کیلئے نہیں بنی ہو۔" فلک اسے دیکھتی رہ گئی۔ بات ختم کر کے اس نے ایک نگاہ غفران پر ڈالی جو فون پر کسی سے مصروف تھے۔ وہ انہیں مصروف ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فلک کے ہاتھ پر موجود سفید پٹی نے اس کے زخم کو ڈھانپ دیا تھا۔ وہ ان رنگ برنگی گولیوں کو تکتی رہی جو کاؤنٹر پر پڑی تھیں۔ کیا وہ واقعی ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ اس کا خود سے سوال تھا۔

آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کا راج تھا۔ ٹھٹھراتی ہوا، برستی بارش، سردی کی شدت۔

سوپر مارکیٹ کی ایک شاپ پر ہالووین کے حساب سے نت نئے جوڑوں کو لٹکایا گیا تھا۔ قطار در قطار بنی دکانوں پر اس وقت ایک ہی چیز ٹاپ ٹرینڈ چل رہی تھی اور وہ ہالووین اسٹف سے تعلق رکھتی تھی۔ ترکی سے آیا مہمت پنار ایک دکان کے قریب آکر رکا۔ گاہکوں کی توجہ کا مرکز بنا پتلا اس شاپ کے باہر کھڑا کیا گیا تھا۔ پتلے کو زومبی بنایا گیا تھا۔ ہونٹ کے کنارے پر خون جما تھا۔ آنکھیں سفید پھٹی ہوئیں، ہاتھوں کے ناخون بے حد بڑھے ہوئے۔ چیک دار سیاہ و سرخ بٹنوں والے شرٹ جس کی دائیں سائیڈ پر کراس کا نشان سیاہ بکھرے ہوئے رنگوں سے بنایا گیا تھا اسے پسند آئی تھی۔ آسمانی رنگ کی جینز تھی جو ایسے پھاڑی گئی تھی جیسے واقعی کسی زومبی نے حملہ کیا ہو۔ مہمت کو وہ پورا آؤٹ فٹ پسند آرہا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ اسے خرید لیتا۔ عروبہ نے اس کی نظروں کی ستائش کو پکڑ لیا۔ وہ مہمت سے کہہ رہی تھی۔

"یہ اچھی چوائس ہو سکتا ہے۔" ہاں یہ اچھی چوائس ہو سکتا تھا اگر اس پر اصل خون کی طرح کے چھینٹے نہ ہوتے۔ فلک کو ان چیزوں سے گھن آتی تھی۔ اس لیے وہ پچھلے دو گھنٹے سے مارکیٹ میں خوار ہو رہا تھا تاکہ اس کے معیار کے مطابق کچھ خرید سکے۔ مہمت نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"کچھ۔" اس نے شیشے کے دروازے کو دھکیلا۔ "مناسب نہیں لگ رہا۔" عروبہ اپنے لیے کھولے گئے دروازے سے شاپ کے اندر گئی۔ مہمت نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"میں جان نہیں پا رہی ہوں تمہیں کس طرح کا اسٹف خریدنا ہے۔ اگر تم تھوڑا سا بھی ہنٹ دے دو تو میں ضرور تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔" عروبہ اسے اسی مارکیٹ میں ٹکری تھی۔ جب سے پنار نے اسے عروبہ سے فاصلہ رکھنے کو کہا تھا وہ نامحسوس انداز میں رکھ رہا تھا۔ یوں بھی اس کے ساتھ اس کی کوئی خاصی اچھی انڈراسٹینڈنگ نہیں ہوئی تھی۔ بس پانچ چھ بار انہوں نے ڈنر کیا تھا اتنی ہی بار پب گئے تھے۔ تین چار دفعہ عروبہ اس کے گھر آئی تھی تو اتنی ہی دفعہ وہ اس کے ہوٹل اس سے ملنے گیا تھا۔ آس پاس کی جگہیں وزٹ کی تھیں اور بہت تھوڑی راتیں فون پر باتیں کرتے گزاریں تھی۔ مہت جان گیا تھا عروبہ اس سے فلرٹن شپ چاہتی ہے۔ اسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اگر اس کی وقتی گرل فرینڈ بننا چاہتی تھی تو موسٹ ویلکم، محبت تو وہ فلک سے کرتا ہے اور شادی بھی اس سے ہی کرے گا تو کتنی آتی ہیں کتنی جاتی ہیں کیا معنی رکھتا ہے بھلا۔ یوں بھی یہاں یہ سب بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کیا ترکی میں بھی یہ سب عام ہے تو وہ کیوں محتاط ہو، محتاط تو تب ہو گا جب شادی کرے گا۔

"میں خود نہیں سمجھ پا رہا ہوں تمہیں کیا بتاؤں گا، بیٹ مین، بیٹ مین کا کاسٹیوم لے لیتا ہوں۔ ٹھیک رہے گا نا۔" اس کی نظر اچانک سے سیاہ و گرے امتزاج کے کاسٹیوم پر پڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔

"ہاں، تم اسے منتخب کر سکتے ہو۔" اس نے وہ کاسٹیوم خرید ا اس کے علاوہ فلک کیلئے وینسڈے کا کاسٹیوم اور باقی اشیاء بھی خریدیں۔ عروبہ نے اس بارے میں دریافت کیا تھا مگر وہ اس بات کو ٹال گیا۔

"ویسے میں نوٹ کر رہی ہوں تم آج کل کچھ زیادہ ہی بزی رہنے لگے ہو، میری کال کا ریپلائے کرتے ہو اور نہ ہی ملتے ہو جبکہ میں نے تمہیں بتایا تھا صرف کرسمس تک ہوں میں یہاں۔" اس نے چمچ میں موجود سوپ کو پھونک مار کر ٹھنڈا کیا پھر اسے پینے لگا۔ ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں لوگ ہی لوگ تھے۔ وہ اس وقت ایک سوپ شاپ میں موجود تھے۔ جس کی دیواریں نم آلود شیشوں پر مشتمل تھیں۔ گول سفید میزیں اور چھوٹی چھوٹی میز کے اطراف میں بچھی کرسیاں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل پڑھائی کا تھوڑا پریشر ہے دوسرا 'خوشی' کے دیگر معاملات بھی بابا نے میرے ذمہ لگا دیے ہیں۔ اس وجہ سے وقت کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔" وہ چمچ میں موجود سوپ کو پھر سے پھونک مار رہا تھا۔ عروبہ نے آگے جھک کر اس کے چمچ کا رخ اپنی طرف کیا اور سوپ کو نگل لیا۔ مہمت کے لبوں پر شریر مسکان دوڑی تھی۔ وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ کوئی بہت ہی کڑوی نظروں سے انہیں دیکھ رہا ہے۔

"ہمم، تو یعنی میر ابوائے فرینڈ کافی مصروف ہو گیا ہے۔" بوائے فرینڈ لفظ پر مہمت کے حلق سے قہقہہ پھوٹا تھا۔ اس نے شرارت سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اس ماڈرن ایشئن کو دیکھا پھر رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔

"کیا واقعی، ہم دونوں ریلیشن میں ہیں؟" وہ تصدیق کر رہا تھا۔ عروبہ نے ادا کے ساتھ اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا تھا۔

"میری طرف سے تو ایوت (ہاں)۔" کڑوی نظروں والا کرسی کو آواز کے ساتھ پیچھے سرکا کر اس شاپ سے باہر آیا۔

"بڑی عروبہ عروبہ لگائی ہوئی تھی نا تو نے جا کر دیکھ اپنی اس عروبہ کا کریکٹر۔" ایک شاپ کے اندر چار پانچ زنانے جوڑے ہاتھ میں تھامے وہ کھڑا تھا۔ ٹرائل روم میں اس کی بہن موجود تھی۔ مائیر کے اچانک وارد ہونے پر اس نے ابرو اچکائی۔

"اب اس کا یہاں کیا ذکر۔" خفت مائیر کے چہرے کی اس وقت مکین تھی۔ وہ چشمے کے پیچھے سے خفا پلکوں کو جنبش دے رہا تھا۔

"کسی لڑکے کے ساتھ دیکھا ہے میں نے اسے، غیر اخلاقی گفتگو و حرکت کر رہی تھی۔ میرا تو خون کھول اٹھا۔ شکر ہے تم نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔" وہ تاہنوز ناراض تھا۔ ناپسندیدگی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"وہ پرانی بات ہے مائیر، پہلی غلطی۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔ اس اعتراف کے دوران ہی سیر اسنو وائیٹ کی پوشاک پہنے باہر آئی تھی۔ بال کھلے تھے اور چہرے پر مسکان تھی۔

"اعوذ باللہ، یہ میں نے کیا دیکھ لیا، اتنی بھیانک چڑیل۔" غفران سوبٹا سو بات کرتے تھے کہ مائیر کا چاہے لاکھ موڈ خراب ہو سیر اکو دیکھ کر اس کی رگ شرارت نہ پھڑکے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

"بہت ہی برا شاٹ تھا۔ نوح کون سی والی جلدی سے بتاؤ۔" وہ اسے مکھی کی طرح اگنور کر کے اپنے بھائی سے پوچھ رہی تھی۔ نوح نے ہاتھ پر ڈلی پوشاکوں پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی پھر اس کے زرد و نیلے رنگ کے جوڑے پر نظر ثانی کی۔ وہ جان گیا وہ ان چیزوں میں بالکل اچھا نہیں ہے۔ ہوتا بھی کیسے بچپن سے تنہا رہا تھا۔ ہر رشتے سے کٹ کر یہ تو بس کچھ سال تھے جو اس نے ان ڈائریکٹ ان لوگوں کے ساتھ بتائے تھے۔ ان ہی سالوں کی تو نوازش تھی جو سیر ا اور مائیر اسے ملے۔ ورنہ وہ اب تک تنہا ہی گزر بسر کر رہا ہوتا۔ بے انتہا قربت تو خیر اب بھی نہیں تھی۔ جھجھک اور فاصلہ اب بھی اچھا خاصا ہی تھا۔

"مجھے لگتا ہے۔" مائیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، دوسرے ہاتھ سے وہ جوڑوں کے کنارے پکڑ پکڑ کر ان کی جانچ کر رہا تھا۔ "کوئی ایک بتانا مشکل ہے۔ تم پر سب سوٹ کر رہا ہے۔ سبز، سبز زیادہ اچھا رہے گا۔" اپنی بات کے دوران میں سیرا کے بجھتے چہرے کو دیکھ اس نے ترنت رائے دی۔ ایک بھائی ہونا مشکل تھا۔ یہ اسے اب سمجھ آ رہا تھا۔

"ٹنکر بیل، امم، سوچ سکتے ہیں اس بارے میں۔" اس نے نوح کے بازو پر سے سبز رنگ کی کٹاؤ دار فراک کو اٹھایا۔ اس کا بلاؤز ڈل گولڈن کام سے مزین تھا جبکہ نیچے کا حصہ سبز پتوں پر مشتمل تھا۔ جو اوپر سے تو کم تھے مگر نیچے جاتے ہوئے بڑے اور زیادہ ہوتے جا رہے تھے۔ ڈریس سلیولیس تھا مگر جب سیرا اسے پہن کر باہر آئی تھی تو اس کے نیچے اس نے ڈل گولڈن موتیوں والی انر پہنی ہوئی تھی۔ شاید وہ آپشنل تھی۔ آپ چاہو تو پہنو، نہ چاہو تو ایز یو وش۔

"چلو جی، جتنا مجھے ساگ ناپسند ہے اتنا میڈم گھاس بن رہی ہیں۔ بنو بنو اوپر سے خشک خزاں آلود گھاس اور نیچے سے ساگ کے پتے اور کیا ہی بات ہے ان مچھر کے پروں کی۔ ایک پیلا اور ایک سبز واہ۔" سیرا نے اتنی زور سے دانت کچکچائے کہ مائیر سیدھا کھڑا ہو کر گلا کھنکھارنے لگا۔

"بھائی اسے کہیں یہاں سے چلتا بنے۔" وہ کھا جانے والے انداز میں مائیر کو گھور رہی تھی۔

"اب بندہ سچ بھی نہ بولے کیا۔" مائیر نے کھسیاتے ہوئے کہا تھا۔ نوح نے ابرو کھجائی۔ وہ ان دونوں کے درمیان اکثر یونہی پھنس جایا کرتا تھا۔

"ایک سچ میں بھی بول دیتی ہوں۔ تم ایک پانڈا بن جاؤ بالکل پرفیکٹ لگو گے بلکہ پاپ کارن کا کاسٹیوم لے دیتی ہوں تمہیں، سوٹ کرے گا تم پر۔" وہ اس کے طنز پر بڑبڑایا تھا۔

"ساگ کے پتوں سے تو بہتر ہی ہے۔" نوح نے اس کے پیٹ میں کہنی ماری۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اپنی بکواس کو یہیں بریک لگالے۔ مائیر تو اس اشارے پر ہق دق رہ گیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ ٹھیک ہے تو پھر طے ہوا تم ہالووین پر پاپ کارن بن رہے ہو۔" وہ تڑخ کر بولتے ہوئے جاتے جاتے مڑی۔ "اور ہاں یاد رکھنا اس کاسٹیوم کے ساتھ تم نے نیتا امبانی کا وائرل پاپ کارن بیگ بھی پکڑنا ہے مگر وہ ساڑھے چوبیس لاکھ کا نہیں ہو گا چوبیس روپے کا خالی پاپ کارن کا ڈبہ ہو گا۔" تلملاہٹ صاف عیاں تھی۔ اس کے جاتے ہی مائیر نے ٹھس کھڑے لڑکے کو مخاطب کیا۔

"یہ کیا چیز ہے۔ کتنا پتہ ہے اسے فیشن اور فضول کی چیزوں کا اگر یہ پڑھائی پر اتنی توجہ دے تو گولڈ میڈل حاصل کرلے۔" نوح نے بازو پر ڈلے باقی کپڑے اسٹول پر رکھے۔ اس کے بعد سیدھا ہو کر اس کی جانب مڑا۔

"وہ گولڈ میڈلیسٹ ہی ہے بر در۔"اس کا شانہ تھپکتے ہوئے وہ کاؤنٹر پر آیا تھا جہاں بل ادا کرنے کے بعد اس نے کارڈ سیر اکو ہی تھما دیا کہ وہ جتنا چاہے جو چاہے خرید سکتی ہے۔شاپ سے باہر آتے ہی سر دی کی لہر کے ساتھ رنگینیوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔وہ ہڈ سر پر ڈال کر چہل قدمی کے سے انداز میں نامحسوس انداز میں چلتا ہوا سوپ شاپ کے پاس آیا۔

"تم ایک مکمل مرد ہو نوح، باوقار، ٹھہراؤ والے اور سوفٹ مجھے لگتا ہے ایک مکمل مرد میں یہ تمام خوبیاں تو ہوتی ہی ہیں۔"جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے وہ شیشے کی دیوار کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا تمہارے پاس پر کشش بینک بیلنس نہیں ہے۔تمہاری پرسنالٹی سے تو لگتا ہی نہیں کہ تم سیلف میڈ ہو۔"اس نے جینز کی جیب سے دائیاں ہاتھ نکال کر شیشے کی دیوار پر رکھا۔

"کک، کیا کہا تم ایک، تم ایک ٹھکرائی ہوئی اولاد ہو۔جس کو اس کے والد نے ابھی تک دنیا کے سامنے قبول نہیں کیا۔تمہاری ذات مشکوک ہے۔"اس نے ہاتھ دیوار پر پھیرا۔ٹھنڈے شیشے پر نمی ہٹ کر اس کے ہاتھ پر جم گئی تھی۔بالکل اسی طرح جس طرح نوح کے دل سے اس لڑکی کیلئے فیلنگز نکل کر کہیں انجان جگہ دفن ہو گئی تھیں۔

"ایم سوری، تمہارے پاس نہ خود کا گھر ہے اور نہ ہی اسٹرانگ بیک گراؤنڈ، تمہارا کوئی فیوچر نہیں ہے۔ اور ویسے بھی ایک ایک آلودہ خون کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ میں پر اثر خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ معاشرے کو کیا جواب دوں گی کہ میرا شوہر ایک سوالیہ نشان ہے۔ سب تھوکیں گے مجھ پر۔ اور یوں بھی مجھے دنیا دیکھنے کا شوق ہے جبکہ تم مجھے دوسرے شہر لے جانا بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔" اس وقت اس کی آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی تھی مگر اب سب کچھ واضح تھا۔ وہ کسی لڑکے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے بیٹھی تھی۔ اس کا لباس یکسر مختلف تھا۔ اس کا انداز یکسر مختلف تھا۔ وہ کہیں سے بھی اسلامی ملک سے تعلق رکھنے والی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ کہیں سے بھی مسلمان نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے اندر کی بارش تو کب کی تھم چکی تھی مگر آسمان برس پڑا تھا۔ مینہ شروع ہو چکی تھی۔

"میں کما لوں گا عروبہ، تمہیں مجھ پر یقین کرنا چاہیے اور مجھ میں، مجھ حرام خون نہیں ہے۔" وہ منت کر رہا تھا۔ پہلی بار اسے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔

"تم کما لوگے۔" وہ ہنسی۔ "کتنا ہی کما لوگے تم۔ تم تو میری جوتی کی قیمت بھی برداشت نہیں کر پاؤں گے۔" اس کی محبت کی قیمت ایک جوتی سے لگائی گئی۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

کوئی دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کے برابر آ کر کھڑا ہوا۔

"لیکن یہ رقم بہت زیادہ ہے۔پہلے میں امین بھائی کو پیسے ٹرانسفر کر دوں پھر کوشش کرتی ہوں۔"
نوح نے گردن موڑی۔وہ اس کے برابر اس سے انجان کھڑی تھی۔بالوں کی چھوٹی سی پونی پر بارش کی بوندیں اکھٹی تھیں۔ماتھے پر اور پلکوں کی نوک پر بھی۔

"دیکھ فلک،زیادہ آئیں بائیں شائیں نہ کر،تو جانتی تو ہے کتنی مشکلوں سے تیری بہن کا رشتہ پکا ہوا ہے۔گھر گاڑی ٹھیک ہے شادی پر گفٹ کر دیں گے لیکن ابھی ہمیں ایک ماہ کے اندر اندر تمہارے جیجو کو کاروبار شروع کروا کر دینا ہے تاکہ شادی تک تمام معاملات سیٹ ہو جائیں۔"وہ نہیں جانتا تھا دوسری طرف کیا بات ہو رہی ہے۔اسے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی کا چہرہ اس کے بالوں میں موجود بارش کے قطروں کی طرح سفید پڑ رہا ہے۔

"ان شاءاللہ۔"وہ رکی پھر توقف کے بعد پر یقین لہجے میں بولی۔"ان شاءاللہ ایسا ہی ہو گا لیکن تیس دن بہت کم ہوتے ہیں۔آپ،آپ مجھے نوے دن دے دیں میں کنفرم اس دوران کوئی نہ کوئی انتظام کر لوں گی۔"دوسری طرف کی بات سے وہ پھر سے انجان تھا بس اتنا معلوم تھا کہ اس لڑکی نے بہت غور سے سنتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور پھر الوداعی کلمات کہہ کر کال منقطع کر کے فون کو اپنے پرانے سے کوٹ میں رکھ لیا۔وہ سر پر ہاتھ پھیر کر بارش کی بوندوں کو جھٹک رہی تھی جب کسی کی نظروں کی تپش نے اسے چونکا دیا تھا۔اس نے گردن موڑی،نگاہیں ملیں،ارتکاز ٹوٹ گیا۔

"تم؟" محویت اتنی زیادہ تھی کہ وہ ٹھٹھک بھی نہیں پایا بس آس پاس کا شور ختم ہو گیا تھا۔ بارش کی گرتی بوندیں فضا میں کہیں جم گئی تھیں۔ وقت تھم گیا تھا اور آنکھوں کے ریٹینا پر ایک چہرہ تھا۔

اس کا چہرہ۔

"کہیں پھر سے تو کچھ پلان نہیں کر رہے؟" وہ اس کی غائب دماغی پر مفروضہ لگا بیٹھی تھی۔ مشکوک نگاہوں سے اس کے اطراف میں نظریں دوڑائیں مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔

"اگر تم نے کوشش کی تو یاد رکھنا فون بوتھ وہ سامنے ہے۔ میں وہاں جاؤں گی پولیس کو کال ملاؤں گی اور وہ تمہیں اریسٹ کر لے گی۔ پھر میرا اس سارے معاملے سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔ کمپلینٹ کس نے کی یہ معمہ ہی رہے گا۔" وہ سنجیدہ تھی۔ سنجیدہ تو وہ بھی تھا۔ اس نے ایک سمت رکی پلکوں کو حرکت دی۔ جونہی پلک جھپک کر اٹھی شور، لوگ، بارش کی بوندیں سب کچھ واپس آ گیا یہاں تک کہ وہ بھی، جھپکتی پلکوں سے اس نے زمین کو تکا، تک کر نظریں واپس اس کے چہرے پر مرکوز کیں اور پھر سے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔

"مگر میں گواہ رہوں گا۔" یہ بات اس نے کس بابت کہی تھی یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ لفظ نکل رہے تھے۔ دل بول رہا تھا۔

"اوہ، تو موصوف ڈرانا بھی جانتے ہیں خیر کوئی نہیں نظر انداز کر دیتی ہوں اس بات کو کیونکہ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔" اس نے ہاتھ کی پٹی پر دوسرے ہاتھ کی انگلی پھیری۔ "یہ سچ میں اب ٹھیک ہو رہا ہے۔ مگر میرا افسوس افسوس ہی رہے گا کیونکہ مجھے تم سے احسان نہیں لینا تھا۔" نوح کا ارتکاز ابھی بھی معنی خیز سا تھا۔ اس نے سرگوشی ملی آواز میں کہا۔

"لیکن میرا ہی احسان کیوں نہیں لینا؟" فلک نے اس کے سوال پر ترچھی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا۔ منہ کے زاویے ایک بار پھر سے بگڑے۔

"جو میرا نقصان کرتا ہے میں اس کا زندگی بھر احسان نہیں لیتی۔ تم نے میرے ایک نہیں دو نقصان کیے اور اس کے ساتھ احسان بھی کر دیا۔ یہ غم مجھے تاحیات رہے گا۔" اس نے نروٹھے سے لہجے میں کہا تھا۔ نوح سر کو نیچے کر کے ہولے سے مسکرا دیا۔

"میں ازالے کیلئے تیار ہوں۔ تم چاہو تو اس کے بدلے میں دو ماہ مزید ہمارے گھر کام کر سکتی ہو۔" فلک نے متحیر انداز میں ابرو کو اچکایا۔ نوح کی آفر بڑی ہی غیر متوقع سی تھی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو جسے میں ایک پل برداشت نہیں تھی۔"

"وہ پرانی بات تھی۔"نوح نے چھوٹتے ہی کہا۔"مطلب اب مجھے تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

بارش کی چھینٹیں فلک کے گھسے ہوئے جوتوں پر بھی گر رہی تھیں۔اس نے خود کو مزید شیشے سے لگایا۔نوح نے بھی اس کی دیکھا دیکھی قدم پیچھے کیے تھے۔

"بیر تو تمہیں مجھ سے پہلے بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔میں کون سا تمہیں جانتی تھی یا تمہاری جائیداد لوٹنے آئی تھی۔"وہ اس کے حس مزاح کا قائل ہو گیا۔سر ایک بار پھر جھک گیا تھا۔مسکان ایک بار پھر لبوں پر رینگنے لگی تھی۔اس نے جھکی نظروں کے ساتھ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔مگر وہ خاموش رہا تھا۔لفظ تلاش رہا تھا مگر وہ تھے کہ مل کر ہی نہیں دے رہے تھے۔یہ احساس اس کیلئے بڑا ہی عجیب اور معنی خیز تھا۔اس نے کبھی بھی کسی کیلئے بھی اپنی زندگی میں ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔یہاں تک کہ خود کیلئے بھی نہیں، عجیب سی بات تھی مگر اس کے نزدیک ہونے پر اسے زندگی کا احساس ہوتا تھا۔پناہ کا احساس ہوتا تھا۔اپنائیت سی محسوس ہوتی تھی۔وہ جو کہتا تھا اس دنیا میں بالکل تنہا ہے۔اپنے الفاظ اب اسے بے معنی سے لگنے لگے تھے۔غفران اسے جس سمت لانے میں اپنی آدھی عمر لگا گئے تھے۔اس سمت وہ لڑکی اسے ڈاؤن ٹاؤن کے ایک خاموش سے گوشے میں کھڑی کھڑی لے آئی تھی۔اور اس نے بہت ہی ادب کے ساتھ لبیک کہا تھا۔خاموش لمحے سرک رہے تھے۔وہ سردی کی بارش سے بچنے کی خاطر وہاں کھڑی تھی اور وہ اب اس کیلئے وہاں کھڑا تھا۔

"تم۔" فلک نے اس کی طرف رخ کیا۔ "تم یہاں جاب کی تلاش میں آئی ہو؟" اس نے اعتراف کیا تھا۔ کس کر اپنے گرد بازو باندھتے ہوئے وہ منہ سے دھواں نکالتی بولی۔

"بالکل ایسا ہی ہے لیکن کہیں بھی سیٹ خالی نہیں ہے۔ ابھی مجھے۔" اس نے کوٹ کی جیب سے بروشرز نکالے۔ پیلے و سرخ امتزاج کے بروشرز کا بنڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔ "انہیں بانٹنے کا کام ملا ہے۔ جتنے زیادہ یہ بنڈل خالی ہوں گے اسی حساب سے مجھے پے کیا جائے گا۔" نوح نے ہاتھ بڑھا کر وہ پورا بنڈل اس سے لیا۔ ایک اٹالین ریستوران کے وہ بروشرز تھے۔ غالباً یہ کوئی نئی برانچ تھی جو اپنی پبلسٹی چاہ رہی تھی۔

"کتنے ہیں تمہارے پاس۔" اس نے سرسری انداز میں سوال کیا۔ فلک نے مزید چار بنڈل نکال لیے۔

"اگر میں یہ سارے لے لوں تو؟" وہ اس کی ڈھکی چھپی مدد کی آفر پر مسکرا دی۔ ان دونوں کے عقب میں دھندلی شیشے کی دیوار تھی۔ جس کے کناروں پر ہلکی نیلی روشنی جگمگا رہی تھی۔ اس روشنی کا عکس فلک کے سر پر بھی پڑ رہا تھا۔

"یہ پبلسٹی اسٹنٹ ہے تو ظاہر ہے انہیں اپنے ریستوران میں عوام بھی چاہیے ہو گی۔" وہ سمجھ گیا تھا۔ تین بنڈل اپنے ہاتھ میں تھام کر دو اس نے اس کی جانب بڑھائے۔

"پھر مل کر تقسیم کرتے ہیں۔" وہ اس بات پر ہق دق رہ گئی۔ وہ انسان جو اسے ناپسند کرتا تھا۔ اس سے بیر کھاتا تھا۔ اس کی مدد کو میدان میں آرہا ہے کیوں بھلا؟ دل کی بات زبان نوک پر آئی۔ اور وہ کہہ گئی جو اسے کہنا تھا۔

"مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" فلک کے ذرخیز دماغ میں شک کلبلایا۔

"کیونکہ میں سرد جنگ نہیں چاہتا۔" نوح نے اس شک پر پانی پھیر دیا۔

"جنگ سے ڈر لگتا ہے؟" لیکن فلک کا شک چکنائی سے بھرپور تھا۔ پانی تر کیے بغیر ہی پھسل گیا۔

"میں صلح چاہتا ہوں۔" نوح نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"مطلب؟" فلک کی ابرو اچک گئی۔

"مطلب، مجھے تمہاری طرح جینا سیکھنا ہے۔ سکون کے ساتھ، بے فکر ہو کر، کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر، اپنی مستی میں رہنا ہے۔ کیا تم سکھاؤ گی مجھے یہ سب؟" آج کی شام عجیب تھی۔ یا یہ بارش عجیب تھی یا پھر سب عجیب تھا تبھی اس کے سامنے کھڑا میوٹ بٹن بولے چلے جا رہا تھا۔ اور بول بھی کیا رہا تھا جو ہوش اڑا دے۔

"میں کوئی ٹیچر نہیں ہوں۔" اس نے جھٹ سے انکار کیا۔

"لیکن میں شاگرد بننا چاہتا ہوں۔" اس نے فٹ سے کہا۔

"دیکھ لو تم فلک سفیر سے ڈیمانڈ کر رہے ہو پھر کہنا نہیں میں اپنے فیصلے پر پچھتا رہا ہوں۔" وہ دبی مسکراہٹ کے ساتھ اسے وارن کر رہی تھی۔ نوح نے سر جھکا کر اپنی مسکان کو چھپایا پھر واپس سر اٹھالیا۔ گہرا سانس بھر کر اس سے نظر ملائی اور وثوق کے ساتھ گویا ہوا۔

"نہیں کہوں گا۔"

"اوکے ڈیل ڈن۔" اس نے ہاتھ کی مٹھی بنا کر نوح کی طرف بڑھائی تھی۔ کچھ پل نوح نے اس کے ہاتھ کی بند مٹھی کو تکا پھر اپنا ہاتھ دل کے مقام پر رکھ کر سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"ڈن۔"

آسمان سے گرتی بارش محظوظ ہو کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہر ٹوٹتے قطرے میں ان کی زندگی کے پل گزر رہے تھے۔ ہر گرتا قطرہ ان کی داستان سنا رہا تھا۔

اس نے ایک آخری بار کوشش کی، ہاتھ آگے بڑھایا۔ چابیاں اس کی نیلی پینٹ کی جیب سے جھلک رہی تھیں۔ وہ سانس روکے اس آڑھے ترچھے لیٹے وجود پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی کمزور سی انگلیاں چابی کی ٹھنڈی سطح سے مس ہوئیں۔ اس نے دھیرے سے شہادت کی انگلی کے ساتھ انگوٹھے کو بھی کام پر لگایا۔ ایک چابی اس کی چٹکی میں آچکی تھی۔ بس ایک ہی کی تو بات تھی باقی سب نے تو خود کچے

دھاگے کی طرح اس کے ساتھ کھنچے چلے آنا تھا۔اس نے ہار نہیں مانی۔انسانی جبلت میں ہے ہی نہیں ہار ماننا تو وہ کیوں اپنی کوشش کو درمیان میں ترک کرتی۔اس کے شوہر نے کروٹ بدلی تھی۔ محنت رائیگاں گئی۔چٹکی سے چابی کا کونا چھوٹا اور وہ گچھا ایک بار پھر سے ایاز کے نیچے آچکا تھا۔

"کب تک، آخر کب تک یہ مجھ سے دور رہیں گی، کبھی تو میں انہیں حاصل کر ہی لوں گی تب میں تمہاری قید سے آزاد ہو جاؤں گی بے حس انسان۔"وہ حقارت سے اپنے شوہر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ تنفر، نفرت،ناپسندیدگی کیا کچھ نہیں تھا اس کی نظروں میں، کیا کچھ نہیں تھا اس کی سوچ میں۔

"اور اس کے بعد میں تمہاری دسترس سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ تم تک میرا سایہ بھی نہیں پڑے گا، تمہاری آنکھیں مزید بوڑھی ہو کر مردہ ہو جائیں گی تب بھی تم مجھے ڈھونڈ نہیں پاؤ گے۔" وہ چپکے سے بیڈ سے نیچے اتری۔اس کے موزے میں قید پاؤں نے بھورے قالین کو دھیرے سے چھوا تھا۔اپنے وجود کے پورے وزن کو قالین پر ڈال کر وہ بلی کی چال چلتی کمرے سے باہر آئی۔ کمرے سے باہر آتے ہی اس نے دراز گہرا سانس لیا۔اسے سکون آیا کیونکہ کم از کم وہاں تو سگرٹ کی بو نہیں تھی۔

"اگلے ہفتے میں قطر جارہا ہوں اپنی بیوی کے پاس۔"شام کے آیاز کے ادا کیے ہوئے الفاظ اس کے ارد گرد جال سا بنانے لگے۔

"پندرہ دن تو لگیں گے ہی اس دوران تمہاری کوئی مشکوک حرکت نظر آئی تو کاٹ ڈالوں گا یاد رکھنا۔"جال گہرا اور تنگ ہوتا جارہا تھا۔

"ویسے تو سوچ رہا ہوں اپنے بڑے بیٹے کو بھیج دوں لیکن چونکہ وہ جوان ہے اس لیے اس ارادے کو ترک کر رہا ہوں۔"سیاہ حروف، تنگ جال، ڈوبتی ڈولتی سانسیں۔

"گھر کا ایک ایک کونہ مجھے ہر حرکت کی خبر دیتا ہے۔تم باہر کب جاؤ گی کب آؤ گی سب معلوم رہے گا مجھے اس لیے محتاط رہنا۔"وہ پورے کالے حروف سے بنے جال میں لپٹ گئی۔کوئی راہ سجائی نہیں دے رہی تھی۔کوئی سبیل نہیں بن رہی تھی۔

"بے موت مرنا کسی کو پسند نہیں ہوتا۔"وہ دھمکی نہیں تھی۔وہ اس کی وارننگ تھی۔وہ جانتی تھی ایاز کی جان پہچان ایسے لوگوں سے ہے جو کسی کو بھی ختم کرنے میں بالکل نہیں جھجھکتے اور قتل بھی ایسی صفائی سے کرتے ہیں کہ کبھی نہیں پکڑے گئے۔وہ بھی مر سکتی تھی۔اسے مارنا تو بالکل آسان تھا لیکن کیا اس وجہ سے وہ آزادی کی تمنا کرنا چھوڑ دے۔جینا چھوڑ دے۔ایک جانور بنی رہے۔بے دل جانور، جس کے احساسات ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی جذبات۔

"ہم سے ہمیں چھیننے والا کوئی نہیں ہونا چاہیے میرا، جس دن ہم خود کو گنوا دیں گے اس دن سمجھو موت ہو گئی۔ مر گئی روح بس مٹی کا ڈھیر بچا ہے جو بالکل بے کار ہے۔" وہ فلک کے الفاظ یاد کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے وہ بھی یاد آیا تھا۔

"میں سمجھا تھا تم شادی شدہ نہیں ہو، اگر مجھے زرا سا بھی ادراک ہوتا تو تم سے دل نہ لگاتا۔ تم میرے لیے دعا کرو میرا میں اس فیز سے نکل آؤں۔" یہ فیضان تھا جو ان کے ساتھ واش اینڈ شائن میں کام کرتا تھا۔ میرا شروع سے ہی اس کی خود میں دلچسپی نوٹ کر گئی تھی تبھی وہ اس سے کٹی کٹی سی رہتی تھی۔ ایک دن جب فیضان نے اس کی بے مروتی کہ وجہ پوچھی تو اس نے بتا دیا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ اسی بات کے سبب فیضان واش اینڈ شائن کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اگر تب وہ عقل کرتی تو فیضان اس کیلئے نجات ہو سکتا تھا۔ تب کیوں، وہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس کی محبت واقعی سچی ہوئی تو وہ اب بھی اس کیلئے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس نے تیزی سے اپنا فون جرسی کی پاکٹ سے بر آمد کیا۔ سیاہ حروف سے بنا وہ جال دھیرے دھیرے ڈھیلا پڑنے لگا۔

"اگر میں تمہیں ہاں کہوں تو تمہارا جواب کیا ہو گا؟" ٹیکسٹ میسج بھیجنے کے بعد وہ ہتھیلی پر فون کو مار رہی تھی۔ دو سیکنڈ سے بھی پہلے جواب آیا تھا۔

"تو میں کہوں گا انتظار طویل تھا مگر لاحاصل نہیں۔"اس نے فرط جوش سے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"خزاں آلود درخت شاید ہی کسی کو یاد کرتا ہو۔"اس نے میسج بھیج دیا تھا۔وہ جانتی تھی فیضان سمجھ گیا ہو گا۔تمام میسجز ڈیلیٹ کر کے اس نے فون کو سوئچڈ آف کیا اور واپس کمرے میں آ گئی۔ایاز تاہنوز سو رہا تھا۔وہ اپنی جگہ آ کر لیٹی۔بہت ساری راتوں میں یہ پہلی رات تھی جس نے اسے سکون سے سونے دیا تھا۔آزادی کا احساس ہی اتنا دلکش تھا کہ وہ پلکیں موندتے ہی سو گئی۔اس کی آنکھوں کی سیاہی ان سیاہ آنکھوں سے ملتی جلتی تھی جو اس وقت پاکستان میں تھیں بس فرق اتنا تھا ایک سیاہ آنکھ سو چکی تھی جبکہ دوسری غیر مرئی نقطے پر خود کو جمائے ہوئے تھی۔

"مینہ کیا ہوا بیٹا۔"ماں کی چاشنی بھری آواز پر وہ استغراق سے نکل آئی۔پلنگ پر پھیلائے پاؤں فولڈ کیے اس کے بعد سائیڈ میز پر رکھی عینک اٹھا کر آنکھوں پر لگالی۔

"کچھ نہیں۔"بولنے میں اختصار سے کام لیا گیا۔

"تو پھر اتنی اداسی کیوں ٹپک رہی ہے اس کمرے سے۔"انہوں نے آتے ساتھ ہی تمام بتیاں جلا دیں۔سنہری روشنی چہار سو پھیل چکی تھی۔

"اداسی نہیں احتساب کی گھٹن ہے یہ اماں۔" پردوں کو چاک کرتے فرخندہ کے ہاتھ تھمے، دائیں بائیں دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں شفعون کے پردے قید تھے۔

"ہائیں، یہ اتنی گاڑھی اردو کیوں بول رہی ہو، کہیں پھر سے تنویر کا دورہ تو نہیں پڑ گیا۔" انہیں پھر سے فکر لاحق ہوئی تھی۔ مینہ کے لبوں پر مجروح سی مسکان نے ڈیرہ جمایا۔

"اماں، تنویر تو کہیں بہت دور چلا گیا دسترس سے، اب تو بس صبر ہی نصیب کی دلیل ہے۔" وہ شانوں پر دوپٹہ پھیلاتی پلنگ سے اتری تھی۔

"دیکھ مینہ، یہ موئے رسالے کم ہی پڑھا کر، دماغ چاٹ لیا ہے انہوں نے تیرا کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہے۔" انہوں نے جونہی جھٹ سے دونوں پردوں کو کناروں پر لگایا مینہ نے ایک بتی کے سوا باقی تمام بجھا دیں۔

"اب یہ لائیٹ کیوں بند کر دیں، کیسی وحشت سی پھیل رہی ہے کمرے میں۔" سوئچ بورڈ سے ہاتھ ہٹا کر وہ مڑی تھی۔ اس کے چپٹے بال آج بھی موٹی چٹیا میں گندھے تھے۔

"یہ وحشت کسی کے خون پسینے کی کمائی اڑانے سے زیادہ بہتر ہے اماں۔" وہ اس کا طعنہ سن کر آگ بگولہ ہوئیں۔

"پھر سے ہمدردی کا بھوت چڑھ گیا۔ یاد رکھ یہ وہی فلک ہے جس نے تنویر پر ڈورے ڈالے تھے۔ جس کی وجہ سے ہی وہ آج جوگی بنا پھر رہا ہے۔" اس نے ماں کی بات کی تردید کی۔

"کوئی کسی کی وجہ سے جوگی نہیں بنتا اماں، تنویر کی لالچ اور بری صحبت نے آج اسے اس مقام پر لا کر کھڑا کیا ہے اور رہی بات فلک کی تو اس نے کبھی بھی اسے آنکھ بھر کر دیکھا تک نہیں کجا کہ وہ ڈورے ڈالتی۔ آپ کو معلوم ہے نا بہتان کی کوئی معافی نہیں ہے۔" فرخندہ کا چہرہ ایک بار پھر سے سرخ ہوا تھا۔

"یعنی ماں جھوٹ بول رہی ہے اور وہ جو سات سمندر پار بیٹھی ہے وہ سچی ہے۔" مینہ پھر سے پلنگ پر آکر بیٹھی۔ تکیے کے نیچے سے اس نے ڈائری نکال لی تھی۔

"بات جھوٹ سچ کی نہیں ہے بات حق کی ہے اور میری مجال جو میں آپ کو جھوٹا کہوں۔" فرخندہ نے دانت کچکچائے۔ وہ صبر کے گھونٹ بھرتیں وہاں سے جا رہی تھیں۔ مینہ کے جملوں نے انہیں روک دیا۔

"میری قیمت اس سے نہیں وصولیں، یہ حق میرے باپ، بھائی کو جاتا ہے اسے نہیں۔" وہ کرنٹ کھا کر مڑیں، کھڑکی سے سمندر کی ہوائیں اندر آ رہی تھیں۔ سورج کی پھیکی سی روشنی بھی وہیں کہیں بکھری پڑی تھی۔

"قیمت؟"اس ایک لفظ میں ڈھیر سارے سوال تھے۔رنج تھے۔ملال تھے۔خدشے بے حال تھے۔

"بوجھ ڈھونے کی قیمت ہی ادا کی جاتی ہے نا۔"اس نے جواب بڑا بے رحم دیا تھا۔

"مینہ۔"لرزتی ہوئی سی آواز۔

"کیا غلط کہہ رہی ہوں اماں۔"اس نے بک مارک نکال کر مطلوبہ صفحہ کھولا۔اسے اس میں ابھی بہت کچھ لکھنا تھا۔پانچ پڑھی تھی لیکن اردو لکھنا پڑھنا خوب جانتی تھی۔ذہین طالبہ جو تھی۔بس یہ معذوری تھی جس نے اس میں احساس کمتری پیدا کر کے اسے گھر بٹھا دیا تھا۔ورنہ تو وہ بھی اب تک کم زکم بے اے تو کر ہی چکی ہوتی۔

"لڑکیاں بوجھ ہی تو ہوتی ہیں جنہیں ڈھونے کی تیاری ان کے پیدا ہوتے ہی شروع کر دی جاتی ہے بس فرق اتنا ہوتا ہے کچھ مہنگی ہوتی ہیں اور کچھ سستی،امیر ہوں تو فائدہ غریب ہوں تو نقصان،آمدن یا قرضہ اتنا ہی تو فرق ہوتا ہے بس،سر سے اتارو،کندھے خالی کرو چاہے خود خالی ہو جاؤ۔"وہ کھوئی کھوئی سی بے ربط بول رہی تھی۔فرخندہ کو فکر لاحق ہوئی۔

"نہیں مینہ،میری بچی ایسی بات نہیں ہے۔"اس نے جن نظروں سے انہیں دیکھا تھا وہ انہیں لاجواب کرنے کیلئے کافی تھیں۔

"آپ چاہے جتنی تاویلیں دے لیں اماں، آپ کی اس پروڈکٹ میں ڈیفیکٹ ہے مگر اس بار یہ ڈیفیکٹڈ پیس سستے داموں نہیں بلکہ بہت زیادہ مہنگے داموں بک رہا ہے۔ افسوس تو ہوتا ہو گا نا آپ کو میری معذوری پر اوہ میں تو بھول گئی رقم ابا یا بھائیوں کی جیب سے تھوڑی ادا ہو رہی ہے جو دل دکھے گا۔ سر پرستی کا کفارہ تو کوئی اور بھر رہا ہے۔" وہ اس وقت اس کے ساتھ کسی بھی بحث کے موڈ میں نہیں تھیں یوں بھی ابھی اس کی باتوں سے دل دکھا تھا اس لیے چپ میں ہی سکھ تھا۔ وہ اس کی ماں تھیں۔ فلک کے ساتھ چاہیں جیسی بھی ہوں اس کیلئے دل میں ڈھیروں محبت رکھنے والیں، خاص گوشہ، کیونکہ ان کی یہ اولاد باقی تمام اولادیں سے کمزور اور دبکی سی تھی۔ بچپن سے لے کر آج تک ان کی خاص توجہ کا مرکز یہی رہی تھی۔ وہ جب پیدا ہوئی تھی تب ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ سرجری کے ذریعے تو اس کا ہاتھ نقلی لگوایا جا سکتا ہے لیکن پولیو ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ تب سے اب تک انہوں نے بے تحاشہ علاج کروائے تھے۔ اسے لیے ماری ماری پھری تھیں مگر وہ ٹھیک ہوئی نہ ہی اس نے ہونا تھا۔ بس اللہ کا یہ فضل ہوا کہ وہ اس ہاتھ سے تھوڑا بہت کام لینے لگی بالکل مفلوج نہیں ہوئی۔ اسی میں فرخندہ نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ اسی ڈیفیکٹ کی وجہ سے ہی تو وہ تنویر پر نظر رکھے بیٹھی تھیں مگر تنویر کی آوارہ گردیوں نے ان کے خوابوں کے تمام چراغ گل کر دیے۔ وہ بھلا کب خوش ہوتی تھیں اپنی ہر دل عزیز بیٹی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور انہیں سے باتیں سننے میں، اللہ اللہ کر کے تو رشتہ ملا تھا بھلے ہی لالچ تھا انہیں مگر وہ جانتی تھیں مینہ وہاں بے حد خوش رہے گی۔ اس کا

رعب قائم رہے گا۔گھر خود کا ہو گا،کاروبار اپنا ہو گا تو اسے کیا فکر ہو گی۔ مگر یہ نئ نسلیں کہاں ان باریکیوں کو سمجھتی ہیں۔

"مینہ، تم کیوں میرا جی جلاتی رہتی ہو۔ تمہیں کیا پرخاش ہے مجھ سے۔"وہ اس بار چڑ گئی تھیں۔لفظ بڑبڑاہٹ کی صورت ادا ہوئے تو مینہ کے تیز کانوں نے سن بھی لیے۔اس نے اپنا جیل پن اٹھالیا تھا۔

"پرخاش آپ سے نہیں ہے اماں، آپ کی سنگدلی سے ہے۔ آپ کو میں عزیز ہوں۔ آپا عزیز ہیں۔ وہ بھی تو عزیز ہونی چاہیے نا۔وہ بھی تو آپ کی بیٹی ہی ہے۔"فرخندہ نے طیش میں آکر ٹھاہ کی صورت ہاتھ جوڑے تھے۔

"یہ دیکھ میرے جڑے ہوئے ہاتھ، بخش دے مجھے۔جب دیکھو فلک کی گردان لگائے رکھتی ہے۔ جانے کون سا اسم پڑھ کر پھونک دیا ہے اس نے تم پر۔"

انہوں نے سر کو جھٹک کر قدم دروازے کی جانب بڑھا دیے۔اس بار پیچھے سے آواز آئی اور نہ ہی وہ رکیں۔

اکتیس اکتوبر، ہالووین کے دن سے ایک رات پہلے کا منظر ہے یہ، وہ اپنے گھر میں دیوار پر ایک جوڑا لٹکائے کھڑا تھا۔ وہ جوڑا سیاہ اور سفید تھا۔ اس جوڑے کے بالکل برابر بیٹ مین کا کاسٹیوم ہینگ تھا۔ وہ دروازے کے عین سامنے تھوڑا سا دور ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بے چینی سے بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ کبھی ٹہلتا تو کبھی پھر سے بیٹھ جاتا۔ مقررہ وقت سے بیس منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ اس نے ایک بار پھر سے گھڑی کو دیکھا۔

"کبھی تو وقت پر آجایا کرو فلک، ہمیشہ انتظار کرواتی ہو۔" وہ خود سے ہمکلام تھا۔ پنار اس وقت خوشی میں تھے۔ اس لیے وہ آزادانہ اپنی بے صبری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر کہیں کہیں کچی مٹی کے ذرات تھے۔ وہ فلک کو کال کرنے سے پہلے اس کے ماتھے اور ابرو پر کام کر رہا تھا۔ کتنی دلجمعی سے اس نے اس کے ماتھے کی لکیریں بنائیں تھی۔ کتنی چاہت سے وہ اس کی بھنوؤں کو تراش رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سے وقت دیکھا۔ اس بار وال کلاک سے نظر ہٹنے سے پہلے ہی ڈور بیل بجی تھی۔ وہ اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازہ کھول گیا۔ ہاں مگر دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے گہری سانس ضرور لی تھی۔

"دیر کر دی نا میں نے۔" وہ اس کی عجلت چہرے سے ہی بھانپ چکی تھی۔ مہت نے اس کے اندر آتے ہی اسے جوتے پیش کیے جنہیں بدلنے کے بعد وہ اس کا کوٹ تھامنے کا منتظر تھا۔ مگر فلک نے کوٹ نہیں اتارا بس اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر بالوں سے برف کے ان دیکھے پھاہے ہٹائے تھے۔

"تم اور دیر کرو ایسا ہو سکتا ہے۔" وہ شکوہ کر رہا تھا فلک کے لبوں پر پھیکی مسکان دوڑ گئی۔

"دے لو طعنے بیٹا، جب تم جاب کرنا شروع ہو گے نا تب تم سے پوچھوں گی۔" وہ سفید کرسی پر بیٹھ رہی تھی۔ مہمت کچن میں گیا۔ کیتلی میں سے گرما گرم قہوہ کپوں میں منتقل کرنا شروع کیا۔

"بد عا تو نہ دو، اللہ نہ کرے ایسا وقت آئے۔" اس نے دونوں کپوں کو اٹھایا، اٹھانے کے بعد اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"یہ تو تم سے کچھ سال بعد پوچھوں گی میں۔" اس نے مہمت کے ہاتھ سے کپ کو تھاما۔ قہوے کی خوشبو نے اس کی آدھی تھکن اتار دی تھی۔

"سالوں کی بات چھوڑو یہ بتاؤ یہ ڈریس تمہیں کیسا لگ رہا ہے۔" فلک تھوڑی سی مڑی، دیوار پر جن کے اوپر سیڑھیاں تھی، ہینگر پر لٹکے دونوں ہی جوڑے اسے مناسب لگے تھے۔

"دونوں ہی اچھے ہیں کیوں؟" مہمت نے لمبا گھونٹ بھرا۔

"ریپڈ فائر کھیل رہا ہوں فٹافٹ جواب دینا۔" فلک کے ماتھے کی ابرو آپس میں ملیں۔

"مجھے برستی برف میں اتنی دور تم نے ریپڈ فائر کیلئے بلایا ہے۔" اس نے اپنا گرما گرم کپ اوپر اٹھایا۔ مہمت نے دونوں ہاتھ سیز فائر کے سے انداز میں کھڑے کر کے سوال کرنا شروع کیے۔

"تمہیں ونسڈے سیریز پسند ہے۔"

"دیکھی نہیں کبھی مگر میں تمہاری جان لینے والی ہوں۔"وہ حقیقتاً طیش میں آ رہی تھی۔

"اوکے اس بارے میں بعد میں بات کریں گے یہ بتاؤ وینسڈے پسند ہے۔"مہمت نے اپنا کپ وہیں چھوڑا اور بھاگ کر ڈائننگ میز کے اس پار چلا گیا۔

"وہ پہلا کردار ہے جو مجھے انسان لگا ہے لیکن تم نہیں لگتے۔"فلک نے آنکھیں نکالتے ہوئے اسے کچھ مارنے کیلئے ڈھونڈا۔اتنی دور سے عجلت میں بلوا کر وہ اوٹ پٹانگ سوالات پوچھ رہا تھا۔دماغ خراب کر رہا تھا۔

"بیٹ مین،بیٹ مین اچھا لگتا ہے تمہیں۔"مہمت کو سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کے غصے سے کس طرح بچے،اس کی خیر نہیں وہ جان گیا تھا۔

"وہ میرا پسندیدہ ہے مگر تم ناپسندیدہ کی لسٹ میں بس آنے ہی والے ہو۔"کنسول پر پڑا پلاسٹک کا گلدان اس کے ہاتھ لگ گیا تھا قبل اس کے وہ مہمت پر اسے اچھالتی اس کا ہاتھ راستے میں ہی رک گیا۔وجہ مہمت کا سوال تھا۔

"میرے ساتھ ہالووین پارٹی پر چلو گی پلیز۔"فلک نے گلدان کو نیچے رکھا۔مہمت کی سانس میں سانس آئی۔

"وہ کیا بلا ہوتی ہے۔"اس نے سوال داغا جس کا فٹ سے جواب ملا۔

"اسکول میں فیسٹول ہے۔ میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھوایا ہے۔ ہم وہاں کردار بن کر جائیں گے بہت مزہ آئے گا۔ ارے جیسے پریڈ میں ہوتے ہیں۔ اور سڑکوں پر گھوم رہے ہوتے ہیں۔" اس نے جیب سے دونوں بیج نکال کر سفید میز پر رکھے۔

"مجھے نہیں نمونہ بننا اور نہ ہی میں فارغ ہوتی ہوں۔ میرا "کام" ہوتا ہے۔" اس نے ابرو اچکا کر کام لفظ پر زور دیا تھا۔ "تمہاری طرح ویلی نکمی نہیں ہوں میں۔"

"دیکھو فلک، میں ایک انتہائی غریب لڑکا ہوں جس نے پیسے جوڑ جوڑ کر یہ کاسٹیومز خریدے ہیں۔ تم میری اتنے عرصے کی بچت پر یوں پانی نہیں پھیر سکتی۔ تم انکار نہیں کر سکتی۔" وہ غربت کا رونا رو رہا تھا۔ فلک اس کے جھانسے میں نہیں آئی۔

"ہمم، صدقے تمہاری غربت کے، اللہ ایسی غربت ہر گھر میں لائے اور ایسے غریب ہر گھر میں پیدا کرے۔" اس نے میز سے کپ اٹھایا اور باقی ماندہ قہوہ بھی پی لیا۔

"دیکھو تم ہر وقت مجھ سے منتیں کرواتی ہو کبھی تو پہلی باری میں مان جایا کرو۔" اس نے خشمگیں انداز میں کہا تھا۔ فلک نے آخری گھونٹ بھرا پھر کپ کو آواز کے ساتھ میز پر رکھا۔

"ایسا اس لیے ہوتا ہے مہمت پنار کیونکہ تم آخری لمحے میں مجھے مطلع کرتے ہو۔ تم جانتے ہو میں یہاں جاب کرنے آئی ہوں۔ بے حد مصروف ہوتی ہوں۔ میں ایک بھی چھٹی افورڈ نہیں کر سکتی۔" وہ انگلی اٹھا کر کہہ رہی تھی۔ مہمت نے ہار نہیں مانی۔

"ہالووین پر سب کی چھٹی ہوتی ہے۔" فلک کہاں ہارنے والی تھی۔ میدان میں ڈٹی رہی۔

"میری نہیں ہوتی کیونکہ نہ تو میں یہاں کی شہری ہوں جس پر یہ قانون لاگو ہو گا اور نہ ہی گورنمنٹ جاب ہے بلکہ واؤ کل تو مجھے ہر جگہ سے بونس بھی ملے گا۔ اس لیے میری طرف سے اس آفر کو ٹاٹا بائے بائے۔" مہمت کے شانے ڈھلک گئے۔ وہ واقعی نہیں مان رہی تھی۔

"اب تم زیادتی کر رہی ہو۔ صرف دو گھنٹوں کی تو بات ہے۔ ہم صبح میں جائیں گے تب جب خوشی میں ڈیوٹی کا وقت ہوتا ہے۔ اور میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کل چھٹی کی بنا پر تمہاری تنخواہ نہیں کٹے گی۔" اس نے پھر سے عذر دیا۔ اس نے پھر سے انکار کیا۔

"ہرگز نہیں کل تو بلکہ زیادہ اسٹاف کی ضرورت ہو گی کیونکہ کل رش زیادہ ہو گا۔" مہمت نے آنکھیں چندھی کیں، کمر پر دونوں ہاتھ رکھے۔

"اور اگر تمہارے باس تمہیں چھٹی دے دیں پھر؟" اس کی ابرو اچکی ہوئی تھی۔

"اگر ایسا ہو گیا تب تو بالکل بھی نہیں جاؤں گی چاہے جو مرضی کر لو تم۔" وہ زچ آ گیا تھا۔

"تم کتنی مشکل، بری اور بد لحاظ ہو فلک۔" وہ چڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی تھی جو فلک نے بخوبی نوٹ کر لی۔ "میں ہی پاگل ہوں جو ہر وقت تمہارے لیے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہوں، بھاڑ میں گیا پارٹی اور بھاڑ میں گئے یہ بیجز۔" وہ ناراض ناراض سا پاؤں پٹختا دروازے کی طرف گیا پھر وہاں سے جھنجھلاتے ہوئے پلٹ کر دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ فلک نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ آنکھوں کے سامنے وہ دو جوڑے تھے اور میز پر خالی کپ جن سے ابھی تک خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ اسے پھر سے دروازہ کھلنے اور قدموں کی آواز سنائی دی۔

"آخری بار پوچھ رہا ہوں چلو گی یا نہیں۔" وہ ریلنگ پر جھکا دریافت کر رہا تھا۔ فلک نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔

"تم بہت ڈھیٹ ہو۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"عروبہ کو لے جاؤ نا ساتھ۔"

"عروبہ کو لے کر جانا ہوتا تو تمہاری منتیں نہیں کر رہا ہوتا۔"

"اس کے ساتھ تمہیں زیادہ مزہ آئے گا۔ میں تو بور سی ہوں۔"

مہمت نے ہاتھوں کی مٹھی بنائی اور پھر سے دھپ دھپ کرتا کمرے میں چلا گیا۔ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ ایک بار پھر سے دروازہ بند ہوا تھا۔

وہ سر اٹھائے خاموش رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور اس حصے سے غائب ہو گئی جو اوپر سے نظر آتا تھا۔ مین ڈور کے بند ہونے کی آواز پر مہمت نیچے آیا تھا۔ وہ تو اس سے خفا ہونے کا ناٹک کر رہا تھا تاکہ وہ اس کی بات مان لے اور ہر بار کی طرح اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میز پر بیج تھا اور نہ ہی دیوار پر بیٹ مین کے کاسٹیوم کے ساتھ لٹکا دوسرا جوڑا۔ اس کے دل میں خوشی بھر گئی۔ وہ ہمیشہ ہی اسے خوش کر دیتی تھی۔

"یس، یس، یسسس۔"

ہم جتنی چاہیں خوشیاں سینچنے کی کوشش کریں غم حصے میں ہوں تو سکھ ساتھ نہیں دیتا۔ تکلیف مل جاتی ہے۔ ایک سوئی کی چبھن کی صورت میں یا پہاڑ کی صورت میں، معمولی سی یا پھر بہت بھاری، اسے بہت بھاری تکلیف سہنی پڑی تھی فقط ایک لفظ کی عوض "صبر"، اس کی ماں نے تو اسے صبر کی تلقین کر دی تھی مگر وہ یہ نہیں بتا پا رہی تھی کہ وہ اس طرح کا صبر آخر لائے تو لائے کہاں سے۔

"مرد ذات بڑی بے صبری اور آپے سے باہر ہوتی ہے۔ تم وقت دو اسے وہ سنبھل جائے گا۔" ان کے پاس ہر وقت ایک ہی جملہ ہوتا تھا۔ وہ خود عورت تھیں۔ انہیں خود سر ہی سہی مگر ایک اچھا شوہر ملا تھا۔ وہ ان کی اولاد بھی سگی تھی تو پھر کیسے ہر وقت اسے نبھا کی تلقین کرتی رہتی تھیں۔ کیا لڑکی کی پیدائش ہی جرم ہے جو وہ بنا جرم کے سزا سہتی رہے۔ وہ پیدا ہوتی، بڑی ہوتی اور نہ ہی اس کے والدین گولڈن ٹکٹ کی طرح اسے نکاح کے ذریعے جانور کے ہاتھ کرتے۔ ایاز نے اسے خریدا تھا کیونکہ وہ اسے پسند آگئی تھی۔ ایاز نے اسے نوکری کرنے اور پیسے گھر بھیجنے کی اجازت دی تھی کیونکہ اس کی کمائی حرام کی نہیں تھی جو وہ اس لڑکی پر اور اس کے خاندان پر لٹاتا۔ ایاز سب کی نظروں میں ہیرو بن گیا تھا اور وہ ناشکری ولن۔

"اماں، وہ اچھا انسان نہیں ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔ ایک آس تھی۔ ایک مان تھا۔ شاید بچ جائے، یا شاید بہہ جائے۔

"کوئی انسان اچھا نہیں ہوتا بیٹا اور نہ ہی ہر کوئی برا ہوتا ہے۔ اسے اچھا یا برا بنایا جاتا ہے۔ تم اسے اچھا سمجھو گی، اچھے سے رہو گی تو تمہاری زندگی بھی آسان ہو جائے گی۔ شادی شدہ زندگی اسی کو کہتے ہیں۔" مان آس سب بہہ گیا ہر بار کی طرح اس بار بھی خالی ریت ہی ہاتھ آئی تھی جس نے اس کی آنکھوں کو مرچوں سے بھر دیا تھا۔ اشک چھلک پڑے۔

"قتل کر دے گا مجھے تب بھی یہی کہیں گی آپ۔" اس نے بلکتے ہوئے کہا تھا۔ کہاں سے وہ، وہ الفاظ لائے جن پر اس کی ماں یقین کر لے۔ کیا پیسے کی پٹی اتنی سخت ہوتی ہے کہ آس پاس کی ہلکی سی چنگاری بھی نظر نہیں آتی۔ روشنی کی زرا سی جھلک بھی دکھائی نہیں پڑتی۔ درد نظر نہیں آتا۔ آہ سنائی نہیں دیتی۔

"خدا نخواسطہ، یہ ہولناک باتیں کرنا بند کرو تم اور رب کا شکر ادا کرو جو اتنا اچھا شوہر ملا ہے۔ پردیس لے کر گیا ہے، اجازت دی ہے نوکری کی، گھر پیسے بھیجنے دیتا ہے اور کیا چاہیے تمہیں۔" اس سے مزید سنا نہیں گیا۔ اس نے فون کاٹ دیا۔ ان کا ہیرو داماد ایک براولن ہے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ اسے کمانے دیتا تھا تو فقط اس لیے تاکہ وہ تمام پیسے وصول سکے جو اس کی قیمت کے طور پر وہ اس کے گھر والوں کو دے کر آیا تھا۔ اس کی کمائی کا ستر فیصد تو وہ خود رکھ رہا تھا اور تیس فیصد پاکستان بھجوا رہا تھا۔ اس میں بھی اس کے گھر والے کتنے خوش تھے۔ بیچارے اس کے غریب گھر والے۔

وہ رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ اسے فیصلہ کرنا تھا جو وہ کر چکی تھی۔ بس ایک آخری بار ہی ماں سے بات کر کے اپنے فیصلے کی ثابت قدمی پر اس نے مہر لگانی تھی اور دیکھو وہ لگا چکی۔ دھوپ نہیں نکلی تھی لیکن دن تازہ تھا۔ تہوار کی خوشی و جوش ہوا میں رچا بسا سا تھا۔ وہ اپنی سرمہ زدہ آنکھوں پر اچھے سے پانی کے چھینٹے مار رہی تھی جب دروازے پر بیل ہوئی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر

آئنے میں دیکھا۔ قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ایاز جورات کو جانے کس وقت اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ آیا تھا نیند کے خمار سے پر آنکھوں کے ساتھ دروازہ کھول رہا تھا۔

"ٹرک اور ٹریٹ۔" اس کی آنکھوں کے سامنے مسکراتے ہوئے چہرے والے لڑکی کھڑی تھی وہ جس سے اسے شدید خار تھی۔

"کوئی ٹرک ٹریٹ نہیں۔" وہ اسے جھڑک کر دروازہ بند کرنا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں ہوا فلک دروازے پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔

"ٹرک میں کر کے دکھا دیتی ہوں ٹریٹ کے طور پر پلیز میرا کو بھیج دیں۔" صبح کے پونے پانچ کا وقت تھا۔ ہر سو دھند اور خاموشی کا راج تھا۔ نیم اندھیرا سا چہار سو پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس خاموشی میں فلک کی آواز بخوبی سن سکتی تھی۔ اس نے بیسن کے کونے سختی سے تھام لیے۔ وہ جانتی تھی ایاز اب اسے ذلیل کرنے والا ہے۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا ایاز نے بالکل ویسا ہی کیا۔

"سر نہ کھاؤ اور جاؤ یہاں سے، جب دیکھو میرا میرا کرتی یہاں پہنچ جاتی ہو، دماغ خراب۔" وہ بڑبڑ کرتا ٹھاہ کی آواز کے ساتھ دروازہ بند کر گیا۔ فلک کی تو تلوں پر لگی اور سر پر بجھی۔ اس نے بیل پر ہاتھ رکھا اور پھر ہٹانا بھول گئی۔ ایاز نے تن فن کرتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔

""بزرگوار، آپ کی بدلحاظی بہت ناگوار ہے۔ میرا کو بھیجیں نہیں تو بیل سے یہ انگلی نہیں ہٹے گی۔"
وہ ابرو اچکاتی اسے دھمکی دے رہی تھی۔ نوح سے کچھ سیکھا ہو یا نہ سیکھا ہو اس نے ابرو اچکانا ضرور سیکھ لیا تھا۔

"میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا تم جانتی نہیں ہو میں کون۔" اس کا جملہ درمیان میں رکا تھا وجہ وہ ڈاکٹر تھی جو اپنے گھر سے سفید کوٹ بازو پر ڈالے باہر آ رہی تھی۔ ایاز اپنے محلے والوں کی نظروں میں ایک شریف اور درد مند انسان تھا اور ایک بہترین شوہر بھی، دو چہرے اس نے اپنی ساکھ بچانے کیلئے بنائے تھے۔ دو چہرے اس کے بدنما کردار کے گواہ تھے۔

"میں پولیس کی دھمکی سے نہیں ڈرتی، میرا دوست پولیس میں ہے اور وہ میرے کہنے پر تمہیں ایسے اندر ڈالے گا کہ کبھی باہر نہیں آسکو گے تم۔" (شکر ہے کہیں تو وہ سر دد کان کام آئی) فلک نے پیچھے مڑ کر اس ڈاکٹر کو دیکھا جو سنجیدہ چہرے کے ساتھ ان پر ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ ان کی زبان نہیں سمجھتی تھی، سمجھتی تو معاملے کی نوعیت کو جان لیتی۔ ایاز کی جھوٹی مسکان آج بھی اس ڈاکٹر کے سبب ہی آئی تھی۔

"ٹھیک ہے میرا کو لے کر جاؤ اور پھر مجھ سے بچو تم، تم جانتی نہیں ہو ایاز کس بلا کا نام ہے۔" وہ اس بدصورت آدمی سے قطعی نہیں الجھنا چاہتی تھی مگر اس وقت اسے میرا سے ہر صورت ملنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ زرد چہرے کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ دروازے کی چوکھٹ کے اس پار لاؤنج کے پر حدت ماحول میں ایاز اخبار کھولے بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے میرا سے کہا۔

"اپنا کوٹ لے آؤ، ہمیں طویل گفتگو کرنی ہے۔" میرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ کوٹ پہن کر اس کے ساتھ گلی میں نکل آئی تھی۔ دونوں ایک دوجے کے برابر چل رہے تھے۔ فلک نے ہاتھ میں پکڑا زیبرے اسٹائل کا شاپنگ بیگ میرا کی طرف بڑھایا۔ وہ دونوں گلی کی نکڑ پر آمنے سامنے رک گئے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سوال کیا تھا۔ فلک نے گہرا سانس بھرا، دھواں آس پاس منتشر ہو گیا۔

"مہمت چاہتا ہے میں اس کے ساتھ ہالووین پارٹی پر چلوں۔ میں ڈر رہی ہوں میرا۔" میرا نے بیگ میں سے جھانکتے کپڑوں پر نظر ڈالی پھر شانے اچکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"میں اول روز سے کہہ رہی ہوں وہ تم میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ کوئی بری بات بھی نہیں ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ اس کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے لیکن شاید یہ فیصلہ درست نہ ہو۔" فلک نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی ناک زیادہ سردی کی وجہ سے لال ٹماٹر ہو چکی تھی۔ ہاتھوں میں موجود شاپنگ بیگ کی ڈوری کو اس نے دوسرے ہاتھ سے مسلنا شروع کیا۔

"میں ایسا نہیں سوچ سکتی بالکل بھی نہیں اور یوں بھی اس کی بہت سی قریبی دوستیں ہیں۔ میں اکثر ان کی قربت دیکھ لیتی ہوں ابھی کچھ دن پہلے میں نے مہمت اور ایک لڑکی (عروبہ) کو ریستوران میں دیکھا تھا۔ وہ دونوں کپل لگ رہے تھے۔" یہ بات میرا کیلئے نئی نہیں تھی۔ اس نے بھی مہمت کی دوستوں کو دیکھ رکھا تھا۔ وہ واقعی ایک دوسرے کے قریب ہوتے تھے۔

"یہ پاکستان نہیں ہے فلک، یہاں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن میں تمہیں ایک نصحیت دینا چاہوں گی۔" اس کے چہرے کی ویرانی ٹپک کر اس کے قدموں میں گری۔

"کبھی بھی کسی غیر ملکی سے شادی مت کرنا خاص کر اس سے جس کے پاس بہت پیسہ ہو کیونکہ پھر تم بیوی نہیں رہو گی پیروں کی دھول بن جاؤ گی۔" سرمئی ویرانی نے پھیلنا شروع کیا تھا۔

"میں تمہارے لیے دکھی ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام گئی۔ سرمئی ویرانی نے ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہاں موجود ہر گھر ویرانی کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔

"مت ہو کیونکہ یہ میری قسمت ہے۔" فلک کو اس کی فکر لاحق ہوئی، زرد چہرہ بجھی آنکھیں کوئی اور ہی داستان سنا رہی تھیں۔

"میرا، تم یہاں سے جا سکتی ہو۔ تم کہو تو میں کچھ کروں۔" اس نے فلک کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ اس کی سب سے اچھی دوست و غم گسار تھی۔

"تم فی الحال تم پارٹی پر جانے کی سوچو جاؤ گی یا نہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک چکی تھی۔ اس کا چہرہ پڑھ چکی تھی۔ میرا کچھ کرنے والی ہے اسے معلوم ہو گیا۔

"اس بارے میں، میں نے فیصلہ نہیں کیا لیکن میں تمہیں ضرور سن رہی ہوں۔ ہم دونوں دوست ہیں۔ کہو کیا بات ہے۔" فلک نے دیکھا اس لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں۔ اس کا دل کٹ گیا۔

"میں نے ایاز سے نجات کا فیصلہ کیا ہے۔ فیضان، فیضان سے ملوں گی۔ اس کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے اپنی اولاد کیلئے یہ کرنا ہو گا۔" وہ ایک سانس میں اسے سب بتا گئی تھی کہ اس سے وہ کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔ فلک کا سانس رک گیا۔ وہ پھٹی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سنبھلتے ہوئے بولی۔

"اچھا فیصلہ کیا ہے لیکن میرا، تمہارا آئی ڈی کارڈ، پاسپورٹ سب جعلی ہے۔ کس طرح بھلا یہاں سے جاؤ گی۔" اس کا ہاتھ تاہنوز میرا کے شانے پر تھا جسے دباتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ فیضان کو وہ اچھے سے جانتی تھی۔ اس کی میرا سے وابستگی کس طرح کی تھی یہ بھی اسے معلوم تھا۔ وہ ایک اچھا انسان تھا۔ وہ اس کا خیال رکھ سکتا تھا۔ کم از کم اسے ایاز سے تو چھٹکارہ ملے گا۔

"سب سوچ لیا ہے میں نے مگر کوئی جلدی نہیں ہے۔ ایاز یہاں سے جانے والا ہے جب وہ یہاں سے جائے گا تب میں اس کے چنگل سے آزاد ہو جاؤں گی۔" فلک نے اسے گلے سے لگایا۔

"میں تمہیں بہت یاد کروں گی میرا۔" اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ میرا نے اسے خود سے الگ کیا۔

"پاگل ہو تم بھی اور تم جانتی ہو نا تمہارے منہ پر یہ بارہ بجے ہوئے اچھے نہیں لگتے سیدھا کرو اسے۔" فلک نے اسے ایک بار پھر سے خود سے لگایا۔

"مجھ سے مل کر جاؤ گی نا۔" میرا اس کی کمر کو تھپک رہی تھی۔

"تم سے نہ ملوں ایسا ہو سکتا ہے ویسے مہمت ایاز کی کیٹگری میں نہیں آتا، تم اس کے بارے میں سوچ سکتی ہو۔" میرا نے ماحول میں پھیلی ژولیدگی کو کم کرنے کی خاطر اسے چھیڑا۔ فلک ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی۔

"خبردار آئندہ ایسی بات کہی تو، وہ میرے لیے فقط ایک اچھا انسان ہے اور کچھ نہیں۔" اس کی گھڑی نے الارم بجایا تھا۔ کلائی کو آنکھوں کے سامنے کرنے کے بعد وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"کام کا وقت ہو رہا ہے۔ تم نے بھی جانا ہے نا دونوں ساتھ چلتے ہیں۔" وہ دونوں ایک ساتھ ہی سڑک پر نکل آئے تھے۔ فلک نے اپنا روٹ لیا اور میرا نے اپنا، کچھ ہی دیر بعد وہ اس گھر کے اندر جا رہی

تھی جو مسلم کمیونٹی سے باہر واقع تھا۔اس گھر کے آس پاس تمام گھروں پر عجیب وہ غریب ڈیکوریشن کی گئی تھی۔بڑے بڑے کدوؤں کو گھروں کے باہر اور اندر لگایا گیا تھا۔ہڈیوں کے ہار،انسانی نقلی ڈھانچے اور زومبی،اس نے جھرجھری لی،مین گیٹ کھولا اور اندر آگئی۔پورچ پر قدم رکھتے ہی اسے لان میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔اس دھند بھرے شدید سرد موسم میں وہ اسے چھتری تلے بیٹھا دیکھ چونک گئی تھی۔یہ چونکاہٹ کا اثر ہی تھا جو وہ اس کی طرف آرہی تھی۔نوح نے آہٹ پر گردن موڑی۔اسے دیکھتے ہی وہ کھڑا ہوا۔اس کے بدن سے سردی کی لہریں نکل رہی تھیں مگر چہرے پر مسکان تھی۔

"آپ اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہے ہو؟"اس کے سوال میں استعجاب تھا۔

"جاگنگ کے بعد تھوڑا سا ریسٹ۔"جواب میں مسکان تھی۔

"اتنی سردی میں ریسٹ۔"اس نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم ہوتی تو کیا کرتی؟"پر شوق سا سوال۔

"میں تو ڈیوٹی پر ہی جاتی۔"معصوم سا جواب۔

"تم سے اسی چیز کی توقع کی جاسکتی ہے۔"وہ ہاتھ پھیلاتے ہوئے اسے پہلے چلنے کا کہہ رہا تھا۔فلک آگے تھی اور وہ اس کے پیچھے۔

"کم از کم ٹھٹھراتی سردی میں بیٹھنے سے تو بہتر ہی ہے میری رائے۔۔۔ نہیں۔۔۔ بہتر نہیں، بہت بہت زیادہ بہتر۔"نوح نے تھوڑا سا آگے آکر اس کیلئے دروازہ کھولا۔

"ٹھیک ہے مادام، آپ کا ہر حرف بالکل ٹھیک ہے۔"وہ آگے پیچھے اندر آئے تھے۔ آج یہاں کے لوگوں کی عالمی چھٹی تھی اس لیے حسب توقع مائیر اور سیرا کے کمرے ابھی تک بند تھے ورنہ تو اس وقت وہ دونوں اٹھے ہوئے ہوتے تھے۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں جو کہتی ہوں ٹھیک کہتی ہوں۔"نوح نے فینسی لائٹس روشن کیں۔ ان روشنیوں میں لاؤنج جگمگ کرنے لگا تھا۔ فلک نے دیکھا پورا لاؤنج صاف تھا یہاں تک کہ کچن بھی وہ حیرت سے نوح کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے سوچا۔"اس کی آنکھوں کے سوال وہ پڑھ چکا تھا۔"دوستی شروع کرنی ہے تو تھوڑا سا اس کا رنگ دکھایا جائے یعنی یہ میری طرف سے ایک قسم کی شروعات سمجھو۔"وہ اسٹول پر آکر بیٹھ گیا۔ فلک کاؤنٹر کے پیچھے اس کی نظروں کے عین سامنے تھی۔

"شروعات پسند آئی مجھے لیکن یہ کبھی کبھی پر بھی مشتمل نہیں ہونی چاہیے ورنہ مجبوراً مجھے خود کو کہیں اور ٹرانسفر کروانا پڑے گا۔"اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں چمک نوح نے ہولے سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"فکر نہیں کرو، میں اتنا بھی فلیکسیبل نہیں ہوں۔" فلک نے پھر سے آنکھیں چندھی کی تھیں۔

"مجھے معلوم نہیں کیوں پر تم میں سے شک کی بو آ رہی ہے۔" وہ بھنویں سکیڑے ترچھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نوح اس بات پر بھونچکا رہ گیا جھٹ سے سیدھا ہوا۔

"شک، کس بات کا شک؟" فلک نے سینے پر بازو باندھے۔

"یہی کہ تم کسی مقصد کے تحت مجھ سے دوستی کر رہے ہو۔ کہیں تم مجھے پکڑوانے کے منصوبے تو نہیں بنا رہے۔ یا پھر اپنا بدلہ لینے کے۔ دیکھو جان لو میں ایک سخت جان اور خطرناک قسم کی لڑکی ہوں۔ میں کسی جھانسے میں نہیں آتی۔" نوح اسے آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ نان اسٹاپ بس بولے ہی جا رہی تھی۔

"میں مردوں کو پچھاڑنے کے ہزار گن جانتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کس کو کس طرح اور کہاں پر رکھنا ہے۔ جس جس نے مجھ سے پنگا لیا ہے وہ اس وقت اپنا انجام بھگت رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ پچھلے مہینے ایک اوباش لڑکا میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ روز چیز کرتا تھا مجھے۔ ایک روز مجھے غصہ آ گیا۔ راستے میں خرانٹ انکل کا گھر تھا ان کا بل ڈوگ بہت ہی خطرناک تھا۔ میں نے اس بل ڈاگ کی رسی کاٹ دی۔ پھر کیا تھا وہ لڑکا تھا اور اس کے جسم پر چودہ ٹیکوں کے نشان اور اسی طرح ایک اور۔" نوح نے فوراً اس کی بات کو درمیان میں قطع کیا۔ زور سے ہاتھ کاؤنٹر پر مارا۔

"بس کر دو چپ کر جاؤ۔ پاگل ہو اتنا بولے جا رہی ہو۔ اور کس قسم کا شک کر رہی ہو تم مجھ پر، تمہیں لگتا ہے میں اس طرح کا انسان ہوں۔" نوح نے برا منایا تھا۔ "میں حیران ہوں۔ لفظوں کا اتنا ذخیرہ آتا کہاں سے ہے تمہارے پاس، نان اسٹاپ بس بولے چلی جا رہی ہو سر دکھ گیا میرا، چپڑ چپڑ چپڑ حد ہے۔" وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ اسے فلک کا شک کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا۔ فلک نے کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائیں۔ وہ اسے اب بھی جانچ رہی تھی۔ آج نوح کی جھڑک میں بھی تلخی نہیں تھی۔ بس خفا کن سا تاثر تھا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو" وہ سر اٹھائے اس کو چیلنج کر رہی تھی۔ نوح ایک بار پھر سے سٹپٹا گیا۔

"میں کیوں دیکھوں، میں کوئی نہیں دیکھ رہا تمہاری آنکھوں۔ تم مجھے اس طرح جج نہیں کر سکتی، اور ایسی شکی نظروں سے بھی مت گھورو میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔" وہ سر جھٹک کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔ فلک نے چھوٹی آنکھوں سے اسے گھورنا بند کیا۔ نوح نے دل کی دھڑکن کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک گلاس پانی کا لیا اور اسے لبوں سے لگا لیا۔ وقت سر کا تھا۔ وہ صاف کاؤنٹر کو پھر سے صاف کرنا شروع ہو چکی تھی۔ دھلے ہوئے سنک کو اس نے پھر سے دھو دیا۔ وہ چمکے ہوئے کبڈز کو مزید چمکا رہی تھی جب نوح کی آواز ایک بار پھر سے ابھری۔

"اچھا سنو، تمہیں چائے پسند ہے یا کافی؟" فلک نے چمچماتے ہوئے کبڈز کو بڑی خوشی کے ساتھ دیکھا تھا۔ مصروف سے انداز میں ہی جواب دیا

"قہوہ۔" یکسر الگ جواب۔

"تو پھر بناؤ دو کپ قہوہ۔" مختلف جواب نے نوح کو محظوظ کیا تھا۔ فلک نے چند لمحے اس کی بات پر غور کیا پھر ٹھٹھک گئی۔ پر حدت سا ماحول اس کے وجود کو اچھا سا تاثر دے رہا تھا۔ ناک ابھی تک سرخ تھی مگر اس کی سرخی میں تھوڑی سی کمی آئی تھی۔ سردی کی جو لہریں کمر سے پھوٹ رہی تھیں وہ مکمل طور پر بند ہو گئیں۔ مگر حیرت کم نہیں ہوئی تھی وہ ابھی تک برقرار تھی۔

"لگتا ہے میوٹ بٹن کا واقعی سسٹم خراب ہو گیا ہے تبھی حیران پر حیران کیے جا رہا ہے۔" اس نے سوچا۔ آہ اس طرح کی باتیں وہ فقط سوچ ہی سکتی تھی۔

"آپ میرے ساتھ قہوہ پیو گے لیکن میں تو یہاں کام۔" نوح نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی وہ کبھی بھی اس کی یہ بات مکمل نہیں ہونے دے گا۔

"ادرک والا بنانا، میں جس ہاسٹل میں رہتا تھا وہاں میرا روم میٹ ادرک والا قہوہ بناتا تھا جو بہت مزیدار ہوتا تھا۔ ادرک یوں بھی مجھے بہت پسند ہے۔" پرتیں تھیں اس شخص کی جو ابھی کھلنا شروع ہوئی تھیں۔ شک آہستہ آہستہ مٹ رہا تھا۔ دھیان آہستہ آہستہ بٹ رہا تھا۔ فلک کے گالوں پر

ٹھہری سرخی تھوڑی سی اور زیادہ واضح ہونے لگی۔اس سرخی میں شرم نہیں بلکہ خوشی تھی۔انسان کو انسان سمجھنے کی خوشی، عزت کی خوشی، تکریم کی خوشی۔اس نے قہوہ بنایا تھا۔کاؤنٹر کے اس پار وہ اسٹول پر بیٹھا تھا اور کاؤنٹر کی دوسری طرف وہ اسٹول پر بیٹھی تھی۔اس کے عقب میں کبڈز اور جائنٹ ریفریجریٹر نظر آرہا تھا تو نوح کے عقب میں لاؤنج، ان دونوں کے قہوے ایک ساتھ پڑے تھے۔فاصلے سے لیکن سیدھ میں، فلک نے جان بوجھ کر قہوہ اٹھانے میں دیر کی، اس نے جب تک کپ کو لبوں سے لگانے کے بعد واپس پرچ میں نہیں رکھا تھا تب تک نوح نے اپنے قہوے کو ہاتھ نہیں لگایا۔اس کے حلق سے اترتے گھونٹ کے بعد ہی نوح نے گھونٹ بھرا، ابرو ستائش میں اٹھ گئیں مگر وہ خاموش رہا، کوئی تعریف نہیں، کوئی دلجوئی نہیں۔

"آپ لوگ۔"بات کا آغاز فلک نے کیا۔گھونٹ بھرتے نوح کے لبوں کا کنارہ ایک بار پھر سے خفیف سا پھیلا جو سامنے والی کی نظروں سے اوجھل ہی رہا۔"آج کے دن کو سیلیبریٹ کرتے ہو۔" اس کے دونوں ہاتھوں نے کپ کو خود میں چھپایا ہوا تھا۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دھواں کپ سے نہ نکل رہا ہو بلکہ فلک کے ہاتھوں سے نکل رہا ہو۔

"ویسے تو۔"نوح نے اس کے ہاتھوں سے نظریں ہٹائیں۔"الحمدللہ ہم مسلمان ہیں لیکن۔"اس کا دھیان پھر سے بھٹکا، نظریں ایک بار پھر سے اس کے ہاتھوں پر جا پڑیں۔"سیرا اور مائیر بہت ایکسائیٹڈ ہوتے ہیں اس دن کیلئے، ان کے دوست اور وہ کافی انجوائے کرتے ہیں۔"

"اور آپ؟"قہوہ ٹھنڈا ہو رہا تھا وہ گھونٹ نہیں بھر رہی تھی۔وہ گھونٹ کیوں نہیں بھر رہی؟

"میں یقیناً یہ سب ناپسند کرتا ہوں مجھے کوفت ہوتی ہے ان سب تہواروں سے، میں بہت خشک بندہ ہوں۔ تمہیں سردی لگ رہی ہے؟"اس نے اچانک سوال کیا تھا۔فلک اس طرز کے سوال سے سٹپٹا گئی۔

"مائنس کے ٹمپریچر میں کسی کو بھی سردی لگ سکتی ہے۔"اس نے جلدی سے ہاتھ کپ کے گرد سے ہٹائے اور گھونٹ بھر لیا۔"خاص کر مجھے۔"نوح اپنی جگہ سے اٹھا۔وول شرٹ کو درست کرتا ہوا وہ اپنے کمرے میں گیا تھا جب واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں بھورے رنگ کے موٹے گلوز تھے۔ ان گلوز کو کاؤنٹر پر رکھنے کے بعد وہ اس کی طرف سرکا رہا تھا۔

"انہیں پہن لو یہ بہت گرم ہیں۔مجھے بھی جب زیادہ سردی لگتی ہے تو گلوز کا استعمال کرتا ہوں۔یہ بالکل نئے ہیں اس جیسی ایک اور جوڑی ہے میرے پاس۔"شیشے جیسے چمچماتے کاؤنٹر پر پڑے وہ گلوز منتظر تھے اس لڑکی کے ہاتھوں کی زینت بننے کیلئے،وہ لڑکی پھیکی سی مسکا دی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔میرا کام انہیں پہننے کی اجازت نہیں دیتا یوں بھی میرے پاس ہیں اپنے گلوز،رکو دکھاتی ہوں آپ کو۔"اس نے برق رفتاری سے کوٹ میں ہاتھ ڈالا،مرون رنگ کے بوسیدہ سے گلوز نکال کر وہ اسے دکھا رہی تھی۔نوح کے برانڈڈ گلوز کے آگے اس کے سیکنڈ ہینڈ

خستہ حال دستانوں کی کیا وقعت تھی بھلا لیکن اس بات کو دکھانے والی نے محسوس کیا تھا اور نہ ہی دیکھنے والے نے، قیمت معنی نہیں رکھتی اہمیت معنی رکھتی ہے۔نوح کے پاس مہنگی چیز تھی مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔فلک کے پاس بہت سستی چیز تھی مگر اس کی اہمیت اس کی نظروں میں بے تحاشہ تھی۔

"راستے میں ان کا استعمال کر لیتی ہوں لیکن کام کے اسپاٹ پر نہیں پہن سکتی اور ویسے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ہر وقت دستانے چڑھا کر پھرتی رہوں، مجھے خود پر کنٹرول کرنا ہو گا۔" بے تکا سا بولنے کے بعد اس نے کپ اٹھا کر طویل گھونٹ بھرا۔نوح چپ چاپ اسے سن رہا تھا۔وہ چپ چاپ اسے سن سکتا تھا۔

"لیکن ابھی تو تم کچھ نہیں کر رہی، ابھی تو پہن سکتی ہو انہیں۔"فلک نے اس کے آگے سے خالی کپ اٹھایا۔اسے جا کر سنک میں رکھا پھر اپنا بھی اٹھا کر سنک کی طرف آ گئی۔

"کس نے کہا کچھ نہیں کروں گی، آدھا گھنٹہ پڑا ہے۔اس میں کپڑے لانڈری لے جاؤ گی اور پول بھی صاف کر دوں گی۔انکل اور آپ کا ناشتہ بھی تو بنانا ہے۔"کپ دھو کر وہ انہیں سکھانے لگی تھی۔اس کے ہاتھ سے پٹی اتر چکی تھی۔زخم بالکل صاف ہو چکا تھا بس نشان باقی تھے۔نوح نے اس کی تفصیل پر نظر ثانی کی۔

"پول بالکل صاف ہے کیونکہ نماز کے بعد میں نے سب سے پہلا کام اسے صاف کرنے کا کیا تھا۔اور رہی بات لانڈری کی تو وہ لانڈری بوائے کرلے گا۔چاچو ہفتے کیلئے آؤٹ آف اسٹیشن گئے ہیں۔میں ناشتہ کروں گا نہیں کیونکہ میں نے جم کرنی ہے۔"فلک نے کپوں کو کیبنٹ میں رکھا،رکھنے کے دوران ہی بولی۔

"تو میں بنا کر رکھ دیتی ہوں آپ بعد میں ناشتہ کرلینا یوں بھی سیر اور مائیر کا بھی تو بنانا ہے نا۔"کپ رکھنے کے بعد اس نے گیلے ہاتھ مشین کے آگے کیے،گرم ہوا اس کے ہاتھوں کو سکھانے لگی تھی۔

"میر ا ارادہ سیر اور مائیر کے ساتھ باہر برنچ کرنے کا ہے۔اس بارے میں ہم نے رات میں ہی طے کرلیا تھا۔وہ دونوں گیارہ بارہ سے پہلے نہیں اٹھیں گے۔"وہ اسے اطلاع دے رہا تھا۔وہ اسے ہر طرف سے مات دے رہا تھا۔ناچار فلک کو اپنے دستانے نکال کر پہننے پڑے۔وہ اس کے سامنے واش اینڈ شائن کی یونیفارم میں ملبوس تھی۔نیلی کیپ میں سے اس کی چھوٹی پونی نکل رہی تھی۔گلوز پہننے کے بعد وہ پھر سے اسٹول پر آن بیٹھی۔وہ اس دوران کہیں اور بھی نہیں جاسکتی تھی کیونکہ اس کی لوکیشن آن تھی۔وہ گھر سے ادھر ادھر ہوگی تو اسے جواب دینا پڑے گا۔ٹائم مکمل ہونے سے پہلے پنچ آؤٹ کرنے کا مطلب سیلری کی کٹوتی ہے جو اسے ہرگز منظور نہیں ہے۔زندگی میں پہلی بار وہ اتنا زیادہ فارغ ہوئی تھی۔زندگی میں پہلی بار اسے یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا عجیب لگ رہا تھا۔

"تم کتنا پڑھی ہوئی وہ ویسے ؟" فلک نے اس سوال پر گلا کھنکھارا پھر کان کی پشت کو کھجاتے ہوئے بولی۔

"وہ، ایف اے کیا ہے میں نے۔ آگے پڑھنے کا سوچ رہی ہوں۔" نوح نے ابرو اچکا کر گرائی۔

"بہت اچھی بات ہے۔ پڑھائی کے بغیر کوئی زندگی نہیں۔ آج کل تو ایم اے کی بھی ویلیو نہیں رہی ہے۔ کس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو گی تم۔ چاہو تو میری یونیورسٹی میں آجاؤ۔ میں تمہاری درخواست دے دیتا ہوں۔" یعنی وہ چاہ رہا تھا اب وہ اس اس کی یونیورسٹی میں بھی پڑھے۔ فلک نے بوکھلاتے ہوئے اس کی بات رد کی تھی۔

"ارے نہیں وہاں کہاں، میں پاکستان میں ہی اپنی پڑھائی مکمل کروں گی۔ یوں بھی یہاں جاب میں اتنی مصروف ہوتی ہوں کہ وقت ہی نہیں ملتا۔ ایڈمیشن لوں گی تو فیل ہونا تو متوقع ہے میرا۔" اس نے جھٹ سے انکار کیا تھا۔ وہ بھلا کہاں اتنی مہنگی یونیورسٹی افورڈ کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی اس کے نمبر اتنے اچھے تھے کہ اس کو سکالرشپ مل جاتا۔

"میں تمہیں پڑھادوں گا۔ میں پڑھاؤں گا تو فیل نہیں ہو گی۔" وہ بضد تھا اس کے آگے پڑھنے پر یا پھر وہ بضد تھا اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے پر۔

"میرے لیے یہ ممکن نہیں۔ کہانا بہت مصروف ہوتی ہوں میں۔ اچھا آپ جم پر کب جاؤ گے؟" وہ اسے ٹال رہی تھی۔ اس سے چھٹکارہ حاصل کر رہی تھی۔ وہ تو پیچھے ہی پڑ گیا تھا اس کے۔

"مطلب تم چاہ رہی ہو میں تم سے مزید بات نہ کروں۔ ٹھیک ہے میں نہیں بولتا۔ تم اپنا فارغ وقت انجوائے کرو۔" کہہ کر وہ اپنا سیل فون کاؤنٹر پر سے اٹھا رہا تھا۔

یہ وقت بہت جلد مگر خاموشی سے طے ہوا تھا۔ فلک وہیں کی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی جبکہ نوح وہاں سے اٹھ کر صوفے پر جا کر نیم دراز سے انداز میں بیٹھ گیا۔ وہ اپنے فون میں مگن ہو گیا تھا۔ اس کے پنج آؤٹ میں دو منٹ تھے۔ اس نے جونہی ایپ کو بند کیا اس کا فون چنگھاڑ اٹھا۔ فون کی اسکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور ماتھے پر بل آئے تھے۔ اپنا کوٹ اٹھا کر تیزی سے وہ فون کان سے لگاتی وہاں سے جانے لگی تھی۔ اس کے قدموں کی تیزی اور کال سننے کی عجلت اس کے پریشانی کا پیش خیمہ ہے یہ بات اس لڑکے نے محسوس کر لی تھی جو ابھی ابھی اس سے آشنا ہو رہا تھا۔ وہ اسے پڑھ رہا تھا۔ کس طرح؟ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے اسے کھڑکی میں سے دیکھنا چاہا۔ سفید پردوں کی اوٹ میں وہ اسے فون کان سے لگائے تقریباً دوڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پردہ چھوڑ دیا۔ وہ جونہی پردہ چھوڑ کر سیدھا ہوا مائیر اپنے کمرے سے نکلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"اسلام علیکم۔"اس نے جمائی روکتے ہوئے نوح کو سلامتی پیش کی۔ حیرت کا مقام تھا۔نوح کیلئے یہ حیرت کا مقام تھا۔وال کلاک پر آٹھ بج رہے تھے اور مائیر آنکھیں کھولے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نوح کی ابرو اچکی۔

"یہ معجزہ کیسے ہو گیا، تم اتنی صبح؟"حیرت کا اظہار کر کے وہ پھر سے صوفے پر آکر بیٹھا۔مائیر بھی دھپ کے سے انداز میں اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"تہوار والے دن کون سوتا ہے میرے بھائی، ہالووین مبارک تمہیں۔"شب خوابی کے لباس میں بکھرے بالوں کے ساتھ وہ قدرے پرجوش نظر آرہا تھا۔نوح نے تاسف بھرے انداز میں سر کو ہلایا۔

"شرم کرلو، یہ ہمارا تہوار نہیں ہے یہودیوں کا ہے۔اس کے آگے مبارک لگا کر مبارک لفظ کی توہین مت کرو۔"مائیر نے کوفت بھرے انداز میں کان میں انگلی گھمائی۔یہ آدمی یا تو بولتا نہیں تھا اگر بولتا تھا تو اوٹ پٹانگ ہی بولتا تھا۔مائیر کے سوکھے حلق میں کانٹے اگنے لگے۔

"تہوار تہوار ہوتا ہے کوئی یہودی کوئی مسلمان نہیں۔"اس نے بودہ دفاع کیا۔نوح کی گھوری اف اللہ۔

"واقعی؟"ہارنا نہیں ہے۔مائیر کو اس شخص سے ہرگز ہارنا نہیں ہے۔

"میں کوئی حرام کام نہیں کر رہا، ہینڈ سم ساجن بنوں گا جو کہ ہمارے مذہب میں ہوتے ہیں۔ اور تھوڑے سے لوگوں کو ڈراؤں گا جو کہ ایک قسم کی تفریح ہے۔ تفریح کی تو ممانعت نہیں ہے نا ہمارے مذہب میں۔" وہ اس سے نہیں جیت سکتا تھا نوح نے مان لیا۔

"فتنوں کے نقش قدم پر چلو اور کچھ نہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا، کاؤنٹر پر پڑے گلوز اسے بلا رہے تھے۔ وہ انہیں اٹھا کر اپنی الماری کے اس خانے میں رکھنے والا تھا جو آج سے فلک کیلئے مختص ہو کر رہ جائے گا۔ اس حصے میں ہر وہ شے جائے گی جو فلک کے نام کی ہو گی۔

"تم سے بڑا کوئی فتنہ ہے۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ اس کے بڑبڑاہٹ اونچی تھی۔ نوح ایڑھیوں کے بل مڑا، ابرو تنی، آواز میں سنجیدگی تھی۔

"کیا کہا؟" مائیر نے شانے اچکا دیے۔

"میں تمہیں بھلا کچھ کیوں کہوں گا میں تو کہہ رہا تھا کہ فلک سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اس دن ٹرک اور ٹریٹ کھیلتی ہے۔ اسے کینڈیز کھانا اور اکھٹی کرنا بہت پسند ہے۔ خاص کر مالٹے والی جیلی ٹافی جس پر چینی کی ہلکی سی پرت لگی ہوتی ہے۔ آئی نہیں وہ اب تک، میں نے اس کیلئے کچھ کینڈیز کے پیکٹ لیے ہیں۔" یہ معلومات نوح کیلئے بالکل نئی تھی۔

"تمہاری اس کے ساتھ دوستی ہو رہی ہے کیا؟"نوح کو جانے کیوں انجانی سی خوشی ہوئی۔مائیر میں یہ بات تھی وہ بہت جلد گھل مل جایا کرتا تھا۔فلک سے اس گھر کا ہر فرد گھلے ملے یہ اب اس کی خواہش تھی۔

"ایسی ویسی، ہم دونوں پکے دوست ہیں بلکہ وہ تو میری بہن کے رتبے پر فائز ہو چکی ہے۔میں تو سوچ رہا تھا اسے پارٹی میں بھی لے کر جاؤں لیکن اس نے منع کر دیا۔بہت مصروف ہوتی ہے وہ۔"وہ نیند کے غلبے کے زیر اثر بول رہا تھا۔

شاید یہی وجہ تھی جو وہ اس دن کو منانے کے حوالے سے سوال لیے بیٹھی تھی۔اس وقت اس نے دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔مگر اب اسے اس چیز میں تجسس ہو رہا تھا۔اور یہ تجسس پورے دن رہا۔ سیر ااور مائیر کی وجہ سے ان کے گھر میں انواع واقسام کی کھانے پینے کی چیزیں پڑی ہوتی تھیں۔اور اتنی مقدار میں ہوتی تھیں کہ مہینہ ختم ہو جاتا تھا چیزیں ختم نہیں ہوتی تھیں اور وہ دونوں پھر سے نئی گروسری کر آتے تھے۔لیکن اس بار معاملہ الگ تھا۔اس بار انہوں نے کچھ زیادہ ہی ایکسٹرا گروسری کر لی تھی۔دروازے پر ہوتی ہر بیل پر نوح کے کان کھڑے ہو جاتے تھے۔دروازہ کھولنے پر اسے بچوں کا ہی سامنا کرنا پڑتا تھا۔آدھے دن تک مائیر اور سیر انے یہ فریضہ سر انجام دیا تھا۔آدھے دن بعد نوح پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی۔وہ بھی بخوشی اس ڈیوٹی کیلئے رضامند ہوا تھا۔بظاہر تو چہرے پر کوفت طاری کی تھی مگر اندر سے وہ اشتیاق میں تھا کہ آیا فلک واقعی آئے گی۔

اس کا انتظار انتظار ہی رہا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ وہ نہیں آئی تھی۔ رات کے دس بج کر ایک منٹ ہوا تھا جب نوح کے دماغ میں جھماکا ہوا۔ وہ گھر کو لاک کر کے بے ساختہ باہر نکلا تھا۔ اس کے قدم کہاں تھے۔ وہ جانتا تھا۔

دن طلوع ہو گیا تھا۔ نمی تھی مگر حسیں تھی۔ مہمت نے آخری بار خود کو آئینے میں دیکھا۔ بیٹ مین کا آؤٹ فٹ اس پر کافی جچ رہا تھا۔ اس نے بینڈ کو اٹھا کر کلائی میں پہنا پہننے کے بعد اسے سیٹ کیا۔ پنار میز کو کھانے سے سجا چکے تھے لیکن یہ ناشتہ صرف ایک فرد کیلئے تھا اور وہ تھے خود پنار، ان کا بیٹا تو آج فلک کے ساتھ ناشتہ کرنے والا تھا۔ قہوے کی کیتلی کو میز پر رکھتے ہوئے ان کی نظر اوپر پورشن پر پڑی جہاں موجود کمرے کے اندر ان کی اولاد اپنی محبوب ہستی کی خاطر تیار ہو رہی تھی۔ پنار کے لبوں پر مسکان آ گئی۔ کبھی وہ بھی ایسے ہی تھے جواں دل اور پر جوش۔

"کیا تم کافی پی کر جاؤ گے؟" پنار کی صدا پر اوپر والے حصے کا دروازہ کھل کر بند ہوا، قدموں کی آہٹ سیڑھیوں تک آئی۔ اس کے سائے کے بعد وہ بھی انہیں نظر آ گیا تھا۔ اس کا سایہ بالکل بیٹ مین کی طرح ہی تھا بس بیٹ مین تھوڑا چوڑی جسامت کا تھا اور مہمت درمیانی جسامت کا۔

"ارادہ تو تھا لیکن مجھے لگتا ہے مجھے دیر ہو رہی ہے، ہاں واقعی دیر ہو چکی ہے اب میں چلتا ہوں۔"

کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈال کر وہ عجلت میں مڑا۔ پنار نے اسے نہیں روکا۔ یہ اس کا دن تھا وہ کیوں روکتے اسے بھلا۔ مہمت نے باہر آ کر فلک کا نمبر ملایا جو کہ مصروف جا رہا تھا۔ ہیوی بائیک پر بیٹھنے تک وہ کئی بار کال ملا چکا تھا مگر وہ مسلسل دوسری لائن پر مصرف تھی۔

"کس سے اتنی لمبی بات کر رہی ہو بھئی۔" اس نے میسج ٹائپ کر کے چھوڑا اس کے بعد وہ پھر سے لکھ رہا تھا۔

"میں تمہیں لینے آ رہا ہوں تیار رہنا۔" اس نے فون گلے میں لٹکتے لمبی چوڑی ڈوری والے لمبو ترے بیگ میں ڈالا اس سے پہلے کہ بائیک کو آگے بڑھاتا ایک کیب ان کے دروازے کے پاس آ کر رکی تھی۔ عروبہ کیب سے اتر کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ رہی تھی۔ مہمت نے اسے تب دیکھا تھا جب وہ جالی دار گیٹ کو کراس کر رہی تھی۔ اس کے بدن پر موجود کپڑوں نے، اس کے گیٹ اپ نے مہمت کو بری طرح ٹھٹھکایا تھا۔ اس کے ماتھے پر آپ ہی آپ بل پڑے۔ دل میں اوس بھر گئی۔ سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ آنکھوں میں مرچیں بھر آئیں۔ وہ لڑکی عجلت میں چلتی ہوئی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ مرون لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کے ساتھ وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"دیر تو نہیں ہوئی نا مجھے، ایک تو عجلت میں تم نے کپڑے بھجوائے اس کے بعد شارٹ نوٹس پر یہاں بلوالیا بندہ ایک دن پہلے بتاتا ہے تاکہ تھوڑی تیاری تو کی جائے۔ تمہاری وجہ سے میں نے اپنے دو پلان کینسل کر دیے۔" وہ اپنی ہی جون میں بولے جا رہی تھی۔ اس کی نظروں سے مہمت کا پہلے زرد اور پھر سرخ پڑتا چہرہ بالکل اوجھل رہا تھا کیونکہ وہ اس کی بائیک کے مرر میں اپنی ہیئر ایکسٹینشن کو ٹھیک کرنے میں مگن تھی۔

"شکر وہ لڑکی وقت پر آگئی ورنہ میں کہیں اور جانے والی تھی۔ وہ تو اس نے مجھے کہا تم نے بلایا ہے تو میں چلی آئی اینڈ گیس واٹ یہ کپڑے دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی۔ جب تم خرید رہے تھے اس وقت ہی میں سمجھ گئی تھی کہ یہ میرے لیے ہیں۔" وہ شاک میں تھا۔ وہ بری طرح شاک میں تھا۔ اس دن، اس دن کیلئے اس نے کتنا انتظار کیا تھا۔ بہت عرصے کے بعد وہ اور فلک ایک ساتھ ہوتے، بہت عرصے کے بعد وہ اس کے ساتھ رقص کرتا۔ اس نے تو سب کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ آرہا ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ آرہا ہے جس سے اسے محبت ہے۔ جو اس کی دلہن بنے گی مگر یہ کیا ہو گیا، یہ کس طرح ہو گیا۔

"اور مہمت معلوم ہے۔" اس نے بات کے دوران ہی چہرہ اٹھایا۔ اس کی نظروں میں اس لڑکے کی آنکھیں تھیں۔ وہ استعجاب میں مبتلا ہو گئی۔

"تمہیں کیا ہوا، ٹھیک ہو؟" اس نے گہرا سانس لیا۔ گلے میں پھنستے پھندے کو نگلا۔ دل کی کیفیت دانت پیس کر دور کی۔

"ہاں بس۔" اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔ "بس۔" وہ پھر چپ ہوا، ہتک، توہین، شرمندگی، غصہ کیا کچھ نہیں تھا جو غالب آ گیا تھا۔

"کچھ نہیں، تم آؤ۔۔۔۔ بیٹھو دیر ہو رہی ہے ہمیں۔" اس کی آنکھوں میں آج عجیب سا تاثر تھا نا معلوم سا احساس، وہ صدمے، غصے اور دکھ کی گہری کیفیت میں تھا۔ وہ آج اپنے ساتھ بہت بڑا ظلم کرنے جا رہا تھا بہت بڑا ظلم اور اس کیلئے وہ فلک سفیر کو تاحیات معاف نہیں کرے گا کبھی بھی نہیں۔ اس کی خیالوں میں موجود لڑکی اس وقت انگلیاں چٹخاتی یہاں سے وہاں ٹہلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈاؤن ٹاؤن کے ایک نجی ہسپتال میں تھی۔ اس کے ماتھے پر بل تھے اور گردن کی ہڈی بار بار اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے آئی سی یو کے باہر چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کے دل کی رفتار بڑھی ہوئی تھی اور ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچی تھیں اتنی سختی سے کہ اس کے ناخون اس کی ہتھیلیوں کو زخمی کرنا شروع ہو چکے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ شدید پریشان۔ کون تھا جس کو وہ بتائے، کون تھا جس کو بلائے۔ اس نے بارہا اس دوران متھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار اسٹریچر پر زخمی حالت میں لیٹے لڑکے کے الفاظ اس کے ارد گرد منڈلانے لگتے۔

"ڈیڈ کو نہیں بتانا، وعدہ کرو نہیں بتاؤ گی، وعدہ کرو۔" اس کے خون آلود لب ہل رہے تھے اور فلک کا سہما ہوا سر۔

"یا اللہ میں کیا کروں۔ کی کروں میں؟" ٹہلتے ٹہلتے اس نے اچانک دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔ ٹیس شدید تھی۔ اتنی شدید کہ اس نے خود کو اسٹیل کی ٹھنڈی کرسی پر ٹکا دیا۔

"افف یہ درد، یہ درد پتہ نہیں کب جان چھوڑے گا۔" دل کے مقام کو تھپکتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر آئی سی یو پر نگاہ دوڑائی، گہرے گہرے مگر آہستہ آہستہ انداز میں سانس لینے پر درد میں کمی واقع ہوئی۔

"متھ کو بتایا تو وہ پریشان ہو جائیں گے ان کا بوڑھا دماغ واقعی میں صدمہ سہنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ افف جیک یہ تم نے کیا کر دیا۔" اس کی نظر ایک بار پھر آئی سی یو کی جانب اٹھی۔ بھلے ہی ہسپتال گرم تھا لیکن پھر بھی اس کی ناک کی چونچ ٹھنڈ کے سبب سرخ ہو چکی تھی۔ دور سے دیکھنے پر کوئی بھی سوچ سکتا تھا کہ اس لڑکی نے گالوں اور خصوصاً ناک پر ٹنٹ کا خاص استعمال کیا ہے جبکہ حقیقت میں اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔ دن ڈھل رہا تھا اور ساتھ میں اس کے چہرے پر لگا موئسچرائزر بھی۔ اس نے آس و امید کے ساتھ ڈاکٹر کو آتے دیکھ خود کو کھڑا کیا۔

"جیک، جیک متھ کیسا ہے، کچھ ریکوری ہوئی؟" ڈاکٹر کے مطمئن چہرے و جملوں نے اسے تسلی دی تھی۔ اس نے ہاتھ دل کے مقام پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لیے۔

"بہتر ہو گیا کہ وہ کومے کے خطرے سے بچ گیا اب بس کچھ ہی دیر میں اسے ہوش آجائے گا اس کے بعد پولیس اپنی کاروائی کرے گی، پولیس کی کاروائی کے مکمل ہونے کے بعد ہی آپ اس سے مل سکتی ہیں۔" وہ پھر سے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی اس سے ملنے کی۔ اس کیلئے تو یہ ہی کافی تھا کہ وہ کومے میں جانے سے بچ گیا۔ وہ آج کیلئے خوش تھی۔ مہت کے ساتھ اس کی خوشی کیلئے جانے والی تھی۔ اس کے بعد رات میں جب وہ فارغ ہو جاتی تو بچوں کے ساتھ ٹرک اور ٹریٹ کرتی۔ اس کے پلان میں نوح کا گھر بھی شامل تھا جہاں سے وہ مائیر کی بتائی ہوئی ساری کینڈیز لیتی لیکن اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اتنے دنوں کا انتظار لاحاصل رہا۔ اللہ نے بتا دیا کہ وہی بہترین پلانر ہے۔ اس کے پلان کے آگے سب کے پلان صفر ہیں۔ اس چیز کا ثبوت فلک کی اس جگہ موجودگی تھی۔ شہر سے کئی کلو میٹر دور وہ یہاں ایک ٹھنڈے ہسپتال کی ایک یخ بستہ سی کرسی کے کنارے ٹکی ہوئی تھی۔ سردی سے اس کے کان گال اور ناک سرخ پڑ چکے تھے۔ آج تو اس نے ناشتہ تک نہیں کیا تھا۔ بس نوح کے ساتھ ایک کپ قہوہ ہی پیا تھا۔ اور اب رات ہو چلی تھی۔ صبح اس کے فون پر جیک کے نمبر سے کسی نے اطلاع دی تھی کہ وہ چند جیپسیوں کی نظر ہو چکا ہے۔ وہ اڑتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔ اس کا جسم بری طرح زخمی تھا۔ گھٹنے کے کنارے پر گولی لگی تھی۔

اس کا آپریشن کرنے کیلئے سائن کی ضرورت تھی۔جیک نے فلک کو اپنی بہن بتایا تھا۔اسی نے نیم غنودگی کی حالت میں فلک سے رابطہ کرنے کا کہا تھا۔وہ جب یہاں آئی تھی تب جیک اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔فارم وغیرہ فل کرنے میں ایک منٹ کا وقت درکار تھا۔اس کے فوراً بعد ہی اسے اوٹی میں لے جایا گیا۔تب سے اب تک وہ اکڑی ہوئی کمرے کے ساتھ وہاں بیٹھی تھی۔پولیس آگئی تھی۔ کاروائی بھی کر کے چلی گئی۔اس کے بعد وہ جیک سے ملی تھی۔

"کیسے ہو تم اچھا محسوس کر رہے ہو۔مجھے تو اب بالکل فٹ لگ رہے ہو۔"تھکی ہوئی آنکھوں وبدن کے ساتھ وہ ہلکے پھلکے انداز میں سوال کر رہی تھی۔نالیوں اور پٹیوں میں جکڑے شخص کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔

"کوئی بات نہیں برادر، معمولی زخم ہیں جلد ٹھیک ہو جائیں گے یوں بھی تم تو ہیلر ہو، بہادر ہو۔"کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں، کوئی طعنہ نہیں، کوئی شرمندگی نہیں دلائی گی کہ دیکھا یہاں گندے لوگوں گندی جگہ پر رہ رہے تھے تو کیا بنا تمہارے ساتھ۔اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔اس کی عادت ہی نہیں تھی اس طرح کے الفاظ ادا کرنے کی۔

"دیکھنا چٹکیوں میں ٹھیک ہو گے تم اس کے بعد ہم دونوں یہاں سے چلیں گے، میں آؤں گی تمہیں لینے۔"وہ بولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر آکسیجن ماسک اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا اسی لیے اس نے ماسک کو منہ پر سے ہٹایا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ یہاں کی سروس اچھی ہے۔ تم جاؤ بہت۔"اسے دشواری ہوئی۔"دیر ہو گئی ہے۔ یہ میرا خیال۔"توقف۔"رکھ لیں گے بس ڈیڈ کو نہیں بتانا۔"وہ اسے جانے کا کہہ رہا تھا۔وہ اس کیلئے پریشان ہو رہا تھا۔وہ اس حالت میں اسے جانے کا کیوں کہہ رہا تھا۔اس نے عذر پیش کیا۔

"بالکل نہیں، تمہاری صحت اس چیز کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں یوں بھی رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔اندھیرا بہت ہے۔میں نہیں جاپاؤں گی۔"جیک کو انجیکشن لگانے آیا نرس اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

"میم، اندھیرے سے زیادہ روشنی ہے آپ کہیں آپ کو ہالووین کراؤڈ سے ڈر لگتا ہے۔"فلک نے گردن اٹھا کر اس چھوٹے سے لڑکے کی بات کی نفی کی، بات انا پر آگئی تھی۔

"ہرگز نہیں میں کیوں ڈروں گی بھلا، میں تو اس کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔"اس لڑکے نے ڈرپ میں انجیکشن لگایا، زرد پانی کچھ گہرا زرد ہوا۔

"ان کی فکر نہ کریں یہ اب صبح ہی اٹھیں گے ویسے بھی یہاں کا عملہ اپنے مریض کی خود سے زیادہ حفاظت کرتا ہے۔" اب کوئی دلیل نہیں بچی تھی۔ فکر والی بات تو بالکل ہضم نہ ہوتی اس لیے وہ اپنا پرس شانے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ قدرے چوڑی سیاہ اسٹرپ والا اس کا بیگ بھی مرامر اسا اس کے شانے پر پڑا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں چلتی ہوں۔ صبح آؤں گی تم اپنا خیال رکھنا۔"

اس نے قدم باہر کی اور موڑ لیے۔ شانے پر پڑے بیگ کی اسٹرپ کو تھامے وہ ہسپتال سے باہر آئی۔ برف آج نہیں گر رہی تھی لیکن نمی کان اور بالوں کو گیلا ضرور کر رہی تھی۔ دس منٹ کی واک میں ہی اس کے گرم لانگ کوٹ پر پانی کی پتلی سی تہہ جمتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ناک سرخ ٹماٹر ہو چکی تھی۔ اس میں سے نکلتا دھواں بھی نمی بھرا سا تھا۔ سڑک پر پھیلے نقلی خون، ہڈیوں اور ناخونوں سے وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ ہالووین کراؤڈ یہاں سے گزر چکا ہے۔

روشنیوں سے سجی سڑک پر چلتے ہوئے اس نے قدم سب وے کی جانب موڑ دیے۔ سڑک پر موجود طرح طرح کے لوگ طرح طرح کی اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ میوزک آن تھا، خوفناک میوزک، چیخ و پکار والا، ڈراؤنی آوازوں والا، دھاڑوں والا۔ وہ اپنے آس پاس چلتے لوگوں کو یکسر نظر انداز کر رہی تھی۔ کبھی کوئی اچانک سامنے اپنی بدصورت شکل لے کر آجاتا تو وہ خوف کے مارے جھٹکا کھاتی اور دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر چیخ کا گلا گھونٹ دیتی۔ لوگ اسے بڑی ہی عجیب

نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اتنے پر مسرت دن میں وہ لڑکی کیسے عام سے حلیے میں پھر رہی تھی۔ سب وے سے تھوڑا پہلے چند ہائی اسکول کی لڑکیوں نے اسے نظروں میں لیا۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے گرد دائرے میں گھومنے لگیں۔ ان کے گھومنے کے ساتھ ہی بادل پر زور طریقے سے گرجے تھے۔ چھوٹی چھوٹی مگر موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔

"ہے، کیا تمہارا بریک اپ ہو گیا ہے جو یوں بنا تیار ہوئے آج کے دن پھر رہی ہو۔" ان لڑکیوں کے کپڑے چھوٹے تھے۔ سر پر سرخ دو سینگوں والا ہیئر کیچر تھا جو اندھیرے میں کافی زیادہ چمک رہا تھا۔ اور دو بڑے بڑے باہر نکلے ہوئے دانت، اسمو کی آئیز اور سفید لپ اسٹک، اور ہاں سفید ہی لینز۔

"کوئی بات نہیں ہم اسے تیار کر دیتے ہیں یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔" فلک نے نچلے لب کو سختی سے دانتوں میں جکڑا۔ وہ جانتی تھی اس کی تھوڑی سی بھی مزاحمت اسے مشکل میں ڈال سکتی ہے لیکن پھر بھی اس نے ہمت کی، بہت زیادہ ہمت۔

"دیکھو مجھے جانے دو میں بہت پریشان ہوں۔ میرا بھائی ہسپتال میں ہے مجھے گھر جانا ہے۔" ایک لڑکی نے اپنے پرس سے سرخ لپ اسٹک نکالی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ بوندوں میں آہستہ آہستہ تیزی آنے لگی تھی۔

"کیا تم نے کبھی سنا ہے شیطان نے کسی پر رحم کیا؟" وہ سوال کر رہی تھی ساتھ ساتھ اس کے ماتھے سے لے کر تھوڑی تک اس نے لمبی لائن کھینچ دی۔ اس کا چہرہ سرخ بارڈر کے سبب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

"نہیں نا، تو پھر چپ چاپ کھڑی رہو۔" وہ لڑکی پھنکاری تھی۔ فلک نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر ناکام رہی، اس کے دونوں ہاتھوں کو باقی دو لڑکیاں پکڑ چکی تھیں۔

"تم لوگ کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ؟" اس کے سوال پر وہ ساری ایک دوسرے کے ساتھ نظروں کا تبادلہ کرنا شروع ہوئیں۔ موسلا دھار بارش شروع ہونے سے پہلے انہیں اس لڑکی کا انتظام کرنا تھا۔

"زیادہ کچھ نہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "بس تم ہمارے ساتھ وہاں تک چلو۔" ایک لڑکی نے قدرے سنسان گوشے کی جانب اشارہ کیا۔ "ہم وہاں تم پر خون ڈالیں گے تاکہ تم پر شیطانی روحیں قربان ہو جائیں۔" گندی ہنسی ہنستے ہوئے وہ اسے بوکھلا گئی۔

"ہرگز نہیں میں ایسا بالکل نہیں کروں گی، چھوڑو مجھے میں نے کہا چھوڑو مجھے۔" اس نے اپنا ہاتھ ان سے چھڑوایا بیگ اتار کر ایک لڑکی کے منہ پر مارا اور پھر سرپٹ دوڑنے لگی۔ اس دوران وہ دو بار نیچے گری تھی۔ وہ سات آٹھ لڑکیاں بپھرتے ہوئے اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ ان کی رفتار فلک سے

زیادہ تھی مگر پھر بھی فلک نے اپنی جان لگادی۔ بارش پر زور طریقے سے برسنا شروع ہو گئی۔ فلک سر تا پا بھیگ چکی تھی۔ گرنے کے سبب اس کے کپڑے اور ہاتھ اچھے خاصے گندے ہو گئے تھے۔ وہ لوگوں کو دھکیلتے ہوئے بھاگے جا رہی تھی قبل اس کے کہ وہ سب وے کی سیڑھیاں اترتی کسی نے اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھینچا تھا۔ فلک کی چیخ بے ساختہ تھی۔

امین بھائی پلنگ پر گم صم سے بیٹھے تھے۔ ان کے برابر ان کی بیگم صفیہ موجود تھیں جو بڑے غور و خوض سے مجازی خدا کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ کو ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ انہوں نے اس ماہ کا دکان کا حساب کتاب شوہر نامدار سے مانگا تھا جو اس سوال پر ایسے چپکے بیٹھے کہ مانو کبھی بول ہی نہ پائیں گے۔ تازہ ریسلے مالٹے کے درخت کے نیچے بچھا یہ پلنگ ان دونوں میاں بیوی کی پسندیدہ جگہ تھی جہاں وہ بیٹھ کر راز و نیاز کیا کرتے تھے۔ مگر آج معاملہ کچھ الٹ تھا۔ آج امین کی چپی تھی اور صفیہ بیگم کی کھوجتی آنکھیں۔

"کیا ہو گیا میاں جی، میں نے تو اتنا آسان سا سوال پوچھا ہے کہ اس ماہ کتنی بچت ہوئی آپ تو ایسے چپ ہو گئے جیسے قومی خزانے کا پوچھ لیا ہو۔" ان کے تجسس بھرے شکوے میں شک کا عنصر بھی غالب تھا۔ امین نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"ہوں، نہیں نہیں بیگم ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل اویس کچھ زیادہ لوگوں کا مقروض ہو گیا تھا اس لیے اس ماہ پرافٹ اس نے رکھا ہے۔" انہوں نے کورا جھوٹ بولا۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی جھوٹ بولتے رہتے تھے۔ اصل میں تو ساری رقم وہ خود کیلئے مختص کیے بیٹھے تھے۔ ان کا ایک الگ خفیہ بینک اکاؤنٹ تھا۔ جس میں انہوں نے صرف اپنے لیے پیسے جمع کر رکھے تھے تاکہ ان کی فضول خرچ بیوی جب انہیں بالکل کنگلا کر دے تب ان کے پاس اتنی رقم ضرور موجود ہو کہ وہ دو وقت کی روٹی کھا سکیں۔ آخر کب تک فلک بھی انہیں دیتی رہے گی۔ اپنی سستی دور اندیشی کی خاطر وہ اپنے بھائی پر بہتان لگا دیا کرتے تھے۔

"اس ماہ بھی مقروض ہو گئے، ہائے ہائے بہت ہی ہاتھ کی کھلی ہے اویس بھائی کی بیگم مگر میاں جی یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی کہ آپ آئے مہینے ان کے ہاتھ پر پرافٹ کے پیسے رکھ دیں۔ میں بتا رہی ہوں یہ بس آخری بار ہے اگلے ماہ سے میری ہتھیلی پر رکھنے ہیں آپ نے پیسے، میں بیا لگواؤں گی اور اپنا سوانا بنواؤں گی۔" امین کا حلق کڑوا ہوا۔ پچھلے پندرہ سالوں سے جب سے ان کی شادی ہوئی تھی تب سے ہی ان کی بیگم بیا لگوا رہی تھیں۔ اب تک تو وہ نہیں لگا تھا۔ کیوں بھلا کیونکہ ان کی خریداری کبھی ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ گھر فالتو کی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان کی الماری میں سستے سستے بے تحاشہ کپڑے اور جوتے موجود تھے۔ میک اپ کا تو کوئی نام ہی نہ لو اور جیولری لاحول ولا قوۃ۔

"فکر نہیں کرو ایسا ہی کروں گا وہ تو بیچارہ اس بار زیادہ مجبور تھا اس لیے مدد کر دی اور تم دیکھو بھی تو سہی، کتنی ڈیوٹی دیتا ہے وہ، ہمارے بچوں کو اسکول سے لانے لے جانے کی ذمہ داری اس کی، گھر کا سودا سلف لے کر آتا ہے اور دکان کو بھی مکمل وقت دیتا ہے۔ اس لیے اس کے منہ کو چپ ہونا پڑتا ہے۔" صفیہ نے آڑھے ترچھے منہ بنائے۔

"جو بھی ہو، میں نہیں چاہتی کہ ہر ماہ پیسے اویس بھائی کی بیگم کے اللے تللے میں ضائع ہوں۔ بس میں نے کہہ دیا، انہیں کہیں اگر یونہی چلتا رہا تو اپنا انتظام کہیں اور کر لیں۔" وہ پوری طرح سے کورا کاغذ ہو رہی تھیں۔ امین بوکھلا گیا۔

"ارے بیگم، ایسے کیسے، وہ بیچارہ تو دن رات ہماری چاکری میں لگا رہتا ہے۔ کس طرح بے دید ہو جائیں بتائیں۔" صفیہ پر ایک بوند اثر نہیں پڑا۔ انہوں نے ہوا میں اڑتے مالٹے کے پتوں کو صحن میں بکھرتے دیکھا اور دل کڑھا کر بولیں۔

"بے دید ہونا پڑتا ہے۔ اتنی مہنگائی ہے کب تک رو رو کر گزاریں کریں گے اوپر سے ساس جی کو دیکھو فلک کو منہ بھر کر کہہ دیا کہ کاروبار اور گھر گاڑی کا انتظام کرے۔ مجھے تو خطرہ لاحق ہو گیا کہیں ہمیں ہی پیسے دینا بند نہ کر دے۔" ان کے خدشے بجا تھے۔ یہ خدشات تو کچھ روز سے امین کو بھی لاحق تھے۔ ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا ہو گیا تو بڑی مشکل ہو جانی ہے۔"صفیہ کھسک کر شوہر کے قریب آئی۔

'اے جی، میں کیا سوچ رہی ہوں کہ یہ لڑکے والے اچھے خاصے لالچی محسوس ہو رہے ہیں۔ شروعات میں اتنی ڈیمانڈز ہیں تو آگے کیا کریں گے۔ میں تو کہتی ہوں کہ اس بات کو یہیں دبا دیتے ہیں۔ مینہ کونسا بوڑھی ہو گئی ہے۔ کوئی اور رشتہ آ جائے گا۔"امین اس کی بات پر جھٹ سے چوکنا ہوئے۔

"نہیں بیگم، کتنی مشکل سے تو بات پکی ہوئی ہے۔ لالچی ہی سہی مگر دب کر رہیں گے ہم سے، مینہ کو اس سے بہتر گھرانہ نہیں ملے گا۔ ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتے۔"وہ جھٹکے سے اٹھ کر گئے تھے۔ قبل اس کے کہ ان کی بیگم مزید کوئی جال بنتی وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ لیے۔ صفیہ بیگم نے مٹھی چارپائی پر ماری۔ وہ جس کے رشتے کے خلاف تھی وہ لڑکی اس وقت چھت پر کپڑے سکھانے میں مگن تھی۔ نگہت وہیں پر کونے میں بیٹھی مالٹے پھانک رہی تھی۔ وہ جانچتی ہوئی نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھے جا رہی تھی۔ دراز بال، سانولی رنگت، معذور ہاتھ جو بامشکل کپڑوں کو جھٹک کر لیلون کی تار پر ڈال رہے تھے۔ انہوں نے وہیں سے ہانک لگائی۔

"مینہ، میں سوچتی ہوں کہ تمہیں پارلر لے جاؤں۔ بالوں کی کوئی اچھی سی کٹنگ کروالو تم، مینی پیڈی اور فیشل بھی کروالینا۔" مینہ نے سیاہ دوپٹہ جھٹک کر تار پر ڈالا۔ ڈھیر ساری بوندیں اطراف میں اڑ کر گری تھی۔ آپا کی بات سن کر وہ تعجب سے مڑی۔

"اور اس سب کی وجہ؟" لاتعلقی حد درجہ تھی۔ نگہت نے تھوڑی پر انگلی رکھی۔

"ہا، ہائے چار دن بعد منگنی ہے اور اب بھی پوچھتی ہو وجہ، ارے لڑکیاں تو مہینہ پہلے ہی سے سیلون کے چکر لگانا شروع کر دیتی ہیں۔" بالٹی خالی ہو رہی تھی۔ مینہ نے آخری کپڑے کو تار پر پھیلایا پھر جھک کر بالٹی میں موجود کپڑوں کا نچڑا پانی کونے میں پھینک دیا۔ ایسا کرنے کے دوران وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ لڑکیاں ہوتی ہیں آپا، ان کا خوش ہونا جائز ہوتا ہے۔" آواز میں بھی مردنی تھی۔ نگہت کی ناک پر ناراضی کا رنگ آن چڑھا۔

"ہاں تو تم کون سا مرد ہو، لڑکی ہو ماشاءاللہ سے۔" تضحیک کے سائے مینہ کے چہرے پر پر مارنے لگے تھے۔ اس نے سر جھٹک دیا۔

"آپا، مجھ میں ایسا کیا ہے جس کو سوچ کر میں خود کو لڑکی گردانوں، معذور ہوں۔ بدصورت ہوں اور شاید بدقسمت بھی۔" نگہت نے منہ کے سامنے ہاتھ کو جھلایا۔ وہ ہر وقت کی مایوسی سے تنگ آگئی تھی۔ اس لیے مالٹے کے چھلکوں سے پر پلیٹ اٹھا کر کھڑی ہوئی۔

"مینہ، سچی بات ہے میں تمہاری ہر وقت کی یہ فضول کی خود احتسابی سے تنگ آگئی ہوں۔ بجائے اس کے کہ تم اللہ کی دی ہوئی باقی پوری نعمتوں کا شکر ادا کرو ہر وقت اپنی کم مائیگی پر روتی رہتی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی ویسے۔ شام کو تم تیار رہنا پارلر لے کر جانا ہے۔" وہ اپنا بھاری بھر کم وجود اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ مینہ کے دل میں اوس بھرتی جا رہی تھی۔ مستقبل کی ہولناکیاں اس کے سامنے منہ کھولے کھڑی تھیں جو اسے نگل لیتی یا پھر چبا لیتی۔ جو بھی تھا خسارہ تو اس کے حصے میں آنا تھا۔ مزید آزمائش تو اسی نے جھیلنی تھی۔ دھوپ آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ اس دھوپ نے پورا دن چمکتے رہنا تھا۔

اس کی چیخ کا گلا مضبوط ہاتھ کی گرفت نے دبایا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے سر اٹھائے اس انسان کو دیکھ رہی تھی جس کے ہاتھ میں اس کے کوٹ کا کالر تھا اور دوسرا ہاتھ جیکٹ میں چھپا اس کے منہ پر جما تھا۔ اس کی جیکٹ میں سے چمڑے کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ نوح تھا۔ ماتھے پر بل لیے ان لڑکیوں کو

سب وے کی سیڑھیاں اترتے دیکھ چکا تھا۔ واثق امید تھی وہ ٹرین میں اس کے تعقب میں چڑھ گئی ہوں گی۔ ان کے جانے کے بعد نوح نے گردن موڑ کر متحیر انداز میں خود کو دیکھتی لڑکی کو دیکھا۔ پھر اپنی کیمل رنگ کی جیکٹ میں چھپا ہاتھ آہستہ سے اس کے منہ سے ہٹالیا۔ مٹھی میں جکڑا بوسیدہ پرانا بھورا کوٹ بھی چھوڑ دیا۔ فلک یکدم دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ منہ پر دونوں ہاتھ جما کر اس نے رخ موڑا۔

"کیا وہ چلی گئیں؟" سب وے کی سیڑھیوں کے پاس بنے اس گوشے میں سے اس نے گردن باہر نکال کر جھانکا ساتھ ہی زور زور سے اپنا منہ بھی رگڑا۔ سرخ لپ اسٹک کہیں سے ہٹ گئی اور کہیں سے اور زیادہ پھیل گئی۔ نوح نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اور چلتا ہوا اس تک آیا پھر اسے کراس کر کے آگے نکل گیا۔

"وہ چلی گئی ہوں گی فکر نہیں کرو۔" اپنے مہنگے بوٹ تارکول کی زمین پر جماتا وہ وثوق سے کہہ رہا تھا۔ "اور اگر نہیں بھی گئیں تو کوئی بڑی بات نہیں وہ ہمیں چیز نہیں کر سکیں گی۔" وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ مگر اچانک تھما۔ تھوڑا سا رخ موڑا تو اسے وہیں کھڑے پایا۔ اس کا چہرہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ نوح نے ابرو اچکائے۔ برستے بادل اسے بھگونا شروع ہو چکے تھے۔

"تم نے چلنا ہے؟"سوال کرنے کے فوراًبعد اس نے بارش برساتے آسمان پر نگاہ دوڑائی جس کے نیچے کھڑا وہ سردی میں بھیگ رہا تھا۔

"ہاں پر جانا تو وہیں سے ہے نا۔"اس نے اپنی دراز انگلی کا اشارہ سب وے کی نیچے اترتی سیڑھیوں کی جانب کیا۔نوح نے اپنا نچلہ لب دانتوں میں پکڑ کر چھوڑا پھر شانے اچکاتا ہے اپنی کار کی جانب بڑھ گیا جو کچھ دور ہی پارک تھی۔

"کتنا بے مروت انسان ہے۔ایک بار بھی ساتھ چلنے کی آفر نہیں کی۔"وہ اسے یہاں سے کار میں بیٹھتا دیکھ سکتی تھی۔اس کی کار وہاں سے ریورس ہو کر مڑ گئی۔اس کار کے جاتے ہی اسے ایک بار پھر سے خوف ستانے لگا تھا۔اس نے پورا گھوم کر اس جگہ کا جائزہ لیا۔وہ سیف اور محفوظ تھی۔سب وے کی سیڑھیوں سے زرا پہلے دائیں جانب ٹنیل ٹائپ جگہ تھی یہ،دن میں اکثر اوباش لڑکے یہاں کھڑے ہو کر لڑکیوں کو چھیڑا کرتے تھے۔جبکہ رات میں وہ جگہ ویران رہتی تھی کیونکہ وہاں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔وہ اس گوشہ تنہائی میں کھڑی انگلیاں چٹخاتے ہوئے خود میں جانے کی ہمت پیدا کر رہی تھی۔اور انتظار کر رہی تھی کہ اسے مکمل طور پر اس بات کی تسلی ہو جائے کہ وہ لڑکیاں اب نہیں آئیں گی۔وہ چلی گئی ہیں۔اس نے پلان بنایا تھا کہ اب سے ٹھیک دس منٹ بعد ہی وہ سب وے کی جانب جائے گی تاکہ بحفاظت یہاں سے بچ کر جا سکے۔مگر اس کا پلان،پلان ہی رہا سفید کار کے ٹائر شیڈز سے تھوڑا دور آکر چرچرائے تھے۔

"آجاؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں یوں بھی ہماری منزل ایک ہے۔"شیشہ سرکائے، جھک کر کار کا فرنٹ ڈور کھولے وہ اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کا تمام عمر منتظر رہ سکتا تھا۔ وہ اسے یہاں یوں تنہا چھوڑ کر چلا جائے یہ ممکن تھا کیا بھلا؟

"آپ کو مسئلہ تو نہیں ہو گا؟"نوح نے صبر کیا کہ صبر ہی بہترین حکمت عملی ہوا کرتا ہے۔

"مسئلہ ہوتا تو آفر نہ کرتا، جلدی آؤ اب۔"بارش کچھ زیادہ تیز ہو چکی تھی۔ فلک نے گیلا کوٹ پیچھے کے کالر سے پکڑ کر سر پر کیا پھر بھاگتی ہوئی آئی اور کار کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ شرمندہ تھی۔ اس کے کپڑے گیلے اور میلے تھے۔ گیلے تو اس کے برابر بیٹھے شخص کے کپڑے بھی تھے جو ابرو اچکاتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ فلک ٹائروں کے جامد رہنے پر اچنبھے میں مبتلا ہوئی۔ اسی اچنبھے پن سے اسے دیکھا جو ابرو کے اشارے سے سیٹ بیلٹ باندھنے کا فرمان صادر کر رہا تھا۔ کھسیانے پن سے فلک نے سیٹ بیلٹ باندھ لیا۔

"بارش کچھ زیادہ تیز ہو رہی ہے اور یہ اچھی بات بھی ہے۔ اس طرح شاید واردات تھوڑی کم ہوں۔"وہ خاموش رہنے والوں میں سے نہیں تھی۔ خاموشیاں اس کیلئے نہیں بنی تھیں۔ اس لیے سردی سے ہاتھ رگڑتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ نوح نے ہاتھ بڑھا کر ہیٹر کی گرمائش مزید بڑھا دی۔ ونڈ اسکرین پر موجود وائپر مسلسل پانی کو دھکیلنے میں مگن تھے۔

"جنہوں نے واردات کرنی ہوتی ہے وہ موسم کو نہیں دیکھا کرتے۔"اس کی طرف دیکھ کر وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔"ویسے تم نے اپنی ڈیوٹی کیسے چھوڑ دی جبکہ آج تو تمہیں بونس ملتا۔" یہ طنز ہر گز نہیں تھا لیکن فلک کو لگا۔

"مجھے ضروری کام تھا۔اور میں اتنی بھی زیادہ پیسوں کے پیچھے پاگل نہیں ہوں کہ اپنی ضروری کام کو ہی نظر انداز کر دوں۔"نوح نے ابرو اچکا کر پھر سے اسے دیکھا۔

"اچھا کیا واقعی، لیکن اس دن تو تم بہت پریشان ہو گئی تھی پیسوں کے کھو جانے پر۔"فلک کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ایک تو وہ پریشان تھی۔اوپر سے اس کا موڈ ان لڑکیوں نے آف کر دیا تھا اور اب اس شخص کے طنزیہ جملے۔اس نے ہاتھ کی نامحسوس انداز میں مٹھی بنائی۔یہ میوٹ بٹن خاموش رہے تو ہی اچھا ہے۔

"نوح جبران، آپ کار اگلے اسٹیشن پر روک دیں۔میں سب وے سے چلی جاؤں گی۔"تلخ مسکان اس لڑکی کے لبوں پر جمی ہوئی تھی۔دانت پسے ہوئے تھے۔نوح نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔ معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا اس لیے مصلحت کا دامن تھاما۔

"اچھا ٹھیک ہے بی کول، یہ لو منہ صاف کر لو اپنا کافی مضحکہ خیز لگ رہی ہو۔"ہلکے مزاح اس نے گیلے ٹشو کا ڈبا اس کی گود میں رکھا۔فلک نے ٹشو نکال کر منہ رگڑنا شروع کیا تھا۔

"آرام سے زخمی نہ کر لینا خود کو۔" وہ اس کی عجلت دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ فلک نے ان سنی کی۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ کار میں گرمی تھی پھر بھی اس کو سردی لگ رہی تھی۔ نوح کار کو ہلکی اسپیڈ میں آگے بڑھاتا اطراف میں نگاہ گھمائے جا رہا تھا۔ ایک شاپ پر نظر پڑتے ہی اس نے کار اس کے پارکنگ ایریا میں روکی۔

"آجاؤ چینج کر لیتے ہیں۔" اپنا سیٹ بیلٹ کھولنے کے بعد اس نے گردن فلک کی جانب موڑی۔

"میں، پر میں کیوں، تم کر آؤ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے سہولت سے انکار کیا تھا۔ بھلا اتنی مہنگی شاپ میں اس کا کیا کام، نوح چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اندر بڑھ گیا۔ اسے وہاں پندرہ منٹ لگے تھے۔ فلک کی پلکیں انتظار میں بوجھل ہونے لگیں۔ اس کا دل کیا وہ سو جائے۔ وہ سونے ہی والی تھی جب وہ شاپ کا ڈور دھکیلتا ہوا نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے بدلے ہوئے تھے اور اس کے ہاتھ میں مزید دو بیگز تھے۔ اس نے ایک بیگ بیک سیٹ پر پھینکا اور دوسرا اندر بیٹھ کر اس کی گود میں رکھ دیا۔

"اب جا کر تم چینج کر آؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔" واہ کیا شان بے نیازی تھی۔ اس نے رائیل بلیو رنگ کی سویٹ پینٹ اور ہڈ پہنا ہوا تھا۔ جو اس پر کافی جچ رہا تھا۔ فلک نے بیگ میں سے جھانکتے کپڑوں پر نظر ڈالی جو دکھنے میں ہی اچھے خاصے مہنگے لگ رہے تھے۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔

"لیکن میں نے ان کی پیسے نہیں بھرے، میں یہ کیسے لے سکتی ہوں۔"نوح نے گہرا سانس بھر کر آنکھوں کو گول گھمایا۔

"وائے ایم ناٹ سرپرائزڈ۔"اس کی بڑبڑاہٹ کافی اونچی تھی۔اتنی اونچی کہ فلک نے ایک بار پھر سے بیگ کے اندر جھانکا۔چاکلیٹ براؤن رنگ کا وول کپڑا اس کی آنکھوں میں آن سمایا تھا۔اس نے انگلی کے پوروں سے اس کپڑے کو ہولے سے مسلا ہاں وہ واقعی مہنگا تھا۔

"اب یہ کیا بات ہوئی، ایسے تھوڑی نا میں کسی سے بھی کوئی چیز لے سکتی ہوں۔مانا ہم نے دوستی کی ہے لیکن اصول اپنی جگہ، میں کسی سے بھی کچھ نہیں لیتی اتنی مہنگی چیز تو بالکل بھی نہیں۔"وہ نان اسٹاپ بولتی تھی اور بولتی چلی جاتی تھی۔اس کی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات بھرپور اس کا ساتھ دیتے تھے۔نوح نے کچھ پل کی خاموشی اختیار کی اس کے بعد سہولت سے جواب دیا۔

"کسی سے نہیں لیتی پر مجھ سے لے لو، میں کسی میں تو شمار نہیں ہوتا، کیا ہوتا ہوں؟"شانوں کو ہولے سے اچکا کر وہ ٹھہر ٹھہر کر پوچھ رہا تھا۔فلک بری پھنسی تھی۔وہ شخص کیا تھا۔بولتا تھا یا پھر نہیں بولتا تھا۔کبھی بہت فرینک تو کبھی کھٹا لیموں، ابھی کچھ دیر پہلے کی ہی تو بات ہے جب وہ اسے پراسرار اور خاموش لگ رہا تھا۔اور اب اس طرح کی ذو معنی باتیں، وہ شہادت کی انگلی سے کان کی پشت کھجاتے ہوئے بولی۔

"دیکھو تم جیسا سوچ رہے ہو ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں۔" اس سے بات نہیں بنی اس لیے چپ ہو گئی۔ نوح کی تیر کمان اپنے نشانے پر تھی۔

"میں کوئی الٹا سیدھا نہیں سوچ رہا مادام، خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ یوں بھی تم میرے ٹائپ کی نہیں ہو۔ مجھے صرف اپنی کار کی فکر ہے۔ صبح ہی تو سروس کروائی تھی۔ تمہارے گیلے کپڑوں سے کہیں بدبو نہ پڑ جائے۔" مائیر سوبٹا سو بالکل درست تھا کہ یہ شخص بولے نہ تب ہی اچھا ہے۔ فلک کے دل میں ہتک نے ڈیرہ جمایا۔ وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکلی اور زور سے اسے بند کر کے شاپ کے اندر غائب ہو گئی۔

"نخرے تو دیکھو اس کے۔" وہ بڑبڑ کرتا ہوا اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں اسٹیرنگ پر بج رہی تھیں۔ لبوں پر مسکان تھی اور سیٹی کی کوئی نئی دھن۔

"ہونہہ، آیا بڑا کار کی فکر ہے جیتے جاگتے انسان کی نہیں، ڈرنہ ہوتا تو یہیں سے سب وے کیلئے مڑ جاتی۔" وہ آئینے میں اپنے مخدوش عکس سے مخاطب تھی۔ اس نے کوٹ کو سکھانے کی سعی کی مگر اس میں کافی وقت لگ رہا تھا۔ وہ واش روم سے باہر آئی۔ سیلز گرل کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک گئیں۔

نوح نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "افف، کتنا ٹائم لگاتی ہیں لڑکیاں۔"

فلک کو پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اندر گئے ہوئے۔ قبل اس کے وہ دروازہ کھول کر باہر آتا وہ اسے اندر سے آتے ہوئے دیکھائی دی لیکن یہ کیا اس کے بدن پر وہ کپڑے نہیں تھے جو اس نے اس کیلئے خریدے تھے بلکہ وہ یونیفارم تھی جو وہ پہن آئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" ناراض سا سوال۔

"کیا؟" انجان سا استفسار۔

"تم نے یہ کس طرح سے لی، یہ تو یہاں کی یونیفارم ہے۔" اس نے مرون رنگ کی پنڈلیوں تک آتی تنگ اسکرٹ اور اس پر چنٹ دار ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ ٹاپ میں کافی لہریں تھیں۔ اسکرٹ کی فٹنگ کو اس نے شرگ میں چھپا لیا تھا جو وہ وہیں سے لائی تھی۔

"میں نے ادھار کیا ہے۔ کل لوٹا دوں گی، یہاں کی سیلز گرل میری جاننے والی ہے۔" نوح کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ وہ اسی ناپسندیدگی کے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

"میرے خریدے ہوئے کپڑے بھی برے نہیں تھے۔" فلک نے اس کی بات کی تائید کی۔ بارش کی بوندیں کار کی چھت پر گر کر ساز سا بجا رہی تھیں۔

"بالکل میں نے کب کہا کہ وہ برے ہیں۔ وہ یقیناً بہت اچھے ہیں لیکن بہت مہنگے ہیں۔" ایک تمسخر آلود تبسم اس لڑکے کے لبوں پر ابھرا۔ اس کے دل میں یک لخت اوس بھری تھی۔ اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"تو کیا مہنگی چیزیں رد کر دی جاتی ہیں؟" اس کی آواز میں خفگی کا عنصر غالب تھا۔

"باقی لوگ نہ کرتے ہوں لیکن میں کر دیتی ہوں۔ اس سے بگڑنے کے چانسز کم ہوتے ہیں۔ پر سکون زندگی گزارنے کا یہ بھی ایک اصول ہے۔" شہادت کی انگلی ہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ اس نے کہا تھا۔ کہنے کے بعد وہ سیٹ پر تھوڑا نیچے ہو کر بیٹھی اور ساتھ ہی آنکھیں موند لیں۔

"بہت برا اصول ہے۔" نوح کا موڈ تاہنوز آف تھا۔

"اس سے تمہیں یاد رہے گا آئندہ تم مجھے کچھ نہیں دو گے۔ میرے لیے کچھ بھی نہیں لاؤ گے۔" برا موڈ اور بگڑ گیا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے سوال داغ رہا تھا۔ لہجہ ابھی بھی خفا خفا سا تھا۔

"اس بارے میں پھر کبھی تفصیل سے بات کریں گے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا بھاری پن در آیا تھا۔ نیند اس پر ڈیرہ جما رہی ہے۔ یہ صاف دکھتا تھا۔ نوح نے کار کو پھر سے روڈ پر ڈالا۔ سفر تھوڑا لمبا تھا

اس لیے فلک نے خود کو نیند کی وادی کے سپرد کر دیا۔ نوح نے اس کی سیٹ کو نامحسوس انداز میں نیچے کی جانب کیا پھر اس پر اپنا کوٹ پھیلا دیا۔ بیس منٹ کے خاموش سفر کے بعد وہ کار کو خوشی سے بہت فاصلے پر روک رہا تھا۔ اس سارے عرصے میں وقفے وقفے سے اس کی نظر بھٹک کر اس کے چہرے پر پڑ جاتی تھی۔ آخری اور بھرپور نظر اس پر ڈالنے کے بعد اس نے گاڑی روکی۔ وہ کتنے سکون سے سو رہی تھی۔ نوح کا بالکل دل نہیں کیا اسے جگانے کو۔ اس نے اپنی سیٹ بھی اس کی سیٹ کے برابر کی پھر گردن موڑے اسے دیکھتا رہا۔ روشنیوں سے بھری رات میں وہ س پر نظر جمائے نیم دراز تھا۔ اس کا دل کیا وہ بھی آنکھیں موند لے۔ دنیا سے اسی کی طرح انجان ہو جائے۔ وہ بھی سکون سے سو جائے۔ لیکن اس نے اپنی خواہش کو پورا نہیں کیا۔ آدھے گھنٹے بعد سیٹ کو واپس پوزیشن میں لا رہا تھا۔

"فلک۔" اس نے سرگوشی کی یا دل نے وہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن ایک بات بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ماتھے پر گرے اس کے بالوں کو پیچھے کرے۔ وہ بہک رہا تھا۔ وہ بہک سکتا تھا۔ اس نے خود کو روک لیا۔ ضبط کیا اور جلدی سے لاحول ولا قوۃ پڑھی۔

"فلک، اٹھ جاؤ ہم پہنچ گئے ہیں۔" جواب ندارد۔ نوح نے دونوں ابرو اچکا کر ہونٹوں کو اندر کی جانب فولڈ کیا۔ درختوں پر لگی جھمگ مگ لائیٹس کی روشنی ونڈ سکرین سے کراس ہو کر سوئی ہوئی

لڑکی پر پڑ رہی تھی۔ کتنا سکون تھا نا اس کے چہرے پر، کتنا نور تھا وہاں، نوح نے اس کا شانہ ہلانے کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر پھر مٹھی بھینچ کر اسے واپس کھینچ لیا۔

"میں نے کہا ہم پہنچ گئے ہیں اٹھو۔" وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ناچار اس نے ریڈیو آن کر کے والیوم فل کر دیا۔ بھانک آوازوں پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا۔" اس نے پلکیں پٹپٹا کر دائیں بائیں دیکھا۔ ریٹینا پر منظر ابھرے اور دماغ نے کام کرنا شروع کیا تبھی وہ جھٹ سے سیٹ کی پشت چھوڑ گئی۔

"ہم پہنچ گئے۔" نوح نے اس کے بیدار ہوتے ہی ریڈو آف کر کے اطلاع دی۔ وہ اپنی پرانی سی ریسٹ واچ میں وقت دیکھ رہی تھی۔ وقت پر نظر پڑتے ہی اس میں پھرتی بھری۔ نوح کا کوٹ اس لڑکی پر سے سرک کر گاڑی میں ہی کہیں گر گیا۔

"اوہو میں تو بہت لیٹ ہو گئی، اب چلتی ہوں۔ لفٹ کیلئے بہت شکریہ۔" جلد بازی میں وہ سیٹ بیلٹ کھولے بنا ہی نکل رہی تھی کہ جھٹکا لگا پھر اس نے کھسیا کر بیلٹ کھولا اور اس کو پیچھے گراتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نوح بھی باہر آیا۔

"بات سنو۔" وہ جاتے جاتے یکدم رکی، مڑی۔

"یہ۔۔"اس نے ایک پلاسٹک بیگ بونٹ پر رکھا۔"مائیر نے لیا تھا تمہارے لیے،ہالووین شاید تم سیلیبریٹ کرتی ہو۔"اس نے سفید بونٹ پر پڑے کینڈیز سے بھرے بیگ کو دیکھا پھر لبوں پر مسکان درے اسے اٹھالیا۔

"اسے میری طرف سے تھینکس بولنا۔"وہ انہیں اٹھا کر وہاں سے بھاگتی ہوئی جارہی تھی۔شاید اس کی کسی ڈیوٹی کا وقت ہو گیا تھا۔نوح نے اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھا۔گاڑی کے اندر بیگ میں سے جھانکتے کپڑے ریجیکشن کے دکھ سے نڈھال تھے۔وہ جانتے تھے انہوں نے بھی نوح کی وارڈروب کے اس خانے میں جانا ہے جو فلک کیلئے مختص تھا۔

"آپ یقین کریں چاچو جو اس پانڈا کی درگت بنی کی اعلی الاامان،یہ دوسروں کو ڈرانے کے پلان بنا رہا تھا مگر خود ایسا ڈرا کہ بس۔"وہ گھر پہنچا تو سیر اہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے غفران کو آج کی روداد سنا رہی تھی۔نوح نے دروازے کو احتیاط سے بند کیا۔اس کی سماعت سے مائیر کے الفاظ ٹکرائے تھے۔

"اڑالو اڑالو جتنا چاہے مزاق اڑالو لیکن ایک بات یاد رکھنا کل کی پارٹی میں،میں نے کسی کو نہیں بخشنا ہے۔یہاں تک کہ تمہیں بھی نہیں۔"وہ ناراض ناراض سا تھا۔خفت کی سرخی اس کے پورے

چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔نوح گیلیری کو عبور کر کے لاؤنج میں آیا۔صوفے گھر کے افراد سے سجے ہوئے تھے۔سب کے ہاتھوں میں اپنا اپنا کافی کا مگ تھا جس میں سے بھاپ اڑتی دکھائی پڑ رہی تھی۔

"خبر دار تم نے میری بیٹی کو ستانے کی کوشش کی تو، مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"پانڈا اوہ سوری یعنی مائیر کے احتجاج سے پہلے ہی اس کا سلام لاؤنج میں گونج اٹھا تھا جس کا سب نے مشترکہ جواب دیا لیکن یہ کیا یہ پانڈا اسے کیوں سر تا پا جانچ رہا ہے۔اس کی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے وہ چاچو کے پاس جا کر بیٹھا جنہوں نے اسے کافی آفر کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا۔

"بچہ بڑا نکھرا نکھرا آیا ہے۔"مائیر کے جملے پر سب نے سنجیدگی کے پیکر کی جانب نظریں گھمائیں۔نوح غفران کے گھٹنے کے ساتھ گھٹنہ جوڑ کر بیٹھا تھا۔مائیر کے حملے پر اس نے ابرو اچکائی۔

"مطلب؟"سنجیدہ سا لاتعلق سا سوال۔

"یعنی، جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہاری کلازٹ میں صبح تک یہ سوٹ نہیں تھا اور تم نے یہ پہنا ہوا بھی نہیں تھا۔ان شارٹ تم نے باہر کپڑے بدلے ہیں۔تم نے باہر کپڑے کیوں بدلے؟"وہ شکی عورتوں کی طرح سوال پر سوال کر رہا تھا۔سیرا نے اس کے گھٹنے پر تھپڑ رسید کیا۔

"موٹے، تمہیں میرے بھائی کے کپڑے آتے ہیں جو ہر وقت ان پر نظر رکھتے ہو۔"نوح نے ابرو کھجا کر اس کی بات کو نظر انداز کیا مگر مائیر کی سوئی اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلی تھی۔اس نے پھر سے سب کی توجہ اس جانب مبذول کروالی۔

"تم نے کپڑے کیوں بدلے جبکہ یہاں تو بارش بھی نہیں ہوئی۔"نوح نے بوکھلاتے ہوئے اسے دیکھا۔اس کے دل کی رفتار آپ ہی آپ بڑھ گئی۔جانے کیوں وہ تاثرات کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا مائیر گزشتہ روز ہوئے سوال کے بعد اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔اس کا جاننا ایک دم درست ثابت ہوا۔

"مال گیا تھا۔"اس کی زندگی کا پہلا جھوٹ۔"وہاں ٹرائے کیا تو اچھا لگا اس لیے پہنے رکھا۔"لاحول والا قوۃ،اب وہ یہ بھی کرے گا۔وہ ایسا کیوں کیا کرے گا۔اس کا نامہ اعمال میں گناہ کبیرہ لکھ دیا گیا۔اس نے اس جذبے کو چھپانے کیلئے جھوٹ بولا تھا جو اس پر مکمل طور پر وارد بھی نہیں ہوا تھا۔ پہلے مرحلے پر اس کے ساتھ ایسا ہو رہا تھا تو آگے جا کر مزید کیا ہو گا۔

"شرم تو نہیں آئی،یہ نہیں کیا کہ ایک میرے لیے لے آتا۔"مائیر کو نیا صدمہ لاحق ہوا تھا۔چاچو کی ملامتی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔

"کتنے اسراف میں مبتلا ہو تم مائیر، بہت بری بات ہے یہ۔" ان کی جھڑک پر اس نے کان میں انگلی پھیری۔ سیرا نے اسی کان پر ایک اور تھپڑ رسید کیا تھا۔

"بس نصیحت نہ سنواؤ اس لڑکے کو باقی دنیا جہان کی باتیں کروالو۔" مائیر کی دوہائیاں ایک بار پھر سے شروع ہو چکی تھیں۔

"انکل اس کو سمجھالیں آپ، بہت بد تمیزی کرتی ہے مجھ سے اوپر سے ہاتھ نہیں رکتے اس کے، پیچھے ہو کر بیٹھا کرو۔" ان کی نوک جھوک کے درمیان سے وہ اٹھ کر خاموشی سے وہاں سے گیا تھا۔ غفران نے اس کو منظر سے ہٹتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اندر آ کر بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھا۔

"تم مجھ سے اور کیا کیا کرواؤ گی فلک، کہیں کذاب ہی نہ بن جاؤں۔"

اس کی نگاہوں میں ڈگی میں رکھا وہ جوڑا تھا جسے اس نے اس کیلئے خریدا تھا۔ وہ 'اس' اس وقت سوپ شاپ میں موجود دل جمعی سے کام میں مگن تھی۔ شکر تھا سوپ شاپ کی اندرونی حالت زیادہ بری نہیں تھی۔ وہاں مہذب جنات بیٹھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر تو آج کپل ہی تھے۔ کپل کو دیکھ کر اسے مہمت یاد آیا تھا۔ اس نے آنکھ بچا کر اسے میسج سینڈ کیا۔

"مہمت کیا تم دو منٹ کیلئے فارغ ہو۔" میسج بھیج کر وہ واپس کام میں جت گئی۔ آج ڈیڑھ کی بجائے دو بج گئے تھے کیونکہ رش کچھ زیادہ ہی زیادہ تھا۔ آخری گاہک کو بھیجنے کے بعد انہیں آج دس منٹ اور

انتظار کرنا تھا کہ کہیں کوئی اور چلتا پھرتا یہاں نہ آجائے۔اس دوران اس نے فون نکالا مہمت نے میسج دیکھا تھا اور نہ ہی جواب دیا۔جواب تو اس نے صبح بھی نہیں دیا تھا۔وہ خوشی پہنچی تو مہمت پنار کے ساتھ کھاتے کے رجسٹر میں مصروف تھا۔وہ ایک نظر اس کے پر ڈال کر چینجنگ روم میں گئی۔ایپرن وغیرہ پہن کر جب باہر آئی تو وہ کسی آدمی کو کھڑکیاں دکھا رہا تھا شاید وہ ان میں تبدیلیاں کروا رہا تھا۔فلک میزوں کو رگڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچی۔ایک نگاہ غلط ڈالے بنا ہی وہ وہاں سے ہٹ گیا۔فلک کا شک یقین میں بدل گیا۔وہ اس سے خفا تھا۔لیکن وہ اس سے خفا کیوں تھا۔اس نے تو بلکہ معاملہ مہمت کیلئے دلچسپ بنا دیا تھا۔وہ عروبہ کے ساتھ خوش ہو گا کیونکہ وہ اسے پسند کرتا ہے یہی سوچ اسے بار بار آرہی تھی۔مگر یہاں تو ماجرہ ہی الگ تھا۔کھڑکیوں کے شیشے صاف کرنے کے بعد وہ نمی بھری کھلی کھلی صبح میں باہر آئی جہاں مہمت اب آؤٹ ڈور پلانٹ پر تبصرہ کر رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں نوٹ پیڈ تھی اس نے پن سے اس پر ٹک لگایا۔اسی وقت فلک اس کے پاس آئی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے میں نے تمہیں میسج بھی کیا تھا۔"اس نے میز کو صاف کرتے ہوئے مہمت کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے کی سعی کی،وہ کامیاب ہو گئی تھی مگر مہمت نے اسے ناکامی کا عنصر دے دیا۔وہ آدمی کے ساتھ مصاحفہ کر رہا تھا۔

"اس ویک تک سب مرمت ہو جائے تو بہتر ہے۔ اور میں آپ کو یہ پلانٹ منگوادوں گا۔" شاید اس آدمی نے پلانٹ میں دلچسپی دکھائی تھی تبھی مہمت مسکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فلک کی نظریں اسی لڑکے پر تھیں۔ وہ بات ختم کر کے اندر جانے لگا جب ایک بار پھر وہ اس کی مخاطب ہوئی۔

"مہمت پناریہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم مجھے مسلسل رد کر رہے ہو۔" مہمت کے قدم تھم گئے۔ اسکن رنگ کی جینز کے نیچے اس نے چاکلیٹ براؤن جوگر پہنے ہوئے تھے۔ یہ جوگر اس نے فلک کی پسند سے لیے تھے۔ ان جوگرز میں قید پاؤں اپنی من پسند ہستی کی خفا آواز پر تھمے۔

"تم مجھ سے خفا ہو تو کہو یوں نظر انداز تو نہیں کرو۔" وہ مڑا، اس کے مڑنے کے ساتھ ہی تیز ہوا کا جھونکا فلک کی طرف آیا تھا۔ ایسی ٹھٹھراتی ہوا تھی کہ لمحے بھر کو ہر شے منجمند ہو گئی۔ سانس اندر کھینچتی فلک کی ناک کی سرخی میں کچھ زیادہ اضافہ ہوا تھا۔

"برا لگ رہا ہے نا؟" یہ آواز، یہ آواز تو مہمت کی نہیں تھی تو پھر کس کی تھی یہ بھاری گھمبیر، سرد آواز۔ "ذات کی نفی یونہی تکلیف دیتی ہے فلک سفیر، اور تم۔" اس نے شہادت کی انگلی اس کی جانب کی۔ ہاتھوں میں میز صاف کرنے والا کپڑا تھامے وہ اسے تکے جا رہی تھی۔ "روز اول سے مجھے نفی کیے جا رہی ہو اور میں پھر بھی صابر رہا لیکن اب بس، بہت ہوا۔ اب برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے۔" بات مکمل کرنے کے بعد ایک اچٹتی نگاہ جامد لڑکی پر ڈال کر وہ اندر بڑھ گیا تھا۔ فلک

کی سمجھ سے سب بالاتر تھا۔وہ ٹھس کھڑی نتائج و عواقب پر غوروخوض کرنے لگی۔کچھ نہ سمجھ آنے پر وہ واپس اندر آئی۔مہمت،پنار کے ساتھ دوبارہ کھڑا تھا۔وہ وہیں پہنچ گئی۔

"غصہ کس بات کا ہے تمہیں،تمہارے ساتھ نہ جانے کا۔جبکہ میں سمجھتی ہوں تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا۔آخر کو میں نے تمہاری محبوب ہستی کو تمہارے ساتھ بھیجا تھا۔"اس نے مدھم آواز میں کہا تاکہ آواز پنار تک نہ جاسکے۔مہمت نے لب بھینچے۔

"اس احسان کیلئے بہت شکریہ۔"توقف۔"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی،تم جاکر اپنا کام کرو۔"ہاں وہ ٹھیک تھی یہ مہمت کا انداز تھا اور نہ ہی اس کی آواز،یہ تو کوئی اور تھا جسے وہ بالکل نہیں جانتی تھی۔کوئی انجان تھا یہ،دل مسوس کر وہ کچن میں آئی۔اس کے ماتھے پر طیش و بل دیکھ کر متھ چونکا تھا۔

"خیریت کیا ہوا ہے؟"اس کے پوچھنے کی دیر تھی فلک نے اسے من و عن سب بتادیا۔سب سننے کے بعد متھ کے ماتھے پر بھی ناگواری کے بل آن موجود ہوئے۔اس نے چھری فضا میں بلند کرتے ہوئے ناراضی ظاہر کی۔

"ثابت ہوا فلک سفیر کہ تم اس دنیا کی سب سے بے وقوف اور سنگدل لڑکی ہو۔"پوری روداد سن کر سب سے پہلا وار یہ تھا۔

"لیکن میرا کام بہت ضروری تھا۔" اس نے احتجاج کیا۔ مشرقی لڑکیوں کا سب سے بڑا ہتھیار، احتجاج، احتجاج اور بس احتجاج، اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی سنی بھی کہاں جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے پاس تھا بھی کیا۔

"کام ضروری ہوتے ہیں فلک لیکن دل سے زیادہ نہیں، تم نے ایک مخلص دل کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تمہیں اس کا مداوا کرنا چاہیے۔" اس نے کاؤنٹر سے ٹیک لگائی۔ متھ خوبصورت کپوں میں قہوہ انڈیلنے لگا تھا۔ پورے کچن میں مخصوص جڑی بوٹیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک ساتھ سیدھ میں ڈھیر سارے چولہے پیوست تھے۔ ان ڈھیر سارے چولہوں پر انواع و اقسام کے قہوے اور چائے بن رہی تھیں۔

"مجھے لگا وہ عروبہ کو چاہتا ہے۔" اس سمت آتا مہت پل بھر کو تھما۔ وہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ وہ وہاں سے گزر نہیں پایا۔ "شاید اس کے ساتھ ڈیٹ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کی مشکل آسان کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا وہ خفا ہو جائے گا اور میں سچ کہہ رہی ہوں اگر بہت زیادہ ضروری کام نہ آن پڑتا تو میں اس کے ساتھ ضرور جاتی۔ آپ جانتے ہیں۔ مجھے زبان کی پاسداری کرنا آتا ہے۔" مہت انڈور پلانٹ سے دو قدم پیچھے تھا۔ پلانٹ کے اختتام پر کچن تھا جہاں سے اس کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ عروبہ اور اس کی دوستی پر غلط قیاس لگا بیٹھی ہے۔ وہ بالکل بھلی ہے۔

"اب جو ہو گیا سو ہو گیا، پچھتاوے ضروری نہیں حکمت عملی اہم ہے۔ یہ سوچو مہت کو کیسے مناؤ گی تم۔" ٹرے اس کے سامنے دھر دی گئی تھی۔ اسے گاہکوں کو جا کر سرو کرنا تھا۔ مہت کے کان کھڑے ہو گئے۔

"منانا کیسا، وہ مجھ سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا اس لیے میں بے فکر ہوں۔ خود ہی مان جائے گا۔" مہت کو جانے کیوں اس کی بات پر ہنسی آئی۔

"اور اگر نہ مانا تو؟" متھ کی پریشانی بھی قابل غور تھی۔

"مہت پنار فلک سفیر سے کبھی زیادہ دیر تک خفا نہیں رہ سکتا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہے اور میں بھی۔ اس لیے مجھے اس کی جانب سے کوئی اندیشے نہیں۔ وہ کہیں بھی جائے گا واپس لوٹ کر میرے پاس ہی آئے گا۔" اس نے آنکھ مار کر کہا تھا۔

اس کی مسکراتی اور پر اعتماد آواز نے مہت کے لبوں پر بھی مسکان بکھیر دی۔ وہ جو غصہ تھا۔ مکمل بائیکاٹ کا سوچے ہوئے تھا یک لخت ہی ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"ٹھیک کہا لوٹ کر تو میں نے تمہارے پاس ہی آنا ہے۔"

اس کے قدم واپس مڑ رہے تھے۔ وہ جب آیا تھا تو اداس دکھتا تھا۔ وہ جب جا رہا تھا تو دنیا میں سب سے زیادہ شاد لگ رہا تھا۔ اس خوشی کی ڈور فلک کے جملوں میں سے نکلی تھی۔ کیسا یقین تھا۔ کس

قدر مان تھا۔ وہ اسے اپنا جانتی ہے تبھی بے فکر ہے۔ وہ پرایا سمجھتی تو مڑ کر نہ دیکھتی۔ مہمت پنار ایک بار پھر اس کے سحر میں جکڑ چکا تھا۔ مہمت پنار ایک بار پھر ہار گیا تھا۔

آسمان سرخ سا تھا۔ جیسے کہیں دور کسی کا خون ہوا ہو، بادل لہو چھلکاتے یہاں وہاں منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔ ہوا میں بارش کی بو گھلی تھی۔ اس عجیب و غریب موسم میں وہ ایک طویل و عریض زمین کے قطعے پر کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے دو گارڈ مؤدب سے ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ پینٹ سوٹ پہنے آنکھوں پر شیڈز لگائے اس نے ایک طائرانہ نگاہ زمین کے اس ٹکڑے پر ڈالی پھر گردن جھکا کر کلپ بورڈ میں اٹکا کاغذ دیکھنے لگی۔ اس نے دو تین صفحات پلٹائے تھے۔ پلٹا کر انہیں واپس ایک دوجے پر گرایا تھا۔ اس کے بعد پھر سے سر اٹھالیا۔

"مسٹر جواد، میں آپ کے نقشے سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوں۔" اس نے دبئی کے جانے مانے آرکیٹیکچر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو اس کے دائیں جانب کھڑا تھا۔ "یعنی یہ کوئی ایسا خاص تاثر نہیں دے رہا جو اسے دینا چاہیے۔ اس لیے میری رائے ہے کہ آپ اس پر دوبارہ کام کریں۔" اس نے سہولت کے ساتھ کلپ بورڈ جواد کی سمت بڑھایا۔

"کوئی مسئلہ نہیں، میرے پاس دو تین اور آئیڈیاز ہیں وہ میں آپ کے ساتھ شئیر کر دوں گا اگر ان سے بھی آپ مطمئن نہیں ہوئیں تو میں اور بنا دوں گا۔" مائی ہوم پروجیکٹ کی ہیڈ انچارج اسے بنایا گیا تھا۔ اسے چاہیے بھی کیا تھا۔ ہر چیز میں اپنا تسلط قائم کرنا اس کی عادت سے بن گئی تھی۔ وہ ہر بزنس میں اپنا ہولڈ چاہ رہی تھی تاکہ نوح کی جڑیں کمزور ہی رہیں۔ وہ اس کے مقابل آنے کی جرات نہ کرے۔ وہ ہر کام میں جی جان سے لگ گئی تھی۔ سر توڑ کوشش کر رہی تھی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو رہی تھی۔

"یہ تو بہت بہتر ہو گیا۔ میں آپ کو پندرہ دن کا وقت دیتی ہوں۔ ان پندرہ دنوں میں آپ مجھے نقشہ فائنالائز کر کے دیں گے۔" بات ختم کرنے کے بعد وہ جانے کیلئے مڑی۔ آسمان سرخ سے سرخ تر ہوتا جا رہا تھا۔ سرخ دوپہر ہر جگہ اتر گئی۔

"میم، یہ آپ کے آج کے میک کے کچھ اسکیچز ہیں۔ ان میں سے جو پسند آئے آپ مجھے بتا دیں تاکہ میں بیوٹیشن کو سینڈ کر سکوں۔" وہ گارڈ کے ہمراہ اپنی گاڑی تک آئی تھی۔ بیٹھنے سے قبل اس کی اسسٹنٹ نے اسے پورٹ فولیو تھمایا۔ گاڑی کی بیک سیٹ پر بیٹھ کر اس نے وہ پورٹ فولیو کھولا تھا۔ پہلے پنے پر ہی اسے بہت تیز میک اپ نظر آیا تھا۔ جبکہ اس کے مزاج میں نفاست تھی۔ اس نے وہ پیج پلٹا، دوسرا تیسرا صفحہ بھی کچھ خاص اچھا نہیں تھا لیکن چوتھے صفحے پر وہ تھوڑا رک سی گئی۔ اس اسکیچ میں موجود لڑکی کے چہرے پر بہت نفیس سا میک موجود تھا۔ میک میں ہلکے رنگوں کو چنا گیا

تھا۔ آنکھوں پر ہلکے بھورے رنگ کی لائیٹ سی شیڈ تھی جسے مسکارے سے مرج کیا ہوا تھا۔ چہرے پر گلو تھا اور لیپ اسٹک پیچ رنگ کی تھی جس پر گلوز کہ تہہ لگی ہوئی تھی۔ اس تہہ کی وجہ سے ہونٹ کافی چمک دار لگ رہے تھے۔ ہونٹوں کے درمیان میں سرخ لپ اسٹک کی تھوڑی سی کوٹنگ کی ہوئی تھی۔ جو ہونٹوں کو خوبصورت لک دے رہا تھا۔ اس نے نمبر چار کو اوکے کر دیا۔ آج کی شام اس کی دوست کی سالگرہ تھی اور وہ وہاں ایز آ چیف گیسٹ مدعو تھی۔ اس لیے اس کا جانا لازم تھا۔ وہ سفید گاؤن نما فراک پہن کر بلاک ہیل میں وہاں موجود تھی۔ اسکے ہاتھوں میں پرل بیگ تھا۔ فراک کا گلا گول تھا اور نیٹ کا تھا۔ گلے کی گولائی کے ساتھ جگر جگر کرتے سفید ہی نگینے لگے ہوئے تھے جو اس جوڑے کو چار چاند لگا رہے تھے۔ بالوں کی درمیان کی مانگ نکال کر اس نے پیچھے پونی باندھی ہوئی تھی۔ پونی نہ زیادہ ڈھیلی تھی اور نہ زیادہ تنگ، وہ گردن سے چپکی اس کی کمر پر جھول رہی تھی۔ کانوں میں موجود اسٹڈز اپنی قیمت آپ بتا رہے تھے۔

"آہ دیکھو کون آیا ہے رامیہ جبران، دی گریٹ بزنس وومن۔" اسے اپنے عقب سے پر مسرت سی آواز سنائی دی۔ وہ تھوڑی سی مڑی۔ وجاہت سے بھرپور احسن رضا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس کے کالج کے زمانے کا کلاس فیلو تھا۔ حد سے زیادہ ذہین، ہینڈسم اور کامیاب، وہ کالج کے ٹاپ اسٹوڈنٹس کی لسٹ میں نمبر ون پر تھا۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی سرگرمیوں میں اس کا نام نمبر

ون پر ہی رہتا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ اسے ہارنے کی عادت نہیں، اس نے دیکھ لیا کہ وہ جیت ڈیزرو کرتا ہے۔

"اوہ، تو یہ تم ہو احسن رضا۔" وہ کلائی میں موجود ہیروں کے بریسلٹ کو ہلکا سا گھما کر بولی۔ پرل پرس اب بھی اس کے دائیں ہاتھ میں موجود تھا۔

"ماہ بدولت یاد ہیں آپ کو؟" وہ خوشگوار حیرت سے دریافت کر رہا تھا۔ رامیہ نے ہولے سے شانے اچکا دیے۔

"میں بھولنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" احسن رضا کے لبوں کا کنارہ پھیلا۔ وہ تھوڑا آگے جھک کر رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔

"اور میں بھلائے جانے والوں میں سے، بائی داوے۔" وہ سیدھا ہوا ہونے کے بعد اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ "میں احسن رضا ہوں دی رائیل کمپنی کا سی ای او، میں چاہتا ہوں ہم دونوں کی کمپنیز مل کر کولابریشن کریں۔ کیا آپ اس ڈیل کو منظور کرتی ہیں۔" رامیہ نے ایک نگاہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ڈالی۔ کلائی میں پیٹک فلپ کی گھڑی بندھی تھی۔ اس گھڑی کی قیمت اور سوٹ کے فیبرک نے بتا دیا کہ سامنے والے کا بزنس کتنا کامیاب ہے۔ کسی کے مالی حالات پرکھنے کیلئے اس کی ظاہری

حالت ہی کافی ہوتی ہے۔اس کے جوتے، کپڑے اور ایسسریز بتا دیتی ہیں کے سامنے والے کی جیب اور ذوق کس قدر بھاری ہے۔رامیہ نے بھی لبوں کو بھیلایا اور اس سے مصاحفہ کر لیا۔

"پہلی ملاقات میں ہی ڈیل کی باتیں، یہ تو ایک اچھے بزنس مین کی نشانی نہیں ہے۔"اس کا ہاتھ احسن کے ہاتھ میں تھا۔احسن کے دل نے کہا بس اب اس ہاتھ کو تا عمر نہیں چھوڑنا۔

"یہی تو بزنس کا اصول ہے محترمہ کہ جہاں جائیں اپنا بیج بو آئیں۔تو پھر بتائیں کیا ارادہ ہے۔"وہ متوازن لہجے میں کہہ رہا تھا۔رامیہ کے لبوں پر دھیرے سے مسکان پھیل گئی۔

"ارادے کا کچھ کہا نہیں جا سکتا۔کسی دن آنا آفس تسلی سے بیٹھ کر اس پر بات کریں گے۔"احسن نے اس کے نرم و نازک ہاتھ کو چھوڑا پھر ایلیٹ کلاس کی اس پوری گیدرنگ پر نگاہ دوڑائی۔

"میں اس پارٹی کیلئے ایک ماہ پہلے مدعو کیا گیا تھا۔تب میرا ارادہ یہاں آنے کا ہرگز نہیں تھا لیکن جونہی مجھے معلوم ہوا کہ تم چیف گیسٹ کے طور پر آرہی ہو تو میں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔میں کب سے نون گروپ کے ساتھ کام کرنا چاہ رہا تھا۔تو مجھے لگا یہی موقع ٹھیک ہے بات چیت آگے بڑھانے کا۔"وہ اپنی آمد کا مقصد اسے مفصل بیان کر رہا تھا۔رامیہ نے مسکرا کر سر خم کیا۔

"ویسے زیبا میری فرسٹ کزن ہے۔اکثر تمہارے بارے میں اس سے بات ہو جاتی ہے۔"ایک اور معلومات، ایک اور مسکان۔

"میں نے زیبا کو بھی آفر کی تھی۔ اسے کہا تھا وہ اپنا بزنس اسٹیبلش کرے میں اسے سپورٹ کروں گی لیکن اس نے آرٹس کو ترجیح دی۔ ویسے وہ اچھا کام کر رہی ہے۔" اس نے پارٹی میں موجود ڈھیر ساری آئل پینٹنگز پر نظر ڈالی جو ہر ٹیبل پر میز کی نسبت سے بنا کر رکھی گئی تھی۔ برتھ ڈے پارٹی کی آڑ میں وہ اچھا پرافٹ کما رہی تھی۔ ملک کی کریم یہاں اکھٹی تھی اور منہ مانگے داموں اس کی پینٹنگز خرید رہی تھی۔

"وہ جلد ہی بہت ترقی کرے گی۔ اس میں ٹیلنٹ ہے ویل، میں چاہتا ہوں ہم ٹچ میں رہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" وہ سراپا سوال تھا۔ اس کا سوال، سوال ہی رہا وجہ زیبا کا وہاں آکر رامیہ کو پکڑ کر لے جانا تھا۔ وہ آج کی اس پارٹی کی مہمان خصوصی تھی۔ کروڑوں کے سامان سے لدی وہ لڑکی ہر ایک کی نظر میں بس رہی تھی۔ کوئی اس کے کپڑوں پر تبصرہ کر رہا تھا تو کوئی ہیل پر، کسی کی نگاہوں میں اس کی جیولری تھی تو کسی کی نظروں میں میک اپ، پارٹی ختم ہونے کے بعد وہ جب اپنی کار میں بیٹھی تو کافی مغلوب لگ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر اپنے حسن کا غرور چھلک رہا تھا۔ اس نے چھوٹا سا آئینہ پرس سے نکال کر چہرے کے سامنے کیا۔ میک اپ جوں کا توں تھا۔ تھوڑا سا بھی نہیں سرکا تھا۔ اس نے مسکرا کر شیشہ بند کیا اور پرس میں رکھ دیا۔

"پیسہ، پاور اور حسن۔" اس کے لب ہولے سے مسکائے۔ وہ سیاہ شیشے سے باہر کی دنیا دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے ریٹینا پر دوڑتے ہوئے مناظر قید ہونے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں پر جس

طرح کے منظر تھے اسی طرح کے ملتے جلتے منظر نوح جبران کی آنکھوں پر بھی تھی۔بس فرق وقت، جگہ اور جذبات کا تھا۔اس نے کار پارکنگ ایریا میں لگائی اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"ہاں میں آگیا ہوں تم کہاں ہو؟"وہ فون کان سے لگاتا سڑک کراس کر رہا تھا۔اس نے سر اٹھا کر بڑی ساری بلڈنگ پر نگاہ دوڑائی۔وہ کئی منزلہ عمارت تھی۔جس کی اینٹرنس سے وہ اندر جا رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے پہنچ رہا ہوں۔"فون کو کوٹ کی جیب میں ڈال کر وہ اندر آیا۔پانچویں فلور پر لفٹ آ کر رکی تھی۔وہ لفٹ سے باہر آیا۔یہ ایک چھوٹا سا آفس تھا جہاں ادویات کی پیکنگ کی جاتی تھی۔ انہیں پارسل کیا جاتا تھا اور انہیں بنایا جاتا تھا۔یہ آفس اس کے کلاس فیلو کے باپ کا تھا جس میں اس کا کلاس فیلو جون بھی کام کیا کرتا تھا۔وہ آج اسی سے ملنے آیا تھا۔وہ شیشے کا دروازہ کھول کر اس کے آفس میں آیا جہاں جون ایک فائل میں درج فارما کمپنیز کے نام لکھنے میں مصروف تھا۔اسے وہاں دیکھ کر وہ خوشگواریت سے کھڑا ہوا۔یہ وہ انسان تھا جو پوری یونیورسٹی میں 'خاموش' مشہور تھا۔اس کا کوئی دوست تھا اور نہ ہی وہ کسی سے زیادہ ہمکلام ہوتا تھا۔اس لیے جب بھی کوئی بھی اس سے بولتا تھا تو کافی محتاط ہوتا تھا۔لیکن آج وہی انسان اس کے پاس ایک فیور کیلئے آیا تھا۔نوح جبران سے وہ کب سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔یہ اس کیلئے گولڈن چانس تھا تو وہ کیونکر گنواتا۔

"کیا لو گے تم، کافی یا چائے؟"نوح نے کرسی سنبھالی پھر مدھم آواز کے ساتھ بولا۔

"کافی ٹھیک رہے گی، تمہارے ڈیڈ کا آفس کافی اچھا ہے۔" دواؤں کی سمیل چہار سو پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ان خوشبو سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے بھی نہیں پڑے گا۔

"تم نے مجھ سے جاب کی بات کی تھی دیکھو میرے بھائی۔" جون کرسی کی ٹیک چھوڑ کر میز پر ہاتھ رکھے قدرے آگے کو جھکا۔ اس کی کہنی کے قریب ہی دو سلور ہاتھوں میں موجود چھوٹا سا گلوب محو حرکت تھا۔ "اس وقت میرے پاس ایک ہی جاب میسر ہے اور وہ ہے ڈیلیوری کی، ہماری دواؤں کی ڈیلیوری تین پیمانے پر ہوتی ہے۔ ایک پورے شہر میں اور شہر سے باہر باقی شہروں میں، دوسرا مین جگہوں پر جیسے مالز کے نزدیک بنی فارمیسز، بڑے بڑے سپر اسٹورز میں موجود فارما پروڈکٹ اور ہوم ٹاؤن میں موجود چیرٹی سینٹرز وغیرہ میں، اور تیسری اور چھوٹی پیمانے پر جو ڈیلیوری ہوتی ہے وہ ہوم بزنس کرنے والوں کو اور چھوٹی فارمیسیز میں کی جاتی ہے۔ میں تیسرے درجے پر ہی تمہاری ریفرینسز کو رکھ سکتا ہوں کیونکہ ابھی فی الحال وہ وہیں ایڈجیسٹ ہو سکتی ہے۔" وہ انگلیوں پر گنوانے کے بعد ابھی ابھی پیش کی گئی کافی کی چسکی بھرنے لگا تھا۔ نوح نے چند لمحے سوچا پھر اپنی سوچ کو لفظوں کی چادر اوڑھائی۔

"ڈیلیوری۔" ہولے سے لب ہلے، کچھ سوچ کر مزید کہا گیا۔ "سمجھ گیا، کیا تم بتا سکتے ہو جو کارٹن وہ ڈیلیور کرے گی اس کیلئے کوئی ہیلپر ہو گا یا اسے سب خود کرنا ہو گا۔" وہ سمجھتا تھا کہ ایک لڑکی کیلئے بھاری کارٹن اٹھانا کتنا دشوار کن مرحلہ ہو سکتا ہے۔ چلو پانچ فلور تو وہ لفٹ کے ذریعے آسانی سے

طے کر لے گی لیکن باقی کا راستہ بھی تو اسے ہی وزن اٹھا کر جانا ہو گا نا۔ بلڈنگ کی اینٹرنس سے لے کر لابی اور پھر لفٹ تک کافی فاصلہ تھا۔ اس کے بعد پارکنگ بھی اچھی خاصی دور تھی۔ اور اگر کبھی لفٹ خراب ہو تو، اس سے آگے اس سے نہیں سوچا گیا۔ اسے جون کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"ظاہر سی بات ہے اسے خود کرنا ہو گا۔ ایک چھوٹا کارٹن کم از کم دس کلو کا ہے۔ پر آوور کام ہے تو اسے فی گھنٹے کے حساب سے ہی پیسے ملیں گے لیکن اس دوران اسے کم از کم سو کارٹن تو پہنچانے ہی چاہیے۔" نوح ہق دق جون کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ یہ آج کے دن کی تیسری جگہ تھی جہاں وہ فلک کیلئے موجود تھا۔ پہلے بن اسٹیچنگ انڈسٹری۔

"معذرت لیکن اب ہمارے پاس کوئی خالی جگہ نہیں ہے۔ اور زیادہ اسٹاف ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارا عملہ بالکل پورا ہے۔"

پھر فوڈ کارنر۔

"ہاں ہمیں ایک ویٹریس کی ضرورت ہے لیکن یہ ضروری ہو گا وہ کمپنی کی یونیفارم پہنے اور کسٹمرز کو بہت خوش دلی سے ہینڈل کریں۔" اور نوح کبھی مر کر بھی اس یونیفارم کو فلک پر تصور نہیں کر سکتا تھا۔ چھوٹی اسکرٹ، ڈیپ نیک اور بازو ندارد۔

وہ وہاں سے بھی اٹھ آیا تھا۔

"تم نے وقت دیا اس کیلئے بہت شکریہ، میں تمہیں کال کر کے بتاؤں گا۔" اس کا فون تھر تھرا اٹھا تھا۔ ایک اور جگہ سے اسے کال آنے لگی تھی۔ اس نے فون پر نظر ڈالی۔

"کافی تو پی لو، تھوڑی باتیں ہی ہو جائیں۔" اس نے مسکرا کر جون کے چہرے پر نظر ڈالی پھر فون کو لہراتے ہوئے بولا۔

"ضروری کال ہے پھر کبھی سہی ابھی مجھے جانا ہو گا۔ وقت دینے کیلئے بہت شکریہ، یونیورسٹی میں کوئی کام ہو تو بتانا مجھے۔" وہ اسے گڈ بائے کہہ کر چلا گیا تھا۔ اس کے حصے کی آئی کافی جوں کی توں پڑی تھی۔ یہ اس کا رزق نہیں تھا۔ اس کے حصے میں لکھا ہوتا تو لاکھ ضروری کام آجائیں وہ مائع اس کے جسم میں جا کر ہی رہتا لیکن بات تو یہی ہے کہ یہ اس کے حصے کا رزق نہیں تھا۔ انسان اپنے لکھے کی طرف خود بخود بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس میں اس کی مرضی ہو یا نہ ہو اسے جانا ہی پڑتا ہے۔ یہی تو کائنات کا دستور ہے۔ یہی تو انسان کی حقیقت ہے۔

آج بارش ہو رہی تھی۔ بہت زوروں سے ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھ منہ اندھیرے ہی کھل جاتی تھی۔ دل چاہے یا نہ چاہے۔ ہمت ہو یا نہ ہو اسے اٹھنا ہی پڑتا تھا۔ منہ رگڑ کر وہ اٹھی پھر سست پنے سے جاب کیلئے تیار ہونے لگی۔

"تم کچھ نئے کپڑے لے لو کتنے گھسے ہوئے اور بدرنگے کپڑے ہیں تمہارے، اس سے اچھے تو خاکروب پہنتے ہیں۔" چار سالوں میں پہلی بار اس نے کسی کے منہ سے اپنے حلیے کے بارے میں کوئی تبصرہ سنا تھا۔ وہ اتنی ہنگامی دنیا میں رہتی تھی کہ کسی کو کسی کی کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کسی کو اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ فرصت سے کسی پر غور کرے۔ لیکن آج پہلی بار اس کی روم میٹ نے منہ بگاڑتے ہوئے اس کے حلیے کو نشانہ بنایا تھا۔ بالوں کو ربڑ بینڈ میں باندھتے ہاتھ پل بھر کو تھمے۔ اس کی روم میٹ وہی سیلز گرل تھی جس سے اس نے اس دن یونیفارم ادھار لی تھی۔ وہ بھی اس کی طرح کام کرتی تھی لیکن اس کا اسٹائل ایسا تھا جیسے وہ کسی رئیس کی اولاد ہو۔ اس کا بوائے فرینڈ اسے ہمیشہ خوبصورت دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس کی چاہ کے مطابق دکھے اس لیے وہ بن ٹھن کر رہتی تھی۔ اب بھی وہ چہرے پر سرم کی تہہ لگا رہی تھی۔ فلک نے شانے اچکا کر گرائے۔

"خاکروب مجھ سے زیادہ امیر ہو گا اس لیے اس کے پاس پیسوں کی بہتات ہو گی۔ لیکن میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ میں بہت غریب بندی ہوں۔" ایک ربڑ بینڈ باندھنے کے بعد اس نے فاصلے سے دوسری باندھی اور پھر تیسری، چوتھی باندھنے کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ اس کے

آگے اس کے بال ختم ہو گئے تھے۔ رنگ برنگی ربڑ بینڈ اس کے بالوں میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"ہر ویک اینڈ فیرون میں تھرفٹ کپڑوں کی سیل لگتی ہے۔ تم وہاں سے کچھ لے سکتی ہو۔ میرے پاس زیادہ کپڑے نہیں ہیں ورنہ میں تمہیں ڈونیٹ کر دیتی (جھوٹی)۔" وہ اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ فلک مسکرا دی۔

"میں نے اتنے کپڑوں کا کیا کرنا ہے۔ یہ جب تک چلیں گے انہیں چلاؤں گی۔" چھوٹے سے آئینے میں وہ اپنے دھلے دھلائے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"اور اس بدبو کا کیا کرو گی جو ان کپڑوں سے اٹھتی ہے۔ ڈیزل کی گندی سمیل آتی ہے تم میں سے۔" وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ فلک نے اسے خود پر ڈھیر سارا اسپرے کرتے دیکھا۔ اس کا تو پرفیوم بھی برانڈڈ تھا۔

"کپڑوں سے نہیں آتی میرے وجود سے آتی ہے اور کیوں آتی ہے یہ تم جانتی ہو۔" اس نے سہولت سے کہا۔ فلک ہاتھ ہلا ہلا کر ہوا میں موجود پرفیوم کو پنکھے کے صورت خود پر لانے کی کوشش کر رہی تھی جیسے اس کے ذرات واقعی اس پر آ کر اسے معطر کر دیں گے۔

"ہاں تو کس نے کہا ہے گاڑیوں کے گندے ٹائر دھونے کو، ان کی صفائی کرنے کو۔ ڈیزل کی خوشبو سے بہتر ہے تمہارے اندر سے مرچ مصالحوں کی خوشبو آئے۔ کسی کچن میں جاب ڈھونڈ لو۔" اس نے پرفیوم کی بوتل کا رخ اس کی گردن کی جانب کیا اور ایک ساتھ دو تین اسپرے کر دیے۔ فلک حقیقت میں معطر ہو گئی۔

"میں نے اس بار لاٹری میں خوشبو والا باڈی واش جیتا ہے۔ کل سے میرے بدن سے ڈیزل کی بو نہیں آئے گی۔" اس لڑکی نے تاسف سے فلک کو دیکھا۔ جیسے اس کی عقل اور یقین پر ترس کھا رہی ہو۔

"لاٹری سے جیتی ہوئی چیزوں پر یقین کرنے سے بہتر ہے تم کوئی اور جاب ڈھونڈ لو۔ میرے لفظوں پر ایمان لے آؤ۔ اس باڈی واش نے جلد ختم ہو جانا ہے۔"

وہاں سے چلی گئی۔ فلک نے گہرا سانس بھر کر اپنی اوور سائز ڈیفوڈل رنگ کی لانگ جرسی فراک اور اس کے نیچے پہنی گھسی پٹی جینز کو دیکھا۔ اس کا سفید کوٹ واقعی قابل رحم حالت میں ہو گیا تھا۔ اس نے بھورا کوٹ اٹھایا۔ اسے ہاتھ میں تھامے دیکھتی رہی۔

"امی، مجھے عید کیلئے نیا جوڑا چاہیے۔" بھورے کوٹ میں چاند رات کا منظر آن سمایا تھا جس میں ایک بچی آنکھوں میں ڈھیروں تارے لیے ڈبڈبائی نظروں سے وہاں کھڑی تھی۔

"کیوں، تمہارے بھائی جائیدادیں تمہارے نام کر کے گئے ہیں یا سفیر بھائی قبر میں سے پیسے بھجوانے لگے ہیں جو تمہیں نیا جوڑا چاہیے۔ ہٹو یہاں سے خبر دار جو تم نے میری بچیوں کے کپڑوں پر نظر ڈالی، بھاگو یہاں سے۔"

"امی میں پھر عید پر کیا پہنوں گی۔ میری سب دوستیں نئے کپڑے پہن رہی ہیں۔"

"کیا پہنوں گی کا کیا مطلب، میں ایک جہیز کا جوڑا پڑا ہے۔ اسے کاٹ کر بنا دوں گی پہن لینا اور خبر دار جو اگر صغیر کے سامنے اپنی زبان کھولی تو۔"

فلک نے کوٹ کو جھاڑ کر پہن لیا۔ ماضی کی یادیں وہ اس 'جھاڑ' سے ہٹا رہی تھی۔ اسے تو کبھی عید پر کپڑے نہیں ملے تھے تو اب وہ کیا لیتی۔ وہ تمام عمر نگہت آپا کی یا پھر اپنی تائی امی کے رشتے داروں کی اترن پہنتی آئی تھی۔ شاذ و نادر ہی اسے کچھ نیا پہننے کو ملتا تھا۔ اور وہ نیا اسے دل سے اتنا عزیز ہوتا تھا کہ وہ اسے ہفت اقلیم سمجھ کر سنبھال کر رکھتی تھی۔ وہ تب بھی محروم تھی وہ اب بھی محروم ہے۔ اس نے چھتری کھولی جس کے ایک حصے پر معمولی سا سوراخ تھا۔ وہ اسی سوراخ زدہ چھتری کو تانے اپنے دن کی پہلی منزل کی جانب گامزن ہو گئی۔ یہ چھتری اس کی چار سالوں کی ساتھی تھی۔ مگر اب اس کی بھی عمر ہو گئی تھی۔ اپنی پہلی منزل تک پہنچتے پہنچتے وہ چھتری کے سوراخ سے رستے

پانی سے تھوڑا سا بھیگ گئی تھی۔ اس کی جینز کے پائنچے بھی بھیگے بھیگے سے تھے۔ داخلی دروازے پر بیل بجاتے ہی اسے اس کا چہرہ نظر آیا تھا۔ فریش فریش سا، مہنگے کپڑوں و کلون سے سجا۔

"کیا اسے بھی میری کپڑے خاکروب سے زیادہ برے لگتے ہوں گے۔" پہلی پہلی سوچ، پہلی پہلی سبکی۔

"اسلام علیکم۔۔" شائستہ آواز سے پر سلامتی، پھر ناک کے ذریعے دو تین بار گہرے سانس بھرے۔ "ارے واہ آج تو تم سے بہت اچھی خوشبو آ رہی ہے۔"

"تو یعنی اسے بھی ڈیزل کی بری بو آتی تھی۔ تو یعنی وہ بھی جلد از جلد اس سے دور جانے کی سوچتا تھا۔" فلک نے اپنی سوچوں کو بری طرح جھٹکا۔ اور خود کو زبردست قسم کا ڈپٹا۔

"بری بات فلک سفیر، لاحول والا قوۃ یہ کیا سوچ رہی ہو تم۔ حد میں رہو۔"

سلام کا جواب دینے کے بعد وہ اس کے چھوڑے گئے راستے سے اندر آ گئی۔ اندر آتے ہی اس کے اعصاب کو سکون آیا تھا ورنہ پورے رستے وہ ٹھٹھرتی ہی رہی تھی۔

"مجھے لگا موسم آج کچھ زیادہ خراب ہے اس لیے تم نہیں آؤ گی پھر یاد آیا یہ پاکستان نہیں ہے۔" فلک نے اپنا گیلا کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکانے کی بجائے کچن میں پڑی خالی باسکٹ میں ڈال دیا۔ یہ باسکٹ عموماً میلے ایپرن رکھنے کیلئے موجود ہوتی تھی۔ فلک کام ختم کرتے ہی اپنا ایپرن اس میں رکھ

کر چلی جاتی تھی اور پھر لانڈری والے کو باقی تمام باسکٹس کے ساتھ وہ بھی حوالے کر دیتی تھی۔ وہ آج بھی روز کی طرح اسٹینڈ پر ہی کوٹ لٹکانے والی تھی لیکن وہاں موجود دو نئے نکور کوٹس کے ساتھ وہ اپنی گیلا، گندہ اور پرانا کوٹ ہر گز نہیں رکھ سکتی تھی۔

"کیا معلوم ان لوگوں کو بھی خار آتی ہو، کیا معلوم وہ لحاظ کر رہے ہوں۔ ہوں تو آخر میں ملازمہ ہی نا کسی دن لحاظ ختم ہو گیا تو۔" ان سوچوں کی بنا پر ہی اس نے کوٹ باسکٹ میں ڈالا تھا۔ نوح اس کے پیچھے ہی تھا بس فرق اتنا تھا فلک نے کچن کاؤنٹر کے پیچھے جگہ بنائی تھی اور نوح نے کاؤنٹر کے سامنے بچھے اسٹولز میں سے ایک پر۔

"تم بہت خاموش ہو آج، خیریت ہے۔" وہ اس کی غائب دماغی نوٹ کر گیا تھا۔ فلک چونک گئی۔

"ہاں۔۔۔ نہیں تو، سب ٹھیک ہے۔" اس نے اپنا سابقہ انداز اپناتے ہوئے کہا۔ باہر سے بارش کے برسنے کی آواز پر زور طریقے سے آ رہی تھی۔

"او کے ایسا ہی ہو گا پھر۔" توقف۔ "خوشی کے بعد تم کیا کرتی ہو؟" وہ اسے ایپرن کی ڈوری گلے کے پیچھے ڈالتے دیکھ دریافت کر رہا تھا۔ فلک نے کمر کے گرد ڈوری کو کسا۔

"آج کل فری ہوں تو نئی نوکری کی تلاش میں لگی رہتی ہوں۔" آتے ساتھ ہی وہ پہلے کچن کا کام سنبھالتی تھی۔ اس کے بعد ڈسٹنگ، موپ اور لانڈری کے کپڑے اینٹرینس گیٹ کے باہر رکھنے کے بعد وہ پنچ آؤٹ کر کے چلی جاتی تھی۔

"ملی پھر؟" فلک نے کچن کو چمکانا شروع کیا۔

"ہاں ملی تھی لیکن میں نے چھوڑ دی۔ پٹرول پمپ کا مینیجر انتہائی غلیظ نظروں کا حامل تھا۔ وہ بہانے بہانے سے مجھے چھونے کی کوشش۔" روانی میں بولتی وہ یکدم رکی۔ یہ وہ کیا کر رہی تھی۔ اسے کیوں یہ سب بتا رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر کاؤنٹر کے اس پار بیٹھے شخص کو دیکھا۔ نوح کے چہرے پر سرخی گھلی نظر آئی۔ جسے چھپانے کی اس نے قطعی کوشش نہیں کی۔

"سب جا چکے ہیں؟" سوال بدلا لیکن ماحول نہیں بدلا۔

"تمہیں کوئی ڈھنگ کی جاب کرنی چاہیے۔ ہر جگہ خود کو فٹ کرنی کی ضرورت نہیں ہوتی، کچھ جگہیں ہمارے لیے نہیں ہوتی ہیں فلک، عزت بہت اہم ہوتی ہے۔ پیسوں کی حرص انسان کو یونہی رسوا کرتی ہے۔" وہ اسے دیکھتا عجب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ نوح کیلئے فلک لالچی تھی لیکن صد شکر اسے اپنی عزت پیاری تھی۔ کام کرتی لڑکی اس کے لفظوں پر لمحہ بھر کو تھم کر رہ گئی۔ پیسوں کی

حرص؟ کیا واقعی اسے پیسوں کی حرص تھی؟ کیا سب کی طرح وہ بھی اسے پیسوں کا پجاری سمجھتا تھا۔ ہونہہ سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔ اس کی بلا سے، اسے کون سا فرق پڑتا ہے۔

"آپ کا بریک فاسٹ پہلے ریڈی کر دوں؟" نظر انداز، ایک بار پھر وہ اس کی بات کو نظر انداز کر گئی تھی۔ کچھ ساعت وہاں خاموشی چھائی رہی پھر پہل نوح نے ہی کی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتا ہوں، باقاعدہ تحریری ڈیل۔" لمحے میں فیصلہ ہوا تھا۔ وہ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنائے گا اس نے یہیں بیٹھے بیٹھے سوچ لیا۔ فلک اس کی بات پر اچنبھے میں مبتلا ہوئی۔

"یعنی کس طرح کی ڈیل؟" نوح نے شیشے کی بوتل اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا۔ فلک اس کیلئے انڈے پھینٹ رہی تھی۔

"میں تمہیں قرضہ دیتا ہوں۔ جتنے پیسے تمہیں چاہیے اتنے تم چیک پر لکھ دینا اور ہر ماہ مجھے قسط کی صورت ادا کر دینا۔ پچاس یا سو پونڈ جتنا تمہیں آسان لگے اتنا تم مجھے ہر ماہ واپس کرتی رہنا لیکن جو قسط تم منتخب کرو گی اس کے بارے میں مجھے انفارم کرو گی تاکہ میں دستاویزی صورت میں ریکارڈ کو محفوظ کر لوں۔" یہ آفر اچھی تھی بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی آسمانی مدد لیکن جتنی رقم اسے چاہیے تھی اتنی وہ شخص شاید اسے نہ دے پائے۔ اور یوں بھی وہ تمام عمر اس کی مقروض نہیں رہنا چاہتی

تھی۔اسے یہاں چار سال ہو گئے تھے۔وہ اپنی زندگی کے زیادہ سے زیادہ مزید دو سال یہاں گزارے گی اس کے بعد وہ واپس اپنے دیس لوٹ جائے گی۔اس لیے فی الحال اس کیلئے یہ آفر قابل قبول نہیں تھی۔وہ اس گھر میں ایک ماہ کیلئے آئی تھی۔دو ماہ پر کانٹریکٹ اس لیے بڑھایا گیا کیونکہ سردی کی شدت اس بار زیادہ ہے۔دو ماہ بعد اگر اس شخص کا ارادہ بدل گیا اور اس پر یقین نہ کرتے ہوئے پورا قرضہ وصولی کی ڈیمانڈ کر دی تو؟

وہ اپنی زندگی جیل میں نہیں گزار سکتی تھی۔

وہ خود کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

"تو بولو کیا تمہیں یہ آفر منظور ہے؟"فلک نے جھٹ سے نفی میں سر ہلایا۔نوح کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں یہ ڈیل نہیں کر سکتی یعنی میں اپنے زور بازو سے پیسے کمانا چاہتی ہوں۔مجھے کسی کا بھی مقروض نہیں رہنا ہے۔"نوح کے لبوں سے جو الفاظ نکلے تھے اس نے فلک کو منجمند کر دیا۔الفاظ یہ تھے۔

"کیا میں 'کسی' کے زمرے میں آتا ہوں؟"وہ لاجواب ہوئی تھی۔انڈوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔خاموشی اتنی تھی کہ سوئی گرے تو شور برپا ہو جائے۔

"میرے کہنے کا مطلب ہے سر۔"اس کی بات قطع کی گئی تھی۔جھٹ سے کی گئی تھی۔

"نوح، نوح کہا کرو مجھے، ہم دونوں دوست ہیں۔ آپ جناب، سر، کافی عجیب سا لگتا ہے۔ اس لیے نوح کہا کرو اور ڈیل کے بارے میں بتاؤ۔" کیسا عجیب سا بندہ تھا۔ کبھی پیاز تو کبھی پھول۔

"لیکن کام کے اسپاٹ پر۔" پھر سے قطع۔

"مجھے بحث پسند نہیں ہے فلک اور یوں بھی میرا موڈ تھوڑا خراب ہو گیا ہے۔ تم بار بار میری بارت کو نظر انداز کر رہی ہو۔" وہ اس لڑکی کی بے رخی سے خفا ہو گیا۔ اسے اس کو قرض دینا تھا اور وہ تھی کہ مان کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"میں نظر انداز نہیں کر رہی ہوں۔ مجھے بس آپ سے قرضہ نہیں لینا۔" نوح اسے دیکھتا رہا تو کیا واقعی وہ خوددار ہے۔

"میں تم سے جلد قرض لوٹانے کی ڈیمانڈ نہیں کروں گا۔ تحریری کانٹریکٹ میں لکھا ہو گا کہ تم بس ہر ماہ ہی پیسے لوٹانے کی روادار ہو گی۔ اس کے علاوہ ایک روپیہ اضافی نہیں دو گی۔" وہ جیسے اس کی ہر سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ وہ اس کیلئے آسانی ہی آسانی چاہ رہا تھا۔ فلک شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کر پرچھائیاں پڑنے لگیں۔

"اچھا دیکھتی ہوں۔" اس نے ٹال دیا۔ نوح جان گیا وہ اسے ٹال رہی ہے۔ وہ اس پر اپنی زبردستی مسلط نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مصلحت کے تحت خاموش رہا۔

"ٹھیک ہے اس بات کو کسی اور وقت کیلئے اٹھار کھتے ہیں۔ ایک کام کرو دو انڈے اور بنانا تم، دو کپ چائے اور اگر پراٹھے بنانے آتے ہیں تو کم آئل میں وہ بھی بنا دینا اور ہاں ڈیل کے بارے میں سوچ کر کچھ دنوں تک بتا دینا مجھے۔" ایک بار پھر سے باور کروایا گیا کہ کہیں وہ بھول نہ جائے۔ وہ اسٹول سے اٹھ کر صوفے پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ فلک نے برق رفتاری سے اس کا ناشتہ تیار کیا۔ اسے ایک ٹرے میں سجا کر صوفے کے سامنے رکھی میز پر رکھ دیا۔ وہ مڑنے لگی تھی لیکن مڑ نہیں پائی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ اس سوال پر پھر سے ٹھٹھکی تھی۔

"مجھے باقی سب کیلئے بھی بریک فاسٹ بنانا ہے۔ اس کے بعد صفائی کرنی ہے۔" نوح سر اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سیرا اور مائیر کل رات سے ہی دوستوں کی طرف ہیں۔ تمہیں اب تک معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ ویک اینڈ پر اکثر دوستوں کے ساتھ ہوتے ہیں، رہی چاچو کی بات تو کال شام ہی وہ آؤٹ آف ٹاؤن گئے ہیں شاید دو دن تک آئیں۔" وہ اسے تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔ فلک کو اب اس کا یوں نارمل رویہ سمجھ میں آیا تھا۔ ورنہ تو وہ سب کی موجودگی میں اسے زیادہ تر نظر انداز ہی کرتا تھا۔ باہر تو کبھی ملتا ہی نہیں تھا۔ دوستی تو فقط نام کی تھی۔

"آجاؤ بھئی اب، مجھے ٹھنڈا کھانا بالکل پسند نہیں ہے۔"اس لڑکی کا دل یکدم دھڑکنا شروع ہوا تھا۔ گردن کی ہڈی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"کیا مطلب؟"اس کے ماتھے پر بھی تیوری آگئی تھی۔نوح نے لبوں پر مٹھی بنا کر رکھی۔اس لڑکی کی ماتھے کی تیوری اچھی لگ رہی تھی۔

"ایک تو تم مطلب بہت پوچھتی ہو۔میں کھانے کا کہہ رہا ہوں۔"آنکھوں سے سجی سجائی ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔

"لیکن یہ میرا کمفرٹ زون نہیں ہے۔میں نے کبھی کسی کے ساتھ کھانا شئیر نہیں کیا۔"وہ اس کی ہچکچاہٹ سمجھ رہا تھا۔اس کا گریز نوح کے دل کو بے حد بھایا۔

"میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔میرا بھی یہ کمفرٹ زون نہیں ہے۔لیکن کیا حرج ہے اگر کبھی ہم اپنے بنائے گئے دائرے سے باہر نکل جائیں تو۔"وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔اس کے گالوں کے اوپری حصے میں معمولی سی سرخی چھانے لگی تھی۔تمازت محسوس کی جانے والی تھی۔نوح نے یکدم نظریں جھکالیں۔

"لیکن مجھے وقت ختم ہونے سے پہلے کام ختم کرنا ہے۔ٹائم پر ایپ بند نہ کی تو پیسے کٹ جائیں گے۔" اس کا گہرا سانس ایک بار پھر ابھرا تھا۔وہ لڑکی شرم کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔بے دھڑک

کھا پی لیتی تھی۔ لیکن سامنے بیٹھے انسان سے آتی وائبز اس کے دل کو پکڑ رہی تھیں۔ وہ دل کو جکڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس جال میں پھنسنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے خود پر کنٹرول حاصل تھا۔ وہ معاملے کنٹرول کرنے میں ماہر تھی۔

"بریک فاسٹ تم بنا چکی ہو۔ صفائی کی ضرورت نہیں گھر پہلے سے ہی صاف ہے۔ اس لیے مزید کوئی ایکسکیوز نہیں، چاچو کہتے ہیں رزق کو زیادہ انتظار نہیں کرواتے۔" وہ ناچار شش و پنج کے منجھدار میں گھری خود کیلئے چھوڑ گئی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ لیکن اس نے اپنی ٹرے الگ کر لی تھی۔ وہ اس انسان نے بہت زیادہ فاصلے پر اپنی گود میں رکھی ٹرے میں سے کھانا کھانا شروع ہوئی تھی۔ نوح نے اس کے شروع کرنے کے بعد کھانا کھانا شروع کیا تھا۔ باتوں کے دوران ان کا بریک فاسٹ ہو رہا تھا۔ بارش اپنے جوبن پر تھی۔ آسمان سے گرتی بارش بند کھڑکی سے یہ حسین منظر دیکھ رہی تھی۔

عروبہ پچھلے بیس منٹ سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اتنا تو اس نے آج تک کسی کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ خوشی کی لک نئے سال سے پہلے پہلے بدلنا چاہتا تھا۔ ایسا ہر سال ہی ہوتا تھا۔ اور اس کا آغاز وہ بہت پہلے سے ہی شروع کر دیتے تھے۔ اس نے دیوار کے بنے کچھ اسکیچز پر نظر ڈالی۔ اسے پسند کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"آپ ایک کام کریں۔"اس نے ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کیا جو خوشی کی دیواریں پینٹ کرنے والا تھا۔"یہ اسکیچز مجھے دے جائیں میں کل تک آپ کو فائنل کر کے بتادوں گا۔"عروبہ نے ایک بار پھر سے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔خوشی میں اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا فقط مہمت، عروبہ اور پنار کے۔

"بہتر ہو گیا۔کل پھر میں اس وقت ہی آؤں گا۔"وہ موسلا دھار بارش میں دروازے تک اس آدمی کو چھوڑنے گیا تھا۔اس کے جاتے ہی وہ اندر آیا۔عروبہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اب تو فارغ ہو گئے ہو،اب چلیں؟"مہمت کی نظریں پنار کی جانب اٹھیں جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔

"لیکن میں نے کہا تھا مجھے آج کلاس لینے جانا ہے۔"اس نے فٹ سے میز کے نیچے رکھا اپنا بیگ اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔

"مہمت یہ ٹھیک بات نہیں ہے تم نے کہا تھا آج ہم گالف کلب جائیں گے۔میں نے کل سے پلان کے بارے میں آگاہ کر رکھا تھا تمہیں اور اب تم اعتراض برت رہے ہو۔"اس نے ایک بار پھر سے باپ کو دیکھا جو تاہنوز اپنے کام میں مگن تھے۔

"دیکھو عروبہ۔"اس نے گہرا سانس بھرا اور پھر بلا آخر کہا۔"میں ہر وقت تمہارے لیے میسر نہیں ہو سکتا ہوں۔میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔اسپیس ہے۔مجھے اسی میں جینا ہے۔اگر تمہیں میرے ساتھ کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو تم بخوشی اس دوستی کو ختم کر سکتی ہو۔میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گا۔"عروبہ کے ماتھے پر ہزار ہا بل پڑ گئے۔اسے مہت کی باتوں کا لب لباب سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے چٹکی بجی ہے اور دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔

"دوستی، کیا ہم دونوں کا رشتہ فقط دوستی پر محیط ہے۔"وہ صدمے کے زیر اثر پوچھ رہی تھی۔زندگی میں پہلی بار اسے کوئی پسند آیا تھا۔زندگی میں پہلی بار اسے خود کیلئے کوئی مسٹر پرفیکٹ لگا تھا۔اس کی پرسنالٹی، اس کے شانے ہلا ہلا کر بولنے کا انداز، اس کا لب ولہجہ اور سب سے بڑھ کر اس کی پہچان۔ وہ ایک پرکشش مرد تھا۔ایک فارن مسلم، ہمیشہ سے اس کی خواہش رہی ہے کہ وہ پاکستان سے باہر شادی کرے گی۔اور اب جب اسے اپنی پسند کے مطابق کوئی مرد مل گیا تھا تو وہ کیا کہہ رہا تھا۔اس نے اپنے دل کے کواڑ بنا سوچے سمجھے اس کیلئے کھول دیے تھے اور اب وہ اتنی آسانی سے کہہ رہا تھا کہ وہ بخوشی جا سکتی ہے۔کیا وہ واقعی سنجیدہ تھا؟

"ہاں، اس کے علاوہ کیا، میں نے حد پھلانگی ہے اور نہ ہی تم نے، اس دن غصے میں، میں نے تمہیں سب سے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کروایا تھا۔لیکن وہ سب سچ نہیں تھا اور نہ ہی۔۔۔ کبھی۔۔۔ہو گا۔"عروبہ کو لگا وہ آسمان سے زمین پر بری طرح گری ہے۔اسے اچانک نوح یاد آیا

تھا۔مہت کی جگہ اپنا آپ محسوس ہو رہا تھا۔تو یہ تھی ریجیکشن، یہ تھا وہ عذاب جو گزشتہ چند سالوں سے وہ انسان جھیلتا آ رہا تھا جسے اس نے بہت آسانی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے بہتر نہیں ہے۔ایسی سبکی، ایسی تکلیف، اس نے اپنے لب بری طرح بھینچے۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے مہت، میں تم سے پیار کرتی ہوں۔"ان کی آواز دھیمی تھی اور پنار دور تھے۔اونچی بھی ہوتی تو وہ سن نہ پاتے۔فی الحال انہوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے۔

"پیار۔۔۔کیا تم سنجیدہ ہو۔ہم صرف دوست رہے ہیں اس کے آگے کچھ نہیں۔پاگل پن کا مظاہرہ مت کرو۔"وہ سرگوشی میں پھنکار رہا تھا۔"میں تم سے کوئی محبت نہیں کرتا۔"اس کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔صد شکر یہاں فلک نہیں تھی ورنہ قیامت آ جاتی۔وہ کیا کرتا پھر۔اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔غصہ سے دانت کچکچا دیے۔

"یو نو واٹ۔"عروبہ سے بولا نہیں گیا۔انگلی اٹھائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی۔"تم مغربی مرد ہوتے ہی ایسے ہو، آج میں تو کل کوئی اور، اور پھر یہ چین چلتی رہتی ہے لیکن تم لوگوں کا دل نہیں بھرتا۔میں تھوکتی ہوں تم پر اور تمہاری اس دوستی پر، میں عروبہ ہوں۔ تمہارے جیسے ہزار جان نچھاور کرتے ہیں مجھ پر، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری دوستی۔"اس نے عروبہ کو انکار کیا۔اس کی ایسی کی تیسی۔وہ تلملاتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔اس کے جاتے ہی مہت کے

شانے ڈھلک گئے۔پنار سب سن چکے تھے مگر خاموش تھے۔یہ بہتر تھا ان کیلئے بھی اور ان کے بیٹے کیلئے بھی،وہ جانتے تھے۔ان کے بیٹے کا دل کس میں اٹکا ہے۔جس میں ان کے بیٹے کا دل اٹکا تھا وہ کچن کی باسکٹ میں سے اپنا کوٹ اٹھانے کیلئے جھکی تھی مگر یہ کیا اس کا گیلا کوٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ کر واپس باسکٹ میں پھینک دیا گیا۔

"اسے وہیں چھوڑ دو،دھل کر آجائے گا تو لے جانا فی الحال اس سے کام چلاؤ۔"رائیل بلیو رنگ کا موٹا اور نیا کوٹ اسے تھما کر وہ مسکراتے لہجے میں کہہ رہا تھا۔فلک کی نظر مہنگے کوٹ پر اڑ کر گئی۔ پلکیں جھکیں۔ان میں حیرانی در آئی۔

"یہ کس کا ہے؟"سوال تھا۔تحیر میں لپٹا سوال۔

"میرا۔"یک لفظی جواب۔

"لیکن یہ میں نہیں لے سکتی۔"وہ اس کی عنایت سے عاجز آرہی تھی۔وہ دشمن تھا تو رج کر تھا اب دوست بن رہا ہے تو انتہا کا بن رہا ہے۔

"تم رینٹ دے دینا۔"وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔فلک لاجواب ہوئی۔"اب پکڑو بھئی، ضد نہیں کرو۔میری کلاس کا وقت ہو رہا ہے۔خوشی شاپ راستے میں ہے تو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔جلدی آؤ شاباش۔"وہ نیا نکور کوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر گیلری کی جانب بڑھ گیا۔

فلک سر جھکائے اس قیمتی کوٹ کو دیکھتی رہی ناچار اسے نوح کے پیچھے جانا پڑا تھا۔خوشی میں آج کام بہت تھا۔بارش اپنی سابقہ پوزیشن میں جاری وساری تھی۔وہ اپنے ڈیوٹی آوورز ختم ہونے کے بعد ایک بار پھر سے پنار کی عدالت میں حاضر تھی۔اس بار حاضری اس کے مطلب کی تھی۔اس لیے وہ مسکراتے چہرے اور ٹمٹماتی آنکھوں کے ساتھ اس بوڑھے ٹرکش کو دیکھ رہی تھی جس نے اپنی نظر کی عینک کو ناک کی چونچ پر ٹکا رکھا تھا۔وہ اس کی یہاں موجودگی کو بھانپ گئے تھے۔

"آپ کے دوست کا سپر اسٹور ہے نا؟"پنار نے ہاتھ جھلاتے ہوئے اس کی بات رد کی۔

"کوئی نہیں ہے چلو جاؤ یہاں سے۔"وہ اور کھسک کر کاؤنٹر کے قریب آئی۔

"اگر کل میں ان کے پاس انٹرویو کیلئے چلی جاؤں تو وہ مجھے رکھ لیں گے۔پلیز میری سفارش کر دیں مجھے سخت قسم کی نوکری کی ضرورت ہے۔آپ کے کارخانے والے دوست نے تو مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔جبکہ میں اس سلوک کے قابل بالکل بھی نہیں ہوں۔میں چاہتی تو ان پر کیس کر سکتی تھی لیکن۔۔۔۔مجھے ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا۔"ایک سانس میں ہی اس نے بات ختم کی تھی۔پنار کی نظریں اسی پر ٹکی تھیں۔

"وہ آج۔"اسے ان کی نظروں کا مفہوم 'کل کیوں؟'والا لگا اس لیے وضاحت دینے لگی۔"مجھے میری دوست کی عیادت پر جانا ہے۔اس لیے انٹرویو کل ہی دے پاؤں گی۔"پنار نے آواز کے

ساتھ کتاب بند کی۔اس کے بعد عینک اتار کر اوندھے منہ پڑی کتاب کے بالکل ساتھ رکھ دی۔ عینک کا ڈل گولڈن شیشہ چھت پر لگی فینسی لائٹس کے سبب لشکارے مارنے لگا تھا۔عینک کے شیشے میں پنار کا باوقار چہرہ نظر آرہا تھا۔

"دیکھو لڑکی، تم انٹرویو آج دو یا کل اس سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔میں کسی سے کوئی سفارش نہیں کروں گا، فیصلہ ہو گیا۔"دوٹوک انکار کے بعد وہ اس کے عقب میں پھیلے ہجوم کو دیکھ رہے تھے جو اس وقت خوشی میں موجود تھا۔اس کی شفٹ صبح کی تھی۔باقی شفٹس دوسرے اسٹوڈنٹس کے سپرد تھی۔اس نے اس بارے میں بھی پنار کی بہت منت سماجت کی تھی لیکن وہ اسے مستقل طور پر پورے دن وشب کیلئے یہاں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے۔اگر وہ ہو بھی جاتے تب بھی اسے کہیں نہ کہیں تو جاب اور کرنی ہی تھی۔بس دو سال اور اس کے بعد وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گی۔بس دو سال اور، اس کے بعد وہ فقط اپنے لیے کمائے گی، صرف اپنے لیے۔

"آ۔۔۔آپ کتنے اچھے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی خوشی میں اور آپ کے رزق میں برکت ڈالے اب میں چلتی ہوں۔"پنار ارے ارے کرتے رہ گئے لیکن وہ وہاں سے چلی گئی۔وہ جانتی تھی پنار کی ناں میں بھی ہاں ہوتی ہے۔پنار نے اسے وہاں سے نکلتے دیکھا پھر سر جھٹک کر بڑبڑاتے ہوئے اپنا فون اٹھایا۔

"جب یہ میری بہو بنے گی میں اسے بالکل کام نہیں کرنے دوں گا۔"مطلوبہ نمبر ملا کر انہوں نے فون کو کان سے لگایا تھا۔

"مرحبا مسز مابل"وہ ایک بار پھر سے اس کیلئے سفارش کر رہے تھے۔ایک بار پھر سے انہوں نے خود کو اس کی مدد کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

دھند میں لپٹے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھی وہ اپنا بیگ پیک کر رہی تھی۔اسے اپنے والدین سے محبت تھی۔وہ چاہتی تھی اس کے بہن بھائی کسی قابل ہو جائیں لیکن ان کی محبت کیلئے وہ اپنی جان نہیں گنوا سکتی تھی۔کیڑے جیسی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔اس لیے اس نے ایک اہم فیصلہ کر لیا۔وہ یہاں سے چلی جائے گی۔اور جب کسی طرح بالکل محفوظ ہو جائے گی تو کما کر انہیں بھیج دیا کرے گی لیکن تب تک وہ صبر کریں گے۔انہیں صبر کرنا ہی پڑے گا۔

"میرے گھر والوں کو مجھ سے فقط پیسے چاہیے تو وہ میں انہیں یہاں سے جانے کے بعد بھی بھیج دیا کروں گی۔لیکن اب میں یہاں ایک پل نہیں رہوں گی۔"بیگ پیک کرنے کے بعد اس نے فیضان کو میسج بھیجا تھا۔وہ اسے اپنے حالت کے بارے میں سب بتا چکی تھی۔فیضان کا تعلق بھی متوسط طبقے سے تھا۔وہ بھی یہاں کمانے کی غرض سے ہی آیا تھا۔اس کے گھر والوں کو بھی اس سے فقط پیسے کی

چاہ تھی۔ وہ جیے یا مرے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ بہنوں کی تعلیم مکمل کی، ان کی شادیاں کیں۔ اس کے بعد بھائیوں کو بھی پڑھا کر ان کو کاروبار کروایا اور پھر ان کی بھی شادیاں ہو گئیں تب بھی کسی نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ وہ بتیس سال کا ہو گیا ہے کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ بس سب کو پیسہ ہی چاہیے تھا اس سے، اس لیے وہ ان سب سے نالاں تھا۔ رقم اب بھی بھیجتا تھا لیکن خود کو ریت نہیں کیا تھا اس نے، میرا سے اسے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔ اس کی شادی کا سن کر اس کے دل میں اوس بھر گئی۔ وہ واحد خوشی جو اس نے اتنے عرصے میں پہلی بار محسوس کی تھی ملتے ہی ختم ہو گئی۔ اس لیے وہ چپ چاپ،ں نظر عام سے غائب ہو گیا تھا لیکن جونہی اسے میرا کی کنڈیشن اور اس پر ٹوٹتے عذابوں کا علم ہوا وہ اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اس کی مدد کیلئے راضی ہو گیا۔ وہ اس کی طلاق ہونے کے بعد اسے اپنا لے گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں تیار ہوں۔" وہ اس وقت ریستوران میں تھا۔ فون کی بیپ بجتے ہی اس نے ٹرے بڑے سارے سنک میں ڈالی اور کونے میں جا کر فون نکال لیا۔ میسج پڑھتے ہی اس کے دل کی دھڑکن غیر متوازن ہوئی تھی۔

"واش اینڈ شائن میں ملتے ہیں۔" میسج بھیجنے کے بعد اس نے فون واپس پینٹ کی جیب میں رکھا اور سیدھا منیجر کے پاس گیا۔

"سر مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ ایمر جنسی ہے، شاید کچھ روز تک آنہ پاؤں۔" اس نے اپنا مدعا مینیجر کے سامنے رکھا تھا۔ وہ اس کی بات سمجھ گیا۔ وہ سال میں ایک بھی چھٹی نہیں کرتا تھا اس لیے اسے آسانی سے چھٹیاں دے دی گئیں۔ دس دن کی چھٹیاں اپروو کروا کر وہ واش اینڈ شائن کا مسافر بنا۔ اس نے اپنے باپ کو فون ملایا تھا۔

"اسلام علیکم بابا، کیسے ہیں آپ؟" بارعب آواز فون کے اسپیکر سے ابھری تھی۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤں نوکری کیسی جارہی ہے۔" اس نے ٹیکسی کے باہر پھیلے روڈ پر نظر ڈالی جہاں لوگ، بلڈنگز اور درخت دوڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"بالکل ٹھیک۔" پھر اس نے تھوڑا توقف کیا، گلا کھنکھارا اور اپنی بات ان کے سامنے رکھ دی۔ "بابا شادی کرنا چاہتا ہوں میں۔" چھوٹا سا جملہ، نہ پسند ظاہر کی اور نہ ہی کوئی اشارہ دیا بس خواہش ان کو بیان کی جسے بری طرح رد کر دیا گیا۔

"کیا جلدی ہے پہلے اپنی باقی ذمہ داریوں سے تو سبکدوش ہو جاؤ پھر اس کے بعد کر لینا شادی یوں بھی کونسا تمہاری عمر نکلی جارہی ہے۔ اچھا سنو، تمہاری ماں اور میں نے عمرہ کرنے جانا ہے۔ پیسے بھیج دینا کچھ روز تک، ماشاءاللہ سے اس کو ملا کر کل سات عمرے ہو جائیں گے ہمارے، تمہیں معلوم تو ہے شروع سے ہی میری خواہش سات عمرے کرنے کی تھی۔" اس کی آنکھوں میں نمی بھر آئی تھی

جسے اس نے ضبط سے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔ فیضان پکے رنگ کا عام شکل وصورت کا حامل لڑکا تھا۔ پڑھائی بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ قد کاٹھ بھی بہت معمولی سا تھا۔ وہ بھی کسی کمپنی کے ذریعے ہی یہاں آیا تھا۔ بہت دبو سا لڑکا تھا۔ ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائی بہت آسانی سے اسے زیر کر دیا کرتے تھے۔ اور وہ بہت آرام سے ان کے آگے زیر ہو جایا کرتا تھا۔ اسے شادی کرنی تھی۔ میرا خوبصورت تھی۔ دسترس سے دور لگتی تھی۔ لیکن قسمت نے اس کے ساتھ یاوری کی اور اس کی محبت کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ اس کی مدد کرے گا۔ اس کی طلاق ہونے کے بعد اسے بھی اپنائے گا اور اس کے بچے کو بھی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ پوری زندگی وہ دوسروں کیلئے جیا تھا اس بار اپنے لیے جینا چاہتا تھا۔ میرامیں اسے اپنی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ اسے تنہا نہیں چھوڑے گا بالکل بھی نہیں۔

"جی بہتر۔"

اس نے کال کاٹ دی۔ میرا سے نکاح کرنے کے فیصلے پر مہر لگ چکی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا آگے کیا ہو گا یا کیا ہونے والا ہے۔ وہ تو بس انجام سے یکسر بے نیاز اپنے دل کی سن رہا تھا۔ اس کے دل کو میرا بھائی تھی بات یہیں پر ختم ہوئی۔ ٹیکسی نے دھند کی چادر میں لپٹے واش اینڈ شائن کے آگے ٹائر چرچرائے تھے۔ وہ ٹیکسی والے کو انتظار کرنے کا کہہ کر اندر آیا۔ واش اینڈ شائن آج بھی ویسا ہی تھا جیسا اس نے چھوڑا تھا۔ ورکرز کی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن میں کھڑے وہ اپنی اینٹری کا انتظار

کر رہے تھے۔ اینٹری کروا کر ہی وہ اپنی اپنی منزل کی جانب راغب ہوتے تھے۔ وہ چاروں جانب نگاہ دوڑا رہا تھا۔ اس کی نظر ایک زاویے پر رک گئی۔ زردی میں گھلی میر افلک کے ساتھ سرگوشیوں میں مگن تھی۔ فلک کے بازو پر یونیفارم لٹکی ہوئی تھی۔ اینٹری کے بعد ہی ورکر کارڈ اور یونیفارم کے لاکر کی چابی ملتی تھی۔ وہ چابی جاتے ہوئے واپس کاؤنٹر پر جمع کروانی ہوتی تھی اور جب ڈیوٹی آوورز ختم ہو جاتے ہیں تب واپس اس چابی کو لے کر کمپنی کا سامان اپنے نام کے لاکر میں رکھا جاتا ہے۔ فلک کے ہاتھ میں کارڈ اور یونیفارم کے علاوہ چابی بھی تھی۔ وہ چابی واپس دینے کیلئے اسے ایک بار پھر سے لائن میں لگنا پڑے گا۔ فیضان نے گہرا سانس بھرا پھر اپنے ایک دو جاننے والوں سے دعا سلام کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا۔ فیضان کو سب سے پہلے دیکھنے والی فلک تھی۔ اس لڑکی کے ماتھے پر تشویش کے بل تھے۔ اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ اور پریشان تھا۔ وہ بہت، بہت کم پریشان ہوتی تھی۔ پریشانی اس لڑکی کے چہرے کیلئے نہیں بنی تھی۔ وہ پریشانی کیلئے نہیں بنی تھی۔ اس کا چہرہ کافی حد تک ناخوش گوار تاثر دے رہا تھا۔ فیضان نے اسے یقین دلایا۔

"میری نیت میں کھوٹ ہوتی تو میں اتنا بڑا قدم اٹھانے کا نہ سوچتا بس وقت گزاری کرتا اور چھوڑ دیتا یوں بھی یہاں کون سوال جواب کرتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ میری نیت بری ہے اور نہ ہی دل کی چاہ، مجھے زندگی گزارنے کیلئے ایک ساتھی کی ضرورت ہے اور وہ مجھے مل گئی ہے۔ یقین کرو میرا کوئی بھی خود کو خطرناک رسک میں ڈالنے کیلئے ایسا قدم نہیں اٹھاتا ہے۔" میرا کی جانب دیکھ کر اس نے

وثوق کے ساتھ کہا تھا۔ فلک جانتی تھی میرا کو اس سے محبت ہے اور نہ ہی شادی کرنے کی چاہ وہ تو بس درندے کی درندگی سے بچنے کی خاطر فرار حاصل کر رہی ہے۔ اس کی دل سے دعا تھی یہ فرار اس کیلئے آسودگیوں والی نجات بنے۔ وہ کبھی بھی کوئی بری خبر نہ سنے۔ اس نے میرا کے ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے ایک بار پھر اسے گلے سے لگایا۔

"میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔" اس کی آواز میں آنسو گھل گئے۔ "اپنا بہت خیال رکھنا، کچھ مشکل ہو تو مجھے بتانا، تمہیں پتہ ہے نا میں سب ٹھیک کرنے کے گر جانتی ہوں۔" میرا اس کی بات پر بیٹھے دل کے ساتھ مسکرا دی۔

"کچھ عرصہ روپوش رہوں گی اس کے بعد فوراً ایمبسی سے رابطہ کروں گی جب سب ٹھیک ہو جائے گا تب تم سے ملنے ضرور آؤں گی۔ میرے حق میں دعا کرنا۔" کمزور سی میرا فلک کے دل کو گیلا کر گئی۔ فلک نے بہت مشکلوں سے آنسوؤں کو روکا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گا، خوشی تمہارا نصیب ہے۔" اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر وہ پیچھے ہوئی تھی۔ میرا ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

"میری بہن کو ایک آنچ بھی آئی تو یاد رکھنا میں بہت جنگلی ہوں تمہیں چھوڑوں گی نہیں، میری رسائی پولیس تک ہے۔ پوری عمر جیل میں سڑو گے تم۔" اس نے ایک بار پھر اسے دھمکی دی تھی۔ فیضان اس بھولی لڑکی کی بات پر مسکرا دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا تھا۔

"اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔" دعا دینے کے بعد وہ بھی ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا۔ فلک کی گردن میں غم کے سبب درد ہونے لگا۔ وہ کچھ قدم پیچھے ہوئی پھر اس نے سیدھا ہاتھ بلند کر کے ہولے ہولے ہلانا شروع کیا۔

"اللہ کی امان میں۔" آخری بار دعا دینے کے بعد وہ بجھے دل کے ساتھ اپنی پہلی منزل کی جانب روانہ ہوئی تھی۔ اس کے قدموں میں رنجش کی آمیزش تھی۔ وہ نوح کے گھر جانے تک اداس تھی لیکن جونہی اس نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا ساری اداسی پس پشت ڈال دی۔ اسے ہمت دکھانی تھی جیسے وہ کئی سالوں سے دکھاتی آرہی تھی۔ اسے مضبوط رہنا تھا جیسے وہ بچپن سے رہ رہی تھی۔ اس کی توقع کے برعکس آج دروازہ مائیر نے کھولا تھا۔ بڑے سارے چشمے کے پیچھے چھپی اس لڑکے کی آنکھیں کافی سنجیدہ معلوم ہو رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر کچھ لمحے شش و پنج میں رہنے کے بعد سلام کر کے وہ اندر چلا گیا تھا۔ فلک اس کے پیچھے ہی آئی۔ جیسی سنجیدگی مائیر کے چہرے پر تھی ویسی ہی لاؤنج میں بیٹھے ہر نفوس کے چہرے پر موجود تھی۔ آج بہت عرصے بعد اس نے لاؤنج کو گھر کے مکینوں سے سجا دیکھا تھا۔ لیکن یہ کیسی سجاوٹ تھی بھلا اتنی سنجیدہ، اتنی بوجھل۔

"تم لوگوں کو آخر مسئلہ کیا ہے کیوں سکون سے مجھے جینے نہیں دیتے۔" کوٹ کو اسٹینڈ پر لٹکاتے ہوئے اسے نوح کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ جھجھکتے ہوئے یونیفارم کا بازو اوپر کر کے مڑی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سیرا، مائیر اور چاچو تھے جبکہ نوح کی اور ایک اضافی فرد کی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ اضافی فرد ایک لڑکی تھی۔ فلک نے کام کے اصول کو اپناتے ہوئے کچن کا رخ کیا اور اپنے کان گھر کے نفوس کی باتوں سے بند کرنے چاہے لیکن وہ ناکام گئی۔ ہر لفظ اس کی سماعت میں پڑ رہا تھا۔ ہر جملہ وہ سن سکتی تھی۔

"میں کوئی پراپرٹی نہیں ہوں جس پر جس کا دل چاہے گا قبضہ جمانے کی کوشش کرے گا۔ انسان ہوں میں جس کے سینے میں دل ہوتا ہے۔ آخر کب تک تم لوگ میرے دل سے کھیلتے رہو گے۔ کب تک مجھے آپشن بناتے رہو گے۔" اس نے کچن کیبنٹ سے تہہ شدہ ایپرن نکالا وہ ابھی اسے سیدھا ہی کر رہی تھی جب غفران کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ان کی مخاطب ایپرن پہننے والی ہی تھی۔

"فلک بیٹا، آج آپ آف لے لو میں ایپ پر کمنٹ کر دوں گا۔" وہ ان کے گھر کا معاملہ تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے اس گھر میں گونجتے الفاظ کوئی باہر والا سنے۔ اس نے سر اٹھا کر غفران کو دیکھا۔ وہ ان کے چہرے کے تاثرات سے فوراً مغلوب ہو کر ایپرن واپس تہہ کر کے دراز میں رکھ گئی۔ اس نے اپنی سیلو کھینچ کر واپس نیچے کی اور کچن کی حدود سے باہر آ گئی۔

"حد ہوتی ہے ایک چیز کی، جب ہمارا بریک ہو چکا ہے تو پیچ اپ کی تو اب کوئی گنجائش ہی نہیں بچتی۔ تم میری پہلی غلطی تھی عروبہ اور میں اب اس غلطی کو بھلا چکا ہوں۔ میں موو آن کر چکا ہوں اس لیے مجھے تمہاری ہمدردی اور سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جا سکتی ہو۔" فلک اس کے لفظوں پر اتنی بری طرح چونکی کہ ایک لمحے کو اینٹرس گیٹ پر رک گئی پھر اپنی فاش غلطی کا احساس ہونے پر وہ جلدی سے گھر کی حدود سے باہر آئی تھی۔

"نوح، میں تمہارے درد کو سمجھ گئی ہوں۔ میں جان گئی ہوں ریجیکشن کتنی بری چیز ہے۔ تم ایک بار تو مجھے معاف کر کے دیکھو۔" مائیر کا منہ بری طرح سڑا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس سفید مٹی سے بنے گلدان کو اٹھا کر اس لڑکی کے سر پر دے مارے۔ اس نے بہت ضبط کے ساتھ خود کو روکا ہوا تھا۔

"درد۔" نوح نے ہنکارہ بھرا۔ "تم جیسی بولڈ لڑکی کے منہ سے اس طرح کے الفاظ سوٹ نہیں کرتے۔ اس لفظ کی گہرائی تک وہی اتر سکتا ہے جو اس فیز سے گزرا ہو، وقتی ٹراما اس لفظ کی تاریکی کو نہیں ماپ سکتا۔" عروبہ اور وہ دونوں ساتھ ساتھ رکھے سنگل سیٹر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عروبہ بالکل ٹیڑھی اس کی جانب رخ کیے بیٹھی تھی جبکہ نوح غفران کی سمت سیدھ میں بیٹھا تھا۔ اس کی ٹانگیں تھوڑی سی کھلی تھیں اور کہنیاں دونوں گھٹنوں پر ٹکی تھیں۔ وہ کبھی ہاتھوں کو باہم پھنسا لیتا تو کبھی بات کے دوران انہیں کھول لیتا۔

"نوح، تم مجھے ایک چانس تو دو۔" وہ یکدم کھڑا ہوا تھا۔ سالوں پہلے ہوئی بے عزتی اور دل کے ٹوٹے ٹکڑوں کی چبھن اب تک اس کے سینے میں موجود تھی۔ وہ جانتا تھا زندگی کے ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی کبھی نہ کبھی یونہی اس کی ذات کی بے مائیگی کو نشانہ بنا کر اسے دکھ دیتا رہے گا۔ اس لیے اس نے اس سمت جانے سے قدم روک لیے تھے۔ لیکن پتہ نہیں کیسے اور کب اس کے قدموں کو جکڑ لیا گیا۔ جانے کیسے وہ دل کے ساتھ ساتھ خود کو بھی ہار گیا تھا۔

"چانس والا وقت گزر گیا اور اب کبھی نہیں آئے گا اس لیے تم یہاں سے جا سکتی ہو۔ میں آئندہ تمہیں اپنے آس پاس نہیں دیکھنا چاہتا، اگر ایسا ہوا تو تمہارے ساتھ بہت برا ہو گا۔" بات مکمل کر کے وہ ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ کر گیا تھا۔ اس کی کھلی دھمکی سے عروبہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ غفران نوح کے جاتے ہی کھڑے ہوئے۔

"دیکھو بچے، اس نے اپنا فیصلہ آپ کو سنا دیا ہے۔ اس لیے بہتر آپ اس فیصلے کا احترام کریں۔ امید کرتا ہوں آئندہ آپ نوح کو پریشان نہیں کریں گی۔" عروبہ کا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے لب کاٹے۔

"میں جانتی ہوں وہ ابھی غصہ ہے۔ جب اس کا غصہ اترے گا تو وہ مجھ تک لوٹ آئے گا۔ اسے کہنا میں اس کی منتظر رہوں گی۔" وہ اپنا پرس اٹھاتی وہاں سے گئی تھی۔ مائیر کے چہرے کے تاثرات تاہنوز وہی تھے کڑے، گندے اور بگڑے ہوئے۔

"کتنی ڈھیٹ ہڈی ہے یہ لڑکی، انکل پوری نگرانی رکھنا یہ نوح کے آس پاس بھی نہ بھٹکے، فلپ عورت۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے جگری دوست کے کمرے کی جانب جارہا تھا۔ سیر انے صوفے پر واپس بیٹھتے ہوئے غفران کو دیکھا۔

"یہ لڑکی میرے بھائی کا پیچھا کب چھوڑے گی۔" غفران اس کی تلخ آواز پر مسکرا دیے۔ وہ بہت کم ہی تلخ ہوا کرتی تھی۔

"یہ شکر کرو آپ کے بھائی نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتی۔" انہوں نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مائیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آپ عروبہ پر نگرانی رکھیں وہ بھائی کے آس پاس بھی نظر نہ آئے۔" غفران نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ اب بالکل بھی نوح کے آس پاس نظر نہیں آئے گی اور بی الفرض ایسا ہو بھی گیا تو نوح اسے خود سنبھال لے گا۔ ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" غفران کی بات سے سیر انے اتفاق کیا

تھا۔ ہولے سے سر کو جنبش دی پھر ماحول کے برے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا اب سارا کام مجھے کرنا پڑے گا، ایک منٹ بالکل بھی نہیں، میں اکیلی کچھ بھی نہیں کروں گی آپ سب کو میری مدد کرنی ہو گی۔" غفران اس کی بات پر مسکرائے تھے پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کیوں نا پرانی یادیں تازہ کی جائیں۔ میں اور آپ بریک فاسٹ بناتے ہیں۔ نوح سے برتن دھلوائیں گے اور مائیر پورے گھر کی صفائی کرے گا۔" چاچو کی بات پر وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے نوح کے کمرے کی جانب دوڑی تھی اس نے دھاڑ سے دروازہ وا کیا۔ مائیر اور وہ سنجیدہ سی سرگوشیوں میں مگن تھے۔ دروازہ کھلنے پر دونوں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ایک اعلان کرنا ہے اور وہ یہ کہ آج ہم سب اپنی اپنی پرانی ڈیوٹی نبھائیں گے۔ مائیر دی نوکر پونچھا اٹھاؤ اور شروع ہو جاؤ کام پر۔" مائیر اس اعلان پر سب سے زیادہ "دی نوکر" لفظ پر بلبلا گیا تھا جبکہ نوح یکدم ٹھٹھکا۔

"فلک نہیں آئی؟" سوال بڑا ہی بے ساختہ اور عجلت میں لپٹا تھا۔

"وہ آئی تھی لیکن چاچو نے اسے واپس بھیج دیا۔" سیر اوہیں کھڑے کھڑے اس کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ اس کے عقب میں تھوڑی دور دیوار پر بڑی ساری پینٹنگ لگی ہوئی تھی جس میں ایک لڑکی برف کی پوشاک پہنے کھڑی تھی۔ تصویر میں لڑکی کی آنکھیں، منہ اور ناک نہیں بنایا گیا تھا۔ اس جگہ سفید للی تھا جس کے عکس میں دھندلا دھندلا سا چہرہ دکھائی پڑ رہا تھا۔

"لیکن کب اور کیوں؟" اپنی غفلت پر اسے بے انتہا حیرت ہوئی۔ وہ اس کی موجودگی کیسے نہیں بھانپ سکا۔ معاملہ وہ سمجھ گیا تھا بس تصدیق چاہ رہا تھا۔ ایک انجانی سی عادت ہو رہی تھی اسے اس لڑکی کی، وہ اس کی گرفت میں جکڑا جا رہا تھا۔

"کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ گھر کے معاملات کسی باہر والے کے کان میں پڑیں ویسے ہم یہ بات کیوں ڈسکس کر رہے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں آج ہم پرانی روایت اپنائیں گے۔ آج عرصے بعد مزہ آئے گا اس لیے چپ چاپ دونوں باہر آجاؤ۔" وہ مڑی گئی لیکن نوح کی نظریں نہیں مڑی تھیں۔ اسے فلک کے لیے برا لگا۔ اسے اس کیلئے بے حد برا لگا۔ اس کا دل جمتا گیا۔ اس کا موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا آج کا دن اس کیلئے اچھا ثابت نہیں ہو گا۔

"تمہاری بہن مجھے بالکل پسند نہیں، میں بتا رہا ہوں اس نے خرانٹ بیوی بننا ہے۔" مائیر کی دہائی نے بھی اس کے دل کو ٹھیک نہیں کیا تھا۔ وہ سر جھکا کر بوجھ تلے بیٹھا رہا۔

"اسے کتنی ہتک محسوس ہوئی ہو گی۔" وہ سوچ رہا تھا۔ سوچ سوچ کر ڈوب رہا تھا۔ سیر اکے الفاظ ابھی تک بازگشت کی صورت اس کے ارد گرد منڈلائے جا رہے تھے۔ اس نے زچ ہو کر دونوں ہاتھوں میں سر کو گرا لیا۔

مینہ صبح سے ہی کچن میں مگن تھی۔ آج اس کے سسرال والے منگنی کا سامان دینے آ رہے تھے اس لیے ان کے کھانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ وہ واقعی میں کچھ کرنا نہیں جانتی تھی۔ سگھڑاپا تو اس سے کوسوں دور تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اسے نازوں پالا گیا تھا۔ اس کی معذوری کو بنیاد بنا کر فرخندہ نے اسے ہاتھ کا چھالا بنایا ہوا تھا۔ اب جب اس ہاتھ کے چھالے پر گھر داری کی ذمہ داری عائد ہونے کو تھی تو وہی چھالا بڑی زور سے دکھ رہا تھا۔ نوبت سر پر کس کر دوپٹہ باندھنے کی آ گئی۔

"اری او مینہ، ایک کام کر آج کیلئے بس کر، کچن سے جا اور تیار ہو جا۔" اس نے پھر سے پیاز غلط کاٹے تھے۔ ایک تو اس بیچاری کا ہاتھ پورا سورا تھا اوپر سے ناتجربہ کاری، فرخندہ کی بس ہو گئی۔ وہ صبح سے اسے بتا بتا کر تھک گئی تھیں کہ پیاز کو گول اور لچھے کی صورت میں باریک کاٹے لیکن وہ اس بات پر کان ہی نہیں دھر رہی تھی۔ گریوی والی مچھلی بنائی تو وہ ایسی بدمزہ کہ نا اگلنے کی اور نہ نگلنے کی، میٹھا

بھی خراب کر دیا اور اب سلاد کیلئے پیاز کٹوانے بیٹھیں تو وہ بھی اس نے سارے برباد کر دیے۔ نگہت نے ماں کو ٹوکا۔

"ویسے اماں آپ بھی کمال کرتی ہو، ایک ہی دن میں سکھانے بیٹھ گئی اسے اور وہ بھی تب جب ندیدے آدھمکیں گے اور تم چھوڑو اس چھری کو اور مشین اٹھاؤ اس میں پیاز ڈالو، سائز سلیکٹ کرو اور چلا دو بس سب خود ہی کٹا کٹایا باہر نکل آئے گا۔" دوپٹے کو گردن سے گزار کر کمر پر باندھے نگہت نے کباب تلتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل تھے اور آواز میں خفگی۔

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو فی الحال مشین سے کام چلا لیتے ہیں بعد میں بیٹھ کر اسے پریکٹس کرواؤں گی۔" مینہ نے چھری ماربل کی سیاہ سلیب پر رکھی۔ کیبنٹ میں سے وہ فلک کی بھیجی گئی غیر ملکی مشین نکال رہی تھی۔ اس مشین کو دیکھتے ہی اسے دفعتاً فلک کا خیال آیا تھا۔ کچن میں سے کام نبٹا کر تکیے کے نیچے سوئے اپنے موبائل کو اٹھا کر اس نے جگایا۔ اسے آج فلک سے بات کرنی تھی لیکن یہ کیا اس کا تو نمبر ہی بند جا رہا تھا۔ اس نے اس کے نام ایک وائس میسج چھوڑا اور پھر آئینے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ گہرا سانس بھر کر اس نے اپنے تازہ کٹے بالوں کو دیکھا جن کی لٹیں اس کے چہرے کے اطراف میں ادھ موئے سانپ کی طرح پڑی تھی۔ اس کی سیاہ رنگت بھی آج ہائیڈرہ فیشل کے سبب گلو کر رہی تھی۔ پی آر پی نے چہرے کو مزید نکھار دیا لیکن سنجیدہ پن نے اس کے چہرے سے

اپنا کرفیو نہیں ہٹایا تھا۔ وہ ویسا ہی جمع رہا جیسے پہلے تھا۔ یہ اس کے چہرے کا پکا پن نہیں تھا یہ حد سے زیادہ سنجیدگی و مایوسی تھی جس نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ اگر وہ معذور نہ ہوتی تو آج ایسی نہ ہوتی۔

"جہیز ایک لعنت ہے۔" وہ اپنے عکس سے مخاطب ہوئی۔ شیشے کے اس پار جاویدہ کھڑا اس کا عکس اس کا بہترین دوست تھا۔ "اگر ہم جیسی لڑکیاں یہ لعنت نہ لیں تو تاحیات ملعون ٹھہرائی جائیں۔ ہم کتنی بے بس ہوتی ہیں نا۔" اس نے نظریں جھکائیں مگر اس کے عکس کی نظریں نہیں جھکی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"ہم بے بس نہیں ہوتیں مینہ، ہم نے خود کو بے بس بنالیا ہوتا ہے۔ خود مختاری بہت بڑا ذریعہ نجات ہے۔ اگر تم کڑھنے کی بجائے اپنے آپ کو کسی کام میں مصروف رکھتی تو قطعی بے بس نہ ہوتی۔ بے بسی آتی ہی خالی جیب سے ہے۔ تم، تمہارے گھر کا ہر فرد صرف ایک لڑکی کے سہارے پر کھڑا ہے۔ سوچو اگر وہ خود مختار نہ ہوتی تو تم لوگوں کا کیا ہوتا۔"

اس نے جھکے سر کے ساتھ اپنے سائے کی بات سنی، جھکا سر مزید جھک گیا۔ تھوڑی گردن سے جا لگی۔

" صحیح کہا تم نے، بابا کو بھولنے کی بیماری ہے۔ دونوں بھائی آرام پسند ہیں۔ آپا کے شوہر نکھٹو ہیں۔ کوئی بھی تو اس گھرانے میں کام کا نہیں ہے سوائے اس کے۔ وہ جب یہاں تھی تب بھی کسی نہ کسی

طرح ہمارا پورا کر رہی تھی۔ وہ اب وہاں ہے تو سارا ہی بوجھ اس کے شانوں پر گرا دیا ہے۔ کتنا غلط کیا ہم لوگوں نے۔"

پورے پاکستان میں وہ واحد اس کی غم گسار تھی۔ پورے پاکستان میں بس اسے ہی اس کی فکر تھی۔

"اوپر سے اب میری شادی کی ذمہ داری بھی، میں بہت شرمندہ ہو رہی ہوں۔ کیا کروں۔ کیسے منع کروں۔ گھر والے سنیں گے اور نہ ہی وہ، دونوں ہی ہٹ دھرم ہیں۔ یا اللہ آپ ہی مدد کریں کوئی۔"

مینہ جس کے بارے میں اپنے عکس سے ہمکلام تھی وہ اس وقت ایک ادھیڑ عورت کے گارڈن میں سے برف ہٹانے کا کام کر رہی تھی۔ وہ خزاں میں پتے اور سردیوں میں برف ہٹانا کا کام زیادہ کرتی تھی کہ ان دو کاموں سے کچھ زیادہ اجرت مل جایا کرتی تھی۔ صبح اسے امی کی کال آئی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ دو دن بعد مینہ کی منگنی ہے۔ منگنی شاندار ہو اس کیلئے اسے وہاں پیسے بھیجنے تھے۔ مینہ اس کی سب سے پیاری بہن تھی۔ پہلی ذمہ داری تھی جسے وہ دل سے نباہ رہی تھی۔ اور اس کیلئے بے حد خوش بھی تھی۔

"میں صبح سے تمہارا انتظار کر رہی تھی اگر آج تم نہ آتی تو میرا پورا گارڈن تباہ ہو جاتا، تمہیں تو اچھے سے معلوم ہے مجھے اپنی گھاس کس قدر عزیز ہے۔" سردی کی شدت کی وجہ سے گھاس برائے نام

رہ گئی تھی۔زرد تنکے ہی تھی جو باقی بچے تھے۔فلک ہاتھوں میں پلاسٹک کے دستانے چڑھائے بالٹی میں برف جمع کرنے میں مگن تھی۔پروفیسر بتول ناک پر چشمہ چڑھائے اون کی سلائیوں میں الجھی اس سے مخاطب تھیں۔دراز قد، نکھری نکھری رنگت والی وہ شائستہ عورت اپنے سر کو چھوٹے چھوٹے پھولوں والے اسکارف سے ڈھکے رکھتی تھی۔کھلی اسکرٹ شرٹ اور اس پر بڑا سا راشرگ ان کا لباس ہوتا تھا۔

"مجھے یاد تھا ابھی نہ آتی تو کچھ دیر بعد آجاتی مگر آج آتی ضرور، دراصل جس گھر میں، میں کام کر رہی ہوں انہوں نے مجھے چھٹی دی ہے آج کی، آپ کہیں تو میں آپ کے کام ان گھنٹوں میں سمیٹ دوں؟" پروفیسر بتول یہاں تنہا رہتی تھیں۔دو کمروں کے مکان میں وہ اور ان کی بھوری بلی مقیم تھی۔وہ صبح اپنی بلی سمیت یونیورسٹی جاتیں اور اپنے حصے کے لیکچر دینے کے بعد گھر واپس آجاتیں۔ان کا کوئی زیادہ کام نہیں ہوتا تھا۔اور یوں بھی وہ اپنے کام خود سمیٹنے کی عادی تھیں۔فلک کی روانی میں کہی بات پر انہوں نے اپنی شہد رنگ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔فلک نے تیسری اور آخری بالٹی کو بھرنے کے بعد اپنے ہاتھ جھاڑے۔پروفیسر بتول نے اون کی سلائیاں اور اپنی سفید ناک پر موجود ڈھیر سارے بھورے تلوں پر جمی عینک اتار کر میز پر رکھ دی۔وہ اس لڑکی پر غور کرنے لگیں۔دبلی پتلی سی، اچھی شکل وصورت کی حامل لیکن بہت محنتی، انہیں محنتی لوگ پسند

تھے۔ وہ ہمیشہ ان کی گڈ لسٹ میں رہے ہیں۔ یہ لڑکی تو یوں بھی کب سے ان کی گڈ لسٹ میں شامل تھی۔

"میرے کمرے کی ڈسٹنگ کر دینا۔ کچن دیکھ لینا اور پول بھی صاف کر دینا۔ میں یونیورسٹی جا رہی ہوں۔ تمہارے پیسے میز پر رکھے ہیں۔ گھر کو بند کر کے چابیاں میل باکس میں ڈال دینا۔" وہ جونہی اٹھیں ان کی بلی میاؤں میاؤں کرتی ان کے پیچھے لپکی تھی۔ فلک نے عجیب نگاہوں سے اس عورت کو دیکھا۔ کیا انسان تھی وہ، رحم دل، فرشتہ صفت، اپنے کام سے کام رکھنے والی، خاموش طبع، سلجھی ہوئی اور تنہا۔ اس کے لبوں پر یکدم انجانی سی مسکان کھل گئی۔ چلو کوئی چیز تو ان دونوں میں مماثلت تھی۔ کچھ تو تھا جو پروفیسر بتول اور اس میں میل کھاتا تھا۔ اس نے وہی کیا جو انہوں نے کہا تھا۔ اپنے حصے کے تمام کام کر کے وہ ان کے گھر سے باہر آئی تھی۔ سرخ رنگ کا میل باکس اس لڑکی سے آشنا تھا تبھی چھو جانے پر بھی خاموش کھڑا رہا ورنہ اتنا زور سے الارم بجتا کہ سب چوکنا ہو جاتے، پولیس کو ریڈ سگنل مل جاتا اور وہ کسی کے گھر میں چوری چھپے گھسنے کی پاداش میں اب تک گرفتار ہو چکی ہوتی۔ میل باکس کو بند کر کے وہ کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا فون نکالتی مڑی تھی۔ نشیب پر بنی سڑک اس کے آنے کی منتظر تھی۔ اس نے اپنے گھسے ہوئے جوتے برف کی تہہ سے چکنی ہوتی زمین پر جمانا شروع کیے۔ اس دوران وہ فون چیک کر رہی تھی۔ وہاں سب سے اہم مینہ کا وائس نوٹ تھا۔ اس نے جلدی سے اسے سنا۔

"فلک جب بالکل فارغ ہو جاؤ تو مجھے کال کرنا۔" اسے خوشی پہنچنا تھا لیکن کوئی بات نہیں وہ پانچ منٹ لیٹ ہو سکتی ہے۔ اس نے ہوا کے تھپیڑوں سے ایک ہاتھ کو بچانے کیلئے کوٹ کی پاکٹ میں گھسایا اور دوسرے سے کال ملانے لگی۔ دوسری بیل پر کال اٹھالی گئی تھی۔

"اسلام علیکم کیسی ہو، بہت بہت مبارک ہو شادی کی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔ دوسری جانب چند لحظے خاموشی چھائی رہی گھور سناٹے کے بعد آواز ابھری تھی۔

"فلک کیا یہ واقعی شادی ہے؟" اس کی آواز کی لرزش وڈر نے بہت کچھ فلک پر عیاں کر دیا تھا۔ وہ لمحے میں لاجواب ہوئی مگر پھر سنبھل گئی۔

"ہاں کیوں نہیں، یہ ایک شادی ہے اور ایک کامیاب شادی رہے گی۔ تم بہت خوش رہو گی مینہ، تمہیں پتہ ہے میرا دل کر رہا ہے میں تمہیں شادی کا جوڑا یہیں سے بھیجوں۔ وہ اتنا حسین ہو اتنا حسین ہو کہ سب دیکھتے رہ جائیں۔ اور میں ایسا کروں گی بھی۔" اس کے پاس سے سائیکل پر دو اسٹوڈنٹ گزرے تھے۔ دائیں ہاتھ پر بنے ایک گھر میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ شاید کوئی یارڈ میں لکڑیاں جلا رہا تھا۔ وہ قطار میں لگے درختوں کے نیچے چل رہی تھی۔ اس کے پاؤں تلے مرے ہوئے بوسیدہ پتے پڑے تھے۔ جن کے چرمرانے کی آواز اس کے ہر قدم سے اٹھ رہی تھی۔ شور اٹھتا اور پھر تھم جاتا۔

"تم میرا دل مت بہلاؤ انہوں نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا مگر جونہی جہیز کا معلوم ہوا فیصلہ بدل لیا۔ فلک وہ صحیح لوگ نہیں ہیں۔ ان کی نیت میں لالچ ہے۔ لالچی انسان رہنے کے قابل نہیں ہوتے۔" فلک رک گئی۔ نشیب ختم ہو گئی تھی۔ ہموار زمین، لوگوں کی چہل پہل، برف اٹھاتی گاڑیاں، سڑک کے درمیان میں چلتی ٹرین، زندگی کا ہنگامہ اس کے سامنے تھا۔

"تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟" وہ یہاں سے بس سو قدم اور چلے گی اس کے بعد خوشی اس کے سامنے ہو گی۔

"دائمی رنج سے وقتی رنج بہتر نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آسمان ابر آلود تھا۔ کئی دنوں سے تھا۔ برف گرتی تھی کب سے گر رہی تھی۔ بارش کی پہلی بوند اس کے بالوں میں گر کر مدغم ہو گئی۔ ایسی کئی بوندوں نے اس کا گھیراؤ کیا تھا۔

"مینہ، ہم قیاس پر تو زندگی نہیں گزار سکتے نا ہو سکتا ہے ویسا نہ ہو جیسا تم سوچ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کبھی کوئی رنج ہو ہی نا۔" پہلے ایک چھوٹی بوند گری تھی اس کے بعد تھوڑی بڑی، پہلے ایک بوند گری تھی پھر دو، پھر تین اور پھر بے شمار۔

"فلک وہ لالچی ہیں۔ ان کی لالچ کبھی ختم نہیں ہو گی بلکہ وقت کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ اور ان کی لالچ کے پیمانے کو پورا کرنے کیلئے تمہیں ہی آگے کیا جائے گا جو کہ میں ہرگز نہیں چاہوں گی۔

تمہارے شانوں پر ایک اور خاندان کا بوجھ نہ پڑے اس لیے میں اس رشتے سے کترا رہی ہوں لیکن اماں، اماں میری نہیں سن رہیں۔"اس کے لبوں پر پیار بھری مسکان نے ڈیرہ جما دیا۔اس کا سر ابھی مکمل طور پر نہیں بھیگا تھا۔

"فکر نہیں کرو مینہ، اس ذمہ داری کو میں دل سے قبول کرنا چاہوں گی۔تم جانتی ہو میری سب سے اچھی بہن ہو تم، تمہاری لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"اس کی نگاہیں پناہ گاہ ڈھونڈنے میں مگن ہوئیں کیونکہ آسمان دل کھول کر برسنے کی چاہ رکھتا تھا۔بادل بری طرح قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔

"لیکن فلک۔"اس نے پیار بھری عجلت میں اس کی بات کاٹ دی۔وہ اس کے عذر سے بخوبی واقف تھی۔اسے اس پر پیار آیا۔

"لیکن ویکن چھوڑو اور فکر کرنا بند کرو بس خوش رہو، یہ دن تمہارے خوش رہنے کے ہیں۔میں تمہارے لیے بہت ساری دعا کروں گی۔اپنا خیال رکھنا تم اللہ حافظ۔"اس کی نظروں کی کھوج یک لخت رکی وجہ وہ چھت تھی جو اس پر کی گئی تھی۔فلک نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ٹرانسپیرنٹ چھتری کا اس پر سایہ کیے کھڑا وہ بہت سنجیدہ سا تھا۔فلک نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹائیں۔وہ مینہ کو سن رہی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"بہت ضدی ہو تم،۔۔۔ تمہاری بات پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی، تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ اللہ کی امان میں۔" اس نے فون بند کر کے واپس کوٹ کی جیب میں رکھا اور پھر سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم اس سیکٹر میں بھی کام کرتی ہو؟" فلک نے سر کو ہلایا تو اس کی پونی بھی ہل گئی۔ نوح نے بھی ہولے سے سر کو ہلایا۔ دونوں کے عقب سے بل کھاتی سرخ ٹرین گزری تھی۔

"یہاں سے دائیں جانب مڑ کر سو قدم کی دوری پر خوشی ہے اور بائیں جانب آپ لوگوں کا گھر، یہ راستہ درمیان میں پڑتا ہے اس لیے میں کچھ دیر یہاں کام کر لیتی ہوں۔ ایسا ہفتے میں ایک ہی دن کر پاتی ہوں۔" وہ اسے تفصیل سے آگاہ کر رہی تھی۔ نوح کی نظروں میں اس کا چہرہ تھا جہاں خفگی کا شائبہ تک نہ تھا۔ شاید اس لیے کہ آج ان کی جانب سے چھٹی ملنے پر وہ اپنا ایکسٹرا کام کر سکی تھی۔ یوں واش اینڈ شائن والے اس کی سیلری میں سے کٹوتی بھی نہیں کر سکے اور وہ مزید پیسے بھی کما گئی۔ نوح کا موڈ پھر بد مزہ ہوا۔ اسے فلک کی پیسے کی لت آج کچھ زیادہ چبھ رہی تھی۔ کہاں وہ اس کیلئے پریشان ہو رہا تھا اور کہاں وہ مزے میں تھی۔ اس کا ساری پریشانی غارت ہو گئی۔ کہا تھا نا آج کا دن اس کا برا دن تھا۔

"تمہارے بس میں ہو تو تم سانس لینے میں بھی وقت ضائع نہ کرو اور پیسے کمالو۔" فلک کے مسکراتے لب سکڑے۔ وہ پھول سے پھر سے پیاز بن گیا تھا۔ نوح یہاں پر غلط بات کر گیا۔ غصہ اسے عروبہ پر تھا اور اپنی فرسٹریشن اس لڑکی پر نکال رہا تھا۔

"اور آپ کے بس میں ہو تو آپ بات ہی نہ کریں بس طعنے ہی دیے جائیں۔" نوح کی کشادہ پیشانی پر بے شمار لکیریں ابھر آئیں۔

"طعنہ، تمہیں یہ طعنہ لگ رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے محترمہ جو اس وقت تم سے ہضم نہیں ہو رہی۔" فلک نے سینے پر بازو باندھ لیے۔

"اسی وجہ سے، اسی وجہ سے میں تم جیسے ٹاکسک لوگوں سے دوستی نہیں کرتی۔ جو کبھی کچھ اور کبھی کچھ ہوتے ہیں۔" اسے غصہ آگیا تھا۔ اس کا غصہ آنا بنتا تھا۔

"میں ٹاکسک ہوں تو تم کیا ہو۔ پیسہ بنانے کی مشین۔ بس کام کیے جاؤ۔" فلک کی بس ہو گئی تھی۔ اس نے سینے پر بندھے ہاتھوں کی مٹھیاں بنالیں۔

" صحیح کہا میں ہوں ہی ایسی ویسے بھی ہمارے عظیم رہنما نے بھی تو یہی کہا ہے کہ کام کام کام اور بس کام کرو۔ اس سے آپ چڑچڑے، کریلے اور ٹاکسک بالکل بھی نہیں بنتے۔" وہ آواز کے ساتھ تلخی سے مسکرایا۔ گردن دائیں سائیڈ پر ہو گئی وہاں جہاں بہت ساری دکانیں قطار میں بنی ہوئی تھیں۔

دور کسی لڑکی نے بیکری کا دروازہ کھولا تو تیز میٹھے کی خوشبو ہوا سنگ مچلتی کودتی ان کے درمیان آکر پھیل گئی۔ وہ تازہ فروٹ کیک کی خوشبو کو با آسانی سونگھ سکتے تھے۔

"تم لڑنا چاہ رہی ہو۔" برا دن تھا برا ہی رہا۔

"یعنی میں لڑنا چاہ رہی ہوں؟" وہ حیرت سے اپنی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ "وہ تم ہو جو آتے ساتھ ہی فضول میں بولنا شروع ہوئے ہو۔ تمہیں اس سے کیا میں جتنے مرضی پیسے کماؤں۔ جہاں مرضی کام کروں۔ دن کو کروں رات کروں۔ تم ہوتے کون ہو سوال کرنے والے، طنز کرنے والے۔ یہ میری چوائس ہے اور اس میں، میں تمہاری دخل اندازی بالکل پسند نہیں کروں گی۔ یاد رکھو یہ آخری بار ہے۔ آگے سے میں لحاظ نہیں کروں گی۔" وہ بپھر گئی تھی۔ نوح نے اپنے جملوں پر کرفیو لگایا۔

"حد ہے۔" بہت ہی کڑوے انداز میں کہا۔ سر کو جھٹک کر اس نے چھتری اس کو پکڑائی اور کھلے آسمان سی چھت کے نیچے سے نکل کر واپس اپنی کار میں جا بیٹھا۔ اس نے فلک کی کلائی کو کوٹ پر سے تھام کر اس کے ہاتھ میں چھتری دی تھی۔ جو اس نے درشتی سے پہلے پھینک دی پھر اس کے جانے کے بعد اٹھالی کہ اس سردی میں وہ بھیگ کر خود کو بیمار نہیں کر سکتی تھی۔ یہ انسان عجیب تھا اور اسے سمجھنا عجیب تر، اس نے جھرجھری بھری۔

"دو چیزیں، موصوف کی دو چیزیں ہو گئی ہیں میرے پاس کل پہلی فرصت میں لوٹاؤں گی۔"

دونوں اپنی اپنی منزل کی جانب گامزن تھے۔ دونوں ہی ایک دوجے کی سوچوں کا محور تھے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم تھے۔ دونوں ہی اس بات سے نا آشنا تھے۔

شام ہو چلی تھی لیکن بارش نہیں تھمی تھی۔ مہت پنار ہاتھ رگڑتے ہوئے اپنے اسٹوڈیو میں آیا۔ آج مائنس میں سردی کا ریکارڈ پھر سے جا رہا تھا۔ وہ پورا دن اسکول میں مصروف رہا تھا۔ اس کے اسکول میں بہت جلد آئل پینٹنگ کا کمپیٹیشن ہونے جا رہا تھا جسے دوسرے ملک کے سفارت خانے سپانسر کر رہے تھے۔ اسے بڑی زبردست آئل پینٹنگ آتی تھی۔ وہ رئلیسٹک اینیمل تصاویر پینٹ کیا کرتا تھا۔ اس کا بچپن کا شوق تھا اس لیے اس میں وہ ماہر تھا۔ اپنے اسی گر کی وجہ سے اس نے بھی کمپیٹیشن میں حصہ لیا تھا۔ مقابلہ چونکہ دسمبر کی پہلی تاریخ کو ہونا تھا اس لیے اس کے پاس تیاری کا پورا مہینہ تھا۔ وہ اسکول میں اسی حساب سے تیاری کر رہا تھا۔ اب گھر آیا تھا تو بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا اوپر سے سردی کی شدت اور مسلسل کئی گھنٹے کلاس و پینٹنگ میں صرف کرنے کے بعد اس کے ہاتھ بری طرح تھک گئے تھے۔ لیکن پھر بھی، پھر بھی اسے اپنی محبت کا مجسمہ تو مکمل کرنا تھا نا، پھر بھی وہ اسے بنانے کی چاہ رکھتا تھا اور بنائے گا چاہے جتنا تھک جائے، چائے جتنا اداس ہو جائے چاہے جتنی

خوشیاں نازل ہوں۔ چاہے وہ بیمار ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ وہ روز اس پر کام کرے گا۔ وہ روز اسے بنائے گا۔ تاکہ وہ جلد از جلد مکمل ہو جائے۔ محبتوں کے مہینے میں اسے اپنی چاہت کی تکمیل کرنی ہے۔ اس کیلئے اسے محنت اور جفاکشی کا مظاہرہ کرنا ہو گا اور وہ کر بھی رہا تھا۔ وہ اس کی ناک کے خم کو بنانے لگا۔ اسے لگا تھا چہرے کا یہ سب سے آسان حصہ ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا یہی حصہ اسے دل کھول کر پریشان کرے گا۔ اس نے ایک بار کوشش کی پھر دوسری بار سلسلہ بائیس بار پر چلا گیا۔ معاملہ کافی گھمبر ہو گیا۔ اس نے چکنی سفید مٹی کو اپنی مٹھی میں لے کر بھینچا۔

"جو چیز آسان لگتی ہے وہی سب سے دشوار ہوتی ہے۔ مسٹر پنار کبھی کبھی صحیح کہہ جاتے ہیں۔"

اس نے مٹی کو واپس میز پر رکھا۔ اسٹوڈیو کے اندر دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نصب تھا۔ وہ مہمت کا واش روم تھا۔ وہاں وہ کام ختم کرنے کے بعد ہاتھ وغیرہ دھو لیتا تھا۔ اس نے آج بھی ایسا ہی کیا پھر اسٹوڈیو کو لاک کر کے نیچے آ گیا۔ آدھی سیڑھیوں تک ہی پہنچا تھا وہ جب اس کی سماعت سے گرامو فون سے نکلتی ٹرکش گانے کی دھن سنائی دی ساتھ میں پنار کے گنگنانے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ مہمت کے لبوں پر مسکان پھیل گئی۔ وہ آخری سیڑھی سے اترتے ہی دائیں جانب مڑا۔ کچن اس کی نظروں میں تھا۔ پنار وہاں موجود تھے۔ جو کے دلیے کی خوشبو پر سکون گانے کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر پنار مڑے۔ ان کی کمر پر نارنجی رنگ کا ایپرن بندھا تھا۔ نیلی موٹی ڈریس پینٹ اور سفید اون کی چیک دار جرسی میں پنار آج بے حد خوش لگ رہے تھے۔ مہمت نے سر تا پا

اپنے بابا کو دیکھا۔ یہ وہ آخری جوڑا تھا جو مسز پنار نے اپنے شوہر کیلئے خریدا تھا۔ اس کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ مہمت جانتا تھا پنار دو صورتوں میں اس جوڑے کو پہنتے تھے۔ ایک تب جب وہ بے حد خوش ہوتے اور دوسرا تب جب وہ اپنی شریک حیات کو خواب میں دیکھتے۔ وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ ان کے پاس آکر کھڑا ہوا اس طریقے سے کہ اس کی پشت کاؤنٹر سے ٹکی تھی اور رخ پنار کی جانب تھا۔

"کوئی بہت خوش ہے۔" اس نے ذائقے دار دلیے پر نظر ڈالی۔ پنار نے شاد سے شانے اچکائے۔

"خوشی کا سبب تم ہو۔" وہ اس انوکھی بات پر چونکا۔ ٹیک خود بخود چھوٹی تھی۔

"میں، میں کس طرح بھلا؟" اس نے پورے دن پر نظر ثانی کی، آج کا دن تو اچھا خاصا مصروف تھا۔ اس کا پنار سے ٹکراؤ بھی بالکل نہیں ہوا تھا پھر وہ کس طرح ان کی خوشی کا سبب بن سکتا تھا بھلا۔

"آج کے دن مجھے اور تمہاری ماں کو تمہارے آنے کی خوشی ملی تھی۔ آج کے دن ہمیں پہلی بار والدین کا منصب عطا ہوا تھا۔ آج کے دن ہمیں ہماری محبت کی تکمیلیت کا احساس ہوا تھا۔" مہمت کا دل یکدم مغلوب ہوا۔ وہ ہر سال بھول جاتا تھا۔ ہر سال پنار اسے جو کا دلیہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ وہ لازوال جوڑے کی محبت کی عملی صورت تھا۔ وہ کتنا خوش نصیب تھا۔

"اس لیے میرے پیارے بیٹے تم جا کر ڈائننگ میز پر بیٹھ جاؤ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلانے والا ہوں۔" وہ جانتا تھا ایسا ہی ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔ جب وہ دلیہ کھا چکا تب پنار نے میز پر کار کی چابی رکھی تھی۔ اس نے نا سمجھی سے اس چابی پر نظریں ڈالیں۔

"میں چاہتا ہوں محبتوں کے مہینے میں تم کچھ دن اپنے لیے مستعار لو، میرے بیٹے جیسے میں نے اور تمہاری ماں نے میٹھے پل جیے ویسے تم بھی جیو۔ کل جڑی بوٹیوں کیلئے فلک کو لے کر گاؤں چلے جانا۔" اس کا چہرہ اچانک حدت پکڑ گیا۔ اس نے چور نگاہوں سے باپ کو دیکھا جو آج تو خوش تھے مگر کل جب اس خوشی کا رنگ اترے گا تب وہ کریئر پر فوکس کرنے کا لمبا لیکچر دے رہے ہوں گے۔ خرافات سے بچنے کے ایک سو ایک طریقے بتا رہے ہوں گے۔ کل وہ سخت پنار بن جائیں گے۔

"وہاں تمہیں ایک جوڑے کے گھر ٹھہرنا ہو گا۔ ان سے میں پہلے ہی بات کر چکا ہوں۔ اس لیے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔" اس کے شانے کو تھپک کر وہ برتن سمیٹنے لگے تھے۔ مہمت اثبات میں سر ہلاتا پر سوچ سا تھا۔ اس کے معدے میں تتلیاں بھر چکی تھیں لیکن دل انہونے انکار کے سبب دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کا سوال برجستہ سا تھا۔

"اور اگر وہ نہ گئی؟" کچن کی جانب جاتے جاتے پنار تھمے، تھم کر مڑے۔ ان کے ایک ہاتھ میں باؤل اور دوسرے میں گلاس تھا۔

"خوف نہیں کرتے بچے، خوف حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔" اس کے باپ نے اس کے چہرے پر پھیلی بے چینی و ڈر بھانپ لیا تھا۔ وہ نظریں چرائے بنا نہ رہ سکا۔

"دو دن کے حساب سے پیکنگ کر لو، کل صبح نکلنا اور پرسوں شام لوٹ آنا۔" وہ واپس مڑ گئے تھے۔ باؤل اور گلاس سنک میں ڈالا۔ "اور ہاں اس سے میری بات ہو گئی ہے۔ وہ ضرور آئے گی۔"

پنار نے ٹھیک کہا تھا۔ اگلی صبح چھے بجے وہ اس کے دروازے کے سامنے تھی۔ مہمت اسے دونوں شانوں پر بیگ ڈالے کھڑا دیکھ کر ٹھہر سا گیا۔ اس کے دل نے بہت گہرا غوطہ لگایا تھا۔ وہ اس سے ناراضی ختم کر چکا تھا۔ وہ تو اب پرانی بات ہو چکی تھی۔ یوں بھی ان دونوں میں لڑائی ہوتی نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تھی تو بہت کم مدت کی۔ زیادہ دیر وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خفا نہیں رہ سکتے تھے۔

"میں لیٹ تو نہیں ہوئی نا، سنو میں بغیر ناشتے کے آئی ہوں اور لمبے سفر سے مجھے خالی پیٹ متلی ہوتی ہے اس لیے پہلے تم مجھے اپنے ہاتھ کا قہوہ پلاؤ پھر ہم سفر پر نکلتے ہیں۔" اندر آتے ہی اس نے جوتے بدلے۔ کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکایا اور بیگ وہیں سائیڈ پر رکھ دیا۔ اس کی گرے رنگ کی پھیکی شرٹ کا بازو کہنی پر سے ادھڑا ہوا تھا۔ ادھڑن چھپانے کی غرض سے اس نے اس بازو کو چنٹ دے دی تھی۔ مہمت نے اس کیلئے دل و جان سے قہوہ بنایا۔

"مجھے لگا جس طرح کی تم نخرے باز اور مصروف انسان ہو کبھی نہیں آؤ گی۔"اس نے قہوے کے ساتھ سیمت اور چند بیکڈ زیتون رکھے۔فلک نے جھٹ سے ایک ساتھ تین چار زیتون منہ میں ڈال لیے۔

"تم سے اسی منفی سوچ کی توقع کی جاسکتی ہے۔اچھا یہ بتاؤ تم نے لائنسس رینیو کروالیا؟"مہمت نے بھی کرسی کھینچی اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔وہ قہوے کا گھونٹ بھر رہا تھا۔پنار جاگنگ کیلئے گئے تھے۔وہ جانتا تھا اس کے بعد وہ سیدھا اپنی خوشی میں پہنچیں گے۔

"کروالیا تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"فلک نے گول شیپ کی مڑی ہوئی بریڈ کو اٹھایا اور دانتوں سے اسے کترنے لگی۔

"کیونکہ مجھے جیل نہیں جانا۔"مہمت نے دانت کچکچائے تھے۔یہ لڑکی واقعی اسے زیر کرنے کے طریقے جانتی تھی۔وہ نفی میں سر ہلاتا رہ گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہارے جیل جانے کا ضامن بن سکتا ہوں؟"قہوہ اس نے صرف فلک کیلئے بنایا تھا۔وہ دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے مٹھی پر تھوڑی رکھے اسے دیکھے جارہا تھا۔اسے دیکھنا کتنا دلکش تھا نا۔

"جیل۔۔۔مجھے لگتا ہے تم مجھے دوسری دنیا میں بھی بھیج سکتے ہو۔"وہ اسے تنگ کر رہی تھی یہ اس کے لہجے سے چھلک رہا تھا۔

"اتنی بری ڈرائیونگ بھی نہیں کرتا میں۔"مہمت نے نظریں ترچھی کر کے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پچھلی بار تم مجھے فورتھ ایونیو لے کر گئے تھے۔ہمارے پیچھے پیچھے پولیس آئی تھی۔بعد میں معلوم ہوا تم نے کچھ زیادہ اسپیڈ میں ٹیک اوور کیا تھا۔اب تم ہی بتاؤ جرمانہ بھرنے اور تمہارے ساتھ دس منٹ پولیس اسٹیشن جانے کے بعد میں تمہیں کیسا ڈرائیور ڈکلیئر کروں۔"وہ بریڈ بھی کھا چکی تھی۔ اس کا پیٹ بھر گیا تھا۔مہمت کا منہ بن گیا۔

"صرف ایک بار کا حادثہ یاد ہے باقی کیوں بھول گئی،کتنے سکون سے تمہیں ہر جگہ لے کر گیا ہوں میں۔"وہ ہنس دی تھی۔اس کے لبوں کے کنارے مہمت کی آرٹسٹک نظر میں کھب گئے۔

"اسی سکون سے اس بار بھی لے کر جانا ورنہ میں نے باقاعدہ تمہارے ساتھ جانے سے بائیکاٹ کر لینا ہے۔"ہنستے ہوئے باتوں میں ان کے دن کا آغاز ہوا تھا۔

یہ سوچ مہمت پنار کیلئے بہت دل کش تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دو بہترین دن اپنی من پسند ہستی کے ساتھ گزارنے والا ہے۔اس کا دل ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔وہ ہواؤں میں کیوں نہ اڑے بھلا،یہ موقع پہلی پہلی بار جو آیا تھا۔نا جانے ان لمحات نے دائمی بن جانا تھا یا بس گزر جانا تھا۔

مائیر نے پوراڈیپارٹمنٹ چھان لیا مگر وہ مخلوق اسے کہیں نہیں ملی آخر زچ آکر اس نے ایک آخری بار اسے وائس نوٹ بھیجا۔

"دیکھو اگر تم اگلے دو منٹ کے اندر اندر مجھے نہ ملی تو باخدا میں تمہیں اس برستی بارش میں چھوڑ جاؤں گا پھر واویلا نہیں مچانا۔" اس نے ابھی وائس نوٹ بھیجا ہی تھا کہ عقب سے اسے بھاری آواز سنائی دی۔ وہ اور کوئی نہیں نوح تھا۔

"کسے دھمکی دے رہے ہو؟" اس کا پورا دن برا گزرا تھا بے حد برا، پہلے عروبہ سے سر کھپایا اس کے بعد فلک سے تلخ کلامی ہو گئی اس کے بعد کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔ اب کہیں جا کر جب دن ڈھلنے کو تھا وہ تھوڑا سنبھلا تھا ورنہ اس کی مینٹل ہیلتھ ابھی تک متاثر تھی۔

"تمہاری چہیتی کو، آرڈر دے دیا مجھے ساتھ لے کر جانا اور اب مل نہیں رہی۔" بے چین نظروں سے اس نے خاموش موبائل پر ایک بار پھر سے نظر دوڑائی تھی۔

"سیر اتو کب کی اپنی دوستوں کے ساتھ جا چکی، ان کا اچانک گرل شاپنگ کا ارادہ بنا تھا۔" مائیر کو شدت کا جھٹکا لگا۔ اتنے اچھے سے موسم میں اس نے کیا کچھ نہیں سوچ لیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ وقت

گزارنا چاہتا تھا۔ تھوڑے سے پل چرانا چاہتا تھا۔ اور وہ میڈم تھیں کہ چلی گئیں۔ وہ صدمے میں بولا۔

"جا چکی، کیا اس نے تمہیں جانے سے پہلے بتایا تھا؟" نوح نے ہولے ہولے سر اثبات میں ہلا دیا۔ پورا ڈیپارٹمنٹ اس وقت خالی تھا۔ فقط وہ دونوں سرخ چھوٹی اینٹوں سے بنے اس ڈیپارٹمنٹ میں کھڑے تھے۔ اینٹوں کا رنگ کم سرخ ہو گا مائیر کا چہرہ کچھ زیادہ سرخ تھا۔

"اس نے تمہیں بتایا کہ وہ جا رہی ہے مجھے انفارم کرنے کی زحمت نہیں کی جو ایک گھنٹے سے اسے ڈھونڈتے ہوئے خوار ہو رہا ہوں۔" نوح نے کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا، انگلیوں سے کوئی چیز مس ہوئی تھی۔ اس کے دل نے اسی وقت بیٹ چھوڑی۔ وہ جانتا تھا وہ چیز کیا ہے۔

"تم جیلیس ہو رہے ہو؟" مائیر دانت کچکچاتے ہوئے اس کے نزدیک آیا۔

"نوح جبران میں غصہ ہو رہا ہوں۔ ایک بار تمہاری بہن کو رخصت ہو کر آنے دو دیکھو کیسے سیدھا کرتا ہوں۔" نوح کی ابرو یکلخت اچکی تھی۔ تیر کمان نے نشانہ باندھ لیا۔ مائیر اس تیر سے بہت خار کھاتا تھا تبھی گڑبڑا گیا۔

"تمہاری سوچ کے پیش نظر مجھے لگتا ہے ہمیں اس رشتے پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔" وہ چیز ایک چین تھی جن پر اس کی انگلیاں مس ہوئی تھیں۔ اس نے اسے شہادت کی انگلی سے اٹھا کر باقی کی انگلیوں میں تھام لیا۔ مضبوطی سے مٹھی میں بند کر لیا کبھی نہ چھوڑنے کیلئے۔

"نظر ثانی، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے گی لیکن ہمارا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹے گا یاد رکھنا تم، اب ایسے گھور کیا رہے ہو چلو دیر ہو رہی ہے۔" وہ چین اس کی مٹھی میں آچکی تھی۔ حادثے کے بعد آج اس نے یہ کوٹ پہنا تھا۔ وہ اس چین کو جیب میں رکھ کر بھول گیا تھا۔ مگر اب سب جیسے تازہ ہو گیا ہو۔ وہ جذبہ جیسے ابھی ابھی ابھرا ہو۔ اس کے دل میں اس سے ملنے کی خواہش جگی تھی، بڑی شدت سے جاگی تھی۔ وہ اس سے نارض تھی۔ ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی لڑائی ہوئی تھی لیکن کوئی بات نہیں وہ اسے منا لے گا۔ اسے یقین تھا وہ مان جائے گی۔ اس کی خواہش کی تکمیل فجر کی اذان کے بعد ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ اس نے نماز پڑھی پھر قرآن لے کر بیٹھ گیا۔ غفران جم روم میں مصروف تھے اور مائیر حسب عادت سونے میں مگن تھا جبکہ سیرا کے کمرے سے مدھم سرگوشیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ یقیناً گیٹ ریڈی ودھ میں شوٹ کر رہی تھی۔ نوح قرآن رکھ کر کچن میں آگیا۔ فلک کے آنے میں پانچ منٹ تھے لیکن اس سے پہلے ہی اسے کافی کی کریونگ ہو گئی تھی۔ وہ یاد کی ہوئی سورت کو زیر لب دھرا رہا تھا جب کال بیل بجی۔ مائیر اسی دوران سر جھاڑ منہ پھاڑ کمرے سے باہر آیا تھا۔ نوح نے ایک ملامتی نظر اس لڑکے پر ڈالی جس کا سلام نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

پتا نہیں وہ اور سیر اا تنی مصروفیت اور لا پرواہی کے باجود کیسے اس سے سورتیں یاد کرنے میں آگے تھے۔ نوح ابھی ان سے تین چار سورتیں پیچھے تھا۔ اس نے دل میں عہد کیا تھا کہ ان دونوں سے آگے ہو کر دکھائے گا مگر اس کا عہد دھرا کا دھرا ہی رہ گیا۔ کل رات جب وہ اپنا اپنا سبق لے کر بیٹھے تھے تو اس بات نے نوح کو بڑا دھچکا پہنچایا کہ وہ دونوں اس سے آگے ہیں۔ کہا تھا نا بیچارے کا وہ دن بڑا ہی برا گزرنے والا ہے۔ تو بالکل ویسا ہی ہوا۔ وہ ہر چیز میں کل چت ہی رہا۔ اس کا موڈ ہر بار اور زیادہ بگڑتا گیا۔ وہ دن اس کی زندگی کا برا ترین دن تھا۔

اس نے کیتلی کو رکھ کر سوئچ آن کیا پھر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ اس گھر کا ڈورمین تھا۔ دروازہ کھولنا اس کے ہی ذمے تھا۔ اکثر مائیر بیل بجنے پر کہتا تھا۔

"جاؤ ڈورمین اپنی ڈیوٹی دو۔" اور وہ اس کے اس جملے پر کھینچ کر کشن اسے مارتا اور چپ چاپ اٹھ کر چلا جاتا۔ لیکن جب سے پورے کا پورا دل چوری ہوا تھا وہ بخوشی اس ڈیوٹی کو نبھا رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکان ماند پڑ گئی۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ جسے اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا اس کی جگہ کوئی اور کھڑی تھی۔

"ہیلو سر، میں واش اینڈ شائن سے کاراہوں۔ میں تھرٹی تھری کی ریپلیسمنٹ میں ہوں۔ کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"وہ سن ہوا تھا۔ لڑکی کے جملے نے اسے ساکت کر دیا۔ دماغ جانے کیوں سائیں سائیں کرنے لگا۔

"ری پلیسمنٹ؟"اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھیں تاہنوز ساکت تھیں۔

"تھرٹی تھری دو دن کی چھٹیوں پر ہے اس لیے بیک اپ کے طور پر مجھے بھیجا گیا ہے۔ سر کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"اس کی فوراً جان میں جان آئی تھی۔ حلق میں اڑی گلٹی نیچے جا گری۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے لڑکی کو اندر آنے کا راستہ دیا اور خود لان میں باہر آگیا۔ دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہ اسے ہولے ہولے تھپکی دے رہا تھا۔ اسے ابھی اسی وقت اپنی شدت کا ادراک ہوا تھا۔ اسے ابھی اسی وقت فلک کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ دو ماہ پورے ہوں گے اس کے بعد وہ ان کے گھر نہیں آیا کرے گی۔ اس کے بعد وہ اسے روز نہیں دیکھا کرے گا۔ پھر وہ کیا کرے گا؟ یہ سوچ ابھی سے اسے ہولا رہی تھی۔ اسے خود سے اور خود کی سوچوں سے خوف آیا۔ کافی دیر تجزیہ کرنے کے بعد بلا آخر لان میں بچھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے بلا جھجھک اسے کال ملائی مگر وہ اپنی روایات پر قائم رہی اس نے کال اٹھانی تھی اور نہ ہی اٹھائی۔

"فلک۔"بس ایک پکار، کوئی سوال نہیں، کوئی لمبی تاویل نہیں۔بس آواز۔۔۔میسج بھیجنے کے بعد وہ دس منٹ فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر زچ آکر اس نے اسے میز پر پرے سرکا دیا لیکن ہر ٹون پر وہ جھٹ سے فون کو اٹھاتا پھر مایوس ہو کر واپس رکھ دیتا۔مائیر نے اسے گہرے بادلوں تلے بیٹھے دیکھا تو مرر ڈور کو سرکا کر اس کے پاس آگیا۔

"کیوں بھئی مجنوں اس اداسی کا تعلق لیلا سے ہے نا، فلک کو مس کر رہے ہو؟"نوح بری طرح اس بات پر سٹپٹا کر کھڑا ہوا۔اس افتاد میں کرسی گر گئی تھی۔مائیر پھٹی آنکھوں سے دو قدم پیچھے ہٹا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا جب دیکھو اول فول بکتے رہتے ہو، اس لڑکی کا یہاں پر کیا ذکر۔"مائیر نے دونوں ہاتھ سیز فائر کے سے انداز میں اٹھا لیے۔

"بروبرو، چل یار کیا ہو گیا ہے۔میں تو مذاق کر رہا تھا۔"نوح نے اپنا راز چھپانے کی غرض سے طیش کی لپٹیں لہجے میں ڈالی ہوئی تھیں۔آسمان کو اپنے قید میں لیتے بادل کچھ زیادہ گہرے ہو چلے تھے۔واثق امید تھی کچھ ہی دیر میں سنو فال پھر سے شروع ہو جائے۔

"مذاق میں بھی یہ بات برداشت نہیں کروں گا میں یوں بھی وہ میری ٹائپ کی نہیں ہے۔"وہ تن فن کرتا اندر کی اور قدم بڑھا رہا تھا لیکن ایسا نہ کر سکا وجہ مائیر کا جملہ تھا جس نے اسے جکڑ لیا تھا۔

"چلو وہ نہیں ہے تو پھر وہ ہو گی جس کی تم نے نوکری ضبط کروائی تھی۔ دیکھو انسان بن کر خود بتا دینا ورنہ تم جانتے ہو میں کتنا بڑا جاسوس ہوں اور یہ اپنا جعلی غصہ خود تک ہی محدود رکھو میں اس سے مغلوب ہر گز نہیں ہونے والا۔" اس کی طیش سے بھری آنکھیں، ماتھے کی گھبراہٹ اور آنکھوں کی بے چینی ان کہی سی داستان سنا رہی تھی۔ وہ تھما، ٹھہرا پھر بولنے کیلئے لب وا کیے ہی تھے کہ جیب میں رکھا فون تھرتھرا اٹھا۔ اس نے جیکٹ میں سے فون بر آمد کر کے چہرے کی جانب کیا۔ نام پر نگاہ پڑتے ہی جسم کا سارا خون سمٹ کر منہ پر آ گیا۔ وہ کسی نئے ٹراما کیلئے ہر گز تیار نہیں تھا۔ اس نے اپنی ذات کو بڑی مشکلوں سے سمیٹا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا پھر سے اس کے زخم ہرے ہوں اور وہ بکھر جائے۔ نوح فون کو ہاتھوں میں تھامے شش و پنج میں کھڑا تھا جب مائیر نے اس کے ہاتھ سے فون اچک لیا۔ کال اٹینڈ کی۔ ایک روئی کا گالا اسی لمحے زمین بوس ہوا تھا۔

"اسلام علیکم انکل کیا حال چال ہیں آپ کے؟" اس کی چہکتی ہوئی آواز تھی اور نوح کا الجھا ہوا سا انداز۔

"میں ٹھیک ہوں نوح کہاں ہے؟" جبران مانو اچھے موڈ میں نہیں تھے۔ اس نے زیر لب کہتے ہوئے اپنی گردن پر ذبح والے انداز میں ہاتھ کو دو بار پھیرا۔ گدلے سے دن میں سفیدی برس پڑی تھی۔

"وہ۔"اس نے وہ اچھا خاصا لمبا کھینچا پھر ہنستے ہوئے چٹکلے پن سے گویا ہوا۔"وہ بڑا مصروف ہو گیا ہے آج کل، بہت محنت کر رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے آنے والے وقتوں میں نوح جبران کافی مطلوب ہونے والا ہے۔"وہ اندر جانے لگا تھا لیکن مائیر نے اس کی کلائی تھام کر اسے روک دیا۔ دونوں ہی برف کی بارش میں بھیگ رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر سے آتی جبران کی آواز ہمیشہ کی طرح آج بھی نوح کے دل کو زرد کر گئی۔ پتے تیزی سے جھڑنا شروع ہوئے تھے۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ کامیابی اس کے قدم چومے گی۔ اس سے کہو دل لگا کر پڑھائی کرے۔ مجھے غفران نے سمجھا دیا ہے۔ میں ابھی ایشل کو اس کے پاس نہیں بھیج رہا ہوں۔ شادی بھی اس کی اسپیشلائزیشن کے بعد ہی کروں گا ہاں منگنی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ لیکن اس فیصلے پر بھی ابھی نظر ثانی کر رہا ہوں۔ اسے کہو فکر نہ کرے شاید غفران ٹھیک تھا مجھے جذبات سے کام نہیں لینا چاہیے۔"وہ فلو میں بول رہے تھے۔ جوں جوں وہ بولے جا رہے تھے توں توں نوح کے شانوں سے انجانا سا بوجھ سرکتا جا رہا تھا۔ وہ اچانک خوش ہوا۔ وہ اچانک و بے حد خوش ہوا۔ لیکن اس نے اپنی خوشی پر بند باندھ لیا۔ محدود کر لیا۔ وہ مائیر کو دیکھ رہا تھا جو ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر کہنی اور ٹانگ کو فولڈ کرتا بے آواز یس بول رہا تھا۔ اس لڑکے کی طمانیت بھی دیکھنے کے لائق تھی۔

"بہت اچھا فیصلہ کیا آپ نے، آپ دیکھیے گا اس فیصلے کا کتنا مثبت اثر پڑتا ہے اس پر۔"کان کی پچھلی سائیڈ کھجاتے ہوئے وہ اپنے جان جگر کو آنکھ مار رہا تھا۔

"امید ہے ایسا ہی ہو گا، جب وہ آئے تو اس سے کہنا میں نے فون کیا تھا ابھی میں رکھتا ہوں ضروری میٹنگ کیلئے نکلنا ہے مجھے۔" مائیر نے کال کاٹتے ہی جوش کا اظہار کر دیا۔ وہ دوبار اوپر اچھلا اور دونوں بار اس نے ہاتھ کی مٹھی سے گول گول دائرے بنائے تھے۔ نوح نے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھا انکل کا کمال، ہر وقت منہ بسور کر پھرتے رہتے تھے کہا بھی تھا وہ ہینڈل کر لیں گے۔ اب تم ہمیں ٹریٹ دے رہے ہو شام کو یہ میسج میں 'ہم چار' میں پھینکنے والا ہوں۔" وہ اس کی سنی بنا اندر کی اور دوڑا تھا۔ اسے تو بس صبح شام کھانے کی فکر رہتی تھی۔ نوح نے ہاتھ میں دبوچے فون کو دیکھا۔ اس کے دل کے لے کسی اور ہی دنیا کی معلوم ہو رہی تھی۔ ہر بوجھ ہر غم جیسے سرک گیا تھا۔ حقیقی آزادی محسوس ہو رہی تھی اسے، اس کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔

"پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں کبھی نہ کبھی تو ہو ہی جاتی ہیں۔ ان پریشانیوں کے بوجھ میں ہم کیوں خود کو ٹارچر کرتے رہیں۔ زندگی تب بھی چلے گی اور بعد میں بھی چلے گی۔ خوشی اور غم کے درمیان بس ایک مسکراہٹ کا فرق ہوتا ہے۔ مسکراؤ گے تو یہ فرق بھی مٹ جائے گا۔"

اس کے لبوں پر مسکان آئی تھی بڑی گہری آئی تھی۔ اس نے بنا سوچے سمجھے میسج لکھنا شروع کیا۔

"تم سے ملنا ہے۔ ایک ضروری بات کرنی ہے۔ فارغ ہو تو بتانا۔" آسمان سے گرتی سفیدی اس شخص کو بھی سفید مجسمہ بنانے کی سعی میں تھی۔ وہ فون کو میز پر ہولے ہولے بجاتے ہوئے اس کے میسج کا

انتظار کر رہا تھا۔ اس کی خوشی اپنے عروج پر تھی۔ بیپ ہوئی۔ اس نے جھٹ سے فون کا رخ اپنی جانب کیا۔ وائس میسج تھا اور غفران کا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی مائیر کی بھی وائس آئی تھی اور اس کے بعد سیرا کی۔ واٹس ایپ کا چیٹ باکس بھرنا شروع ہوا تھا۔ برف میں بیٹھے شخص کی خوشی آہستہ آہستہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگی۔ وہ خود پر سے روئی کے گالوں کو جھاڑتا اندر آ گیا۔ اس کی ناک سرخ تھی ناک کے ساتھ ساتھ گال بھی۔

اسے یونیورسٹی جانا تھا وہ نہیں گیا، اسے جم کرنی تھی اس نے نہیں کی، اسے ریسرچ کرنی تھی اس نے وہ بھی نہیں کی۔ ڈاکٹر فاؤ کی کال آئی اس نے نہیں اٹھائی۔ دوسرے پروفیسرز اسے کال کرتے رہے اس نے پک نہیں کی تھی کیونکہ اسے انتظار کی جونک چپک گئی تھی۔ عجلت میں بے چینی میں، کچن میں ٹہلتے ہوئے، صوفوں کے کشن سیدھے کرتے ہوئے، شیشے کے پاس ٹھس کھڑے ہوئے اپنے ناخون دانتوں سے کترتے ہوئے وہ بس ایک ریپلائے کا منتظر تھا۔ فقط ایک ریپلائے کا۔۔۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں تھا۔ وہ تو بات کرنے سے کتراتا تھا کجا کہ یوں شدت سے انتظار کرے۔ کوئی اس سے بات کرتا تھا تو ٹھیک ہے نہیں کرتا تھا تو اس کی بلا سے، لیکن یہ جو آج ماجرہ وقوع پذیر ہوا تھا وہ انوکھا ہی تھا۔ اس نے کال بٹن پر انگوٹھا رکھا۔

"ایک بار کر لوں تو کیا حرج ہے۔" خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے وضاحت دی تھی۔ دن سے شام ہوئی تھی شام پر رات چڑھ آئی تھی۔ جاتی ہوئی ہر بیل پر اس کا دل غوطے کھا رہا تھا۔ اس نے

دائیاں ہاتھ اس پر رکھ کر ہولے سے تھپکا، اس کا تھپکنا یکدم تھما تھا کیونکہ کال نہیں اٹھائی گی۔ اس کے کان گرم ہوئے تھے۔ توہین کا احساس آپ ہی آپ ہوا۔ ایسا ہو سکتا تھا بھلا کہ آپ کسی کو صبح سات بجے میسج کرو اور وہ رات گئے تک اس کا جواب نہ دے اوپر سے کال بھی نہ اٹھائے۔ نوح نے فون کو صوفے پر اچھالا۔

"میں بھی مرا نہیں جارہا تم سے بات کرنے کیلئے، بھاڑ میں جاؤ۔" لاؤنج کے صوفے پر بے جان پڑے فون پر ایک تلخ نظر ڈال کر وہ اپنے کمرے میں گیا ابھی اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا ہی تھا کہ موبائل کی بیپ بج اٹھی۔ وہ الٹے پیر بھاگتا ہوا واپس آیا تھا۔ فون پر آتی کال پر نظر پڑتے ہی ابرو اچکا کر کڑوا ہوا۔

"لعنت ہے مجھ پر۔" فون بجے جارہا تھا جبکہ اس کا مالک واپس اپنے کمرے کی جانب گامزن تھا۔ فون پر مائیر کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

رامیہ بہت گہرائی سے جواد کے بنائے گئے نقشے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر بل نمودار تھے اور چہرے پر ٹھہراؤ والی سنجیدگی، وہ باریک بینی سے ہر اسکیچ کا جائزہ لے رہی تھی۔ تنزیلہ نے ہاتھ بڑھا کر بیٹی کے ماتھے کے بلوں کو سیدھا کیا۔ وہ چونک گئی پھر ہولے سے مسکرائی۔

"اتنی زیادہ سنجیدہ بیٹھی ہو آپ تو، کب سے اس کام میں مگن تھی؟" وہ ابھی ابھی اس کے آفس آئی تھیں۔ آتے ساتھ ہی انہوں نے سیٹ سنبھالی اور اپنا بیگ میز پر رکھ دیا۔ گوچی کا یہ لیٹسٹ ایڈیشن تھا۔ مسٹر جواد جو دوسری کرسی پر بیٹھے تھے نک سک سی تیار مسز جبران کو دیکھ کر کھڑے ہوئے۔ وہ اتنی حسین تھیں کہ ان پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ جواد نے ان کی خوبصورتی کے قصے سن رکھے تھے آج دیکھ بھی لیے۔ وہ اس عورت سے بری طرح مغلوب ہو چکا تھا۔

"اوہ ماما، یہ جسارت صرف آپ ہی کر سکتی ہیں۔" اس نے فائل بند کر کے سفید میز پر رکھی پھر کرسی تھوڑی سی گھما کر جواد کو دیکھا جس کی نظریں بدلی بدلی سی لگی تھیں۔ رامیہ نے پرزور طریقے سے گلا کھنکھارا تو وہ سٹپٹا گیا۔

"مسٹر جواد، معلوم ہو رہا ہے اس بار آپ نے محنت کی ہے تبھی نظر آ رہی ہے۔ منتخب جب کر لوں گی میں تب آپ کو بلا لوں گی فی الوقت آپ جائیں اور ہاں دو کپ کافی بھجوا دیجیے گا۔" اسے اس کی حیثیت شائستہ انداز میں باور کروانے کے بعد وہ تنزیلہ کی جانب متوجہ ہوئی جو تھوڑی تلے ہاتھ رکھے دبی مسکان کے ساتھ اپنی بیٹی کو نہارے جا رہی تھیں۔ ان کے ریشم سے بال اس طرح بیٹھنے پر دائیں شانے پر آن گرے تھے۔ رامیہ نے اپنی ماں کی محویت پر سوال اٹھایا۔

"خیریت اس طرح کیوں تکا جا رہا ہے مجھے ؟" تنزیلہ سیدھی ہوئیں۔ بالوں کو ہاتھ سے جھٹک کر پشت پر گرایا۔

"دیکھ رہی ہوں چھوٹی سی نک چڑھی لڑکی کیسے باس لیڈی بن گئی ہے۔ ویسے یہ روپ سوٹ کرتا ہے تم پر۔" وہ اس کا مپلیمنٹ پر ہولے سے مسکائی پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"رائیل کمپنی ہمارے ساتھ پارٹنرشپ کرنا چاہتی ہے۔ اس کمپنی کا آنر احسن رضا میر افیلورہ چکا ہے۔ سوچ رہی ہوں بابا سے اس بارے میں بات کروں۔" احسن رضا نام پر تنزیلہ چونکیں۔ انہیں پچھلے سال کے سیمنار کے مناظر یاد آنے لگے تھے۔ وہ یو کے میں تھیں اور ایک پاکستانی نوجوان بھرپور دلچسپی سے انہیں تکے جا رہا تھا۔ تنزیلہ کا کردار برا نہیں تھا۔ وہ تو بس شوہر کی بے وفائی کے اثر کو ملیامیٹ کرنے کی خاطر خود کو ان جھمیلوں میں جھونک چکی تھیں۔ وہ چاہتی تو اس لڑکے کی دلجوئی کر سکتی تھیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کرخت لہجے میں اسے اپنی نگاہوں پر قابو رکھنے کو کہا تھا۔ جس پر اس نے متبسم لہجے میں جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں اپنی نگاہوں کو قابو میں رکھنا مگر آپ کا سراپا ہے ہی ایسا جادوئی کہ نظریں ہٹنے میں ہی نہیں آ رہیں۔" تنزیلہ نے اپنے دماغ کو جھٹک دیا۔ ہو سکتا ہے کوئی اور احسن رضا ہو ضروری نہیں کہ اس میں دنیا میں ایک نام کا ایک ہی انسان ہو۔

"کیا سوچنے میں لگ گئیں؟" تنزیلہ نے کافی کے کپ کو اٹھایا تھا۔ رامیہ پر سوچ نگاہوں سے ماں کو جانچ رہی تھی۔

"کچھ نہیں یہ بتاؤ مائی ہوم کے پیپرز ابھی تک جبران کے پاس ہی ہیں اگر ہیں تو تم اس میں اپنا خون پسینہ لگا کر بے وقوفی کر رہی ہو۔ وہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے۔ تمہیں ڈچ کر جائے گا۔" رامیہ نے مسکاتے ہوئے گھونٹ بھرا تھا۔ اس کے کیبن کے شیڈز کھلے تھے تبھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے پورے کیبن کو منجمند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام گئی کیونکہ اندر گرمائش حد سے زیادہ تھی۔

"جس چیز میں ایک بار میں گھس جاؤں وہ میری ہی ہو کر رہتی ہے۔ کسی کی جرات نہیں ہے مجھ سے مائی ہوم پراجیکٹ کو چھیننے کی ہاں ایک صورت میں ایسا ہو سکتا ہے اور وہ تب جب میں خود پیچھے ہٹ جاؤں۔" اس کے لہجے میں، نظروں میں اور مغرور سے چہرے پر اشتعال کی سرخی تھی۔ تنزیلہ ٹھہر سی گئیں۔ ان کی اس بیٹی نے بہت سے کرائسز دیکھے تھے۔ وہ بچپن سے ہی ذہنی مریض رہی تھی۔ اس کی باقاعدہ کاؤنسلنگ ہوتی تھی۔ ون آن ون سیشن ہوتے تھے۔ میڈیکیشن پر رہتی تھی وہ، اس کا اینگر اشو اتنا زیادہ تھا کہ اسے سنبھالنے میں تنزیلہ ادھ موئی ہو جاتی تھی۔ مگر جب وہ بڑی ہوئی اس نے خود پر خول چڑھا لیا۔ اس کے اندر کیا چل رہا ہے کسی کو معلوم نہیں تھا۔ حاکمیت تو کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مگر اب یہ جنون، تنزیلہ کو تھوڑی سی فکر لاحق ہوئی۔

"لیکن جبران واضح کہہ چکے ہیں کہ وہ یہ سب اس کے نام۔"رامیہ نے ماں کی بات درمیان میں قطع کی۔اس کا انداز ان کے ساتھ بھی حاکمیت لیے ہوئے تھے۔عزم ایسا تھا کہ مانو چٹان ہو، حرف آخر، بارڈر لائن۔

"وہ صرف کہہ سکتے ہیں کر نہیں سکتے، اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پر۔۔۔شک ہے آپ کو کیا؟"ٹانگ پر سے ٹانگ اتار کر وہ آگے جھکے کہہ رہی تھی۔آواز میں سرگوشی کا عنصر غالب تھا اور آنکھوں میں انجانا سا پردہ۔

"رامیہ۔"اس نے پھر سے ان کو قطع کیا پر زور طریقے سے کیا۔

"مام، اس فضول کی بحث کو ختم کر دیں یہ بتائیں بوٹوکس کیلئے کب جا رہی ہیں۔"تنزیلہ سمجھ گئی وہ اب ذہنی خلفشار کا شکار ہونے والی ہے اس لیے بات کا رخ بدل دیا۔انہوں نے قمیض کے بازو اوپر کیے۔سلور گھڑی میں وقت دیکھا۔

"فلائٹ دو گھنٹے بعد کی ہے۔"رامیہ نے جائنٹ کرسی کی پشت پر کمر کو ٹکایا۔

"ہمم، تو پھر کب تک واپسی ہو گی آپ کی؟"انہوں نے گہرا سانس بھرا پھر شانے اچکاتے ہوئے گویا ہوئیں اسی دوران کیبن کی کال بیل بجی تھی۔رامیہ نے تھوڑا سا آگے جھک کر ایک بٹن پر یس کیا۔مخصوص آواز اس بٹن سے ابھری تھی۔اس کا مطلب تھا وہ اس وقت مصروف ہے۔

"کچھ زیادہ جلدی نہیں آؤں گی۔ ایک ڈیڑھ ماہ لگ جائے گا۔ میں کچھ وقت اب تنہا گزارنا چاہتی ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں کہنے کو۔ اس کی ماں ایک قابل ڈاکٹر تھی۔ زیادہ وقت وہ ہاسپٹل میں یا پھر بیرون ملک ہی گزارتی تھیں۔ جب بھی یہاں زیادہ عرصہ رہتی تھیں ان کی اور جبران کی ان بن چلتی رہتی تھی۔ اکثر یہ ان بن اچھی خاصی لڑائی کا روپ دھار لیتی تھی اس لیے وہ خود کو اس طرح کی سرگرمیوں میں مصروف رکھتی تھیں۔ وہ جانتی تھی اب اس کی ماں لمبے عرصے تک واپس نہیں آئے گی۔ اس کی بروکن فیملی کبھی نہیں جڑے گی۔ وہ لوگ یونہی ٹکڑوں میں جیئں گے۔ اس کے دل میں نوح کیلئے نفرت نے ایک اور لہر اٹھائی تھی۔ وہ ایک بار پھر اس کے وجود سے خار کھانے لگی تھی۔ وہ نہ ہوتا تو ان کا گھر ایک خوشحال گھر ہوتا۔ وہ نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ جس کیلئے اس کی نگاہوں میں نفرت تھی وہ اس وقت غفران کے ساتھ باتوں میں مگن تھا۔ رات کا سماں تھا مگر کافی چہل پہل تھی۔ وہ سب ایک انڈین ریستوران میں موجود تھے۔ مرر دیوار سے باہر بنے سفید ہاتھ والا فاؤنٹین نظر آرہا تھا۔ جس کی انگلیوں سے اگلتا پانی مائنس کی سردی میں نکلتے ہی جم رہا تھا۔ آرٹیفیشل پھولوں کے باغیچے پر برف کی چادر بچھ گئی تھی۔ سبز گھاس سفید رنگ میں ڈھل گئی۔ چکنی راہداری میں عکس واضح تھے۔ گمان شیشے کا ہو رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کرسیوں اور چوکور لکڑی کی میزوں پر بے تحاشہ لوگ موجود تھے۔ سر پر موجود بڑا بلب سنہری

ذروں سی روشنی پھینک رہا تھا۔ بارعین آنکھوں کے سامنے تھا جس کی ایک دیوار پر رنگ بہ رنگی بوتلوں کی قطار لائن سے لگی تھی۔ نوح سرسری سی نظر انہی بوتلوں پر ڈال کر دبی آواز میں غفران سے کہہ رہا تھا۔

"اب لگ رہا ہے میں سانس لے رہا ہوں ورنہ مسٹر جبران تو ہر وقت اس کو روکنے کے درپے رہتے ہیں۔" خشمگیں چہرہ، بجھی آواز، خفا سا وہ۔

"وہ تمہارے والد ہیں نوح، جیسے بھی ہیں لیکن ہیں، کہیں نہ کہیں اس میں تمہاری بہتری ہی ہے۔" سمجھانے کی ایک اور بے ضرر سی کوشش، ایک معمولی سی تھپکی، اس نے سر جھٹک دیا۔ سیر اور مائیر مدھم لہجے میں اپنی باتوں میں مگن تھے۔ یہ نظارہ شاذونادر ہی دیکھنے کو ملتا تھا ورنہ تو ہر وقت ان کا ٹام اینڈ جیری والا سین آن رہتا تھا۔

"اسی بات کا قلق ہے اور یہ قلق تمام عمر رہے گا۔" توقف، غفران کا آزردہ سانس۔ "رہی بہتری کی بات تو جو چیز ٹراما کی طرف لے جائے اس میں کبھی بہتری نہیں ہوتی۔ میں ٹھیک ہوں جیسا بھی ہوں۔" اس نے نامحسوس انداز میں اپنا فون اٹھا کر اس کا بٹن پش کیا۔ اسکرین اب بھی اس کے نام سے محروم تھی۔ بے دلی سے اس نے اسے واپس میز پر اوندھے منہ گرا دیا۔ (سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بے حس، بے مروت، بھول جانے والے)

"اس بحث کو فی الحال در گزر کر دیتے ہیں یہ بتاؤ بے چین کیوں ہو؟" اچانک حملے پر وہ سٹپٹایا۔ وائلن کی مدھر دھن نے سماں باندھا ہوا تھا۔ سنہری ذروں میں بھیگتے شخص کی آنکھیں پل بھر کو چونکیں۔

"میں۔۔۔ میں کیوں بے چین ہوں گا۔" نظریں چرا لیں، پکڑا گیا۔ کچا جو تھا ان چیزوں میں۔

"تم چھپا رہے ہو اچھی بات ہے۔ بتا دو گے تو زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ میں فورس نہیں کر رہا بس ایک درخواست ہے۔" اس نے بے بس نگاہیں اپنے مسیحا پر ڈالیں۔ وہ کیا بتاتا انہیں، وہ تو خود دو کشتوں کا شکار لگتا تھا۔ کنفیوز بھی تھا اور پر یقین بھی، مانتا بھی تھا اور نہیں بھی۔

"آدھے سے زیادہ شہر ہمیں پولیس سمجھنے لگ گیا ہے جبکہ انہیں یہ نہیں معلوم ہم صرف ہیلپر ہیں۔ جب زیادہ عملے کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی دوسرا غیر حاضر ہوتا ہے تو اس کی جگہ آپ ہمیں عارضی طور پر بیچ دے کر بلا لیتے ہیں۔ کتنی غیر حقیقی بات ہے نا یہ۔" اس نے پوری کی پوری بات بدل دی۔ غفران اس کی کنارہ کشی کی عادت سے اچھے سے واقف تھے تبھی در گزر کر دیا۔ سیر اور مائیر کی کھسر پھسر بند نہیں ہوئی تھی۔ وائلن کے تار ویسے ہی چھیڑے جا رہے تھے۔ سفیدی بھی تاہنوز برس رہی تھی۔ غفران نے ابرو اچکا کر گرائے پھر رخ دونوں کی جانب کیا۔

"میرے خیال سے ہم چار لوگ ایک ساتھ یہاں موجود ہیں جوڑیوں کی صورت میں نہیں۔"

انہوں نے کانٹے کی نوک کو میز پر بجا کر کہا تھا۔ سیر افوراً سے الرٹ ہوئی جبکہ مائیر کے منہ کے ہزار ہازاویے بن گئے۔ وہ بڑبڑایا تھا۔

"ہنہہ، کوالٹی ٹائم بھی گزارنے نہیں دیتے، کباب میں دو موٹے ہڈے۔" بڑبڑاہٹ کافی اونچی تھی۔ سیر انے اس کے گھٹنے پر ہاتھ مارا، نوح کا چہرہ کافی سنجیدہ تھا اور ویسا ہی رہا جبکہ غفران کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"دیکھو لڑکے، حد میں رہو رخصتی سے پہلے میں ایسی حرکتیں برداشت نہیں کروں گا اگر ایسا ہی چلتا رہا تو تم اپنے رہنے کا انتظام کہیں اور کرو مجھے تم میں سے بغاوت کی بو آ رہی ہے۔" یہ بات مائیر کے دل پر لگ کر اس کی آنکھیں پھاڑ گئیں۔ وہ سٹپٹا سا گیا۔

"کیسی حرکتیں، کون سی بو اور کیسی بو بھئی، دنیا کا مہنگا ترین پرفیوم استعمال کرتا ہوں میں اور نکال کر تو دکھائیں گھر سے ذرا، میں نے وہ واویلا ڈالنا ہے کہ پورا شہر اکھٹا ہو جائے گا۔" اس کی تڑی اسی کی طرح بے کار اور بودی، غفران نے اس بار کچھ زیادہ زور سے کانٹے کو میز پر مارا تھا مائیر کا ننھا سا دل دہل کر رہ گیا۔

"کیا کر رہے ہیں ریستوران کی پراپرٹی کو تو نقصان نہ پہنچائیں۔" وہ گھگھیا گیا تھا۔ اس کا ڈر، گھبراہٹ چہرے سے صاف عیاں تھی۔ وائلن بجانے والے نے اس بار ایسی دھن چھیڑی جو بالکل مائیر کی سچوئشن پر فٹ جاتی تھی۔ اس نے پھیکا مسکاتے ہوئے اپنے گردن کی پشت کھجائی اور انہیں سننے لگا جو کہہ رہے تھے۔

"مجھے ایک منٹ لگے گا تمہارا سارا قصہ ختم کرنے میں، اس لیے اپنی گیدڑ بھبکیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھا کرو۔" ان کی ڈپٹ پر وہ اپنا سا منہ لے کر بیٹھ گیا۔

"یہ دھمکی نہیں ہے اور آپ کیا مجھے ہر وقت ڈراتے رہتے ہیں۔ مجھے تو لگنے لگ گیا ہے میں آپ لوگوں کا سوتیلا ہوں۔" اسی دوران نوح نے ایک بار پھر سائیڈ کا بٹن دبا کر فون کی اسکرین کو دیکھا تھا۔ بے تحاشہ نوٹیفیکیشنز تھے۔ لیکن کیا فائدہ اس کا نام اس میں تھوڑی تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

"تمہیں اپنی حقیقت کیسے معلوم ہو گئی۔ کس نے بتایا تمہیں؟" غفران کی سنجیدگی پر سوتالیاں۔

"آپ نے، وہ آپ ہی ہیں جو مجھے اس کا احساس دلواتے رہتے ہیں۔ یاد رکھیں میں نہ ہوں نا تو آپ لوگوں کا گھر، گھر نہیں بلکہ ویرانہ لگے۔" نوح کے فون کی میسج ٹون بجی۔ اس نے پھر اسکرین کو

دیکھا۔ پھر سے اسے مایوسی ملی تھی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے گہرا سانس بھرا تھا۔

"سچ کہوں تو ہمیں ویرانہ ہی عزیز ہے۔" مائیر کی نظر نوح پر پڑی جو سینے پر بازو باندھے شیشے کے پار دیکھنے میں مگن تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا، ہر بار مجھے یونہی تنہا چھوڑ دیا کر، میری ضرورت پڑے گی نا تو آئندہ میں نے بھی کام نہیں آنا ہے۔" اس کا مخاطب نوح تھا۔ جو ان کے ساتھ تو تھا مگر پھر بھی نہیں تھا۔ اس کا اس وقت ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مائیر بلبلا کر رہ گیا۔ غفران نے ایک پر سوچ نظر اپنے قریب بیٹھے نوح پر ڈالی پھر خود کو زبردستی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

سیر اجانتی تھی اس کی ٹانگ کھینچی جا رہی ہے۔ اس لیے وہ سر جھکائے لبوں پر مسکان کو روکے سب سنے جا رہی تھی۔ اس نوک جھوک میں رات گزر رہی تھی۔ مگر اس لڑکے کا انتظار انتظار ہی رہا۔

طویل اور بے مول انتظار۔

بے چین، بے قرار سا انتظار۔

آس و یاس میں لپٹا انتظار۔

نوح جبران کا جان لیوا انتظار۔

گدلے بادلو سے لدے آسمان تلے قہقہے اپنے عروج پر تھے۔ آسودگیاں بول رہی تھیں۔ سرخ پتھروں سی بنی کاٹیج کی کھڑکی کے شیشوں سے وہ چار نفوس ہنستے بولتے نظر آرہے تھے۔ کمرے میں گرمائش قابل ستائش تھی۔ انگیٹھی سے لکڑی کے چٹخنے کی آواز وقفے وقفے سے ابھر رہی تھی۔ کھانے کی میز پر سے خالی برتن اٹھا لیے گئے تھے اور اب گرما گرم چائے کا دور چلا تھا۔ جس کی بھینی بھینی سی خوشبو چہار سو پھیلی ہوئی تھی۔ مہت بڑی محویت سے اس لڑکی کو دیکھ و سن رہا تھا جو چائے کی چسکی بھرتے ہوئے کاٹیج کی مالکن سے مخاطب تھی۔

"میں تو سمجھتی تھی کہ بس وہ گرمیاں ہی ہیں جس میں تمام فصل پکتی ہے لیکن یہاں اتنی سردی میں جڑی بوٹیوں کے باغ دیکھ کر تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ قدرت کا کتنا حسین نظارہ ہے۔ اوپر آسمان برف اگل رہا ہے اور نیچے شیشے میں قید یہ باغات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑے ہیں۔ مہت میں اگلے سال بھی تمہارے ساتھ یہاں آنا چاہوں گی۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جو ہتھیلی پر تھوڑی جمائے اسے سن رہا تھا یکدم چونک کر سیدھا ہوا۔ چائے کی چسکی بھری اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بالکل ایسا ہو گا، میں بابا سے کہہ دوں گا۔" وہ دونوں جوڑے دبی مسکان کے ساتھ ان دونوں کو تکے جا رہے تھے۔ لڑکا کافی ہینڈسم تھا جبکہ لڑکی بھی ٹھیک ٹھاک تھی لیکن خود سے اور اپنے ارد گرد کے ماحول سے بالکل انجانی۔

"آہ، تھک گئی ہوں بہت لیکن مزہ بھی آیا ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ناشتے میں ڈولما لینا چاہوں گی۔ وہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔" چائے ختم ہو گئی تھی لیکن باتیں نہیں۔ کاٹیج کی مالکن نے دل سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اسے وہ لڑکی بے حد پسند آئی تھی تبھی اسے باتھ روم کا راستہ دکھاتے ہوئے اس نے اپنا پسندیدہ چیری بلاسم والا تولیہ اس کے ہاتھوں میں تھمایا تھا۔

"جب تم باتھ لے لو تو اس سے سر پونچھنا، میرا یقین ہے کہ اس میں موجود چیری بلاسم بالوں کو مہکا دیتے ہیں۔ تمہارے بال بھی مہک جائیں گے۔" اس نے دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد وہ تولیہ اس ادھیڑ عمر عورت سے تھاما تھا۔ وہ جب باتھ لے کر اپنے لیے مختص کمرے میں آئی تو اس نے واقعی میں ان کا دیا ہوا تولیہ سر پر باندھ لیا تھا۔ کتنے وقت بعد وہ رات کے اس وقت باتھ لے سکی تھی۔ کتنے وقت بعد وہ پر سکون ہوئی تھی۔ پنا راس کو دو دن کے اتنے پیسے دے رہے تھے جتنے وہ چار دن میں خود کو جلا کر کما سکتی تھی۔ تبھی تو وہ بخوشی یہاں آنے پر راضی ہوئی تھی۔ ورنہ فلک سفیر چھٹی لے لے ناممکن۔ اس نے خود کو نرم و ملائم بیڈ پر بٹھایا۔ مخملی چادر اسے پھولوں سی محسوس ہوئی۔ اس نے نرمی سے اس چادر پر ہاتھ پھیرے اور مسکا دی۔ آج کئی سالوں بعد وہ سکون سے

سوئے گی۔ آج کئی سالوں بعد اسے بہت سردی نہیں لگے گی۔ اس نے گہرا سانس بھر کر اپنا فون اٹھایا۔ اسکرین آن کی تو ایک انجانے نمبر سے آئے میسج کو دیکھ کر اس نے موبائل واپس رکھ دیا ابھی وہ ہیئر ڈرائیر کو اٹھانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ بری طرح ٹھٹھک گئی۔

"میرا، شاید میرا یا فیضان ہو۔" اس نے جھٹ سے فون اٹھایا اور پٹ سے کال ملا دی۔

ریستوران سے آنے کے بعد وہ لوگ کافی دیر ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں لگے رہے۔ صرف نوح تھا جو چپکا بیٹھا تھا۔ کبھی ہاں ہوں میں جواب دے لیتا تو کبھی فقط مسکرانے سے کام لیتا۔ جونہی سوئی نے دس کے ہندسے کا شور مچایا غفران سمیت سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ نوح نے اپنی روز کی ڈیوٹی نبھائی۔ تمام دروازے و کھڑکیاں لاک کیں۔ فینسی لائیٹس بند کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ شاور لیا، خود کیلئے کافی بنائی اور پردے ہٹا کر شیشے کے اس پار اندھیرے میں گرتی برف کو دیکھنے لگا۔ اس کا فون بیڈ پر پڑا تھا اور وہ شیشے سے کندھا ٹکائے کافی کے گھونٹ بھرتا خاموشی سے برف کو گرتے دیکھ رہا تھا۔

"یا اللہ میرے دل کی بے چینی کو دور کر دے یا پھر اس بے چینی کے سبب کو مٹا دے۔ میں اس سے عاجز آ گیا ہوں۔" اس کے لب جامد تھے دل بول رہا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ و سفید کا امتزاج ایک ساتھ موجود تھا۔

"مجھے انتظار لاحاصل نہ تھمانا مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ صبر کر پاؤں۔"ان کا پورا لان برف کے غلاف میں لپٹ رہا تھا۔ سفید کرسٹل کے ٹکڑے بڑی سست روی سے زمین پر اتر رہے تھے۔ اس نے گہرا سانس بھر کر آسمان پر نظر ڈالی۔

"یا تو وہ مجھے کال بیک کرلے یا پھر میرے دل سے انتظار مٹ جائے، جو میرے حق میں بہتر ہو وہ ہو لیکن میرا دل پارہ پارہ نہ ہو۔"یکدم فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر بیڈ پر پڑے فون پر نظر ڈالی۔ پہلے سوچا بجنے دے کیونکہ وہ جانتا تھا اس وقت مائیر کو ہی دورے پڑتے ہیں کچھ نہ کچھ فضول ہی پوچھتا تھا اس سے، پھر دل کے ایک گوشے نے کہا جا کر تو دیکھے شاید وہ ہو اور وہی تھی۔ فون پر نظر پڑتے ہی اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا ایسا لگ رہا تھا آواز پورے کمرے میں پھیل گئی ہو۔ اس نے بنا سوچے سمجھے کال اٹھالی مگر بول نہیں پایا، عجیب لگ رہا تھا بہت زیادہ عجیب۔

"ہیلو کون؟"فلک نے محتاط سے انداز میں پوچھا تھا۔ خطرہ ایاز کی جانب سے تھا ورنہ وہ بے دھڑک نام لے دیتی۔'کون'لفظ پر نوح کے اوپر اوس گری جو اسے پوری بھگو گئی۔

"تمہارے پاس میرا نمبر نہیں ہے؟"سوال ششدر انداز میں آیا یعنی پورے دن کی خواری کے بعد سننے کو ملا بھی تو کیا"کون"۔

"نوح، نوح بات کر رہے ہو؟"ایک اور احتیاط ایک اور ایک گریز۔

"ہاں میں ہی ہوں، تمہارے پاس میرا نمبر نہیں ہے؟" دوبارہ حیرت بھرے انداز میں پوچھا۔ فلک سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے سر سے تولیہ کھینچا شولڈر کٹ بال اب قدرے بڑے ہو چکے تھے۔ بالوں سے سارا پانی تولیے نے جذب کر لیا تھا۔ اسے آج اپنے بال چمکتے اور مہکے ہوئے لگے۔ کسی کا یقین کیسے کیسے معجزات کراتا ہے۔

"نہیں، فقط غفران سر، سیر ااور مائیر کے میرے پاس کسی کا بھی نمبر نہیں ہے۔" نوح نے واپس شیشے کی دیوار سے شانہ ٹکایا۔ ایک ہاتھ فون کان سے لگائے ہوئے تھا اور دوسرے سے وہ کافی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اوس اب اس کو بھی بھگونا شروع ہوئی تھی۔

"پیچھے بچا ہی کون۔" آواز مدھم تھی۔ "ویل چھٹیوں پر کیوں ہو تم، طبیعت ٹھیک ہے؟" شکوہ کرنے کے بعد وہ دریافت کر رہا تھا۔ فلک اس لفظ پر پلکیں اٹھا گئی۔ کتنے سالوں بعد کسی نے اس سے یہ سوال پوچھا تھا کتنے سالوں بعد، ناچاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں پانی کی پرت چڑھ گئی۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔" گلا کھنکھار کر کہا۔

"تو پھر چھٹیاں کیوں کر رہی ہوں۔" فلک کا ہاتھ اپنے بالوں پر گیا۔ وہ گیلے تھے لیکن بے حد نرم معلوم ہو رہے تھے۔

"میں گاؤں آئی ہوں مہمت کے ساتھ، خوشی کیلئے جڑی بوٹیاں چاہیے تھی۔"نوح کی ٹیک یکدم چھوٹی، اس کے دماغ میں الارم بج گیا تھا۔

"کس کے ساتھ، کہاں؟" مخملی چادر کو سہلاتا ہاتھ پل بھر کو تھما وہ فون کے اس پار موجود شخص کا چونکنا محسوس کر گئی۔ اسے اچنبھا ہوا بے حد اچنبھا۔

"گاؤں، مہمت کے ساتھ۔" ٹھہرتے ٹھہرتے جواب دیا۔

"وہی لڑکا جس کے ساتھ مووی دیکھنے گئی تھی؟"سوال بڑھتے جا رہے تھے۔ کافی کا مگ کب کا میز پر دھرا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بہت اچھا دوست ہے میرا۔"نوح کے ماتھے کے بل بڑھے اندھیری رات میں ایک بار پھر سے اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ نا جانے اب کب تک اس کا موڈ یونہی خراب ہوتا رہے گا۔

"کس گاؤں میں اور کہاں؟"اس کی آواز بدل گئی۔ فلک نے محسوس کر لیا۔ جانے کیوں اسے اچھا لگ رہا تھا۔ لبوں پر مسکان آ گئی۔

"ہم گیسٹ ہاؤس میں رہ رہے ہیں۔ کپل کے ساتھ، میں کل شام واپس آ جاؤں گی۔"اس نے جان بوجھ کر گاؤں کا نام نہیں بتایا۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی ایسا کیوں کر رہی ہے اور اسے وضاحت کیوں دے رہی ہے مگر وہ دے رہی تھی۔ چادر کی ملائمت تاہنوز اس کی انگلیوں کے پوروں پر

محسوس ہو رہی تھی۔ بال سیلن زدہ تھے۔ کمرے میں اچھی خاصی گرمائش کی گئی تھی پھر بھی اس کے سر میں درد ہونا شروع ہو چکا تھا۔ وہ جانتی تھی جب تک بال سکھا نہیں لے گی درد یونہی بر قرار رہے گا۔

"تمہاری لوکیشن آن ہے؟" اسے بھی نہیں معلوم تھا وہ کیوں پوچھ رہا ہے۔ وہ خود نہیں جانتا تھا وہ کیا فیصلہ کر چکا ہے۔

"آن تو ہے مگر ایسا کیوں پوچھا؟" اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ کال منقطع ہونے پر فلک نے اچنبھے سے فون کی سمت نظریں دوڑائیں۔ اس نے کچھ سوچنے کے بعد نوح کا نمبر محفوظ کر لیا۔ وہ بال سکھانے کے بعد سونے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس نے ایسا ہی کیا، جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ فون کی بیل سے کھلی، لیمپ جلا کر اس نے نمبر دیکھا۔ وہ اسی کا تھا۔ اٹھنے کے بعد اس نے بیڈ سے ٹیک لگائی اور اسی دوران کال پک کر لی۔

"تم سرخ گھر میں ہو؟" نیند سے بوجھل آنکھیں پٹ سے کھلیں، ڈھیلا پن وغنودگی لمحے میں اڑن چھو ہوئی تھی۔

"ہاں؟" فلک کے ماتھے پر بل بن چکے تھے۔ کسی احساس کے تحت اس نے گردن تک چڑھایا کمفرٹر اتار کر پھینکا اور پھر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ پردہ ہٹایا، شیشہ سرکایا، جلد کو کاٹتی ہوا میں سر باہر نکال

اس نے نظریں گھر کی حدود سے باہر دوڑائیں اور دھک سے رہ گئی۔ وہ فون کو کان سے لگائے اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"تم یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو؟" سرد ہوا، لیمپ کی مدھم روشنی اور گالوں کو پھاڑتی بے رحم سردی۔

"مجھے یہاں سے تھوڑا آگے کچھ کام تھا۔ میری گاڑی راستے میں خراب ہو گئی اس لیے تمہیں زحمت دینی پڑی، کیا میں آج رات یہاں رک سکتا ہوں؟" فلک نے جلدی سے شیشہ برابر کیا۔ پردہ گرایا۔ صوفے پر پڑی گرم بھوری شال اٹھا کر اپنے گرد لپیٹی اور پھر دروازہ کھول کر دبے قدموں کے ساتھ باہر آ گئی۔ مین ڈور کو عبور کرنے کے بعد وہ داخلی دروازے کی جانب آئی تھی جس سے تھوڑی دور وہ ایک درخت کے نیچے گاڑی پارک کیے کھڑا تھا۔ اس کے سر اور شانوں پر تھوڑی سی برف کی تہہ موجود تھی۔ فلک داخلی دروازہ کھول کر اس کے پاس درخت کے نیچے آئی تھی۔

"رات کے اس وقت تمہیں کون سا کام آن پڑا، تم نے مجھ سے لوکیشن کا اس لیے پوچھا تھا کیا؟" نوح نے لانگ کوٹ اتار کر جھاڑا پھر اسے ہاتھ بڑھا کے فلک کے عقب میں کیا اور اس کے شانوں پر رکھ دیا۔ وہ خود گرم سیاہ اونی شرٹ اور سیاہ جینز میں ملبوس تھا۔ اس کی ناک کی چونچ پر سرخی گھلی تھی۔

"تم شاید بھول رہی ہو میرے پاس پولیس بیج ہے۔ جن کے پاس یہ بیج ہوتا ہے انہیں کبھی بھی کوئی کام آن پڑتا ہے۔" فلک نے مشکوک نگاہوں سے اسے گھورا۔ نوح کی کلائی میں بندھی گھڑی کا ڈائل اڑھائی بجے کا پیغام دے رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو باہم رگڑ کر ہونٹوں پر رکھا اور پھر پھونک مار دی۔

"چلو مان لیتی ہوں اس بات کو، اندر چلو ٹھنڈ لگ جائے گی ورنہ۔" نوح نے گاڑی کو لاک کیا، چابی نکال کر جیب میں ڈالی۔ برف بہت تیزی کے ساتھ برس رہی تھی اس لیے وہ دوڑتا ہوا اس کے پیچھے اندر گیا تھا۔ وہ بھی تو اسی طرح ہی اس کے پاس آئی تھی۔ پر حدت ماحول میں آنے کے بعد اس کے اکڑے ہوئے اعصاب نرم ہونا شروع ہوئے تھے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم انتظار کرو میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اس کا دیا گیا کوٹ اس کے برابر صوفے پر رکھ کر کہیں گئی تھی۔ کچھ دیر بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں گرم قہوے کی پیالی تھی۔ نوح نے ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں پر ڈالی۔ قہوے کی پیالی سے محسور سی خوشبو سونگھی جا سکتی تھی۔ نوح نے نیلے پھولوں والا سفید پیالہ اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔ یہ یہاں کا کوئی ٹریڈ شنل پیالہ تھا۔ ایک گھونٹ نے ہی اس کی اشتہا کو بڑھا دیا تھا۔ خاموشی اس گڑیا گھر میں رچی ہوئی تھی۔

"یہاں پر کمرہ تو ایک فارغ ہے لیکن اس کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔ کیا تم اس صوفے پر ہی سروائیو کر پاؤ گے ؟" انگیٹھی میں چٹخٹی لکڑیاں کب کی ٹھنڈی ہو کر راکھ کا ڈھیر بن چکی تھیں۔ وہ گرمائش جو کچھ گھنٹوں قبل تھی اب مفقود تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ یہاں پھیل رہی تھی۔

"میری فکر نہیں کرو تم مجھے ٹھنڈ میں رہنے کی عادت ہے۔ قہوہ بہت مزے دار بنایا ہے تم نے، دار چینی ہے نا اس میں ؟" اس کے سوال پر فلک نے نا سمجھی سے سر کو جنبش دی۔ وہ پچھلے کچھ لمحوں سے یہی سوچ رہی تھی کہ وہ سردی میں یہاں کیسے سوئے گا۔ اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

"اگر میں تمہیں گاڑی کا بندوبست کر دوں تو کیا تم واپس جاؤ گے یا اپنا کام پورا کرو گے ؟" قہوہ پینے کے بعد وہ خود کا تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ وہ سردی جو اسے اپنی ہڈیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی قہوے کے پیالے کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ سرخ گھر خاموشی سے ان دونوں کو سن رہا تھا۔

"تم مجھے بھیجنے پر مصر ہو، شاید میں نے تمہیں واقعی زحمت دی۔" اس کی بوجھل، نیند سے پر آنکھوں میں خفگی کا عنصر آن غالب ہوا۔ سینے پر بازو باندھے آرام دہ حالت میں صوفے سے ٹیک لگا چکا تھا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا میں بس تمہارے لیے فکر مند ہو رہی ہوں کہ اتنی سردی میں تم اس ٹھنڈے لاؤنج میں کیسے رات بتاپاؤ گے۔"نوح نے لبوں پر مسکان کو روکا تھا۔پھر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تم میرے لیے فکر مند ہو رہی ہو؟"سوال میں کیسا اشتیاق تھا۔

"ہاں بہت زیادہ ہو رہی ہوں۔"نوح کے دل میں پھولوں کا باغیچہ کھل گیا۔اس کی آنکھوں میں آسمان سے سارے تارے ٹوٹ کر آن بسے۔کیا ہی سرخ یہ گھر ہو گا جتنے اس کے گال ہوئے تھے۔ اس نے دل کی دھڑکن کو چھپانے کی غرض سے گلا کھنکھارا پھر خود کے محسوسات پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں نے کہا نا مجھے سردی میں رہنے کی عادت ہے۔یہ میری طبیعت پر گراں نہیں گزرتی اس لیے فکر نہیں کرو۔"وہ چاہتا تھا فلک اس کی فکر کرے اور تاعمر کرتی رہے۔یہ آخری لائن تو اس نے بس مروت میں بول دی تھی۔

فلک کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی پھر قہوے کے پیالے کو دھو کر رکھنے کے بعد اپنے کمرے میں گئی۔ کمبل اٹھایا اور ایک تکیہ بھی،اس کے بعد کچھ ٹٹولنے کی غرض سے اس نے ایک پوری نگاہ کمرے پر ڈالی،مزید کچھ ہاتھ نہ آیا۔وہ مایوسی سے باہر آگئی اور یہ دیکھ کر عش عش کر اٹھی کہ نوح جبران

صوفے پر نیم دراز فون میں مگن ہیں۔ فلک نے اسے کھڑا ہونے کو کہا تھا۔ اس نے تعبیداری دکھائی۔ آدھا کمفرٹر اس نے ترتیب سے صوفے پر سیٹ کیا، تکیہ رکھ کر باقی کا آدھا کمفرٹر ویسے ہی نیچے لٹکا رہنے دیا۔ وہ سمجھ گیا لیٹنے کے بعد آدھا بچہ ہوا حصہ اسے اپنے اوپر ڈالنا ہے۔ اس نے شکریہ ادا کیا۔

"کچھ چاہیے ہو تو مجھے کال کر دینا۔" نوح نے فون سائیڈ پر رکھا۔

"تم چاہیے ہو۔" اس کے منہ سے اچانک پھسلا تھا۔ فلک کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"کیا کہا؟" وہ کھڑی تھی اور نوح صوفے پر گھٹنوں پر کمبل ڈالے نیم دراز تھا۔

"یعنی میں اس وقت اب کیا سو سکتا ہوں۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں جانتا میں یہاں ہوں۔ اس لیے تم ہی مجھے مطلوب ہو۔ تم چاہو تو میں تم سے باتیں کر سکتا ہوں۔" واہ کیا معصومیت تھی جناب کی۔ کیا بے نیازی تھی۔ کمال۔

"سالوں بعد مجھے سکون سے سونے کا سنہری موقع ملا ہے۔ میں اسے تمہارے ساتھ باتوں میں گزار کر ضائع نہیں کر سکتی۔" اس نے صاف انکار کیا تھا۔ نوح کا منہ اتر گیا۔

"کتنی بے مروت ہو تم۔ حالانکہ اگر مجھے میزبانی کا موقع ملتا تو میں وہ جواب نہ دیتا جو تم نے ابھی مجھے دیا ہے۔" فلک نے سینے پر بازو باندھ لیے۔ اسے سردی لگنا شروع ہوئی تھی۔ لاؤنج اچھا خاصا سرد تھا۔

"میں یہاں خود مہمان ہوں میزبانی کیسے کر سکتی ہوں۔ کچھ چاہیے ہو تو کال کر دینا۔"

وہ ایک منٹ رکے بغیر ہدایت دے کر چلی تو گئی تھی لیکن پوری رات بے چین رہی، وقفے وقفے سے اسے نوح کا خیال آ رہا تھا۔ اس کی یہاں موجودگی کا جواز وہ کیا دے گی یہی سوچے جا رہی تھی۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے اٹھنے والی وہی تھی۔ فریش ہوئے بنا ہی وہ نیچے آئی اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی کہ وہ وہاں موجود نہیں ہے۔ اس نے تکیہ اور کمفرٹر اٹھا کر جلدی سے اپنے کمرے میں رکھا اس کے بعد اس نے پورا لاؤنج کیا گھر چھان مارا لیکن وہ وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ گھر سے باہر آئی۔ اس کی گاڑی ابھی بھی وہاں پارک تھی۔ وہ صبح صبح گاڑی کا ٹائر بدل رہا تھا۔ ڈگی اور بونٹ دونوں کھلے تھے۔ فلک چھتری تھامے اس کے قریب آئی۔ برف میں ایک بار پھر سے شانے اور سر کو بھگوئے وہ اپنے کام میں منہمک تھا۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ اسی کی طرح اس پر چھتری کیے کھڑی تھی۔ نوح کے لبوں پر مسکان پھیل گئی۔ خواہش کیسے کیسے نہیں حقیقت کا روپ دھارتی۔

"صبح بخیر۔" فلک کے عقب میں سرخ اینٹوں والا گھر تھا جس کی چمنی سے سفید دھواں نکلنا شروع ہو چکا تھا۔ ان کے عقب میں اور سامنے بڑی تارکول کی بل کھاتی سڑک پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک پر افشاں کی مانند برف گر رہی تھی۔ جانے کون سے پھل کے درخت تھے جو اس سمے سفیدی میں ڈھلے کھڑے تھے۔ سرخ گھر کی چونچ والی چھت پر برف کی موٹی تہہ جم چکی تھی۔ دور سے دیکھو تو آئس کریم کا گمان ہو۔

"صبح بخیر۔" فلک نے بھی مدھم آواز میں جواب دیا۔ وہ سر کو تھوڑا جھکائے نوح کے گریس زدہ ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے ٹائر فکس کر دیا تھا اب وہ کھڑا ہو کر کھلے ہوئے بونٹ کی سمت بڑھنے لگا۔

"تو یعنی اس کی کار واقعی خراب ہو گئی تھی۔" وہ سوچ رہی تھی۔ سوچتے سوچتے چل کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ چھتری کی چھایا وہ ایک بار پھر اس پر کر چکی تھی۔ نوح نے مسکراہٹ روک کر گردن اس کی طرف کی۔

"میڈم، خیریت ہے؟" سوال انجانا تھا جواب بھی انجانا سا ہی دیا۔

"ہیں، کیا پوچھ رہے ہو؟" نوح نے ابرو اچکائی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے واپس گاڑی پر جھک گیا۔ سرخ گھر کے ایک کمرے کی کھلی کھڑکی سے کسی کی آنکھوں پر یہ منظر قید ہوا تھا۔ برستی برف،

چھتری تھامے کھڑی اس کی محبوب ہستی اور ایک انجان انسان جس پر وہ سایہ کیے کھڑی تھی۔ پردہ جلدی سے چھوڑا گیا۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" وہ تاروں میں محو ہو گیا تھا۔ فلک اس پر برف گرنے نہیں دے رہی تھے جیسے وہ اس پر برف آنے سے روکتا تھا۔ نوح کے دل میں مغلوبیت کا احساس جاگ گیا۔ اس نے گہرا سانس بھر کر نچلہ لب دانتوں میں جکڑا۔

"فلک، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" تاروں کو چھیڑتے نوح کے ہاتھ پل بھر کو تھمے، فلک اور اس نے بیک وقت مڑ کر سوال کرنے والے کو دیکھا تھا۔ مہمت پنار تیز تیز چلتا ہوا اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہوا ایسے کہ وہ بھی چھتری کے سائے میں ہو گیا۔ نوح کے ریٹینا پر ناپسندیدگی کا رنگ چڑھ چکا تھا۔

"اور یہ کون ہے؟" قبل اس کے وہ جواب دیتی نوح سیدھا ہوا ہوتے ہی بولا۔

"میں نوح جبران ہوں، فلک ہماری فیملی ممبر ہے۔" وہ اس تعارف پر بھونچکا رہ گئی۔ پوری آنکھیں کھول کر اس نے نوح کو دیکھا تھا۔ ان کے پاس سے ایک ٹریکٹر ڈیزل کی ناپسندیدہ بو پھیلا کر گزرا۔

"فلک کے رشتے دار اور یہاں۔"ٹرکش لڑکے نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔"بے وقوف کسی اور کو بناؤ بڈی، فلک اور میں بہت پرانے دوست ہیں میں اس کی ایک ایک بات سے واقف ہوں۔" نوح کے آئی بالز اس لڑکی کی جانب محو حرکت ہوئے جو حیران و پریشان سی وہاں کھڑی تھی۔اس کے بالکل برابر مہمت تھا جبکہ سامنے وہ کھڑا تھا جس نے بہت آرام سے کچھ بھی سوچے بنا اسے اپنے خاندان سے منسوب کر دیا تھا۔کیا واقعی وہ لوگ اسے اپنے خاندان کا فرد مانتے تھے۔وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کرے کیا جواب دے۔

"دوستوں کو ذاتیات نہیں بتائی جاتی کیا بتائی جاتی ہیں فلک؟"اچانک مخاطب کیا گیا۔اس نے نظریں اٹھائیں۔

"دوستوں سے کچھ نہیں چھپایا جاتا۔"مہمت کی بھی ابرو تن گئی تھی۔اس نے سینے پر بازو باندھ کر چبا کر سامنے کھڑے لڑکے سے کہا تھا۔

"دراصل یہ بات درست ہے کہ میرا یہاں پر کوئی بھی رشتہ دار نہیں ہے۔میں تنہا ہوں۔"مہمت کے چہرے پر فتح کن تاثرات پھیلے جبکہ نوح ٹھہر سا گیا۔"لیکن یہ بھی درست ہے کہ میں ان کے گھر کام کرتی ہوں اور یہ لوگ مجھے اپنی فیملی ممبر کی طرح ہی ٹریٹ کرتے ہیں۔یہ ان کا ظرف ہے

مہمت کہ یہ مجھے اپنے خاندان کا حصہ مانتے ہیں۔"اس نے دانستہ دونوں کا ساتھ دیا تھا۔نوح کو یہ بات بے حد بری لگی۔اسے صرف اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔

"خاندان کا حصہ ماننے اور خاندان سے تعلق رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔فلک خوشی میں کام کرتی ہے۔بابا اسے اپنی بیٹی مانتے ہیں۔اس کا مطلب اس کا مقام ہمارے نزدیک بہت زیادہ ہے۔"مہمت نے اس لڑکے کو اچھے سے سمجھانا چاہا غلط کیا۔

"اس حساب سے یہ تمہاری بہن لگی گڈ،اچھا لگا مجھے یہ جان کر۔"نیلی آنکھوں والی کی آنکھیں اس بات پر سرخ انگارہ ہو گئیں۔آنکھیں ہی کیوں اس کے تو گال و کان بھی دہک اٹھے تھے۔

مہمت کو آگ لگا کر وہ واپس اپنی گاڑی کی جانب متوجہ ہونے لگا تھا جب ایک منظر اس کی آنکھ پر سے گزرا،ایک ناپسندیدہ منظر۔۔۔وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔

"تم اندر آؤ میرے ساتھ اسے اس کا کام کرنے دو۔"مہمت نے غصے کو قابو کرتے ہوئے فلک کی کلائی تھامی تھی بھلے کوٹ پر سے تھامی تھی لیکن تھامی ضرور تھی۔فلک نوح کی نظروں کی تپش سمجھ گئی۔اس کے عمل سے پہلے ہی وہ بولا تھا۔

"یہ یہیں رہے گی،مجھے اس کی ضرورت ہے۔"نوح نے اس کے کوٹ کو تھام کر اسے اپنے پاس کھینچا۔وہ لڑکھڑاتی ہوئی دو قدم اٹھا کر اس کے برابر آ گئی۔مہمت کے ہاتھ سے اس کی کلائی چھوٹ گئی

تھی۔ وہ اب اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ مہت نے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی خاطر لبوں کر تر کر کے مسکان سجائی۔

"دیکھو بڈی اب تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔ یہ یہاں اس وقت ڈیوٹی پر ہے۔ شام کو پانچ بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہو گی اس کے بعد ہی بات کرنا۔" نوح کو جواب دینے کے بعد ہونق کھڑی لڑکی پر اس نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔

"میں اندر جا رہا ہوں فوراً آؤ۔" حکم صادر کرنے کے بعد وہ رکا نہیں تھا۔ مڑتے ہی اس کی آنکھوں میں اشتعال کی لہریں ابھرنے لگیں۔ دانت اتنی زور سے کچکچائے کہ مانو ٹوٹ جائیں۔ فلک اس کے جاتے ہی الرٹ ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔ اس کے کوٹ کا اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"جو تمہیں نظر آ رہا ہے وہی، ٹھیک سے چھتری پکڑو۔" وہ اس کا کوٹ چھوڑ کر تاروں کی جانب متوجہ ہو رہا تھا۔ پھر سے نہیں ہو پایا۔

"لیکن تم نے سنا نہیں، میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ مجھے جانا ہو گا۔" نوح کا رویہ اس کے آس پاس بہت سے سوالیہ نشان چھوڑ گیا۔

"ہر گز نہیں۔" اس نے فوراً ٹوکا۔ "کیا تم چاہتی ہو میں بیمار ہو جاؤں۔ ساری رات میں سردی میں اکڑا رہا اور اب یہاں بھی ٹھنڈ سے جم جاؤں۔" فلک نے ضبط کیا بے حد کیا۔

"نوح جبران، میرے خیال سے وہ آپ ہی ہیں جن کو سردی نہیں لگتی۔" نوح انجان بن گیا۔ اس نے انتہائی تحیر کے عالم میں پوچھا۔

"کیا واقعی۔" کمال کی ایکٹنگ۔ "ہاں یاد آیا۔ وہ پرانی بات تھی۔ اب مجھے سردی لگتی ہے اور بہت لگتی ہے۔ دیکھو کیسے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔" اس نے بازو پر سے کوٹ کو اوپر چڑھایا۔ شرٹ بھی ساتھ کھینچتی ہوئی اوپر چڑھ گئی۔ اس کے سفید بازو پر چھوٹے چھوٹے دانے ابھرے ہوئے تھے۔

"دیکھو کتنی سردی محسوس ہو رہی ہے مجھے، دراصل یہ گاؤں ہے۔ یہاں کے درجہ حرارت میں اور شہر کے درجہ حرارت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور ویسے بھی میں انسان ہوں۔ موسم کا مجھ پر اثر انداز ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس لیے جب تک میں گاڑی ٹھیک نہ کر لوں تم چھتری کو مجھ پر تانے کھڑی رہو ورنہ میں بہت بیمار ہو جاؤں گا۔" بات ختم کرنے کے بعد وہ مڑ گیا تھا۔ اسے اپنے عقب سے فلک کی آواز سنائی دی۔ جمتے موسم میں جمتی سی آواز۔

"یہ سب مہمت کی وجہ سے کر رہے ہو نا؟" وہ چند لمحوں کیلئے تھم گیا۔ جھکا رہا لیکن گردن موڑ کر ضرور اسے دیکھا۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے اسے ہی نظروں میں لیے ہوئی تھی۔

"بالکل، مجھے وہ ذرا پسند نہیں آیا، فاصلہ رکھو اس سے۔" سر جھٹک کر اس نے اعتراف کیا تھا۔ فلک انجانے پن سے اس دھوپ چھاؤں سے انسان کو دیکھ رہی تھی۔

"اور میں کیوں رکھوں اس سے فاصلہ، میں اس کے پاس کام کرتی ہوں۔ اس سے بڑھ کر وہ میرا بہترین دوست ہے۔" وہ اسے جتا رہی تھی۔ اسے بھی معلوم ہونا چاہیے نوح سے پہلے مہمت ہے اس کیلئے۔ ہونہہ آیا بڑا حکم چلانے والا۔

"بہترین دوست۔" نوح نے چبا چبا کر کہا۔

"آپ دونوں نا اب مجھے پریشان کر رہے ہو۔" وہ بری طرح زچ آ گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کھڑی رہے یا چلی جائے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ بے حد پریشان، اسے نہیں معلوم تھا آگے بھی وہ اسی طرح پریشان ہوتی رہے گی۔ آگے بھی وہ مشکل میں رہے گی۔

سنہرے آسمان تلے فرخندہ کی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈی تھی۔ یہ وہ پیسے تھے جو ابھی کچھ دیر قبل فلک نے اسے مینہ کی منگنی کیلئے بھیجے تھے۔ اویس

کی بیگم جو کچھ فاصلے پر کھڑی تھی ان پیسوں کو دیکھ دیکھ کر جلے جا رہی تھی۔ اس نے کتنے ہاتھ پاؤں مارے تھے کہ یہ رشتہ ٹوٹ جائے۔ شادی نہ ہو مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ مینہ کے سسرالی لالچی کے لالچی ہی رہے مجال ہے جو کوئی حربہ ان پر کام کیا ہو۔ نگہت دبی مکروی مسکان کے ساتھ ان نوٹوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج کا فنکشن تو کمال درجے کا ہونا تھا۔ فرخندہ نے نوٹوں کو تقسیم کیا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بنوایا سجاوٹ تو دیکھنے لائق تھی۔ مینہ کا جوڑا اس پر تو محلے کی ہر لڑکی و عورت کی نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ انتظام ایسا تھا کہ مینہ کی ساس اپنے بیٹے کے وارے نیارے جا رہی تھیں۔ ان کی تو لاٹری نکل گئی۔ سب خوش تھے سوائے اس کے جو سجی سنوری بیٹھی تھی۔ میک اپ اور کچھ دن کی حفاظت نے اس کا رنگ روپ نکھار دیا تھا۔ وہ اتنی بھی ناقابل قبول صورت نہیں تھی۔ آسمانی رنگ کا جوڑا جس پر جگر جگر موتی چمک رہے تھے اس پر بے حد جچ رہا تھا۔ اپنی انگلی میں سونے کے نام پر پتلی تار پہنے بیٹھی وہ بے حد ملول سی لگ رہی تھی۔ نگہت اس کے قریب دھپ سے آ کر بیٹھی۔

"ہائے ماشاءاللہ میری بہن کتنی سوہنی لگ رہی ہے۔" وہ اس کی بلائے لینے لگی۔ محلے کی ایک عورت نے دوسری کو کہنی مار کر نگہت کے گلے میں پہنا کندن کا ہار نظروں میں لیا۔

"جب سے فلک باہر گئی ہے تب سے فرخندہ آپا کے ساتھ ساتھ نگہت کے حالات بھی بدل گئے ہیں۔ کیا جوڑا، کیا جوتے اور کیا ہی زیور۔" جملوں نے نگہت کے حلق میں کڑوی گولی لا کر گھول دی۔ اس نے اپنی موٹی موٹی آنکھیں اٹھا کر ان دو غریب خواتین کو دیکھا۔

"تو تم لوگوں کے دلوں کو کیوں پتنگے لگ رہے ہیں۔ میری بہن ہے وہ، حق بنتا ہے اس کی کمائی پر ہمارا۔" سرخ جوڑے والی عورت نے پلو کو ہونٹوں پر رکھ کر ہنسی کا گلا گھونٹا۔

"لو بھی سن لو نئ، وہ جس کو یہ لوگ جوتے کی نوک پر رکھتے تھے آج اس کی بہن ہو گئی ہاں بھئ ہو سکتی ہے پیسے جو بھیجتی ہے اب۔" نگہت نے دانت کچکاتے ہوئے ناک پھلائی ہاتھوں کی بند مٹھی کو بھینچ کر وہ غرائی تھی۔

"دیکھو خالہ، اپنی حد میں رہ لو ورنہ یہ نہ ہو میرے منہ سے کچھ نکل آئے۔ تمہاری سپوت کے ایک ایک کرتوت سے واقف ہوں میں۔" عورت کی ہنسی کو یکدم بریک لگی۔ سرخ سستی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کو اس نے بھینچتے ہوئے پہلو بدلا۔

"دیکھو بہن تم۔" نگہت لپک کر کھڑی ہوئی شکر تھا سب کھانے میں مگن تھے۔ ان کی تو تو میں میں کوئی نہیں سن رہا تھا فقط مینہ کے۔

"بہن کس کو بولا ادھیڑ عمر عورت، تم سے دس سال چھوٹی ہوں خبر دار، خبر دار جو آئندہ مجھے اس طرح مخاطب کیا۔" مینہ نے نگہت کا ہاتھ تھام کر اسے پر سکون رہنے کو کہا جبکہ وہ عورتیں پلو بچا کر وہاں سے نو دو گیارہ ہوئی تھیں۔

"ہونہہ، جسے دیکھو منہ اٹھا کر آجاتے ہیں آئندہ بلائیں اماں ذرا ان نمونوں کو۔" بیٹھنے کے بعد اس نے ایک پورا گلاس پانی کا پیا تھا۔ ٹھنڈک اس کے گلے تک اتر گئی تھی۔ مینہ کے چہرے پر پژمردگی کے سائے لہرا رہے تھے۔ صبح فلک نے اس سے بات کی تھی اور کہا تھا وہ اسے اپنی منگنی کی تصاویر ضرور بھیجے۔ بات کرنے کے دوران وہ کتنا تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ ضرور سردی میں اسے پسینہ آیا ہوگا۔ اس کی ہڈیاں کام کی زیادتی سے دکھتی ہوں گی۔ اس کی پاکیزہ روح کتنی بے آرام ہوگی نا۔ منگنی کی رسومات ختم ہوگئیں۔ تمام شریعت کے اصولوں کو توڑ کر بے جا خرچ کرنے والوں نے بندھن کا مذاق بنالیا ہے۔ پہلے جہاں چار فنکشنز ہوتے تھے اب لائن لگادی ہے۔ اسراف اتنا ہے کہ خود اصراف انگشت بنداں رہ جائے۔ کھلم کھلا خرچ کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر وہ ایک فنکشن کو روک دیں گے تو قیامت ہرگز نہیں آئے گی۔ ان کی ناک بالکل نہیں کٹے گی۔ اور ساکھ وہ ویسی کی ویسی ہی برقرار رہے گی۔ ان کی تھوڑی سی مالی مدد کسی کے پیٹ کی آگ بجھا کر ثواب اعلیٰ کما سکتی ہے۔ کتنی دعائیں مل سکتی ہیں۔ نامہ اعمال میں وزن ڈل سکتا ہے۔ مگر کوئی سوچے تب نا، آج کل کے نفسا نفسی کے دور میں ہر کوئی اسراف کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ سکون ختم ہوگیا ہے۔ ریس شروع ہوگئی ہے۔ جیب نہیں دیکھنی بس ریس کرنی ہے۔ اوقات سے باہر چلے جانا ہے لیکن ٹرینڈ ضرور فالو کرنا ہے۔ دین سے دور ہیں تو کیا ہوا دنیا تو ہاتھ میں ہے۔ سب ساتھ میں ہے

بس انہیں ہی ساتھ میں رہنا ہے۔ چھوٹنا نہیں۔ باقی سب جائے بھاڑ میں۔ مینہ نے مہنگے ترین جوڑے کا دوپٹہ کھینچ کر اتارا، ایسا کرنے سے دوپٹے پر لگی پن بھی کھل کر گری تھی۔

"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو فلک، سب کیلئے کما رہی ہو۔ ان کی ہر جائز و ناجائز ضروریات پوری کر رہی ہو خود کو کیوں تھکا رہی ہو۔" کچھ ماہ قبل یہ سوال اس نے تھک کر داغا تھا۔ کبھی وہ بھی اس سے نالاں رہی تھی۔ ہر وقت کی ماں بہن کی مخالف باتیں، نکتہ چینیوں نے اس کے دل میں بھی تھوڑی سی فلک کیلئے گرہ لگا دی تھی۔ لیکن وہ باشعور تھی۔ پڑھی لکھی نہیں تھی لیکن شعور کی طنابیں ضرور اس کے ہاتھ میں تھیں تبھی اس نے اپنے میلے دل کو اس لڑکی کیلئے صاف کر لیا تھا جو بے لوث و بے غرض تھی۔ سب جانتی تھی لیکن پھر بھی مسکراتی تھی۔

"سچ کہوں تو مجھے خود نہیں معلوم بس مجھے اچھا لگتا ہے اس لیے ایسا کرتی ہوں۔" اس ایک جواب کے بعد اس نے پھر کبھی اس سے دریافت نہیں کیا تھا۔ وہ ان سب کو اپنا خاندان مانتی تھی۔ وہ جو لالچ کی مجسم صورت تھے۔ وہ جو پور پور اس سے خار میں ڈوبے تھے۔ اس کے پیسوں نے بھی ان کے دل میں اس کیلئے جگہ نہیں بنائی تھی۔ پہلے وہ آنکھ میں چبھتا شیشہ تھی۔ پھر جب وہ کمانے لگی تو کچھ قابل قبول ہوئی لیکن مقبول پھر بھی نہیں ہوئی۔ وہ ناپسند تھی اور رہی، پیسوں نے بھی سب کو اس کا گرویدہ نہیں بنایا تھا ہاں مگر وہ نوٹ چھاپنے والی مشین ضرور بن گئی تھی۔ جسے کیش کروانے

کیلئے وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کراچی کے آسمان پر رات گہری ہو چلی تھی۔ چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ کیا معلوم کسی کا بخت بھی اسی طرح چمکے دمکے۔

کیا معلوم۔

سرمئی سا دن تھا۔ ہر سو ظالم ٹھنڈ کا راج تھا۔ ہوا میں اچھی خاصی نمی گھلی تھی۔ سانس لو تو شدید سردی کی لہر اٹھتی، ایسے میں گلاسگو میں واقع بلند و بالا ستونوں والی یونیورسٹی بادلوں کے غول کے درمیان کھڑی تھی۔ اس یونیورسٹی کے ستونوں سے تیزی سے تنزلی تک کا فاصلہ طے کر کے دائیں مڑ جاؤ تو چوڑے چوڑے بلاکس والی زمین پر بچھے بینچوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے کسی قسم کا جنرل کھول رکھا تھا اور بند جیل پن کی نوک اس پر مارے سوچے جا رہا تھا۔ اس کے برابر جون بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے بیگ کی اسٹرپ کو دائیں ہاتھ سے تھام رکھا تھا۔ بائیں ہاتھ میں سپر تھامے وہ گرم پانی کے دو دو گھونٹ وقفے وقفے سے بھرے جا رہا تھا۔ مائیر نے وہ تمام اہم پوائنٹس لکھ لیے تھے جو اس لڑکے نے اسے نوح کی بابت بتائے تھے۔

"تمہیں پورا یقین ہے اسے لڑکی کیلئے جاب درکار تھی؟"اس نے ایک بار پھر تصدیق کی۔ستونوں پر ٹھہری خاموشی نیچے آکر شور میں بدل چکی تھی۔بھانت بھانت کی زبانیں،بھانت بھانت کے لہجے، بھانت بھانت کی ٹون۔

"سو فیصد۔"جون نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔"اس نے کہا وہ اس کی دوست ہے۔"مائیر نے پرسوچ نگاہوں کے ساتھ جیل پن کا بٹن دبایا باریک سی نب باہر نکل آئی تھی۔اس نے جلدی سے ایک اور پوائنٹ لکھا۔

"اس کا کنسرن اس لڑکی کیلئے بہت زیادہ تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ دس کلو وزن اٹھا کر تھوڑا سا بھی فاصلہ طے کرے۔وہ بہت حساس ہو رہا تھا اس کے بارے میں۔"ایک اور پوائنٹ۔

"مجھے لگا تھا اس کے بعد ہم دوست بن جائیں گے۔وہ ذہین ہے۔ہر لیکچر جلدی پک کرتا ہے۔اس کا فیوچر بہت چمکدار ہے۔میرے ڈیڈ کے مطابق مجھے ایسی ہی صحبت اختیار کرنی چاہیے لیکن وہ تو اس دن کے بعد پھر سے ایسا لاتعلق ہوا جیسے ہم کبھی ملے ہی نہ ہوں۔"جون کے لہجے کا دکھ بہت واضح تھا۔اس نے ایک قسم کی مائیر سے نوح کی شکایت کی تھی۔غلط کیا۔وہ نہیں جانتا تھا اس نے کس جاسوس فطرت انسان کے کانوں میں یہ بات انڈیل دی ہے۔اسے علم ہوتا کہ آج کے بعد مائیر دی

پانڈا مشن نوح پر لگ جائے گا تو وہ کبھی بھی اسے یہ سب نہ بتاتا۔ مگر رونا تو یہی کہ اسے معلوم ہوتا تب نا۔

"نام کیا بتایا تھا اس نے لڑکی کا؟" مائیر کے دوبارہ پوچھنے پر اس نے پہلے والا ہی جواب دیا تھا۔

"نام نہیں بتایا تھا۔ اس نے کہا تھا اس کی دوست ہے۔ اس کیلئے نوکری درکار ہے۔" مائیر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"ٹھیک ہے اگر وہ دوبارہ تم سے اس کی قسم کی کوئی بھی گفتگو کرے تو تم مجھے آگاہ ضرور کرنا۔" جل پن انگلیوں میں دبا تھا۔ آواز میں خاصی گہرائی تھی۔

"میں ایسا ہی کروں گا۔ کیا اس کے بعد تم میری اس سے دوستی کروا سکتے ہو؟" مائیر نے فقط اثبات میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

جون کے جانے کے بعد وہ اس بینچ سے اٹھا پھر چھوٹے چھوٹے قدم چلتا ہوا پلر کے پاس آکر رک گیا۔ مٹی رنگ کے پورے پلر پر انجانی زبان کے الفاظ کھدے ہوئے تھے۔ مائیر ان لفظوں سے انجان تھا۔ اس نے نوح کا نمبر ملایا کال اٹھالی گئی۔

"کہاں ہو تم؟" تفتیش بھرا سوال، اس کے اندر کی پولیس جاگ گئی۔

"شہر سے باہر ہوں۔" عجلت بھرا جواب۔

"کیوں اور کس کے ساتھ؟" مائیر کے پاس سے چند لڑکیوں کا ٹولا گزرا تھا۔ کھکھلاہٹیں لمحے بھر کو پوری راہداری میں گونج اٹھیں۔

"یہ کس قسم کا سوال ہے؟" تھوڑا پاز لینے کے بعد پوچھا گیا۔ نوح کی آواز کے ساتھ پرندوں کی آواز بھی فون میں سے آرہی تھی یعنی وہ گوشہ سکون میں تھا۔

"بھائی میرے اب تو سوال اسی قسم کے ہونے ہیں خیر جب آؤ تو سب سے پہلے مجھ سے ملنا ورنہ گلہ نہ کرنا۔" نوح نے اچنبھے سے فون کی جانب دیکھا تھا۔ کال منقطع ہو چکی تھی۔ دوپہر ڈھلنے کیلئے عجلت مچا رہی تھی۔ سنہرے کھیت میں جڑی بوٹیوں کی بہتات تھی۔ فلک شانوں پر بیلٹ کے ذریعے ٹوکری باندھ کر جڑی بوٹیاں توڑ توڑ کر اس میں ڈال رہی تھی۔ اس کا ماتھا عرق آلود تھا اور لب تبسم سے سجے ہوئے تھے۔ مہت نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اس لڑکے کو دیکھا جو ان دونوں کے درمیان دیوار کی طرح آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک لمحے کو بھی انہیں اکیلا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس کے شانوں پر بھی ویسی ہی ٹوکری تھی اور وہ بھی انہیں کی طرح جڑی بوٹیاں توڑ رہا تھا۔ صبح اس نے کہا تھا۔

"چونکہ میری کار کا انجن کام نہیں کر رہا اس لیے میرا جانا ممکن نہیں ہے۔ تو میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نا فلک کے کام میں ہاتھ بٹا دوں یوں یہ کام جلدی ختم کر لے گی اور ہم وقت پر جا پائیں گے۔" مہت نے اس کی بات کی شدید مذمت کی تھی لیکن اس کی مذمت پر بالکل بھی کان نہیں دھرے

گئے۔اس لڑکے سے اسے خطرہ سا محسوس ہو رہا تھا۔اس کا محسوس ہونا غلط نہیں تھا۔وہ جب جب فلک کے پاس آنے کی کوشش کرتا سنجیدہ چہرے والا انسان ان کے درمیان آجاتا۔ایک لمحے کیلئے بھی وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ رہا تھا۔وہ جس پھرتی سے کام کر رہا تھا معلوم ہوتا تھا جلد ہی کام ختم ہو جائے گا اور لو وہ ہو بھی گیا۔

"افف،الحمدللہ۔"فلک نے کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا تھا۔وہ تھوڑی تھک گئی تھی۔نوح نے جڑی بوٹیوں کے کناروں پر لگے جامنی پھولوں میں سے ایک توڑ کر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ پکڑو سنبھال کر رکھنا اسے میں نے اس کی تصویر بنانی ہے۔دراصل سیر اکو پھول پسند ہیں تو اس کیلئے یہ آرڈر کر دوں گا۔"مہمت نے فلک کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تھا۔دینے والے کے لبوں پر مسکان تھی اور لینے والی کے بھی۔

"فلک،ٹوکریاں گن کر ٹرک میں لوڈ کرواتے ہیں تاکہ وقت پر پہنچ جائیں۔"مہمت نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا لیکن نوح ان دونوں کے درمیان آگیا۔اسے دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"اس کی جگہ میں کروا دیتا ہوں۔"مائیر کڑوے گھونٹ بھرتا ہوا مڑا تھا۔اس کے مڑنے کے بعد وہ فلک سے مخاطب ہوا۔

"اس سے فاصلے پر رہ کر بات کیا کرو، بہت چپکو ہے۔" دو ٹوکریاں ہاتھ میں اٹھا کر وہ ٹرک کی جانب بڑھ گیا تھا۔ فلک کی سمجھ سے تو سب بالاتر تھا۔ ایک طرف اس کا بہت اچھا اور پرانا دوست تھا تو دوسری جانب نیا نیا، وہ چاہ کر بھی نوح کی کوئی بات ٹال نہیں پا رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اسے منع نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی ایسا کیوں ہو رہا ہے لیکن سب ہو رہا تھا اور وہ سب جیسا ہے ویسا ہونے دے رہی تھی۔ جڑی بوٹیاں لوڈ کروانے کے بعد وہ سب مہمت کی کار میں ہی بیٹھ کر سرخ گھر آئے تھے مگر وہاں آتے ہی انہیں چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ وہ تینوں دوڑتے ہوئے اندر گئے۔ اندر کا منظر کچھ خاص اچھا نہیں تھا۔ گھر کی مالکن فرش پر گرے اپنے شوہر کو دیکھ کر چیخیں مار رہی تھی۔ اس کا شوہر اوندھے منہ گرا پڑا تھا۔ نوح لپک کر اس نیم بے ہوش لیٹے ہوئے انسان کی طرف گیا۔ دونوں گھٹنے زمین پر ٹکا کر وہ اس کی کلائی کی مخصوص جگہ پر اپنی تین انگلیاں جما چکا تھا شک ہونے کے بعد اس نے گردن کے قریب انگلیاں رکھ کر گننا شروع کیا۔

"ون زیرو ون، ون زیرو ٹو، ون زیرو تھری، ون زیرو فور، تھرٹین، فورٹین۔۔۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے اچانک سر اٹھا کر دیکھا اور پھر ان سب کے سر پر بم پھوڑ دیا۔ اس کے انکشاف پر فلک کی آنکھیں پوری پھٹی تھیں۔

جم روم میں مشینوں کا شور برپا تھا۔ ہلکا میوزک اور انسٹرکٹر کی مدھم آواز، احسن رضا ٹریڈمل پر سانس پھلائے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ اس کا ماتھا عرق آلود تھا۔ قلموں سے بھی پسینے کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ کانوں میں ہینڈز فری اڑسائے وہ مست مگن سا وقت پورا ہونے تک دوڑ رہا تھا کہ دفعتاً اس کی مشین کا آف بٹن کسی نے پش کیا تھا۔ احسن نے تحیر کے عالم میں گردن کو موڑا، بھلا کس کی اتنی جرات تھی کہ وہ اس کے کام میں مخل ہو، پھٹنے سے قبل ہی وہ ٹھنڈا ہوا تھا وجہ اس شخص کا اس کے سامنے ہونا تھا جو اسے بے حد مطلوب تھا۔ وہ شخص اس کا باپ نعیم تھا۔

"تمہیں کتنی آوازیں دیں میں نے، اس قدر لاؤڈ میوزک سنتے ہو۔" ہینڈ فری کے کانوں سے نکلتے ہی اسے اپنے باپ کی خفا سی آواز سنائی دی۔ عقب میں موجود ڈھیر سارے نوجوان اپنی اپنی کسرتوں میں مگن تھے۔

"بابا خیریت؟" جم کبھی بھی نعیم کی گڈ لسٹ میں نہیں رہی تھی۔ وہ زندگی کھانے پینے میں اڑانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک وزن گھٹانا ایک شرمناک فعل تھا۔ بھلا وہ چوہدری ہی کیا ہوئے جو دبلے پتلے نظر آئیں۔ ان کی خود بھی صحت اچھی خاصی تھی۔ قدرتی طور پر فٹ تھے۔ باڈی نہ زیادہ بھری ہوئی تھی اور نہ زیادہ کم تھی۔ مناسب خدوخال تھے۔ پیسہ، اثر و رسوخ اور جاذبیت ہی تھی ان میں جس نے تنزیلہ کو ان کی جانب مائل کیا تھا ورنہ جس حساب سے ان کی خوراک تھی اتنا فٹ کوئی رہ جائے ناممکن۔

"کل جس پراجیکٹ پر تم نے سائن کیے تھے وہ مخالف پارٹی نے اچک لیا ہے۔یزدانی گروپ کے اب ہم پارٹنر نہیں رہے۔کب سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔فون تو کم از کم اٹھایا کرو۔"وہ ٹریڈ مل سے نیچے اترا،پسینہ اس کے ماتھے سے پانی کی طرح ٹپک کر قلموں میں جذب ہو رہا تھا۔اس نے جھٹ سے تولیے سے خود کو سکھایا۔اس اطلاع نے تو اسے بھی متفکر کر دیا تھا۔مگر خود پر یقین تاہنوز برقرار تھا۔

"ایسے کیسے،ان کا باپ بھی یہ پراجیکٹ ہمارے سے نہیں چھین سکتا۔"گردن کو تیزی سے پونچھتے ہوئے اس نے کہا تھا پھر تولیہ اس نے ٹریڈ مل پر ہی اچھال دیا۔اس تولیے کو جلدی سے وہاں سے اٹھالیا گیا تھا کیونکہ یہ جم ملک کی مہنگی ترین جموں کی برانچ میں سے ایک تھی۔

"ہونہہ،وہ ایسا کر چکے ہیں اور معلوم ہے کس کو ہمارے مدمقابل کھڑا کیا ہے؟"احسن نے ناسمجھی سے نفی میں سر کو جنبش دی۔اس کی آنکھوں میں غصے کی تپش رونما تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر گزرے مگر باپ کے لبوں سے پھوٹتے نام پر یکدم ساکت ہوا،لمحوں میں وہ بے زبان ہوا تھا۔

"نون گروپ کو،وہ کیا نام ہے اس کا ہاں رامیہ جبران وہ ہینڈل کر رہی ہے اس پراجیکٹ کو اب،صبح ہی اس نے سائن کیے ہیں۔"نعیم ماتھے کو مسل رہے تھے۔اگر انہیں تھوڑا سا بھی ادراک ہوتا کہ

تنزیلہ کے بچے اور شوہر یوں اس کی راہ میں حائل ہوں گے تو وہ کبھی بھی اس کے ساتھ افیئر نہ چلاتے۔ صدمہ زیادہ تو اس بات کا تھا کہ اب وہ اس سے کانٹیکٹ میں بھی نہیں تھی۔ ان کی بات بھی آگے نہیں بڑھی تھی۔ چند ملاقاتیں اور بس بات ختم۔

"ایسا ہے کیا۔" اس نے لبوں پر زبان پھیر کر ان کی خشکی ختم کی۔ رامیہ پر اسے شروع دن سے ہی کرش تھا اور اب یہ کرش بنیاد بن رہا تھا۔ وہ ایک بااثر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی بیک بے حد مضبوط ہے اوپر سے اس کی بزنس اسٹریٹجیز اف وہ تو کمال کی ہیں۔ تمام سوچ وبچار کے بعد ہی وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسے رامیہ کے ساتھ اپنے رشتے کو آگے بڑھانا چاہیے لیکن اب یہ مسئلہ آن کھڑا ہوا تھا۔ اسے اپنی سچوئشن دو دوراہے پر کھڑے مسافر کی سی لگی۔

"چلیں آپ فکر نہ کریں میں کرتا ہوں کچھ۔" ماتھے پر شکنیں اور لفظوں میں گھبراہٹ، نعیم نے اپنی بیٹے کی کیفیت کو بخوبی جانچا تو تھا مگر کریدا نہیں۔ یہ وقت نہیں تھا کہ وہ اس کے حالات و جذبات کو کریدنے بیٹھ جاتے۔ وہ تو بس معاملے کا سدھار چاہتے تھے اور ان کو واثق امید تھی اپنے ہونہار بیٹے سے کہ وہ یہ سب بہت ہی اچھے طریقے سے ہینڈل کرلے گا۔ احسن پر سوچ انداز میں جس کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ اس وقت شاپنگ مال میں موجود تھی۔ اس کے ساتھ ایشل بھی تھی۔ دونوں اس وقت پینٹ سوٹ میں ملبوس تھیں۔ بلاک ہیل کو ماربل پر جماتی ایک ساتھ چل

رہی تھیں۔ان کے دائیں جانب ڈائیور کی برانچ تھی۔وہ دونوں اس میں گئیں مگر تھوڑی دیر بعد ہی خالی ہاتھ لوٹ آئیں۔ آج کا دن اچھا نہیں تھا۔ آج کچھ بھی ان دونوں کو نہیں بھا رہا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر کہیں اور کا پلان کر لیں۔"پسٹا چو رنگ کے بلیزر میں ایشل کا رنگ دمک رہا تھا۔ اس نے اپنے لوز کرل بالوں کو کان کے اوپر انگلیاں دے کر تھوڑا سا بکھرایا۔وہ اس وقت مال کے چوتھے فلور پر تھے۔پانچویں فلور تک جاتی سیڑھیاں ان سے بس بالشت بھر کی دوری پر ہی تھیں۔ رامیہ نے گردن موڑ کر اپنی دوست کو دیکھا۔

"یورپ کا ٹرپ پلان نہیں کر سکتی آج ہی تو میں نے احسن رضا کی گردن پر پاؤں رکھا ہے پھر کیسے سب بیچ میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔"اس کی جانب دیکھتے ہوئے بات کے دوران ہی اس نے اوپر چڑھتی سیڑھیوں پر پاؤں رکھا تھا۔ مشین اپنے زور پر انہیں اونچائی پر لے جانے لگی تھی۔

"ویسے میں سمجھ نہیں پائی، تم نے ایسا کیا کیوں، وہ تو تمہارے ساتھ کولابریشن کرنا چاہتا تھا پھر تم نے اس کا ہی پروجیکٹ لے لیا، وجہ کیا ہے اس کے پیچھے۔"اونچائی نے بانہیں کھول کر ان کا استقبال کیا تھا۔وہ فورڈ کورٹ تھا تبھی مہکتے کھانوں کی خوشبوؤں نے ان کے گرد گھیرا ؤ کر دیا۔سیاہ مشروم کی مہک نے دونوں کی اشتہا کو بڑھا دیا تھا۔

"بس ہے کوئی وجہ وقت آنے پر بتاؤں گی۔" رازادری برتتے ہوئے اس نے ایک کرسی سنبھالی تھی۔ اوپن فوڈ کورٹ میں بھانت بھانت کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر طرح کے کھانے کی مہک، ہر طرح کا انسان وہاں موجود تھا۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر تم ابھی بتا دیتی۔" عادت سے مجبور ہو کر بال بکھیرتے ہوئے ایشل نے خود کو کرسی پر بٹھایا تھا۔ رامیہ اس کے عین سامنے بیٹھ گئی۔ دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ آرڈر لکھوا کر وہ ایشل کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"تجسس تم میں سے جائے گا نہیں۔ بس یہ جان لو میں جو کر رہی ہوں خود کیلئے ہی کر رہی ہوں۔ سمجھ دار کو اشارہ کافی ہے۔" وہ اسے آنکھ مارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

رامیہ کے لبوں پر معنی خیز سی مسکان تھی اور آنکھوں میں جگنو اترے ہوئے تھے۔ یہ جگنو رات کے ٹھنڈے میٹھے تارے بنتے ہیں یا لپکتے ہوئے شعلے یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

وقت جو بہت ظالم بے رحم اور سفاک ہے۔

وقت جو کسی کا نہیں، کسی کا بھی نہیں ہے۔

اس نے کاؤنٹ کیا تھا۔ گردن کی پھڑ پھڑاتی رگ اور کلائی کی رگ ایک ہی پیغام دے رہی تھی۔ تصدیق ہونے پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور ان سب پر بم پھوڑ دیا۔

"انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ایمبولینس کو بلاؤ جلدی۔" گردن کی اور کلائی کو چھوڑ کر اس نے تیزی سے سی پی آر دینا شروع کیا۔ فلک تو اس کے اعلان پر سن ہو گئی تھی البتہ مہمت حواسوں میں تھا۔ اس نے جلدی سے کال کر کے ایمبولینس کو بلا لیا۔ دو منٹ کے اندر اندر سفید گاڑی ہوش و خرد سے بیگانہ انسان کو اپنے ساتھ لیے جا رہی تھی۔ فلک، مہمت اور گھر کی ادھیڑ عمر مالکن کے ساتھ کار میں ہسپتال پہنچے تھے البتہ نوح مریض کے ساتھ ہی وہاں آیا تھا۔ وہ اسٹریچر کو کھینچتے لوگوں کو ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ وارڈ میں شفٹ کرنے کے بعد بھی وہ ڈاکٹر کو مریض کی حالت کے بارے میں خبردار کر رہا تھا۔ فارمیلٹیز پوری ہو گئی تھیں بس آپریٹ کرنا رہ گیا تھا۔ نوح اور ڈاکٹر دونوں بحث میں مگن تھے۔

"آپریٹ کریں گے تو مریض کی جان جا سکتی ہے کیونکہ ای سی جی کی رپورٹ کے مطابق بچنے کے چانسز زیرو لگ رہے ہیں۔ ہم یہ رسک نہیں لے سکتے۔ اس لیے بنیادی طبعی امداد کا ہی سہارا لینا پڑے گا۔" وہ ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اسٹیل کی سرد کرسی پر بیٹھی ادھیڑ عمر عورت روئے چلی جا رہی تھی۔ مہمت اس وقت ریسیپشن کے معاملات نبٹا رہا تھا۔ فلک نے اپنے بازو کے گھیراؤ میں اس عورت کو لیا ہوا تھا۔ وہ ساری صورتحال سے اس وقت بالکل ناآشنا تھی۔

"آپ رسک نہیں لیں گے لیکن انہیں ساری عمر مریض رہنے دیں گے۔ دیکھیں آپ میری بات کو سمجھیں آپریٹ نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ چار ماہ نالیاں کام کر پائیں گی۔ اس کے بعد وہ مکمل طور پر پھٹ جائیں گی۔ بلاکیج بہت زیادہ ہو گئی ہے اس لیے فیٹ کو ریمو کرنا ہی پڑے گا۔" اس کے سمجھانے کے باوجود وہ ڈاکٹر نفی میں گردن کو ہلا رہا تھا۔ ان کے سامنے آپریشن تھیٹر کو جاتا راستہ تھا عقب میں مریضوں کے لواحقین کیلئے کرسیاں رکھی تھیں جن کی پہلی قطار میں وہ دونوں اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی کی موجودہ تین قطاروں پر بھی اکا دکا لوگ بیٹھے تھے۔ شاید اوٹی کی جانب جاتے راستے پر بند کمروں کے پیچھے ان کے عزیز بھی زندگی و موت کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے۔

"چانس بہت کم ہے اس طرح بچنے کا لیکن۔" ڈاکٹر نے روتی ہوئی عورت کو دیکھا۔ کچھ سوچا پھر فیصلہ کر لیا۔ "ٹھیک ہے ہم پوری کوشش کریں گے۔" وہ نیم رضامند ہوا۔ نوح اسے آپریشن کی بابت کچھ بریفنگ دینے لگا تھا۔ وہ ڈاکٹر جونہی اوٹی کے جاتے راستے پر مڑا نوح نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ وہ واپس مڑا، مڑتے ہی اس کی نگاہ فلک کی جانب اٹھی تھی جو اپنے شانے سے روتی ہوئی عورت کو لگائے نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نوح نے اسے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ اس عورت کے کان میں کچھ کہتی کھڑی ہوئی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے برابر آن کھڑی ہوئی۔ منظر وہی

پرانے والا تھا بس فریق بدل گیا تھا۔ اب نیلی یونیفارم پہنے کوئی فر فر انگلش بولتا تیس بتیس سال کا ڈاکٹر وہاں نہیں کھڑا تھا۔ اب وہاں وہ کھڑی تھی جو ان سب باتوں کی زیرو معلومات رکھتی تھی۔

"کیا ہوا، کچھ زیادہ پریشان لگ رہی ہو۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈال لیے تھے۔ فلک کی اڑی رنگت اسے بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"بات پریشانی کی ہے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو۔" نوح نے ہولے سے سر کو نہ میں جنبش دی۔ اس کی جینز کی جیبیں گرم تھیں اس لیے ہاتھوں کو کچھ زیادہ سکون مل رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا میں نے گائیڈ کر دیا ہے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" آنکھوں کی الجھن ماتھے پر اتر آئی۔ ریسیپشن کے کاموں سے فارغ ہوتا مہمت جب اس سمت آیا تو وہیں ٹھہر گیا۔ ایک ناخوشگوار منظر نے اس کی آنکھوں میں جگہ بنائی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ فاصلے سے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ دونوں بالکل اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"تم نے گائیڈ کیا؟" اب کے چونکنے کی باری نوح کی تھی۔ وہ اس کے سوال پر اپنی تیر کمان سی ابرو اچکا گیا۔ انداز نروٹھا سا تھا۔

"اب یہ مت کہنا تم اس بات سے بھی واقف نہیں ہو کہ میں ایک ہارٹ سرجن ہوں۔ ڈونٹ ٹیل می فلک، کیا تم واقعی نہیں جانتی؟" وہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے

ناراض سی حیرت میں مبتلا ہوا تھا۔ فلک اس انکشاف پر پزل ہوئی۔ حیرت بھری نظریں نوح پر ہی جمی رہیں۔ کچھ تھا اس وقت جو اسے تنگ کر رہا تھا۔ بہت سے سوال تھے لیکن ابھی ان کے پوچھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کا دل ایک لحظے کو تھم کر رکا تھا۔

"میں۔" مہمت کی مداخلت نے اس کے آگے بڑھتے جملے کو وہیں روک دیا۔ وہ ان دونوں کے پاس آکر رکا تھا۔ نوح نے گردن موڑی۔ وہ لڑکا شدید بے زاریت سے اس ماحول کو ہضم کرنے کی سعی میں تھا۔ وہ لڑکا اسے پسند نہیں کر رہا تھا یہ بات نوح جان گیا۔ وہ لڑکا اسے کیوں نہیں پسند کر رہا اس بات کا ادراک اسے ہو رہا تھا مگر وہ اس سے آنکھ بچا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کچھ ایسی ویسی وجہ نکلے ورنہ وہ بھی نہیں جانتا تھا کیا ہو جائے گا۔

"تم نے سی پی آر دی اچھا کام کیا، یہاں تک آئے بہت شکریہ، اب تم جا سکتے ہو کیوں کہ ہم ان کے مہمان تھے اور ان کا ہمارے سے واسطہ ہے۔ یوں بھی ہسپتال میں زیادہ رش سوٹ نہیں کرتا۔" نوح کے لبوں پر انجانی سی مسکان آئی تھی۔ فلک ان دونوں کے درمیان سے نکل کر اس عورت کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اسے ان دونوں کی ان بن سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ فضول میں بچوں کی طرح لڑ رہے تھے صبح سے۔

"دراصل ٹھیک کہا تم نے، مجھے یہاں کی انتظامیہ سے بات کرنی چاہیے کہ وہ ہسپتال سے ایکسٹرا ز کو باہر نکال دیا کریں۔ یہ جگہ مریضوں کے بعد ڈاکٹرز اور مہذب لوگوں کیلئے ہے۔" وہ نوح جبران تھا۔ سرد، جامد، چٹان سا، نہیں بولتا تھا تو نہیں بولتا تھا اور جب الفاظ نکلتے تھے تو نشتر برساتے تھے۔

"تم ہسپتال کی انتظامیہ سے بات کرو گے؟" مہت نے ہنستے ہوئے گویا اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"بالکل، میں ڈاکٹر نوح جبران ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کو ایک درخواست تو میل کر ہی سکتا ہوں۔ جس تم میں جیسے انسانوں کا یہاں داخلہ ممنوع ہو بالکل اوپر لکھا ہو گا۔" مہت اس کی پوزیشن جان کر دانت کچکچا گیا۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے۔ یہ کیا مذاق ہے۔ "خیر میں نان سیریس لوگوں سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایکسکیوزمی۔"

ایک اچٹتی نگاہ اس نے اپنے اور فلک کے درمیان آتے اضافی انسان پر ڈالی پھر وہ مڑ گیا۔ ایک ہاتھ جینز کی جیب میں تھا اور دوسرے سے وہ ابرو کھجاتا کرسیوں کے پاس سے گزرا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" جاتے جاتے فرمان جھاڑا تھا۔ دواؤں کی مہک، لوگوں کا دکھ آمیز شور اور سرد در و دیوار، وہ ایک نگاہ جبڑے بھینچے کھڑے مہت پر ڈال کر پھر سے اٹھ کر اس کے پیچھے گئی تھی۔ مہت نے اسے جاتے دیکھ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہسپتال سے باہر، پارکنگ سے گاڑی نکالتے ہوئے اس نے کار عین اس کے سامنے روکی تھی۔ روکنے کے بعد اس نے

آگے جھک کر دروازہ کھول دیا۔ وہ سرعت سے اندر بیٹھی تھی کیونکہ آسمان سے گرتی برف نے شدت اختیار کرلی تھی اور اس کے پاس کوئی سایہ شجر نہ تھا۔

"ہم اندر بھی بات کرسکتے تھے کیا ہوا، کہاں جارہے ہیں ہم؟" اس کے پہیوں کو حرکت دینے پر فلک نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ چکنی پھسلتی سڑک پر کار آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ کم رفتار میں مگر مسلسل۔

"ایک درخواست کرنی ہے تم سے۔" چہرے کو لمحہ بھر کیلئے اس کی جانب موڑا پھر دوبارہ ونڈ اسکرین پر مرکوز کرلیا۔ کار کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک اطالوی ریستوران کے آگے آکر رکی تھی۔ شیڈ کے نیچے گاڑی روکنے کے بعد اس نے باقاعدہ رخ اس کی جانب کیا۔

"میں سن رہی ہوں۔" نوح نے اس کے پورے چہرے کا احاطہ کیا۔ اٹھتی گرتی انجان سی پلکوں کی لرزش، آنکھوں میں ڈھیر سارے سوال۔

"جو میں کہنے جارہا ہوں اسے احتیاط سے سننا اور دل میں بٹھا کر اس بات کو مقفل کردینا۔" اس نے سیٹ بیلٹ کھول کر پیچھے کو گرایا پھر دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ فلک ابھی سیٹ بیلٹ کھول ہی رہی تھی کہ وہ اس کی سمت آکر دروازہ کھول گیا۔ وہ کار سے نیچے اتری تھی۔ دروازہ کھلتے ہی تیز سردی کی لہر نے اس کے کانوں کو چھوا تھا۔ اندر کا ماحول گرم تھا مگر باہر جیسے دوزخ کا نچلا درجہ آن سمایا ہو۔ وہ

باہر آئی نوح نے دروازے کو بند کر کے کار کو ریموٹ سے لاک کر دیا۔ وہ دونوں بڑے پتھروں سے بنی روش پر ایک ساتھ چل رہے تھے۔

"بحیثیت ایک مرد میں تمہیں کچھ نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم اسے خیر خواہی کے زمرے میں لا کر سمجھو گی۔" چلتے چلتے وہ شیشے کے دروازے کے پاس پہنچے۔ وہاں استقبالیہ پر دو چھوٹے قد کے آدمی کھڑے تھے۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی دونوں نے جھک کر انہیں وش کیا تھا۔ شیشے کا نمی بھرا دروازہ ڈور مین ان کیلئے کھول چکا تھا۔ انہوں نے جیسے ہی دہلیز پر قدم رکھا تیز گرم ہوا نے ان پر موجود جراثیم اور گرد کو ہٹا دیا تھا۔ دروازہ ان کے عقب میں بند ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں تم ایک سیلف میڈ مگر لالچی لڑکی ہو۔" فلک نے جھٹ سے گردن موڑ کر اپنے برابر چلتے لڑکے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی لیکن لبوں پر کہیں نہ کہیں مسکان بھی موجود تھی۔

"اپنے کام سے کام رکھتی ہو، دنیا کی ہوش نہیں ہوتی تمہیں۔" سبز یونیفارم میں ملبوس ایک لڑکی نے ان دونوں کو بیٹھنے کی جگہ دکھائی تھی۔ بڑے سارے انڈور پلانٹ کے ساتھ بچھی نیلے رنگ کی دو کرسیاں چوکور میز کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ لمبائی میں دیوار کا کچھ حصہ کاٹ کر وہاں شیشہ نصب کیا گیا تھا جو اس وقت نمی سے پر تھا۔ اس لیے شام کی برف نظروں سے عنقا تھی۔

"لیکن میرے نظریے کے مطابق عورت کو بہت محتاط ہونا چاہیے۔ اسے اپنی سمت اٹھتی ہر نظر کی خبر رکھنی چاہیے۔ اسے علم ہونا چاہیے کہ سامنے والے کا لہجہ کس نوعیت کا ہے۔ اس کی جانچ کس انداز کی ہے۔ فاصلہ کتنا ہے۔" بات کو روک کر اس نے ویٹر کو آرڈر نوٹ کروایا تھا۔ پسٹو پاستا، رسوتو، چکن کاچتورا، گیوچی، کپریس سلاد اور کافی۔

"اسے نظروں کی آلودگی و پاکیزگی کا علم ہونا چاہیے۔ نیت سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اپنی باؤنڈریز کا پتہ ہونا چاہیے۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔ اندر مدھم مدھم سی سرگوشیوں اور چمچ کانٹے کی آواز تھی۔ اطالوی گیت بہت مدھم لے سے گونج رہا تھا۔ ماحول کافی پرسکون تھا۔

"کسی کی کیا جرات کہ وہ آپ کا ہاتھ تھامنے کی جسارت کرے، آپ سے شانہ مس کرے یا بہانے بہانے سے آپ کے قریب آنے کی کوشش کرے۔ فاصلہ اور حد ضروری ہوتی ہے فلک، بے حد ضروری۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا بڑے طریقے سے سمجھا رہا تھا۔ فلک کے گلے میں جانے کیوں گلٹی سی ابھری۔ ایسی باتیں کب کسی نے بٹھا کر اس سے کہیں تھیں۔ کب کسی نے کہا تھا کہ تم قیمتی ہو اپنا خیال رکھو۔ خود کو بچاؤ۔ محفوظ کر لو۔ کسی نے نہیں کہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ اس کے الفاظ بڑے ٹھہراؤ والے تھے۔

"عورت بہت قیمتی ونازک شے ہوتی ہے۔اس کی عزت اس سے بھی زیادہ قیمتی ونازک لیکن اس کی حفاظت سب سے زیادہ کٹھن وصبر آزما۔"کراکری ان کے سامنے رکھی جانے لگی۔دو پلیٹیں،دو چمچ،دو کانٹے،دو گلاس اور دو ہی وہ۔

"تم میری بات کا غلط مطلب لو یا صحیح یہ تم پر منحصر ہے لیکن میں نے آج پورا دن مہمت کو نوٹ کیا ہے۔اس کے دل میں کیا چل رہا ہے اس سے میں واقف نہیں ہوں اور ہونا بھی نہیں چاہتا لیکن۔" برتن رکھنے کے فوراًبعد کھانا چنا جانے لگا۔ایک ایک ڈش وہاں سلیقے سے رکھی جارہی تھی۔گو کہ ویٹر ان کی زبان سے واقفیت نہیں رکھتا تھا پھر بھی وہ اس پر رسمی مسکان اچھال کر خاموش ہوا۔اس کے جانے کے بعد وہیں سے سلسلہ جوڑا۔

"مجھے اس کی نظروں وحرکت نے الجھا دیا ہے۔میں چاہتا ہوں تم محتاط ہو جاؤ اور اسے وارننگ دو کہ وہ تمہیں چھونے کی کوشش سے گریز کرے۔بھلے تم دونوں دوست ہو۔اس معاشرے میں یہ عام بات ہے یہاں ان چیزوں کو برا نہیں مانا جاتا لیکن سیلف باؤنڈریز بھی کسی شے کا نام ہے۔اس کا بھی کوئی وجود ہے۔"

اس نے پاستا نکال کر پہلے اس کی پلیٹ میں ڈالا اور پھر اپنی،وہ کب سے اب تک خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے حلق میں گولا سا اٹکا تھا۔آنکھوں میں کوئی نمی نہیں تھی لیکن دل میں مغلوبیت بری طرح

بھر چکی تھی۔ تایا ابو نے کبھی بچپن میں اس سے کچھ باتیں کہیں تھیں۔ اس کے بعد وہ اور ان کا کاروبار ہوتا تھا۔ تائی امی نے کبھی توجہ دی اور نہ ہی وہ دینا چاہتی تھیں۔ ان کیلئے تو ان کی بیٹیاں ہی پہلی ترجیح ہوتی تھیں۔ باقی مصروف سی زندگی میں کبھی اسے بٹھا کر کسی نے نہیں سمجھایا تھا۔ آج اس عمر میں، انجان شہر، انجان ملک اور انجان جگہ پر ایک انجان مگر جانا پہچانا سا انسان اسے بیٹھ کر نزاکتوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے دل میں اچانک سے کچھ ہوا تھا۔ ایک خواہش جاگی اور وہیں قید ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنے دل پر بڑا مضبوط تالا لگایا ہوا تھا۔ زنجیریں اتنی سخت باندھی تھیں کہ کبھی نہ ٹوٹنے پائیں۔ آہنی گرفت ایسی تھی کہ کوئی اسے پاش پاش نہ کر پائے۔ شکنجہ بہت مضبوط تھا لیکن خواہشات دل کے ان دروازوں سے اندر داخل ہوتی ہیں جن کے قفل بہت بوسیدہ ہوتے ہیں۔ فلک جس زنجیر کو باکمال سمجھتی تھی وہ بالکل بے کار نکلیں۔ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوئیں اور اس غلطی کا ارتکاب کرنے پر مجبور کر گئیں جو نجات دیتی ہے تو مات بھی، اس نے پوری زندگی مات دیکھتی تھی مگر پھر بھی مسکرائی تھی۔ وہ اگر اس معاملے میں مات دیکھے گی تو کبھی مسکرا نہیں پائے گی۔ اس کے دوہرے احساسات ہوئے۔ خوشی بھی ہونے لگی اور وحشت بھی۔

"اس لیے المختصر میں چاہتا ہوں مہمت پنار سے تم فاصلہ رکھو، اسے التجا سمجھو یا نصیحت یہ اب تم پر ہے۔ چلو شروع کرو اب بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" اس کا سکوت ٹوٹا، مہنگا کھانا، مہنگی جگہ اور ناقابل رسائی سا وہ شخص سب مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے کانٹا چمچ اٹھایا۔

"کچھ کہو گی نہیں۔"اس کے نوالہ لینے کے بعد نوح نے کھانا شروع کیا تھا۔سوال سرسری تھا لیکن پر اشتیاق تھا۔

"تمہاری باتوں پر احتجاج بنتا نہیں ہے اس لیے خاموش ہوں،مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم جیسا انسان اس طرح کی باتیں بھی کر سکتا ہے۔"نوالہ چباتے چباتے نوح کی ابرو اچکی تھیں۔اس نے کانٹے کو دائیں ہاتھ میں تھامے تھامے استفسار کیا۔

"مجھ جیسے انسان سے کیا مراد ہے تمہاری،ڈیفائن کرو۔"اس نے نظر اٹھا کر دیکھی۔وہ اسے آج بدلا بدلا لگا،کچھ الگ سا،مسکراتے لب،چمکتی آنکھیں اپنا سا وہ۔۔ششش،خاموش۔۔چپ ہو جاؤ ورنہ اعلان ہو جانا ہے۔اس نے بند لبوں سے اپنی دھڑکنوں کے ارتعاش کو ڈپٹا تھا جو پنجرے میں بند پرندے کی مانند پھڑ پھڑائے جا رہی تھیں۔نظریں نیچے گرا کر وہ شانے اچکا گئی۔

"یعنی روڈ،سرد،خشک وغیرہ وغیرہ۔"اس لڑکے کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے چمک در آئی۔ اس نے نیم گرم پانی کا سپ بھرا۔

"مطلب تم نے مجھے کافی آبزرو کیا،دیٹس گریٹ۔"وہ لڑکی جتنی پاگل تھی اتنی ہی اسے عزیز تھی۔ اس کی سادگی،لاپرواہی دل موہ لیتی تھی۔فلک نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ بس کھانے میں مگن رہی تھی۔اپنی زندگی میں مہمت کے ساتھ اس کے گھر کا کھانا کھانے کے بعد وہ پہلی بار کسی کے

ساتھ یوں کسی ایسی جگہ بیٹھ کر کھا رہی تھی ورنہ تو اس نے کبھی بھی اس چیز کا تصور نہیں کیا تھا۔ یہ سب باتیں اس کی گڈ لسٹ میں کبھی شمار نہیں رہیں تھیں۔ وہ اپنی زندگی کی ہر نئی چیز پہلی بار اسی شخص کے ساتھ کر رہی تھی۔ اسے اب معلوم ہو رہا تھا کہ دل کیوں آمادہ ہو جاتا تھا اس انسان کے آگے سرنڈر کرنے کیلئے، اب ادراک ہوا تھا کہ وہ کیوں اس کے ساتھ اتنی پر سکون رہتی تھی۔

اسے نوح کی آواز سنائی دی۔

"جو پمفلٹ ہم نے تقسیم کیے تھے لوگوں میں اس کا کوئی فائدہ ہوا یعنی تمہیں اس ریستوران میں جاب آفر ہوئی یا نہیں؟" اسے اچانک یاد آیا تھا تبھی یہ سوال داغا فلک نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے سب بتانے لگی۔ نوح کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتا اسے تکتے ہوئے سنے جا رہا تھا۔ باہر برف برس رہی تھی اور اندر ایک لڑکا دل و جان سے ایک لڑکی کا سامع بنا بیٹھا تھا۔

عصر کی اذانوں نے پورے ماحول کو فسوں میں گھیر دیا تھا۔ پرندوں کا شور، پتوں کی سرسراہٹ ڈوبتا پھیکا زرد سورج اور لان میں بیٹھے جبران۔

"تم مجھے تو نصیحتیں کرتے ہو کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا ہے۔" گول میز پر لیپ ٹاپ کھلا ہوا پڑا تھا جس میں سے غفران کا چہرہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اسی میز پر ایک سائیڈ پر ایش ٹرے رکھی

تھی۔ایک آدھا بھرا گلاس کا پانی اور ایک چوتھائی خالی چائے کا کپ، سر پر نیلی دھاریوں والی چھتری تنی تھی۔ عقب میں تھوڑی دور مالی پودوں کی گوڈی کرنے میں مگن تھا۔انہوں نے اپنے پاؤں گھاس پر رکھے ہوئے تھے۔دن ڈھلتے ہی سردی کی شدت بڑھنی شروع ہوئی۔پاؤں کے قریب رکھے شوز میں سے موزے جھانک رہے تھے۔ان کی التجا تھی کہ وہ پاؤں پر لحاف چڑھالیں۔

"میری سوچنے کی عمر نکل گئی ہے اس لیے اس بات کو سائیڈ پر رکھ دیتے ہیں۔"غفران اس وقت ڈیوٹی پر تھے۔ان کے عقب میں پولیس کے لوگوں سے سجی دیوار نظر آرہی تھی۔سفید دیوار پر نیلی روشنائی بکھری ہوئی تھی۔

"کوئی عمر نہیں نکلی، تم اب بھی کافی ہینڈسم دکھتے ہو چاہو تو شادی پلان کر سکتے ہو یا میں ہی یہ فریضہ پورا کروں۔"ٹھنڈی ہوا نے جبران کے اعصابوں میں سنسناہٹ دوڑادی۔انہوں نے جلدی سے جھک کر شوز میں سے موزے نکالے اور انہیں پاؤں پر چڑھانے لگے۔گھاس کی نمی نے پاؤں کے تلوؤں کو گیلا کر دیا تھا۔ایک آدھ مردہ تنکے اس پر چپکے ہوئے تھے جنہیں جھاڑتے ہوئے انہوں نے جرابیں چڑھائیں تھی۔

"بس کر دیں بھائی خدا کا کوئی خوف کریں کیوں نوح کی طرح میرے پیچھے پڑ رہے ہیں۔یاد رکھیں وہ آپ کا تعبید ار ہے میں نہیں۔"غفران کے لہجے کی مصنوعیت ان پر اچھے سے عیاں تھی اس لیے وہ

قہقہہ لگا بیٹھے۔پاؤں کو گرم جرابوں میں جا کر کچھ تقویت ملی تھی لیکن الجھن بدستور قائم تھی کہ پاؤں میں نمی ابھی بھی موجود تھی۔

"تمہاری نافرمانی کی تو ایسی کی تیسی بس اب میں نے سوچ لیا ہے پورے دو سال بعد نوح کے ساتھ ساتھ تمہارا نکاح بھی پڑھوا دوں گا یار ایک ہی تو بھائی ہے میرا کتنا ارمان ہے مجھے اس کے بچے دیکھنے کا۔"غفران نے ہاتھ میز پر مار کر کرسی سے ٹیک لگائی تھی۔وہ بہت زیادہ لاجواب ہوئے تھے۔نفی میں سر ہلا گئے۔

"ویسے ایشل کی ایک خالہ۔"غفران نے ان کی بات درمیان میں قطع کی۔

"خبردار ایسا سوچا بھی پہلے مجھے وہ ایشل زہر لگ رہی ہے اوپر سے آپ اس کی خالہ کا ذکر لے بیٹھے۔"ایشل کے لیے غفران کے لہجے کی کڑواہٹ نے جبران کو لمحے بھر کیلئے ساکت کیا تھا کچھ توقف کے بعد ان میں جنبش ہوئی۔

"ایشل بہت اچھی لڑکی ہے غفران،وہ روح کو سنبھال لے گی۔اس کی حقیقت سے بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔نوح جس گلٹ سے بھاگ رہا ہے وہ اس کا فل اسٹاپ ہے۔بطور منگیتر اس کا حق بنتا ہے وہ نوح کے پاس آئے اس سے ملے لیکن تم لوگوں کے منع کرنے کے اصرار نے مجھے اس بچی

کے آگے شرمندہ کروادیا۔ تم نہیں سمجھ سکتے اس وقت وہ بچی کتنی دلبرداشتہ ہوئی تھی۔"غفران نے جمائی لی۔

"ٹھیک ہے ہو گی وہ اچھی لیکن فی الحال آپ نوح کو اس کی پڑھائی پر فوکس کرنے دیں۔ ایشل کا یہاں نہ ہونا ہی اس کیلئے بہتر ہے۔"منگیتر لفظ پر غفران کے چہرے کے زاویے بن گئے۔ یہ کیا بات کہہ دی تھی ان کے بھائی نے، تو یعنی وہ واقعی اس لڑکی کو نوح کو تھوپنے پر تیار تھے۔ کتنی بڑی کوتاہی کر رہے تھے وہ۔

"حالانکہ وہ اس کی بہت بڑی سپورٹر ہو سکتی ہے۔ پتا نہیں تم لوگ کیوں منع کیے جا رہے ہو۔"وہ تو جیسے انتظار میں تھے۔ ابھی غفران تھوڑی سی حامی بھریں اور پہلی فلائیٹ سے وہ ایشل کو یہاں بھیج دیں۔ غفران کا حلق کڑوا ہو گیا۔ انہیں اب ایشل نامہ ہرگز نہیں سننا تھا اس لیے گھڑی میں وقت دیکھا۔

"او کے بھائی اب ذرا کچھ کام کر لوں۔ آپ سے پھر بات ہو گی۔"

جبران کے خدا حافظ کہنے کے بعد انہوں نے کھاٹک سے لیپ ٹاپ بند کیا۔ وہ اس ٹاپک سے شدید عاجز تھے۔ ان کے بیچارے بیٹے پر ان کے بھائی نے زبردستی کی منگیتر مسلط کر دی تھی۔ ان کے دماغ میں ایک خیال آیا وہ اڑتے ہوئے گھر پہنچے تھے۔ ان کا متلاشی مائیر تھا جو اس وقت لیپ ٹاپ پر

اپنے ریسرچ ورک میں مگن تھا۔ غفران کی اس پر جیسے ہی نظر پڑی ویسے ہی ان کے دل میں بے حد پیار امنڈ آیا۔ انہیں سیرا کی قسمت پر رشک ہوا تھا۔ مائیر چاہے لاابالی طبیعت کا کیوں نہ ہو تھوڑا ہیلدی ہیلدی کیوں نہ ہو اچھا خاصا جاذب نظر، ذہین اور ذمہ دار انسان تھا۔ سب سے اہم بات وہ سیرا کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی لڑکی اس کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتی تھی تو وہ لاحول ولا پڑھ لیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر نظروں کا حصار محسوس کیا سر اٹھا کر دیکھا تو یونیفارم میں ملبوس غفران اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ اس کے دیکھنے پر مسکرائے تھے۔

"آپ آج جلدی آ گئے، سب ٹھیک ہے۔" سیاہ پینٹ پر اس نے آسمانی رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس شرٹ پر بھوری جیکٹ موجود تھی۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا تھا بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ تھوڑی سی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ شاید آج اس نے بال نہیں اتارے تھے۔ کھڑی ناک اور بھرے بھرے سے ہونٹ، اس کا چہرہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔ وہ شاید واقعی کسی اہم کام میں غرق تھا۔ اس کے استغراق کو انہوں نے توڑ دیا۔ انہیں افسوس ہوا۔

"بالکل۔" یک لفظی جواب کے بعد انہوں نے کچھ دیر کا پاز لیا پھر چلتے ہوئے اس کے برابر آ کر بیٹھے ہاتھ اس کے شانے پر دھرا تھا۔ مائیر انہیں گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔

"ایک خیال آیا تھا تو سوچا تمہارے ساتھ ڈسکس کرلوں اگر تم مصروف ہو تو کوئی بات نہیں۔" مائیر نے جھٹ سے لیپ ٹاپ کی اسکرین گرائی چشمہ اتار کر بند لیپ ٹاپ پر رکھ دیا۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں جلدی سے بولیں۔" وہ اپنی جون میں واپس آچکا تھا۔ سنجیدگی کہیں دور اڑن چھو ہوئی۔ غفران سے اہم کام ان تینوں کی زندگی میں کوئی نہیں تھا۔ ان کیلئے تو وہ ہر حال میں وقت نکال سکتے تھے۔

"ایشل سے نوح کا چھٹکارہ چاہیے مجھے اور اس کیلئے کسی کو نوح کی زندگی میں آنا ہو گا۔ کیا تم نوح کو کسی کو پسند کرنے پر مجبور کر سکتے ہو تاکہ میں اس کا جلدی سے نکاح پڑھوا سکوں۔ پہلے ہم نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی لیکن لگتا ہے اگر اب کریں گے تو ضرور کام کرے گی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں نوح کی زندگی میں آنے والی لڑکی ایشل بالکل بھی نہیں ہو گی۔ اور کوئی وجہ بھی ہے جس کی وجہ سے میں چاہ رہا ہوں نوح اپنے لیے خود ہی کسی کو پسند کرلے۔" مائیر آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے انہیں دیکھے گیا۔ پورا لاؤنج اس وقت خالی تھا۔ اندر بند کمرے میں سیر اقرآن پاک کھولے بیٹھی تھی۔ اسے سخت ہدایت تھی کہ اگر وہ یا مائیر دونوں ایک ساتھ کبھی گھر میں تنہا ہوں تو دونوں میں سے کوئی ایک اپنے کمرے سے باہر ہرگز نہیں آئے گا تب تک جب تک گھر کا کوئی اور فریق نہ آجائے۔ یہ بے اعتباری نہیں تھی بس احتیاط کی ایک شرط تھی۔

"بس یہی وجہ ہے یعنی ایشل، یا اس جلدی کے پیچھے کوئی اور بات بھی پوشیدہ ہے؟" اس کے استفسار نے غفران کو بوکھلا دیا۔ بھلا وہ کیسے جان گیا کہ انہیں اپنی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ وہ گڑبڑائے تھے فوراً اس کی بات کی تردید کی۔

"اور کیا بات ہو گی، کیا تم ایشل کو نوح کیلئے قبول چکے ہو؟" مائیر کا خوبصورت سا چہرہ اس بدصورت سی بات پر برا سا بگڑ گیا۔ اتنا گندہ منہ بنایا جیسے کڑوی گولی گھل گئی ہو۔

"کبھی بھی نہیں، میرے بھائی کے ساتھ وہ لڑکی بالکل بھی نہیں جچتی، زہر لگی تھی مجھے وہ بالکل عروبہ کی طرح۔" وہ لفظوں کا استعمال نہ بھی کرتا تب بھی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایشل اس کو کیسی لگتی ہے۔ غفران نے اس کے شانے پر دھرے ہاتھ کا بوجھ بڑھایا۔

"تو پھر طے ہو گیا پورے دو سال بعد جب بھائی نوح کی شادی ایشل سے کروانے کی کوشش کریں گے ہم دو ماہ پہلے ہی اسے کسی اور کے ساتھ جوڑ دیں گے یوں نوح کٹھ پتلی بننے سے بچ جائے گا۔" مائیر نے بھنویں اتنی اچکائیں کہ ماتھے پر بے تحاشہ بل پڑ گئے۔

"ہیں، بائیس ماہ بعد کرنا ہے جو کرنا ہے یہ کیسا پلان ہوا۔" اس کی حیرت لاجواب تھی۔ غفران نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹایا پھر تڑخ کر بولے۔

"محترم، دماغ آپ کو اللہ نے استعمال کرنے کیلئے عطا کیا ہے۔ لڑکی ڈھونڈنے اور نوح کا سین آن کرنے میں وقت درکار ہو گا، ہو گا کہ نہیں؟" مائیر نے فٹ سے سر کو ہلایا۔

"اور اس سین آن کرنے میں کتنے دن برباد ہوں گے یہ بھی سوچ لیں آپ، ایک جیتے جاگتے انسان نے محبت کرنی ہے کوئی عام بات نہیں ہے۔ اس میں تو پوری عمر بھی لگ جائے تو کم ہے۔" مائیر تھوڑا سا غفران کے قریب کھسکا پھر اس نے اپنے مشن کی تمام روداد غفران کی سماعت میں انڈیل دی۔ وہ اکڑ کر سیدھا ہوا تھا۔

"ایک جیتا جاگتا انسان پہلے ہی کسی لڑکی کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔ وہ نوح جو ناک کی سیدھ میں جا کر ناک کی سیدھ میں واپس آتا تھا اب وہی جاب ڈھونڈنے کی تگ دو میں ہے اور جس کیلئے جاب ڈھونڈی جا رہی ہے وہ ایک لڑکی ہے۔ لڑکی بھی وہ جس کیلئے موصوف کا کنسرن بہت زیادہ ہے۔" اس نے بہت کو بہت لمبا کھینچا۔ غفران کا اس بات پر قطعی یقین نہیں آیا تھا لیکن انہیں یقین کر کے ہی دینا پڑا کہ مائیر کذاب میں سے نہیں تھا۔

"ناقابل یقین، کیا واقعی؟" وہ پر سوچ تھے۔ یقین ہو بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔

"سو فیصد۔" مائیر کی تصدیق اور ان کے ڈھلکتے شانے۔

"پھر اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی کو اپنی بہن بنالیا ہو یا پھر کسی نے اس سے مدد طلب کی ہو کیونکہ نوح جتنا ان سب چیزوں سے بھاگتا ہے ہم اس سے واقف ہیں۔ آہ۔" انہوں گہرا سانس لیا۔ وہ فریش ہونے کیلئے کھڑے ہو چکے تھے۔ "بہر حال جو بھی ہو اس کیلئے بہتر ہو۔ تم اپنا مشن جاری رکھو اور مجھے ٹائم ٹو ٹائم اپڈیٹ کرتے رہنا۔" اس کا شانہ تھپتھا کر وہ چلے گئے تھے۔ مائیر نے ایک بار پھر سے اپنا لیپ ٹاپ اٹھالیا تھا۔ اس کا شک جس کی سمت جا رہا تھا وہ اس وقت خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے کاٹیج کی مالکن کو ہاف ہگ دیا ہوا تھا۔ اس کے شوہر کی جان بچ گئی تھی۔ اب وہ کافی عرصہ مزید جی سکتا تھا۔ نوح کی ہدایت و یقین کے تحت ہی ایسا ممکن ہوا تھا ورنہ تو وہ لوگ آج کسی بری خبر کے ہی منتظر تھے۔

"میں آپ سب کو کسی روز دعوت پر مدعو کروں گی آپ سب آیئے گا۔" الوادع کرتے ہوئے اس عورت نے تہہ دل سے شکریہ ادا کیا تھا فلک اس سے گلے ملنے کے بعد باہر آئی تھی۔ پارکنگ میں آتے ہی اس کے قدم یکدم سست پڑے تھے۔ وہ دونوں اپنی اپنی کاروں سے ٹیک لگائے اس کے منتظر تھے۔ اس کے آتے ہی دونوں نے گردن موڑ کر ایک دوجے کو دیکھا۔ نظروں کا پیغام تھا۔

"یہ میرے ساتھ جائے گی۔"

وہ ان دونوں کو دیکھ کر پھیکی سی مسکائی۔ فیصلہ کیا اور پھر اس پر عمل بھی، وہ مہمت کے ساتھ آئی تھی۔ اصولاً ڈیوٹی پر تھی اس لیے اسے اس کے ساتھ ہی جانا تھا۔ اس نے جونہی قدم مہمت کی سمت بڑھانے شروع کیے نوح نے ٹیک چھوڑ دی چھوڑتے ہی وہ مہمت کی کار کے پاس آیا تھا۔

"چونکہ میری گاڑی میں مسئلہ ہے اس لیے میں لفٹ چاہتا ہوں۔" سرد سی آواز، سنجیدہ سی درخواست، بے نور سا انداز، خفا سا وہ۔ یعنی اتنے لمبے لیکچر کا صلہ یہ ملا۔۔۔ حد ہے نوح، حد ہے۔

"میں لفٹ نہیں دے سکتا معذرت، تم کوئی اور انتظام کرو۔" ٹرکش لڑکا سفاک ہوا تھا۔ نوح اسے دیکھ کر مسکرایا، طنز بھری مسکان۔

"تمہارا شکریہ۔" پھر وہ ان دونوں کے بیٹھنے سے پہلے ہی ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ سنبھال گیا۔ مہمت اس حرکت سے شدید سیخ پا ہوا تھا۔ متحیر انداز میں مڑ کر اسے نکلنے کا آرڈر دینے ہی والا تھا کہ فلک نے اسے روک دیا۔

"ہم ایک ہی رستے کے مسافر ہیں کوئی بات نہیں اگر یہ بھی ہمارے ساتھ چلا جائے تو۔" مہمت نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فلک کو سنا پھر آنکھیں بند کر کے غصہ کنٹرول کر لیا۔ اس لڑکے سے اسے خطرہ لاحق ہے وہ جان گیا۔ یہ لڑکا جان بوجھ کر ان کے درمیان مخل ہو رہا ہے پہچان گیا۔ اس نے بے دلی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ اس سے پہلے ہی نوح نے شیشے سیٹ کر لیے تھے۔ وہ

سینے پر بازو باندھے سنجیدہ آنکھوں کے ساتھ فلک کو بیک سیٹ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ ویو مرر ایسے سیٹ تھا کہ وہ اسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یوں تو وہ پورے راستے چپ چاپ ہی تھا لیکن وقفے وقفے سے اس کی نظر اٹھ کر بیک سیٹ پر جا رہی تھی ساتھ ساتھ وہ مہمت کو بھی جانچے جا رہا تھا کہ آیا وہ اپنے کام میں مصروف ہے یا دوسری سرگرمی میں، ہر بار تسلی ہونے پر وہ آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ مہمت نے خوشی کے آگے پہنچ کر ٹائر چرچرائے تھے۔ نوح نے آنکھیں کھول دیں۔ فلک پورے راستے سوتی آئی تھی۔ کار کے یوں شدت سے رکنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔

"تمیز نہیں ہے اس لڑکے کو۔" کار کے رکتے ہی مہمت ٹھاہ کی آواز سے دروازہ بند کر کے وہاں سے گیا تھا۔ اس کے قدم خوشی کی جانب اٹھ رہے تھے۔

"اسے پسند نہیں آیا تمہارا ہمارے ساتھ آنا۔" نوح نے ہاتھ جھلاتے ہوئے سیٹ بیلٹ کھولی۔

"پرواہ کسے ہے یہ بتاؤ گھر جاؤ گی یا خوشی؟" وہ کار سے اتر چکا تھا۔ فلک بھی سیٹ بیلٹ کھول کر نیچے اتری۔

"خوشی۔" نوح نے گہرا سانس بھرا اس دوران مہمت خوشی کا دروازہ کھول کر اندر جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر اپنا خیال رکھنا صبح ملتے ہیں۔" فلک کے دل کی ایک بیٹ مس ہوئی۔ اس نے نچلہ لب دانتوں میں جکڑ کر شانہ اچکایا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔ وہ بھی وہیں کھڑا رہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے پھر وہ فلک تھی جس نے پہل کی۔ اس نے رخ موڑا، ایک قدم اٹھایا۔ نوح کی آواز نے اس کے دوسرے قدم کو راستے میں ہی روک دیا۔

"میں امید کرتا ہوں تم میری باتوں کو یاد رکھو گی۔" اس لڑکی کے لبوں پر مسکان آئی تھی۔ بہار ہر سو کھل گئی۔ ایک خوشی اس کے سامنے تھی اور ایک اس کے عقب میں۔

"میں رکھوں گی۔" اس کے دل نے کہا تھا۔

"شب بخیر۔" وہ نہیں جانتی تھی کسی کی آواز میں اس قدر ہیلنگ ہو سکتی ہے۔ کوئی اتنا پیارا بھی بول سکتا ہے۔ وہ اپنے جذبات پر قابو پا کر مڑے بنا ہی خوشی میں آگئی تھی۔ مہمت ناگوار تاثرات کے ساتھ مدھم آواز میں پنار سے ہمکلام تھا۔ پنار نے آہٹ پر نظریں لمحہ بھر کو اس پر ڈالیں پھر وہ واپس اپنے بیٹے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ فلک چلتی ہوئی ان تک آئی تھی۔ اس کی سماعت نے اس دوران وہ سنا تھا جو بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا وہ یہ تھا۔

"انتہائی فلرٹی اور نظر باز انسان تھا وہ، اس کی موجودگی سے ہی گھن آ رہی تھی مجھے، مسلسل اس نے اپنی نظریں ایک ہی زاویے پر ٹکائی ہوئی تھیں۔ جان بوجھ کر اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فلک۔" وہ نوح کے بارے میں بات کر رہا تھا غلط بیانی کر رہا تھا۔ اس کے وہاں آتے ہی مہمت نے بات کے دوران اسے آن لیا۔

"تم اس گھر سے نوکری چھوڑ دو، واش اینڈ شائن کو کہو وہ تمہیں ری پلیس کر دیں۔ مجھے وہ لڑکا بالکل پسند نہیں آیا۔ یا خدا اتنی آلودہ نظریں افف۔" اس کا حرف حرف غلط تھا۔ لفظ لفظ بناوٹی، اسے یقین نہیں آیا اس کا اتنا پرانا اور بندہ شناس دوست اس قدر منفی سوچ رکھ لے گا۔ وہ غلط کہہ رہا تھا سراسر غلط۔

"پنار سر، آپ نے میری جاب کی بات کی؟" اس نے بات بدل دی۔ وہ یہی کر سکتی تھی۔ اس کا نظر انداز کرنا پنار اور مہمت دونوں نے نوٹ کیا تھا۔ وہ دونوں لمحے بھر کو چپ ہوئے گویا پورے عالم میں سناٹا چھا گیا ہو۔ ان کے سامنے کھڑی لڑکی لبوں کو آپس میں پیوست کیے انہیں دیکھے چلے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی ایک لہر سی ابھری تھی جسے مہمت نے نوٹ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن پنار کر گئے تھے۔ انہوں نے اپنی آئی بالز کا رخ اپنے لخت جگر کی سمت کیا جو بولنے کیلئے تیار تھا اور دیکھو وہ بول پڑا۔

"فلک میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں اور تم کیا بات کر رہی ہو۔" پنار نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔ لوگوں کی آواز کے درمیان ان کی دبی سی آواز کہیں مدغم ہو کر رہ گئی تھی۔

"مہمت بس کرو اور بچے۔" جانے کیوں، جانے کیوں پنار کے دل کو اس وقت ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ، وہ محسوس کر رہے تھے جو وہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو رہا تھا جس کو وہ جاننا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے دل سے دعا کی کہ اگر ان کی سوچ سچ ہے تو سامنے کھڑی لڑکی کا دل پلٹ جائے یا کوئی ایسا سبب بن جائے کہ وہ بس اسی کی ہو کر رہ جائے اور اس لڑکے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دور ہو جائے جو ان کے عزیز بیٹے کی خوشی خاک کرنے آیا تھا۔ باپ کی دعا تھی کیسے رد ہوتی۔ ماں کی دعا عرش پھاڑ دیتی ہے تو باپ کی قبولیت کو چھو آتی ہے پھر اس میں تو تھا بھی صدق، خالص اور انمول صدق۔

"آپ کل سے جوائننگ دے دینا، میں بات کر چکا ہوں آپ کے بارے میں ان سے۔" وہ ان کو دیکھ کر مسکرائی تھی پھر اس نے مہمت کی جانب نظریں اٹھائیں، اس کی مسکان سکڑ گئی۔ مہمت الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں انہونے وسوسے پل رہے تھے۔ وہ صبح سے بے چین و مضطرب تھا۔ فلک کا انداز اسے بدلا بدلا سا لگا۔ اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھوں کی مٹھیاں بنالیں۔

"چلتی ہوں، شب بخیر۔" وہ اسے کراس کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔ مہمت نے گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس سے دور بہت دور جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی سب شے بے نور ہو گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ ساکت آنکھیں ٹھنڈے سفید سنگ پر جم کر رہ گئیں۔

سفید سنگ جو موت سا سرد تھا۔

جس میں درد ہی درد تھا۔

کون جانتا تھا کس کی زندگی میں ایسی موت سی سفیدی و سردی بھرنے والی ہے۔

کس کو خبر تھی بھلا۔

سفیدی نے پورے کرہ عرض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر شے نم تھی ہر شے سفید، وہ رات میں برستی پھوار کے درمیان مسرور ساڈرائیونگ کر رہا تھا جب اس کی نظر ایک گفٹ شاپ پر پڑی۔ جانے کس جذبے کے تحت اس کے پاؤں بریک پر پڑے تھے۔ وہ کار کو پارکنگ میں لگا کر باہر نکلا، بڑے بلاکس والی زمین پر اپنے ڈیزرٹ شوز کو مضبوطی سے جما کر وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے

قدموں کی دھمک نے شیشے کے دروازے کو درمیان میں سے چاک کر دیا۔ وہ اس میں سے گزر کر اندر آیا اور ایک طائرانہ نگاہ پوری شاپ پر دوڑادی۔

"لڑکیوں کو کیا پسند ہوتا ہے، کپڑے، جوتے، جیولری اور نفیس سے گفٹس۔" اس نے سوچا اور پھر قدم بڑھادیے۔ وہ ایک ایک ریک کے پاس سے گزر رہا تھا قدم چھوٹے تھے مگر خوشگوار تھے۔

"کپڑے، جوتے یا جیولری دینا کچھ مناسب نہیں ہے ابھی، اس لیے گفٹ بہترین آپشن ہے مگر کیا۔" وہ ایک ایک جگہ رک رہا تھا مگر کچھ نہیں ملا۔ اس کی نظروں سے طرح طرح کی چیزیں گزر رہی تھیں لیکن کچھ پسند نہیں آرہا تھا۔ وہ ڈریم کیچر کو کھڑا دیکھ رہا تھا جب وہاں کے اسٹاف کے ایک فرد نے اس کی مشکل آکر آسان کر دی۔

"اگر آپ کو کچھ پسند نہیں آرہا تو آپ کسٹمائز بھی کروا سکتے ہیں۔ آپ جو چاہیں گے جیسا چاہیں گے ہم بنادیں گے۔" اس نے ادھیڑ عمر شخص کو فرصت سے دیکھا پھر ابرو اچکا کر اپنی سوچ پر بریک لگائی۔

"یہ ایک اچھا آپشن ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا بنوانا چاہتا ہوں۔" اس آدمی کے لبوں پر موجود مسکان کچھ زیادہ گہری ہوئی۔ اسٹور میں تھوڑا رش تھا۔ ان دونوں کے پاس ایک لڑکی آکر

رکی تھی۔ وہ گلاس بال اٹھا کر دیکھ رہی تھی جس میں سے برف گرتی نظر آ رہی تھی۔ نوح نے نچلے لب کو تر کیا۔

"کیا آپ کو اپنی گرل فرینڈ کیلئے گفٹ چاہیے؟" وہ اس سوال پر تھم گیا۔ دل کا غوطہ شدت بھرا تھا۔ اس نے تھوک نگلا۔

"نہ۔" اس کی زبان لڑکھڑائی۔ "نہیں، وہ صرف میری دوست ہے۔" اس نے نظروں سے زمین کو ٹٹولنا شروع کیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی اسے دیکھ کر خوشگوار سے اچنبھے میں مبتلا ہوا تھا۔ یہ کیسا مرد تھا جس کے گالوں پر سرخی چڑھ آئی تھی۔ پلکیں اٹھ اور گر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اس سیکشن کی طرف آ جائیں یہاں کچھ سیمپلز ہیں آپ ان میں سے پسند کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کا بتایا ڈیزائن ری کریٹ کر دیں گے۔" نوح نظر دوڑاتا چلتا گیا۔ وہ آدمی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ لکڑی کے ایک ریک کے پاس سے گزرا ابھی اس نے دو قدم اٹھائے ہی تھے کہ اسے رک جانا پڑا۔ وہ آدمی بھی اس کے ساتھ ہی رکا تھا۔ نوح نے الٹے قدم اٹھائے مطلوبہ جگہ پر پہنچنے کے بعد اس نے گردن کو موڑا تھا۔ لکڑی کے چوکور ڈبے میں ایک خالی بینچ اور پول نصب تھا۔ پول کا بلب آن تھا۔ اس کی باریک سی روشنی صرف بینچ کو گھیرے میں لیے ہوئی تھی باقی سب اندھیرے میں تھا۔ اس اندھیرے میں آسمان سے چھوٹے چھوٹے روئی کے گالے گرتے ہوئے

نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ نوح کے دل کو وہ سنو لیمپ بے حد بھایا تھا۔ اسے لگا وہ اور فلک اگر وہاں ایک ساتھ بیٹھ جائیں تو یہ منظر بالکل مکمل ہو جائے گا۔ اس نے انگلی کا اشارہ اس کی جانب کیا۔

"یہ، یہ مناسب ہے۔" ادھیڑ عمر آدمی کے لبوں پر مسکان مزید گہری ہوئی۔ یہ اس کا ڈیل کیا آج کے دن کا پچاسواں گاہک تھا۔ آج اس کی سیلری اچھی بننی تھی۔ وہ خوش دلی سے گویا ہوا۔

"اوکے سر، یہ تو بہت سارے ہیں۔ آپ آئیں کاؤنٹر پر میں پیک کروا دیتا ہوں۔" نوح نے ایک اور نظر اس پر ڈالی پھر وہ اسے پیک کروا کر لے آیا۔ اس کے لبوں کی مسکان دیدنی تھی۔ اس کی آسودگی قابل ستائش تھی۔ اس نے گاڑی گیٹ سے اندر بڑھائی۔ گفٹ کو کار میں ہی چھپا کر رکھ دیا اور خود خراماں خراماں چلتا داخلی دروازے کے قریب آ کر رکا۔ اس کے بیل پر ہاتھ رکھنے سے پہلے ہی دروازہ وا کر دیا گیا تھا۔ کھولنے والا مائیر تھا۔ شاید وہ اس کے کار کی آواز سن چکا تھا اس لیے پہلے ہی دروازہ کھول دیا۔

"اسلام علیکم۔" مائیر پر نظر پڑتے ہی اس نے سنجیدگی سے سلام کیا تھا۔ اس عقاب سے اسے فی الحال اپنی خوشی چھپانی تھی ورنہ وہ اپنی شاطر نظروں سے سب بھانپ لے گا اور اس کی ڈولتی کشتی مزید ڈوب جائے گی۔

"وعلیکم اسلام۔" ابرو کھجاتے لڑکے کو سر تا پا دیکھ کر اس نے واپس سلامتی بھیجی تھی بھیجنے کے بعد اس نے خود کو سائیڈ پر کیا۔ نوح اس سے بچتا اندر جا رہا تھا مگر یہ اس کی خام خیالی تھی کہ وہ اس سے یا کسی سے بھی آج بچ جائے گا۔ لاؤنج میں پہنچتے ہی سیر ا اور چاچو اسے خود کے منتظر نظر آئے تھے۔ وہ سنجیدہ مسکراہٹ ان پر اچھال کر بل دار ماتھے کے ساتھ ان کے درمیان آکر بیٹھا تھا۔ وہ ایک اچھا ایکٹر تھا بچپن سے ہی اپنے زخموں پر سنجیدگی کی پٹی رکھتا آیا تھا تو اب کیوں نہیں ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اپنے اندر پنپتے جذبوں کی ہوا کسی کو لگنے نہیں دے گا تب تک جب تک ان کی پختگی و تکمیلیت کا ادراک اسے نہیں ہو جاتا۔

"آپ پورا دن کہاں تھے بھائی، آپ جانتے ہیں مجھے آپ کے ساتھ شام کی چائے پینی ہوتی ہے۔" تفتیش کا آغاز جذباتی جملوں سے شروع ہوا۔ وہ جانتا تھا اب ایک ایک کر کے ہر کوئی اس سے کریدے گا۔ اس نے خود کو پکا کیا۔ آنکھوں میں تھکن و خاموشی بھر کر سیر اکو دیکھا پھر مدھم مگر پر اثر آواز میں گویا ہوا۔

"کام سے گیا تھا۔" مختصر جواب، مختصر مگر دوٹوک۔

"مثلاً؟" اب کی بار وار غفران کی جانب سے ہوا تھا۔ اس نے سابقہ نگاہوں سے انہیں بھی دیکھا۔

"یعنی کبھی ایسا ہوا نہیں کہ تم پورے دن کیلئے غائب ہو اور کال کر کے انفارم نہ کرو یا پھر ہمارا کسی کا

بھی فون پک نہ کرو۔ یہ کافی اچنبھے والی بات ہے۔"نوح نے ان کے بات کی تردید کی، پرزور انداز میں کی۔

"نہیں ہے، بالکل بھی حیرانی والی بات نہیں ہے، مطلب۔"اس نے اپنی پیشانی مسلی۔ انداز ایسا تھا گویا وہ پوری طرح سے تھک چکا ہو۔"مطلب اس سب کا تعلق میرے سبجیکٹ سے ہے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میں۔۔۔ پڑھائی میں سنجیدہ نہیں ہوں تو اس لیے آج کا دن اپنے سبجیکٹ کو دیا تھا۔"وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ آواز ویسی ہی مدھم تھی جیسے اس کی ہمیشہ ہوتی تھی۔ سیر ااور غفران جانتے تھے نوح کبھی غلط بیانی نہیں کرتا اس لیے فوراً ایمان لے آئے ایمان تو مائیر بھی لے آتا اگر وہ اس وقت جاسوس نہ بنا ہوتا۔ اس کے لہجے و جملے کی نکتہ چینی اچھے سے عیاں تھی۔

"کون سا سبجیکٹ۔۔۔ ہی یاشی؟"سیر ااور غفران نے جھٹ گردن اس لڑکے کی جانب موڑی جبکہ نوح نے دانت کچکچاتے ہوئے جھکی گردن اٹھائی پھر اس کا رخ اپنے دائیں جانب بیٹھے موٹے سانڈ کی جانب کر دیا۔

"جو تمہارا دماغ سمجھے، ایکسکیوزمی۔"اس کے وار کا جواب نہایت کراہت آمیز انداز میں دینے کے بعد وہ اس جگہ کو چھوڑ اپنے کمرے میں آیا۔ دروازہ بند کرتے ہی اس نے آنکھیں بند کر کے منہ بناتے ہوئے سکون کا سانس خارج کیا تھا۔

"آہ مائیر آہ، تمہاری جاسوس فطرت کبھی نہیں ختم ہو گی۔" جیکٹ اتار کر اس نے صوفے پر پھینکی اور پھر خود کو کمر کے بل بیڈ پر گرا لیا۔ اس کے پاؤں نیچے لٹکے ہوئے تھے لیکن آنکھوں کی جوت عجب ہی داستان سنا رہی تھی۔ سفید بالکل سادی چھت پر نگاہ ڈالے وہ مسرور سا دکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں کی مسکان انہونی تھی۔ اسے یقین نہیں تھا کبھی اس کی زندگی میں بھی یہ دن آئے گا۔ کبھی وہ بھی کسی کو یوں چھپ چھپ کر چاہے گا۔ جب مائیر کو معلوم ہو گا، سیر اجانے گی اور غفران کو وہ بتائے گا تو سب کا کیسا ری ایکشن ہو گا۔ اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

"یہ دن بھی آنا تھا میری زندگی میں۔" وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی سوچوں کا محور جو لڑکی تھی وہ اس وقت کار کور گڑنے میں مصروف تھی۔ اسے سوپ شاپ پہنچنے سے پہلے جتنی زیادہ ہو سکے کاریں صاف کرنا تھیں۔ یہ ایک ورک شاپ تھی جہاں ڈینج کاریں آیا کرتی تھیں۔ وہ ان کاروں کو صاف کرنے کیلئے تعنیات کی گئی تھی۔ زیادہ تر وہ ان کے ٹائر صاف کیا کرتی تھی۔ یہ کام وہ بہت شروع سے کر رہی تھی۔ اسی وجہ سے تو اس میں سے ڈیزل کی سمیل آتی تھی۔ وہ آج کچھ زیادہ تھک گئی تھی۔ اس کے فون پر بیل ہونے لگی۔ نمبر دیکھا۔ وہ اویس بھائی کا تھا۔ ضرور اب ان کی بیوی کی کوئی ڈیمانڈ آئی ہو گی۔ اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ وہ جتنا ہو سکے کام نبٹانے کے جتن میں تھی۔ بالٹی میں اس نے جونہی اسفنج ڈبو کر نکالا اس کے دل میں شدید درد کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے جلدی سے اسفنج چھوڑ کر گیلے ہاتھوں سے دل کے مقام کو رگڑا تھا۔ دونوں گھٹنوں کو کھڑا

کر کے وہ اس میں سر چھپا گئی تھی۔ اس کے آگے پیچھے کاریں تھوڑے فاصلے سے کھڑی تھیں۔ وہ سامنے والی کار کو صاف کرنے کے بعد دوسری کار کے ٹائروں کو صاف کرنے والی تھی مگر درد اتنا زیادہ تھا کہ معلوم ہو رہا تھا وہ ایسا نہیں کر پائے گی۔ وہ کچھ اور پونڈ نہیں کما پائے گی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہاں کام کرتے ایک مکینک نے اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ کچھ دیر بریک لینے سے درد کی شدت میں کمی واقع ہوئی تھی۔ سوال کرنے والا اس کی نظروں کے عین سامنے تھا۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرے مسلز کمزور ہیں۔ سردی کی شدت اور کام کی زیادتی کی وجہ سے یہ اکثر پریشان کر جاتے ہیں لیکن میں ٹھیک ہوں۔" اس شخص کو جب تسلی ہوئی تو وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فلک کی آنکھوں میں نادیدہ سی نمی ابھری تھی جسے اس نے گہری سانس بھر کر پیچھے دھکیل دیا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ بے حد تکلیف۔ اتنی تکلیف کہ دل کر رہا تھا وہ آرام کرے یا پھر کوئی ہو اس کے پاس جو اسے خود میں سما کر اسے تسلی دے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کے درد پر اس کیلئے پریشان ہو۔ لیکن کوئی نہیں تھا۔ اپنے لیے وہ خود ہی تھی۔ اس نے خود کو ہی خود میں سمو لیا۔ بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔

"میں مضبوط ہوں، مجھے یہ چھوٹے موٹے درد روک نہیں سکتے چلو فلک شاباش شروع ہو جاؤ۔" اپنا شانہ تھپکتے ہوئے وہ دوبارہ اسفنج اٹھا رہی تھی۔ درد کی شدت نے اسے جیک کی یاد دلا دی تھی۔ وہ اسے ہالووین کی شام ہسپتال میں چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کے بعد اس نے اس کے ساتھ دو ملاقاتیں کی تھیں۔ وہ ٹھیک ہو رہا تھا۔ وہ ہیل ہو رہا تھا۔ لیکن اس کا نقطہ نظر ابھی بھی جوں کا توں تھا۔ وہ ابھی بھی کسی بھی صورت کیسے بھی پیسے کمانا چاہتا تھا۔ اس نے اسے کتنا سمجھایا تھا لیکن اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ جب انسان خود ہی دانائی کو بے وقوفی گردان دے تو کوئی دوسرا کیا کر سکتا ہے بھلا۔

آنکھوں میں آنسو لیے وہ درد کے باوجود کام کیے جا رہی تھی۔ اس دوران اس کا فون پھر بجا تھا۔ اس نے ایک بار پھر فون پر نظر ڈالی۔ نام پر نظر پڑتے ہی جانے کیوں اس کی آنکھیں مزید بھر گئیں۔ اس نے جلدی سے اپنی پرانی ہینڈ فری نکال کر کانوں میں اڑسائی اور پھر کال اٹھالی۔

"میں نے سوچا فون کر کے تمہاری خیریت معلوم کر لوں۔ خوشی میں سب ٹھیک رہا نا؟" وہ اس استفسار پر گلا کھنکار کر بولی۔

"ہاں سب ٹھیک تھا۔" لہجے کی پژمردگی چھپائے نہیں چھپی۔

"تمہاری آواز کو کیا ہوا۔ ٹھیک ہو تم؟"اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گر پڑے۔ اس نے اسفنج کو پھر سے بھگویا۔

"تھک گئی ہوں۔ تھکن سے ایسی ہو رہی ہے۔ ابھی بھی کام کر رہی ہوں۔"ڈیزل کی بو اس میں بری طرح رچ رہی تھی۔ فلک نے آستین کی پچھلی سائیڈ سے اپنی آنکھوں کو پونچھا۔

"تمہیں میں نے کہا تھا لون لے لو مجھ سے مگر جانے کیوں تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ حالانکہ سب تحریری ہو گا۔"وہ برا مناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ڈیزل کی بو تلے درد سے نڈھال ہوتے ہوئے ایک لمحے کو اس کا دل چاہا اس کی بات مان لے لیکن پھر اس نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کام کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس سے میں تندرست رہتی ہوں۔"نوح کے گہرے سانس کی آواز اس کو بخوبی سنائی دی۔

"تم اگر ابھی اپنی آواز سن لو تو تندرست لفظ اپنے لیے استعمال نہ کرو بہر حال اپنا خیال رکھنا۔ کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر لینا۔"وہ کال کاٹ چکا تھا۔ فلک کا حلق جکڑ گیا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"میں مضبوط ہوں۔ میں مضبوط رہوں گی۔"وہ پھر سے خود کو تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں نوح بس گیا تھا۔ فلک اسے سوچتے ہوئے ٹائر رگڑے جا رہی تھی۔ اس کی زندگی بس یہی تھی۔ کام کام اور بس کام۔۔

"خالہ مجھے فلک کا برچن، میں اس سے محبت کرتا ہوں اسے میرا ہی ہونا چاہیے۔"

کراچی کی خنک بھری فضاؤں میں مالٹے کے درخت کے نیچے بچھا پلنگ آج خالی تھا کیونکہ آج پنچایت ان کے گھر کی بیٹھک میں لگی تھی۔ تنویر ڈھٹائی کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اسے جونہی مینہ کے جہیز کا علم ہوا وہ سرپٹ دوڑا چلا آیا۔ اماں نے تو کہا تھا مینہ کیلئے بات کر لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ان چیزوں کو نہیں بلکہ چیزیں بنانے والی کو اہمیت دے گا۔ سونے کی چڑیا کون ہاتھ سے جانے دیتا ہے بھلا۔

"یہ غنڈہ گردی نہیں چلے گی تنویر، آج میں صبر سے سن رہا ہوں کل کو ایسی کوئی بکواس کی تو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔" امین منہ سے کف نکالتے ہوئے گویا ہوا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ تنویر کا گلا گھونٹ دے۔

"کیوں بھئی ایسی کون سی نازیبا بات کہہ دی میں نے، تمہاری منہ بولی بہن کا ہاتھ ہی مانگا ہے کون سا کوہ نور مانگ لیا جو یوں پتنگے لگ رہے ہیں۔" امین سیر تھا تو وہ سوا سیر، فرخندہ کا ضبط کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ارادہ تو ان کا فلک کو تنویر سے ہی نتھی کرنے کا تھا لیکن آج اس کی بے باکی اور لہجے کی لالچ بتا رہی تھی کہ وہ ان کا مستقبل تاریک کرنے کے درپے ہے۔ اگر بھولے سے فلک اس کی ہو گئی تو

اس نے پھوٹی کوڑی انہیں نہیں دینے دینی، اس سے بہتر نہیں وہ اس کی شادی ہی نہ کریں۔ ہاتھ کی کٹھ پتلی تو یوں بھی وہ ان کی ہے۔ جو کہیں گے مانے گی تو پھر کیوں پیسے بنانے والی مشین کا سوئچ بند کریں۔ پاگل ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کرنے کے بعد اس پر ٹھپا لگا دیا۔

"اماں، اسے کہو یہاں سے چلا جائے ورنہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہو جائے گا۔" امین کے دماغ کی شریان بری طرح پھڑ پھڑا رہی تھی بھلے وہ فلک کی کمائی کھا رہا تھا لیکن گردانتا اسے بہن کی طرح ہی تھا۔ ایک جواری و شرابی کے منہ سے فلک کا ذکر سننا اس کی غیرت کو جگا گیا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا وہ سچ مچ میں کچھ کر گزریں۔

"او چل اوئے چل ایسی گیدڑ بھبکیاں گئیں تیل لینے۔" اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے بد تمیزی سے کہا تھا۔ اویس نے مصلحتاً اسے سمجھانے کی سعی کی۔

"دیکھو تنویر اول تو ہم ابھی فلک کی شادی کر نہیں رہے اور جب کریں گے تو یہ بات طے ہے اگر تم ایسے رہے تو تم سے نہیں کریں گے۔ اگر تمہاری چاہ ہے کہ فلک تمہاری دلہن بنے تو اپنی حرکتیں بند کرو اور کچھ کام دھندے میں مصروف ہو، پھر ہم کچھ سوچ بھی سکتے ہیں۔" تنویر نے گردن اٹھا کر اس اجڈ کو دیکھا جس نے پتے کی بات کر کے اس کے شاطر دماغ میں ایک جال سا بن دیا تھا۔ لڑائی جھگڑے تو تڑاک کو چھوڑ کر وہ گلا کھنکھارتے ہوئے بولا۔

"ایسا ہے کہ اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ میں گھر جا کر اماں سے اس بارے میں بات کروں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میری کوئی بری حرکت آپ لوگوں کے سامنے نہیں آئے گی لیکن پھر میری بھی ایک شرط ہے ہاں۔" تمیز دار لہجہ، آواز کا دھیما پن اور التجائیہ انداز۔ اچھی صورت کا حالات و بری صحبت کا مارا وہ شخص۔

"کیسی شرط؟" تنک کر پوچھا گیا۔ پوچھنے والی فرخندہ تھیں۔

"فلک کو جلد از جلد میرے نام کرنا ہو گا۔ قسم خدا کی ایسا بدلوں گا کہ زمانہ مثالیں دے گا۔" فرخندہ نے اپنے منہ کے آگے سے ہاتھ کو جھلایا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر گزریں۔

"جب بدلو گے ناتب آنا یہ سوال لے کر میں بھی قسم کھاتی ہوں بنا چوں چرا کیے اسے تم سے نتھی کر دوں گی۔" تنویر خوشی سے اچھل کر کھڑا ہوا مانو صوفے میں اسپرنگ لگ آئے ہوں۔

"ہیں خالہ، او بلے بلے بس پھر طے ہو گیا آج سے یہ تنویر وقاص آپ کو بدل کر دکھائے گا۔ ہاہاہا۔" وہ ہنستے ہوئے وہاں سے گیا تھا۔ اس کے جانے کے کافی دیر تک بیٹھک میں سناٹا چھایا رہا۔ سانسوں کے منتشر ہونے اور پلکوں کے جھپکنے کے علاوہ وہاں اور کوئی آواز نہ تھی۔ پھر اس خاموشی میں خلل پردے کے اس پار کھڑی مینہ نے ڈالا تھا۔

"ایک اور فلک کی کمائی پر نظر رکھنے والا ہو گیا، کیا قسمت لکھوا کر آئی ہے وہ بیچاری۔" مینہ نے پردہ چھوڑا اور کھڑکی بند کر دی جس کے اس پار کھڑی وہ ساری بحث سن رہی تھی۔ اس کے تلخ جملے نے سب کے سکتے کو توڑ دیا تھا۔ شروعات فرخندہ سے ہوئی تھی۔

"پہلے وہ کیا کم سر کھا کر گیا ہے جو اب یہ بھی شروع ہو گئی، کمائی کمائی، بڑا کما کر دیتی ہے وہ ہمیں، کیا ہی کیا ہے اس نے۔" بڑبڑاتے ہوئے فرخندہ اس کمرے سے باہر گئی تھیں کہ انہیں یہاں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔ کتنی آسانی سے انہوں نے کہہ دیا تھا نا کہ کرتی ہی کیا ہے وہ، حالانکہ وہ اپنی جوانی گھول رہی تھی ان کے پیچھے، اپنی خوشیاں، آرام، خواہشیں سب چھوڑ بیٹھی تھی۔ ان کے گھر کی مین کفیل تھی پھر بھی کہہ دیا "کیا ہی کیا ہے اس نے۔"

کتنی آسانی سے لوگ کہہ دیتے ہیں کیا ہی کیا ہے؟ پوری زندگی کی ریاضت و تھکاوٹ کا ایک جواب ہوتا ہے کہ کیا ہی کیا ہے؟ سامنے والا جس نے اپنی پوری زندگی لگا دی ہوتی ہے۔ اپنے بدن کو تھکن سے چور چور کر دیا ہوتا ہے جب یہ الفاظ سنتا ہو گا تو اسے کتنی تکلیف پہنچتی ہو گی۔ کتنا بے کار سا محسوس کرتا ہو گا وہ، ہم بشر تو ناشکرا پن کر کے ایک سائیڈ پر ہو جاتے ہیں۔ دل آزاری کر کے مڑ جاتے ہیں لیکن وہ انسان جس نے سہا ہے جھیلا ہے اس کا دل کتنا پارچہ پارچہ ہوتا ہو گا نا جیسے کند چھری سے اسے کاٹ دیا ہو۔ جیسے کوئی بہت اپنا چھوڑ گیا ہو۔ اس کا اندازہ بولنے سے پہلے ہونا چاہیے تاکہ دل نہ دکھے، روح نہ زخمی ہو۔ مگر کوئی سوچے تب نا، مگر کوئی جانے تب نا۔

اس نے مڑ کر دیکھا سورج نکلے دن میں وہ سورج سا انسان اس سے کچھ دور کھڑا تھا۔ نیلی جینز، سفید جرسی گلے میں مفلر اور چہرے پر مسکان۔ فلک اسے مبہوت ہو کر دیکھے گئی۔ وہ مبہوت ہو کر دیکھے جانے کے قابل تھا۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی ڈیلیوری گرل کب سے بن گئی؟" اس کے شانے پر بیگ تھا اور ہاتھ میں کچھ فولڈر، فلک نے باکس پر نظر ڈالی پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"ارے نہیں یہ تو میں جس جگہ کام کر رہی ہوں ان کی بیٹی کیلئے ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔" سرخ باکس سیاہ دھاری سے لپٹا تھا۔ نوح نے ایک نظر آسمان پر اور دوسری اس کے حلیے پر ڈالی۔ سیاہ و سبز لائنز والی پرانی سی جرسی اور اس کے ساتھ کرش والی اسکرٹ جس کا ایک کونہ نیچے سے پھٹا ہوا تھا۔ فلک نے احتیاط سے اسے سیا تھا لیکن پھر بھی اس کی خستگی سامنے ہی تھی۔ پیلی اسکرٹ کہیں سے بھی جرسی سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ اس کا مفلر بھی بے حد پرانا سا تھا۔ بال کافی میلے میلے سے لگ رہے تھے جیسے انہیں کافی وقت سے دھویا نہ ہو۔ فلک نے لٹ کان کے پیچھے اڑسائی۔ نوح نے ناک کے قریب شہادت کی انگلی سے کھجایا تھا۔

"مانا آج دھوپ نکلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بغیر کسی گرم چیز کے باہر پھرو، اس باکس کو دینے کے بعد تم نے واپس ڈیوٹی پر جانا ہے؟" فلک نے دونوں ہونٹوں کو دانتوں میں پھنسا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

"نہیں اس کے بعد میں ایک گھنٹہ فری ہوں۔ اس کے بعد ہی اسٹور جاؤں گی۔" فلک کے ماتھے کے کنارے گریس لگ رہی تھی۔ اس کے کپڑے بھی اچھے خاصے میلے تھے۔ اس میں سے ڈیزل کی بو آ رہی تھی یعنی ورک شاپ سے سیدھا یہاں آئی تھی۔ اس نے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"اوکے دکھاؤ مجھے ہمم، اکنامکس ڈیپارٹمنٹ، وہ دوسرے بلاک میں ہے چلو ساتھ چلتے ہیں۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے چل دی تھی۔ راستے میں کئی لڑکیوں معہ لڑکوں نے نوح سے مل کر اس کا حال احوال پوچھا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ فلک سے بھی سب کو متعارف کروا رہا تھا۔ کچھ ناپسندیدہ نگاہیں اس کی جانب اٹھی تھیں لیکن دوسری طرف پرواہ کسے تھی۔ وہ شان بے نیازی سے ان کی چڑھی ناک بھوں کو دیکھ لیتی تھی اور پھر دوبارہ سے نوح کے ساتھ چلنے لگتی تھی۔ وہ جب باکس دے چکی تب دونوں ساتھ ہی پارکنگ کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ دھوپ تھی لیکن تیز ہوا کے جھونکے وقفے وقفے سے چل پڑتے تھے۔ اس کے ساتھ چلتا انسان ایک لمحے کیلئے رکا، رکنے کے بعد اس نے رخ اس کی جانب موڑا تھا۔ فلک نے گہری سانس لی اس کی ناک سرخ تھی۔ نوح مسکرا دیا۔ مسکرانے کے بعد اس نے مفلر اتار کر اس لڑکی کے سر پر اوڑھایا تھا۔ اس کا مفلر اچھا خاصا چوڑا تھا کھولنے کے

بعد تو اس کے حجم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ فلک نے اسے مفلر اپنے سر پر ڈالتے دیکھا تو وہ چونک گئی۔ چونک تو وہاں سے آتے جاتے کچھ اسٹوڈنٹس بھی گئے تھے۔ فلک کا دل اچانک سکڑ کر پھیلا تھا۔ اس نے دل کو ڈپٹ دیا۔

"تم ایک گھنٹہ فارغ ہو نا؟" مفلر کو سیٹ کرنے کے بعد وہ پھر سے چلنا شروع ہوا تھا۔ گاڑی کو دور سے ہی ان لاک کرنے کے بعد اس نے فلک کیلئے فرنٹ ڈور کھولا۔

"بالکل، کوئی کام ہے کیا؟" وہ بیٹھ چکی تو نوح نے جھٹکے سے دروازہ بند کیا تھا۔ گھوم کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اسے دیکھ کر گویا ہوا۔

"ہاں ہے تو۔" سادی سی آواز، سادہ سا انداز۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" گاڑی سڑک پر ڈل چکی تھی اب توازن سے آگے بڑھے جا رہی تھی۔

"گھر۔" یک لفظی جواب پر فلک نے گہرا سانس بھرا تھا۔ اس نے صبح سب کام بخوبی انجام دیے تھے۔ شاید کچھ مزید ہو اس سے کروانے کو، اس نے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کیا۔ سفر خاموشی میں طے ہوا تھا۔ گھر پہنچ کر برق رفتاری میں اندر جانے والا نوح تھا۔ وہ آتے ساتھ ہی اپنے کمرے میں گیا تھا جب واپس آیا تو دیکھا وہ لاؤنج میں کھڑی ایک طائرانہ نگاہ چاروں اور دوڑا رہی ہے۔ اس کے وہاں آتے ہی فلک نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"کچن کا کوئی کام ہے یا لاؤنج کا، یا مہمان آرہے ہیں۔ کھانا تیار کرنا ہے؟"نوح کے ہاتھ میں دو تین مردانہ جوڑے تھے۔ان جوڑوں پر نظر پڑتے ہی وہ معاملہ سمجھ گئی۔

"انہیں دھونا ہے یا ڈرائے کلین کروانا ہے؟"نوح نے صوفے پر ان کپڑوں کو رکھا۔پھر ان میں سے ایک دو جرسی شرٹس اٹھا کر اس کے پاس آیا۔کافی فاصلے سے رک کر ہاتھ اونچا کر کے اس نے گلابی رنگ کی جرسی شرٹ شانوں سے پکڑ کر اونچی کی، ایک آنکھ بند کر کے وہ اس کو ناپ رہا تھا۔

"پرفیکٹ۔"اس نے اس جرسی شرٹ کو اٹھا کر رکھا اور باقی دو کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ایسا کرنے کے بعد اس نے شارٹ اٹھائے جو اس کو پنڈلیوں سے بالشت بھر اوپر کو آتے تھے۔وہ گرم تھے اور ان پر الاسٹک لگی ہوئی تھی۔وہ جانتا تھا فلک کی ہائیٹ کے حساب سے یہ اسے فٹ آجائیں گے۔اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔بس ویسٹ کا تھوڑا مسئلہ تھا لیکن کوئی بات نہیں وہ ازار بند سے اسے ایڈجسٹ کر لے گی۔

"مجھے کچھ پیسے چاہیے اور اس کیلئے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔"فلک کا منہ یکدم پھولا۔اس نے آنکھیں میچ کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔

"پیسوں کی کمی اور آپ جیسے پیسے والوں کو ہو ہی نہ جائے۔"نوح نے گہرا سانس بھر کر چھوڑا پھر وہ صوفے کے ہتھے پر بیٹھا تھا۔

"محترمہ، پیسوں کی کمی پیسے والوں کو ہی ہوا کرتی ہے ویل یہ میرے غیر استعمال شدہ کپڑے ہیں۔ میں انہیں بیچنا چاہتا ہوں۔ کیا تم انہیں خریدو گی؟" اس نے جھٹ سے انکار کیا۔ گرم سالاؤنج آج اعصاب کو کافی تقویت پہنچا رہا تھا۔

"بالکل بھی نہیں میرے پاس بہت کپڑے ہوں یوں بھی میں فضول خرچ ہوں اور نہ ہی میرے پاس فالتو پیسے ہیں۔" وہ اس سے اسی طرح کے جواب کی توقع کر رہا تھا۔ صوفے کے ہتھے پر بیٹھے بیٹھے اس نے کہا۔

"تو پھر تم میری اسائنمنٹ بنادو، دراصل مجھے آج کچھ زیادہ ریسرچ ورک کرنی ہے اور پچھلے ہفتے کی رپورٹ میں نے پڑھائی کی زیادتی کی وجہ سے نہیں بنائی ہے۔ ظاہر ہے مجھے یہ کام کسی کو پیسے دے کر ہی کروانا تھا اور جو میرے پاس پیسے ہیں وہ اس پورے ویک کے حساب سے مختص ہیں۔ اس لیے تم کر دو یہ کام اور بدلے میں یہ کپڑے لے لو، ڈیل ڈن؟"

فلک کی نظروں میں وہ گرم برانڈڈ کپڑے تھے۔ یہ سودا برا نہیں تھا مگر۔

"یعنی میں یہ کام کرنا تو چاہتی ہوں لیکن۔۔۔ میں زیادہ پڑھی ہوئی نہیں ہوں تو۔" اس کے لہجے میں شرمندگی در آئی تھی۔ وہ گرم کپڑے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں لے لے۔ وہ انہیں لے لے گی کیونکہ یہی طے تھا۔

"اس میں زیادہ یا کم پڑھنے کی کیا بات، میں نے تمہیں نوٹس دینے ہیں اور تم نے انہیں کاپی کر لینا ہے دیٹس اٹ۔" وہ سمجھ رہی تھی۔ وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ الجھی ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ تھوڑی ہچکچا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تو کب کرنا کاپی؟" نوح نے چھوٹتے ہی کہا۔

"ابھی، مطلب آدھے گھنٹے سے بھی کم کا کام ہے لیکن اس سے پہلے تمہیں ایک فیور دینا ہو گا۔ اگر تم برا نہ مناؤ تو کیا شاور لینے کے بعد اسائنمنٹ بنا سکتی ہو۔ دراصل یہ ڈین کو جمع کروانے ہیں اور تم میں سے ڈیزل کی سمیل آ رہی ہے۔" نئی بات پر وہ نئے سرے سے الجھی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنی شرٹ کو شانے سے سونگھا، اس میں سے کافی زیادہ سمیل آ رہی تھی۔ وہ پھیکی ہوئی۔

"میں، باتھ لینا تو چاہتی ہوں لیکن میرے پاس وقت۔" نوح نے گھڑی میں وقت دیکھ کر خود کو صوفے کے ہتھے سے کھڑا کیا۔

"ضرورت نہیں ہے کہ تم جہاں رہتی ہو وہاں جا کر باتھ لو، سیر اکا کمرہ کھلا ہے۔ تم وہاں باتھ لے لو میں اتنے میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی تو تم اسائنمنٹ بنا کر میرے کمرے میں رکھ جانا۔ کمرے میں صوفے پر ہی نوٹس پڑے ہیں چاہو تو وہاں بنا لینا یا یہاں

جو تمہیں آسانی ہو اور ہاں یہ چابیاں ہیں۔ گھر جب لاک کرو تو چابیاں میٹ کے نیچے رکھتی جانا۔"
اس کی پوری بات سن کر فلک نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن میں کیسے سیر اکا باتھ استعمال کر سکتی ہوں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔" اس نے عذر کیا۔ اس کا عذر قابل قبول تھا۔

"سیر ا منع کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ تمہیں کبھی اجازت نہ دیتی۔ میرے خیال سے وہ سیر اہی تھی جس نے کہا تھا تم جب چاہو اس کا باتھ استعمال کر سکتی ہو۔" یہ سچ ہے۔ اس نے کئی بار سیر اکا باتھ روم استعمال کیا تھا۔ ایک بار پوری کافی کی کیتلی اس پر گر گئی تھی۔ صد شکر گرم کپڑوں نے اسے بچا لیا ورنہ وہ جل جاتی۔ تب جلدی سے سیر اہی اسے باتھ روم لے کر گئی تھی۔ اسے باتھ لینے کو کہا اور اپنے کپڑے بھی پیش کیے۔ بعد میں جب فلک نے اسے وہ کپڑے لوٹانا چاہے تو اس نے خوش دلی سے لینے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ "اب سے یہ تمہارے ہوئے۔" وہ جانتی تھی سیر اانکار نہیں کرتی ہے۔ وہ واقعی منع کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔

وہ اپنی بات کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فلک نے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔ وہ جب چلا گیا تب اس نے گہرا سانس بھر کر ان کپڑوں کو دیکھا تھا۔ کتنے سالوں بعد وہ اتنے اچھے اور گرم کپڑے پہنے گی۔ اس نے کیمل رنگ کی فر والی جرسی اٹھائی جو بالکل سادہ تھی ایسی جیسی بلی کی کھال ہو۔ اس

جرسی شرٹ کے بازو الاسٹک والے تھے۔ اور اس کے ساتھ سیاہ ہی الاسٹک والا گرم ٹراؤزر تھا۔ وہ انہیں لے کر باتھ میں گئی جب باہر نکلی تو کافی فریش فریش سی تھی۔ گو کہ کپڑے مردانہ تھے اور اس کے سائز سے کافی بڑے تھے۔ لیکن کوئی بات نہیں پہلے وہ کون سا اپنے سائز کے کپڑے پہنتی تھی۔ اب بھی وہ از حد کھلے کپڑوں میں کسی طرح فٹ آ ہی گئی تھی۔ بالوں کو اس نے نوح کے دیے گئے کپڑوں میں سے ایک میں باندھا ہوا تھا۔ اس نے نوح کے کمرے میں جا کر جلدی جلدی سب نوٹس کاپی کیے اس کے بعد غیر ارادی طور پر کچن میں آئی تھی آتے ہی ٹھٹھک گئی۔

"یہ میں کیا کر رہی ہوں، بری بات فلک۔" چائے کی کیتلی اٹھاتے ہوئے اس نے خود کو ڈپٹا تھا۔ وہ جلدی سے کچن کی حدود سے باہر آئی۔

"امیروں کے تو کپڑوں میں بھی خوشبو ہوتی ہے۔" نئے نئے کپڑوں کی خوشبو اس میں سے اٹھ رہی تھی۔ اس نے آستین کو شانے سے کھینچ کر ناک کے قریب کیا اور گہرا سانس بھر دیا۔

کپڑے سمیٹ کر پلاسٹک کے بیگ میں ڈالے پھر نوح کی ہدایت کے عین مطابق گھر بند کر کے چابیاں میٹ کے نیچے رکھ گئی تھی۔ گھر سے دور اچھل اچھل کر جاتے ہوئے اسے نہیں معلوم تھا کہ دو آنکھیں اسے نہار رہی ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی اسے سیر ہو کر دیکھ رہا ہے۔ اسے نظروں

کی تپش کا بھی احساس نہیں ہوا تھا ورنہ وہ ضرور مڑ کر دیکھتی۔ آہ، فلک سفیر ہمیشہ سے ہی لاتعلق و لاپرواہ رہی ہے۔

آہ فلک سفیر آہ۔

سورج ڈوب گیا تھا۔ نومبر کے آخری دن کا سورج اپنی آخری سانسیں لیتا ہوا سب کو الوداع کر گیا۔ کل سے دسمبر شروع ہو جائے گا اس کے ساتھ ہی کرسمس کی آہٹیں ہر سو سنائی دیں گی۔ نومبر، چاہتوں کا مہینہ بغیر کسی نتائج کے اختتام پذیر ہوا تھا۔ وہ مہینہ جس میں مہمت فلک کو پرپوز کرنے کی چاہ رکھتا تھا بے مراد ختم ہو گیا۔ مہمت پنار اس وقت ایک بڑے سے ہال میں موجود تھا۔ اس کی سفید گرم شرٹ اور آسمانی رنگ کا ٹراؤزر رنگوں کے چھینٹوں سے لبریز تھا۔ وقفے وقفے سے وہ اپنا برش یا تو کپڑوں پر مل کر صاف کر رہا تھا یا پھر اسے جھٹک رہا تھا جس کے سبب اس کی اور اس کے کپڑوں کی حالت بری تھی۔ ساکت آنکھوں کے ساتھ وہ ہاتھ میں ایزل تھامے پلک جھپکے بنا ہی مصروف و مگن تھا۔ اس کا موڈ آف تھا۔ اس کا موڈ گزشتہ چند روز سے آف تھا۔ وجہ فلک تھی اور اس کی نوح کیلئے حمایت، مرد اس عورت کے الفاظ کبھی نہیں بھولتا جس کو وہ چاہتا ہے۔ مرد اس عورت کے تاثرات تاحیات یاد رکھتا ہے جو اس کے دل میں بستی ہے۔ اور وہ تاثرات جو دل کو کھٹک جائیں روح میں

اٹک جائیں بھلائے نہیں بھولتے۔ فلک کے تاثرات بھی اس سے بھلائے نہیں بھول رہے تھے۔ وہ ان کو فراموش نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے پینٹنگ میں آخری ٹچ دیا۔ کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ تھری۔۔۔ٹو۔۔۔۔ون سب نے اپنے برش گرا دیے۔ مہمت پنار برش گرانے والوں میں سے سب سے آخری تھا۔ ہاتھ نیچے کر کے وہ دو قدم اپنی پینٹنگ سے دور ہٹا تھا جیسے باقی کینڈی ڈیٹس ہٹے تھے۔ اس نے ایزل کو چھوٹے سے اسٹول پر پھینکنے والے انداز میں رکھا اور سینے پر بازو باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ چاہتوں کے مہینے کو ختم ہونے کیلئے بارہ کا ہندسہ درکار تھا۔ وہ اس مہینے کو نامراد نہیں ٹھہرائے گا۔ وہ اس مہینے کچھ نہ کچھ حاصل حصول کر لے گا۔ رپورٹرز نے لائن قطار موجود بیس کینڈیڈیٹس کو کیمروں میں قید کرنا شروع کیا تھا۔ ان کا آرٹ مقامی چینلز پر نشر کیا جا رہا تھا۔ مائیر نوڈلز کھاتے ہوئے سیرا کے ساتھ اس بور سے شو کو دیکھنے پر مجبور تھا۔ سیرا کی دوست نے اس مقابلے میں حصہ لیا تھا اس لیے وہ پر شوق انداز میں ٹی وی کے سامنے جمی بیٹھی تھی۔ دیکھنا تو وہ لائیو چاہتی تھی لیکن ٹکٹس ختم ہو چکی تھیں اور جو اس کی دوست نے اسے دی تھی وہ اس سے گم ہو گئی تھی۔ اس نے پورے بیگ سمیت گھر چھان مارا وہ ٹکٹ اسے کہیں نہیں ملی تھی۔ اس لیے بلا آخر اسے ٹی وی کے سامنے ہی بیٹھنا پڑا، اگر ٹکٹ عین وقت پر گم نہ ہوتی اگر وہ عین وقت پر ریزرویشن ٹیم سے دوسری ٹکٹ کا مطالبہ نہ کرتی اور وہ معذرت نہ کرتے تو اس وقت وہ وہاں بیٹھ کر اپنی

دوست کو سپورٹ کر رہی ہوتی۔بنی سنوری سی سیرا بہت دل سے اپنی دوست کے جیت جانے کی دعا کر رہی تھی۔

"پورا یقین ہے تھرڈ نر اپ بھی نہیں بنے گی۔"مائیر نے نوڈلز چباتے ہوئے اپنی گوہر افشانی ظاہر کی تھی۔نوح ہاتھ میں سرخ رنگ کے دو مگ تھامتا وہاں آیا۔ایک اس نے اخبار میں غرق غفران کو تھمایا تھا دوسرا وہ خود تھامے ان کے برابر بیٹھ گیا۔غفران نے اس کے ہاتھ سے مگ پکڑتے ہی اخبار کو تہہ کر کے سائیڈ پر رکھا تھا۔ایک وہی انسان تھا جس کے ساتھ وہ تسلی سے بیٹھ کر چائے پیا کرتے تھے۔کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو اسے سائیڈ پر رکھ وہ دونوں باتوں کے دوران اس کو انجوائے کرتے تھے۔نوح نے ٹی وی پر نظر ڈالی جہاں لائن قطار پینٹرز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ان کے شاہکار ان کے عقب میں تھے۔سب باری باری اپنی پینٹنگ کے سامنے سے ہٹتے اور اس کی وضاحت دیتے۔غفران نے ستائش سے ابرو اچکائی۔

"اس بچی نے تو بڑی ذبردست منظر کشی کی ہے۔"وہ سیرا کی دوست سے انجان تھے اور انجانے پن ہی میں اس کو داد دے بیٹھے تھے۔اگر جان کر دیتے تو بائسٹ لگتے لیکن ابھی وہ یکسر انجان تھے۔تبصرہ دینے کے بعد انہوں نے اپنے ٹی وی لاؤنج پر نگاہ دوڑائی۔پردوں کے ساتھ والی دیوار پر خزاں آلود شام کا منظر پیش کرتی یہ پینٹنگ بہت بھلی لگے گی۔انہوں نے سوچ لیا تھا یا وہ یہ پینٹنگ

خرید لیں گے یا اسی طرح کی اس لڑکی سے بنوا کر اپنے گھر میں لگوائیں گے۔ یہ تو طے تھا کہ دونوں میں سے ایک کام وہ ضرور کریں گے۔

"باقی لوگوں نے بھی بری نہیں بنا۔" نوح کا جملہ منہ میں ہی رہ گیا وجہ اس لڑکے کا کیمرے کے سامنے آنا تھا جس سے وہ کچھ کچھ روشناس تھا۔ وہ پینٹنگ بھی کرتا ہے۔ اس نے اچنبھے سے شانے اچکائے پھر مگ کو ہونٹوں سے لگا کر تھوڑا سا اچکایا۔ سنہری پانی اس کے ہونٹوں تک جانے کیلئے رفتار پکڑ چکا تھا۔ وہ لڑکا سائیڈ پر ہوا نوح نے جونہی چائے کا گھونٹ بھر کر حلق سے اتارنا چاہا تو نہی اسے ذبردست قسم کا اچھو لگا تھا۔ اتنا شدید کہ غفران کو اس کے ہاتھ سے مگ پکڑ کر سائیڈ پر رکھنا پڑا، مائیر جھٹکے سے اٹھ کر اس کے پاس آیا تھا۔ سیر ابرق رفتاری سے اس کی پشت سہلانے لگی۔

"میں پانی لے کر آتی ہوں۔" چاچو تاہنوز اس کی پشت مسل رہے تھے۔ اس کی جس کی آنکھوں میں اچھو لگنے کی وجہ سے آنسو جمع ہو چکے تھے۔ وہ انہیں نم آنکھوں کے ساتھ بڑی ساری اسکرین پر نظر آتی پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پینٹنگ کوئی عام پینٹنگ نہیں تھی۔ اس میں اس کی فلک کا سائیڈ پوز تھا۔ وہ ایک لڑکے کے شانے سے سر لگائے ہوئے تھی۔ اس لڑکے نے اپنا منہ اس کے شانے کے اوپر بکھرے بالوں میں چھپایا ہوا تھا۔ لیکن اس کی بند آنکھیں دیکھی جاسکتی تھیں۔ لڑکے کے دونوں ہاتھ فلک کی پشت پر بندھے تھے۔ فلک کا ایک ہاتھ بھی اس لڑکے کے بازو پر جما تھا۔ اس کے لبوں پر آسودہ مسکان تھی اور آنکھوں میں تارے چمک رہے تھے۔ عقب میں پورا چاند تھا

لیکن اس میں گرہن لگا ہوا تھا۔ آسمان سے تارے ٹوٹ کر گرے رہے تھے۔ ہوا میں بھی تھوڑ شدت تھی تبھی اس کے بال اس لڑکے کے شانے پر اڑ کر بکھرے ہوئے تھے۔

"ابدیت۔" یہ اس پینٹنگ کا کیپشن تھا۔

"یہ تصویر میں نے خالص دل سے بنائی ہے۔ اس میں موجود دو لوگوں میں سے ایک میں ہوں اور ایک میری زندگی۔" ہال میں تالیاں اور نعرے گونج اٹھے تھے۔ دبی دبی مسکان سب کے لبوں پر تھی۔ نوح کی آنکھوں میں موجود پانی کی تہہ کچھ زیادہ ہوئی۔ اس کا شک درست تھا۔ مہمت سے پھوٹتی وائبز بالکل درست تھیں۔ وہ پوری دنیا کے سامنے اعتراف کر رہا تھا۔ وہ کھل کر اس پر بات کر رہا تھا۔ غفران ابھی بھی اس کی پشت مسل رہے تھے۔ نوح کے کان دہکنے لگے۔

"محبت عیاں ہو تو بہتر ہے ورنہ کوئی اور اچک کر لے جاتا ہے۔ محبت کے اظہار کا اس سے بہترین طریقہ مجھے کوئی اور سمجھ نہیں آیا۔"

اچھورک گیا تھا۔ وہ بس وقفے وقفے سے کھانسے جا رہا تھا۔ مائیر نے بھاپ اڑاتا گرم تولیہ اس کے گردن کی پشت پر رکھا۔ وہ سب متفکر سے اس کی جانب متوجہ تھے اور وہ، وہ تو بس اس تصویر کو ہی تکے جا رہا تھا۔ محرومی شروع دن سے اس کا مقدر رہی تھی۔ بچپن میں وہ والدین کے پیار سے محروم ہوا۔ بڑا ہوا تو بہن بھائی نہیں تھے۔ دوست کبھی کوئی بنا ہی نہیں اور جسے پسند کیا وہ ذات کو اس بری

طرح اچھال کر چلی گئی ہے کہ پھر دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اسے لگا پوری زندگی وہ یونہی نظر انداز ہوتا رہے گا۔ اور اگر کبھی نظروں میں آ بھی گیا تو سوالیہ نشان ہی رہے گا۔ اسے خوف آنے لگا تھا اپنے مستقبل سے، اپنے وجود سے، اردگرد سے لیکن پھر ایک دن وہ آئی اور آ کر اس کے تمام خوف کو مٹا گئی۔ وہ جینے لگا۔ مسکرانے لگا۔ وہ دل جو ہر وقت اداس اداس رہتا تھا پھولوں کی طرح کھلنے لگا۔ مرنے کی چاہ کہیں دفن سی ہو گئی۔ ڈپریشن کیا ہوتا ہے وہ بالکل بھول گیا۔ اس کی زندگی میں بہاریں بس کچھ ہی پل کی تھیں۔ یہ بہار اگر خزاں میں بدل گئی تو وہ سانس نہیں لے پائے گا۔ اس بار تو بالکل نہیں لے پائے گا یہ تو طے ہے۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟" پوچھنے والے غفران تھے۔ مائیر نے پھر سے اپنے نوڈلز کا باؤل اٹھا لیا۔

"بہتر، معلوم نہیں ایسا کیوں ہو گیا۔ میں اب آرام کروں گا۔" گرم تولیے میں ٹھنڈک اترنے لگی تھی۔ اس نے ابھی اتارا ہی تھا کہ سیرانے فوراً اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔ وہ تھوڑا تھوڑا کھانستے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ غفران نے افسوس کے ساتھ اس کے بھرے ہوئے مگ کو دیکھا۔ ان دونوں کا اچھا وقت اس اچھو کی وجہ سے ملیامیٹ ہو گیا تھا۔ انہوں نے بجھے دل کے ساتھ ٹی وی پر نگاہ جمائی تھی جس پر اب وہ لائیو کوریج نہیں چل رہی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور پروگرام

چل پڑا تھا۔ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ اس مقابلے کو مہمت پنار جیت چکا ہے۔ وہ اپنا سرٹیفکیٹ اٹھا کر فرنٹ رو میں بیٹھے پنار کے پاس آیا۔ پنار نے کھڑے ہو کر اس کے شانے کو تھپکا تھا۔

"اللہ تمہیں کامیاب کرے بچے، اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" وہ ان کے گلے لگ گیا تھا۔ لگ کر سرگوشی میں گنگنانے لگا۔

"بابا، مجھے وہ چاہیے۔" اس کی زندگی کی پہلی خواہش، اس کی زندگی کی پہلی ڈیمانڈ، بچپن سے لے کر آج تک اس نے کبھی اپنے بابا سے کچھ نہیں مانگا تھا کیونکہ وہ اس کے مانگنے سے پہلے ہی اس کی ہر خواہش پوری کر دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ حیران ہوتا تھا کہ انہیں کیسے پتہ چل جاتا ہے اس کے دل کی خواہش کا، وہ ایک قسم کا سونے کا نوالے لے کر بڑے ہونے والوں میں سے تھا۔ سب کچھ اس کو آسانی سے میسر تھا تو پھر فلک کیوں نہیں، وہ اس کے دل کی چاہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش، پنار کے گلے سے الگ ہو کر وہ نظریں جھکا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے ان آنکھوں میں اس وقت غم و غصے کے علاوہ چاہت کا ٹھاٹھے مارتا سمندر بھی ہے۔ فلک کے لیے اس کی وارفتگی سے وہ اول روز سے واقف تھے۔ تب سے جب اس نے خوشی کیلئے اس لڑکی کی خواہش کی تھی۔

"بابا، وہ بہت ذمہ دار لڑکی آپ ایک بار تو اسے جاب پر رکھ کر دیکھیں۔" پنار نے سنہرے فریم والا چشمہ اتار کر میز پر دھرا۔

"تمہیں کیسے پتہ وہ ذمہ دار ہے۔ چند منٹ پہلے تمہیں وہ ملی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا جب وہ یہاں آنے سے پہلے تم سے ٹکرائی تھی۔ دو منٹ کی باتوں سے کسی کو جج نہیں کر لیا کرتے اور اس کا حلیہ تو دیکھو۔" مہمت نے گردن موڑ کر شیشے کے اس پار کھڑی لڑکی کو نظروں میں لیا جو آنکھوں میں دیے ٹمٹمائے ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔ بکھرے بال، سائز سے کافی بڑے ملگجے سے کپڑے اور میلا ہی چہرہ۔۔۔ وہ سر کو کھجاتی تو کبھی انگلیاں چٹخاتی، مہمت نے پھر سے اپنے بابا کی جانب رخ کیا۔

"وہ ہے اس قابل کے اسے نوکری پر رکھا جائے۔ جاب پر سلیقہ مند اور صاف ستھرے انسان کو رکھا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر کسٹمر آنے کی بجائے واپس بھاگ جائیں گے۔" مہمت کی آنکھوں میں بے چینی در آئی۔ جہاندیدہ پنار نے ان آنکھوں میں پنپتے نئے نئے جذبے کو پکڑ لیا۔ اولاد تھی کیسے نہ اشارہ ملتا پھر۔

"یونیفارم پہن لے گی تو خود ہی صاف ستھری لگے گی۔ اسے پیسوں۔۔۔۔ کی ضرورت ہے بابا۔" آخری جملہ سرگوشی میں ڈھل گیا۔ پنار کچھ کہنا چاہتے تھے کہہ نہیں پائے۔ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر اسے رکھنے کی حامی بھر دی تھی۔ اس وقت تو حامی بھر دی تھی لیکن اب وہ اپنے فیصلے پر پچھتا رہے تھے۔ انہیں اس فیصلے پر نظر ثانی کرنی چاہیے تھی۔ انہیں جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ فلک کی آنکھیں ان کے بیٹے کیلئے خالی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی بھری ہوئی آنکھیں ہرگز نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس چیز کی تاب ان میں بالکل بھی نہیں تھی۔ انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"وہ تمہارے نصیب میں ہوئی تو ضرور ملے گی۔"اس کا گال تھپکتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"وہ میرے نصیب میں ہی ہو گی بابا، اسے میرے نصیب میں ہی ہونا چاہیے۔"وہ ضد کر رہا تھا۔وہ ضدی تو کبھی نہیں تھا۔

"ایسا ہی ہو گا۔"پنار پریشان ہو گئے۔زبردستی مسکرا دیے۔

وہ اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

"آپ پر ایک کیا دس کانٹرا ایکٹ نثار۔"

اسلام آباد پر آج گہرے بادل نہیں چھائے ہوئے تھے۔ میٹھی میٹھی سی دھوپ نے پورے شہر کا احاطہ کیا ہوا تھا۔گو کہ ہوا چل رہی تھی لیکن نرم گرم سا سکون پھر بھی ماحول میں رچا ہوا تھا۔اس اچھے سے موسم میں خوشگوار سے موڈ کے ساتھ رامیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں بیٹھی لیپ ٹاپ میں غرق تھی۔اس نے سفید رنگ کا ویلویٹ جمپر سوٹ پہنا ہوا تھا۔بال حسب عادت کھلے تھے۔ ہاتھوں میں وائیٹ گولڈ کے چوڑے ہینڈ کف تھے۔دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں ہینڈ کف سے ملتی جلتی رنگ تھی۔اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں اس نے پتلی تار سی پہنی ہوئی تھی۔کانوں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے کے آویزے تھے اور گلے میں آنسو شیپ کا پینڈنٹ، آنسو آسمانی رنگ کا ہی

تھا۔وہ منہمک انداز میں ٹھنڈی ہوا کو نظر انداز کیے بنا ہی ایک فائل کو پڑھ رہی تھی جب اچانک سر پر دست شفقت محسوس ہوا۔اس نے چونک کر سر اٹھایا۔وہ جبران تھے۔ مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے سر سے ہاتھ ہٹایا پھر عین سامنے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"کیا کر رہا ہے میرا بیٹا؟" آج لہجے میں پدرانہ عنصر کچھ زیادہ غالب تھا۔اس نے کمر سیدھی کی اس کے بعد لیپ ٹاپ کی اسکرین گرا دی۔

"بس ایک فائل کا مطالعہ کر رہی تھی۔" سرسری سا جواب،وہ اپنے باپ سے خفا تھی یہ بات دونوں ہی بخوبی جانتے تھے۔اسے نوح اپنے گھر کے معاملات میں پسند نہیں تھا اور وہ نوح کو اب باقاعدہ طور پر گھر کا فرد بنانے پر تلے ہوئے تھے۔رامیہ اس صورت میں ہونے والی سبکی کو سوچتے ہی کڑوی ہو جاتی تھی۔جب جب جبران سامنے آتے تھے تب تب وہ سب باتیں اس کے گرد گردش کرنے لگتی تھیں پھر اس کا موڈ آف ہو جاتا تھا جیسے اب ہوا تھا مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا کیونکہ آج عرصہ دراز بعد اس کے بابا اس سے اس طرح پیش آ رہے تھے۔ مسکرا رہے تھے۔

"جب گھر ہوا کرو تو آفس کا کام نہیں کیا کرو صرف خود کو انجوائے کیا کرو۔" وہ اسے ایک باپ کی طرح ہی سمجھا رہے تھے شاید بہلا رہے تھے۔

"تھوڑا سا کام تھا تو سوچا ابھی مکمل کر لوں اس کے بعد پورا دن فارغ ہی ہوں۔" جبران ہولے سے مسکائے۔ ان کی مسکراہٹ کے دوران ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا چلا تھا۔ سورج کی نرم گرم سی شعائیں دونوں کے وجود پر گری ہوئی تھیں۔ اس سے ملنے والی گرمائش اعصابوں پر بڑی تقویت پہنچا رہی تھی۔ ان کی یہ اولاد ان سے کٹی کٹی رہتی تھی۔ ان کی اس اولاد نے بڑا سفر کیا تھا۔

"چیس، چیس کا پروگرام بنائیں۔" اس نے اپنی گھنی پلکیں اٹھائیں۔ بروکن فیملی کی سرد سی وائبز۔

"میں آج۔۔۔ فارغ نہیں ہوں یعنی مجھے میری دوستوں کے ساتھ شاپنگ پر جانا ہے۔" انہوں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ کچھ دیر کا توقف کیا اس کے بعد گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔

"اوکے ڈن، اگلی بار سہی۔" وہ دونوں جانتے تھے اگلی بار کبھی نہیں آئے گی۔ وہ ابھی بالکونی کے سرے پر ہی تھے جب رامیہ کا فون بج اٹھا تھا۔ اس نے نظر فون پر ڈالی۔ احسن رضا کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ وہ یہ کال اٹھانا نہیں چاہتی تھی لیکن اٹھالی۔ زندگی میں بہت ساری چیزیں تھیں جو وہ کبھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن کر لیتی تھی۔ اس سے وہ اپنی برداشت اور حوصلہ آزماتی تھی۔

احسن رضا اس سے کہہ رہا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کیوں نہ آج ہم کافی پلان کر لیں کو لاب تو ایک خواب ہی رہ گیا۔" اس کے لبوں پر مسکان پھیلی، تمسخر بھری مسکان۔

"اور میں سوچ رہی تھی تم کانٹریکٹ کے جانے پر مشتعل ہو گے، مجھے ڈیفیٹ کرنے کے پلانز بنا رہے ہو گے۔" اس نے سچ کہا تھا۔ اسے سچ بولنے کی عادت تھی۔

"آپ پر ایک کیا دس کانٹریکٹ نثار۔" وہ اس کی فلپنس کافی وقت سے برداشت کر رہی تھی۔ وہ ایک میچور بزنس وومن تھی۔ اسے اس طرح کی بچگانی باتیں کافی مضحکہ خیز لگا کرتی تھیں۔ احسن رضا جیسے جانے کتنے ہی اس کی زندگی میں آئے اور گئے تھے۔ اس نے کبھی اپنا دل کسی کیلئے وا نہیں کیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا احسن رضا بھی باقی لوگوں کی طرح ہی ہے۔ سب کو اس کی دولت، اسٹیٹس اٹریکٹ کرتا تھا۔ احسن رضا بھی اس کی پاوور اور اتھارٹی کی وجہ سے ہی اس کی جانب متوجہ ہو رہا ہے۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں مزید تمہارے دو کانٹریکٹس کو کر اس اوور کرنے والی ہوں شاید تمہیں برا نہ لگے۔" اس نے بم پھوڑا تھا جس کی وجہ سے دوسری جانب چند ساعت کی خاموشی چھائی رہی۔ وہ اس خاموشی سے کافی کچھ اخذ کر رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک بار پھر سے مدھم مسکراہٹ کھل گئی۔

"کن، کن کانٹریکٹس کی بابت کہہ رہی ہو؟"اس کا ہکلانا بنتا تھا۔اس کا چونکنا جائز تھا۔وہ ہنس دی۔ آواز کے ساتھ، مذاق اڑانے والے انداز میں،لاؤنج میں تن تنہا سوچوں میں غرق جبران کی سماعت سے اس کی ہنسی ٹکرائی تھی۔وہ بھی پرملول سے مسکا دیے۔

"پریشان ہوگئے، فکر نہیں کرو ایسا کچھ نہیں کر رہی۔میں بس تمہیں ٹیسٹ کر رہی تھی۔"دوسری جانب اسے بھی پھیکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔سرد ہوا میں بیٹھی وہ اس انسان سے باتوں میں مگن تھی۔نیچے جبران خاموشیوں میں گھرے بیٹھے تھے۔کچھ لوگوں کے حصے میں خاموشیاں اپنی چوائس سے آتی ہیں۔جبران انہی بدنصیب لوگوں میں سے تھے۔ایک غلطی کی۔اس کو چھپانے کی غرض سے اپنی اولاد سے بے خبر رہے۔بیوی ناراض تھی ماحول دن بہ دن کشیدہ ہوتا چلا گیا جس کے سبب ان کی باقی اولادوں نے بہت کچھ جھیلا۔پہلے وہ بچے تھے کمبلوں میں دبک جاتے تھے۔اب وہ بڑے ہوگئے اپنی اپنی اڑان بھرنے لگے۔اب انہیں اس گھر اور اس کے جھمیلوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔اب انہیں اپنے باپ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔انہوں نے ایک آخری نگاہ فون پر ڈالی اور تھک کر اسے واپس رکھ دیا۔

"سیر ابھی مجھے یاد نہیں کرتی۔"

اداس سی سرگوشی در و دیوار میں گونجنے لگی تھی۔

دن پورا کا پوارڈھل چکا تھا۔رات کی دبیز سیاہی چہار سو پھیل گئی تھی۔لیکن گلاسگو میں رات نہیں ہوتی تھی۔گلاسگو میں مصنوعی روشنیوں بھرا دن ہوتا تھا۔آٹھ بج کر پینتالیس کا وقت تھا۔پندرہ منٹ بعد اس کے ڈیوٹی آوورز ختم ہونے والے تھے۔وہ جلدی جلدی لوگوں کے سامان کو کمپیوٹر میں نوٹ کر کے رسید ان کے حوالے کر رہی تھی۔قطار تھوڑی لمبی تھی۔اس نے باب کٹ بالوں والی عورت کے جانے کے بعد چیونگم چباتی فون میں مگن لڑکی کے سامان پر نظر ڈالی۔وہ ایک ہاتھ سے سامان کو سست روی سے رکھنے کے دوران فون پر نظر گاڑے ہوئے تھے۔فلک نے ادب کے ساتھ اس کو ٹوکا۔

"میم،کیا آپ جلدی کریں گی پیچھے کچھ اور لوگ بھی ہیں۔"اس لڑکی نے جونہی اس کو نظر اٹھا کر دیکھا تو نہی وہ بری طرح ٹھٹھک گئی۔آگے کو ہو کر پیٹ کاؤنٹر سے لگا کر اپنی آنکھیں اس لڑکی پر گاڑیں۔

"میں درست ہوں،اوہ مائی گاڈ یہ تو تم ہی ہو،ہاں ایسا ہی ہے۔"اس نے فون کی اسکرین کو آنکھوں کے سامنے کرنے کے بعد فلک کی ناک سے لگایا۔

"دیکھو یہ تم ہی ہو، مہمت پنار میرا دوست، اوہ مائی گاڈ یعنی تم دونوں واقعی ریلیشن میں ہو۔" فلک جو اس لڑکی کی ایک بات بھی نہیں سمجھ رہی تھی فون کی اسکرین پر نظر پڑتے ہی جم گئی۔ یہ کیا تھا۔ یہ کیا اس نے دیکھ لیا تھا۔ اس تصویر میں بلاشبہ وہی تھی۔ مہمت اسی سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ فلک کے گردن کی گلٹی سلو موشن میں نیچے گری۔

"ایسا۔" اسے بولنے میں دشواری ہوئی۔ ہونٹوں کو کچلتے ہوئے اس نے جلدی سے اس کے سامان کو اسکین کرنا شروع کیا۔ "ایسا نہیں ہے انفیکٹ میں کسی۔۔۔۔" توقف۔ "کسی بھی مہمت پنار کو نہیں جانتی ہوں، ہو سکتا ہے یہ لڑکی مجھ سے ملتی ہو بلکہ ایسا ہی ہے واللہ بالکل میرے جیسی لگ رہی ہے۔" خوشگوار انداز میں فضول میں ہی ٹھٹھہ لگا کر اس نے لسٹ اس لڑکی کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔ وہ مایوسی سے بیگ سے پیسے نکالنے لگی۔

"اوہو کتنا اچھا ہو جاتا اگر تم ہی یہ لڑکی ہوتی، لیکن شکر خدا کا عروبہ سے تو اس نے موو آن کیا سچ میں جب ہمیں اس نے اسے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کروایا تھا تو بڑی حیرانی ہوئی تھی ہمیں۔" وہ لڑکی باتونی تھی تبھی بقایا جات لینے کے بعد کاؤنٹر کے دائیں سائیڈ پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ فلک اپنے کام میں مصروف اسے سن رہی تھی۔

"لیکن ہر ایک کو اپنی پسند کا اختیار ہوتا ہے۔ میں مہت کو کہتی تھی کہ اگر میں انگیجڈ نہ ہوتی سو فیصد اس کی گرل فرینڈ ہوتی۔ وہ اچھا ہے اور ہم کافی پرانے دوست ہیں اس لیے اس کی اچھائی چاہتے ہیں اور۔" وہ لڑکی یکدم بولتے بولتے رکی، کچھ ادراک ہوا پھر خجل سی ہو کر مڑنے لگی۔

"اوہ گرل، تم تو جانتی بھی نہیں ہو گی میں کس کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ تمہارا وقت برباد کرنے کیلئے معذرت چاہتی ہوں میں۔" اپنا سامان اٹھا کر وہ وہاں سے چل دی تھی۔ فلک نے بجھے انداز میں اپنا کام مکمل کیا پھر وہ کر اس بیگ کی اسٹرپ تھامتی برستی برف میں باہر نکل آئی۔ اس کا دل کسی بھی احساس سے خالی تھا۔ سب جیسے سوالی تھا۔ وہ انجانے احساس تلے دماغ کی باگوں کو سنبھالنے کی سعی کر رہی تھی۔ مہت اس کا بہت اچھا دوست تھا۔ اسی کی توصل سے اس نے یہاں کچھ زیادہ قدم جمائے تھے۔ اس کے احساسات سے وہ اول روز سے واقف تھی۔ لیکن وہ اس کی پذیرائی نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کبھی بھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اسے اپنی حد یاد تھی۔ وہ یہاں صرف کمانے کیلئے آئی تھی۔ اس کے بعد جب وقت یہاں پورا ہو جائے گا تب اسے چلے جانا ہو گا۔ یہ لوگ، یہ دنیا، یہ محبتیں اس کیلئے دائمی نہیں ہیں۔ انہوں نے وقت کے ہندوسوں کے ساتھ مانند پڑ جانا ہے۔ مہت کی زندگی میں کئی لڑکیاں آئی تھیں آ کر چلی گئیں۔ وہ بھی اس کی زندگی کی انہی لڑکیوں میں سے تھی۔ وہ خود کو چوائس نہیں بنانا چاہتی تھی۔ وہ خود کو بے ضرر نہیں بنانا چاہتی تھی۔ چاہے میرا اس سے لاکھ کہے مہت اس کیلئے کبھی بھی نہیں

ہو سکتا، ہمت کیا اس کیلئے تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا نہ یہاں اور نہ پاکستان میں، سر جھکائے چلتے چلتے اچانک ایک احساس کے تحت اس نے سر اٹھایا وہ اس کے سامنے مگر فاصلے سے تھا۔ ایک ایسا ستارہ جو صرف آسمان پر چمکتا اچھا لگتا ہے۔ ہاتھوں میں تو اس کی کہیں جگہ نہیں ہے۔ زمین اس کیلئے بالکل بھی نہیں ہے اور فلک سفیر اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے ہاتھ میں آج بھی چھتری تھی۔ فلک آج بھی بے سائباں تھی۔ اس کے بدن پر آج بھی گرم کوٹ تھا فلک حسب معمول پرانے کوٹ میں تھی۔ دونوں نے نظریں اٹھائیں تھی۔ دونوں نے نظریں ملائی تھیں۔ وہ جمی رہی وہ نہیں رہا، وہ تھمی رہی وہ نہیں تھما۔ اس کے قدم اس کیلئے تھے۔ اس کی منزل وہی تھی۔ وہ اس کے پاس آیا، آ کر رک گیا۔ فلک خاموش نظروں سے نوح کو دیکھتی رہی، نوح خاموش نظروں سے فلک کو دیکھتا رہا۔ کچھ پل گزرے، چند ساعتیں، زمین کی گردش میں تھوڑی سستی آئی، آسمان سے گرتی سفید افشاں کچھ مدھم ہوئی۔ قریب سے گزرتے لوگ جم گئے، سانس تھم گئے۔

"میری زندگی میں کسی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہمت کی اور نہ ہی تمہاری۔" دونوں کی آنکھوں میں تارے تھے، بہت سارے تھے۔

"میں چاہ کر بھی خود کو آمادہ نہیں کر سکتی حالانکہ دل ضد کر رہا ہے لیکن مجھے اسے مارنا آتا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرائی، نوح نہیں مسکرایا۔

"خواہشوں کو کیسے کچلا جاتا ہے یہ مجھ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے بھلا؟" اس کا دل بھر آیا تھا۔ مسکراتے لبوں کے ساتھ اس کی دائیں آنکھ میں پانی اکھٹا ہو گیا۔ دائیں آنکھ جو دکھ کی بھرپور ساتھی ہے۔ پل بھر میں بھر آتی ہے۔ اس نے جلدی سے پلک جھپکی۔ آنسو کہیں اندر ہی دب کر رہ گیا۔

"تم۔" خاموشی توڑی۔ لفظوں کے چھوٹتے ہی سحر بھی کہیں پیچھے چھوٹ کر رہ گیا۔ سب کچھ اپنے مدار میں آ گیا۔ جمے ہوئے لوگ محو حرکت ہوئے اور آسمان سے گرتی افشاں روئی کے گالوں میں بدل گئی۔

"ٹھیک ہو؟" سوال تھا کیسا محال تھا۔ کب کس نے بھلا اس سے پوچھا تھا کہ وہ ٹھیک ہے؟ پاکستان میں اور یہاں کوئی بھی تو ایسا نہیں تھا میر اکے بعد جو اس سے دریافت کرتا کہ وہ کیسی ہے، کس طرح رہ رہی ہے۔ کیا کر رہی ہے۔ کیا کبھی کوئی اس کیلئے متفکر ہوا تھا؟ اس نے پورا سوچا۔ جواب تھا نہیں۔

"ہاں۔" لرزتا ہوا سا ہاں، مسکراتے لبوں سے پھوٹتا آنسوؤں بھرا ہاں۔

"مصروف ہو؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ نوح نے آئی بالز گھما کر اپنی بائیں جانب دیکھا وہاں ایک چائنیز ریستوران تھا۔ ریستوران کی چمکتی لائٹس وہ اپنے سامنے کھڑے لڑکے کی آنکھوں میں دیکھ سکتی تھی۔

"پھر تو بہتر ہو گیا۔" گھڑی میں وقت دیکھتا وہ نارمل لگنے کی اداکاری کر رہا تھا۔ اسے اداکاری کرنے کی عادت تھی۔ وہ اس میں ماہر تھا۔

"یہاں کا پاسٹا بہت مشہور ہے چل کر ٹرائے کرتے ہیں۔" کہنے کے بعد وہ اس کو تک رہا تھا۔ اس کا چہرہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ فلک نمی والی آنکھوں کے ساتھ متبسم لبوں سے مسکرا دی، مسکراتے ہی سر ہلا گئی۔ اس نے حرکت کی۔ وہ نوح کے پیچھے ہولی۔ دونوں ایک ساتھ اندر آئے تھے۔ دونوں ایک دوجے کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ آرڈر دیا، سرو ہو گیا۔ دونوں خاموشی سے بیٹھے تھے۔ اس خاموشی کو فلک نے توڑا تھا۔

"ان کپڑوں کا بے حد شکریہ، یہ کافی گرم ہیں۔" اس لڑکے کا سر جھکا تھا۔ وہ کھانے میں مگن تھا ایسے جیسے وہ آیا ہی یہاں کھانے کیلئے ہے۔ اس کے سوال پر اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں، انہیں تم نے کمایا ہے۔" فلک چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے وضاحت دی، جانے کیوں لیکن وہ اسے وضاحت دینے کیلئے خود کو مجبور کر گئی۔

"مہمت نے ایسا کیوں کیا مجھے نہیں پتہ۔" پاستا کھاتا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے چمچ واپس پلیٹ میں رکھی، سر اٹھایا اٹھا کر اسے دیکھنے لگا جو کہہ رہی تھی۔

"لیکن اس نے کافی غیر اخلاقی حرکت ہے جس کی وجہ سے میں کافی شرمندہ ہوں۔ اس بارے میں، میں اس سے بات کروں گی۔" نوح کی جانب سے سوال آیا تھا ایسا سوال جس نے فلک کو پتھر ادیا۔ اس کے منہ میں موجود نوالہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

"کیا تم اسے پسند کرتی ہو، کیا اس کا حوصلہ اسی حوالے سے ہے؟" وہ پھٹی آنکھوں سے اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں چیخ چیخ کر اس کے دل کی کیفیت کو بیاں کر رہی تھی۔ جس نے اپنا چہرہ اس کیلئے کھلی کتاب بنا دیا تھا۔ سوال میں کیسے اندیشے تھے۔ کتنا خوف تھا۔ جیسے اگر وہ ہاں میں کچھ سن لے گا تو شاید یہیں بیٹھے بیٹھے اسے کچھ ہو جائے گا۔

"کیا اس خاموشی کو میں ہاں سمجھوں؟" فلک نے ہوش میں آتے ہی زور سے نفی میں سر ہلایا۔ نوالہ اب بھی بنا چبے اس کے گال سے چپکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار سر ہلا کر خود کو روکا پھر نوالے کو منہ میں ہی لیے نظریں جھکائے دوبارہ نفی میں سر ہلا گئی۔ اس کے پرزور انکار نے نوح کے تھمے ہوئے دل کو بحال کیا تھا۔ اسے اب مکمل اور بھرپور سانس آئی تھی۔ ورنہ تو وہ گزرے تین گھنٹوں میں بے ہنگم سوچوں کے درمیان خود کو بہت پریشان کر گیا تھا۔ لیکن ایک ڈر تو اب بھی تھا۔ ایک

وحشت بھرا خوف اب بھی کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے خود کو دلاسہ دیتے ہوئے ایک اور سوال داغا۔

"تم۔۔۔اگر وہ تمہیں پرپوز کرے گا تو کیا تم۔۔۔ہاں کر دو گی؟"سکون آمیز آنکھوں میں ایک بار پھر سے خوف اتر آیا تھا۔ڈر عود آیا تھا۔فلک نے ایک بار پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

"اور اگر اس نے تمہیں مجبور کیا،محبت کے حوالے دیے تو؟"سوال طویل ہوتے جا رہے تھے کیا فرق پڑتا ہے جواب تو ہر صورت ناں ہی تھا۔

"پھر بھی انکار کر دوں گی کیونکہ میں اس کے بارے میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔وہ صرف میرا دوست ہے اور وہی رہے گا۔"اس کے وثوق سے کہنے پر نوح نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی سے پشت ٹکائی تھی ایسے جیسے پوری تھکن اس کے وجود سے اتر گئی ہو۔دو انگلیوں اور انگوٹھے سے وہ پیشانی کو مسلنے لگا تھا۔

"شکر الحمدللہ۔"زیر لب یہ الفاظ ادا ہوئے کچھ دیر خود کو پر سکون کیا پھر جب واپس سر اٹھا کر اسے دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔وہ سٹل انداز میں منہ میں نوالے رکھے اسے تکے جا رہی تھی۔

"نوالہ تو چبا لو فلک۔"ایک جھٹکے سے اس نے سر کو ہلایا تھا۔آنکھیں میچ کر کھولیں،نوالہ چبا کر نگل لیا۔

"مجھے لگتا تھا تم لالچی ہو مگر۔۔ چلو چھوڑو۔" دل سے بوجھ سرک گیا تو لفظ بھی ہلکے پھلکے سے بہنے لگے۔ اس نے فلک کو کہتے سنا۔

"میں لالچی نہیں ہوں۔" اس کے زور دینے پر وہ مسکرایا تھا۔ فلک کے دل نے ایک بار پھر سے غوطہ لگایا۔ اس نے بیچارے کو ڈپٹ دیا۔ چاند کی چاہ بس چاہ ہی ہونی چاہیے اسے آہ بنا کر دل کا روگ نہیں بنالینا چاہیے۔ دسترس سے دور لوگ بس دسترس سے دور ہی اچھے لگتے ہیں۔

"کلپرٹ یہی کہتا ہے کہ وہ کلپرٹ نہیں ہے خیر میں نہیں چاہتا کہ مہمت تمہیں اپروچ کرے، تمہاری اپنی مرضی ہو تو الگ بات ہے۔" فلک نے پرزور طریقے سے اس کی بات کی تردد کی۔ گرم ساریستوران بہت پرسکون بھرا تھا۔

"میری ایسی کوئی مرضی ہے اور نہ کبھی ہو گی، میں یہاں ان سب چیزوں کیلئے نہیں ہوں۔" پانی کے گھونٹ بھرتا نوح چونکا تھا۔ پانی کا گھونٹ بڑی دقتوں سے حلق سے نیچے اترا۔

"تو پھر کس لیے ہو۔۔۔۔ پیسے جمع کرنے کیلئے؟" فلک کے لب تضحیک آمیز انداز میں پھیلے۔

"شاید اس لیے ہی ہوں۔" اس کی آنکھ ایک بار پھر سے بھرائی تھی۔ اس نے پہلے بھی اس آنکھ کی چوری پکڑی تھی۔ اس نے اب بھی اس آنکھ کی چوری پکڑ لی۔

"میں سن رہا ہوں فلک، تم مجھ سے کچھ بھی شئیر کر سکتی ہو۔" اس نے وہ جملہ کہا تھا جو اکثر چاچو اور مائیر اس سے کہا کرتے تھے۔ فلک کی اداسی اس وقت اسے ملتی جلتی سی لگی۔

"جب وقت آئے گا تب ضرور شئیر کروں گی ویسے بھی ایسا کچھ نہیں ہے۔" فضول میں ہنستے ہوئے اس نے ہاتھ جھلا کر کہا۔ نوح اسے تکتا رہا۔ وہ کیا کہہ سکتا تھا بھلا، وہ کیا کر سکتا تھا بھلا۔ کچھ گھنٹوں قبل اسے لگ رہا تھا ساری دنیا اس کے ہاتھ سے ریت کی طرح پھسلتی جا رہی ہے۔ اور اب کچھ گھنٹوں بعد وہ اپنی دنیا کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ لالچی نہیں ہے۔ وہ جانتا تھا کچھ ہے جو وہ چھپا رہی ہے۔ اگر اسے پیسوں کا کریز ہوتا اگر اس کے پاس پیسوں کی بہتات ہوتی تو وہ بوسیدہ کپڑوں میں نہ پھر رہی ہوتی۔ اس کے جوتے از حد پرانے نہ ہوتے۔ اس کے ہیئر بینڈز میں گرہیں نہ لگی ہوتیں۔ اس کا چہرہ میک سے عاری نہ ہوتا، اس کی آنکھوں کے نیچے حلقے نہ ہوتے۔ اس کے پیٹ آوازیں نہ کر رہا ہوتا۔ وہ جگہ جگہ نوکری کی تلاش میں ماری ماری نہ پھر رہی ہوتی۔ وہ کئی کئی روز میلی نہ رہتی۔ وہ لالچی نہیں تھی بالکل بھی نہیں تھی۔ وہ کچھ اور تھی وہ جس کی ڈیفی نیشن کرنا مشکل ہے جسے زبان دینا دشوار ہے۔ وہ فلک سفیر کو جان لے گا پہچان لے گا۔ اس نے اپنی نظریں اس پر رکھی ہوئی تھیں پھر اس نے انہیں جھکا لیا۔ سانس کچھ زیادہ مقدار میں اس کی ناک سے خارج ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اپنے خول میں بند رہنا چاہتی ہو لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر تم یقین کر لو مجھ پر۔" اس نے چمچ پھر سے اٹھالی۔ کانٹا ایک بار پھر اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تم کیوں اداس تھے کچھ دیر پہلے۔" اس نے بات بدل دی غلط کیا۔

"تمہاری وجہ سے، مجھے لگا تم مہمت کو ہاں کہہ دو گی۔" ڈھکی چھپی بات اب کھل کر سامنے آئی تھی۔ پردہ کھینچ کر ہٹا دیا گیا۔ وہ بات جو خود سے بھی چھپائی جا رہی تھی اس کا اعتراف کر لیا گیا۔

"اگر میں مہمت کو ہاں کہہ دوں گی تو اس سے کیا ہو گا۔" نوح کا سر جھکا تھا۔ وہ رغبت سے کھا رہا تھا۔ بھرے ہوئے منہ کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"میری دنیا تباہ ہو جائے گی۔" سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آنکھوں میں بھی اور لہجے میں بھی۔ ایک لائن میں اس نے سب بیان کر دیا۔ فلک اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہی۔ اچانک جانے کیا ہوا تھا وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ نوح نے سر اٹھایا۔

"میں ویسی لڑکی نہیں ہوں نوح جبران جیسی آپ مجھے سمجھ رہے ہیں۔" وہ دولت مند تھا۔ مہنگی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ ایک ہارٹ سرجن تھا۔ کافی ہینڈسم بھی تھا۔ وہ اسے ایک عام سی لڑکی کو جس میں سے بدبو کے بھبکے آتے تھے۔ جس کی آنکھیں نیند سے بوجھل رہتی تھیں۔ جس کے پاس پہننے کو اچھے کپڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس سے کیسے اظہار کر سکتا تھا۔ کیا وہ اسے ٹریپ کر رہا تھا۔ کیا

مہمت اور وہ دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر تھے۔ کیا وہ ان دونوں کی وقتی چاہ تھی۔ وہ ڈر گئی۔ گھبرا گئی۔ اس نے دل کو بری طرح بلکہ شدت کے ساتھ ڈپٹ دیا۔

"کیسی لڑکی؟" نوح نے نا سمجھی سے دریافت کیا۔ فلک کی پلیٹ میں ویسے کا ویسا ہی پاستا پڑا تھا۔ بامشکل دو تین چمچ ہی اس نے کھائے ہوں گے۔

"جیسی آپ مجھے سمجھ رہے ہیں۔" اس لڑکی کا چہرہ سرخ تھا۔ وہ ضبط کر رہی تھی یہ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے پتا چل گیا۔

"اور میں تمہیں کیسا سمجھ رہا ہوں۔" نوح نے پھر سے کانٹا چمچ چھوڑ دیا۔ کرسی کی بیک سے پشت ٹکائی اور سینے پر بازو باندھ لیے۔

"اگر آپ کو لگتا ہے آپ کے ساتھ کچھ پل گزارنے اور دو ایک بار کھانے کے بعد میں آپ کی باتوں کے جال میں پھنس جاؤں گی تو بھول ہے آپ کی۔ میں یہاں چار سال سے رہ رہی ہوں۔ مجھے یہاں اچھے سے سروائیو کرنا آتا ہے۔" نوح کے چہرے پر تمسخر گھل گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے مسکرایا۔ ساری کلفت جیسے دور تھی۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں۔ بیٹھ کر کھانا ختم کرو۔ رزق کو ضائع نہیں کرتے۔" وہ مسکراتی نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہا تھا۔ چھت پر لگی روشنی اس کی آنکھوں میں نور ہی نور بھر رہی تھی۔

"میں نہیں بیٹھوں گی اور میں کیوں بیٹھوں۔ یہ سب سننے کیلئے۔" وہ جانے کو پر تول رہی تھی۔ نوح نے نچلہ لب تر کر کے ٹیک چھوڑ دی۔ روشنی کے سبب پیدا ہوتا نور اس کی آنکھوں میں ہی ڈیرہ جما گیا۔ وہ روشنی کا ماخذ تھا۔ روشنیاں اس کے گرد اکھٹی ہو چکی تھیں۔

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے فلرٹ کر رہا ہوں۔ تمہیں لگتا ہے تم فلرٹ مٹیریل ہو۔ وہ دیکھو وہاں ادھر، ٹائم پاس اس طرح کی لڑکیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے تم جیسی لڑکیوں سے نہیں۔ لک ایٹ یو۔ اپنے کپڑے، اپنا چہرہ، اپنے بال دیکھو اور پھر اس کو دیکھو۔ پھر کہو وہ بات جو تم کہہ رہی ہو۔ پاگل۔" فلک نے گردن موڑ کر اس لڑکی کی جانب دیکھا۔ وہ سرخ جوڑے میں ملبوس تھی۔ بلونڈ بال، نیلی آنکھیں، سرخ ہونٹ، کھڑی ناک اور سفید رنگت۔ وہ تنہا بیٹھی تھی۔ اسٹرا کو گول گول ہلاتے ہوئے اپنی مخروطی انگلیوں کو گال پر ٹکائے نوح کو ہی تکے جا رہی تھی۔ بھلا ایک انتہائی جاذب نظر لڑکا بے حد عام سی لڑکی کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔ اسے تو اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ وہ کب سے نوح کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ مشرقی مرد اوپر سے امیر اور ہینڈسم، آہ۔

"تو پھر تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو۔اس کے ساتھ ہی جا کر بیٹھو۔"فلک کے کان بری طرح دہکنے لگے۔وہ سلگ ہی تو گئی۔نوح کی سنے بنا ہی وہ کرسی ہٹا کر چل پڑی تھی۔

"سنو،وہ تمہیں بلا رہا ہے۔"اپنی جگہ سے ایک انچ ہٹنے کے بعد اس نے اونچی آواز سے اس لڑکی سے کہا تھا۔نوح بوکھلاتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا مگر فلک نے سننا تھا اور نہ ہی اس نے سنا۔وہ گولی کی اسپیڈ میں وہاں سے گئی تھی۔جب تک وہ بل کے پیسے نکال کر وہاں رکھتا وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ نوح نے خود کو گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بٹھایا تھا۔

"ہے،تم نے مجھے بلایا۔"وہ لڑکی اس تک آ کر دریافت کرنے لگی۔نوح نے کڑوی نظر اس پر ڈالی پھر پیسے وہیں پٹخ کر وہاں سے چلا گیا۔

"فلک سے پچاس ہزار منگوا دو مجھے۔"

نگہت ایک بار پھر سے سمیت بچوں کے وہاں موجود تھی۔اس کی بھابھیاں ویسے تو اپنے شوہروں تک ہی رہتی تھیں لیکن اس کے آتے ہی وہ کمرے میں محصور ہو کر رہ جاتی تھیں۔انہیں نگہت سے

پرخاش تھی تو نگہت کو ان سے خاص بیر۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا اپنی بھابھیوں کا گلا دبا دے جنہوں نے اس کے بھائیوں کو دبوچ کر رکھا ہوا تھا۔

"ہونہہ، چڑیلیں کہیں کی۔" وہ انہیں دیکھ کر سر مارتی تھی تو وہ ڈبل اس چیز کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ دونوں طرف سرد جنگ جاری تھی۔ دونوں جانب ناپسندیدگی عروج پر تھی۔ نگہت پرس سنبھالے اماں کے کمرے میں آئی۔ چادر اتار کر صوفے پر اچھالی اور دھپ سے بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹ گئی۔

"ہائے تھک گئی میں تو۔" کمرے میں کونے میں موجود تخت پر جائے نماز بچھائے فرخندہ ظہر ادا کر رہی تھیں۔ انہوں نے آخری سلام پھیرا پھر تسبیح فاطمہ پڑھتے ہوئے اپنی بیٹی پر نظر ڈالی۔ مسکرا کر سر ہلایا تھا گویا اس کے سلام کا جواب دیا ہو۔

"بھئی بڑا دور ہے میرا میکہ، آہ جوڑ جوڑ دکھ گیا۔" صحن سے اس کے بچوں کے کھیلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مینہ گلاس بھر پانی لے کر وہاں آئی۔ نگہت نے پورا پانی غٹکنے کے بعد ایک اور گلاس کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ چولہے پر چائے چڑھا آئی تھی۔ دوسرا گلاس دینے کے بعد کچن کی جانب ہی ہولی۔

"خیریت سے آئی ہو؟" فرخندہ نے تخت سے اترنے کے بعد نماز کی چادر کو اتار کر تہہ کیا اور الماری کے خانے میں رکھ دیا۔ دوپٹہ دونوں شانوں پر پھینکتے ہوئے وہ سرسری سا پوچھ رہی تھیں۔

"میری زندگی میں خیریت کہاں اماں۔" نگہت نے شانے کے جوڑ کر مسلتے ہوئے کہا ساتھ میں اضافی 'ہائے' کا بھی تڑکا لگایا۔ "گڈو کے ابا کے کاروبار میں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے اس لیے پیسے درکار ہیں۔ اب آپ کے پاس تو ہوں گے نہیں اس لیے آپ فلک سے پچاس ہزار روپے منگوا دو مجھے۔" فرخندہ اس کے پاس بیڈ پر آ کر ٹکیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں ابھی فون ملاتی ہوں اسے۔" نگہت ان کی لاڈلی اولاد تھی۔ اس کی جائز و ناجائز پر لبیک کہنا گویا فرخندہ پر فرض تھا۔ ان کی بیٹی منہ سے بات نکالتی تھی اس بات کو پورا کرنا ان کی ذمہ داری بن جاتی تھی خواہ سامنے والے کو کتنی ہی دشواری کیوں نہ ہو نگہت کے چہرے پر پریشانی نہیں پھیلنی چاہیے۔ انہوں نے فلک کا نمبر ملایا۔ کال نہیں لگی۔ انہوں نے دوبارہ ملایا بے سود۔

"بہت گھنی میسنی ہے۔ جان بوجھ کر فون بند رکھتی ہے تاکہ ہم سے جان چھوٹی رہے۔ چار پیسے بھی ایسے دیتی ہے گویا احسان کر رہی ہو یہ نہیں دیکھتی خود کتنی عیاشیوں میں ہے وہاں۔" اس کی عیاشی کیا تھی۔ دو بریڈ کے سلائس ایک چائے کا کپ یا پھر ایک سستہ برگر یا پھر بامشکل پانچ گھنٹوں کی نیند، اس نے خود کو آئینے میں دیکھا پلک جھپک جھپک کر دیکھا۔

"لک ایٹ یو، اپنے کپڑے، اپنا چہرہ، اپنے بال دیکھو اور پھر اس کو دیکھو۔" اس نے خود کو غور سے دیکھا دیکھنے کے بعد بہت مایوس ہوئی۔ روکھے بال، سردی کی شدت سے خشک ہوتا چہرہ اور

آنکھوں کے نیچے بے تحاشہ حلقے، پرانے بوسیدہ کپڑے اور ان میں سے اٹھتی ڈیزل کی بو۔ وہ ڈھلکے شانوں سے باتھ لینے گئی تھی۔ کم سے کم پانی استعمال کرتی تھی تاکہ بل بھی کم سے کم ہی آئے۔ اس نے بال دھو لیے۔ نوح کا دیا ایک اور جوڑا اس نے اٹھایا۔ وہ گلابی رنگ کی جرسی شرٹ تھی جس پر سفید لائنیں تھیں۔ اس کے ساتھ اس نے سفید رنگ کا ہی ٹراوزر پہن لیا۔ ان کپڑوں کو اس نے کچھ روز پہلے ہی اپنے سائز کے حساب سے ٹھیک کیا تھا۔ بال خشک کر کے اس نے ان کی ہائی ٹیل پونی باندھ لی۔ واحد لپ گلوز جو بس اب تلے میں ہی پڑا تھا لبوں پر لگایا تو خود کو خود اچھا لگنے لگا۔ تھوڑی سی تبدیلی سے وہ کتنی اچھی اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ لیکن آج وہ وہ اداس تھی بے حد اداس۔ وہ کل سے اداس تھی۔ اپنی اداسی مٹانے کی غرض سے اس نے پاکستان فون ملایا تھا۔ وہ گھر سے باہر آگئی تھی۔ پیدل چل رہی تھی۔ جب چل چل کر تھک گئی تو دل کیا گھر فون کرنے کو، لیکن بہت سارے فیصلوں میں اس کا یہ فیصلہ بھی غلط ثابت ہوا تھا۔ بیڈ پر نگہت کے ساتھ اس کی برائیوں میں مصروف فرخندہ فون کی گھنٹی پر لپک کر اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"اب سننا سو بہانے اس کے، میں یہ کر رہی تھی وہ کر رہی تھی خاک۔" انہوں نے کڑوے انداز میں فون اٹھا کر کان سے لگایا۔ فرخندہ کے فون کی آواز باہر تک آتی تھی اس لیے اسے لاؤڈا سپیکر پر لگانے کی زحمت نہیں ہوتی تھی۔ نگہت کہنی کھڑی کیے ہاتھ پر سر ٹکائے کروٹ کے بل لیٹی تھی۔ نظریں اماں پر ہی تھیں۔

"فون کرو تو اٹھاتی کیوں نہیں ہو تم۔" فرخندہ کے لہجے میں ڈپٹ تھی۔ روڈ سائیڈ ایک شاپ کے باہر لگے شیشے میں وہ خود کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"امی۔" ایک لفظ، ایک پکار، ایک التجا، ایک تشنگی۔ اس کا دل کیا وہ اسے پیار سے بلائیں۔ اس کا حال احوال پوچھیں۔ اسے تسلی دیں۔ دو محبت کے میٹھے بول بولیں لیکن نہیں ویسا نہیں ہوا جیسا وہ چاہتی تھی۔ جیسا وہ چاہتی تھی ویسا تو کبھی ہوتا ہی نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔

"نگہت آئی ہے بہت پریشان ہے۔ تمہارے جیجو کو پچاس ہزار کی ضرورت ہے۔ شام تک بھیج دو۔" پکار کو ٹھکرا دیا گیا۔ روند دیا گیا۔ توڑ دیا گیا۔ فلک کی آنکھ سے احساس کا قطرہ ٹپکا۔

"میں پاکستان آنا چاہتی ہوں۔" وہ لڑکی تھی۔ کم عمر تھی۔ کوئی اسے پسند کر بیٹھا تھا۔ کسی کو وہ پسند کر بیٹھی تھی۔ وہ ایک جال میں پھنس گئی تھی۔ وہ جال جیسا بھی تھی حقیقی یا غیر حقیقی وہ جانتی تھی وہ اس سے نکل جائے گی۔ وہ مضبوط ہے۔ اس میں چٹان سا حوصلہ ہے لیکن آج یہ دل کو کیا ہو رہا تھا۔ آج جو در پیش ہو رہا تھا وہ بہت نا قابل یقین سا تھا۔ کسی نے پوری دنیا کے سامنے اس کی محبت کی طلب کی تھی۔ وہ خود کسی کی نظروں کی اسیر ہونے لگی تھی۔ وہ پریشان ہو رہی تھی بہت بہت پریشان۔ اسے کچھ دن کی بریک چاہیے تھی۔ وہ منظر سے ہٹے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ جانتی تھی۔ اسے پورا یقین تھا۔

"ہاں ہاں، مینہ کی شادی ہو جائے پھر ایک دو روز کیلئے آجانا ابھی فی الحال پچاس ہزار روپے بھیج دو شام تک اور ہاں مینہ کے سسرال سے ڈیمانڈ آئی ہے۔ انہیں کاروبار جلدی شروع کرنا ہے اس لیے اگلے دو ماہ میں رقم بھیج دینا میں بار بار ایک بات نہیں دوھرا سکتی۔" اپنی بات ختم کر کے انہوں نے کھٹاک سے فون رکھا تھا۔ فلک کی آنکھوں سے مسلسل سیل رواں جاری تھا۔ وہ آئنے میں خود کو دیکھتی رہی۔ فون کان سے لگا رہا۔ اس کی تھوڑی کانپ اٹھی۔ بھنویں آپس میں مل گئیں اور پھر بند ٹوٹ گیا۔ وہ بھاگتے ہوئے دکان کے پیچھے اترتی سیڑھیوں میں آکر بیٹھی، دونوں گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی سسکیوں نے آسمان سے گرتی سفیدی کے گالوں کو پتھرا دیا تھا۔ اس کے آنسو سب ڈبونے کے درپے تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ ہر روز آکر روتی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں پورا دن خود پر چڑھا خول وہ اتار دیا کرتی تھی۔ وہ مضبوط نہیں تھی بالکل بھی نہیں تھی۔ اس کا چڑیا سا دل تھا جو بات بات ہر گھبرا جاتا تھا۔ سہم جاتا تھا ڈر جاتا تھا۔ اس کی آنکھیں جو ہر وقت سوجی رہتی تھیں تو وہ اس لیے نہیں سوجتی تھیں کہ وہ بلی آئلش سے ملتی تھیں بلکہ اس لیے سوجی رہتی تھیں کہ وہ روز جی کھول کر رو دیتی تھی۔ آنکھوں میں ٹھہرے آنسو بند توڑ دیتے تھے۔ تنہائی کاٹ کھاتی تھی۔ تھکن اسے نڈھال کر دیتی تھی۔ وہ روز کی روٹین سے عاجز آگئی تھی۔ وہ یہاں غیروں میں رہ رہ کر تھک گئی تھی۔ اسے چار سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ اور ان چار سالوں میں وہ ایک بار بھی پاکستان نہیں گئی تھی۔ اسے عید کا پتا تھا نا تہوار کا۔ وہ تو بس ایک روبوٹ بن گئی تھی

یہاں آ کر۔ اور اب یہ روبوٹ چٹخنے لگا تھا۔ تھکنے لگا تھا۔ اسے بریک چاہیے تھی۔ سکون چاہیے تھا۔ اگر وہ نہ ملا تو واثق امید تھی شاید وہ نہ بچے۔ وہ گھٹنوں میں سر گرائے دلجمعی سے رو رہی تھی، تڑپ رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کوئی دکان کے دیوار سے اسے جھانک کر دیکھ رہا ہے۔ کسی کا دل اس کے ساتھ ہی بھیگ رہا ہے۔ کسی کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہیں۔ کسی کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں۔

"تم کتنے گھنٹے کی نیند لیتی ہو؟" فاصلوں میں ماضی کا منظر آن سمایا، دھوپ سے کھلا دن، ساتھ اٹھتے قدم۔

"تقریباً پانچ زیادہ تر چار یا ساڑھے چار گھنٹے۔" سسکیاں عروج پر تھیں آنسو تا ہنوز بہہ رہے تھے۔

"کتنا ظلم کرتی ہو، اس لیے تمہاری آنکھیں سوجی رہتی ہیں۔ تمہیں کم از کم آٹھ گھنٹے تو سونا چاہیے۔ ایک صحت مند نیند۔"

اس کی آنکھیں نیند کی زیادتی سے نہیں سوجی رہتی تھیں۔ اس کی آنکھیں اپنا غم ہلکا کرنے میں سوجتی تھیں۔ نوح نے گہرا سانس لیا۔ کل جب دونوں نے ساتھ ڈنر کیا تھا وہ تب سے اسے پریشان لگ رہی تھی۔ اس کی پریشانی کی نوعیت اس طرح کی ہو گی اسے معلوم نہیں تھا۔ ٹھیک پندرہ منٹ

بعد اس نے سر اٹھایا۔ اپنے بازو سے چہرہ اور آنکھیں رگڑیں اسی دوران نوح دیوار کی اوٹ میں ہوا تھا۔ اس نے فون نکال کر اسے کال ملائی جو پہلے اٹھائی نہیں پھر جب تسلسل کے ساتھ کی تو اٹھالی۔

"السلام علیکم۔" زکام زدہ مگر ہشاش بشاش آواز، کمال کی اداکاری۔

"کہاں ہو؟" مگر اس سے نہیں ہوئی، سنجیدہ تھا۔ سنجیدہ رہا، رنج میں مبتلا تھا رنج میں ہی مبتلا رہا۔

"میں۔" اس نے گلا کھنکارا، دکھ چھپانے کی سعی کی۔ "میں کھلے آسمان تلے ہی کہیں ہوں۔" مصنوعی ہنسی، دلدوز، دل چیر ہنسی، زخموں سے چور، بے بس سی ہنسی، نوح سے برداشت نہیں ہوا۔ وہ دیوار کی اوٹ سے نکل آیا۔

"شاید میں بھی۔" اس نے دو منٹ آواز کو سنا، اس کے مفہوم کو سمجھا پھر وہ کرنٹ کھا کر مڑی تھی۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ کچھ فاصلے پر، تھوڑی بلندی پر، روشنیوں میں، فلک کی آنکھوں میں پھر سے مرچیں بھرنے لگیں۔ اس کی ناک کے نتھنے پھر سے پھولنے پچکنے لگے تھے۔ اس نے دل کو سمجھایا، روح کو بہلایا، نفس کو ٹہلایا، غم سلایا، مگر وہ ناکام گئی ہر کوشش رائیگاں۔

"اوہ۔" اس سے آگے اس سے بولا نہیں گیا۔ تھوڑی کانپ رہی تھی۔ وہ دیکھ سکتا تھا۔ پلکیں معمول کے حساب سے زیادہ جھپک رہی تھیں اس کی نظروں میں تھا۔ وہ آنسو نگلنے کی سعی میں تھی اسے خبر تھی۔

"رولو فلک، جبر کرو گی تو صبر نہیں آئے گا۔" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پھر رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ ہچکولے لیتے بدن کے ساتھ وہ پھر سے رونا شروع ہو چکی تھی۔ نوح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس آکر رکا۔ تھوڑے سے فاصلے سے اس سے ایک سیڑھی اوپر بیٹھ گیا۔

"انہیں لگتا ہے۔" آنسوؤں سے لبریز کانپتی سی آواز۔ "میں انسان نہیں ہوں بلکہ۔" ہچکی۔ "پیسے بنانے کی مشین ہوں۔" پھر سے ہچکی۔

"مجھے لگا تھا۔" اس نے کانپتا ہوا گہرا سانس لیا۔ نوح بے بس سا اس کے سر کو دیکھے گیا۔ کیسی حدود تھیں۔ کس قدر بے بسی تھی کہ وہ تسلی کیلئے اس کے سر پر ہاتھ تک نہیں رکھ سکتا تھا۔ ممانعت کی زنجیر اسے اس کا شانہ تھپکنے سے روک رہی تھی۔ اسے افسوس ہوا بے حد افسوس۔ اس نے فیصلہ کیا ابھی اور اسی وقت بہت پختہ فیصلہ۔

"مجھے لگا تھا میں پیسوں سے ان کے دل جیت لوں گی۔ وہ لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں گے انہیں میری قدر ہو گی لیکن۔" شدت بھری ہچکی۔ "لیکن میں بھول گئی تھی کچھ لوگوں کے حصے میں محبتیں نہیں ہوتیں، تسلی بھرے الفاظ نہیں ہوتے۔ محبت سے میٹھے لہجے نہیں ہوتے۔ اور میرا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" نوح نے اپنے دل کے مقام کو مسلا، ٹیس کچھ زیادہ شدت بھری تھی۔ اس کی نظریں و سماعت اسی لڑکی پر تھیں جو ٹوٹ گئی تھی۔ بکھر گئی تھی اس شخص کے آگے جس

کے آگے وہ کبھی بھی کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی صبح صادق میں اسے رات کے اس عیاں لمحے پر کتنا افسوس ہو گا۔ کتنا پچھتائے گی وہ، وہ سب جانتی تھی۔ اسے ہر ایک بات کا ادراک تھا لیکن اب کیا کر سکتے تھے بھلا، کمزور لمحہ تو آ گیا تھا نا۔ اس کے آنسو تو بہہ گئے تھے نا۔ ہچکیاں و سسکیاں قائم رہیں۔ وہ گزرتے وقت کے ساتھ اسے اپنی زندگی کا ایک ایک سچ بتاتی گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ ایسا کیوں کر رہی ہے بس آج دل ہو رہا تھا ایسا کرنے کو، دکھ سہہ کر کہہ دینے کو اور سامع کی ہمت تو دیکھو اس نے ایک بار بھی اسے نہیں ٹوکا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے سنتا گیا، اس کے درد کو سہتا گیا۔

"میں روز کہتی ہوں خود غرض بن جاؤں انکار کر دوں، مت خود کو تھکاؤں لیکن ہر روز اس بات کو ٹھکرا دیتی ہوں۔ تم کہتے ہو نا کہ میں لالچی ہوں کاش میں لالچی ہوتی تو شاید آج میری زندگی یوں کیڑوں سی نہ ہوتی۔" وہ کتنا رو چکی تھی۔ وہ اس سے زیادہ مزید رو سکتی تھی۔

"تم کہتے ہو مجھے پیسے کمانے کا جنون ہے۔ یہ جنون نہیں مجبوری ہے۔ روز مجھ سے بڑی رقم کی ڈیمانڈ کر دی جاتی ہے۔ روز مجھے کہہ دیا جاتا ہے اتنے پیسے بھیج دو۔ میں انسان ہوں نوح، تھک جاتی ہوں ٹوٹ جاتی ہوں۔ وہ لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔"

کوئی جان سکتا تھا مست ملنگ سی یہ لڑکی اندر سے کتنی دکھی ہے۔ کوئی مان سکتا تھا دوسروں کو خوشیاں تقسیم کرنے والی خود کتنی محروم ہے۔ وہ کھڑا ہوا۔ ایک سیڑھی نیچے اترا اور پھر دوسری، تیسری پر پاؤں رکھنے کے بعد وہ مڑ گیا تھا۔ فلک کی سرخ آنکھیں، لرزتی تھوڑی اور متورم چہرہ اس کی نظروں میں آن سمایا۔ وہ اس سے ایک سیڑھی نیچے پنجوں کے بل بیٹھا۔ آنکھیں اسی پر ٹکی تھیں۔

"تمہیں معلوم نہیں تم کتنی عظیم ہو۔ اپنے دل کو مت تھکاؤ۔ یہ لمحہ یہیں قید ہو گیا۔ اسے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ فلک۔" وہ اس کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوا تھا۔

"تم ایک باہمت لڑکی ہو۔ تم جیسا کوئی نہیں ہے۔ مجھے خود پر فخر ہے کہ میں تمہارا دوست ہوں اور اب شاید تم اس مقام سے بہت اوپر چلی گئی ہو، وہاں جہاں کوئی نہیں ہو سکتا۔"

اسے آج وہ دل کے بے حد قریب لگی اتنی کہ اس کی خوشی کے آگے وہ اپنی خوشی بھی تیاگنے کو تیار تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"مہمت سے لڑائی ہوئی ہے تمہاری جانتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے لیے دل سے راضی ہے تو تم بھی اس کیلئے راضی ہو جاؤ۔ ہاں کہہ دو اسے۔ زندگی بار بار ایسے موقعے نہیں دیتی۔ قسمت بار بار ایسے انسان سامنے نہیں لاتی۔ مت ابہام کو پالو دل میں، مت غم کو اندر رکھو، خود کو نوح جبران نہیں بناؤ ورنہ تم نے بھی خالی ہاتھ ہی رہ جانا ہے۔" وہ متورم آنکھوں سے روہانسے چہرے والے کو دیکھے گئی۔ اس

کی آواز کیسی سوز بھری تھی نا جیسے کوئی پرانا کرس شدہ سنگیت ہو، کسی کی موت پر بجتی دھن، محبت کے بچھڑنے پر چھڑتا راگ۔ دل کو مارتا الاپ۔

"میں تمہارے گھر والوں کی برائی نہیں کروں گا بس یہ کہوں گا کہ جو آپ کو فار گرانٹڈ لے وہ کبھی آپ کا اپنا نہیں ہو سکتا۔ کبھی آپ کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ تم محنت کرو کہ یہ اچھی بات ہے۔ لیکن خود کو تباہ مت کرو۔ اتنا کماؤ جتنا آسانی سے کما سکتی ہو۔ بس اپنی ہستی کو مت کھو فلک، کہ اگر اس دنیا میں رونق وابستہ ہے تو تمہارے وجود سے ہے۔ اس کی رونق ماند مت کرو۔" اس کی آنکھوں کا پانی نوح کی آنکھوں میں آ گیا تھا۔ اس کے بدن کا درد نوح کے بدن میں اتر گیا۔ اس کے چہرے کی روہانسیت نوح کے چہرے پر آن سمائی تھی۔ وہ اسی روہانسیت کے ساتھ مسکرایا۔

"تم تو بہتی کہکشاں ہو خود کو چمکنے دو، بہار ہو، مہکنے دو خزاں مت طاری کرو خود پر، تمہیں تو ابھی عمریں گزارنی ہیں۔ خوشیاں نہارنی ہے۔ مجھے اپنے جیسا بنانا ہے۔ ہماری ڈیل ہوئی تھی نا تو پھر ابھی سے ہار کیوں۔" اس کی آنکھ سے پھر سے آنسو بہا تھا جسے اس نے جلدی سے آستین سے پونچھ دیا۔ ان کے سر پر موجود سیاہ آسمان مدھم تاروں بھرا تھا۔ برف گر کر تھم گئی تھی۔ سب سفید ہو چلا تھا۔

"تمہیں تو ہر موڑ پر جیتنا ہے، ہنسنا ہے۔ سب مشکلات کو پس پشت ڈال کر بس آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ ہے نا۔۔۔۔ میں نے کہا ہے نا؟" فلک نے بھنچے لبوں، بل دار ماتھے اور آنسوؤں سے جڑی پلکوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"گڈ گرل، تم واقعی سٹون گرل ہو۔ مجھے بے حد فخر ہے کہ میرا واسطہ ایک مضبوط اور ذمہ دار لڑکی سے پڑا ہے۔" وہ اس کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کتنا اچھا کر رہا تھا نا۔

"چلو آجاؤ بہت اداسیوں میں بیٹھ لیا اب چلتے ہیں۔" وہ کھڑا ہو چکا تھا فلک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ کتنا دور اور نا قابل تسخیر تھا۔ اس کی پہنچ سے بہت بہت دور مگر پورا پورا اس کا منتظر، وہ کھڑی ہو گئی۔

"ویسے تم ٹھیک کہتی ہو تمہاری آنکھیں بلی آئلش جیسی لگتی ہیں بلکہ اس سے بھی خوبصورت۔" وہ روتے روتے یکدم ہنس دی۔ یہ دھوپ چھاؤں سا منظر نوح کے دل پر ثبت ہو گیا۔ اس نے دل سے اس کی دائمی ہنسی کی دعا کی۔

"وہ خوبصورت ہے؟" آنسو گھلی آواز کے ساتھ فلک نے استفسار کیا۔

"تم سے کم۔" مسکراتے ہوئے وہ اس کے چلنے کا منتظر تھا۔ فلک ایک بار پھر ہنس دی تھی۔ نوح گہرا سانس بھر کر اسے دیکھتا رہا پھر لب بھینچ کر سائیڈ پر ہوا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

ناچاہتے ہوئے بھی اسے دیکھ کر اس نے سیڑھیوں سے قدم نیچے اتارے۔وہ جب تک اس سے ایک قدم آگے نہیں گئی تھی نوح نے راہ نہیں پکڑی تھی۔وہ اس کے آگے چل رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے تھا۔وہ تاحیات اس کے پیچھے چل سکتا تھا۔تھکے ہارے آگے بڑھتے چھوٹے قدم،سسکیاں و آہیں،مایوسیاں و مدھم صدائیں پیچھے چھوٹ گئی تھیں۔شاید ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

کچن کا حال برا تھا۔

یہ ویک اینڈ کا دن تھا۔کرسمس سے پہلے سورج رج کر اپنا دیدار کرنا چاہتا تھا اس کے بعد تو اس نے ایسا چھپنا تھا کہ فروری کے بعد ہی نظر آنا تھا۔آج بھی گلاسگو میں سنی ڈے منایا جارہا تھا۔چونکہ ویک اینڈ تھا اس لیے گھر میں شور اور ہلا گلا زیادہ تھا۔سیرا دونوں بازو چڑھائے کچن میں گھسی پاکستانی کھانا بنانے میں مگن تھی۔لسٹ چاچو کی جانب سے آئی تھی۔نلی نہاری،بادامی قورمہ،بریانی،تندوری روٹی،فیرنی،پستہ کھیر،رائتہ،سلاد،دم قیمہ،کباب اور بلابلا۔سیرا نے آنکھیں پھاڑ کر غفران کو دیکھا جو سیاہ جینز کی جیب میں ایک ہاتھ ڈالے دوسرے سے اپنی ناک رگڑ رہے تھے۔

"چاچو، یہ کیا پوری برات کا کھانا ہے؟"اس نے صدماتی آواز کے ساتھ پوچھا۔ غفران نے تھوڑا سا رخ موڑ کر نظروں کے تیر کولاؤنج میں بیٹھے اس لڑکے کی جانب کیا جو اخبار پڑھنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"توہین مت کرو۔"انہوں نے خود کو واپس سیدھا کیا۔"ہم پاکستانیوں کی براتوں میں اس سے زیادہ کھانا ہوتا ہے اور اے نکمی لڑکی۔"سیر انے احتجاج میں منہ بناتے ہوئے پاؤں پٹخے تھے۔اس کے ماتھے پر بل تھے اور ہونٹ اوپر کو اٹھے ہوئے۔یہ چاچو میں مائیر کی روح کہاں سے گھس گئی تھی۔وہ پیر پٹخنے لگی۔

"تھوڑا ہاتھ پاؤں ہلانا بھی سیکھو ورنہ تمہارے ہونے والے پیٹو شوہر نے چار دن میں ہی دنیا کو خیر باد کہہ دینا ہے۔"نوڈلز چباتے مائیر کو اچھو لگا تھا۔اس نے جلدی سے پانی پی کر سینہ سہلایا۔

"استغفر للہ، مریں میرے دشمن، خبر دار جو آئندہ مجھے اس طرح کی باتوں میں گھسیٹا تو۔"اس کے تو منہ کا ذائقہ ہی پھیکا ہو گیا تھا۔کہاں وہ اتنے ذبردست مینو پر خوش ہو رہا تھا اور کہاں یہ منحوس باتیں،اس نے جھرجھری لی۔

"چاچو مجھے نہیں آتا یہ سب بنانا ٹرسٹ می۔"اس نے منمناتے ہوئے بڑی بڑی چمکدار آنکھیں ان پر ٹکائیں جن میں تارے جل بجھ رہے تھے۔

"پھر تو تمہیں اپنی جینڈر پر افسوس ہونا چاہیے۔وہ عورت ہی کیا جسے کھانا بنانا نہ آئے۔"سیر ابری طرح روہانسی ہوئی۔وہ اسی روہانسیت سے پھر سے احتجاج کر رہی تھی۔

"چاچو۔۔۔۔"توقف۔"کسٹرڈ بنانا آتا ہے۔وہ بنادوں۔"غفران نے پینٹ کی جیب سے ہاتھ باہر نکالا پھر اسے جھلاتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ہونہہ،غریبوں کا میٹھا تمہیں ہی مبارک ہو۔"وہ کاؤنٹر سے ہٹ گئے۔مڑے،پھر تھم گئے۔ان کے رکنے کی وجہ مائیر کا لقمہ تھا،بدمزہ بے کار سا لقمہ۔

"چچ چچ چچ،کیسا دور آگیا ہے۔اب کھانوں میں بھی تقسیم ہوا کرے گی کہ یہ غریبوں کا اور یہ امیروں کا اف خدایا بس قیامت کی دیر ہے۔اوہ سوری سوری معذرت،آپ کو تھوڑی نہ کہہ رہا ہوں میں،کہہ سکتا ہوں بھلا،امن کے خیر خواہ امن،امن۔"غفران سے اس کی بک بک برداشت نہیں ہوئی تو انہوں نے نائف اسٹینڈ سے تیز دھار چھری اٹھائی اور اس کی جانب جارحیت سے بڑھے۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس بے وقت انسان کا خون کر دیں۔

"اپنی چونچ بند رکھا کرو تم کسی دن میرے ہی ہاتھوں سے قتل ہوگے۔"وہ صوفے کی پشت سے چپکا نوڈلز کے باؤل کو منہ کے سامنے کیے بیٹھا تھا۔اس کی رگ شرارت کبھی نہیں رکتی تھی۔زبان چلتی ہی رہتی تھی چاہے جیسی بھی صورتحال ہو۔

"یعنی آپ اپنی بیٹی کو رخصتی سے پہلے بیوا کریں گے۔ سیرا، تم پر میرے علاوہ ہر مرد حرام ہے خبردار اگر جو تم نے میرے بعد کسی اور مرد کی جانب نگاہ بھی اٹھائی تو میری روح تمہارا جینا حرام کر دے گی۔" سیرا نے چھت کی طرف منہ کر کے صبر بھرا سانس بھرا۔ کن جو کروں میں پھنس گئی تھی وہ۔ غفران نے بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا تھا۔

"یعنی طے ہوا یہ آدمی مجھ سے ہی مرے گا۔" مائیر نے اپنے برابر بیٹھے اخبار پڑھتے نمونے کو ٹانگ ماری۔ نوح نے تیر کمان اٹھا کر اخبار کا کونہ سمیٹا۔

"گواہ رہنا اس شخص نے مجھے قتل کی دھمکی دے ہے۔ مجھے سخت پروٹیکشن کی ضرورت ہے۔" غفران نے دانت پیستے ہوئے خود کو وہاں سے غائب کرنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ واپس کچن میں آ کر نائف اسٹینڈ میں چھری کو رکھ رہے تھے۔ رکھنے کے بعد انہوں نے بڑے ہی افسوس سے سیرا کے شانے کو تھپکا تھا۔

"اللہ آپ کو صبر اور ہمت دے میرے بچے۔" مائیر کی ہانک غفران کا نشانہ۔

"ہا، دلاسہ تو ایسے دے رہے ہیں جیسے بیچاری کے چاچو دار فانی سے کوچ۔" اس کی بات حلق میں ہی تھی جب غفران نے پلاسٹک کی پلیٹ اٹھا کر اس کی سمت اچھالی تھی۔ ان کا نشانہ لگنے سے پہلے ہی وہ

اسے ڈاج کر چکا تھا۔ غفران بیلنا لے کر اس کے پیچھے لپکے۔ نوح اخبار کو تہہ کر کے حیران و پریشان کھڑی سیرا کے پاس آیا۔ اس نے بھی تسلی آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپکا تھا۔

"ہم واقعی ابنارمل لوگوں کے درمیان رہتے ہیں۔" وہ اسے اس بات سے آگاہ کر رہا تھا جسے وہ ڈے ون سے جانتی تھی۔ اس نے بھی جھرجھری بھری۔

"چاچو کا دل ہے اس مینیو میں، ہم ان کی چاہ ضرور پوری کریں گے۔ یوٹیوب نکالو وہی ہماری مدد کرے گا۔" سیرا نے جلدی سے یوٹیوب آن کی۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ لوگ سامان کی لسٹ بنانے کے بعد سپر اسٹور میں موجود تھے۔ فلک ریک میں سبزیاں رکھتے ہوئے مڑی۔ اس کی نظروں کے سامنے پنار کھڑے تھے۔ پنار سے پیچھے وہ دونوں بہن بھائی جن کی وہ پشت دیکھ سکتی تھی۔ خوش و خرم سے وہ دونوں بل بنوانے کیلئے وہاں موجود تھے۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" پنار وہ انسان تھے جنہیں وہ اپنے باپ کی طرح سمجھتی تھی۔ ان کی بے حد عزت کرتی تھی۔ انہیں بے حد پسند کرتی تھی۔ انہوں نے بھی تو بیٹی کی طرح ہی اس کا خیال رکھا تھا۔ قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ سر پر نیلی پی کیپ جمائے ان کے ساتھ باہر آگئی۔ سڑک کنارے بچھے بینچوں میں سے ایک کو انہوں نے سنبھالا تھا۔

"کام کیسا جا رہا ہے؟" ان کے سوال پر فلک مسکرائی تھی۔

"بہت اچھا۔" ان کے آگے سے لوگ آجا رہے تھے۔ خوشی کے علاوہ کم ہی پنار کہیں نکلتے تھے۔ آج یہاں تھے تو ضرور کوئی خاص بات تھی۔

"تمہاری باس تمہیں تنگ تو نہیں کرتی ویسے میں نے اسے سخت ہدایت دے رکھی ہے کہ میری بیٹی کو وہ زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔" ان کے لہجے کا پدرانہ پن دل کو پگھلا دینے پر مصر تھا۔ وہ تو اول روز سے ہی ان کیلئے پگھلی ہوئی تھی۔

"وہ آپ کی ہدایت پر سختی سے عمل کر رہی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کا دل بھر رہا تھا۔ مگر ساتھ ساتھ خطرے کی گھنٹی بھی تھی جو چہار سو بجے جا رہی تھی۔ وہ پنار کی آمد کا مقصد سمجھ رہی تھی۔ کاش سب اس کی توقع کے برخلاف ہو۔ کاش وہ بات نہ ہو جو اس کے دماغ میں آن سمائی ہے۔

"اچھی بات ہے۔" کہنے کے بعد وہ کچھ دیر چپ ہوئے اس کے بعد گہرا سانس بھر کر سر اٹھایا۔

"فلک بچے، میں گھما پھرا کر نہیں بلکہ نقطے کی بات کرنے والا بندہ ہوں۔ میں آج یہاں تم سے تمہارا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ کیا تم میرے مہمت کی دلہن بنو گی؟"

مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھتے نوح کے قدم یکدم پتھر کے ہوئے تھے۔ اس کا دل لمحے بھر کو رک گیا۔

ہر سو شور تھا۔ تالیوں کی گونج تھی۔ اسپاٹ لائیٹ صرف اسی پر تھی۔ اس کے دائیں بائیں کھڑے باقی لوگ پس منظر میں چلے گئے تھے۔ صرف رنرز اپ باقی رہے تھے۔ وہ بھی کسی سائے کی طرح ہی اس کے عقب میں معلوم ہو رہے تھے۔ وہ جیت گیا تھا۔ جیت کا میڈل اس کے گلے میں پہنا دیا گیا۔ اسے یقین تھا جس طرح آج وہ جیتا ہے اسی طرح باقی ماندہ محاذ پر بھی جیتے گا۔ وہ خوش تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ خوف زدہ بھی، انہیں خوف زدہ سے جذبات کے ساتھ وہ اگلے دن اس لڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ جینز کی جیب میں انگوٹھی تھی۔ نچلہ لب دانتوں میں جکڑا تھا۔ اعلیٰ صبح کا وقت تھا۔ کمر کے گرد ایپرن باندھے وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ میزوں کو صاف کرنے میں مگن تھی۔ اس کی موجودگی سے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ماتھے پر بل تھے بے تحاشہ تھے۔ چہرہ سخت تھا، بے حد تھا۔

"فلک۔" اس نے بہت ہمت مجتمع کر کے اس کو پکارا تھا۔ پچھلے پانچ منٹ سے اس کا وجود نظر انداز ہو رہا تھا۔ پچھلے پانچ منٹ سے وہ خود کو سنبھال رہا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی مہمت پنار، بہتر ہو گا تم میرے راستے میں نہ آؤ۔" سرد آواز، سرد لہجہ، انجان سی وہ۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے اگر میں تمہیں چاہتا ہوں۔" فلک نے نرم سا کپڑا زور دار انداز میں میز پر دے مارا، ہاتھ سینے پر بندھ چکے تھے۔ مہمت کے الفاظ اس کے لبوں میں ہی رہ گئے۔ وہ یکدم بری طرح گھبرایا تھا۔

"سن رہی ہوں۔ کہو، سب کہہ دو۔" مہمت نے لب بھینچتے ہوئے چہرے کو دوسری جانب کیا۔ خوشی اس وقت خالی تھی۔ صرف وہ دو وہاں موجود تھے۔ پنار بھی ابھی تلک نہیں آئے تھے۔ متھ کچن میں سب کچھ سمیٹتے ہوئے ان کی بحث با آسانی سن سکتا تھا۔

"پہلے دن سے۔" اس نے کہنا شروع کیا کیونکہ وہ جان گیا اگر اب نہیں کہے گا تو کبھی نہیں کہہ پائے گا۔ "جب تم مجھ سے ٹکرائی تھی، تمہیں پسند کرنے لگا تھا۔ تم یہاں میرے اصرار پر ہی اپائنٹ ہوئی تھی کیونکہ میں تمہیں روز دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے پتہ نہیں چلا کب وقت گزرا اور کب میں تم میں گرفتار ہو گیا۔ فلک۔" اس نے بلا آخر اس لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا جہاں پانی کی تہہ کے کچھ نہ تھا۔

"یہ سچ ہے کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں شاید اتنی جلد بازی نہ کرتا لیکن مجھے خدشہ ہو رہا ہے کہ تم مجھ سے دور جا رہی ہو۔ میں بس اتنا ہی کہوں گا اور چاہوں گا کہ تم یہ۔" اس نے نیلے رنگ کی مخملی ڈبیا نکال کر میز پر رکھی۔ فلک نے اس ڈبی پر نگاہ غلط بھی ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

"اسے قبول کر لو۔" فلک کی آنکھ سے دو چار احساس کے موتی ٹوٹ کر گرے۔ اس لڑکی کی آنکھ سے اشک کو بہتے دیکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے جو کبھی کسی کے سامنے نہ روئی ہو۔ وہ روئی نہیں تھی۔ سپاٹ چہرے سے دو چار احساس کے موتی گرا بیٹھی تھی۔ جسے اس نے جھٹکے سے آستین سے رگڑ کر پونچھا۔ اب وہاں فقط خالی آنکھوں اور تھوڑے گیلے گالوں کے اور کچھ نہ تھا۔

"ہم دونوں صرف دوست تھے۔" اس نے زور دے کر باور کروایا۔ "اور تم نے اس ڈیفی نیشن کو غلط رخ دے دیا۔ بہت برا کیا۔" وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ اچھے تاثرات نہیں تھے۔ مہمت کو دل سے لی ہوئی انگوٹھی کو یوں نظر انداز کرنا از حد کھلا، اس کے دل میں کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔

"کیا برا کیا میں نے فلک، کسی کو چاہنا کب گناہ ہونے لگا؟" فلک نے میز کے کنارے پر زور سے ہاتھ مارا، اسے تکلیف ہوئی تھی مگر لاپرواہ رہی۔

"گناہ۔۔ تم نے مجھے سب کے سامنے رسوا کر دیا۔ اگر پرپوز کرنا تھا تو یوں منہ در منہ کرتے پوری دنیا کے سامنے حدود سے پار تصویر بنا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم مہمت پنار کہ تمہاری محبت خالص ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہاں کے لوگوں کی محبتیں کبھی خالص نہیں ہوا کرتیں۔ کبھی بھی نہیں اور تمہیں یہ خوش فہمی کب سے ہوئی۔ تم نے کب سے مجھے ان باقی لڑکیوں کی طرح سمجھنا شروع کر دیا

جو تمہاری زندگی میں آتی رہیں۔ان میں سے بھی کچھ کے ساتھ تم شادی کے دعویدار تھے نا۔"

اسے غصہ آرہا تھا۔بے حد غصہ،وہ جتنے بھی لوگوں کو جانتی تھی جو بھی مہمت سے واقف تھا۔جو بھی کل سے اس سے ٹکرا رہا تھا بس ایک ہی بات کیے چلا جارہا تھا۔اس کی ذات مشکوک ہو کر رہ گئی تھی۔وہ سب مہمت اور اس کے رشتے کو اب غلط نظروں سے دیکھنے لگ گئے تھے۔وہ اسے اس کی گرل فرینڈ ماننے لگ گئے تھے۔ان لوگوں کیلئے یہ سب نارمل تھا مگر اس کیلئے نہیں،اگر پاکستان میں کسی کو معلوم ہو گیا تو کہاں تک اور کس حد تک اس کو غلط سمجھا جائے گا اس کا اندازہ اسے اچھے سے تھا۔اسی چیز کو سوچ سوچ کر وہ کل سے پریشان تھی۔اس کی رات اسی وجہ سے آنکھوں میں کٹی تھی۔

"فلک تم مجھے کس طرح کا انسان سمجھ رہی ہو۔ٹھیک ہے میری کچھ دوستیاں رہ چکی ہیں اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ میں۔"اس نے پھر سے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔پہلے سے زیادہ درشتی سے کی۔وہ آج اپنے حصے میں قطرہ قطرہ گناہ لکھوا رہی تھی۔نمبر ایک دل توڑنے کا گناہ جس کیلئے وہ مجبور تھی۔نمبر دو بات کاٹنے کا گناہ جو اس کے بس میں تھا۔

"مہمت پنار میں تمہارے پرپوزل کو رد کرتی ہوں۔تمہاری کردار کشی نہیں کروں گی لیکن تمہیں انکار ضرور کروں گی۔"ہاتھ میں پکڑی سلیب پر یکدم متھ نے سر ٹکایا تھا۔مہمت کے ہاتھ پاؤں اس

کے انکار سے سن ہو گئے۔ وقت گزرتا گیا۔ وہ اسے چپ چاپ تکتا گیا۔ پھر جیسے اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا تھا۔ اس نے ہاتھ کی مٹھی بنائی اور وہ جملہ کہا جو وہ کبھی کہنا نہیں چاہتا تھا۔

"نوح۔۔ اسی کی وجہ سے ہے نا؟" غلطی ہر انسان کرتا ہے۔ ایک اس سے بھی ہو گئی۔ مگر یہ غلطی تاحیات اس کے ساتھ رہ گئی اگر اس کا ادراک مہت کو ہو جاتا تو وہ کبھی اس کو نہ کرتا۔ فلک کے چہرے پر جیسے کسی نے رکھ کر طمانچہ مارا ہو۔ وہ متحیر آنکھوں سے اپنے دوسرے واحد دوست کو دیکھ رہی تھی جس سے آج کے بعد اس دوستی نے ختم ہو جانا تھا۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

"تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو، تمہارے بیمار دماغ کا کوئی حل نہیں ہے۔" وہ جانے لگی تھی جا نہیں پائی۔ مہت نے اسے ٹوک دیا، روک دیا۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے چھوڑ جاؤ گی۔ تمہیں لگتا ہے تم مجھے چھوڑ دو گی وہ بھی اس تیسرے کے پیچھے تو ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ تم مڑ کر میرے پاس آؤ گی فلک کیونکہ اس پوری دنیا میں میرے علاوہ تمہارا کوئی نہیں ہے۔" وہ مڑی۔ ضبط سے اس کی گردن کی رگیں ابھر گئی تھیں۔ اس نے ایپرن کی گرہ کھول کر اسے میز پر رکھا پھر سر پر سے بھی تکونی رومال اتار دیا۔

"میری دنیا میں اب تم نہیں ہو۔" اس نے تم پر زور دیا تھا۔ مہت کی نیلی آنکھیں سمندر بن گئیں۔

"تمہارے احسانوں کی آخری سانس تک احسان مند رہوں گی مہمت پنار، امید کرتی ہوں آئندہ ہمارا سامنا نہ ہو۔" وہ رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔ ہر بار خوشیاں اس سے دور جاتی تھیں اس بار اس نے یہ راستہ چنا تھا۔ اپنے عقب میں اسے چیزوں کی توڑ پھوڑ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ مڑی اور نہ ہی رکی بس بے سمت چلتی گئی۔

مائی ہوم پراجیکٹ کے تمام نقشے سلیکٹ ہو گئے تھے۔ رامیہ کلپ بورڈ پر لگے رنگ برنگے کاغذوں کو ایک ایک کر کے دیکھ رہی تھی۔ کھلے آسمان تلے وہ آج بھی لیڈیز پینٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے بال درمیان کی مانگ نکال کر بالکل سیدھے ہوتے ہوئے پیچھے کو پونی میں بندھے تھے۔ پونی کریم رنگ کے بلیزر پر پڑی تھی۔ اس کے سر پر چھتری تانے اس کے عقب میں کھڑا مودب سے ادھیڑ عمر آدمی اپنی باس کی آواز کانوں میں سن سکتا تھا۔ اس کی آواز یہ تھی۔

"ایک پوری کالونی بننی ہے، انٹرنیشنل کالونی، وقت کی پرواہ نہیں کریں آپ بس اسے شاندار بنائیں۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ دور تک پھیلے اس قلعے کو دیکھ رہی تھی جو اب ان کی ملکیت میں تھا۔ بہت جلد یہ جگہ اسلام آباد کی مہنگی ترین جگہ بننے والی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اس جگہ کی ترقی دیکھ سکتی تھی۔

"لاگت کا کیا کرنا ہے یعنی سر کہہ رہے تھے وہ اس بارے میں میٹنگ رکھیں گے۔" وہ اپنے اسسٹنٹ کی بات سن رہی تھی قبل اس کے وہ جواب دیتی۔ اس کو فون لا کر دیا گیا۔

"آپ کی کال آ رہی ہے۔" فون ہاتھ میں لیے بنا ہی اس نے اسکرین پر نظر ڈالی۔ احسن رضا کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس نے فون تھام لیا۔ پچھلے کچھ وقت سے ان کے تعلقات میں انوکھی سی کھنک آئی تھی۔ رامیہ اس شخص کو انجوائے کرنے لگی تھی۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کیسے یاد کیا؟" احسن کی آواز میں ہنسی گھلی۔

"ایسے کہ ابھی ایک کانٹریکٹ سائن کر رہا تھا۔ کرنے کے فوراً بعد ہی تمہارا خیال دل میں آ گیا۔ دل نے کہا احسن بیٹا اناللہ پڑھ لو۔" وہ بھی ہنس دی۔ کھنکتی ہوئی ہنسی اس چٹیل میدان میں دور تک پھیلی تھی۔ اس کے گارڈز اور عملہ کی جرات نہیں تھی نظر اٹھا کر اسے دیکھ لیتے۔ وہ ٹہلنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چھتری تھامے بندہ بھی چلنے لگا۔ رامیہ نے رک کر ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور کھلے آسمان تلے آ گئی۔

"اچھا وہ کیوں؟" جان کر انجان بننے کا لطف اسے اب زیادہ مزہ دے رہا تھا۔ وہ بہک رہی تھی۔ وہ سرک رہی تھی۔ ڈگمگا رہی تھی خود کو پھنسا رہی تھی۔

"ہائے، کوئی بے خبر ہو تو آپ جیسا۔" وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رفتہ رفتہ جڑنے لگے تھے۔ رامیہ احسن رضا کی باتوں میں پھنس گئی تھی۔ رامیہ جبران اسے اپنا دل دے بیٹھی تھی۔ آج کی ہوئی طویل گفتگو کے بعد اس نے رات میں جبران کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے فیصلہ کیا تھا۔ وہ اپنے باپ سے کہہ رہی تھی۔

"بابا، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" ڈنر کے دوران وہ سات بجے کی خبروں کو ٹیب پر دیکھ رہے تھے۔ اس کی آواز سن کر انہوں نے پاز کا بٹن دبایا۔

"کہو، میں ہمہ تن گوش ہوں۔" رامیہ نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ دو گھونٹ بھرے اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

"بابا مجھے لگتا ہے احسن اور میری سوچ ملتی ہے یعنی وہ بہت متحرک دماغ کا مالک ہے۔ آگے وقت میں ہم دونوں مل کر بزنس کو خوب ترقی دے سکتے ہیں۔" جبران اس کی بات کا لب لباب سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے بات ختم ہونے کے کافی دیر بعد اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کا کیا نظریہ ہے اس بارے میں؟" رامیہ نے شانے اچکا کر اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"وہی جو میرا ہے۔" جبران نے لب بھینچ لیے۔ وہ احسن کے باپ سے واقف تھے۔ ان کی بیوی اور نعیم کے درمیان چند دنوں کا افیئر اب بھی ان کی یادوں میں تازہ تھا۔ وہ کسی ایسے انسان سے اپنی بیٹی

کی شادی کیسے کر دیں جس کے باپ کا کردار ٹھیک نہ ہو۔ انہوں نے رامیہ کے چہرے کی جانب دیکھا۔ یہ لڑکی ہمیشہ وہ کام کرتی تھی جس میں جبران کی جانب سے ناہوتی تھی۔ ان کے درمیان تعلق یوں بھی کچھ خاص اچھا نہیں تھا اور اب یہ معاملہ، انہوں نے صاف گو اور دوٹوک ہونا مناسب سمجھا، انہوں نے رامیہ پر سب کھول دینا مناسب سمجھا۔

"میں ہاں تو کر دوں لیکن آپ کو بھی اس بات پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ آپ کی ماما اور احسن کے والد کچھ دن ایک دوسرے کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ یہ بات میرے خیال سے قابل غور ہے۔" رامیہ کے حلق میں چکن کا ٹکڑا پھنس گیا۔ پھانس اتنی زیادہ تھی کہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں نادیدہ سا پانی ابھر آیا۔ اس نے نامحسوس انداز میں پانی اٹھا کر پیا۔

"مجھے۔۔" پھانس کی وجہ سے اسے بولنے میں دشواری ہوئی۔ "مجھے احسن سے شادی کرنی ہے۔ اس کے والد کے ماضی سے نہیں اور یوں بھی مجھے روایتی شادی بالکل پسند نہیں ہے۔ ہم دونوں نکاح کریں گے اور بس۔" جبران کے لب بالکل آپ میں سل گئے۔ وہ کیا کہتے، وہ کیا کہہ سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے منع کریں گے تب بھی وہ وہی کرے گی جو وہ کہہ چکی تھی۔ ضد اور ہٹ دھرمی اس کے وجود کا حصہ تھی۔ وہ رات جبران نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ انہیں احسن بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ اس لڑکے کی آنکھوں کی مکاری سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے احسن فقط رامیہ کے رتبے کی وجہ سے اس کی جانب مائل ہوا ہے۔ وہ، وہ اسٹیٹس حاصل کرنا چاہتا ہے جو رامیہ کے پاس ہے۔ وہ

اس کے ساتھ مخلص نہیں رہے گا۔ وہ جلد یا بدیر اسے چھوڑ دے گا۔ اس بات کا ادراک انہیں ہو گیا تھا لیکن کیا ان کی اولاد اس بات کو سمجھے گی۔ کیا وہ ان کی بات کو عزت دے گی۔ اسے سننا ہو گا۔ ہر حال میں سننا ہو گا۔ اگر وہ نہیں سنے گی تو بڑے خسارے میں رہے گی اور لو دیکھو وہ خسارے میں ہو گئی۔ ناشتے کی میز پر رامیہ نے ایک کاغذ اپنے باپ کی جانب بڑھایا۔ جبران انجان پنے سے اس کاغذ کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے رات کو احسن سے اس بارے میں بات کی تھی۔ ہمارے درمیان معاملات طے پائے اور پھر ہم دونوں نے آپسی رضامندی سے فجر کی نماز کے بعد نکاح کر لیا۔ وہ آج مجھے لینے آئے گا اور کل ایک ڈنر ارینج کرے گا۔ آپ ضرور آیئے گا۔" ان کی آنکھوں کے سامنے سفید کاغذ سیاہ میز پر اکڑا پڑا تھا۔ جبران کی آنکھوں میں حیرت کا عنصر غالب ہوا اس کے بعد دکھ اس میں ٹھاٹھے مارنے لگا۔ وہ لاجواب ہوئے تھے بے حد لاجواب، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا یہ سب ہو گیا ہے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا یہ سب اتنی جلدی ہو گیا ہے۔ ابھی کل ہی تو اس نے بات کی تھی اور اب۔۔۔

"ہر معاملے کو پھونک پھونک کر سرانجام دینے والی میری بچی اتنی جلد باز نکلے گی مجھے امید نہیں تھی۔" ان کے لہجے میں دکھ تھا، کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ رامیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پانی کا گلاس پیا اور کرسی کھسکا کر اٹھ کر چلی گئی۔ جبران دل مسوس کر رہ گئے تھے۔ ان کی بیوی گھر نہیں تھی۔ ان کی بیوی بلکہ اس ملک میں ہی نہیں تھی۔ ان کے دو بچے بیرون ملک کافی عرصے سے

تھے۔ان کی ایک بیٹی جوان کے قریب تھی قریب ہوتے ہوئے بھی دور تھی۔اور اب زندگی کا اتنا اہم فیصلہ وہ خود کر بیٹھی تھی انہیں بتا رہی تھی تو اتنی آسانی سے جیسے یہ کوئی روٹین ورک ہو۔ جبران سے نوالہ نہیں چبایا گیا۔ان کے دل کے اندر رفتہ رفتہ کچھ چھن کر ٹوٹ رہا تھا۔اور وہ خاموش تنہا میز پر بیٹھے اس چھنک کو سنے جا رہے تھے۔لیکن بے بس تھے،بے حد بے بس۔

"مجھے ڈارک چاکلیٹ بھی لینی ہے۔"

وہ چپ سا انسان جس کی کبھی کسی سے نہیں بنی تھی۔جس کو سب سے جدا رکھا گیا تھا۔جسے بتایا گیا تھا کہ وہ کسی کا بھائی نہیں ہے کوئی اس کی بہن نہیں ہے۔بچپن سے ہی اس لڑکی کی عنایتوں سے لبریز رہا تھا۔وہ چھوٹی سی لڑکی جس کی دو ٹیڈی بیئر والی پونیاں ہوتی تھیں چپکے سے سرونٹ کوارٹر آتی اور اس کے سرہانے ڈھیر ساری چاکلیٹیس رکھ جاتی تھی۔کبھی کوئی کھلونا تو کبھی کوئی اور کھانے کی چیز۔بچپن میں جب کبھی اس سے غلطی ہوتی تو اسے سزا دی جاتی تھی۔تنزیلہ اور جبران اس سے ہر وقت نالاں رہتے تھے۔وہ چپکے چپکے جب روتا تھا تب وہی بچی اس کو بہلا دیا کرتی تھی۔ایک آیا جو اس کیلئے تعنیات کی گئی تھی اس سے بے حد بے زار تھی۔اس نے ہر ایک سے ہی بے زاریت لی تھی۔وہ ہمیشہ سے بے زاریت لیا کرتا تھا۔لیکن پھر اسے مہربان بازو ملے۔غفران نے اسے سمیٹ

لیا۔اسے پڑھایا لکھایا ایک مہذب انسان بنایا۔غفران اگر اسے نہ سمیٹتے تو وہ کسی زہریلے خودرے پودے کی طرح پروان چڑھتا۔نفرتوں میں بجھا ہوا انسان بنتا۔

سیرا کی بات پر اس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔چاکلیٹ سے اسے بہت سی یادیں یاد آگئی تھیں۔کچھ تلخ تو کچھ خوبصورت،وہ ٹرالی اس کے حوالے کر کے جونہی مڑا فلک اسے وہاں سے جاتی ہوئی نظر آئی تھی۔نوح چاکلیٹ کا پیکٹ اٹھا کر سیرا کے پاس آیا۔لائن لمبی تھی پانچ منٹ تو لگنے ہی تھے۔ اس لیے وہ چپکے سے دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر باہر آگیا۔اسے زیادہ تردد نہیں کرنی پڑی تھی۔وہ اسے کسی باریش بزرگ کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی نظر آگئی۔مسکراتے ہوئے وہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا جب یکدم زمین نے اس کے قدم پکڑے تھے۔دل لمحہ بھر کو تھم گیا۔اس کی سانس حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔

"فلک بچے،میں گھما پھرا کر نہیں بلکہ نقطے کی بات کرنے والا بندہ ہوں۔میں یہاں آپ سے آپ کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔کیا آپ میرے مہمت کی دلہن بنو گی؟"نوح نے بہت دھیرے سے سانس لیا تھا۔اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔وہ فلک کی خوشی میں خوش رہ گا تو پھر یہ درد کیسا تھا جو اس سوال پر جاگا تھا۔اسے لگا اس کے وجود کے ساتھ اس کا چہرہ بھی نیلا پڑ رہا ہے۔اس نے اپنا نچلہ لب سختی سے دانتوں میں جکڑ لیا۔اتنی سختی سے کہ ہونٹ کے اندرونی حصے میں سے دانتوں کے دباؤ کی وجہ سے

ننھے ننھے خون کے قطرے ابھر گئے تھے۔ وہ فلک کو دیکھ سکتا تھا۔ سن سکتا تھا۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی دل کی زباں نہیں سن سکتی تھی۔ وہ پنار کو کہہ رہی تھی۔

"پنار انکل، آپ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ آپ مجھ سے جان کا مطالبہ کرتے تو وہ بھی حاضر تھا۔" اور نوح کا سانس لمبے عرصے کیلئے تھم گیا۔ اسے عجیب سی تکلیف کا احساس ہوا۔ اس تکلیف سے نجات کیلئے اس نے خود کو موڑا تھا کہ ایک یہی حل تھا جو اس وقت ممکن تھا۔

"لیکن۔" اس نے اٹکے ہوئے سانس سے قدم بڑھائے۔

"لیکن یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ مہت۔۔۔۔ میں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ رکا، اس کے ساتھ ہی اس کا رکا ہوا سانس بھی بحال ہو گیا۔ دانتوں کی قید سے لب آزاد ہوا تھا۔ خون حلق میں گھل گیا۔

"وہ میرے لیے ہمیشہ سے میرے بھائی کی طرح رہا ہے۔ میں نے کبھی بھی اس کے بارے میں اس طرح سے نہیں سوچا اور دوسرا میں یہاں صرف کام کیلئے ہوں۔ میرے گھر والے مجھے اس چیز کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ آپ میری پوزیشن کو سمجھیں۔ پلیز۔" پنار نے لبوں کو سختی سے بھینچا ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں اپنے جوتوں پر جمی تھیں۔ نوح متحیر انداز میں ایک بار پھر سے مڑا تھا۔ اسے لگا تھا جو اس نے سن لیا ہے وہ غلط ہے۔ اس کا دماغ کا فتور، سرار سماعت کا دھوکا۔

"اگر میں تم سے التجا کروں، اگر میں کہوں کہ تم اپنے فیصلے پر غور کرو اور اگر میں تم سے ایک باپ کی حیثیت سے درخواست کروں، ایک مجبور باپ کی حیثیت سے تو کیا تم اپنے فیصلے میں ردوبدل کر پاؤ گی؟" فلک چپ ہو گئی۔ نوح اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بھانپ رہا تھا۔ اسے جانے کیوں ڈر سا محسوس ہوا۔ اس کے ڈر نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ وہ فلک کو کہتے ہوئے سن رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کافی وقت بعد جواب دیا تھا۔ "ٹھیک ہے میں۔۔۔ میں ایک بار سوچوں گی۔" وہ انہیں انکار نہیں کر پائی تھی۔ ان کے بہت احسانات تھے اس پر، وہ کس طرح سے یوں بے مروت ہو جائے۔ نوح اب کی بار واپس نہ پلٹنے کیلئے مڑ گیا تھا۔ وہ جب اندر آیا تو سیرا کی اسی وقت باری آئی تھی۔ وہ پہلی پروڈکٹ کو ہی اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھنے والی تھی۔ نوح نے اس کے ساتھ چیزیں رکھوانی شروع کیں۔

"آپ ٹھیک ہو بھائی؟" سیرا کو اچانک اس میں غیر معمولی تبدیلی نظر آئی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے وہ ابھی رو پڑے گا۔ وہ بہت خود پر جبر کر رہا تھا لیکن پھر بھی تاثرات چھپانے میں ناکام رہا۔

"ہاں۔" آواز بھی بے ربط سی تھی۔ "سب ٹھیک ہے۔" مسکرایا، بے حد مصنوعی مسکراہٹ۔ سیرا خاموش رہی تھی۔ وہ پورا راستہ نوح کے گردن کی گلٹی کو اوپر نیچے ہوتا دیکھ رہی تھی۔ وہ پورا راستہ اس کی پریشانی کو بھانپ گئی تھی۔ اس کا مظاہرہ اس کی ڈرائیونگ نے کیا تھا۔ دوبار ان کا ایکسیڈنٹ

ہوتے ہوتے بچا تھا۔ گاڑی ڈگمگا رہی تھی۔ بہت بار تو وہ غلط سائیڈ پر مڑ گیا تھا۔ وہ پریشان تھا۔ بے حد تھا۔ یہ اس کا انداز بتا رہا تھا گھر آ کر وہ گاڑی کی ڈگی میں سے سامان نکال رہا تھا جب سیرا نے اسے کہا۔

"ڈنر کی تیاری میں عصر کی نماز کے بعد کروں گی اور ابھی تو ظہر بھی نہیں ہوئی یعنی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ اس وقت میں ہم آرام کر لیتے ہیں۔" نوح کا ضبط اسے بھی کڑے مراحل سے گزار رہا تھا۔ وہ ہولے سے سر ہلاتا اندر گیا۔ سیرا نے پورے راستے دعا کی تھی کہ لاؤنج میں مائیر اور غفران ایک ساتھ نہ ملیں۔ اسے کی دعا رنگ لے آئی۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہ چاہتی تھی نوح جلد از جلد سب سامان رکھ کر اپنے کمرے میں چلا جائے اور ایسا ہی ہوا۔ اس کے جانے کے بعد سیرا ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"ضرور بابا نے فون کیا ہو گا۔ وہ کچھ نہ کچھ ایسا کہہ جاتے ہیں کہ۔" سر مارتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اور اندر نوح بیڈ کے کناروں کو تھامے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔ فلک کی آسانی کیلئے، اس کے سکون کی خاطر وہ دستبرداری حاصل کر لے گا۔ ایک کمزور لمحے کے تحت وہ اسے مہمت سے منسلک ہونے کی تجویز بھی دے چکا تھا۔ وہ لمحہ ادراک کا لمحہ تھا۔ احساس کا لمحہ، جس میں بس پل بھر کو انسان خفیف سا ہو کر، شفاف سا ہو کر اپنے مقصد سے سبکدوشی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے دل میں چاہ نہیں رہتی پھر، وہ سامنے والے کی ہر خوشی کو برحق سمجھ کر کنارہ کر لیتا ہے۔ وہ

لمحہ اس پر سے بھی ہو کر گزرا تھا۔ صد شکر اس لمحے کی قید میں دونوں کی قسمت فی الحال نہیں آئی تھی۔ صد شکر اس وقت وہ حامی نہیں بھر بیٹھی تھی لیکن اب کا کیا؟ آج کا کیا؟

آج تو اس نے کہا تھا وہ سوچے گی۔ وہ ان کے احسانوں تلے دبی تھی۔ وہ یہاں مہمت اور پنار کے توصل سے ہی کام کر رہی تھی۔ اگر اس بات کو بنیاد بنا کر اس نے ہاں کر دی تو؟ وہ دونوں یوں بھی بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں۔ اس دوستی نے کوئی اور راہ اختیار کر لی تو؟ وہ تو اس کے بغیر نہیں رہ پائے گا۔ وہ تو ایک پل کا تصور نہیں کر سکتا کجا کہ پوری زندگی ہی تیاگ دے۔ اب بھی اگر وہ ایک لمحے کو اسے نظر نہیں آتی تو اس کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ دیکھنے کو ایڑھیاں رگڑنے لگتا ہے۔ تو پھر وہ کیسے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دور چلا جائے۔ وہ کیسے اسے کھو دے۔ اسے نے عرق آلود ماتھے کے ساتھ اپنے دل کے مقام کو رگڑا۔ بدترین خدشات نے اس کا دل بری طرح جکڑ دیا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہوا۔ غیر متوازن سانس کو ہموار کر کے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ سامنے تھوڑی دور سیر اخاموشیوں میں غرق بیٹھی تھی۔ غفران صوفوں کے کشنز اٹھا اٹھا کر کچھ ڈھونڈنے میں مگن تھے۔ غالباً آج بھی مائیر نے بورنگ نیوز سے بچنے کیلئے ریموٹ چھپا دیا تھا۔ وہ کشنز کے کوور ہٹانے کے ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑائے بھی جا رہے تھے۔ نوح نے پہل کر کے سب کی توجہ اپنی جانب کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی روح نکل جاتی۔ برین ہیمبریج تو ضرور ہو جاتا۔

"میں سوچتا ہوں ڈنر کی تیاری ابھی سے کر لیتے ہیں۔" بری سوچوں سے بچنے کی ایک یہی تجویز بہتر تھی۔ سیر انے خاموشیوں کے پردے کو چاک کر کے نظر اس پر ڈالی، غفران بھی کشنز پھینکتے ہوئے لمحے بھر کو اس کو نظروں میں لے گئے تھے۔

"لیکن پلان تو عصر کے بعد کا تھا نا۔" اس نے شانوں کو اچکایا۔ صوفے کے نیچے سے غفران کو ریموٹ مل گیا تھا۔ آنکھوں میں فتح کا عنصر لیے وہ دھپ سے صوفے پر گرے تھے۔

"کوئی چیز مجھ سے چھپ جائے ناممکن۔" اپنی فتح کو مناتے ہوئے انہوں نے با آواز بلند کہا تھا۔ ان کی آواز دونوں بہن بھائیوں کے کانوں سے بھی ٹکرائی تھی۔ نوح نے قدم کچن کی سمت موڑے۔

"کوئی حرج نہیں اگر ہم پلان میں تبدیلی کر لیں یوں بھی تبدیلی تو اچھی ہوتی ہے۔" مصنوعی بشاشیت، بے ہنگم سا قہقہہ، الجھا ہوا سا وہ۔

"چلیں جیسا آپ کہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں میں گلوز چڑھا کر کام کرنے میں مگن ہو گئے تھے۔ یوٹیوب سے دیکھ دیکھ کر کھانا بناتے ہوئے انہیں ادراک ہو گیا تھا کہ یہ کام ان کا نہیں ہے۔ کچن کا حال برا تھا۔ بریانی میں ہی ان کی بس ہو گئی تھی۔ نوح نے ویڈیو دیکھتے ہوئے چاولوں کی پرت لگانا شروع کی، سیر ا اتنے میں کباب کا مصالحہ تیار کر رہی تھی۔ اس نے مصالحہ تیار کرتے کرتے تھک کر کہا۔

"یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ ہمیں شدید ضرورت ہے ایک کک کی، مائیر فلک کو کال کرو فری ہے تو آجائے ہماری مدد کرنے۔" چاولوں کی آخری لئیر لگاتے نوح کے ہاتھ سست ہوئے۔ اس کا روم روم سماعت بن گیا تھا۔ وہ مائیر کے جواب کا منتظر تھا۔ شدت سے تھا۔

"جب میری مدد نہیں چاہیے تو میں اسے کیوں بلاؤں۔ اس حدود میں، میں داخل نہیں ہوں گا تو وہ بھی نہیں ہو گی۔ وہ میری پکی دوست ہے۔ ایک دوست کا بائیکاٹ تو دوسری کا بھی۔" وہ سینے پر بازو باندھے نروٹھا سا بیٹھا تھا۔ کتنے شوق و دل سے وہ کچن میں ان کی مدد کروانے آیا تھا اور کتنے ہی سفاک انداز میں ان دونوں نے اسے باہر نکال دیا تھا۔ ظالم دونوں۔

"تمہیں اس لیے نہیں آنے دیا کیونکہ ہمیشہ کی طرح تم نے کام کم اور کھانے میں زیادہ وقت گزارنا ہے۔ اوپر سے تمہارے کلمپسی پن سے ہم اچھے سے واقف ہیں۔ اس لیے اپنا منہ بند ہی رکھو تو بہتر ہو گا۔" سیر اکے سر ہلا ہلا کر کہنے پر اس نے کشن کو مٹھیوں میں بری طرح دبوچ دیا تھا۔ چاچو نے اس کی انہی انگلیوں پر زور سے ریموٹ مارا۔

"فون کرو فلک کو اور اپنی بک بک بند کرو، دوبارہ نہیں کہوں گا میں۔" اس نے زچ آتے ہوئے اسے کال کی تھی۔ اس نے آگے سے کیا کہا اس بارے میں کسی نے بھی نہیں پوچھا تھا اس سے، نوح بڑا ہی خجل ہوا۔ کم از کم مائیر ہی منہ کھول دے کہ وہ آرہی ہے یا نہیں لیکن نہیں فون کروایا اور

معلوم بھی نہیں کیا کہ آخر نتیجہ کیا ہے۔اس نے نلی نہار کی ترکیب سرچ کی،ابھی وہ اس کا سامان کاؤنٹر پر سیٹ ہی کر رہا تھا کہ بیل بج گئی۔ بیل کے بجتے ہی نوح کے دل نے ہچکولہ لیا تھا۔وہ گوشت کو کٹنگ بورڈ پر رکھ رہا تھا جب مائیر کی میت میں چلتی ہوئی وہ اندر آئی۔اس نے واش اینڈ شائن کی یونیفارم نہیں پہنی تھی۔ویلویٹ کا گرے ٹراوزر اور اوپر بڑی کھلی سی رائیل بلیو رنگ کی جرسی پہنی ہوئی تھی۔جرسی پر ایفل ٹاور بنا ہوا تھا۔وہ کپڑے تھرفٹ کرتی تھی یہ اس کا حلیہ بتا دیتا تھا۔سلام کر کے وہ سیدھا کچن میں آئی تھی۔سیرا نے اسے مینیو بتایا پہلے تو وہ چونکی اس کے بعد اس نے جو بات کہی اس نے سب کو چونکا دیا۔سب بری طرح ٹھٹھکے تھے۔سب کی گردنیں ایک ہی زاویے کی جانب اٹھیں۔

"آج کسی کی سالگرہ ہے کیا جو اتنا زیادہ مینیو بنانا ہے۔"نوح کا ہاتھ پل بھر کو رکا۔تین دسمبر،اس کے اندر کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔نظروں کو بلندی پر ڈال کر وہ لاؤنج میں بے نیاز بیٹھے اپنے دوسرے باپ کو نظروں میں لے گیا تھا۔وہ کیسے بھول گیا تھا۔وہ کیسے بھول گیا تھا کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی یہ مینیو اس لیے بن رہا ہے کیونکہ آج اس کی سالگرہ ہے۔آج غفران اپنی پسند کی چیزیں بنوا کر نامحسوس انداز میں اس کے دن کو مناتے تھے۔وہ اسے احساس ہوئے بنا ہی اس کی خوشی اس کا دن منا جاتے تھے۔

"یاوحشت، آج تو اس نمونے کا جنم دن ہے۔"ماحول میں پھیلتی کثافت سب سے پہلے مائیر کے گرد منڈلانے لگی تھی۔اس نے فضول میں ہنستے ہوئے جیسے اعلان کیا تھا۔فلک نے حیران ہو کر گردن اس کی طرف موڑی۔اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔آنکھیں پتھر کی۔جبڑے بھینچے نامحسوس انداز میں اس نے گلوز اتار کر گردن میں سے ایپرن کی ڈوری نکالی۔

"سچ میں،ہیپی برتھ ڈے۔"وہ ایک لے میں کہہ گئی تھی۔ایپرن کاؤنٹر میز پر جا ٹھہرا تھا۔نوح کے قدم باہر کو اٹھنے لگے۔وہ فلک کیلئے مختص ایپرن پہنے کھڑا تھا۔وہ خود کو اس میں ضم کر رہا تھا۔مگر اس کے الفاظ،اس کا انداز بیاں،اس کی خوشی،اس کی چمکتی آنکھیں۔اس کے قدم سست ہوئے ٹھہر گئے مگر آنکھوں میں موجود یاسیت جو ابھی ابھی آئی تھی برقرار رہی۔

"اگر آپ لوگ کیک کاٹیں گے تو میں ضرور آپ لوگوں کو جوائن کرنا چاہوں گی۔"یہ پاکستان نہیں تھا اور نہ ہی انڈیا،یہاں میڈ کو اچھوت نہیں سمجھا جاتا تھا۔یہاں سب دل والے تھے۔دل رکھنا اچھے سے جانتے تھے۔اور وہ تو ویسے بھی اب ایک فرد کی مانند ہو گئی تھی۔سب کو جیسے اس کی عادت سی ہو گئی تھی۔

"اس کیلئے تمہیں گفٹ کا انتظام کرنا پڑے گا۔ خالی خولی ہم کسی کو برتھ ڈے پر نہیں بلاتے۔" مائیر کی ہانک مائیر ہی جانے۔ سیرا دھڑکتے دل سے اپنے تھمے ہوئے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ نظریں ہڈ جرسی کی جیب میں موجود بند مٹھیوں پر جا ٹھہریں۔

"جانے کتنی سختی سے انہیں بھینچا ہو گا۔ کہیں ہتھیلی میں چوٹ ہی نہ لگ جائے۔" وہ تاسف سے سوچ رہی تھی۔ وہ تاسف سے ہی سوچ سکتی تھی۔ ٹھنڈی ٹائلز مزید یخ ہوئیں۔ دل جیسے سرد ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

"ضرور۔" اس کے ضرور نے نوح کے قدموں کو حرکت دی تھی۔ وہ پھر وہاں رکا نہیں کہ اب رکنے کا جواز باقی نہیں رہا تھا۔ سفید ٹائلز برف کے مجسمے سے خالی ہو گئیں۔ فلک کو ماحول میں کچھ تشنگی سی محسوس ہوئی تھی جسے سر جھٹک کر اس نے دماغ سے نکال دیا۔ نوح تب کا گیا پھر نہیں لوٹا تھا۔ اس نے دل جمعی کے ساتھ سیرا کے ساتھ مل کر ڈنر تیار کیا تھا۔ وہ جب پلیٹیں سیٹ کر رہی تھی تو ایک فرمان اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"بچے، ٹیبل لگانے کے بعد آپ بھی ہاتھ منہ دھو کر آجاؤ اور نوح کو بھی بلا دو۔" فلک کے ہاتھ لمحہ بھر کو ساکت ہوئے۔ آنکھوں میں الجھن در آئی۔ سر پر لگا فانوس بہت فرصت سے اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کروانے میں مگن تھا۔

"میں ضرور رکتی۔"اس نے کہنا شروع کیا۔مائیر ہاتھ رگڑتا ہوا میز کی ایک کرسی کھینچ رہا تھا۔"لیکن مجھے اسٹور جانا ہے۔"سیرا نے پانی کا جگ رکھا پھر کرسی کی بیک پر کہنی ٹکا کر اس کی طرف رخ موڑ گئی۔

"کچھ دیر لیٹ ہو جاؤ گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا یوں بھی بہت محنت سے تم نے بنایا ہے تو کھانا فرض ہے۔"وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔چاچو نے ہیڈ کرسی سنبھال لی تھی۔مائیر گھٹنوں پر نیپکن بچھاتے ہوئے گویا ہوا۔

"کمال لڑکی ہو، کوئی مجھ سے اتنا اصرار کرے تو میں تو سب صفاچٹ کر دوں۔"سیر کڑوی نظر اس پر ڈالتے ہاتھ دھونے کچن میں گئی۔اسے وہاں سے فلک کی آواز بخوبی سنائی دے رہی تھی۔وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"مگر یہ آپ کا فیملی ڈنر ہے۔"اس کے عذر کمرے میں ساکت و صامت بیٹھے شخص کی سماعت سے بھی ٹکرا رہے تھے۔وہ صوفے پر میگزین رکھ کر اٹھا۔"کیک کٹنگ سر منی کو جوائن کر لوں گی ابھی آپ لوگ انجوائے۔"اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے وجہ اس کا وہاں آنا تھا۔وہ آیا۔مائیر کے برابر رکھی کرسی کو کھینچا۔اس پر بیٹھا پھر سیاہ رنگ کے کپڑے کے ٹکڑے کو گلاس میں سے نکال کر

گھٹنوں پر بچھانے لگا۔ ایسا کرنے کے بعد اس نے فلک پر ایک گہری نظر ڈالی تھی۔ نظر کا مفہوم تھا وہ بیٹھ جائے۔

"وقت برباد نہیں کرو بچے، رزق کو اتنا انتظار نہیں کرواتے۔" وہ ہار مانتے ہوئے ہاتھ منہ دھو آئی تھی۔ وہ جس کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ جن لوگوں میں بیٹھی تھی۔ جس طرح کی کراکری اس کے سامنے موجود تھی۔ جس قسم کے لوازمات وہاں سجے تھے وہ سب اس کی اوقات سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک ساتھ کبھی اتنی کھانوں کی بہتات نہیں دیکھی تھی۔ تائی امی نے ہمیشہ اسے رات کا بچا کھانا ہی دیا تھا۔ وہ تھوڑا اور بچا کھچا کھانے کی عادی تھی۔ اس نے کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا تھا۔ اس کے پیٹ میں ہمیشہ گنجائش ہی رہی تھی۔ وہ اتنا سب دیکھ کر لمحہ بھر کو آبدیدہ ہوئی تھی اس کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا۔ مسکرا کر اس نے اس ایکسٹرا پلیٹ کو دیکھا جو سیرا نے اس کیلئے رکھی تھی۔ وہ اب سمجھی تھی ان چار میں پانچویں میز وہ کس کیلئے سجا رہی تھی۔ اس نے بریانی کا چمچ لیا لینے کے بعد اس کے حلق میں گولا سا اٹک گیا تھا جسے اس نے پانی کے ذریعے نیچے اتارا۔ کتنے سالوں بعد وہ اس ذائقے سے آشنا ہوئی تھی۔ کتنے سالوں بعد اس نے بریانی کو چکھا تھا۔ اس کے دل نے یکایک الحمدللہ کہا۔ باتوں کے دوران وہ سب کھانے میں مگن تھے۔ فلک نے ہاتھ کھینچ کر ہی کھایا تھا۔ وہ مروت نبھا رہی تھی۔ اس کی مروقت سب سے مخفی تھی کیونکہ سب باتوں میں مگن تھے۔ لیکن یہ مروت اس شخص سے پوشیدہ نہیں رہ سکی جو اس کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ وہ

بھی اتنا ہی کھا رہا تھا جتنا وہ کھا رہی تھی۔ اس نے بھی اسے پوائنٹ پر ہاتھ کھینچا تھا جس پر سامنے والی نے کھینچا تھا۔ فلک نے نیپکن سے لب تھپتھپاتے ہوئے کچھ دیر خود کو وہاں بٹھایا پھر گلا کھنکھار کر بولی۔

"آپ لوگ کیک کٹ کریں گے؟" اس کے سوال پر پورے ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ پن ڈراپ سائلنس۔ فلک کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ وہ شرمندہ ہو گئی۔ مائیر نے ناک کی نوک کھجائی۔

"آں ارادہ تو نہیں ہے۔ تم اسٹور کتنے بجے جاتی ہو؟" مائیر نے ناک کھجاتے کھجاتے بات کا رخ بدلنا چاہا۔ فلک نے کلائی موڑ کر گھڑی میں وقت دیکھا۔ بیس منٹ تھے اسٹور جانے میں۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"کھانے کا بے حد شکریہ، میں اب چلتی ہوں۔" اس کے وہاں سے جانے کے دوران غفران نے نوح کو مخاطب کر کے پیمنٹ کرنے کا کہا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ مائیر کی نظر جھکی تھی۔ اس نے ہولے سے نظر اٹھا کر سیرا کو دیکھا اور پھر اسے پھر سے جھکا لیا۔ سیرا کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ وہ ان دونوں بہن بھائیوں کے چہرے اترے ہوئے ہرگز نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کا موڈ آف ہوا۔ اس نے وہاں گردن گھمائی جہاں وہ گیا تھا۔ نوح نے اپنا کوٹ اسٹینڈ پر سے

اتار کر اس میں چلتے چلتے بازو ڈالے پھر دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ چلتے چلتے ہی اس نے کی لاک سے کار کو ان لاک کیا اور فلک کو آواز دی جو مین گیٹ کے قریب بس پہنچنے ہی والی تھی۔

"آجاؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" فرنٹ ڈور کھولے وہ اس کا منتظر کھڑا تھا۔ آسمان سے سست روی سے روئی کے گالے گر رہے تھے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹے رخ موڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے قدم گاڑی کی طرف بڑھائے پھر وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر بیٹھ گئی۔ نوح نے اس دروازے کو بند کیا اور پھر خود بھی چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر براجمان ہو گیا۔ گاڑی کو گیٹ سے باہر نکالنے کے بعد روڈ پر ڈالتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"تمہیں کیک پسند ہے؟" اچانک سوال پر وہ سٹپٹائی پھر زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت، پتہ ہے بچپن میں، میں جان بوجھ کر محلے کے ان گھروں میں چلی جاتی تھی جہاں سالگرہ ہوتی تھی یوں مجھے کیک کھانے کو مل جاتا تھا۔" وہ بہت مزے لے کر اسے بتا رہی تھی۔ وہ بہت محظوظ ہو کر اسے سن رہا تھا۔ یہ اس رات کے بعد ان دونوں کے درمیان پہلی گفتگو تھی۔ وہ روئی تھی نوح بھول گیا۔ وہ اس کے سامنے ٹوٹی تھی فلک نے بھلا دیا۔

"مگر لگتا ہے شاید تمہیں نہیں پسند اس لیے تم نے نہیں کٹ کیا۔" نوح نے گردن موڑ کر ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی پھر بے نیازی سے گویا ہوا۔ ونڈ اسکرین پر وائپر سست روی سے چل رہے

تھے۔ دھاری دھار نمی شیشے پر روئی کے گالوں کے ہٹانے کے بعد بنتی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی مٹ جاتی۔ وہ چمکتی دمکتی سڑک پر اتری زندگی کو دیکھ اسے سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

"تم نے کہا تھا اگر میں کیک کٹ کروں گا تو تم مجھے تحفہ دو گی۔ کیا یہ بیان مروت میں تھا یا حقیقیت میں؟" فلک کا چہرہ پھولا۔ اب وہ اسے کیا اتنا کنجوس سمجھتا ہے کہ وہ اسے گفٹ تک نہیں دے سکتی۔ اس نے خود کی پرزور حمایت کی۔ آنکھوں کے ریشے تھکن کے غمازی تھے مگر دل میں لگن موجود تھی۔

"کیا مطلب، تم شک کیسے کر سکتے ہو۔ یہ سو فیصد درست بات ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟" سڑک کے کنارے پارکنگ میں گاڑی رکی۔ وہ سیٹ بیلٹ کھول کر کچھ بھی کہے بنا وہاں سے جا رہا تھا۔ فلک کشمکش کے عالم میں اس کی منتظر رہی۔ پورے پانچ منٹ بعد وہ ایک بیگ لے کر وہاں حاضر ہوا تھا۔ وہ خاکی بیگ بیکری کے لوگو سے سجا تھا۔ نوح نے گاڑی کی ٹرے آگے کو کھینچی پھر پلاسٹک کور سے ڈھکا چھوٹا سا کیک باہر نکال لیا۔ فلک سرخ رنگ کے جام کیک کو دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چھوٹا تھا اور بالکل سادہ بھی، پورے کیک پر جام کی کوٹنگ تھی۔ اور اس کوٹنگ پر کہیں کہیں سفید افشاں گرائی گئی تھی۔ بس یہی تھا کیک، اس پر کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس پر مزید کچھ نہیں بنا تھا۔

"میں یہ کیک کاٹوں گا اور تم مجھے گفٹ دو گی، ڈیل ڈن؟" فلک کا سر یک لخت ہی اثبات میں ہل گیا۔

سڑک کنارے کھڑی کار پر نزدیک لگے درختوں کے سائے سے زیادہ ان پر لپٹی روشنی کا عکس منعکس ہو رہا تھا۔ دائیں جانب موجود گاڑیوں کی چہل پہل اور کچھ دکانوں سے اٹھتے مدھم سر بھی یہاں تک پہنچ رہے تھے۔ جبکہ فلک کی سائیڈ پر فٹ پاتھ تھی۔ فٹ پاتھ کے عین اوپر تھوڑا فاصلے سے پول لیمپ کے نیچے ایک بینچ پڑا تھا۔ وہ بینچ اس وقت خالی تھا۔ اس بینچ کے دوسری طرف تھوڑا اور فاصلے سے ایک اور سڑک شروع ہوتی تھی۔ وہ سڑک بھی گہما گہمی کا شکار تھی۔ وہاں بھی لوگوں اور دکانوں کی بہتات تھی۔ ایک لمحے کو نوح کا دل کیا وہ دونوں اس بینچ پر بیٹھ جائیں تاکہ اس کی جاگی آنکھ سے دیکھا وہ خواب پورا ہو جائے لیکن پھر اس نے اس خواہش کو مار دیا۔ خواہشات کو مارنا اس سے بہتر کون جان سکتا تھا بھلا۔

"ڈیل تو ڈن لیکن میں نے ابھی گفٹ نہیں خریدا۔" وہ پریشان ہوئی تھی۔ اتنی جلدی خالی جیب کے ساتھ وہ کیسے کوئی تحفہ لے سکتی تھی۔ اس نے خشک گلے کے ساتھ فون پر نظر ڈالی جس میں نوح کی جانب سے بھیجی جانے والی رقم کا میسج موجود تھا۔ یہ رقم اس نے ان کے گھر کھانا بنانے کے بعد کمائی تھی۔ وہ ان کو منع کرنا چاہتی تھی مگر پاکستان والوں کے اصرار، ان کی فرمائشیں اور دوہائیاں۔ وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"کوئی بات نہیں بارہ بجے تک ہے میرا دن۔" میرا دن کہتے ہوئے اس کے چہرے پر کرب کے آثار پھیلے تھے۔ چہرے کے تاثرات ناگزیر ہونے لگے تو وہ بدقت تمام مسکرا دیا۔ اس کی زندگی کا پہلا کیک تھا جس پر اس کی مرضی شامل تھی ورنہ بچپن سے لے کر لڑکپن تک غفران ہی اس کا دن منایا کرتے تھے۔ شعور اور آگاہی کی دہلیز پر پاؤں رکھنے کے بعد اپنی تکلیف سامنے رکھتے ہوئے اس نے ان سے اس دن کو نہ منانے کی درخواست کی تھی۔ اس دن کے بعد سے غفران نے کبھی اسے سالگرہ مبارک نہیں کہا۔ کبھی اس کیلئے کیک نہیں منگوایا کبھی کوئی تحفہ پیش نہیں کیا۔ ہاں وہ اس دن اچھے کھانے کا انتظام ضرور کرواتے تھے پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اسے کوئی نہ کوئی گفٹ دے دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی گھر میں چھوٹی سی گیدرنگ رکھ لیتے تھے۔ درپردہ وہ اسے اور اس کے دن کو منالیا کرتے تھے۔ لیکن آج، آج پہلی بار وہ خود کیلئے دل سے کیک لے کر آیا تھا۔ آج پہلی بار وہ چاہتا تھا کوئی اس کیلئے سالگرہ کا گانا گائے اور اس کو تحفہ دے۔ اگر مائیر کو یہ بات پتہ چل جائے تو اس کو تو ضرور غش پڑ جانے ہیں۔ وہ سوچتے ہوئے ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ٹھیک کہا تم نے، چلو کینڈل بجھاؤ اور وش مانگو۔" وہ بچوں سا اشتیاق لیے کیک پر ننھی موم بتی رکھ رہی تھی۔

"تم میرے لیے سالگرہ کا گانا گاؤ گی؟" فلک کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔ نوح کو اس سرخی میں بہار نظر آئی تھی خوشگوار سی حیرت اس کے ارد گرد پھیل گئی۔ گلابی پھول جیسے کھل آئے ہوں۔ بہار کے موسم نے ان دونوں کو اپنے حصار میں لیا اور خوشبوؤں کی بوچھاڑ کر دی۔

"میری آواز اچھی نہیں ہے۔" وہ شرما رہی تھی۔ اسے خود حیرت ہو رہی تھی۔ خوشبو لہجے میں بھی جیسے گھل گئی۔

"تمہاری آواز ہی تو سب سے اچھی ہے۔" وہ ہنس دی۔ پھولوں کی برسات ہوئی۔ ست رنگی پھول، ہر رنگ کے ہر طرز کے۔

"میں تمہیں سالگرہ مبارک کہہ سکتی ہوں۔" ونڈ اسکرین پر تاہنوز وائپر چلے جا رہے تھے۔ مدھر سے سنگیت کی آواز جانے کہاں سے آ رہی تھی۔

"ہاں یہ ٹھیک۔" وہ جیسے اس کی ہر رضا میں راضی تھا۔

"سالگرہ مبارک نوح۔" وہ خوش ہوا جیسے ساری کلفت کہیں دور جا بسی ہو۔ بہار نے اس پر اچھا اثر چھوڑا تھا۔ خوشبو نے اس کو مہکا دیا تھا۔

"کوئی دعا دو۔" اس التجا پر فلک نے تھوڑی پر انگلی رکھ کر سوچا پھر کہنے لگی۔

"تم بہت کامیاب ہو۔ ہمیشہ خوش رہو۔ اداسی تم سے بہت دور چلی جائے۔" وہ مسکراتے ہوئے مبہوت سا اسے سنے جا رہا تھا۔

"اور۔۔۔ اور کچھ نہیں کہو گی۔" وہ رک کیوں گئی۔ وہ بے چین ہوا۔

"اور کیا؟" فلک نے نا سمجھی سے دریافت کیا۔

"اور یہ کہ ہم دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں۔" اس نے فقط سوچا تھا کہا کچھ نہیں بس نفی میں سر ہلا دیا۔ دل کی بات تھی۔ اسے خود ہی جان لینی چاہیے تھی۔ وہ اب ہر احساس کو تو لفظوں میں نہیں ڈھال سکتا تھا کچھ کو اسے بھی تو محسوس کرنا چاہیے تھا نا۔

سفید رنگ کی موم بتی کے شعلے پر پھونک مارنے کے بعد اس نے ایک نظر فلک کو دیکھا جو بہت خوشی سے ہیپی برتھ ڈے سونگ بند لبوں سے گنگنا رہی تھی۔ یہ مدھر لے سماعت پر بہت اچھا اثر ڈال رہی تھی۔ نوح کا دل کیا یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہو۔ وہ بس یہیں اسی میں قید ہو کر رہ جائے۔ موم بتی کے شعلے کی لو اب تک اس کی آنکھوں میں موجود تھی۔ وہ ہی کیوں سارے ستارے ہی اس کی آنکھوں میں موجود تھے۔ نوح نے بیکری سے لی سمال نائف سے کیک کو کاٹا پھر چھری اس کے ساتھ رکھ کر پورے کا پورا کیک اس کی طرف بڑھا دیا۔

"گھر لے کر جانا ہے؟" چھری کو اٹھاتے ہوئے فلک نے تصدیق کرنی چاہی نوح نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔ فلک نے مسکراتے ہوئے کیک کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔

"یہ تمہارا اور یہ میرا۔" چھری سے ہی اشارہ کر کے اس نے خاکی رنگ کے کاغذ سے دو چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے سرخ رنگ کے کانٹے نکالے۔ ایک اسے دیا اور ایک سے خود کھانا شروع ہوئی۔ پہلی بائیٹ لیتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں تھی۔

"بہت مزے دار ہے۔" کیک اس کے منہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس لیے بولنے میں دشواری ہوئی۔ نوح اسے دیکھتا رہا کئی لمحے کئی ساعتیں پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ اس کے الفاظ گاڑی میں بکھر کر جم گئے۔

"میں چاہتا ہوں تم اس کے بارے نہ سوچو، کبھی بھی نہ سوچو، آج اور نہ ہی کل، میں چاہتا ہوں تم اسے انکار کر دو۔ یہی میرا تحفہ ہو گا۔ یہی میری خواہش ہے۔" کیک کا ٹکڑا جو ابھی ابھی اس کے منہ میں گیا تھا وہیں پڑا رہا۔ وہ اس کے لفظوں سے ٹھٹھر اگئی۔ منجمند ہو گئی، تھم گئی۔ گلابی رنگ مٹ گیا۔ سنہری روشنی پھر سے وہاں پھیل گئی۔

"مجھے نہیں اچھا لگتا جب وہ تمہارے آس پاس ہوتا ہے۔ تمہیں دیکھتا ہے یا تمہارے ساتھ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا پرپوز کرنا مجھے بری طرح ڈسٹرب کر گیا ہے۔ میں نے پہلے کہہ دیا تھا تم

اسے ہاں کہہ دو لیکن اب کہہ رہا ہوں نہیں کہو کیونکہ اس کے بعد مجھے لگتا ہے میں مزید نہیں جی پاؤں گا۔ میں دو دن سے ٹھیک طرح سے سانس نہیں لے پا رہا۔ بے چینی اتنی ہے کہ مجھ سے سروائیو نہیں ہو رہا۔ میں اتنا عظیم نہیں ہوں فلک کہ دستبرداری کے بعد زندہ رہ سکوں۔ میں کل سے ٹھیک طرح سے سویا بھی نہیں ہوں۔ تم اسے انکار کرو گی تو مجھے سکون آئے گا۔" وہ اظہار کر رہا تھا۔ وہ کھل کر صاف صاف اعتراف کر رہا تھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ کیوں کہہ رہا تھا۔ کیک منہ میں ہی موجود رہا۔ پلکیں ویسی ہی ساکن رہیں۔ لفظوں کا ڈھیر بڑھتا جا رہا تھا۔ سردی شدت اختیار کرنے لگی تھی۔

"تم نے ڈیل کی ہے تم مجھے گفٹ دو گی۔ مجھے کوئی مادی تحفہ نہ دو مجھے میری زندگی دے دو بس اسے انکار کر دو۔" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ نظریں ڈیش بورڈ پر تھیں اور ماتھے پر بل موجود تھے۔ جملے روانی میں مگر آہستہ آہستہ اس کے لبوں سے نکل رہے تھے۔ چہرہ پریشانی سے ست گیا تھا اور آنکھیں، ہاں آنکھیں وہ تو کوئی اور ہی داستان سنا رہی تھیں۔ فلک کے دل نے غوطہ کھایا۔ وہ کیک چبانا بھول گئی۔ وہ پلک جھپکنا بھول گئی۔

"تم سن رہی ہو نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اس نے گردن موڑ کر نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یک لخت ہی نگاہ اس کے پھولے ہوئے گالوں پر جا ٹھہریں۔ نوح پریشانی میں گہرا سانس بھرتے ہوئے مسکرا دیا۔

"کیک کو نگلو فلک۔" درخت پر لگی رنگ برنگی لائٹس میں سے نیلگو روشنی کچھ زیادہ فلک کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویسے ہی گیلکسی بستا تھا اب وہ مزید منعکس ہونے لگی تھیں۔ نوح کے ٹوکنے پر جھٹکے سے حواسوں میں آئی پھر جلدی جلدی کیک کے ٹکڑے کو چبا کر نگلا اور ڈیش بورڈ پر رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگالی۔ نوح نے بڑی فرصت سے اس کی تمام کاروائی ملاحظہ فرمائی تھی۔ وہ عجیب تھی بے حد عجیب مگر پھر بھی اسے عزیز تھی بے حد عزیز۔۔

"میں۔" اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "میں اسے انکار کر چکی ہوں۔" وہ اس سے مغلوب ہو رہی تھی۔ بری طرح ہو رہی تھی۔ اس کا دل اس کیلئے دھڑک رہا تھا بے طرح دھڑک رہا تھا۔ مگر اس کے خود سے کیے گئے عہد، وعدوں کا کیا۔ ان حدود کا کیا جن کو وہ نوح سے ملنے کے بعد پھلانگ چکی ہے۔ اسے خود سے خوف آیا۔ اسے اپنی تقدیر سے خوف آیا۔ وہ مزید دکھ نہیں دیکھ سکتی۔ وہ مزید خود کو عدم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے وہ کہا جو وہ کبھی نہیں کہنا چاہتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"لیکن میرا کہتی ہے وہ ایک اچھی چوائس ہو سکتا ہے۔ میرا پاکستان میں کوئی خیر خواہ نہیں ہے۔ میں اگر اس کے بارے میں سوچوں تو۔" اس نے بات دانستہ درمیان میں چھوڑ دی۔ وہ نوح کے منع کرنے کے جواز سے واضح طور پر واقف ہو گئی تھی۔ وہ اس واقفیت پر یقین کی مہر لگانا چاہتی تھی۔ اگر وہ بھی وقتی جذبے میں قید ہوا تو، کچھ عرصے بعد اس سے بے زار ہو گیا تو۔ اس سے کترا کر آگے نکل گیا تو۔ وہ پھر سے اسے بری لگنے لگ گئی تو۔ بہت سارے تو تھے اور یہ تو معمولی بالکل بھی نہیں

تھے۔وہ اسے ناپسند کرتا تھا۔اس بات کو زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا۔وہ اس بات کو بھی نہیں بھول سکتی تھی۔وہ اتنی سی عمر میں بہت دانا ہو گئی تھی۔پھونک پھونک کر قدم رکھنا تو اس نے کب سے سیکھ لیا تھا۔اب تو بس زندگی کا اسٹیرنگ تھاما ہوا تھا اور گاڑی دوڑائے جا رہی تھی۔اس نے سب معاملے پر نظر ثانی کی پھر اپنا دل پکا کر لیا۔یہ لمحات جذبات سے نہیں عقل سے کام لینے والے تھے۔وہ ضرور عقل سے کام لے گی اور وہی فیصلہ کرے گی جو اس کیلئے بہتر ہو گا۔

"اس کے بارے میں کیوں سوچو گی تم فلک، اور کیا تمہاری دوست کی آنکھیں نہیں ہیں جو وہ تمہیں اتنے الٹے مشورے دیتی ہے۔حد ہے۔"فسوں یکدم ہی چکنا چور ہوا۔نوح کی ڈانٹ بڑی ہی غیر متوقع تھی۔اس نے انجن میں جان بھرتے ہوئے سر کو دائیں جانب جھٹکا دیا۔

"مہمت میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔وہ میرا بہت پرانا اور مخلص دوست ہے۔اس کی گرل فرینڈز رہ چکی ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کریکٹر لیس ہے۔"اس نے بھی تنک کر کہا تھا۔بھلا وہ کیوں مہمت کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا سنے۔ماتھے پر بل اس کے بھی پڑے تھے۔منہ اس کا بھی پھولا تھا۔

"ہاں تو اگر اتنا ہے اچھا وہ تو جاؤ ہاں کر دو اسے۔کر لو اس سے شادی، مجھے کیا۔"مہمت کے حق میں بولتی ہوئی وہ اسے قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔سیخ پا ہی تو ہو گیا تھا وہ، اس سے زیادہ شرارے تو

فلک کے بدن میں لگے تھے۔اس نے ناک کو پھلاتے ہوئے دانت کو کچکچاتے ہوئے چلتی گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ لاک تھا۔

"ایسا ہی کروں گی میں اور آج ہی کروں گی۔ گاڑی روکو مجھے اترنا ہے۔"نوح نے ایک کڑی نظر اس پر ڈالی پھر اسپیڈ مزید بڑھادی۔اس کے شور مچانے پر بھی اس نے گاڑی کو نہیں روکا تھا۔اسٹور پہنچتے ہی کار کے پہیے ساکن ہوئے تھے۔فلک کار کے رکتے ہی ایسے اتری جیسے کسی قید سے رہائی پائی ہو۔ اس کے اترتے ہی گاڑی زناٹے سے وہاں سے گئی تھی۔فلک نے دانت پیسنے کے بعد اپنے ہاتھ کی مٹھیاں بھینچیں۔

"آیا بڑا، میں تو جیسے مری جارہی ہوں اس کے پیچھے، ابھی کچھ دیر پہلے خود ہی موصوف زندگی مانگ رہے تھے اور اب نخرے دیکھو۔ٹھیک ہی کہا پھر اسے میں نے۔"جانے کیوں آنکھوں میں یا یک نمی اتر آئی۔اسٹور میں ڈیوٹی دیتے ابھی اسے دس منٹ ہی گزریں ہوں گے جب پلاسٹک کے ڈھکن سے ڈھکا سرخ کیک گارڈ نے اسے لا کر دیا تھا۔وہ دو حصوں میں بٹا پورا کیک آدھے سے زیادہ فلک کھا چکی تھی جبکہ نوح کے حصے میں سے ایک ہی ٹکڑا نکلا تھا۔وہ اس سرخ کیک کو دیکھے گئی۔

"عجیب بندہ ہے۔"

یہ مغرب کی اذانوں سے کچھ دیر بعد کا وقت تھا۔ بیٹھک میں رات کے کھانے کے بعد چائے کا دور شروع تھا۔ امین اویس مع بیوی بچوں کے وہاں موجود تھے۔ نگہت بھی آئی ہوئی تھی۔ مینہ ایک ایک کر کے سب کو چائے کے کپ تھما رہی تھی۔ میز پر رنگ رنگ کے بسکٹس دھرے تھے۔ فرخندہ نان خطائی اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"فلک نے ریاض (مینہ کا ہونے والا شوہر) کیلئے جو پیسے بھیجے ہیں ان میں بامشکل ایک کار ہی آسکتی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہیں سے بھی کرے دوماہ کے اندر اندر موٹی رقم بھیجے تاکہ ان پیسوں کو ملا کر ریاض کو کاروبار سیٹ کروا کے دیا جاسکے۔" نان خطائی کو چائے میں ڈبویا پھر خستہ خستہ منہ میں رکھ لی۔ اویس کی بیوی کے چہرے کے ہزار زاویے بنے تھے۔ جب سے مینہ کی شادی آئی تھی وہ لوگ عذاب میں آگئے تھے۔ فلک انہیں ایک دھیلا نہیں بھیجتی تھی کیونکہ اسے ان کی کالی کلوٹی نند کے رات سے سیاہ شوہر کو گھر اور گاڑی کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی شروع کروا کر دینا ہے۔ یہ ایک سال دونوں بھائیوں کیلئے سختی کا تھا۔ کسی کو کیا معلوم تھا پھر بھی گاہے بگاہے کسی بہانے کے سبب وہ اس بیچاری سے کچھ رقم نکلوا ہی لیتے تھے۔

"یہ اچھا فیصلہ ہے۔ کپڑے کا کام کہا ہے ریاض نے۔ دوماہ میں جو رقم اکھٹی ہو گی وہ دکان اور مال کیلئے کافی ہو گی۔" امین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ اس کی چائے پھیکی ہوا کرتی تھی کیونکہ

ڈاکٹر نے اس کو چینی منع کر دی تھی۔ اب بھی وہ بڑے احتیاط کے ساتھ خستہ بسکٹس کھا رہا تھا۔ اندیشہ یہ بھی تھا کہیں شوگر کی شکایت حقیقت میں نہ ڈھل جائے۔

"اور اماں۔" اب کے اویس نے منہ کھولا تھا۔ "جس کالونی میں ریاض گھر کا کہہ رہا ہے وہاں اتنی زیادہ رقم لگنی بھی نہیں۔ میں نے تو اس کے ساتھ جا کر گھر دیکھ بھی لیا ہے۔ پانچ کمرے ہیں اٹیچ باتھ رومز کے ساتھ، کارپورچ بھی ہے۔ فل ماربل لگا ہوا ہے۔ علاقہ چونکہ تھوڑا پسٹ ہے اور ریاض کے پرانے گھر سے قریب ہے اس لیے وہاں ڈیلر نے کم پیسے لگائے ہیں۔ اگر یہی گھر کسی اچھی کالونی میں ہوتا تو دو اڑھائی کروڑ تو مانگتے ہی۔" دونوں بھابھیوں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ نگہت بڑے مزے لے لے کر چائے کے ساتھ بسکٹس سے انصاف کر رہی تھی۔ مسکرا کر گویا ہوئی۔

"بڑے اچھے نصیبوں والی ہے میری بہن اللہ اسے حاسدین سے محفوظ رکھے۔" نگہت نے آگ لگائی تھی تو مینہ نے رنگ میں بھنگ ملا دیا تھا۔ دونوں بھابھیاں پہلے جن بھن گئیں اس کے بعد مینہ کے لفظوں سے سیاہ ہو گئیں۔

"اللہ فلک کے نصیب بھی اچھے کرے، اماں میرے بعد آپ اس کی شادی کر دینا۔" فرخندہ کو زور کا اچھو لگا تھا۔ انہوں نے جلدی سے پانی کے گھونٹ غٹکے پھر قہر بار نظروں سے اپنی اولاد کو دیکھا۔ چولہے پر جلتی آگ کیا تیز ہو گی جتنا ان کا لہجہ تیز تھا۔

"خبر دار، خبر دار اگر آئندہ ایسی بات کہی تو کوئی فلک کی شادی وادی نہیں ہونی اور میں دوبارہ سے تمہیں خبر دار کر رہی ہوں اگر اس طرح کی کوئی بھی بات تم نے اس کے کانوں میں ڈالی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" بھابھیوں کے سینوں پر دھرا ہاتھ ساس کی بات سے ڈھلک کر نیچے جا پڑا۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا ورنہ تو ان کے اتنے خواب تھے سارے دھرے کے دھرے رہ جاتے اگر فلک بیاہی جاتی تو۔

"کیا مطلب اماں، آپ اس کی کبھی شادی نہیں کریں گی؟" دکھ، حیرت، صدمہ کیا کچھ نہیں تھا مینہ کی آواز میں، دونوں بھائیوں نے پہلو بدلا جبکہ نگہت بڑے مزے لیتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ اسے بھابھیوں کی حالت بڑا ہی حظ پہنچا رہی تھی۔

"تمہیں کس قسم کی ٹینشن ہے بھئی، جب اماں نے کہہ دیا اس کی شادی نہیں ہو گی تو مطلب نہیں ہو گی، قصہ ختم۔" نگہت نے پھر سے مسکراتے ہوئے اپنی بھابھیوں پر نظر ڈالی تھی۔ فکر تو اس کو بھی ہوئی تھی۔ فلک اس کے گھر کی بھی تو ایک طرح سے کفیل تھی۔

"پر اماں۔" اویس نے اسے ٹوک دیا۔ مینہ نے احجاجاً اپنے بھائی کو دیکھا۔

"بس، بہت ہو گئی بحث، بڑوں کی باتوں میں نہیں بولا کرتے۔" وہ لب چباتی ہوئی اس کمرے سے واک آؤٹ کر گئی۔ سب نے سر جھٹکتے ہوئے اسے جاتے دیکھا تھا۔

"یہ سٹھیا تو نہیں گئی۔" پوچھنے والی نگہت تھی۔ فرخندہ نے ہاتھ کو ایسے جھلا جیسے انہیں کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ وہ جانتی تھیں فیصلہ ان کا ہوتا ہے۔ حرف آخر وہی لکھتی ہیں۔ شوہر نامدار تو اپنی بیماری کے سبب سب فکروں سے نبرد آزما تھے۔ کبھی بول لیتے تو کبھی لمبی چپ سادھے رہتے۔ مینہ نے کمرے میں آکر دروازہ بند کیا پھر تکیے کے نیچے سے فون نکال کر فلک کا نمبر ملانے لگی۔ نمبر لگ گیا تھا۔ ایک بجنے والا تھا ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ اس شاپ سے بس جانے ہی والی تھی۔ مینہ کی کال اس نے اپنے کھڑوس باس سے چھپ کر بالکل کونے میں جا کر سنی۔

"فلک، فلک تم واپس آجاؤ۔ بہانہ بنالو کہ تمہیں نوکری سے نکال دیا ہے۔ کچھ بھی کرو بس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آجاؤ۔" مینہ کے عجلت میں کہنے پر اس کا دل بیٹھ گیا تھا۔ ٹیس اتنے دنوں بعد دل میں پھر سے شدت سے اٹھی تھی۔ شیشے سے لگی، ہاتھ میں بڑی سفید گول ٹرے تھامے وہ محتاط انداز میں مگر عجلت سے پوچھ رہی تھی۔

"مینہ گھر میں سب ٹھیک ہے۔ تایا ابو، وہ ٹھیک ہیں؟" بے قراری اس کے لہجے سے عیاں دی۔ دل میں وسوسے کالے ناگ کی طرح پھن پھیلانے لگے۔ سوال پوچھنے کے بعد اس نے خوف زدہ نظروں سے رش میں گھری شاپ پر نظر ڈالی۔ مرکزی دروازہ چاک ہوا تو اس میں سے وہ آتا ہوا نظر آیا۔

"سب ٹھیک ہیں مگر وہ تمہیں ٹھیک نہیں دیکھنا چاہتے۔ گھر میں مکمل طور پر فیصلہ ہو گیا ہے وہ تمہاری کبھی بھی شادی نہیں کریں گے اور نہ ہی کبھی تمہیں پاکستان بلائیں گے۔ سب نے باہمی رضا مندی سے اس فیصلے پر حامی بھری ہے فلک، وہ تمہیں پیسہ بنانے کی مشین ہمیشہ کیلئے بنانا چاہتے ہیں۔ تم یا تو خود آجاؤ یا وہیں کسی سے شادی کر لو۔ تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔" وہ اطراف میں نظر دوڑا رہا تھا۔ جیسے بھیڑ میں کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ اس کی آنکھوں کی بے چینی وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتی تھی۔

"ہاں میں سن رہی ہوں۔ تم فکر نہیں کرو سب ٹھیک ہو گا۔ ہم اس بارے میں کسی دن تفصیل سے بات کریں گے۔ ابھی میں ڈیوٹی پر ہوں تمہیں بعد میں کال بیک کروں گی۔" اور مینہ جانتی تھی۔ اس کا تفصیل سے بات کرنے کا دن کبھی نہیں آئے گا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اہم سے اہم بات کو ٹال کر یونہی درگزر کر دیا کرتی تھی۔ اس بار بھی وہ ایسا ہی کرے گی۔ اس کی نظر نوح پر تھی۔ وہ آنکھ بچا کر جانا چاہتی تھی لیکن وہ اسے دیکھ چکا تھا۔ دیکھنے کے بعد اسی کی سمت آرہا تھا۔ فلک اس کے آنے

سے پہلے کچن میں چلی گئی۔ جب وہ باہر آئی تو نوح اسے شیشے کے پاس والی میز پر بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ آرڈر وہ لکھوا چکا تھا۔ اب اس کو سوپ سرو کیا جا رہا تھا۔ فلک نے اسے دیکھا وہ کلائی فولڈ کر کے وقت دیکھ رہا تھا۔ نوڈلز میں اسٹکس کو ہلاتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر تھوڑی اس پر جمائی ہوئی تھی۔ سبز رنگ کی اون کی جرسی شرٹ، سیاہ رنگ کی جینز اور سیاہ ہی کوٹ پہنے وہ اس کا منتظر تھا۔ اس کے نوڈلز کھانے کے انداز سے لگ رہا تھا وہ آدھے گھنٹے سے پہلے یہاں سے نہیں اٹھے گا اور ایسا ہی ہوا۔ پوری سوپ شاپ میں وہ آخری کسٹمر تھا جو اپنی کرسی چھوڑ رہا تھا۔ فلک اس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد شاپ سے کام نبٹا کر باہر آئی تھی۔ اس کے آنے کے بعد نوح نے جھک کر کار کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن فلک نے ایسے نظر انداز کیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ نوح نے ہاتھ ہارن پر رکھا اور گاڑی کو بالکل معمولی اسپیڈ میں بڑھا کر اس تک لے آیا۔ فلک نے سٹپٹا کر اس کے حرکت پر خود کو موڑا۔ کیا وہ بے وقوف ہے جو ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ کیا اس کو نہیں معلوم کہ اسے جرمانہ پڑ جائے گا۔

"بیٹھ بھی جاؤ اب، پوری گاڑی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" اس نے ضبط کر کے خود کو بٹھایا۔ باہر بارش شروع تھی جس کی وجہ سے سردی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد فلک کو ایسا لگا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آ گئی ہے۔ سردی سے یوں بھی اس کی جان جاتی تھی۔ نوح نے ڈیش بورڈ پر رکھی کافی کا ڈسپوزایبل کپ اس کی طرف بڑھایا۔ ابھی کچھ گھنٹے قبل وہ دونوں اپنی زندگی کی

پہلی لڑائی ایک دوسرے سے لڑ کر گئے تھے۔اور اب کچھ گھنٹوں بعد پھر سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

"میرا گفٹ لیا تم نے ؟"ایک گھونٹ نے فلک کے اندر سکون اتار دیا تھا۔مگر اس کے سوال نے اسے بے سکون کر دیا۔اس نے گردن موڑ کر اس ندیدے کو دیکھا جس کیلئے وہ اپنی زندگی کے قیمتی بیس منٹ نکال چکی تھی۔کیونکہ اس کے پاس رقم کم تھی اور گفٹ اسے معیاری خریدنا تھا۔وہ ان کے گھر،رہن سہن،پہننے اوڑھنے اور کھانے پینے سے اچھے سے واقف تھی۔یہ واقفیت ہی اس کیلئے اذیت کا باعث بنی تھی۔اس واقفیت کی وجہ سے ہی وہ اتنا ذلیل ہوئی تھی۔اس نے منہ سے مانگ لیا تھا اس لیے گفٹ لے لیا ورنہ تو وہ کبھی بھی کسی کو گفٹ نہیں دیتی تھی۔کبھی دیا ہی نہیں تھا اس لیے اندازہ بھی نہیں تھا۔

"لیا ہے۔"اس نے بیک سیٹ پر سے ہاتھ بڑھا کر اپنا بیگ اٹھایا۔"پسند آئے یا نہ آئے تم نے کہنا ہے اچھا ہے۔"کسی کو گفٹ دینا کیسا لگتا ہے اسے اب سمجھ آ رہی تھی۔لوگوں کیلئے یہ آسودگی کا باعث ہو گا اس کیلئے تو نری پریشانی تھی۔ایک تو گھوم گھام کر لو اس کے بعد معیار کو بھی مد نظر رکھو اور اوپر سے اس فکر کو بھی پالو کہ سامنے والا اسے پسند کرتا ہے یا نہیں کرتا افففف۔

"تم دو تو۔"نوح کی آنکھوں میں اشتیاق بڑھ آیا تھا۔وہ اس سے کب کی ناراضی ختم کر چکا تھا۔اب بڑی ہی بے صبری سے اس کے سورج مکھی بنے بیگ میں گھسے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔فلک نے ہاتھ کچھ دیر بیگ کے اندر ہی رکھا۔نوح انتظار کرتا رہا پھر اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے اب، دے بھی چکو۔"اس کی عجلت دیدنی تھی۔

"میں جو افورڈ کر سکتی تھی وہ لیا۔تمہیں پسند نہ آئے تو اسے ڈسٹ بن میں مت پھینکنا مجھے واپس کر دینا۔"اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ باہر نکالا۔ہاتھ کے ساتھ رائیل بلیو رنگ کا چمکتا ہوا چائے کا مگ بھی باہر نکلا۔اس مگ کی ڈنڈی پر سلور رنگ سے ڈاکٹر نوح لکھا تھا۔مگ بالکل سادہ تھا۔حجم میں تھوڑا سا پھیلا ہوا مگر لمبوترہ سا، بالکل عام مگر نوح کیلئے بے حد خاص، نوح کا دل اندر ہی اندر پگھلنا شروع ہوا۔دل میں ایسی گدگدی ہو جیسے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔اس نے چہرے پر پھیلے رنگوں کو ضبط کرتے ہوئے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پایا۔پھر بہت عقیدت کے ساتھ اس مگ کو تھام لیا۔مگ کی ڈنڈی پر دھاگے سے منسلک سفید چھوٹا سا ٹیگ لٹک رہا تھا جس پر چاروں طرف ننھے ننھے سے گلابی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ان پھولوں کے درمیان باریک سا ہیپی برتھ ڈے لکھا ہوا تھا۔نوح نے اس ٹیگ کو پلٹا پھر وہاں جو لکھا تھا اس نے نوح کے جامد لبوں پر مسکان بکھیر دی۔

"فرام فلک۔"اس نے نظر اٹھائی۔وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اس کے ہر ہر انداز کو جذب کر رہی تھی۔فلک کے چہرے پر کوئی خاطر خواہ تاثرات نہیں تھے۔اسے فکر تھی نوح کو اس کا معمولی سا گفٹ پسند نہیں آئے گا۔مہنگے ترین مگوں میں چائے کافی پینے والا کیونکر اس کے دیے کپ کو قبولے گا مگر اس کی مسکراہٹ۔۔۔۔مگر اس کے تاثرات۔۔۔۔مگر اس کی آنکھوں کی چمک اور نمی کی ہلکی سی تہہ اس پر بہت کچھ باور کر گئی تھی۔فلک کا دل رک گیا۔اس کے دل کا سارا خون تو نوح کے چہرے پر پھیل گیا تھا۔اس کا رکنا تو پھر بنتا ہی تھا نا۔وہ خوشی سے اتنا سرخ اور ست گیا تھا کہ کیا ہی بتاؤں میں اب۔

"یہ۔۔۔"اس نے چاکلیٹ بار نکالی۔"یہ بھی لی ہے۔مجھے نہیں معلوم تمہیں یہ پسند ہے یا نہیں۔" شانے اچکاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔نوح نے فوراً سے چاکلیٹ بار اس کے ہاتھ سے لی۔وہ دونوں چیزیں اس کے ہاتھوں میں ایسے قید تھیں جیسے ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی ہو۔اس کے دل میں خوشی بھر رہی تھی۔اس کے آس پاس سے خوشی کی لہریں پھوٹ رہی تھیں۔اسے آسودگی کا مطلب معلوم نہیں تھا۔اسے آسودگی کا معنی اب سمجھ آرہا تھا۔تحفے کی خوشی اب محسوس ہو رہی تھی۔اس کا اچانک سے بہت شدت سے دل چاہا کہ وہ ابھی کہ ابھی اس میں کافی انڈیل کر پی لے لیکن نہیں اسے تو اس تحفے کو بہت سنبھال کر رکھنا تھا۔بہت حفاظت سے رکھنا تھا دل کے بہت قریب، تاکہ جب وہ بوڑھا ہو تو یہ تحفہ تب بھی اس کا ساتھی ہو۔

"میں پھر سے کہہ رہی ہوں۔ پسند نہ آئے تو اسے پھینکنا نہیں یا تو چیرٹی کر دینا یا پھر مجھے واپس لوٹا دینا۔" نوح نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ تو بس اپنی خوشی میں ہی کھویا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کبھی اس کا دل بھی بچوں کی طرح بے طرح خوش ہو جائے گا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی لرزاہٹ ہو گی۔ اس کے معدے میں بھی تتلیاں بھریں گی۔ وہ اپنی خوشی سنبھال نہیں پا رہا ہو گا۔ اس نے بہت احتیاط کے ساتھ دنیا کی سب سے قیمتی شے سمجھ کر اس مگ کو جھک کر اپنے قدموں کے درمیان رکھا تاکہ بریک لگنے یا جھٹکا لگنے کی وجہ سے وہ ٹوٹ نہ جائے لیکن اسے نہیں معلوم تھا اس کی اس حرکت نے فلک کے دل میں چھناکے کے ساتھ کچھ توڑا تھا۔ یعنی اسے مگ پسند نہیں آیا تھا۔ یعنی وہ اس قابل تھا کہ اس کے قدموں میں بھی بامشکل جگہ بنا پایا یعنی وہ مروت میں اپنی ناپسندیدگی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ ونڈ اسکرین پر چلتے وائپر پر فلک نے اپنی روہانیست کے زیر اثر ڈبڈبائی نظریں ٹکائیں۔

"اسی وجہ سے وہ کسی کو گفٹ نہیں دیتی تھی۔ اسے وجہ سے۔" مگر۔۔۔

"یہ بہت خوبصورت ہے فلک، مجھے بہت پسند آیا۔ ٹوٹ نہ جائے کہیں۔ افف دیکھو کہیں گر تو نہیں رہا۔ ہاں ٹھیک سے رکھا ہے۔ نہیں ہل رہا۔ ویسے دو لے کر آتی نا تم تاکہ ہم ایک ساتھ بیٹھ کر اپنے اپنے نام کے مگ میں چائے پیتے۔" وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ اس کے نام والے مگ میں چائے لیتا اور اپنے نام والے مگ میں اسے دیتا۔ وہ کہنا چاہتا تھا لیکن نہیں کہہ سکا۔ اسے تو فی الحال مگ کی فکر ہو گئی

تھی۔ وہ ڈرائیونگ سے زیادہ اس پر فوکس رکھے ہوئے تھا۔ بار بار جھک کر دیکھ رہا تھا کہ وہ ٹھیک سے رکھا ہوا ہے یا لڑھک گیا ہے۔ کار کی اسپیڈ اس نے اتنی آہستہ کر دی کہ پیدل چلنے والے پیچھے چھوڑ دیں۔ فلک کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ اس نے حیرت سے مغلوب ہو کر اسے دیکھا۔

"تمہیں واقعی اچھا لگا؟" شک کا عنصر ابھی بھی غالب تھا۔ مہنگی ترین کراکری استعمال کرنے والے کو کیا واقعی یہ پسند آ گیا؟

"اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے۔ یہ بے حد خوبصورت ہے۔ میرے دل کو بہت زیادہ بھایا ہے۔" وہ اپنے موقف پر قائم تھا۔ فلک کو تسلی نہیں ہوئی۔ اس کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ کافی سے زیادہ اسے اپنے گفٹ کو پسند کیے جانے کی فکر تھی بسس۔

"پھر تم نے اسے قدموں میں کیوں رکھا، پرانی کہاوت ہے جو چیز ناپسندیدگی کی مسند پر فائز ہو اسے قدموں میں گرا دو۔" وہ بھونچکا رہ گیا۔ حیرت سے اپنے برابر بیٹھی لڑکی کو پورا کا پورا دیکھا۔

"بہت ہی گھٹیا کہاوت ہے اور میں نے اسے یہاں اس لیے رکھا ہے تاکہ اچانک بریک لگنے یا کسی کھڈے میں سے گزرنے کی وجہ سے یہ ٹوٹ نہ جائے۔ تم میری احتیاط پر شک کر رہی ہو۔ بہت بری ہو۔" اس کی پوری وضاحت پر اس نے اس کی احتیاط پر فوکس نہیں کیا تھا۔ فوکس کیا بھی تھا تو کس بات پر آپ خود پڑھ لیجیے۔

"میرا گفٹ اتنا بھی سستا نہیں کہ ہلکا سا گرنے سے ٹوٹ جائے۔" اس کی بڑبڑاہٹ کافی اونچی تھی۔ نوح کی نظر الجھتے ہوئے اس کے پھولے چہرے پر گئی۔ تو غالباً یہاں سارا قصہ ہی قیمت کا تھا۔ وہ بے بسی بھری سانس بھر کر رہ گیا۔

"قیمتی شے زیادہ نازک ہوتی ہے بائی داوے۔" اس نے جتا کر بتا دیا کہ اگر اس کا گفٹ سستا ہے تو یہ مضبوط ہے۔ وہ قیمتی چیز ہوتی ہے جو بہت نازک ہوتی ہے۔ خطرہ ان کے ٹوٹنے کا ہوتا ہے ان کے نہیں۔ یہ بات بھی فلک کے دل کو لگی۔ وہ مشکل ہو رہی تھی۔ نوح برا پھنسا۔

"میں قیمتی شے نہیں دے سکتی اس کا مطلب یہ تھوڑی تم اس کو قدموں میں رکھ لو۔ اور مجھے معلوم ہے کون سی کراکری نازک ہوتی ہے اور کونسی نہیں۔ ریستوران میں کام کرتی ہوں میں۔ مجھے قیمت اور معیار کا پتا ہوتا ہے۔" قدموں والی بات کے دوران ہی نوح نے اس مگ کو اٹھا کر گود میں رکھ لیا تھا۔ یہ لڑکی عجیب تھی۔

"تحفے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی فلک۔ تم مجھے ہیلی کاپٹر لا کر دو یا پھر ایک کارڈ میرے لیے دونوں کی ایک ہی ویلیو ہو گی کیونکہ میرے لیے نیت اور انسان معنی رکھتا ہے قیمت نہیں۔ ایسی باتیں کر کے تم صرف مجھے صرف پریشان کر رہی ہو اور کچھ نہیں۔" فلک کے چہرے کے تاثرات آہستہ آہستہ

کر کے نارمل ہونے لگے۔ماتھے سے بل ہٹ گئے۔دماغ سے فکر ہٹی تو دھیان کافی کی جانب گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نیم گرم کافی کو حلق میں انڈیلنا شروع کیا تھا۔

"مجھے تمہیں کچھ اور بھی دینا ہے۔"کافی پینے کے دوران اس نے کہا تھا۔نوح کی آنکھیں پھیلیں۔وہ اچنبھے سے مسکرایا۔

"مادام، فی الحال یہ دو گفٹ ہی کافی ہیں باقی آپ اگلے سال کیلئے اٹھا کر رکھیں۔"وہ تو ایسے کہہ رہا تھا جیسے وہ اگلے سال بھی اس کے ساتھ ہو گی۔فلک نے اپنی سابقہ ٹون میں اس سے کہا۔

"اگلے سال نہیں ابھی، مجھے وہ تمہیں ابھی دینا ہے۔"اور جو اس نے دیا تھا اس نے نوح کا سارا موڈ غارت کر دیا تھا۔فلک نے اس کی کار اس جگہ رکوائی جہاں وہ رہتی تھی۔چھوٹا سا گھر ڈربے نما کمرہ۔ وہ ایک تھیلا لے کر باہر آئی۔آتے ہی گاڑی میں بیٹھ گئی کیونکہ بارش ابھی بھی برس رہی تھی۔اس نے تھیلا نوح کی جانب بڑھایا تھا۔رات کے دو بجنے والے تھے لیکن رات کے دو بجنے سے پہلے ہی تھیلے سے جھانکتی چیزوں نے نوح کے چہرے پر دو بجا دیے تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟"نوح کی آواز میں سختی در آئی جو فلک نے قطعی نظر انداز کی۔

"تمہارا سامان، کب سے دینا چاہ رہی تھی لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے بھول جاتی تھی۔یہ نیلا کوٹ صرف خوشی تک ہی پہنا تھا۔وہاں جاتے ہی میں نے اتار دیا تھا۔اس کے بعد ڈرائے کلین بھی

کروایا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی نقص نہیں آیا اس میں اور یہ مفلر بھی بالکل ویسی ہی حالت میں ہے اسے بھی ڈرائے کلین کروایا تھا میں نے۔" وہ ایک ایک چیز باہر نکال کر اسے کھول کھول کر دکھا رہی تھی۔ نوح نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں جو کہا اس نے اسے جما دیا۔

"اس سیٹ کو بھی ڈرائے کلین کروادو جس پر تم بیٹھی ہو۔" وہ سٹپٹا کر، آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھے گئی پھر اس نے نظر نیلے کوٹ اور مفلر پر ڈالی، چھتری وہ نوح کے پاؤں کے پاس رکھ چکی تھی۔

"میں کہہ رہی تھی۔۔۔۔ اگر ایک بار دیکھ۔۔۔۔۔ لیتے تو۔" نوح نے ضبط سے سانس بھر کر چہرہ دوسری سمت موڑا اور ساتھ میں گلا بھی کھنکھار دیا۔

"اللہ بس مجھے صبر دے اور کچھ نہیں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ فلک کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

"کیا تمہیں برا لگا، میں نے انہیں بنا پوچھے ڈرائے کلین کروادیا۔ نہیں کروانا تھا کیا، میں نے سستی جگہ بالکل بھی سے نہیں کروایا ہے۔ میں جانتی ہوں یہ مہنگی چیزیں ہیں۔ اس لیے یہ دیکھو یہ کارڈ ہے یہاں سے کروایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کوئی بھی مسئلہ ہو تو ہم ان سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ وہ پھر فری میں سروس دیں گے۔" نوح نے درشتی سے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ انداز میں خفگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"سئیر یسلی فلک، تمہیں لگتا ہے میں اتنا چھوٹا انسان ہوں کہ ہر چیز کو دولت کے پیمانے پر تولوں گا۔ واقعی تم ایسا سمجھتی ہو؟"اس نے پہلے بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلایا پھر اپنی فاش غلطی کا احساس ہوتے ہی زور زور سے سر کو نفی میں جنبش دے دی۔ بارش نے ونڈ اسکرین کو بالکل دھندلا دیا تھا۔ کیونکہ وائپر اس لمحے ساکن تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دونوں کسی سبمرین میں بیٹھے ہیں۔ ان کے اس پار ایک گہرا تاریک سمندر ہے۔ بہت گہرا اور بہت تاریک۔

"نہیں دراصل مجھ اور تم لوگوں میں بہت فرق ہے تو۔"اس بار پھر سے اس کی بات قطع کی گئی۔ اس بار پھر سے اس کو ٹوک دیا گیا۔

"کیسا فرق، اسٹیٹیس کا؟"وہ غصہ ہو رہا تھا۔ فلک کی بولتی جانے کیوں بند ہو گئی۔

"کون سا اسٹیٹیس، جو تم میں اور مجھ میں ہے۔ مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آ رہا۔ تمہاری آنکھ پتہ نہیں کیسے دیکھ رہی ہے یہ سب۔ یو نو واٹ تم سے زیادہ میں سروائیول رہ چکا ہوں۔ ایک وقت تھا جب میں روٹی کو بھی ترستا تھا۔ بدن پر کپڑے نہیں ہوتے تھے اور پاؤں میں جوتے نہیں، میرے باپ نے مجھ سے نگاہ موڑ لی تھی کیونکہ میں ان کے گرم خون کی ایک غلطی تھا اور میری ماں۔" اس کے چہرے پر دکھ اور تلخی کے آثار پھیلے۔ فلک سانس روکے اسے سنے گئی۔"وہ مجھے محظ پیسوں کیلئے چھوڑ کر چلی گئی۔ مجھے تو ان کی شکل بھی نہیں یاد۔ معلوم ہی نہیں ہے کون عورت ہے وہ، کہاں

ہے۔ہے بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ محرومیوں میں ترستے ہوئے گزارا ہے۔ محرمی اب بھی میرا مقدر ہے فلک، یہ دولت یہ نمائش کچھ بھی نہیں ہے اگر آپ کے پاس رشتے نہیں ہیں۔ دس سال کی عمر تک میں رشتوں کیلئے ترساہوں۔ تڑپا ہوں۔ میرا باپ مجھ سے کترا کر چلا جاتا تھا کہ کہیں میں ان کو بابا نہ کہہ دوں۔ میرے بہن بھائی مجھ سے آشنا نہیں تھے۔ میں نے اندھیروں میں ڈرتے ہوئے راتیں کاٹی ہیں۔ میں نے اللہ سے خود کے مرنے کی بہت دعائیں مانگی ہیں۔ لیکن شاید میرے حصے میں زندگی تھی تبھی آج میں یہاں تمہارے ساتھ ہوں۔"اس کے آنکھوں میں حزن کی گہری پرچھائی تھی۔ اس کے چہرے کا کرب آج داستان سنا رہا تھا۔ وہ تو اس کی حقیقت سے واقف ہی نہیں تھی۔ وہ تو اس کے دکھ سے آشنا ہی نہیں تھی۔ اسے تو فقط اپنا آپ محرومی بھرا لگتا تھا۔ اپنا آپ تنہا لگتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا اس کے سامنے موجود کامیاب انسان جسے وہ چاند سمجھتی تھی اس سے زیادہ داغ دار تھا۔

"دس سال تک میں صرف ترساہی ہوں۔ دس سال کی عمر تک میں نے فاقے کاٹے ہیں۔ دھتکاریں سنی ہیں۔ نفرت سہی ہے۔ آنسو دیکھے ہیں۔"اس کی آواز لرز گئی تھی فلک کو لگا اس کا دل لرز گیا ہے۔

"اس کے بعد چاچو نے دست شفقت دی تو کچھ جا کر زندگی آسان ہوئی تھی۔ مگر ایسی زندگی کا کیا فائدہ جس میں آپ بے نام و نشان ہوں۔ تب بھی میں کوئی بہت خوشگوار نہیں رہا ہوں۔ میں نے

ہاسٹل کی زندگی کاٹی ہے۔ چاچو یہاں ہوتے تھے۔ میرا ویزہ نہیں لگ رہا تھا۔ تو مجھے اکیلے ہی پاکستان رہنا تھا۔ تنہا میں نے کئی تہوار کاٹے ہیں۔ مجھے تو گھر کے سکون کا پتہ ہی نہیں تھا۔ میری ماں کون ہے میں آج تک نہیں جان پایا ہوں۔ میرے باپ نے مجھے ڈھکا چھپا نام تو دے دیا لیکن دنیا کے سامنے اب تک متعارف نہیں کروایا۔ کسی کو نہیں معلوم کہ نوح جبران نون گروپ کے مالک جبران کا بیٹا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کیونکہ اگر کوئی جان گیا تو پھر مسٹر جبران کی عزت کے پرخچے اڑ جائیں گے۔" اس کی تھوڑی کانپنے لگی تھی۔ آنکھوں میں تنفر در آیا۔ بارش تاہنوز جاری وساری تھی۔ پارکنگ کی وجہ سے یہ جگہ گوشہ سکون تھی۔ دو موٹر بائیک اور ایک کار کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ مریل سی روشنی اطراف میں گرتی بھیگی بھیگی سی معلوم ہو رہی تھی۔ تو یہی وجہ تھی اس کے کیک نہ کاٹنے کی۔ تو یہی وجہ تھی ڈائننگ ہال میں پھیلی کثافت کی۔ فلک نے نظریں جھکا دیں۔

"میں ان کا بیٹا ہوں۔ واحد نرینہ اولاد لیکن جانتی ہو، میں ان کے ہر حق سے دستبردار ہوں۔ ان کی دست شفقت سے محروم ہوں۔ رامیہ نے مجھے ابھی تک نہیں قبول کیا ہے۔ میری سٹیپ مام مجھے دیکھ کر رخ پھیر لیتی ہیں۔ مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں جبران مینشن جا سکوں۔ یہ جو تم مائیر اور سیرا کی محبت دیکھتی ہو نا ان کی عمر زیادہ پرانی نہیں ہے۔" وہ چپ ہوا تھا۔ اس نے وقفہ لیا۔ فلک کو لگا گاڑی میں مکمل سناٹا چھا گیا ہے۔ بس وہ ان کی سانسوں کا ارتعاش تھا جو اس میں خلل پیدا کر رہا

تھا۔اسٹیرنگ وہیل کو گھورتا وہ بہت تنہا لگا فلک کو اور اوپر سے اس کی اوپر نیچے ہوتی گردن کی گلٹی۔۔۔

"جب کوئی آپ کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دے۔"اس کی مدھم، بھاری، گھمبیر، درد سے چور آواز ابھری۔"آپ سے منہ موڑ لے۔ آپ کو دھتکار دے۔ آپ کو ایک گناہ کی طرح ٹریٹ کرے اور پھر اچانک۔"اس کی آواز شدید بھرا گئی۔ فلک نے اس کی پلکوں پر نمی کے قطرے دیکھے تو وہ سانس لینا بھول گئی۔ دل اتنا تنگ ہوا۔ ٹیس اس قدر زور سے اٹھی کہ لگا بس ابھی اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ وہ رونے کو ہو گئی۔ اس نے نامحسوس انداز میں مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ اسے سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"اچانک وہ مہربان ہونے لگے۔ آپ پر اپنا تسلط جمانے لگے۔ آپ کی زندگی کی ڈور اپنے حساب کھینچنے لگے۔ اس کا رویہ یہ باور کروائے کہ آپ اب بھی بے وقعت ہو لیکن کسی اور کے اختیار میں ہو تو پھر جینے کا دل نہیں کرتا فلک، پھر دل کرتا ہے کہ دھند چھائے اور بس اس میں فنا ہو جائے۔"

اس نے جب اسے دیکھا تھا تو وہ اسے بہت تنہا لگتا تھا۔ بھیڑ میں بھی گم، کم گو، لیے دیے رویے والا، مضبوط پرسنالٹی اور زبردست بیک گراؤنڈ کا حامل بگڑا ہوا امیر زادہ، لیکن وہ امیر زادہ نہیں تھا۔ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو ایک خالی کشکول ہاتھ میں لیے وہ سائل تھا جو محبت سے لبریز ایک سکے کو ہی متاع جان لیتا ہے۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ وہ بے حد تنہا تھا۔

"نوح۔"اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پکارا۔

"اگر تمہیں میری حقیقت سننے کے بعد مجھ سے نفرت ہو رہی ہے یا کراہت آ رہی تو میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔اس کا اظہار نہیں کرنا بس چپکے سے میری زندگی سے نکل جانا کیونکہ میں۔"

وہ یکدم چپ ہوا۔"میں سہہ نہیں پاؤں گا۔"

پورے عرصے میں اس نے ایک بار بھی فلک کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی۔وہ جب سے اسے آگاہی کے در پر لایا تھا تب سے بس اسٹیرنگ وہیل کو ہی گھورے جا رہا تھا۔لاک بھی اس نے اپنی نظر کو ایک جگہ ٹکا کر ہی کھولا تھا۔فلک اس کا اشارہ سمجھ گئی۔وہ بند لبوں کے ساتھ گاڑی سے نیچے اتر گئی۔اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔وہ اس وقت کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔اس نے غلط کیا تھا۔وہ کچھ تو کہتی، تسلی کے دو بول،یقین دہانی کے دو الفاظ، محبت کے دو دھارے۔کچھ تو بولتی۔شاید اس سے نوح کے دل کو سکون آ جاتا۔شاید پھر وہ اتنا اداس نہ ہوتا جتنا ابھی ہوا تھا۔ لیکن فلک کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔اس کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔وہ بری طرح گنگ ہوئی تھی۔گنگ ہی کھڑی رہی۔

نم سڑک پر وہ سفید کار اسپیڈ میں آگے جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔وہ کار جب تک نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی فلک وہیں کھڑی بھیگتی رہی۔

اذان کی آواز تھی۔ سکوت ساطاری تھا۔ شیشے نم تھے۔ پردے ڈھلکے ہوئے۔ پنار کا فون فلاح کی جانب بلانے کی غرض سے بول اٹھا تھا۔ ٹرکش لب وہ لہجے میں دی جانے والی اذان نے انہیں نیند سے بیدار کیا تھا۔ وہ اٹھے۔ وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ اپنے بیٹے کی دائمی خوشی کیلئے دل سے دعا مانگی پھر اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔ کچن میں جانے کیلئے انہیں چھوٹے سے لاؤنج کو عبور کرنا ہوتا تھا۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی انہوں نے سر کو بلندی پر ڈالا۔ مہمت کے اسٹوڈیو کے دروازے کی جھری سی سفید روشنی افشاں کی طرح نکل کر پھیل رہی تھی۔ جھری باریک تھی لیکن کافی روشن تھی۔ پنار کے ماتھے پر دو بل نمودار ہوئے۔

"کیا مہمت جاگ رہا ہے؟" جہاں تک ان کا خیال تھا وہ سات بجے سے پہلے نہیں اٹھتا تھا۔ انہوں نے لکڑی کی ریلنگ کو تھام کر اپنا وزن اس پر ڈالا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ دائیں جانب مڑے تھے۔ پہلے ہی کمرے کے سامنے انہوں نے خود کو روکا تھا۔ ہاتھ بلند کر کے دو انگلیاں دروازے پر بجائیں۔

"آجائیں بابا۔" انہوں نے دروازہ کھولا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ دھک سے رہ گئے۔ کمرے کے وسط میں فلک کا مومی مجسمہ مسکراتے ہوئے کھڑا تھا۔ وہ مکمل تھا۔ رنگوں سے پر، مہمت خود بھی رنگوں

میں ڈوبا بڑے تنقیدی انداز میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے بال، ہاتھ، چہرے حتیٰ کہ کپڑے تک رنگوں سے بھرے تھے۔ ڈھیلے ڈھالے سفید ٹراوزر کی پاکٹ میں ایک ہاتھ اڑسائے دوسرے میں برش تھامے وہ ان کے دل کو خوف میں مبتلا کر گیا۔ بات پسند کی تھی انہیں لگا تھا۔ بات فقط پسند پر مشروط نہیں ہے وہ جان گئے۔

"مہمت، یہ تم نے کیا بنالیا بچے؟" اس نے سنی ان سنی کی۔ برش کو بلند کر کے اس کی آسمانی رنگ کی اسکرٹ جس میں پورا سمندر آن سمایا تھا پانی کی لہروں کو تھوڑا اور واضح کرنے لگا۔

"فلک کو بنایا ہے بابا، اپنی محبت کو۔" اس کے انداز میں جنون تھا۔ جنون کی چنگاری آنکھوں میں دیکھی جاسکتی تھی۔

"مہمت، تم بابا کو ڈرا رہے ہو۔" ان کا خوف زبان زد عام ہوا۔ اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو ساکت ہوا تھا۔ آنکھوں میں آشفتگی کا رنگ آن سمایا۔ لب بھینچ گئے۔

"اگر آج وہ خوشی نہ آئی تو میں اسے لے کر آؤں گا۔ آپ کو بتانا چاہیے اسے کہ آف صرف دو دن تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ چار دن تک نہیں۔" پنار آگے آئے۔ اس کی کہنی پر ہاتھ رکھا۔

"وہ چھوڑ گئی ہے جاب بچے، اس نے لیٹر بھی بھیج دیا ہے۔" مہمت نے درشتی سے ان کی بات کاٹی۔ ہاتھ ایسے جھٹکا جیسے وہ کوئی اچھوت ہوں۔

"تو آپ کو پھاڑنا چاہیے تھا لیٹر، آپ نے کیوں قبول کیا۔ اس کو بلائیں۔ نہیں آتی تو پولیس کا سہارا لیں۔ وہ۔۔۔ اتنی آسانی سے۔۔۔۔ دستبردار نہیں ہو سکتی۔" پنار ٹھٹھکتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئے تھے۔ مہمت کی خاموشی، اس کا سکون سکون نہیں تھا بلکہ اندر ہی اندر پکتا لاوا تھا جو اب پھٹنے کے دہانے پر کھڑا تھا۔ ان کے دل میں ڈر بیٹھ گیا۔ بے تحاشہ ڈر۔

"مہمت میں تمہیں نہیں کھو سکتا۔ لوٹ آؤ بیٹے، لوٹ آؤ۔" اس نے پھر نہیں سنا۔ وہ اپنے کام میں مگن رہا جیسے یہی سب سے اہم ہے۔ بس یہی کل حیات ہے۔

وہ جسے بنا چکا تھا وہ اس وقت بہت سارے کپڑوں میں ملبوس غفران کے گھر کے اندرونی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ سردی سے اس کی ناک لال ٹماٹر ہو چکی تھی۔ جسم میں ہر سیکنڈ بعد کپکپی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ اس کے سانس لینے کے دوران بھی منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔ ناک کا ایک کونہ سردی سے پھٹ کر خشک ہو چکا تھا۔ جس پر اس نے ڈھیر ساری ویزلین لگائی تھی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ ہوا کافی خشک تھی۔ دانت کپکپا رہے تھے اور چھینکیں وہ تو وقفے وقفے سے جاری و ساری تھیں۔ آج دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی تھی۔ کیونکہ آج اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا جو اس کا منتظر رہتا تھا۔ آج ڈورمین اجڑے ہوئے بالوں اور نیند کے خمار سے بوجھل آنکھوں والا مائیر تھا۔ فلک کو دیکھ کر اس نے دانت بجاتے ہوئے سلام کیا۔ ایک سیکنڈ میں ہی دروازہ کھلنے سے سردی قبضہ

گروپ کی طرح ان کے گھر اندر آن داخل ہوئی تھی۔اس کے پیچھے مائیر نے ہاتھ رگڑتے ہوئے دروازہ بند کیا پھر خود میں سکڑتے ہوئے بولا۔

"بات سنو،ایک ایکسٹرا چابی تم اپنے پاس رکھ لو تاکہ آئندہ ہمیں اس طرح کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"وہ چھتری فولڈ کر کے رکھتی ہوئی اس کی بات سن رہی تھی۔اندر جاتے جاتے وہ اچانک مڑا پھر سردی کے لرزے کے دوران ہی گویا ہوا۔

"اور تم آئی کیسے ہو،آج کی تاریخ میں تو گزشتہ سات سالوں سے زیادہ سردی ریکارڈ کی گئی ہے۔پہیہ جام ہے آج تو۔"فلک نے چھنکنے کے بعد بازو سے اپنی ناک کو رگڑا پھر دہکتے ہوئے سرخ گالوں کے ساتھ مخاطب ہوئی۔

"طوفان آئے یا پہیہ جام ہو ہم ڈیوٹی والوں کو آنا ہی پڑتا ہے۔"پورا لاؤنج نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔دبیز پردے گرے ہوئے تھے۔گیٹ آج پھر آدھے سے زیادہ برف میں دھنسا تھا۔بارش کے بعد پوری رات برف گرتی رہی تھی۔اب بھی ڈبل مقدار میں گر رہی تھی۔نظام زندگی جیسے رک سا گیا تھا۔اس نے پچھلی بار والی ٹرک آزمائی اور گیٹ پھلانگ کر اندر آگئی۔

"اچھا اب کام کرنے نہ بیٹھ جانا۔گھر پورا صاف ہے کوئی ضرورت نہیں صفائی کی۔بس تھوڑے سے برتن ہیں انہیں واش کر دو لیکن اس سے پہلے اپنے لیے اور میرے لیے اسٹرانگ سی چائے بناؤ میں

میڈیسن لے کر آتا ہوں۔" وہ ہدایت دیتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فلک نے کیتلی کو برنر آن کر کے رکھا۔ شیشے کی کیتلی میں پتی رنگ چھوڑتی نظر آ رہی تھی۔ مائیر جب کمرے سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو موٹے موٹے کمبل تھے۔ ایک اس نے سنگل صوفے پر رکھ دیا اور دوسرا ڈبل پر، سنگل صوفہ اور ڈبل صوفے کے درمیان کافی ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ فلک اس میز پر ٹرے رکھ رہی تھی۔ مائیر سنگل صوفے پر کمبل تھوڑی تک تانے بیٹھ گیا۔ چائے کا کپ اٹھانے کے بعد اس نے فلک کو میڈیسن دی اور ڈبل صوفے کی جانب اشارہ کر دیا۔

"کمبل اوڑھ کر بیٹھو اور یہ میڈیسن چائے کے ساتھ لو چھینکیں رک جائیں گی۔" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے صوفے پر جا بیٹھی۔ کمبل کو اس نے گھٹنوں پر ڈال لیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا ارتعاش بتا رہا تھا کہ اسے ضرورت سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔

"آج ہم میں سے تو کوئی کہیں نہیں جا رہا۔ غفران انکل اس وقت بلینکٹ میں دبکے اپنے زمانے کا کوئی ناول پڑھ رہے ہیں۔ سیر اسوئی ہوئی ہے اور نوح، وہ موصوف اس وقت ورک آؤٹ میں مگن ہیں۔" وہ اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گیا تھا۔ باتوں باتوں میں بتا دیا کہ گھر میں دو اہم شخصیات جاگی ہوئی ہیں۔ نیم اندھیرا ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

"پھر میں آپ لوگوں کیلئے ناشتہ تیار کر دوں؟"مائیر نے چائے کی لمبی چسکی بھری۔اس کے سینے تک گرمائش اتر گئی تھی۔

"ابھی کچھ زیادہ صبح ہے۔ابھی نہیں۔تم سے ایک بات پوچھوں؟"اس کا ڈکٹیٹر اچانک انگڑائی لے کر بیدار ہوا۔آنکھیں سکیڑے وہ اس لڑکی کو دیکھے گیا جس نے گڑبڑا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیا نوح کا تمہاری طرف کوئی رجحان ہے یعنی اس نے تمہارے لیے کبھی کوئی نوکری تلاش کی ہے؟"فلک نے فٹ سے نفی میں سر ہلایا۔لاؤنج کا ماربل سردی کی شدت کی وجہ سے اچھا خاصا نم ہو چکا تھا۔ہیٹر کی گرمائش بھی اس نمی کو روک نہیں پائی تھی۔جانے سے پہلے اسے اس نمی کو بھی پونچھنا تھا۔

"بالکل بھی نہیں،یہ سوال کیوں کیا؟"مائیر پر تجسس انداز میں تھوڑا آگے کو ہوا پھر سرگوشی میں منہ پر ہاتھ کا چھجا بنا کر اس سے کہنے لگا۔

"وہ آج کل کسی لڑکی کے چکروں میں ہے۔"پھر اس نے اس کے کمرے کی جانب رخ کیا کہ کہیں آ تو نہیں رہا۔تسلی ہو جانے پر پھر سے کہہ رہا تھا۔"اور میں اس کی کھوج میں لگا ہوں۔اگر تمہیں کچھ معلوم ہو تو تم مجھے ضرور آگاہ کرنا۔میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔"اسی دوران لاؤنج کی فینسی لائٹس روشن ہوئی تھیں۔وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا رخ موڑا تو سنجیدہ خاموش چہرے کے ساتھ وہ

وہاں پر موجود تھا۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔ غیر مفہوم نگاہ پر فلک اپنی جگہ سے اسپرنگ کی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ نوح ایک بار ان کو تکنے کے بعد کچن کا رخ کر گیا تھا۔ علیٰ الصبح اسے قہوہ پینے کی عادت تھی وہ اسی غرض سے کیتلی ڈھونڈ رہا تھا جو ابھی ابھی فلک نے میلی کی تھی۔ اس کے کچن میں آنے سے پہلے ہی وہ گلوز چڑھا کر کیتلی کو دھونے لگا تھا۔ پانی بھرنے کے بعد اس نے اسے برنر پر رکھا پھر سبز چائے کا جار اٹھا کر کچھ پتے ابلتے پانی میں ڈال دیے۔

"چلو بھئی، میں تو چلا اپنے کمرے میں جب تم بریک فاسٹ بناؤ تو مجھے آواز دے لینا۔" فلک ایپرن پہنتے ہوئے اسے سن رہی تھی۔ نم سا فرش، سرد سا کچن، نیلگوں سی آگ۔۔۔

قہوہ بن چکا تو وہ اسے مگ میں نکال کر جانے ہی لگا تھا کہ بری طرح ٹھٹھک کر رک گیا۔ چونک کر گردن موڑی۔ نگاہ اپنے بازو پر تھی۔ بازو سے پھسلتی نگاہ اس سے منسلک ہک پر گئی اور ہک سے ان انگلیوں پر جس نے انہیں تھاما ہوا تھا۔ وہ کل رات سے اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کل رات سے نوح جبران سے نظر انداز ہو رہی تھی۔ اسے ڈر تھا اگر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے گا تو فنا ہو جائے گا۔ اس کا ڈر تاہنوز قائم تھا لیکن۔۔۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" مدھم سی سرگوشی، آس بھرا سوال۔

"کیا تم کرنا چاہو گی؟" سوال پر سوال، خوف زدہ لرزتا ہوا سوال، بکھرا، دبکا، سہما ہوا سا سوال۔

"نوح جبران، تم اب میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔" اس نے بازو سے شانوں اور پھر شانوں سے آنکھوں تک کا سفر طے کیا تھا۔ وہ فنا نہیں ہوا۔ وہ جاویدہ ہی کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں، ہاں ان آنکھوں میں حقارت نہیں تھی۔ تحقیر نہیں تھا۔ کراہت نہیں تھی۔ ان آنکھوں میں تھا تو شکوہ، ناراضی، حزن، افسوس۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا کہ میں تمہاری حقیقت سن کر تم سے دور چلی جاؤں گی یا ایسا کرنے کا سوچوں گی۔ دوستی کے پیمانے پر کب ذات پات، اونچ نیچ اور دیگر چیزیں آنے لگیں۔" فلک سرخ ناک کے ساتھ شکوہ کر رہی تھی۔ نوح اسے دیکھتا رہا۔

"دوستی، اگر میں تمہیں کہوں میں تمہیں دوستی سے بہت اوپر دیکھتا ہوں۔ اگر میں کہوں میرا دل تمہارے بغیر ویران ہے۔ میری زندگی تمہارے بغیر اجاڑ تو؟" اس کی آنکھیں سرخ تھیں صاف رتجگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ فلک اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا دی۔

"تو میں کہوں گی میرا بھی یہی حال ہے۔" نم سے لاؤنج میں، سفید روشنیوں میں گھری اس لڑکی نے اپنی زندگی میں آئے پہلے مرد سے پہلا پہلا اعتراف کر لیا۔ نوح کی تھوڑی یکلخت کانپی۔ اس کے لب کھل کر بند ہوئے تھے۔ وجود میں برپا ہوتے ارتعاش کو قابو میں پاتے ہوئے اس نے وہ کہا جو وہ دل سے سوچ رہا تھا۔ اس نے وہ کہا جو وہ ابھی فوراً چاہتا تھا۔ اس نے کہا، دیواروں نے

سنا، کیبنٹ، نیلگوں آگ، نم فرش، دبیز پردے، برستی برف اور فلک کی سماعت۔۔۔سب نے سنا بغور سنا۔

"اور اگر یہی دوستی مضبوط رشتے میں بدل جائے تو، اگر میں کہوں میری حیثیت کے ساتھ مجھ سے نکاح کر لو تو؟" وہ جانتا تھا جواب نہ ہو گا۔ وہ جانتا تھا کوئی بھی گند کی پوٹلی کو اپنے سر پر نہیں اٹھائے گا۔ وہ جانتا تھا وہ اسے رد کر دے گی جیسے اس کے سگے باپ نے کیا تھا۔ جیسے عروبہ نے کیا تھا۔ جیسے معاشرہ کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا۔ فلک کی چپ، پتھرائی آنکھیں اور ساکت ہوتے وجود پر وہ لبوں پر تضحیکی مسکان لانے ہی والا تھا کہ رک گیا۔ تھم گیا، جم گیا۔

"تو میں سوال کروں گی کب کرنا ہے نکاح۔" اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔ غلط سمجھا ہے۔ نوح کی جرسی پر لٹکا ہک ابھی تک فلک کی انگلی میں قید تھا۔ برف ابھی تک برس رہی تھی۔ دبیز پردے تاہنوز چٹان سے کھڑے تھے۔

"میں نے۔" اس کی گردن کی گلٹی اوپر نیچے ہوئی۔ اس نے جھٹ سے ہونٹوں کو تر کیا۔ "میں نے مجھ سے شادی کی بات کی ہے۔ کیا تم سب کچھ جان کر بھی حامی بھرو گی۔" اس کا مستحکم انداز میں ہلتا سر نوح کے بدن میں ٹھنڈ اتارنے لگا۔ ہاتھ میں تھامے مگ میں سے کب کی بھاپ اڑنا بند ہو چکی تھی۔ سانس بہت آہستہ آہستہ ناک سے نکل رہی تھی۔

"تمہارے گھر والوں کو اعتراض نہ ہو تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر وہ فرش کو کھوجنے لگا۔ دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفلوج ہو چکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا۔ پھر اس کے لبوں پر تضحیک کے رنگ بکھر گئے۔ سر کو جھٹکا جیسے کسی تکلیف دہ صورتحال کو دماغ سے جھٹکا ہو۔

"یہ بات تم کچھ وقت بعد کرنا اگر تب بھی تمہارا موقف نہیں بدلا پھر میں سمجھوں گا تمہیں واقعی میں فرق نہیں پڑتا۔"اس کی آواز میں بھی ماضی کی پستی چھائی ہوئی تھی۔ اپنی جرسی کا ہک بہت آرام سے اس کے ہاتھ سے چھڑوا کر وہ ٹھنڈے قہوے کے مگ کو کاؤنٹر میز پر رکھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فلک دم سادھے اسے وہاں سے جاتا دیکھ رہی تھی۔ روشن نم سالاؤنج منہ بسورے اس صورتحال کو تکتا گیا۔ ٹھنڈی آہیں ہر سو پھیل گئیں۔

احسن رضا کے ساتھ رخصت ہوئے اسے آج دوسرا دن تھا۔ اس دوسرے دن ہی تنزیلہ حواس باختہ پاکستان پہنچی تھیں۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا ان کی سمجھدار، بہت زیادہ سوجھ بوجھ رکھنے والی بیٹی اس طرح کا جذباتی فیصلہ کرے گی۔ وہ اپنی ماں کے بلانے پر جبران مینشن میں موجود تھی۔ سیٹنگ ایریا کی ایک کرسی رامیہ نے سنبھالی ہوئی تھی اور دوسری پر وہ بیٹھی تھیں۔ کچھ

متوحش سی، پریشان کن۔۔۔احسن رضا کی تصاویر دیکھتے ہی ان کے ذہن میں ادراک کے جھماکے ہوئے تھے۔بہت کچھ تلخ تھا جو یاد آگیا تھا۔وہ کس کیٹگری سے تعلق رکھتا تھا سب کچھا چٹھا نکلوا چکی تھیں وہ، ایک حادثے کی تو عینی شاہد تھیں۔جس مرد کی نظر اپنے سے بڑی عمر کی عورت کیلئے صاف نہیں تو اس کا کردار بھلا کس طرح صاف ہو سکتا تھا۔انہوں نے خفگی کا اظہار کیا، بے حد کیا۔

"مجھے یقین کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ناقابل فہم سی بات لگ رہی ہے کہ میری بیٹی یوں اچانک اتنا بڑا قدم اٹھالے گی۔" آج بھی دیکھا جائے تو تنزیلہ اتنی فٹ تھیں کہ ہر کوئی ان کو نظر بھر کر دیکھتا تھا۔وہ رامیہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی کہیں سے اس کی ماں نہیں لگتی تھیں۔ان کے ریشم سے سلکی بال، سراپا، دودھیا گلابی رنگت اور ایٹی کیٹس۔۔۔ہر کوئی ان کو مڑ کر ضرور دیکھتا تھا۔ہر کوئی ان سے مرعوب ضرور ہوتا تھا۔

"میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا ہے مام، مجھے وہ اچھا لگ رہا تھا قبل اس کے یہ اچھائی جنون کا رخ اختیار کرتی میں نے اسے زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا دیٹس اٹ۔" تنزیلہ کے لب بھینچ گئے۔ وکٹورین طرز کی دیوار گیر کھڑکی کے پٹ بند تھے۔شیشے بارش کی وجہ سے دھندلا گئے تھے۔جس طرح سے ان کی سب کی زندگی دھندلائی ہوئی تھی۔جس طرح سے سب نے وقت سے مار کھائی ہوئی تھی۔تنزیلہ کا گہرا سانس ماحول کو مزید بوجھل کر گیا۔

"رامیہ، تم جانتی ہو اس کے باپ کے ساتھ میرے مراسم رہ چکے ہیں۔" انہوں نے ضبط کے کڑے مراحل طے کر کے اسے باور کروایا۔ رامیہ نے گولڈ آؤٹ لائن والے سفید کپ کو لبوں سے لگایا۔ سیاہ مائع حلق سے ہوتا ہوا اس کے رگ وپے میں سکون دوڑا گیا۔ مگر اس کے جملے نے تنزیلہ کو بے سکون کر دیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"آپ کے مراسم آدھے پاکستان سے ہیں مام، اب اس وجہ سے تو میں کسی کو نظر انداز نہیں کر سکتی نا۔" اور تنزیلہ کو لگا کسی نے بھرے بازار میں ان کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہے۔ گلابی چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا۔ ایک دم سے گزرے ماہ وسال آنکھوں کے سامنے کسی چھکڑ کی طرح آ کر گزرے۔ ان کو لگا ان کا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا ہے۔

"اپنے لفظوں پر غور کرو رامیہ۔" درشتی کے ساتھ اسے ڈپٹ دیا۔ کافی انہیں کافی سے زیادہ تلخ لگی۔ کڑواہٹ روح میں گھل گئی تھی۔

"آپ اپنے اعمال پر کیوں نہیں غور کرتیں مام، ٹھیک ہے بابا نے آپ کو ڈچ کیا ان سے نفرت کرنا جائز ہے لیکن اس نفرت کی وجہ سے اپنا مقام اپنا کردار گرا لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔" تنزیلہ کی آنکھیں غم وغصے کے سبب پھٹ گئیں۔ بے اختیار ان کا ہاتھ اٹھا لیکن وہ رامیہ کے چہرے تک نہ جا

سکا ہوا میں ہی معلق رہا۔ ان کی بیٹی، یہ ان کی بیٹی کو کیا ہو گیا تھا۔ کیوں ہو گیا تھا۔ وہ شدید غصے کے سبب بول نہیں پائیں۔ ان کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

"اپنی حد میں رہو رامیہ۔" بدقت تمام وہ اس پر دبی آواز سے غرائی تھیں۔ رامیہ نے طنزیہ ہنکارہ بھرا۔

"رک کیوں گئیں اٹھائیں ہاتھ ویسے ہی جیسے آپ نے ہر غلط قدم اٹھایا ہے۔" تنزیلہ ہاتھ کی مٹھی بنا کر شدت سے وہاں سے گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی نمی نے رامیہ کا دل کپڑ لیا تھا۔ اس نے میز پر کپ پٹخا اور پھر سینے پر بازو باندھ کر بیٹھ گئی۔ ماتھے پر بل تھے اور آنکھوں میں حقارت، خود کیلئے حقارت، اپنی فیملی کیلئے حقارت، وقت کیلئے حقارت۔

"بروکن فیملی کے بروکن اثرات۔" تلخ مسکان اس کے چہرے پر سج چکی تھی۔ آنکھوں میں نادیدہ سی نمی تھی۔ "کاش، کاش کہ بابا کریکٹر لیس نہ ہوتے۔ کاش نوح اس دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ کاش آپ نے انہیں رنگے ہاتھوں نہ پکڑا ہوتا۔ کاش آپ دونوں ہماری پرواہ کر کے ایک دوسرے سے لڑتے نہ، کاش کرداروں پر کیچڑ نہ اچھلتا، کاش اس کی وجہ سے ہماری شخصیت مسخ نہ ہوتی، کاش بابا نے انکار نہ کیا ہوتا۔۔۔ کاش۔"

وہ ایک بزنس وومن تھی۔اس کی نظر کافی گھاک تھی۔احسن رضا کے کردار میں جھول اسے اول دن سے ہی نظر آیا تھا۔ مگر اس کا کردار اتنا آلودہ ہے اسے یہ ان دو دنوں میں معلوم ہوا تھا۔اس کے بابا اگر انکار نہ کرتے تو وہ مر کر بھی اس سے شادی نہ کرتی۔ مگر بات تو وہی تھی انکار وہاں سے ہوا تھا جہاں سے وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔اس نے آج تک اپنی زندگی کے تمام غلط فیصلے ان کے انکار ان کی ٹوک کی وجہ سے ہی کیے تھے۔رامیہ نے ہر وہ کام کرنا ہوتا تھا جسے جبران نفی کر دیں۔یہ بات رامیہ جانتی تھی۔یہ بات وہ جان جاتے تو کتنا اچھا ہوتا نا۔ لیکن اب، اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے غلط فیصلہ کر لیا تھا۔اپنے ہر غلط فیصلے پر ڈٹے رہنے والا اصول اس نے اس رشتے کیلئے بھی اپنا لیا تھا۔وہ ایک بار پھر اپنا نقصان کر رہی تھی بہت بری طرح سے کر رہی تھی۔ مگر سیرا اس جیسی نہیں تھی۔ماں باپ کی چپلقش نے جہاں رامیہ کو ضدی، ہٹ دھرم اور ذہنی مریض بنا دیا تھا وہیں سیرا پر اس کا الٹا اثر ہوا تھا۔وہ صلح جو، دھیمی اور رشتوں کو مضبوطی سے جوڑنے والی بن گئی تھی۔ اس کی زندگی کی ایک ہی لگن تھی اور وہ تھی ہیپی اینڈنگ، وہ کبھی بھی اپنے والدین جیسا گھر نہیں بنائے گی۔وہ کبھی بھی نفرت کو پھلنے پھولنے نہیں دے گی۔اسے امن چاہیے ہر صورت چاہیے۔ وہ ہاتھ میں فون لیے آنسو بہاتی لاؤنج کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھی تھی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔اس کی بڑی بہن نے کسی سے بھی کوئی بھی مشورہ کیے بنا ہی شادی کر لی ہے۔ایک فون کال، ایک فون کال تو کر سکتی تھی وہ۔ کچھ روز تو انتظار کر ہی سکتی تھی وہ، اتنی بھی کیا بے زاری،

اتنی بھی کیا آزادی کہ وہ یوں بنا بتائے شادی کر لے۔ خبر تک نہ دے۔ اسے اپنے قریب کسی کا احساس ہوا۔ اس نے گردن اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ جانتی تھی وہ کون ہے۔ پنجوں کے بل بیٹھنے کے بعد آنے والے نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے تھپتھپایا تھا۔ یہ وہی انسان تھا جو پہلے پہل اس کی محبت کو جھٹلا دیتا تھا۔ جھٹک دیتا تھا۔ اسے سختی سے خود سے دور رہنے کی ہدایت دیتا تھا لیکن کب تک، وہ بڑا ہوا، ہوشیار ہوا تو خود ہی موم ہو گیا۔ اس کیلئے اس کی واحد بہن بہت معنی رکھنے لگی تھی۔ وہ اسے چاہنے لگا تھا بے تحاشہ، دیوانوں کی طرح اتنا زیادہ کہ اس کی آنکھ میں ایک آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دکھ اسے دکھ میں مبتلا کر دیتا تھا جس طرح اب ہو رہا تھا۔ بہت زیادہ ہو رہا تھا۔

"اسے کم از کم بتانا چاہیے تھا۔" سیرا کو ایک ہی دکھ تھا۔ ایک ہی قلق۔

"اس کی زندگی کا فیصلہ تھا اس کی مرضی۔" اس نے سمجھانا چاہا۔ وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"صرف آپ کی وجہ سے اس نے مجھے اپنی زندگی سے عدم کیا۔ وہ اتنی تنگ دل ہو جائے گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔" نوح کا ہاتھ ابھی تک اس کے بالوں کو تھپک رہا تھا۔ کمرے میں سے مائیر اور غفران ایک ساتھ نکلے تھے۔ وہ دونوں وہیں جم گئے۔ مائیر کا جبڑا بھینچ گیا۔ وہ سیرا کے آنسو کسی طور برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"اس لیے کہتا تھا مجھ سے مت گھلو ملو۔"سیر انے ڈبڈبائی آنکھیں اٹھائیں۔نوح کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ایک بہن سے دوسری بہن کا حق چھن چکا تھا۔ایک بہن سے دوسری بہن کی خوشیاں جدا کر دیں گئیں اور اس سب کا ذمہ دار وہ تھا۔صرف اس کی ذات۔

"بھائی یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ،اب آپ مجھے دکھ پہنچا رہے ہیں۔"وہ باقاعدہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو دی تھی۔مائیر نے سختی سے مٹھیاں بھینچیں۔اس کا نچلہ لب دانتوں کے بیچ بری طرح الجھ گیا۔غفران نے بازو کا گھیرا اس کے گرد کر کے اس کی کہنی کو تھپکا تھا۔

"کم آن بچے۔"جب اسے سیر اپر بے حد پیار آتا تھا۔جب وہ اسے بے حد اچھی لگتی تھی۔جب وہ روتی تھی یا بیمار ہوتی تھی۔جب اسے چوٹ لگ جاتی تھی یا وہ ناراض ہو جاتی تھی۔وہ اسی لقب سے اسے پکارتا تھا۔اسی انداز میں بلاتا تھا۔اس نے اس کا سر اپنے شانے سے ٹکایا۔

"بہادر بنو۔"وہ اسے تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بس اب رونا بند کرو،اگر تمہارے ہونے والے شوہر نے اس طرح دیکھ لیا تو سارا کا سارا مجھے ہی مورد الزام ٹھہرائے گا۔جانتی تو ہو کتنا ٹچی ہے تمہارے معاملے میں،اس کا گھونسا اچھے اچھوں کے ہوش اڑا دے۔"سیر اکی ہچکی بندھی تھی۔وہ پھر بھی روتے روتے ہنس دی۔مائیر کے روہانسے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑی تھی۔"ڈرامے باز"یہ نوح کیلئے مائیر کا اس لمحے کا خطاب تھا۔اسی

دوران کال بیل بج اٹھی۔ چونکہ گھر کے مکین جاگے ہوئے تھے اس لیے دروازہ کھلا تھا۔ آنے والی اندر آئی۔ اپنے عقب میں موجود دروازہ بند کر کے لاک کیا پھر کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکا دیا۔ یونیفارم میں ملبوس، سر پر پی کیپ جمائے گلے میں اپنے نام کا کارڈ لٹکائے وہ گیلری کے آخری سر پر پہنچتے ہی جم گئی۔ منظر واضح تھا۔ منظر بہت ذاتی تھا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔ کیا کرے، کیا نہ کرے کے دہانے پر آن کھڑی ہوئی۔

"چلو بس اب چہرہ صاف کرو اور وعدہ کرو مزید نہیں روگی۔" وہ اس کے شانے سے الگ ہوئی۔ نوح نے اپنی جرسی کے بازو کو انگلیوں میں پکڑ کر دونوں ہتھیلیوں سے اس کی آنکھیں اور گال رگڑے۔ سیر انے گہرا سانس لیا پھر پر عزم انداز میں بولی۔

"نہیں آنسو بہاؤں گی۔" منہ پھولا تھا۔ سرخی و سوجن آنکھوں پر موجود تھی۔ نوح مسکرا دیا۔ اس کی مسکان دلفریب تھی۔ فلک کیلئے یہ منظر بالکل نیا تھا۔ اس نے فوراً سے نظر نیچی کر لی کیونکہ وہ جانتی تھی ساری بات نظر کی ہے چاہے تو دل میں اتار دے چاہے تو قبر میں، وہ نہیں چاہتی تھی اس کی نظر میں حسد کا عنصر شامل ہو۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی نظر میں حسرت کی ملاوٹ ہو جو ان کی خوشیوں کو غم کی لحد میں اتار دے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دل میں ہوک اٹھی جس کے سبب اس نے فوراً سے سر کو جھکا کر نظر کو دائیں بائیں بکھیر دیا۔ لاحول ولا قوۃ اس کے لبوں پر آن ٹھہرا۔

"پکا وعدہ۔" اپنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس کی طرف بڑھائی۔ سیرا نے اس کی مٹھی سے اپنے ہاتھ کی مٹھی مس کی طرح۔

"پکے والا وعدہ۔" اس کے وثوق سے کہنے پر نوح نے پیار بھری شفقت سے اس کے بال بکھیر دیے تھے۔ فلک نے ان کی دائمی خوشی کی دعا کی تھی۔ وہ اجازت کے انتظار میں تھی۔ غفران نے سر کو جنبش دے کر اسے اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ چپ چاپ کچن کے احاطے میں آ گئی۔

"چلو اب اٹھو، ٹھنڈ میں بیٹھی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مڑتے ہی دونوں کی نگاہ کچن میں کھڑی فلک پر گئی تھی۔ وہ نگاہیں ملتے ہی گڑبڑا گئی۔ کچھ زیادہ عجلت میں اس نے ایپرن باندھا تھا۔ غفران کی آواز ان کے عقب سے آئی تھی۔

"فلک بیٹا، آج آپ نے زبردست قسم کا ناشتہ بنانا ہے۔ آج ہم فیملی بریک فاسٹ کریں گے۔" وہ اس حکم پر اثبات میں سر ہلا گئی۔ نوح سیرا کو لیے وہیں صوفے پر براجمان ہو گیا۔ مائیر اور غفران نے بھی شمولیت اختیار کی۔ ہلکی پھلکی گفتگو کا دور چل نکلا تھا۔ قہقہے بے ساختہ و بامقصد تھے۔ ماحول سے کثافت یک لخت ہی اڑن چھو ہوئی۔ وہ تیزی تیزی ہاتھ چلا رہی تھی۔ وقفے وقفے سے کلائی موڑ کر وقت بھی دیکھ لیتی تھی۔ اس نے سب کام نبٹا کر بالکل اینڈ میں ناشتہ میز پر چنا تھا۔ چائے کی کیتلی کو رکھتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نگاہ میز پر دوڑائی۔ فرنچ بریک فاسٹ، چمکتی ہوئی سنہری

کراکری، گولڈ فیول واز میں موجود تازہ مہک دار مارننگ گلوری۔ سب ٹھیک تھا۔ سب مکمل، ایپرن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ مڑ گئی۔ لاؤنج میں واپس آئی تو سماں ابھی تک بندھا ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی سیر اکس وجہ سے روئی تھی مگر اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس رونے کا اثر زائل کرنے والوں نے اپنا کام کافی مہارت سے کیا تھا۔ اتنی مہارت سے کہ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں نارمل ہو گئیں۔ گالوں پر سے آنسوؤں کی لکیر مٹ گئی اور لب تسلسل کے ساتھ ابھرتی مسکان میں ڈھل گئے۔ اس کی ریسٹ واچ میں موجود الارم بج گیا تھا۔ باریک سی بیپ پر سب نے مشترکہ طور پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ایپرن اتار کر پنچ آؤٹ کرتی کچن کے احاطے سے باہر آئی۔

"میں نے ناشتہ چن دیا ہے۔ اور اس بار لانڈری میں آپ لوگوں کے کمروں میں موجود صوفوں کے کور بھی موجود ہیں۔ وہ کل تک آجائیں گے تو میں صبح انہیں چڑھا دوں گی۔" روبوٹی انداز میں انہیں آگاہ کرنے کے بعد وہ مڑنے لگی تھی جب غفران کے لفظوں نے باڑ بنا کر اسے روک دیا۔ لفظ کچھ یوں تھے۔

"آپ ناشتہ کر کے جانا۔" وہ گرے و سیاہ بالوں والا سوبر سا انسان کتنا دوستی بھرا دل رکھتا تھا۔ فلک مسکرا دی۔ مسکرا کر ہی سر کو نفی میں جنبش دی۔ جنبش بہت معمولی نوعیت کی تھی۔

"میں ضرور رکتی لیکن مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے۔" مسکراتے ہوئے ہی کہا۔مائیر نے ناک کے آگے سے ہاتھ کو جھلایا تھا۔

"ایک تو اس لڑکی کی انکار کرنے کی عادت۔" وہ جز بز ہوئی۔ایک بار پھر کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔پیٹ کی دوہائی کو نظر انداز کیا کرنے کے بعد وہی کہا جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

"مجھے واقعی میں بہت ضروری کام ہے۔ان شاءاللہ اگلی بار سہی۔" وہ مڑ گئی تھی۔کوٹ اسٹینڈ سے اٹھا کر پہنا، سر پر وول کیپ چڑھائی، ہاتھوں میں دستانے پھر دروازے کا لاک کھول کر باہر جہنم سی سردی میں آگئی۔گرم سے سرد میں آتے ہی اس کی ناک لال ہو گئی تھی۔ابھی مین گیٹ سے اس نے پندرہ منٹ کی ہی مسافت طے کی ہو گی کہ سفید کار اس کے قریب آکر رکی تھی۔رکنے کے ساتھ ہی اس کی پسنجر سیٹ کا دروازہ بھی کھل گیا۔

"آجاؤ۔" اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔شناسا آواز، شناسا ہی چہرہ۔

اجازت ملتے ہی وہ عجلت میں بیٹھی تھی۔یوں بھی اسے دیر ہو رہی تھی۔وہ اگر سب وے سے جاتی تو مزید دیر ہو جاتی۔ایسے اسے آسانی رہے گی۔

"تم نے یقیناً ناشتہ نہیں کیا تھا؟" اس کے بیٹھتے ہی سوال داغا گیا۔وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں دراصل آج مجھے دیر ہو گئی۔ میں راستے میں کسی بھی بیکری سے۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ نوح نے کار کا کمپارٹمنٹ کھول کر ایک باکس اس کے سامنے رکھا۔

"چاچو نے تمہارے لیے بھی بنوایا تھا۔ تم اپنے حصے کا وہیں چھوڑ آئی تو سوچا میں لے آؤں۔" اس نے ہاٹ کافی بھی نکال کر اس کے سامنے رکھی۔ کار کی رفتار معلوم سے کم تھی۔ ایسا اس وجہ سے تھا تاکہ ٹمبلر لڑھک نہ جائے۔ فلک کے دل کا ہچکولہ غیر معمولی سا تھا۔

"ویسے تمہیں کہاں جانا ہے ضروری کام سے، وہیں ڈراپ کر دوں گا کیونکہ ابھی لیکچر میں وقت ہے۔" وہ نارمل سا بات کر رہا تھا۔ بالکل ایسے جیسے ان کے بیچ کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ وہ اپنی شادی کی آفر بھلا رہا تھا۔ وہ اس کی حامی بھلا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کچھ عرصے بعد ہاں ناں کا روپ دھار لیتی ہے۔ وہ کم از کم اپنے برابر بیٹھی لڑکی سے ناں نہیں سن سکتا تھا۔ اس لیے ہاں کی جانب گیا ہی نہیں۔

"ریور سائیڈ پر ایک بہت بڑے انڈین ریستوران سے انٹرویو کی کال آئی ہے۔ بس وہیں جانا ہے۔" اس نے ڈبا کھول دیا تھا۔ اندر سکمڈ انڈے، بریڈ، گرین ویجیٹیبلز اور کچھ مشروم پڑے ہوئے تھے۔ ٹمبلر میں گرما گرم کافی تھی۔ فلک نے رسٹ رنگ کے کانٹے سے انڈے کے ٹکڑے کو اٹھا

کر منہ میں رکھا۔وہ اسے چبا رہی تھی جب نوح کی آواز کار میں گونج گئی ساتھ ہی اس نے موڑ بھی موڑا تھا۔

"مگر تم اسے مینیج کیسے کرو گی۔"سوال میں تشویش پنہاں تھی۔فلک نے اسٹرا سے کافی کا گھونٹ بھرا۔

"میں نے خوشی سے ریزائن دے دیا ہے۔"جام لگی بریڈ کو دانتوں سے کترتے ہوئے اس نے مبہم سے انداز میں بتایا۔نوح کی نظر اچانک اس کے چہرے پر پڑی تھی۔وہ ایک بار پھر کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ٹھنڈ میں گرم کافی کسی نعمت سے کم نہ تھی۔

"مگر وہ تو تمہارا کمفرٹ زون تھا۔"وہ الجھتے ہوئے اس کے چہرے کو کھوج رہا تھا۔کیا وہ واقعی۔۔۔کیا اس کی وجہ سے۔۔۔۔سچ میں؟

"تھا مگر اب نہیں ہے۔اب ہو بھی نہیں سکتا۔"وہ لاجواب ہوا تھا۔فلک نے باقاعدہ طور پر مہمت کو انکار کر دیا۔کرنے کے بعد اس پر مہر ثبت کر دی۔وہ اس کیلئے دل میں کچھ نہیں رکھتی ۔وہ آسائشوں سے مرعوب نہیں ہوتی۔وہ تنہا پنچھی ہے۔مگر کیا وہ تنہا اڑان بھر پائے گی۔

"اوکے، مگر میں کہوں گا ایک بار پھر سے سوچ لو۔خوشی میں تم بہت پر سکون ہو کر کام کرتی آئی ہو۔پیکج بھی اچھا ہے تمہارا اور وہ نزدیک بھی بہت پڑتا ہے۔"بریڈ ختم ہو گئی تھی۔تین انڈے بھی

کھا چکی۔ کافی کا ایک چوتھائی حصہ رہ گیا تھا۔ ہری سبزیاں تقریباً ختم سمجھو، سیاہ مشروم بھی اکا دکا رہ گئے۔

"میری روزی وہاں پر بس اتنی ہی مدت کیلئے تھی۔ جس طرح کی صورتحال ہے مجھے نہیں لگتا میں وہاں جاب جاری رکھ پاتی اس لیے میں نے ریزائن کر دیا۔" اس نے وہ تھوڑی سی بچی چیزوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا تھا۔ گاڑی کی رفتار اب نارمل سے کافی زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ اس روڈ پر آ گئے جہاں جگہ جگہ رفتار بڑھانے کے سائن لگے تھے۔

"اور اگر مہمت نے تمہیں فورس کیا تو، وہ تمہارا بہت اچھا دوست رہ چکا ہے۔" وہ ہر طرف سے تسلی کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہر طرح سے خود کو بہلانا چاہتا تھا۔ ڈبا خالی ہو گیا۔ فلک نے اسے بند کر دیا۔ اب وہ ٹمبلر میں بچی کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اس کا پیٹ اچھا خاصا بھر چکا تھا۔ وہ شام تک اب اسی خوراک کے سہارے گھوم سکتی تھی۔

"ممکن ہی نہیں، بات بس ختم ہو چکی۔" بہت ہی مدھم سے لہجے میں اس نے کہا تھا۔ سڑک کافی شفاف تھی۔ صبح مکمل طور پر بیدار ہو چکی تھی۔ تاہم آسمان گدلے بادلوں سے ڈھکا تھا۔ برف کے گرنے کا خدشہ برقرار تھا۔

"پھر تم اتنی دور جاب نہیں کرو، میرے پاس جاب کر لو۔" کافی مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ اس نے آخری گھونٹ بھرا تو ٹمبلر کے تلے سے لگا اسٹرا تھر تھرا اٹھا۔ آواز باہر تک آئی تھی۔ فلک نے اسے رکھا۔ نوح نے اٹھا کر واپس کمپارٹمنٹ میں ڈال دیا۔

"تمہارے پاس۔۔۔ کس طرح کی جاب؟" اس نے سوچا پھر جھٹ سے جواب دیا۔ زگ زیگ سڑک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اونچائی پر جاتی ان کی کار مزید اوپر کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"اسائنمنٹ، تم نے بس لکھنا ہے۔ نوٹس کو کاپی کرنا ہے۔ لیپ ٹاپ دوں گا اس میں بھی سب تیار کرنا ہے اور میل کر دینا ہے۔ کام کافی آسان ہے۔ یوں بھی تو کسی کو ہائیر کروں گا بہتر نہیں تم کر دو۔" وہ سوچ میں مبتلا ہوئی۔ اس کی سیاہی مائل نیلگوں رنگ چھلکاتی آنکھوں میں نوح کا چہرہ آن سمایا۔

"مجھے اڑھائی ماہ میں ایک خطیر رقم پاکستان بھیجنی ہے اور ہر صورت بھیجنی ہے۔ ورنہ میری بہن کی شادی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ میں جب اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گی تب تمہاری آفر پر غور کروں گی۔ ابھی مجھے بہت محنت کرنی ہے۔"

"پانچ سو پونڈ روز کے، کبھی ہزار بھی دے سکتا ہوں۔ کام پر منحصر کرتا ہے۔" وہ اس کی ہاں سننے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسے کسی طور نہ کرنے نہیں دے سکتا تھا۔ اس کی آفر کافی پر کشش تھی۔ فلک کو اچنبھا ہوا۔

"صرف پیپر ورک کا اتنا معاوضہ؟" اس نے آنکھیں سکیڑ کر شکی انداز میں دریافت کیا۔ جاننا چاہ رہی تھی کہیں وہ اس سے مذاق تو نہیں کر رہا۔ اگر کر رہا ہے تو وہ بہت برا لڑکا ہے اور اگر نہیں کر رہا تو۔۔۔

"اس سے بھی زیادہ ملتا ہے محترمہ، آپ کبھی اس فیلڈ کی جانب آئی ہیں نہیں اس لیے آپ کو اندازہ نہیں ہے۔" اس نے کچھ توقف کیا۔ جوڑ توڑ کی، جمع تفریق ہوئی پھر گلا کھنکھار کر سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی ڈیٹیلز بتا سکتے ہو؟" وہ دلچسپی لے رہی تھی۔ نوح کے لبوں پر معمولی سی مسکان پھیل گئی جسے اس نے جبڑہ بھینچ کر کنٹرول کیا تھا۔ وہ ریور سائیڈ پر پہنچ گئے تھے۔ سمندر کی یخ بستہ ہوائیں، ٹھاٹھیں مارتی لہریں اور اونچی اونچی عمارتیں۔ وہ اپنے دائیں جانب قدموں میں سر پٹختا نیلا سمندر دیکھ سکتے تھے۔ فلک نے اپنی آنکھیں کھڑکی سے باہر جمالیں۔

"جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ تم نے نوٹس کو کاپی کرنا ہے اور یہی کام پیپر کے بعد لیپ ٹاپ پر بھی کرنا ہے اور اس کے بعد مجھے میل کر دینا ہے۔ میں پروف ریڈنگ کروں گا۔ کچھ مسنگ لگا تو تمہیں واپس ایڈیٹ کرنے کیلئے دوں گا ورنہ وہیں سے آگے میل کر دوں گا۔ وقت کی کوئی حد نہیں ہے۔ کسی بھی وقت یہ کام کر سکتی ہو اور آف کورس لیپ ٹاپ میں پورے ماہ کا انٹرنیٹ موجود ہو گا۔" کھڑکی سے بلڈنگز کو نہارتی لڑکی کی آنکھیں چمک گئیں تھی۔ وہ اس کی آفر پر حامی بھرنے کیلئے تیار تھی۔ اس نے ابھی منہ کھولنا ہی چاہا تھا کہ "رسوئی" کے الفاظ اس کی آنکھوں میں آن سمائے۔ اس نے نوح کو رک جانے کو کہا۔ نوح نے گردن اٹھا کر اس ریستوران کو دیکھا جو سمندر سے اوپر بالکل کنارے پر بنا ہوا تھا۔ وہ اس کے کہنے پر کار کو ایک سائیڈ پر لگا گیا۔

"تمہیں کتنی دیر لگے گی؟" گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اس نے دریافت کیا تھا۔ سفیدی کی وجہ سے پورا نظام زندگی درہم برہم ہوا تھا۔ تاہم ہر کچھ پھر بھی رواں دواں تھا۔ اس مین شاہراہ کے علاوہ وہ جانتا تھا اب سے کچھ دیر بعد باقی راستے بھی صاف کر دیے جائیں گے۔ اس لیے تب تک بہتر تھا وہ اس کا انتظار کر لیتا۔ فلک نے سیٹ بیلٹ کھول کر سائیڈ پر گرایا۔

"معلوم نہیں کتنا وقت لگے۔ تم چلے جاؤ میں آ جاؤں گی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ فلک گاڑی سے اتر کر چلی گئی۔ وہ اسے اس ریستوران میں عجلت میں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر وقت دیکھا۔ اس کے بعد جھک کر اس ریستوران کی

بلڈنگ کو نظروں میں لیا۔ وہ اس کا انتظار کرے گا اس نے سوچ لیا۔ پانچ منٹ، دس منٹ، ٹھیک گیارہویں منٹ بعد اس نے ایک کار کو وہاں بہت بری طرح سے بریک لگاتے دیکھا تھا۔ نوح کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ جانتا تھا اسٹریٹ پول پر نصب کیمرے میں اس کی کار کا نمبر اور ماڈل نوٹ ہو چکا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد اس کو پوچھ گوچھ کیلئے پولیس اسٹیشن بلوا لیا جائے گا۔ اس کار میں سے نکلنے والا ادھیڑ عمر آدمی بڑے ہی طیش میں قدم اٹھا رہا تھا۔ نوح دیکھنا چاہتا تھا وہ کہاں جا رہا ہے۔ جب نوح کو اس کی منزل معلوم ہوئی تو ماتھے پر بل آپ ہی آپ بڑھ گئے۔ وہ آدمی رسوئی کے اندر گیا تھا جانے کے ٹھیک دس منٹ بعد باہر آیا۔ جاتے ہوئے بھی اس کا تنفس پھولا ہوا تھا۔ آتے ہوئے تو اور زیادہ اس کا تنفس پھول رہا تھا۔ ایک اضافی چیز یہ ہوئی تھی کہ وہ بار بار اپنے داہنے ہاتھ کو جھٹک رہا تھا۔ اس کی کار وہاں سے جس طیش میں آئی اسی طیش سے واپس بھی چلی گئی۔ نوح نے ایک بار پھر وقت دیکھا۔ فلک کو کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر جانے ہی والا تھا کہ اس کا فون تھرتھرا اٹھا۔ اس نے نمبر دیکھا۔

"چاچو کی کال؟"

اس نے کال پک کی۔ دوسری جانب کی بات سنتے ہی اس کو شدید دھچکا لگا تھا۔ آنکھیں پھاڑے اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ فون ساتھ والی سیٹ پر پھینک کر وہ کار کو ریسورس کر رہا تھا۔ سیاہ تارکول کی نم سڑک پر مڑتے ہوئے گاڑی کے پہیوں میں بھی عجلت و بے یقینی پنہاں تھی۔ اس نے

سرسری سے انداز میں ریورس کرتے ہوئے اپنی کار کے قریب سے ایمبولینس کو گزرتے دیکھا تھا۔ وہ اڑ کر گھر جا رہا تھا۔ سمندر کی ہواؤں میں اس کی سفید کار سیاہ نم دار سڑک پر تنزلی کی جانب جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

پکوڑے تلنے کی خوشبو پورے صحن میں پھیلی ہوئی تھی۔ کچن کی کھڑکی کھلی تھی۔ ٹھنڈے ہواؤں کے جھونکے اندر آتے دل کو تراوہٹ بخش رہے تھے۔ اوس جو رات پتوں پر پڑی تھی اب چلچلاتی دھوپ کے باعث خشک ہو کر رہ گئی تھی۔ مالٹے پورے پک چکے تھے۔ اس لیے اس کی رسیلی خوشبو نے آس پڑوس کے گھروں کو بھی معطر کر دیا تھا تبھی کوئی نہ کوئی سوال لیے ان کی چوکھٹ پر حاضر ہوتا تھا۔ مگر آنے والے کو دھتکار ہی ملتی تھی۔ کہ دینے والا ہاتھ اللہ تعالیٰ نے کسی کسی کا ہی بنایا ہے۔ توفیق بس کسی کسی کے حصے میں ہی آتی ہے۔ نیکی نیکوکار ہی کر سکتے ہیں یا وہ جو چن لیے جاتے ہیں۔ لیکن اس، سرخ اینٹیوں سے بنے گھر میں سے کسی کو نہیں چنا گیا تھا فقط ایک کہ جس میں نقص تھا۔ فقط ایک کہ جس کا نقص اس کے دل کو موم کر گیا۔ ورنہ آج شاید وہ بھی باقیوں کی طرح ہوتی، انہیں کی طرح خود غرض، بے حس اور مفاد پرست۔

"ہائے ماں جی آج تو سبز چٹنی بھی بناؤں گی وہ بھی نئے طریقے کی، صبح ہی یوٹیوب سے سیکھی ہے۔"

فرخندہ کی ایک بہو، اویس کی بیوی، اسی کی طرح جھلی لیکن کینہ پرست اور حسد کی ماری، آج اس کا موڈ خوشگوار تھا کیونکہ آج اس نے دنیا میں آکر دنیا کا بوجھ بڑھا دیا تھا۔

"مرچیں زیادہ نہ کرنا پروین، مرچیں میرے معدے کو جلا دیتی ہیں۔" تیل سے بھری کڑاہی میں پکوڑے ڈالتے ہوئے وہ ان کا حکم سن رہی تھی جو اس وقت کبڈ کھول کھول کر چیزوں کا معائنہ کر رہی تھیں کہ آیا کون سی کم رہ گئی ہیں اور کون سی ختم ہو گئی ہیں۔ ایک ماہ میں وہ دو بار گروسری کرتے تھے۔ ایک ماہ کا راشن اب دس دن بعد ہی ختم ہونے لگا تھا۔ اس لیے گروسری کی معیاد بھی بڑھا دی تھی۔ ماہ میں تین بار، دس دس دن کے وقفے سے۔

"جو حکم اماں جی، مرچیں کم ہوں گی اور ایسی چٹنی بناؤں گی کہ انگلیاں چاٹتی پڑ جائیں گی۔" کچن میں فیڈر لیے داخل ہوتی اویس کی بیوی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ سماعت پر جیسے یقین نہیں آ رہا ہو۔

"خیریت ہے کہیں تعویز شاویز تو نہیں پلانے لگی ماں جی کو، اتنی جی حضوری۔" اس کا لقمہ تھا اور فرخندہ کی غلط سگنل دیتی چھٹی حس، اس نے جھٹ سے اویس کی بیوی کو گھورا۔ نظروں میں شک کا عنصر غالب تھا۔ پروین تو سر تا پا تپ گئی۔ مڑ کر جیٹھانی کو ناک بھوں چڑھا کر دیکھا۔

"یعنی جب آپ جی حضوری کرتی ہیں تو یہی کام کرتی ہیں۔ مجھے پہلے ہی شک تھا۔" امین کی بیوی گڑبڑا گئی۔ بوکھلاتے ہوئے اس نے فیڈر میں دو چمچ پاؤڈر ملک ملایا۔ فرخندہ نے مزید پھٹی آنکھوں سے بڑے امین کی چھوٹے قد کی بیوی کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بے یقینی اور تاسف بھرا تاثر تھا۔ برودیت پورے چہرے پر پھیل گئی۔

"خدانخواستہ، میں بھلا کیوں شرک کے کاموں میں پڑنے لگی۔" دفاع بنتا تھا۔ اس لیے اپنے لیے وہ خود ہی لڑنے کو تیار ہو گئی۔ "میں نے تو ایک ایسے ہی بات کہی ہے۔ تم جو ماں جی سے برابر زبان چلاتی ہو۔ آج ہاں میں ہاں ملا رہی تھی تو مجھ سے ہضم نہیں ہوا۔" پروین نے دانت کچکچائے۔ اس کے دانوں کے داغوں سے بھرے گالوں پر غصے کی آگ دہک اٹھی تھی۔ اس کا پورا دن ہی اس کلموہی نے خراب کر دیا تھا۔ وہ ایسا کر سکتی تھی۔ اسے اس چیز کا ہی تو گر آتا تھا۔ دوسروں کی خوشیوں کو آگ لگانا۔ دوسروں کو بے آرام، بے سکون کرنا۔

"دیکھو آج کے دن تم مجھ سے بات نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ ورنہ پھر ٹسوے نہ بہانا۔" پروین، سات بہنوں میں تیسرے نمبر والی، ان پڑھ جاہل، بھرے پرے خاندان سے اٹھ کی آئی سیاسی سوچ کی مالک، دوسروں کی خوشیوں سے جلنے والی، حسد کرنے والی۔ دوسروں کیلئے دل میں بھر بھر کر کینہ رکھنے والی۔ پھوہڑ، کام چور اور زبان دراز۔

"بس بند کرو تم دونوں یہ چخ چخ، صبح صبح گھر میں نحوست پھیلانے بیٹھ گئے۔ آنے دو تم دونوں کے شوہروں کو کیسا سیدھا کرواتی ہوں میں۔" فرخندہ تو تعویذ والی بات سے ہی نہیں سنبھلی تھی اب تک، یعنی کیا واقعی میں ان کی بہوئیں ان پر جادو کروا سکتی ہیں۔ کیا واقعی ان کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بیٹھے بیٹھے منصوبہ ترتیب دے لیا کہ کس طرح ان دونوں کی شامت ان کے شوہروں سے لگوانی ہے اور اگلوانا ہے کہ آیا وہ واقعی میں ان پر جادو کرتی ہیں یا نہیں۔ ابھی وہ اسی سوچ کے تانے بانے میں گم تھیں کہ ان کا فون بج اٹھا۔ کاؤنٹر میز پر دھرے فون کو اٹھا کر انہوں نے کان سے لگایا۔

"ہیلو۔" خالص کراچی لہجہ۔

"جی میں اویس کی ماں بول رہی ہوں۔" دوسری جانب سے آئے سوال پر وہ بری طرح ٹھٹھکی تھیں۔ دل کو یکدم مٹھی نے بھینچا تھا۔ اویس کے فون سے کسی اور کی کال۔

"کیاااا؟" تصدیق ہونے پر جو خبر انہیں دی گئی اسے سن کر قدموں پر کھڑا ہونا محال ہو گیا ان کیلئے۔ انہوں نے بے ساختہ میز کا کونا تھاما تھا۔ امین کی بیوی نے ہونٹوں کو گول کر کے ساس کو دیکھا۔

"کیا ہوا اماں جی، سب خیریت ہے۔ اویس ٹھیک ہے؟" پروین بے قراری سے دریافت کرنے لگی تھیں۔ فرخندہ کے ہونٹ خشک ہو چکے تھے۔ انہیں بولنے میں دشواری ہوئی۔

"چلو، شروع ہو گیا بڑھیا کا میلو ڈرامہ۔" امین کی بیوی نے دل میں سوچا ابھی وہ جانے کیلئے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ ساس کے حلق سے بر آمد ہوتے جملے نے اس کو بھی پتھر ادیا۔ وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔ الفاظ کچھ یوں تھے۔

"اویس کا، اویس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ہسپتال میں اسٹریچر پر خون میں لت پت پڑا ہے۔" ماں کا دل تھا۔ الفاظ سن کر چر گیا۔ جوں کے توں آگے ٹرانسفر کر دیے۔ پروین بری طرح سکتے میں آئی۔ اس کے وجود میں ایک قطرہ جنبش نہیں ہوئی تھی۔ سماعت جیسے سننے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے دیکھا۔ امین بھائی گھر میں شور کرتے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ محلے کے جاننے والے ایک دو مرد بھی تھی۔ مینہ، نگہت، اس کی ساس سب چادریں اوڑھے ہسپتال کی جانب لپکے ہیں۔ سفید ٹائلز ہیں۔ موت کا سا سناٹا، ادویات کی سانس روکتی مہک اور اسٹریچر پر خون میں لت پت پڑا اس کا شوہر۔

"کافی بڑا ٹرک تھا۔ ٹکر ماری اور نکل گیا۔ صد شکر صرف بائیک چکنا چور ہوئی۔ بندہ لڑھکنے کی وجہ سے کچھ بچ گیا۔" ان آدمیوں کی چہ مگوئیاں تھیں جو اس کو ہسپتال لے کر آئے تھے۔ فرخندہ دوپٹے میں منہ چھپائے روئے چلی جا رہی تھی۔ نگہت ماں کا سر کندھے پر رکھے خود بھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ نمک حرام ہیں دونوں مگر ہیں تو بھائی نا، اس کا دل انجانے خوف کے شکنجے میں بری طرح قید تھا۔ اس کے وجود میں ان دیکھا سا لرزہ تھا۔ مینہ، پروین کا ہاتھ ہاتھ میں لیے مسلسل کچھ پڑھ

رہی تھی۔اس کا دل بھی وسوسوں میں گھرا تھا۔اس کا دل بھی بہت نازک ہو چلا تھا۔ڈاکٹر باہر آئے آکر عندیہ سنا دیا۔

"حادثہ بہت بڑا ہے۔آپریشن کرنا پڑے گا۔کچھ رقم آپ کو کاؤنٹر پر جمع کروانی ہو گی۔وہ کروائیں گے تبھی آپریشن شروع ہو گا۔"زندگی بچانے والے زندگی کی رقم مانگتے ہوئے بالکل بے حس ہو جاتے ہیں۔ماتھے آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں۔یہ نہیں سوچتے تھے سامنے والا خالی ہے یا نہ نہیں، دینے کی استطاعت رکھا بھی یا نہیں۔انہیں بس اپنے پیسوں سے غرض ہوتی ہے۔اب بس یہ ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے۔انسان دوست دل، جذبہ ایمانی مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔اب بس اپنی ہی پڑی ہے سب کو، ابس بس جیب ہی سب پر بھاری ہے۔اویس جلدی سے اٹھ کر کاؤنٹر پر گیا کہ ذرا سی تاخیر کسی بری خبر کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی لیکن رقم کا سن کر اس کے ہوش لمحہ کیلئے اڑے تھے۔اس نے تصدیق کیلئے دوبارہ دریافت کیا۔

"کتنی رقم؟"کاؤنٹر کے اس پار عینک لگائے کھڑی ادھیڑ عمر عورت نے ایک بار پھر کمپیوٹر میں کچھ ٹھک ٹھک کیا پھر رٹا رٹایا جواب دیا۔

"ساڑھے چھ لاکھ۔"وہ سلپ ہاتھ میں تھامے فرخندہ کے پاس آیا۔سر کو ہاتھوں میں گرا دیا۔پھر کچھ توقف کے بعد اس نے سلپ نگہت کے پوچھنے پر اسے دیکھا۔وہ زیرو کی تعداد گن کر سکتے میں

آئی تھی۔اس سکتے میں ہی اس نے فرخندہ کا شانہ ہلایا تھا۔وہ متورم، سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس رقم کو دیکھ کر جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھیں۔سلپ کو اس کے ہاتھ سے چھینا، آنکھوں کے قریب کیا۔دوبارہ پڑھا۔ہاں وہاں ساڑھے چھ لاکھ روپے ہی لکھے تھے۔انہوں نے بے قرار ہو کر امین کی جانب دیکھا تھا۔آنکھوں میں سوال تھا، بہت بڑا تھا۔

"میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہے امی، ہوتی تو بھائی سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی۔آپ فلک کو کال کریں ایسا نہ ہو کہ مزید دیر ہو جائے۔"وہ ٹوٹے ہارے، شکستہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔فرخندہ نے جلدی سے اپنا موبائل اٹھا کر کپکپاتے ہاتھوں سے اس کا نمبر ملایا تھا۔بیل جا رہی تھی۔وہ اٹھا نہیں رہی تھی۔اس نے کال نہیں اٹھائی۔بیل جانے کی معیاد ختم ہو گئی۔انہوں نے ہار نہیں مانی دوبارہ فون ملایا اس بار کال اٹھالی گئی تھی۔

"ہیلو۔"کپکپاتی نحیف آواز۔

"فلک، فلک تمہارے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ڈاکٹرز نے چھ لاکھ کا مطالبہ کیا ہے۔دو منٹ کے اندر اندر پیسے بھیجو دیر نہیں کر سکتے ورنہ میرا اویس۔۔۔ہائے میرا اویس۔"فرخندہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔لہجے میں اپنے بیٹے کی محبت گھلی تھی۔اس کی فکر رچی بسی تھی۔دوسری جانب سسکی لی گئی۔دوسری جانب پکارا گیا۔

"امی، میں۔"اس کی آواز کو اس کی پکار کو توڑ دیا گیا۔رد کر دیا گیا۔ ٹھکرا دیا گیا۔دور آسمان پر آگ سے اڑتی ہوئی انجان جگہ کی مسافر بنی۔اللہ کے حکموں کو کان لگا کر سننے کی سعی کرتا شیطان فرشتوں کے ذریعے بری طرح نامراد ٹھہرا دیا گیا۔اسے آسمان سے نیچے پٹخ دیا گیا۔تارا ٹوٹا۔۔امم ہمم تارا نہیں شیطان کو پٹخا گیا۔آگ آسمان پر لکیر بن کر گزری۔شیطان کو بے دردی سے پھینکا گیا۔

"فلک، میرے بیٹے کی زندگی داؤ پر لگی ہے۔ایک لفظ نہیں، پیسے بھیجو جلدی۔"وہ حکم دیتے ہوئے دھاڑی تھیں۔ان کی آواز لرز رہی تھی۔دل میں اوہام کے سانپ پھن پھیلانے لگے تھے۔دل بس بند ہی ہوا جاتا تھا۔

"امی، میں۔"فرخندہ گلے میں خراشیں ڈال کر چیخیں تھی۔

"فلکک۔"نگہت نے ان کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کر دیا ساتھ میں لقمہ دینا نہیں بھولی تھی۔

"بہت منتیں کراتی ہے یہ، بہت احسان جتاتی ہے۔"وہ اس وقت بھی اس کے خلاف زہر اگلنے سے نہیں رکی تھی۔وہ اس وقت فلک کیلئے دل میں مزید نفرت محسوس کر رہی تھی۔اس کا بھائی زندگی و موت کے دہانے پر کھڑا تھا اور اسے حجتیں سوجھ رہی تھیں۔

"اگر آج تم نے پیسے نہ بھیجے تو تم ہمارے لیے مر گئی۔" فرخندہ نے فون کاٹ دیا۔ پورے تین منٹ بعد امین کے موبائل پر بینک والوں کا میسج آیا تھا۔ سات لاکھ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکے تھے۔

دن اجلا تھا مگر سردی سے لبریز، یخ بستہ ہوائیں ریور سائیڈ پر کچھ زیادہ ہی خطرناک ہو گئی تھیں تبھی جلد کو پھاڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ہاتھ رگڑتی ہوئی رسوئی میں آئی۔ اندر کا ماحول گرم اور پر سکون تھا۔ اسے آج اکاؤنٹنٹ کی جاب کیلئے بلایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ تین اور نفوس بھی وہاں موجود تھے۔ پہلے ان تینوں کا انٹرویو ہونا تھا پھر اس کا۔ وہ بیٹھ کر انتظار کر رہی تھی۔ ایک انٹرویو دے کر آیا اور چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرا لڑکا گیا تھا۔ اس لڑکے کے بعد لڑکی کی باری تھی۔ جو انٹرویو دے رہے تھے وہ دے کا جا رہے تھے۔ وہ لڑکی اندر جا چکی تھی۔ فلک پاؤں جھلاتے ہوئے میگزین اٹھا کر پڑھنے لگی ابھی اس نے پہلا صفحہ ہی کھولا تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ سے میگزین جھپٹا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ سکتے میں آئی تھی۔ دماغ بالکل بھی کام کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ کان میں تھپڑ پڑنے کی وجہ سے سیٹی گونج اٹھی تھی۔ اس سے پہلے وہ معاملہ سمجھتی اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا گیا اس کے بعد دیوار سے لگا دیا گیا۔ وہ آدمی، وہ چہرہ اس کی روح اسے دیکھ کر یکدم فنا ہوئی تھی۔ خوف کی پرچھائیاں پورے وجود پر پھیل گئیں۔ گارڈز بھاگ

آئے تھے۔ ہر جانب بھگدڑ مچ چکی تھی۔ وہ اس کے چہرے کے بے حد قریب ہو کر دھاڑ رہا تھا۔ منہ سے کف نکال رہا تھا۔ اسے بک رہا تھا۔ جھک رہا تھا۔

"کہاں ہے میرا، کس یار کے ساتھ بھگایا اسے، کہاں ہے وہ۔" ایک اور تھپڑ، اتنی شدت کا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی۔ نیچے گری اور سر اسٹیل کے گملے سے جالگا۔ سرخ، گرم خون کی پھوار تیزی سے پھوٹ پڑی۔ خون اطراف میں بکھرنے لگا۔ ایاز کو دو گارڈز نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ ان کو پوری طاقت سے جھٹکا دیتا پھر اس پر لپکا تھا۔ ایک بار پھر گریبان سے پکڑ کر اٹھا اور اتنی زور سے ضرب اس کی پیٹ میں ماری کہ اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔ وہ ابھی ایک وار سے نہیں سنبھلی تھی کہ اس نے دوسرا کر دیا۔ اس بار نشانہ اس کی ربز تھیں۔

"میں نے پوچھا کہاں بھگایا ہے اسے، میری محبت، میری بیوی کس کے ساتھ بھاگی ہے۔ تم نے، تم نے اسے شے دی۔ آخری بار تم ملی تھی اسے۔" وہ چیخ رہا تھا۔ دھاڑ رہا تھا پھر اونچا اونچا رونے لگا۔ وہ لوگ جو کچھ دیر پہلے اسے درندہ کہہ رہے تھے۔ پولیس کو بلا رہے تھے۔ پتھر کے مجسمے بن گئے۔ ان کیلئے وہ معصوم ہو گیا۔ فون پر پولیس کا نمبر ڈائل کرتی انگلیاں جم گئیں۔ سب رک گئے۔ بس وہ بولے گیا۔ وہ چیخے گیا۔ جال بچھ گیا۔ چال چل دی۔ فلک سفیر اس چال میں بری پھنسی۔

"میری زندگی تھی وہ، میری اولاد کو دنیا میں لانے والی تھی۔ کتنی محبت کرتا تھا اس سے، کتنی جان نچھاور کرتا تھا۔ کیا کچھ نہیں دیا، دولت، عزت، تحفظ لیکن اس نے کیا کیا، تم نے کیا کیا، اپنے دوست کے ساتھ بھگا دیا کیونکہ میں عمر میں بڑا تھا۔ کیونکہ میں عام صورت تھا۔ کیونکہ میں باوفا تھا۔ تم نے، تم نے گناہ کیا۔ تم نے میری اولاد کو مجھ سے جدا کیا۔ میرے ہاتھ اا پنے بچے کے لمس سے آشنا نہیں ہوں گے۔ میرے ہاتھ خالی رہ جائیں گے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔" وہ رو رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ اپنے گال پیٹ رہا تھا۔ ایک مرد ایک عورت کیلئے روتا ہوا کئیوں کے دلوں میں خود کیلئے رحم بھر وا گیا۔ کئی کے دل افسردہ ہوئے۔ کئی سہم گئے۔

"تم نے ظلم کیا، تم نے اسے بڑھاوا دیا۔ تم نے اس کی حوصلہ افزائی کی، میں نے کتنا روکا، کتنی منت کی مگر تم دونوں باز نہیں آئی۔ تمہارا قصور ہے۔ صرف تمہارا قصور ہے۔" اب کی بار اس نے ڈبل شدت سے اس کے گال پر تھپڑ جڑا تھا۔ اب کی بار کسی نے اسے نہیں روکا تھا۔ اس آدمی کا نقصان ہوا تھا۔ وہ بھری پوری دنیا میں اپنی بیوی بچے سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ لڑکی نے گناہ کیا۔ لڑکی اس سلوک کی مستحق ہے۔ لڑکی بہت بے حس ہے۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔ اسے ٹھیک سزا مل رہی ہے۔ سب کی سوچ مشترکہ ہوئی۔ سب بس تماشائی بن گئے۔

"سر پلیز، آپ یہاں سے چلے جائیں ورنہ ہمیں مجبوراً پولیس کو بلانا پڑے گا۔" مینیجر نے بڑے تحمل سے اسے کہا تھا۔ ایاز نے آنکھیں پھاڑ کر اس ادھیڑ عمر سانولے سے آدمی کو دیکھا۔

"یار، میری دنیا اجڑ چکی ہے۔" مینیجر کو اس کی حالت پر افسوس ہوا۔ حقیقت سے بے خبر جھوٹ کی دنیا میں بستے، جھوٹ کو مانتے، جھوٹ کے پیروکار، بے کار لوگ۔

"ہمیں افسوس ہے اور اسی کارن ہم نہیں چاہتے کہ آپ مزید مصیبت اٹھائیں اس لیے آپ یہاں سے چلے جائیں۔" ایاز نے نظر نیم مردہ سی، خون بھرے چہرے والی لڑکی پر ڈالی۔ اس سے خار تھی بڑی پرانی تھی۔ پر خاش اس کی حالت دیکھ کر نکل گئی لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ابھی وہ اسے دن میں تارے دکھانے والا تھا۔ ایسی زندگی دینے والا تھا کہ وہ اپنی زندگی پر افسوس کرے گی۔ جاتے جاتے اس نے انگلی اٹھائی اور وارن کرنے کے سے انداز سے مخاطب ہوا۔

"یاد رکھنا۔ تمہیں اس کا مزید خامیازہ بھگتنا ہو گا۔ میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑوں گا نہیں۔" وہ اسے دھمکی دے کر چلا گیا۔ خون سے بوجھل پلکیں اٹھا کر فلک نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پے در پے پڑنے والے تھپڑوں نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کب ایمبولینس آئی اور کب اسے لے کر گئی۔ اور کب وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی تھی۔ آخری یاد گارڈز کے ہمراہ اٹھاتے قدم کی تھی۔ اس کے بعد شاید وہ گر گئی تھی۔ اب جب آنکھ کھلی تو وہ ایک کمرے میں موجود تھی۔ نرس ڈرپ میں انجیکشن بھر رہی تھی۔ اس کے اٹھنے کے بعد ایک پولیس آفیسر اس کے مزید قریب آ کر کھڑا ہوا۔ نرس نے اس سے کچھ سوالات کئے۔ اس نے غائب دماغی سے ان کا جواب دیا تھا۔ آفیسر اس سے بیان لینا چاہتا تھا۔ 'رسوئی' میں جس نے تم پر حملہ کیا

تھاوہ کون تھا۔اس کی تمہارے ساتھ کیاد شمنی تھی۔ تعلق کیا تھا۔اور اس طرح کے مزید سوالات۔اس نے سب سوالات کا بس ایک ہی جواب دیا۔

"میں اس وقت بیان دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"اس سے یہ غلطی ہوئی تھی۔وہ یہ غلطی نہ کرتی تو آگے شاید بچت ہو جاتی لیکن ابھی وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکی تھی۔وہ پولیس والا اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔چونکہ فون رسوئی کی جانب سے کیا گیا تھا اس لیے پولیس والوں نے سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھ کر اس سے بیان لینے کی ٹھان لی۔اس آدمی کو اپروچ کرنا چاہا تو سب نے اس کی مجبوری اور نقصان کا بتادیا۔پولیس والوں کو بھی اس کے نقصان پر افسوس ہوا تھا۔انہوں نے اس پر بھاری جرمانہ عائد کر کے اسے پکڑا نہیں۔ایاز یہاں بھی بچ گیا تھا۔

فلک نے آنکھیں موند کر کروٹ بدلی تو شدید درد کی لہر اس کے پیٹ میں ابھری تھی۔ڈرپ چھوٹی تھی بس ختم ہی ہونے والی تھی۔نرس کے آنے کے بعد اس نے سوجے ہوئے گال اور آنکھ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"میں کب تک ڈسچارج ہو سکتی ہوں۔"نرس نے اس کی فائل اٹھائی۔غالباً وہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی تھی۔

"تھوڑی دیر میں ہو جاؤ گی۔" نرس کی پاکٹ میں موجود فلک کا فون مسلسل تھر تھرا رہا تھا بلا آخر اسے کال اٹھا کر دینی ہی پڑی۔ اس نے فون فلک کو پکڑایا پھر وہاں سے چلی گئی۔ فرخندہ کے رونے کی آواز نے اس کے دل پر برچھی چلائی تھی۔ وہ تب سے اب تک مضبوط بنی بیٹھی تھی۔ ان کی آواز سنتے ہی آنسو چھلکا بیٹھی۔ اسے چوٹ لگی تھی۔ اس کا اندر باہر سب دکھ رہا تھا۔ وہ ٹھیک سے سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اس کے سینے میں، اس کے پیٹ میں بری طرح درد اٹھ رہا تھا۔ اس کا ماتھا تکلیف کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ گال میں اتنا درد تھا جیسے کسی نے الٹی چھری سے کاٹ دیا ہو۔ وہ ان کی آواز سن کر بچوں کی طرح رونے لگی تھی۔ وہ ان سے کہنا چاہتی تھی وہ کتنی تکلیف میں ہے۔ وہ ان کو پکار رہی تھی۔ بتانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ اب کیا کہہ رہی تھی۔

"اویس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" اس کا بھی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اسے بھی چوٹ پہنچی تھی۔ وہ بھی اندر تک گھائل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ اس کی ذات ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔ وہ انہیں پکار رہی تھی۔ وہ انہیں بلا رہی تھی۔

"امی، میں۔" اسے ان کی ضرورت تھی۔ اسے اس وقت ایک رشتے کی شدید ضرورت تھی۔ اسے اس آواز کی ضرورت تھی جو اس کی پریشانی میں گھلے۔ اسے سنے اور تسلی و محبت کے دو بول بول دے۔ اسے اس لمس کی ضرورت تھی جو اسے خود میں سمو کر اس کے دکھ کو کم کرنے کی سعی

کرے۔اسے اس تڑپ کی ضرورت تھی جو کسی اپنے سے ملنے کیلئے ہوتی ہے۔وہ چاہتی تھی کوئی اس کے بیڈ کے کنارے اس کے قریب اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ جائے۔اس پر دعائیں پڑھ کر پھونکیں۔ اس کے ماتھے کو اس کے سر کو پیار سے سہلائے۔اسے ضرورت تھی اسے بے حد ضرورت تھی لیکن اس کی ضرورت کو خاطر میں نہیں لایا گیا۔اسے پھر سے ہمیشہ کی طرح دھتکار دیا گیا۔کہہ دیا گیا اگر وہ رقم نہیں بھیجے گی تو ان سب کا جینا مرنا اس کیلئے ختم ہو جائے گا۔وہ منہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔رونے کے علاوہ اس کے پاس بچا ہی کیا تھا۔لیکن پھر اچانک اس نے اپنے رونے پر بریک لگائی۔دماغ نے کام کیا۔اس کا بھائی،اس کے اویس بھائی خطرے میں ہیں۔اس نے سوچا،بہت سوچا۔اس کے پاس،آس پاس کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا فوراً کرتا۔اتنی بڑی رقم،اتنی بڑی رقم،وہ تو جو کماتی تھی سب دے دیتی تھی۔اس کے پاس جمع پونجی کے نام پر بیس پاؤنڈ بھی نہیں تھے۔وہ خالی ہاتھ تھی۔بالکل خالی ہاتھ۔اس نے فون کا لاک کھولا۔واحد میسج نوح جبران کا تھا۔وہ اس سے فارغ ہونے کا پوچھ رہا تھا۔فلک نے لرزتی انگلیوں سے اسے میسج کرنا چاہا۔آنکھوں میں آنسو تھے۔بے تحاشہ تھے۔اس نے بہت سے میسج لکھے،لکھ کر مٹا دیے۔بلا آخر اس کا میسج آ گیا۔

"جلدی سے لکھ دو جو لکھنا ہے۔ اس کے بعد میں کافی بزی ہو جاؤں گا۔" فلک کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ نوح کی کال آنے لگی۔ وہ دکھتے جبڑے کے ساتھ اس سے بات نہیں کر سکتی تھی اس لیے کاٹ دی۔ میسج لکھ دیا۔ انامار دی۔ خود کو گرا دیا۔ اصول توڑ دیا۔

"مجھے سات لاکھ روپے چاہیے۔" جھٹ سے اوکے کا میسج موصول ہوا۔ اس کو سات لاکھ ٹرانسفر کا میسج موصول اگلے کچھ سیکنڈز میں ہی ہو گیا۔ اس نے وہ پیسے اویس کو بھیجے اور پھر گیلی دھندلی آنکھوں سے نرس کے پیچھے آتے ڈاکٹر کو دیکھنے لگی۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کا رونا جائز تھا۔ جو چوٹ لگی تھی وہ معمولی نہیں تھی۔ ڈاکٹر اس کی بابت ہی اس سے بات کر رہا تھا۔

"شام تک آپ یہیں رہیں گی۔ اس کے بعد آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ بظاہر تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کو اپنے پیٹ اور سینے کی ہڈیوں کا خاص خیال رکھنا ہے۔ دن میں دو بار ٹکور کرنی ہے۔ میڈیکیشن میں کوتاہی نہیں کرنی، بام ایک ہفتے تک دن میں دو بار لگانی ہے اور آرام کرنا ہے۔ آپ کے چہرے کی سوجن کل تک ٹھیک ہو جائے گی نیلاہٹ کم ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ گڈ نون۔" روبوٹی انداز میں بات کرتے ہوئے آخر میں وہ مسکرا کر اسے گڈ نون کہہ گیا۔ اس کے جانے کے کافی دیر تک وہ روتی رہی۔ خود کو دلاسہ دیتی رہی۔ اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہی۔ پھر اس نے رگوں میں سوئی لگے ہاتھ کو نہیں ہلایا دوسرا اپنے اوپر پھیلا لیا جیسے وہ خود کو ہگ دے رہی

ہو۔خود کو سنبھال رہی ہوئی۔بازو اپنے اوپر پھیلانے کے بعد وہ ہاتھ سے نرمی سے اپنے شانے کو تھپک رہی تھی۔جیسے ہمیشہ تھپکا کرتی تھی۔ہر بیماری میں،ہر مشکل میں،ہر تنہائی میں۔

"شش فلک،تم تو بہت بہادر ہو نا،بہت مضبوط ہو،یہ چھوٹی موٹی چوٹیں تمہیں توڑ نہیں سکتیں۔تم ایک۔"سسکی۔"وارئیر ہو۔"دوبارا گہری سانس میں لپٹی سسکی۔"مجھے تم سے۔۔۔محبت ہے۔ایم پراوڈ آویو۔"اس کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔بھنویں آپس میں مل گئیں۔تھوڑی بری طرح لرز گئی۔

"چلو سو جاؤ،میں انتظار کر رہی ہوں کہ تم پر سکون ہو کر سو۔تم سکون میں آؤ گی تو مجھے سکون آئے گا ورنہ میں یونہی بے حد پریشان رہوں گی۔تم جانتی ہو نا میں تم سے کتنا پیار کرتی ہو۔میری پیاری، بہادر بچی۔شاباش جلدی سو جاؤ۔"بند آنکھوں کی باڑ سے ایک ساتھ لائن قطار آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ خود کو تھپکتی رہی،تھپکتی رہی حتیٰ کہ نیند کی وادی میں جاڈوبی۔کسی نے خود کو خود میں سمو کر پر سکون کر لیا تھا۔کسی نے اپنا ہی وجود اپنے لیے سب کچھ کر لیا تھا۔

وہ گیلی ہواؤں میں اسٹیرنگ پر ہاتھ مضبوطی سے جمائے اس کا منتظر تھا۔وہ آج اسے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔وہ اس کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔اس کا پلان تھا۔وہ آج کا دن کسی نہ کسی طریقے سے اس

کے ساتھ بتائے گا۔ لیکن آسمانوں پر بیٹھا بڑا پلانر سب پر بھاری تھا۔ اس نے بتا دیا جو وہ چاہتا ہے وہی ہو گا۔ جو وہ لکھ بیٹھا ہے وہی وقوع پذیر ہونا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس کو غفران کا فون آیا۔ ایک کال نے دو بری خبریں سنائیں۔ بری خبر نمبر ایک کہ اسی ہفتے جبران یہاں آ رہے تھے اور بری خبر نمبر دو ڈاکٹر فاؤ کو کارڈیک اریسٹ ہوا ہے۔ اس نے پہلی خبر کو نظر انداز کیا۔ دوسری خبر پر اڑتا ہوا ان کے پاس ہسپتال پہنچا تھا۔ وہاں غفران بھی تھے۔ وہ کسی کرمنل مریض جو کہ اس وقت کومے میں تھا کہ جانچ پڑتال کرنے آئے تھے۔ ڈاکٹر فاؤ کو اسٹریچر پر بے ہوش دیکھ کر سٹپٹا گئے۔ معلوم کیا تو جو خبر ملی وہ کسی بھی لحاظ سے اچھی نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے فوراً نوح کو اس بات کی اطلاع دے دی۔ وہ کچھ ہی دیر میں وہاں تھا۔ ڈاکٹرز سے بات چیت کرنے کے بعد وہ وہیں آپریشن تھیٹر کے باہر دھری کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی غفران بھی تھے۔

"نوعیت کیا لگتی ہے؟" سوال پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر سرد سانس خارج کر کے ہولے سے شانے اچکا دیے۔

"اوپن ہارٹ سرجری کے چانسز نہیں ہیں۔ اس لیے خطرے کی کوئی بات نہیں۔" اس کا لہجہ بہت پروفیشنل تھا۔ اسٹیل کی کرسیاں اتنی ہی سرد تھیں جتنی باہر کی دنیا ہو چکی تھی۔ سفیدی راج ہنس کی طرح ہر سو منڈلا رہی تھی۔ سب کو لبھا رہی تھی۔ کبھی کبھی اکتا بھی رہی تھی۔

"پھر تو بہتر ہو گیا۔یعنی اب مجھے چلنا چاہیے۔شام کو ملتے ہیں پھر۔"وہ اٹھنے لگے تھے اچانک خیال آنے پر رک گئے۔

"شام کو میرے ایک دوست نے آنا ہے ڈنر پر،وہی جس نے تمہارا کیس لیا تھا اور تمہیں سائکالوجسٹ کنسلٹ کرنے کو کہا تھا۔وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔نارتھ سائیڈ پر ایک بہت بڑی پریڈ ہے۔ہم دونوں کی وہاں ڈیوٹی لگی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں تم اور مائیر بھی میرے ساتھ چلو، ڈیوٹی اسی ویک اینڈ کی ہے۔"

اس نے پوری بات سن کر بس سر ہلانے پر اکتفا کیا۔غفران کا وہ دوست اکثر و پیشتر اس سے ملتا رہتا تھا۔دونوں میں فون نمبرز کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔وہ واٹس ایپ پر بھی ایک دوسرے سے کنیکٹڈ تھے۔وہ آج اس سے ملنا چاہتا تھا یعنی اسے نوح سے کسی نوعیت کا کام تھا۔عموماً وہ اسی کام کے سلسلے میں اس سے ملتا تھا۔وہ یقیناً پریڈ کے متعلق ہی میٹنگ کرنا چاہتا ہو گا۔غفران کے جانے کے بعد نوح نے فون کی اسکرین کو موڑ کر بٹن دبایا۔سیاہ اسکرین پر وقت کے ساتھ اور بھی نوٹیفیکیشنز تھے۔اس نے انگوٹھے کی مدد سے اسکرین کو انلاک کیا۔ان باکس کھولا۔فلک کا نمبر نکال کر وہ اسے میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

"جب تم فارغ ہو جاؤ تو بتانا مجھے، بھول نہیں جانا۔" وہ جانتا تھا وہ بھول جائے گی۔ وہ ایسا ہی کرتی تھی۔ فون بس اس نے دیکھنے کیلئے رکھا ہوا تھا۔ مجال ہے کبھی کسی میسج یا کال کا وقت پر جواب دے دے۔ ہمیشہ ایک دو روز بعد ہی جواب موصول ہوتا تھا اور کبھی کبھی تو سرے سے وہ رسپانس ہی نہیں کرتی تھی۔ اس کا فون تھا بھی کیا۔ ایک ڈبہ، جس میں نہ انٹرنیٹ پیکج تھا نہ ہی کوئی جدید ایپلی کیشنز، بیلینس کے نام پر کچھ روپے جن کو وہ ایسے سوچ سمجھ کر استعمال کرتی تھی جیسے وہ اس کا کوئی بہت بڑا اور پوشیدہ خزانہ ہو اور وہ اس میں سے ایک دھیلا بھی خرچ کرنا نہیں چاہتی ہو۔

"کنجوس۔" فون بند کر کے اس نے واپس اوور کوٹ کی جیب میں ڈالا۔ وقت گزرا، ڈاکٹرز باہر آئے اور اسے ڈاکٹر فاؤ کی زندگی کی نوید سنا گئے۔ مگر تاحال وہ ان سے نہیں مل سکتا تھا کیونکہ وہ اس وقت ہوش و خرد سے بیگانہ تھے اور کافی دیر تک رہنے والے تھے۔ وہ جب تک ہوش میں نہیں آئے نوح وہیں رہا۔ ان کے جاگنے کی خبر ملتے ہی وہ ان کے سامنے جا بیٹھا تھا۔

"سوری بچے، تمہارا آج کا لیکچر مس ہو گیا۔" وہ ان کی بات پر مسکرایا تھا۔ جانتا تھا قلق اس بات کا ان کو بھی ہے مگر مذاق میں لے رہے ہیں۔

"آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے۔" نصیحت وہاں سے ملی جہاں سے ملنے کی انہیں امید تھی۔ وہ چمکتی ہوئی آنکھوں سے مسکرا دیے۔

"کلاس نے تو آج جشن منایا ہو گا۔ آج میں نے سب کو کڑی سزا دینی تھی۔ بہت سارا کام دینا تھا۔ شاید کسی کی دعا قبول ہو گئی۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ ابھی وہ موت سے لڑ کر بچے ہیں۔ وہ خود کو فنا سے بقا کی جانب لائے ہیں۔ نوح کے لبوں پر پھیلی مبہم مسکان کچھ زیادہ ہی دلکش لگی انہیں۔ وہ بھی مسکرا دیے۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ شام تک آپ سب کا پیار دیکھنا۔"

اور انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ جو طلباء ان سے عافیت چاہتے تھے وہ ہی زیادہ دلگرفتہ تھے۔ وہ اپنے اتنے اچھے پروفیسر کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی حالت سے بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر فاؤ کا کمرہ نت نئے پھولوں اور کارڈز سے بھر گیا تھا۔ انہوں نے اتنی ساری محبتوں کو دیکھ کر ایک خواہش کی اور اسے لبوں پر بھی لے آئے۔

"اب بس اس بچی کی جانب سے بھی پھول موصول ہو جائیں تو میں واقعی میں ٹھیک ہو جاؤں۔" نوح نے ٹھٹھکتے ہوئے انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں کا پیغام بڑا واضح تھا۔

"کون؟" تصدیق چاہی۔

"فلک۔" "مل گئی۔

"آپ کو وہ یاد ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ ڈاکٹر فاؤ بھی نحیف سے مسکرا دیے۔

"اچھے لوگ بھولا نہیں کرتے۔ مجھے وہ تمام جزیات کے ساتھ یاد ہے۔ میں اس سے ملنا چاہوں گا۔"

ان کی خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے اس نے فیصلہ کیا تھا۔ وہ فون اٹھا کر باہر آ گیا۔ فلک کو کال کرنے کی خاطر فون جیب سے نکالا تھا۔ لیکن پہلے اس کا چیٹ باکس کھول لیا۔ وہاں تین ڈاٹ اوپر نیچے متحرک تھے۔ اس کی بھنویں آپس میں مل گئیں۔ ماتھے پر خوشگوار بل پڑے۔ لبوں کے کنارے خفیف سے پھیل گئے۔ تو یعنی محترمہ نے میسج دیکھ لیے ہیں اور جواب بھی دے رہی ہیں۔ وہ انتظار کرتا رہا مگر یہ کیا اس کا انتظار ختم کیوں نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے میسج ٹائپ کر کے اسے بھیجا۔ جواب نہیں آیا تو کال کرنے لگا لیکن اس نے کال منقطع کر دی۔ پھر جو میسج اسے رسیو ہوا اس پر وہ لمحہ بھر کیلئے ساکت ہوا تھا۔

"سات لاکھ۔" اس نے خود کو کرسی پر بٹھایا اور ٹائپ کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارے اکاؤنٹ میں بھیج رہا ہوں۔" میسج بھیجنے کے بعد اس نے اس کے بینک اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کروا دیے۔ اس کے بعد وہ اس کے کسی میسج یا کال کا منتظر رہا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی بات پوری نہ ہوئی۔ وہ فون کو جیب میں رکھ کر پھر سے ڈاکٹر فاؤ کے کمرے میں جانے والا تھا کہ اسے اچانک سے غفران کی بات یاد آ گئی۔ شام کو ان کے دوست نے آنا تھا۔ اور اس کا گھر ہونا ضروری تھا۔ وہ ڈاکٹر فاؤ کو گڈ بائے کہنے ان کے کمرے میں جا رہا تھا۔ کیونکہ اب شام چڑھ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کچھ ہی دیر میں غفران اسے کال کریں گے۔ اس کی آنکھوں میں جس کا چہرہ تھا وہ اس

وقت اپنا فون نکال کر کسی کو کال کر رہے تھے۔ وہ جس کو کال کر رہے تھے وہ اس وقت ٹوٹے وجود کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔ اس کا فون کان سے لگا تھا۔ دوسری جانب سے تائی امی کی آواز آ رہی تھی۔

"خدا کا لاکھ شکر ہے اویس اب خطرے سے باہر ہے ورنہ اس کی حالت بہت بری تھی۔" غفران نے اس کا نمبر بزی دیکھ کر دوبارہ کال ملانی چاہی مگر اس کے کلیگ نے انہیں آواز دے دی۔

"سر، کلپرٹ نے بیان دے دیا ہے۔" ان کا ساتھی ایک فائل اور یو ایس بی ہاتھ میں لیے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ غفران نے فون کو جیب میں رکھا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر سنائی، پانچ دن سے ٹف ٹائم دیا ہوا تھا اس نے۔" کوئی چوری کا کیس تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں اپنے عکس کو جھٹلاتا شخص بلا آخر مان ہی گیا کہ وہ وہی تھا۔ اس کا جڑواں بھائی نہیں۔ غفران اور ان کا ساتھی اب اس کیس کو ڈسکس کرنے بیٹھ گئے تھے جبکہ دوسری طرف سڑک پر ڈولتے قدم جماتی وہ فون کان سے لگائے سنے جا رہی تھی۔

"مزید ایک ہفتہ ہسپتال میں رہے گا۔ اس حساب سے خرچہ بھی ہو گا۔ فی الحال تم کل تک ایک لاکھ روپے بھیج دینا۔" پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے سوجے ہوئے گال پر گرا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے مرچوں بھرا پہاڑ اس گال پر گرا دیا ہو۔ تکلیف نے دل تک لرزا دیا۔

"امی مجھے بھی چوٹ لگی ہے۔"بلا آخر اس نے کہہ دیا۔ آواز میں رنج گھلا تھا۔ زلزلوں بھری آواز، کانپتی ہوئی تھوڑی۔

"تو تمہیں کیا فکر وہاں تو سب مفت ہوتا ہے۔"اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ انہوں نے ایک بار بھی تشویش ظاہر نہیں کی۔ ایک بار بھی چوٹ کی نوعیت نہیں پوچھی۔ ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ کیسا محسوس کر رہی ہے۔ چوٹ کیسے لگی۔ زخم کس نوعیت کا ہے۔ وہ ٹھیک ہے بھی یا نہیں بس یہ کہہ دیا کہ سب فری ہے۔ یعنی اسے ہر احساس سے نبرد آزما کر دیا۔ کاٹ دیا۔ بالکل صفاچٹ۔

"امی مجھے درد۔"اس کی بات کاٹ دی گئی۔ رد کر دی گئی۔ ٹھکرا دی گئی۔

"اچھا اچھا کل بات کروں گی۔ کل شام تک رقم بھیجنا مت بھولنا۔ ہسپتال کے سو اخراجات ہوتے ہیں۔ کس کس کو پورا کریں۔" جھنجھلاتے ہوئے کہہ کر انہوں نے کال کاٹ دی۔ فلک آسمان سے گرتی برف میں جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔ اس کے کان بالکل سن ہو گئے تھے۔ وجود شل ہو چکا تھا۔ نظر دھندلا گئی۔ اس کی چوٹ کیا چوٹ نہیں تھی۔ اس کا درد کیا درد نہیں تھا۔ کیا وہ محنت جو وہ کر رہی تھی فقط ایک محنت ہی رہ گئی۔ اس کا حاصل حصول کچھ نہیں ہوا۔ وہ کل بھی ایک غیر ضروری تھی اور آج بھی، اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ دو لفظوں کی بھی حقدار نہیں رہی تھی۔ اسے لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ دل باہر نکل آئے گا۔ وہ وجود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے چھوٹے سے

کمرے میں آئی تھی۔اس کی روم میٹ آج بھی وہاں نہیں تھی۔وہ چلی گئی تھی۔اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر اسٹکی نوٹ چپکایا ہوا تھا جس میں کل آنے کا بتایا گیا تھا۔وہ بیڈ کی پائنتی کا سہارا لیتی اس پر ڈھے گئی۔اس کے سر میں درد اٹھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں شدید درد ہو رہا تھا۔اسے پورے بدن میں چونٹیاں پھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔یکدم انگلیوں کے پوروں میں سے ٹھنڈ پھوٹنے لگی۔وہ سن ہونے لگے۔اس نے گہرا سانس لیا اسے سانس نہیں آیا۔ایسا لگ رہا تھا بس اب وہ اس دنیا سے جانے والی ہے۔بس اب ساری تکلیف ختم ہونے والی ہے۔اسی دوران ایک بار پھر اس کا فون بج اٹھا تھا۔اس نے بھاری ہاتھ کو حرکت دے کر فون کوٹ کی جیب سے نکالا۔اتنے میں اچانک جانے کیا ہوا وہ چکرا کر بیڈ پر بیٹھے سے گری تھی۔اس کے دل کی دھڑکن بہت دھیمی ہو کر کانوں میں گونجنے لگی۔منظر دھندلانے لگے۔بہت دقت کے ساتھ اس نے کال پک کی تھی۔مگر زبان جیسے بھاری ہو کر تالو سے لگ گئی۔وہ بول نہیں سکی۔وہ بالکل بھی بول نہیں سکی۔اسے لگا کانوں میں وقفے وقفے سے بجتی سیٹیاں بند ہو رہی ہیں۔دل کی دھڑکن رک رہی ہے۔مفلوج ہوتا دماغ آزاد ہو رہا ہے۔سماعت و بصارت بالکل ساتھ چھوڑ رہی ہے۔آخری منظر جو اس نے دیکھا تھا وہ فون کے بار بار جلنے بجھنے کا منظر تھا۔

ہسپتال کے کاریڈور میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بخوبی سنائی دے رہی تھی۔ان قدموں میں جنون تھا۔فکر تھی۔بے یقینی اور عجلت بھی۔وہ ہونق سا وہاں آکر رکا جہاں غفران پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ان کے ساتھ مائیر بھی کھڑا تھا اور سیرا بھی۔انہوں نے پہلی کال مائیر کو ہی کی تھی۔وہ اور سیرا گھر ہی جا رہے تھے۔بات سنتے ہی موڑ کاٹ کر ان کے پاس آگئے۔انہوں نے نوح کی پریشانی نہیں بھانپی تھی کیونکہ جب وہ عجلت میں آرہا تھا تو دونوں کرسیاں سنبھالے ہوئے تھے۔بس وہ غفران ہی تھے جو ٹہل رہے تھے۔انہیں دیکھ کر اس نے خود کو کمپوز کیا پھر کوٹ کی جیبوں میں موجود ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر ان کے پاس چلا آیا۔غفران اسے دیکھ کر تھمے تھے۔

"آج کے دن کی تمہاری یہ دوسری پریشانی ہے لیکن کیا کروں معاملہ ہی ایسا تھا۔"وہ انہیں سن رہا تھا لیکن اس کا دماغ اس وقت بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔اسے لگ رہا تھا وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔وہ یہ ظاہر کر رہا تھا وہ اپنے حواسوں میں مکمل طور پر ہے۔لیکن آنکھیں،چہرہ اور ماتھے کے بل اس کی فکر کو صاف بیان کر رہے تھے۔

"میں نے اسے فون کیا۔"غفران کہہ رہے تھے۔وہ سن رہا تھا بظاہر لاپرواہی سے مگر دل و جان سے۔"پہلے نمبر مصروف تھا۔پھر کچھ وقت بعد کال کی تو اٹھالی لیکن وہ بولی نہیں۔پورے دس منٹ تک میں آوازیں دیتا رہا لیکن جواب ندارد پھر میں نے دوبارہ کال ملائی بار بار ملائی لیکن بے سود۔"

سیرا اور مائیر بھی غفران کو سننے لگے تھے۔ انہوں نے ابھی یہ ساری بات ان دونوں کو بتائی تھی۔ وہ دوبارہ دوہرا رہے تھے۔

"جب بار بار کال کرنے پر اس نے نہیں اٹھائی تو مجھے شک ہوا۔ شکر تھا لوکیشن آن تھی۔ میں اس کے گھر گیا تو وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اور کافی مخدوش حالت میں تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے بی پی شوٹ ہوا ہے اور تشدد بھی ہوا ہے اس پر، اب ہوش میں آئے تو بیان دے۔ کس نے کی یہ جرات۔" نوح کے ہاتھوں کی مٹھیاں اتنی سختی سے بھنچی ہوئی تھیں کہ ناخونوں پر خون چھلکنے لگا۔ وہ سیرا کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"فی الحال تو اس کے ٹیسٹ ہو رہے ہیں ڈاکٹرز کو کسی بات کا شک ہے۔" اس نے آئی بالز غفران کی جانب گھمائے۔ جیسے آنکھوں کا پیغام ہو 'کس بات کا شک'۔ لب تو آپس میں پیوست تھے لیکن آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو چلے تھے۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اتنی مصروف اور بے ضرر سی لڑکی سے کسے پرخاش ہو سکتی ہے۔ یعنی اس کی جو حالت ہے بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گی۔" سیرا کی بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا سیدھا چل کر دائیں جانب مڑ گیا۔ وہاں ایک شیشے کی دیوار تھی جس کے

اس پار وہ تھی۔ مگر ابھی دیوار پر پردے گرے تھے۔ نوح مایوس سا واپس لوٹ آیا۔ وہ مائیر کو سن رہا تھا جو کہہ رہا تھا۔

"میرا تو دماغ ہی آؤٹ ہو گیا ہے اسے دیکھ کر، وہ یقیناً اسٹریٹ کرائم کی نظر ہوئی ہے۔ چھوڑنا نہیں ہے اس بندے کو اب، ایک بار ہاتھ آجائے بس ہمارے۔" سنجیدہ سا بیٹھا مائیر اس وقت جبڑے بھینچے ہوئے تھا۔ وہ لڑکی اب محض ان کے گھر میں کام کرنے والی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اب ایک طرح سے ان میں گھل مل گئی تھی۔ مائیر اسے چھوٹی بہن کی طرح ٹریٹ کرنا شروع ہو چکا تھا۔ غفران اسے فیملی ڈنر میں شامل کر لیا کرتے تھے۔ سیرا اس کے ساتھ باتیں کر لیا کرتی تھی۔ یہ اس لڑکی کا اخلاق تھا اور کام سے لگن، اس کی شناخت تھی اور مذہب و زبان جو وہ بہت جلد ہی ان میں گھل مل گئی تھی ورنہ کب وہ کسی سے اتنا مانوس ہوئے ہیں جتنا اس سے ہوئے ہیں۔

"اب یہ تو وہی ہوش میں آکر بتا سکتی ہے کہ حقیقت کیا ہے۔" سیرا کی بات ختم ہوتے ہی ڈاکٹر کا پیغام لے کر نرس وہاں آئی تھی۔ انہیں کمرے میں بلایا گیا تھا۔ غفران کے ساتھ ہی نوح بھی وہاں گیا تھا۔ مائیر کمرے کے باہر ہی کھڑا رہا۔ ڈاکٹر نے رپورٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھی۔

"پیشنٹ کا بی پی خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا جس کی وجہ سے ان کا دل پھٹتے پھٹتے رہ گیا۔" نوح نے پھیلی ہوئی آنکھوں اور ششدر انداز میں ڈاکٹر کا چہرہ دیکھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا اس کا دماغ تو

ٹھیک تھا۔مائیر اور غفران بھی اس بات پر بھونچکارہ گئے۔اتنی ہنستی کھلکھلاتی لڑکی اور اتنی دلدوز حالت۔

"لیکن پھر بھی ہمیں شک تھا جن کی بنا پر ان کے ٹیسٹ کیے اور رپورٹ عین توقع کے مطابق آئی۔پیشنٹ کے دل میں سوراخ ہے اور سوراخ کی نوعیت کچھ اچھی نہیں ہے۔سائز تھوڑا سا بڑا ہے جو کہ نہیں ہونا چاہیے۔"نوح کی سماعت میں کوئی بم پھوڑ رہا تھا۔آس پاس دھماکے ہونے لگے۔اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔آنکھوں میں نمی کی پرت چڑھی اور گردن کی گلٹی اوپر نیچے ہونے لگی۔

"ایک اور بات پیٹ میں ضرب لگنے کی وجہ سے اس کی ایک رگ کافی پھول گئی ہے۔وہ زیادہ خطرناک نہیں ہے بس اس کیلئے بے حد احتیاط اور آرام ضروری ہے۔میں میڈیسن لکھ رہا ہوں اس کا باقاعدہ استعمال انہیں بہتری کی جانب لے ائے گا۔باقی آپ ہارٹ اسپیشلسٹ سے کنسلٹ کرنے کیلئے اوپر روم نمبر دو میں چلے جائیں۔رپورٹ بھی وہیں سے آئی ہے۔"اس نے یخ بستہ ہاتھ سے اس کی رپورٹس اٹھا کر دیکھیں۔اس کی نظر بس ہول کے سائز پر اٹک گئی۔

"دس ایم ایم۔" اسے لگا اسے سانس نہیں آئے گا۔ وہ لڑکی، وہ لڑکی اپنے اندر اتنا گہرا دکھ لے کر پھرے گی اسے یقین کرنا دشوار ہوا۔ اس نے رپورٹس فولڈ کر کے کوٹ کی پاکٹ میں رکھ لیں پھر کرسی کو پیچھے دھکیل کر باہر آ گیا۔

"کیا زیادہ تشویش ناک بات ہے؟" غفران پریشانی کے عالم میں پوچھ رہے تھے۔ وہ دونوں اب مائیر کے پاس رکے تھے۔ نوح کو کپکپی چڑھ رہی تھی۔ اس نے ہولے سے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"میڈیسن سے ٹھیک ہو جائے گی۔ زیادہ مسئلہ ہوا تو ڈوائس یا سرجری سے بند کرنا پڑے گا۔" اس کی آواز انجانی لگی جیسے اس نے خود کو تسلی دی ہو۔ "ایم ایم سے فرق نہیں پڑتا پھیپھڑے ٹھیک طرح سے کام کرنے چاہیے اور وہ کر رہے ہیں۔"

(دل کے سوراخ کا فیصلہ بڑوں میں ایم ایم سے نہیں کیا جاتا۔ اصل چیز یہ ہے کہ دل پر بوجھ کتنا پڑ رہا ہے۔ اس کا کام کتنا ہے اور وہ کس حد تک خون کے دباؤ کو جھیل رہا ہے۔ دل کے سوراخ کو بند کرنے کیلئے اوپر والے خانوں کا سوراخ اے ایس ڈی اور ساتھ میں دل کا دایاں خانہ بڑا ہو یعنی پانچ ایم ایم یعنی پھیپھڑوں میں 5۔1 قیو پی ویو ایس زیادہ خون آ رہا ہو۔ اس کی علامات سانس کا مستقل طور پر پھولنا، تھکاوٹ اور دل کی دھڑکن کا مسئلہ ہے۔ بڑوں میں وی ایس ڈی یعنی نیچے والو خانوں کے کیسز کم ملتے ہیں۔ کیونکہ اکثر بچپن میں بچوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ یہ سوراخ وقت کے

ساتھ خود یا میڈیکیشن کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو آپریٹ کرنا پڑتا ہے۔ اگر دل کا بایاں خانہ بڑا ہو رہا ہو اور والو پانچ ایم ایم لیک کر رہا تو اسے فوری طور پر بند کرتے ہیں۔ چاہے ڈیوائس سے یا پھر آپریسٹ سے لیکن بند ضرور کرنا پڑتا ہے ورنہ جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ مختصر اگر سوراخ کی وجہ سے دل بڑا ہو رہا ہو یا پھیپھڑوں کا بی پی بڑھ رہا ہو تو سائز پھر چاہے چھ ایم ایم ہی ہو بند کرنا پڑتا ہے۔ دل کے سوراخ کی ہسٹری میں اب 80 فی صد کیسز میں اوپن ہارٹ سرجری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اوپن ہارٹ سرجری تب کرنی پڑتی ہے جب سائز تیس یا پینتیس ایم ایم سے بڑا ہو اور ڈیوائس فٹ نہ آئے اس میں۔ دل کنارے کمزور ہو جاتے ہیں اس وجہ سے ڈیوائس کے ٹکنے کی جگہ نہیں ہوتی ساتھ دوسرا مسئلہ والو خراب ہو تو بائی پاس بھی چاہیے ہوتا ہے۔ فلک کے کیس میں یہ نہیں تھا۔ اس کے دل کا سوراخ تھوڑا سا زیادہ بڑا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ ادویات سے ٹھیک نہ ہو پاتا۔)

"لیکن مجھے لگتا ہے اس کی سرجری ہو گی کیونکہ سائز کی حد تھوڑی سی زیادہ ہے اور اس پوائنٹ پر سرجری بنتی ہے۔" اس نے مائیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر خود کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اب نرس کے بتانے پر کہ پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے اس کے کمرے میں جا رہے تھے۔ نوح سے تو قدم اٹھانا مشکل ہوئے۔ اس کا ایک ایک قدم من من کا ہو رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح تنگ ہوا۔ اس کے دل کو مزید جھٹکا اسے دیکھ کر لگا تھا۔ اس بار وہ اپنی

کیفیت چھپا نہیں سکا۔ اس بار وہ خود کو روک نہیں سکا۔ اس کی آنکھوں میں دھند چھا گئی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ مائیر نے بے حد ٹھٹھکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ نوح کی آنکھوں کی نمی اسے بری طرح چونکا گئی۔ کھوج ختم ہوئی۔ سب واضح ہو گیا۔ وہ متحیر انداز میں کبھی فلک تو کبھی نوح کو دیکھنے لگا۔ پردہ کب اور کیسے ہٹا۔ اس نے لب بھینچ لیے۔

"ٹھیک ہو بچے آپ؟" مائیر نے نوح پر سے نظر ہٹالی کہ جو بھید ابھی کھلا تھا فی الحال وہی اس کا رازداں رہنا چاہتا تھا۔ مائیر کے لبوں پر یک لخت ہی دل سوز مسکان پھیلی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر سینے پر بازو باندھ لیے، نظر پھر سے اس لڑکی پر جا ٹکی جو آج ضرورت سے زیادہ پیلی لگ رہی تھی۔ غفران کے سوال پر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ پہلا سوال جو وہ صبح سے منتظر تھی کہ کوئی اس سے پوچھے پوچھ لیا گیا۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"آپ کو ڈسچارج کر رہے ہیں۔ آج رات آپ آرام کرنا ہم کل اس بارے میں بات کریں گے۔" وہ بہت ہی شفیق لہجے میں اس سے بات کر رہے تھے۔ فلک کیلئے ان چاروں کی موجودگی ناقابل یقین سی تھی۔ وہ ان چاروں میں سے سوائے غفران کے کسی کو بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ نوح کو تو اس نے خاص کر نظر انداز کیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی اگر اسے دیکھ لے گی تو خود پر سے اختیار کھو دے گی۔ میرا کے بعد پوری دنیا میں ایک وہی بچ گیا تھا جو اس کے آنسوؤں سے آشنا تھا۔ جو اس کے دکھ سے واقف تھا۔ اس کا چہرہ دل سے قریب تھا۔ وہ اس کو نظروں میں اتار کر پھر سے سب کچھ تر کرنا نہیں

چاہتی تھی۔ وہ پھر سے ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ پھر سے بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا کہ اس وقت بات کرنا اسے بھی دشوار لگ رہا تھا۔ ماتھے پر لگے اسٹیچز میں درد شروع ہو چکا تھا۔

"ابھی آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہو، کچھ روز تک ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے آپ کو، اوکے؟" وہ انکار کرنا چاہتی تھی لیکن کر نہیں پائی۔ اس بار سر اثبات میں نہیں ہلا تھا۔ بس پلکوں پر نمی امڈ آئی تھی۔ غفران نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پلکوں کی نمی آنکھوں کے کناروں سے پھسل کر اس کے کان میں اکھٹی ہونے لگی۔ بند ٹوٹ گیا۔ نوح اسی پل کمرے سے باہر گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا جانے کون سے بلاک میں نکل گیا تھا۔ وہاں لمبی قطار میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر ہاتھوں میں سر گرا کر بیٹھ گیا۔

"تم تھکتی نہیں ہو بول بول کر۔" ایک بار عاجز آ کر اس نے جھنجھلاتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ سیرا کے ساتھ لمبی گفتگو میں مگن تھی ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چلائے جا رہی تھی۔ جس طرح زبان تیز تھی اسی طرح کام کرنے کی صلاحیت بھی ماشاءاللہ سے کافی تیز تھی۔

"میں کیوں تھکوں گی، نظر نہیں لگاؤ۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جیسے افسوس کیا تھا۔ فلک نے بھنویں سکیڑ لیں۔ خفگی کا تاثر آسمان کو چھو رہا تھا۔

"نظر لگنے کیلئے اب یہ سب ہی رہ گیا ہے نا جیسے۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ سب۔" فلک نے شہادت کی انگلی سے بڑا سارا گول دائرہ بنایا۔ دوسرا ہاتھ محترمہ کا کمر پر ٹکا تھا اور خود خفیف سی جھکی تھی۔ "میری حیات ہے بائی داوے۔"

"تم جیسی لاپرواہ، غیر ذمہ دار اور غافل لڑکی میں نے آج تک اپنی زندگی میں نہیں دیکھی یعنی اتنی خوش، اتنی مطمئن، سب ناٹک ہے کیا؟"

اور وہ ناٹک ہی تھا۔ وہ سب دکھاوا تھا۔ فلک سفیر ایک ہنس مکھ لڑکی، زندگی سے بھرپور لاابالی اور جوش سے بھری ہوئی۔ وہ سب کا سب صرف ایک ناٹک تھا۔ اس کے اندر کے غم، اس کے اندر کی تکالیف، اس کی اذیتیں، ذمہ داریوں کے بوجھ سب پر اس نے ایک مسکان کا پردہ ڈال دیا تھا۔ چھپا لیا تھا۔ خود میں سینچ کر رکھ دیا تھا۔ کسی کو بھنک تک پڑنے نہیں دی تھی۔ اس نے کسی پر واضح نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کس مصیبت، کس تکلیف سے گزر رہی ہے۔ وہ کیسی تنہا اور مشکل زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے ایک بار پھر اس کی رپورٹس آنکھوں کے سامنے کیں۔ دس ایم ایم کا وہ ہول اس کے درد کا ترجمان تھا۔ اس نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ہوئے اس رپورٹ کو پھر سے جیب میں رکھ دیا۔ وہ گھر آ گیا تھا۔ اس سے پہلے سب آ گئے تھے۔ فلک سیرا کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی۔ مائیر اپنے کمرے میں اور غفران اپنے۔ وہ رات اس نے جاگتے ہوئے گزاری

تھی۔وہ سونا چاہتا تھا لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔سکون نہیں مل رہا تھا۔یہ سکون پو پھوٹنے تک نصیب نہیں ہوا۔وہ کچن میں کھڑا خود کیلئے کافی بنا رہا تھا۔آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو غفران کے پیچھے سیر ا اور مائیر چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

"فلک آرام کرے گی تو سوچا ہم مل کر کام نبٹا لیں۔"اور پھر ایسا ہی ہوا۔انہوں نے گرمیوں والا فارمولہ اپنا کر اپنی اپنی ڈیوٹی سر انجام دی۔جب ایک ایک کر کے سب گھر سے جانے کیلئے نکل گئے تب اس نے گہری سانس لے کر دروازے کو لاک کیا تھا۔اس کے قدم سیر ا کے کمرے کی طرف تھے۔دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے سر جھکایا۔اپنے جوتوں کو گھورتے ہوئے اس نے کچھ سوچا پھر سر اٹھا کر ہاتھ اونچا کر کے دستک دینے ہی والا تھا کہ دروازہ وا ہو گیا۔نوح کی بند مٹھی ہوا میں ہی معلق رہی۔وہ اس کی عین آنکھوں کے سامنے تھی۔اس نے جیسے صدیوں بعد خود کو حرکت دی۔مٹھی کھل گئی۔ہاتھ ڈھلک گیا۔وہ تھوڑے تھوڑے سوجے ہوئے نیلے گال اور زرد رنگت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔اس کے ماتھے کو سفید پٹی نے جکڑ رکھا تھا۔آنکھوں کے نیچے حلقے بہت گہرے اور واضح تھے۔

"بہت زیادہ سولی میں، ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔کیا سب جا چکے ہیں؟"متفکر نگاہوں سے وہ نوح کے عقب میں سے جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ویلوٹ کے گرم ٹراؤزرز اور لانگ شرٹ میں

ملبوس گلے میں ڈلے مفلر کو تھامتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے ایستادہ بت کو دیکھا۔ جس کے لب بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سوالات کی بوچھاڑ تھی۔

"وہی تھانا، وہ۔۔۔ ادھیڑ عمر آدمی؟" اچانک سوال پر وہ بھونچکارہ گئی۔ کیانوح نے اسے دیکھ لیا تھا۔ کیا وہ عینی شاہد تھا۔ وہ خاموش رہی۔ اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس کی آنکھیں رتجگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اس کے بال اور حلیہ کافی بکھرا ہوا سا تھا۔ وہ ڈاکٹر فاؤ کی وجہ سے پریشان ہے اس لیے آج یونیورسٹی نہیں جا رہا ایسا اس نے سب کو بتایا تھا۔ سب نے یقین کر لیا کیونکہ ڈاکٹر فاؤ کی جانب اس کا کسنرن سب سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ وہ ان کا لاڈلا اسٹوڈنٹ تھا اور وہ اس کے بہترین اساتذہ میں سے ایک۔ سب کو معلوم تھا۔

"فلک۔"

فلک نے سر اٹھایا۔ پھر آنکھیں۔ دبیز دھند کی تہہ چھائی۔ اس شخص سے کوئی پردہ نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے آگے آنسو بہاتے ہوئے ہتک بھی نہیں ہوتی تھی۔ عار بھی نہیں آتی تھی۔ عجیب سائبان بن رہا تھا وہ اس کا، اس کے سامنے رونے سے، غم کو نکال دینے سے جیسے سکون ملتا تھا۔ اس کے ہونے سے ہی جیسے دل کو ڈھارس ملتی تھی۔ وہ شخص اس کا گھر بن رہا تھا۔ ایک ہیپی ہوم، پر سکون

اور آرام دہ۔ آنسو ایک تار کی صورت میں فلک کے گال پر بہنے لگے۔ کل سے قید تھے بے چارے اب تو بہنا جائز تھا ان کا۔ فلک سے کھڑا ہونا دشوار ہوا۔ اس نے دروازے کو تھام لیا۔

"وہ مجھے مار رہا تھا اور سب بت بنے کھڑے تھے۔ سب اسے ٹھیک سمجھ رہے تھے اور مجھے برا، میں ایک ولن بن گئی تھی جس نے محبت کرنے والے جوڑے کو الگ کر دیا تھا۔ اسے لگتا ہے میرا کو میں نے بھگایا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس کی قید سے رہائی چاہتی تھی۔ وہ ایک ظالم شوہر تھا جو بہت ظلم کرتا تھا۔ وہ اسے بہت مارتا تھا۔ وہ اس کے بچے کو بھی مارنا چاہتا تھا اس لیے، صرف اسی لیے وہ اس کا گھر چھوڑ گئی اور اب اس شخص کو لگتا ہے میں کلپرٹ ہوں۔ میں۔" اس سے بولا نہیں گیا۔ سسکیوں کے درمیان میں اسے رک جانا پڑا۔ نوح لب بھینچے اسے سن رہا تھا۔ دل میں درد کیسے ہوتا ہے کوئی اس وقت نوح جبران سے پوچھ سکتا تھا۔

"وہ کہاں ہے مجھے نہیں معلوم لیکن میں اتنا ضرور چاہوں گی کہ میرا اسے نہ ملے۔ میں اب سمجھ رہی ہوں اس کی اذیت، اس کے دکھ۔ اس کے زخموں کا اب احساس ہو رہا ہے مجھے۔ جو شخص میری ایسی حالت کر سکتا ہے وہ روز اس کے ساتھ کیا کرتا ہو گا۔ وہ اسے نہیں ملنی چاہیے بالکل بھی نہیں۔" اس نے جلدی سے آنسو پونچھے تھے۔ چہرے پر تاثرات سجائے اسے سخت کر لیا۔ اس نے تمام واقعہ من و عن غفران کے گوش گزار دیا تھا۔ سب الف تا یے تک بتا دیا تھا۔ اسے اب کوئی فکر نہیں تھی۔ بالکل بھی نہیں تھی۔

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" شکوہ سنجیدہ آواز سے پھوٹ پڑا۔ آنکھیں بھرپور چہرے کا ساتھ دے رہی تھیں۔ "مجھے غافل رکھ کر مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے تم نے فلک۔"

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔" اس نے صاف کہہ دیا کسی بھی ملاوٹ کے بغیر، مدھم مگر پر اعتماد سی آواز۔ دروازہ ابھی بھی اس کے زرد ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ آنسو کے نشان چہرے پر تازہ تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سسکی بھی بھر رہی تھی۔ ناک، وہ تو تھی ہی سرخ۔

"پولیس کو بھی پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی؟" ایک اور چبھتا ہوا سوال۔ وہ اس سے ٹھیک ٹھاک ناراض تھا یہ اس کے انداز سے پتہ چل رہا تھا۔ فلک نے پھر سے متورم پلکیں اٹھائیں۔ نوح ایک بار پھر دل ہار گیا۔ معلوم نہیں اب وہ کتنی بار یونہی اپنا دل ہارا کرے گا۔

"میں نہیں چاہتی تھی میرا در میان میں آئے۔ میں نہیں چاہتی تھی پولیس کی فی الحال اس تک رسائی ہو۔" نوح نے تیر کمان کو اوپر اچکایا پھر دروازے سے ہٹ گیا۔ باڑ میں جیسے دراڑ آئی تھی۔

"حالانکہ وہ در میان میں آچکی ہے۔ تمہاری بے وقوفی، تم بیان دیتی تو اب تک وہ جیل میں سڑ رہا ہوتا یوں جرمانہ بھر کر آزاد نہ ہوتا۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے باہر آگئی تھی لیکن یہ کیا۔ اسے چلتے ہوئے چکر کیوں آرہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے وقفے وقفے سے اندھیرا کیوں چھا رہا تھا۔ اس نے

پٹی میں جکڑے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔شاید اسی وجہ سے۔سوچ کر اس نے خود کو صوفے پر بٹھایا تھا۔نوح کچن میں چلا گیا۔

"غفران سر والی بات دہرا رہے ہو۔"خفگی میں لپٹی خفا سی آواز،اس نے مڑ کر اس لڑکی کو دیکھا۔محبت نہ ہوتی تو اب تک برستی برف میں کھڑا کر چکا ہوتا۔سر جھٹک کر اس نے کیتلی میں چائے چڑھائی تھی۔

"پتا نہیں تم لڑکیاں اتنی عقل سے پیدل کیوں ہوتی ہو۔یوں تو تم بڑی طرم خان بنتی ہو۔اس بوڑھے کے وار کا جواب نہیں دے سکی۔"اصل غم یہی تھا۔بڑا صدمہ،کھرنڈ زدہ زخم جسے بڑی بے رحمی سے بیج رنگ کی ہوڈی میں ملبوس شخص نے کھینچ دیا تھا۔اس کا چہرہ ہتک سے لال سرخ ہو گیا۔سوجا ہوا گال مزید سوج گیا۔

"میری انسلٹ کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔"اس کی آواز کپکپائی۔نوح نے ایک بار پھر مڑ کر اسے دیکھا۔وہ شدید غصے میں تھی۔اس کی آنکھیں ایک بار پھر سے جھلمل کرنا شروع ہو چکی تھیں۔اس کو ایک بار پھر اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔وہ رخ موڑ گیا۔دل کا ابال ٹھنڈا ہو چکا تھا۔وقت نے مرہم لگا دیا۔

"اور اگر سارے حق اپنے نام منسوب کروالوں پھر؟" ایک دم سے سارے عالم میں سناٹا چھا گیا تھا۔ فلک کی جھلمل کرتی آنکھوں میں تارے ٹوٹنے لگے تھے۔ وہ لاجواب ہوئی تھی۔ مگر پھر سنبھل گئی۔ مستحکم آواز میں گویا ہوئی۔

"میں یہاں ایک سال مزید رہوں گی اس کے بعد واپس پاکستان چلی جاؤں گی۔" گویا جتا دیا کہ وہ تمام عمر یہاں نہیں گزارنے والی ہے۔ نوح نے پھینٹے ہوئے انڈوں میں دودھ اور چیز کے سلائسز ڈالے۔ اس کے بعد اس میں بریڈ کے ٹکڑے اچھے سے بھگو کر انہیں پین میں رکھ دیا۔ کچھ ہی دیر میں بھوری پڑتی بریڈ کی خوشبو چہار سو پھیلنے لگی تھی۔

"تو میں نے کونسا یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ پاکستان میری بھی منزل ہے۔ وہاں نہیں جاؤں گا تو کہاں جاؤں گا۔" وہ جو غصے میں تھا۔ وہ جو کل رات سے پریشانی میں سویا نہیں تھا۔ وہ جس کے دل میں بے چینی پھیل چکی تھی۔ خوف اتر آیا تھا۔ جو لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ اس کی حالت کا سوچتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا اس وقت فلک کو کتنی زیادہ پازیٹوٹی کی ضرورت ہے۔ ذہنی سکون درکار ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا اور وہ سمجھ گیا جیسے ہمیشہ سمجھا کرتا تھا۔

"تم چاہ رہے ہو میں واپس چلی جاؤں۔" وہ زچ ہو گئی تھی۔ بندھا ہوا حصار ٹوٹ رہا تھا۔ وہ بھٹک رہی تھی۔ مینہ نے اسے بھٹکنے کیلئے راستہ دکھایا تھا۔ وہ اس راستے پر نہیں چلنا چاہتی تھی حالانکہ دل

ایڑھیاں رگڑ رہا تھا۔ نفس بہکا رہا تھا۔ لیکن اس نے فی الحال خود کو روک لیا۔ وہ جانتی تھی یہ دنیا، یہ لوگ، یہ محبتیں اس کیلئے نہیں ہیں۔ وہ ان کیلئے نہیں ہے۔ وہ جانتی تھی یہ وقت کا ایک لمحہ ہے۔ جو آج ہو گا کل نہیں ہو گا۔ وہ ان گزرے ہوئے لمحوں پر کوئی فیصلہ کر کے پچھتاووں کے آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی بلکہ وہ ان کو مسکرا کر یاد کرنا چاہتی تھی۔ ایک اچھی تصویر کی طرح، خوبصورت رنگوں سے سجی ہوئی۔ مکمل اور پائیدار۔

"تمہیں لگتا ہے تم جا سکتی ہو؟" سوال پر وہ سکتے میں چلی گئی۔ "اب جا سکتی ہو۔" اب پر زور دیا گیا۔

"یعنی اگر میں تھریٹ ہو نگی تو میں کمزور ہو جاؤں گی اور سہارے ڈھونڈوں گی یہی کہنا چاہ رہے ہو تم، ہے نا؟" ماتھے پر بل، آواز میں غصہ، لہجے میں اکڑ اپن اور ماتھے پر بل، نوح اس کے جملے پر مسکرا دیا۔ ناشتہ تیار ہو گیا تھا۔ وہ ایک اچھا کک تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔" نوح نے اس کے سامنے میز رکھی پھر اس پر ایک ایک کر کے چیزیں رکھنے لگا۔ بہت بہت کم آئل میں تلی ہوئی بریڈ، چار اسٹیمڈ ایگ، شہد ملا دودھ اور چائے۔

"میں نے بس ایک التجا کی ہے کہ کبھی تمہیں کوئی مشکل ہو تو تم مجھے یاد کر لیا کرو اس سے تمہاری ایگو پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ انفیکٹ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ میرا دل خوش ہو گا۔ میں باہر تھا۔ ایک کال کرتی تو کیا نہ آتا۔ چلو تب مجھے ڈاکٹر فاؤ کی ناساز طبیعت کا پتہ چلا تو میں چلا گیا۔ اس کے بعد پورا

دن گزر گیا تب بھی تم نے اطلاع نہیں دی۔ آخر کیوں، کسی اور کو نہ سہی کم از کم مجھے تو بتا سکتی تھی۔ اتنا تو میرا حق بنتا ہے۔" اس نے بہت غور سے اس شخص کو دیکھا۔ کیا تھا وہ، اس سے چڑ کھاتا ہوا۔ سے ناپسند کرتا ہوا یا پھر پور پور اس کی پریشانی میں گھلا خود کو اس کا بے حد قریبی مانتا ہوا۔ اس نے پلکیں جھپکا لیں۔ دائرہ ٹوٹ رہا تھا۔ قائم کردہ حدود میں سایہ نظر آنے لگا۔

"میں جانتا ہوں تم خود کو بہت مضبوط سمجھتی ہو۔ ایک انڈیپینڈنٹ لڑکی، وہ جسے کسی سہارے کسی کاندھے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو خود سے اپنے تمام معاملات سنبھالنا چاہتی ہے۔ جو خود کیلئے خود ہی کافی ہے۔ میں بھی اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ تم جب پہلی دفعہ سامنے آئی تو لگا ایک اور نوح سامنے کھڑا ہے مگر فلک، اب بہت سے معاملات میں مجھے تمہاری ضرورت پڑتی ہے۔ اس وقت مجھے تم چاہیے ہوتی ہے اور میں تم تک آجاتا ہوں۔ میں جب الجھا ہوا ہوتا ہوں پریشان ہوتا ہوں یا ڈپریشن میں جا رہا ہوتا ہوں تو تم سے مل لیتا ہوں۔ بات کر لیتا ہوں۔ وقت بتا لیتا ہوں پھر میں ٹھیک ہو جاتا ہوں۔ میرے اندر سے ویرانی مٹ جاتی ہے۔ خود کو چھپا دینے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ میں نارمل ہو جاتا ہوں۔ میں جب اپنے خول سے باہر آسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں آسکتی۔ تم اور میں اب الگ نہیں ہیں فلک، میں تم سے واقف ہوں اور تم مجھ سے اس لیے پلیز پوری دنیا کیلئے نا سہی میرے لیے، صرف میرے سامنے تم وہ بن جاؤ جو حقیقت میں تم ہو وہ نہیں جس کو تم نے ظاہر کیا

ہوا ہے۔"فلک نے آنسوؤں کے گولے کو نگلا تھا۔پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر بریڈ کے سلائس کو اٹھا لیا۔اس نے پرسوں صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔اب پیٹ ایسی دوہائیاں دے رہا تھا کہ اعلی الآمان۔

"اور خود کی جان پر ظلم کرنا بند کرو، بہت زیادہ محنت کرنا بند و کرو۔زندہ رہنا ہے تو بند کرو۔"اس نے واضح اور صاف لفظوں میں اس پر حقیقت آشکار کی تھی۔بریڈ کے سلائس کو چائے کے گھونٹ سے حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اس نے انتہائی نارمل سے لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے میرے پاس اسی سال کی عمر تک جینے کے چانسز ہیں۔"گویا وہ اپنی بیماری کے متعلق جانتی تھی۔تبھی اس کا اشارہ فوراً سمجھ گئی۔نوح گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"بیس سال بھی نہیں بچیں گے اگر ایسا ہی چلتا رہا تو۔"اس نے جل کر کہا تھا۔لیکن اگلے جواب کیلئے وہ ہرگز تیار نہ تھا۔لرزتے ہوئے دل کے ساتھ وہ اسے سن رہا تھا جو سر جھٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مزید بیس سال تک جینا بھی کون چاہتا ہے۔"وہ جسے دیکھ کر جینے کی امید آئی تھی۔وہ جسے دیکھ کر اس نے مسکرانا سیکھا تھا۔جس کے اثر میں وہ بولنا شروع ہوا تھا۔جس کی وجہ سے اس نے اپنی بے مروتی ختم کی تھی وہ لڑکی زندگی سے اتنی متنفر تھی۔اتنی عاجز، اتنی تنگ۔نوح کو لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں پکڑ کر بری طرح بھینچا ہے۔وہ بری طرح متوحش ہوا۔

"لیکن مجھے تمہارے ساتھ سو سال تک جینا ہے اس لیے تم مزید اپنی جان پر کوئی ظلم نہیں کرو گی۔" وہ تلخی سے مسکرا دی۔

"میں تیس تک جی لوں تو بہت بڑی بات ہے۔ سو سال تو خواب ہی لگتے ہیں۔" وہ اس کے ارادوں سے خائف ہو گیا۔ بری طرح ہو گیا۔

"فلک۔۔۔ کیا تم اپنے حواسوں میں ہو۔" ماتھے پر شکن لیے۔ ابرو کو باہم ملائے اس نے سنجیدہ آواز کے ساتھ اسے جھڑک دیا۔ اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ اس گھنٹی کو وہ دبانا چاہ رہا تھا۔ جو وہ سوچ رہا تھا ایسا نہیں ہو سکتا تھا بالکل بھی نہیں۔ وہ لڑکی جان بوجھ کر خود کو تھکا نہیں سکتی تھی۔ وہ لڑکی زیادہ خود کو تھکا کر موت کے منہ میں نہیں لا سکتی تھی۔ وہ شعور و لاشعوری طور پر ایسا نہیں کر سکتی تھی بالکل بھی نہیں۔

"ابھی تو مجھے کسی اور کے حواس ٹھکانے لگانے ہیں۔ ایاز کو اس کی نانی یاد نہ دلا دی تو میرا نام بھی فلک سفیر نہیں۔" اس نے بات کا رخ بدل دیا تھا لیکن وہ نوح کا ذہن نہیں بھٹکا سکتی تھی۔

"تم کچھ نہیں کرو گی قانون خود دیکھ لے گا اس کو۔" وہ اس کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ فلک نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"یعنی کہ تم، اوہ مجھے یاد آیا تم بھی تو ایک کارڈیالوجسٹ ہو۔ جب تک میں یہاں ہوں تم میرا علاج کیوں نہیں کر لیتے۔" "جب تک میں یہاں ہوں' اس نے دوسری بار یہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ نوح نے اس کے لفظوں کو پکڑ لیا۔

"کیا تم مجھے چھوڑ رہی ہو؟" بل دار ماتھے کے ساتھ سوال کیا گیا۔ ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھی تھی۔ باہر کے موسم کو دبیز پردوں نے چھپا دیا تھا۔ ہاں البتہ اندر کی گرمائش کافی زیادہ تھی۔ ناشتے سے انصاف کرنے کے بعد چائے کو ختم کرتی فلک ٹھٹھکی۔

"مطلب؟"

"تم نے کہا تھا تم مجھ سے نکاح کرو گی اور اب بار بار تم کہہ رہی ہو تم چلی جاؤ گی یعنی اس دن تم نے ہمدردی میں ہاں کہی تھی۔ یعنی تمہارا رجحان میری جانب نہیں ہے۔ یعنی تم مجھ سے الگ ہونا چاہ رہی ہو۔" وہ سنجیدہ تھا، رہا۔ فلک پریشان سی بل دار ماتھے کے ساتھ مسکرا دی۔ ایسے کرنے کے دوران اس کے سوجے نیلے گال میں درد کی لہر اٹھی تھی۔ جس کے آثار چہرے پر پھیل گئے۔

"ہمدردی، یہ کس طرح کی بات کر رہے ہو تم؟" وہ پزل ہو گئی تھی۔ اس کو بخار تھا لیکن بخار سے زیادہ نوح کے الفاظ اسے جھلسا رہے تھے۔ وہ بری طرح متفکر ہوئی۔

"تمہارے ساتھ حادثہ ہوا تم نے مجھے نہیں بتایا۔ اس بات نے مجھے اتنی تکلیف پہنچائی کہ مجھ سے پوری رات سویا نہیں گیا۔ اس کے بعد تم دوبار منظر عام سے غائب ہونے کا کہہ چکی ہو اور یہ بات مجھے مزید تکلیف دے رہی ہے اتنی کہ میں پھر آج رات بھی نہیں سو پاؤں گا۔" وہ جو اس کے سامنے بیٹھا تھا وہ ایک خوف زدہ دل کا مالک انسان تھا۔ اس کو فکر لاحق تھی کہ وہ اسے چھوڑ جائے گی۔ فلک کو فکر لاحق ہوئی اگر اس نے ایسا کیا تو وہ کیسے کرے گی۔

"ایسی بات نہیں ہے میں تو۔" نوح نے اس کی بات درمیان میں قطع کر دی۔

"تو پھر تم مجھ سے ابھی اور اسی وقت نکاح کر لو۔ تم نے کہا تھا تم کرو گی۔" وہ ویسے ہی ٹھس بیٹھا تھا جیسے کوئی مومی پتلا ہو۔ جیسے اس پر جمود طاری کر دیا گیا ہو۔ وہ اب ہلنے جلنے سے قاصر تھا۔ وہ اب جم چکا تھا۔

"ابھی کیسے ممکن ہے؟" فلک کی مریل سی آواز نکلی۔

"کیوں نہیں ممکن، میں نکاح پڑھواتا ہوں۔ میں نوح جبران اللہ اور اس کی بنائی ہر شے کو حاضر ناضر جان کر تمہیں اپنے عقد میں لیتا ہوں۔ کیا تم میری بیوی بننا چاہو گی۔" اب کی بار پہلی بار فلک دل سے ہنسی تھی۔ اس کو درد ہو رہا تھا اس نے نظر انداز کیا۔ وہ لطف اندوز ہو رہی تھی یہ ظاہر تھا۔

"ایسے تھوڑی ہوتا ہے نوح نکاح۔" وہ اس کی کم عقلی پر ہنس دی۔

"تم بس جواب دو، کیا تمہیں نکاح قبول ہے؟" وہ رک کر دیکھنے لگی پھر بڑے آرام سے بولی۔

"ہاں قبول ہے۔" شانے اچکاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ نارمل ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن بٹ گیا تھا۔

"دوبارہ اور کہو۔" پتھر کے مجسمے میں حرکت ہوئی۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ یعنی وہ اسے قبول لے گی۔ یعنی وہ واقعی اسے نہیں چھوڑے گی۔

"قبول ہے۔ قبول ہے۔" وہ ہنس رہی تھی۔ اسے تھوڑی سی شرم بھی آ رہی تھی۔ یہ ایک اچھا تجربہ تھی۔

مجھے بھی تم اپنی تمام تر بے وقوفیوں کے ساتھ قبول ہو۔" نوح نے بھی مسکراتے ہوئے دل سے کہا تھا۔ فلک نے خائف نگاہوں سے اسے تکا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"مجرم بھی یہی کہتا ہے وہ گناہ گار نہیں ہے۔" اس نے سینے پر سے بازو کھول دیے۔ ٹانگ پر سے ٹانگ ہٹالی۔ لبوں پر ہمہ وقت رہنے والی مسکان ایک بار پھر سے آ گئی تھی۔

"وہ مجرم ہے۔ میں فلک ہوں۔" واہ کیا انداز تھا۔ اس نے خالی کپ رکھ دیا۔ وہ سیر ہو چکی تھی۔

"تم نے میرا دل چوری کیا ہے اس حساب سے تم بھی مجرم ہو۔لاؤ دو واپس اسے مجھے۔بہت ہو گیا اب۔"مصنوئی اکتاہٹ طاری کر کے کہا گیا۔فلک پھر سے اونچا ہنس دی۔

"اور کسی نے ابھی دو منٹ پہلے میرے ساتھ نکاح کی پریکٹس کی تھی بلکہ وہ تو سو سال جینے کی خواہش بھی کر رہا تھا۔چچ چچ چچ لوگ کتنی جلدی رنگ بدلتے ہیں۔"وہ اپنی جون میں واپس آچکی تھی۔نوح کیلئے یہ ہی کافی تھا۔

"لوگوں نے رنگ بدلنا بھی لوگوں سے ہی سیکھا ہے۔"وہ دوبدو ہوا۔وہ بالکل اس جیسا ہی ہو گیا تھا۔

"اللہ بچائے ایسے لوگوں سے۔"فلک نے توبہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"اللہ بسائے ایسے لوگوں کے ساتھ۔"نوح کی آنکھوں کی جوت جل گئی۔فلک کا چہرہ اچانک سرخ ہوا تھا۔وہ ابرو کھجانے کے بہانے سر جھکا گئی۔نوح اسے نظروں میں اتارتے ہوئے دل سے مسکرایا تھا۔

وہ اسے تک رہا تھا۔وہ اسے بہت غور سے تک رہا تھا۔اس کے دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔اس کی نظروں میں وہ لڑکی تھی۔جو وہ نہیں تھی وہ دنیا کو دکھا رہی تھی اور جو تھی اسے نوح جہان اچھے سے واقف ہو گیا تھا۔یہ تو اب دنیا کو سوچنا تھا کہ

وہ کون تھی؟

فلک سفیر آخر کون تھی؟

-

ہسپتال کے سرد سے کاریڈور میں گرم جوشی کا سماں تھا۔ خاندان کے لوگ میرج ہال سمجھ کر جوق در جوق آرہے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں مٹھائی کے ڈبے تھے تو کسی کے ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکریاں۔ کوئی پھول لا رہا تھا تو کوئی فقط دعائیں۔ ڈاکٹرز، نرسز، عملہ حتیٰ کہ اویس بھی اس بھیڑ سے عاجز آگیا تھا۔ وہ تھکا ہوا تھا۔ زخمی تھا۔ درد سے نڈھال تھا اس لیے آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بیڈ سیٹنگ پوزیشن میں سیٹ تھا۔ اس نے نرس سے کہہ کر اسے نیچے کروالیا پھر آنکھیں موند لیں تاکہ مزید کوئی ڈسٹرب نہ کرے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد نرس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود گھسے پٹے اوور سائز کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تنویر پان سے سرخ پڑتے دانتوں کے ساتھ مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا رف سا بوکے تھا جسے اس نے اویس کے بیڈ کے سرہانے رکھ دیا۔

"اور سالے صاحب کیسی طبیعت ہے اب، خدا کی قسم آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔" فرخندہ اور امین اس کے ساتھ ہی کمرے میں آئے تھے۔ تنویر کی ماں بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹے کے

بگڑے ہوئے تیوروں سے خائف بھنویں سکیڑے کھڑی تھی۔ اخلاقاً اس کا حال چال پوچھنے کے بعد بیٹھ گئی ورنہ اس کی بلا سے وہ کل کا مرتا آج مرے۔

"ہاں بیٹے، اب کیسا محسوس کر رہے ہو آپ۔" اس نے تھکن سے چور پلکوں کو کھولا پھر بے بسی سے اپنی ماں کی جانب دیکھا تھا۔ نظروں کا مفہوم تھا اب وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ بالکل تنہائی چاہتا ہے۔

"ٹھیک ہے شکر اللہ کا لیکن کافی تکلیف میں ہے اس لیے آرام کرنا چاہتا ہے۔" تنویر نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے رخ ہونے والی ساس کی جانب کیا۔ اس بڑھیا کی خاطر ہی تو وہ اپنے دوست سے یہ پینٹ کوٹ مانگ کر لایا تھا اوپر سے اس کے ماتھے کے بل ہی نہیں ختم ہو رہے تھے۔

"پورے خاندان سے ملتے ہوئے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ ہم آئے تو آرام کا خیال آ گیا۔" وہ منہ پھٹ تھا۔ کہاں لحاظ رکھتا تھا۔ فرخندہ نے ضبط سے امین کو دیکھا تھا۔

"وہ بیمار ہے تنویر، کتنے بڑے حادثے کا شکار ہوا ہے یہ بھی تو دیکھو۔ جب گھر آئے گا تب جی بھر کر مل لینا ابھی فی الحال پلیز جاؤ یہاں سے۔" تنویر نے کمر کے دائیں بائیں ہاتھوں کو جمایا پھر سر کو ہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے بیٹا کر لو جو کر رہے ہو، سمجھ رہا ہوں میں بھی سب لیکن ایک بات یاد رکھنا۔" اس نے انگلی اٹھائی تھی۔ تنویر کی ماں چہرے پر سے پلو کو درست کرنے لگی۔ "تم لوگوں کے ارادوں کو میں

پورا نہیں ہونے دوں گا۔ فلک صرف میری ہو گی صرف میری۔" سینے پر انگلی ٹھونک کر وہ ان کے پاس سے نکل رہا تھا۔ اس کی ماں نے پھول اٹھانے کو کہا۔

"جب انہیں ہمارا آنا گوارا نہیں تو پھول بھی یہاں چھوڑ کر کیوں جائیں۔" وہ دروازے سے بے حد دور جا چکا تھا اتنا کہ ان کی آوازیں اور کسی کو سنائی نہیں دے سکتی تھیں۔

"پڑے رہنے دو اس کے سرہانے میں نے کونسا خریدے تھے۔ تازہ قبر سے اٹھا کر لایا تھا۔"

اس کی آنکھوں کی نفرت، اس کی آنکھوں کا جنون رامیہ کی آنکھوں کی نفرت و جنون سے بہت ملتا تھا۔ وہ اپنے جہازی سائز بیڈ پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ مائی ہوم پروجیکٹ گزشتہ ایک سال سے اس کے زیر سایہ تھا۔ اب مزید جانے کتنا وقت اس کو پورا کرنے میں لگنے والا تھا۔ اسی حساب سے کام کر رہی تھی جب اس کو ایک ای میل موصول ہوئی۔ اس نے جھٹ سے اس کو کھولا اندر اسے جو نظر آیا تھا اس نے اس کی آنکھوں میں نفرت کو بھر دیا۔ وہ چند فیکٹریز، دبئی میں موجود بزنس کی شاخ، یوگینڈا میں موجود برانچ اور پاکستان میں نون کمپنی کی ملکیت کی فائل تھی جس میں نوح جبران کا نام واضح لکھا ہوا آ رہا تھا۔

"سر نے آج ہی یہ سب نوح جبران کے نام کیا ہے۔ مزید وہ اسلام آباد میں موجود ہیڈ آفس بھی ان کے نام کرنے والے ہیں۔" اس نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو بند کیا۔ اس کا سر یکدم دکھنے

لگا تھا۔ اشتعال انگیز لہر اس کے وجود سے اٹھنے لگی تھی۔ جس کی وجہ سے جس کام میں وہ مگن تھی۔ اس سے دل اچاٹ ہوا۔ اس نے فون اٹھا کر اپنے باپ کا نمبر ملایا تھا۔ پورے دس سیکنڈ میں کال اٹھا لی گئی تھی۔ وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں بابا، آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔" آواز میں دھاڑ اور حقارت گھلی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا پوری دنیا کو تباہ کر دے۔

"تو یعنی خبر پہنچ گئی آپ تک؟" وہ جتنی تپی ہوئی تھی جبران اتنے ہی متحمل انداز میں گویا ہوئے۔ رامیہ نے ہاتھ کی مٹھی بھینچی۔ اتنی زور سے کہ اس کے بڑھے ہوئے ناخون ہتھیلی میں پیوست ہو کر رہ گئے۔

"بابا۔۔ یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے۔" وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ وہ اس سے بے حد نفرت کرتی تھی۔ اس انسان کی وجہ سے اس کا پورا بچپن محرومی میں گزرا۔ اس کے والدین ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے۔ کبھی کوئی خوشی انہوں نے نہیں دیکھی کبھی کوئی تہوار ہنسی خوشی ساتھ نہیں گزارا تو پھر جس شخص کی وجہ سے ان کا گھر بٹ کر رہ گیا تھا وہ کیسے اور کیونکر ان کی جائیداد میں حصہ دار ہو سکتا ہے۔ وہ بھی وارث کے طور پر۔

"مجھے پتہ ہے رامیہ میں کیا کر رہا ہوں کیا نہیں۔"سخت کھردی آواز ائیر پیس سے ابھری۔اس نے سختی سے آنکھیں بند کر کے کھولیں اس دوران اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکان ابھر گئی تھی۔لمحے میں وہ اندھیروں سے سفر طے کر کے لوٹی۔

"تو پھر چند سالوں پہلے تک آپ کہاں تھے تب کیوں معلوم نہیں ہوا کیا کرنا ہے۔اس وقت کیوں نہیں بیٹے کی محبت جاگی۔"اس کا سوال جبران کے گال پر ایک زوردار طمانچہ تھا۔وہ درد سے بلبلا اٹھے۔کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ پھنکارے۔

"اپنی حد میں رہو رامیہ، یہ نہ ہو میں تم پر حد بندی کر دوں۔بھولو مت پاوور آف اٹارنی اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔تمہارا احتجاج مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔"ان کی کھلی دھمکی نے رامیہ کے چھکے چھڑا دیے۔وہ نیم وا لبوں سے چند ثانیے ہق دق و گنگ رہی۔آنکھوں میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئی تھیں۔سب کچھ جیسے ریت کی طرح ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

"آپ۔۔۔آپ اس کی خاطر مجھے بے دخل کر دیں گے؟"سوال تھا۔بے حد استعجاب میں ڈوبا سوال جیسے کوئی درخت اچانک گہری کھائی میں گر جائے۔جڑیں ساتھ چھوڑ دیں۔بنیادیں ہل جائیں۔یقین ٹوٹ جائے۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں بعد میں بات کرنی چاہیے۔" انہوں نے مزید کچھ بھی سنے بنا کال منقطع کر دی تھی۔ رامیہ جوں کی توں کھڑی رہی۔ اس کے کانوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ بت بنی کھڑی تھی۔ اس نے، اس نے اپنی پوری جوانی محنت کرنے میں گزار دی۔ اس کے باپ کو اپنے بیٹے کی یاد نہ ستائے ان کیلئے بیٹا بن گئی۔ کاروبار کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ شب دیکھی نہ اجالا۔ تھکن دیکھی نہ صحت بس جت گئی کام میں۔ نام بنایا نون گروپ آف کمپنیز کا۔ بدلے میں اسے کیا ملا سننے کو، بدلے میں اسے کیا کہا گیا۔ کیا جتایا گیا۔ وہ بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کا سر دونوں ہاتھوں میں آ رہا تھا۔ وہ متفکر ہو گئی۔ شدید متفکر۔

"کیا ہوا، سب خیریت ہے؟" کمرے میں داخل ہوتے احسن رضا نے اپنی بیوی کو یوں گم صم بیٹھے دیکھا تو دریافت کر لیا۔ رامیہ نے چہرہ اوپر کو اٹھایا تھا۔ وہ نیلی پینٹ اور سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ کوٹ اس کے بازو پر ڈلا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا اور چہرے پر تھکن۔

"ہمم۔" بہت مدھم سی آواز میں کہا۔ وہ دو منٹ اس کے سر پر کھڑا رہا پھر صوفے کی جانب بڑھ گیا۔ بریف کیس سائیڈ پر رکھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنا کوٹ بھی رکھ دیا۔ پھر جھک کر جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔

"تم مجھ سے شئیر کر سکتی ہو آفٹر آل میں تمہارا شوہر ہوں۔" رامیہ کے چہرے پر کراہت آمیز تاثرات پھیل گئے۔ وہ اس کی خفیہ سرگرمیوں سے واقف ہو گئی تھی۔ اسے بٹی ہوئی کوئی چیز نہیں چاہیے تھی۔ اس لیے وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ لیکن فی الحال اتنی جلدی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ تو ریگریٹ ہو اس کے والدین کو، کچھ تو صدمہ لگے اس کی سوکالڈ بہن کو۔

"یہ میری پریشانی ہے۔ میں اسے ہینڈل کر سکتی ہوں۔ بائی داوے کہاں سے آرہے ہو تم؟" شادی کے کچھ ماہ بعد پوچھا جانے والا واحد ذاتی سوال۔ احسن نے گردن اونچی کر کے بیوی کو دیکھا پھر کھینچ کر جوتے پاؤں سے الگ کر لیے۔

"کہاں سے آسکتا ہوں۔ میرے حلیے سے کیا اخذ کر سکتی ہو تم؟" سوال پر سوال چڑھا کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ جوتے گندے ہو گئے تھے۔ اس لیے انہیں باسکٹ میں ڈال دیا تاکہ ملازمہ اس کو اچھے سے رگڑ کر پالش کر دے۔

"آفس ٹائم پانچ بجے ختم ہوتا ہے۔" الماری سے سویٹ پینٹس نکالتے احسن کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے تھے۔ پھر اس نے بھورے رنگ کی پینٹ اور شرٹ نکال لی۔ مڑا تو وہ اسے انہی اچٹتی ہوئی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

"میں پنچنگ بیگ نہیں ہوں۔ اپنی فرسٹریشن کسی اور پر کسی اور طریقے سے نکالو پلیز۔" وہ جیسے اس سے مزید نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ ایک وجہ تو اس کا دل میں مقام تھا۔ اور دوسری اہم وجہ اس کا دولت مند ہونا۔ نون گروپ کل کو اس کے ہاتھ میں ہو گا۔ آخر کو وہ اس کا شوہر جو ہے۔

"یعنی تم فرار ہو رہے ہو؟" واش روم کے دروازے عین سامنے جا کر وہ رکا تھا۔ کیونکہ اسی وقت رامیہ کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔ احسن نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا پھر مڑ کر اسے دیکھا۔

"وجدانی کے ساتھ میٹنگ تھی۔" پھر اس نے پینٹ کی جیب سے فون نکال کر اچھال دیا۔ وہ بیڈ پر رامیہ کے قریب جا کر گرا تھا۔ "چاہو تو کال کر کے پوچھ سکتی ہو یا میرے مینیجر سے شیڈول معلوم کر لو۔ ایک اور حل بھی ہے۔ ریستوران کی سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا لو۔ جس سے تمہاری تفشی ہو وہ کر لو۔ آئی ڈونٹ مائنڈ۔" بیڈ کے کناروں کو دبوچے بیٹھی ٹوٹی بکھری لڑکی کے کان یکدم سرخ ہوئے۔ کان کے ساتھ اس کا پورا چہرہ بھی سرخ ہو گیا۔

"اب تم میرا مذاق بناؤ گے۔ رائیٹ۔۔" اس کے لب بھینچے تھے اور آنکھوں میں دیکھی جانے والی نمی تھی۔ احسن نے ایک بار پھر گہرا سانس بھرا۔ پھر وہ قدم قدم چلتا اس کے پاس آیا۔ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھا۔ ایک بازو اس پر پھیلایا پھر مدھم آواز میں دریافت کرنے لگا۔

"میں سن رہا ہوں۔ اپنا دل ہلکا کر لو۔" اور وہ کر لیتی اگر اس میں سے اچانک لڑکیوں کے پرفیوم کی خوشبو نہ اٹھتی تو۔ یہ خوشبو، اسے وہ جانتی تھی۔ وہ اس کے کوڈ کو پہچانتی تھی۔ میٹنگ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملا جاتا ہے۔ ہر قسم کی خوشبو سونگھی جاتی ہے۔ کپڑوں میں بھی سماتی ہے مگر تب جب آپ کسی سے گلے ملیں۔ تو کیا وہ ایسا کر چکا تھا۔ اگر کر چکا تھا تو پھر اس کے بعد اس میں اتنی ہمت کیسے آگئی کہ وہ اسے اپنے گھیرے میں لے سکے، ان خوشبوؤں کے حصار میں۔ رامیہ نے اس کے بازو کو اپنے شانے سے جھٹک دیا۔

"تم فریش ہو جاؤ۔ مجھے اس وقت تنہائی درکار ہے۔" جھٹکنے میں اتنی حقارت، کیا وہ نامحرم تھا جو اس طرح رد ہوا۔ وہ طیش میں مبتلا ہو گیا۔ احسن ہاتھ کی مٹھی بنا کر ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ کر گیا تھا۔ واش روم میں آکر اس نے گلدان کو اٹھا کر زمین پر پٹخنا چاہا پھر خود پر بند باندھ لیا۔

"کول ڈاؤن احسن، جسٹ کول ڈاؤن۔" وہ خود کو کہہ رہا تھا۔ تسلی دے رہا تھا۔ محبت نہ ہوتی تو وہ اسے ہاتھ کو جھٹکنے کا مطلب اچھے سے سمجھاتا۔ مگر مسئلہ تو یہی تھا کہ ایک تو وہ نازک بہت تھی اوپر سے اس کے دل میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھی۔ اس لیے چاہ کر بھی وہ اس سے سخت رویہ نہیں رکھ پاتا تھا۔ سارا قصور اس کے دل کا تھا۔

اف یہ دل۔۔۔ اس نے سر جھٹک کر شاور کو کھول دیا۔

کرسمس کا دن تھا۔ ہر سو رنگ برنگے برقی قمقمے جھلملاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سانتا کلاز ہر شاپ کے باہر، ہر گلی نکڑ میں منڈلاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وائیٹ کرسمس اپنے عروج پر تھی۔ ایسے میں آج خوشی کو بھی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس کے باہر بھی کرسمس ٹری جگمگا رہا تھا۔ مہمت بہت بڑے مصنوعی کرسمس ٹری کے احاطے میں سفید پتھروں کو پرسوز انداز میں بچھا رہا تھا۔ ہر سال اس کام کو سرانجام دینے کیلئے جو اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ اس بار نہیں تھی۔ وہ جانے کہاں روپوش ہو گئی تھی۔ اس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ وہ جہاں کام کرتی تھی وہاں سے چھٹیوں پر تھی۔ وہ اپنے کرائے کے کمرے میں بھی نہیں تھی پھر وہ کہاں چلی گئی تھی۔ وہ ایک بار اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ایک بار اسے پکارنا چاہتا تھا۔ ایک بار اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے اسے منانا چاہتا تھا۔ شاید وہ مان جائے۔ شاید وہ حامی بھر دے۔ شاید وہ اس کا دل رکھ دے۔ اس نے ایک سرد آہ خارج کی۔ متھ اس کے برابر آن کھڑا ہوا تھا۔

"تقدیر سے کوئی نہیں لڑ سکتا بیٹے، کچھ ٹھوکریں سنبھلنے کیلئے ہی ملتی ہیں۔" اس کا ہاتھ مہمت کے شانے پر تھا۔ مہمت کو وہ ہاتھ غنیمت لگا۔ کوئی تو تھا جو اس کے دل کے حال سے باخبر تھا۔ کوئی تو تھا جو اسے سمجھتا تھا۔

"افسوس اس بات کا نہیں ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ مجھے بد کردار سمجھتی ہے۔" حزن کی لہریں اس کے لفظوں کی ساتھی تھیں۔ خشک موسم اس کے درد کا ثانی تھی۔ گرتی برف اس کے غم میں برابر کی شریک تھی۔

"اس لیے کہتے ہیں اپنی چاہت کے سامنے محتاط رہنا چاہیے۔" مہمت نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ اس کی مٹھی میں ابھی بھی سفید کنکر موجود تھے۔ پاؤں کے قریب رکھی سفید بوری ایک چوتھائی ہی رہ گئی تھی بس۔ وہ سب کنکر اس درخت کے احاطے میں الٹ چکا تھا۔ بس تھوڑے سے تھے جن کو برابر اور طریقے سے مٹھیاں بھر بھر کر ڈال رہا تھا۔

"بات احتیاط کی نہیں ہے۔ بات اس کے دل کی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اسے پسند کرنے لگی ہے۔" مہمت کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں پھوٹ پڑی تھیں۔ نوح اسے ان دونوں کے درمیان ایک چبھتا ہوا کنکر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کیا کرے کہ وہ کنکر ہٹ جائے۔ وہ کیا کرے کہ سب ٹھیک ہو جائے۔ بالکل پہلے جیسا۔

"ہم کسی کو زبردستی بھی تو اپنی محبت میں گرفتار نہیں کر سکتے میرے بیٹے۔" کرسمس ٹری اور وہ دونوں شیڈ میں تھے۔ سرخ شیڈ کے اس پار سفید برف زمین پر الہڑ بچے کی مانند بچھی پڑی تھی۔ جیسے

اسے اب ضد آ گئی ہو۔ نہیں ہلنا تو بس ایک انچ نہیں ہلنا۔ یہیں پڑے رہنا ہے جب تک ڈیمانڈ پوری نہ ہو جائے۔

"تو پھر میں ایسا کیا کروں کہ اس کی نظر میں سرخرو ہو جاؤں۔ اس کے دل میں جگہ بنالوں۔ اسے نظر آنے لگ جاؤں۔ میرے علاوہ اس کے آس پاس کی تمام دنیا مدھم ہو جائے۔ وہ فقط مجھے دیکھے۔ مجھے چاہے اور۔" وہ ایک دم رک گیا تھا۔ مایوسی سے، رنج سے، ڈوبتے دل کے ساتھ۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔ یہ کیوں ہو گیا تھا۔ وہ تو کبھی بھی اس طرح کی سچوئشن میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو کبھی بھی لوٹرائے اینگل نہیں چاہتا تھا۔ یہ اکیسویں صدی تھی۔ تیز، بھاگتی ہوئی۔ ایک منٹ کیلئے بھی نہ رکنے والی پھر اس میں اس کا وقت کیوں تھم رہا تھا۔ سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے تھے۔ وہ کیوں نہیں کہیں فٹ ہو رہا تھا۔ وہ کیوں نہیں چل رہا تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ آخر کیا؟

"یہ دل کی باتیں ہیں مہمت، دل مانے تو بہتر نہ مانے تو صبر، ہم کبھی بھی اپنے عمل سے کسی کیلئے خاص نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اندر کی وائبز ہوتی ہیں جو کسی کو ہماری جانب کھینچتی کرتی ہیں۔ تمہاری وائبز فلک تک نہیں پہنچیں بچے۔ وہ ان سے محروم رہی۔" اس نے ایک بار پھر جھک کر سفید کنکر مٹھی میں بھرے۔ دھندلے شیشے میں سے پنار ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ رہے تھے۔ اپنے بیٹے کے ڈھلکے ہوئے شانوں سے وہ اندازہ لگا گئے کہ بات کس رخ گامزن ہے۔ ژولیدگی کی انتہا کتنی ہے۔ تشنگی کہاں تک پہنچی ہوئی ہے۔

"یہی غم ہے۔یہی غم رہے گا لیکن میں ہار نہیں مانوں گا۔بالکل بھی نہیں۔"اس نے مٹھی میں قید کنکر درخت کے احاطے میں اچھال دیے۔"کیونکہ جو ہار جاتے ہیں وہ پھر ہار ہی جاتے ہیں۔"

وہ جس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔وہ اس وقت پیٹ کو پکڑے بیٹھی تھی۔اس کے دونوں لب سکڑ کر دانتوں والے حصے میں غائب تھے۔آنکھیں مچی ہوئیں اور ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔اس کے زخمی ماتھے پر آج پٹی نہیں تھی۔بلکہ بینڈڈ موجود تھی جو نوح نے لگائی تھی۔وہ آج اس وقت گھر میں تنہا تھی۔آج کرسمس تھا۔عالمی چھٹی تھی۔صبح سے سب گھر میں موجود تھے۔پھر شام ہوتے ہی سیر ا اپنے دوستوں کے ساتھ کرسمس پریڈ دیکھنے چلی گئی۔مائیر اور نوح غفران کے ستھ ڈیوٹی دینے چل دیے۔جاتے جاتے غفران نے اسے ہدایت دی تھی کہ وہ کچھ بھی ہو جائے گھر کا دروازہ نہیں کھولے گی۔جب تک وہ کال کر کے نہ کہیں۔وہ ایاز کی وجہ سے احتیاط برت رہے تھے۔مائیر نے انگلی کھڑی کر کے کسی بڑے بزرگ کی طرح کہا تھا کہ وہ شدید دل چاہنے کے بعد بھی باہر کرسمس کی رونقیں دیکھنے نہیں جائے گی کہ ابھی اس کے زخم تازہ ہیں اور خطرہ قائم و دائم،اگر وہ باہر چلی گئی تو نقصان صرف اس کا نہیں ہو گا۔سب سفر کریں گے۔کتنے اچھے تھے ناوہ لوگ۔جبکہ نوح وہ تو بس بہت تفکر کے ساتھ اس پر ایک نظر ڈال کر چلا گیا تھا۔

جانے کے دس منٹ بعد اس کا میسج آیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

اس میسج کے ایک گھنٹے بعد اس کے پیٹ میں درد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس نے ٹکور بھی کی تھی۔ اس کے بعد اسے گرم پٹی سے بھی لپیٹا تھا۔ دوا بھی لی تھی۔ لیکن درد تھا کہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔ ایک لمحے کیلئے اس کا دل چاہا نوح کو کال کر لے مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود پر بند باندھ لیے۔ وہ اپنی خاطر کسی کو پریشان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کسی پر یوں انحصار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے تنہا ہی سب جھیلنا تھا۔ وہ جھیل رہی تھی اور بہت مضبوطی کے ساتھ جھیل رہی تھی۔ بلا آخر جب ہمت جواب دے گئی۔ اس نے فرخندہ کا نمبر ملایا تھا۔ کال نہیں اٹھائی گئی۔ اس نے دوبارہ ملایا بے سود۔ وہ کبھی بھی پریشانی کے عالم میں یا وہ درد کی کیفیت میں ہوتی تھی اس کی کال نہیں اٹھاتی تھیں جانے ایسا کیوں تھا لیکن ایسا ہی ہوتا تھا۔ اس نے مینہ کو فون کیا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"کیسی ہو فلک، بہت عرصے بعد فون کیا تم نے۔" وہ اس کی آواز سن کر آنکھیں میچ گئی۔ چند آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھکے تھے۔ اس نے پر درد آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"مینہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں واپس آنا چاہتی ہوں۔" وہ رو دی تھی۔ دنیا کا پہلا فرد تھا جس کے سامنے وہ بے جھجک رو دیا کرتی تھی۔ جس سے اسے کوئی عار نہیں آتی تھی جو اس کی ہر سیاہ و سفید سے واقف تھی۔

"فلک، کیا ہوا تمہیں۔ ٹھیک تو ہو تم؟"اس کی آواز میں پریشانی گھلی تھی۔ لفظوں میں عجلت پنہاں تھی۔ وہ ایسی فکر ایسی چاہت کی ہی تو بھوکی تھی۔ سسک اٹھی۔

"مینہ، مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ مجھے۔"اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا گلا رندھ گیا۔"مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مجھے پاکستان آنا ہے۔ تم لوگوں کے پاس آنا ہے۔ میں بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے اپنوں کی ضرورت ہے مینہ۔ میں قید نہیں ہونا چاہتی۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"فون لاؤڈ اسپیکر پر لگا کر اس نے بیڈ پر رکھ دیا کے ہاتھ لمحے کیلئے بھی پیٹ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس کی تکلیف حد سے سوا تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی کند چھری سے اس کو کاٹ رہا ہے۔

"اچھا فکر نہیں کرو۔ میں کرتی ہوں اماں سے بات۔ پہلے تم بتاؤ ہوا کیا ہے؟"اس میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ وضاحت کی طاقت نہیں تھی۔ صرف دو جملے ادا کیے۔

"چوٹ لگی ہے۔ بعد میں تفصیل سے بتاؤں گی۔"مینہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی تو آواز میں پورے جہان کا رنج سما گئی۔

"کیا۔۔۔ بہت زیادہ چوٹ لگی ہے۔"عجلت آمیز قدموں کی آہٹ پر فلک نے سر اٹھایا تھا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ میں ہی کھڑا تھا۔ فلک کا تر چہرہ، سرخ آنکھیں، پیٹ کو تھامے دونوں ہاتھوں نے اس پر حقیقت عیاں کر دی۔ وہ دروازے کی چوکھٹ سے ہٹ کر باہر کی جانب گیا تھا۔

"ہاں۔"اس نے یک لفظی جواب دیا۔مینہ رو دینے کو ہو گئی۔

"تم اپنا بہت خیال رکھو فلک، میں کرتی ہوں بات اماں سے۔ فکر نہیں کرو اور پلیز رونا بھی بند کرو مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"ایسا لگ رہا تھا اس کی تکلیف مینہ کے پاس چلی گئی ہو۔اس کی آواز ویسی ہی تو ہو گئی تھی۔

"تم انہیں کہو مجھے واپس بلا لیں۔"اس نے درد سے چور بچے کی طرح التجا کی۔

"ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔ تم فکر نہیں کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں گلاس تھا۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں مینہ۔"اس نے کال منقطع کر دی تھی۔نوح نے کال کے ڈسکنیکٹ ہونے کے بعد اس سے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"درد ربز(سینے کی ہڈیاں) میں ہو رہا ہے یا پیٹ میں ؟"اس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اپنے ایبڈومنل ریجن کو کور کیا ہوا تھا۔اس بات سے وہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ تکلیف کہاں ہے۔

"پیٹ میں۔"روئی روئی سی آواز۔اس نے زور سے شڑڑ کیا تھا۔

"آل رائیٹ،ڈاکٹر نے کہا تھا جب درد کی شدت بڑھے تو یہ والی دوا لینی ہے۔میرے خیال سے سیرا تمہیں بتانا بھول گئی۔"اس نے ایک سبز رنگ کا کیپسول اور ایک زرد رنگ کی چنے کے دال کی برابر

گولی اس کے ہاتھ پر رکھی تھی۔ فلک نے ایک ایک کر کے بامشکل اس دوا کو نگلا پھر پورا گلاس خالی کر دیا۔ خالی کرنے کے بعد اسے ابکائی آ رہی تھی کہ دواؤں سے اس کی جان جاتی تھی۔ ان کی سمیل اسے بری طرح چڑھتی تھی۔ نوح نے بھوری ہڈ کی جیب میں سے کافی کینڈی نکال کر اسے دی۔ فلک نے بلا حیل و حجت اسے تھام کر اس کا ریپر اتارا پھر منہ میں رکھ لی۔

"مائیر اور غفران سر بھی آئے ہیں؟" درد ابھی بھی ویسا ہی تھا۔ ٹیس ابھی بھی وقفے وقفے سے اٹھ رہی تھی۔ بازوؤں نے ابھی بھی پورے پیٹ کو جکڑا ہوا تھا۔ وہ ابھی بھی کافی جھک کر بیٹھی تھی۔

"نہیں، میں انہیں ڈچ کر آیا۔ چپکے سے نکل کر آیا ہوں۔" وہ بڑے مزے سے بتا رہا تھا۔ فلک کی آنکھوں میں تحیر کا عنصر ابھرا۔ نم جڑی ہوئی پلکیں اٹھ کر جھک رہی تھیں۔

"کیوں؟" کیوں بڑا حیرت آمیز اور لرزتا ہوا سا تھا۔ نوح نے خائف نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ایک بار پھر سے شکوہ کیا۔

"کیونکہ تم نے تو اپنی کنڈیشن کا بتانا نہیں تھا۔ ناک جو اونچی ہے آپ کی، بس مجھے ہی فکر ہو رہی تھی۔" وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کے کناروں میں مرچیں لگنا شروع ہوئی تھیں۔ نمی پھر سے ابھرنے لگی تھی۔ ایک تو جب وہ بیمار ہوتی تھی تو ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتی تھی۔ اسے خود سے چڑ محسوس ہوئی۔

"ایسے بار بار پلکیں جھپک کر مجھے نہیں دیکھو، میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔" فلک نے نظریں نیچی کر لیں۔ وہ اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اداس ہے صاف دکھ رہا تھا۔

"باہر سردی زیادہ ہے؟" نوح اس کے سوال پر اٹھ گیا۔ ہاتھ ہڈ کے جیب میں قید ہو گئے۔

"تمہارا جانا بالکل منع ہے۔" وہ اسے باور کروا رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے چہل قدمی کروں گی تو درد میں کچھ افاقہ ہو گا۔" وہ سر اٹھا کر پہنچ سے دور شخص کو دیکھ رہی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں سرخ و متورم آنکھیں ہمیشہ کیلئے قید ہو کر رہ گئیں۔

"اس سے زیادہ بڑھے گا۔ اس لیے چپ چاپ بیٹھی رہو۔ یہ ایک ڈاکٹر کا آرڈر ہے۔" وہ اس کی ہٹ دھرمی سے واقف تھا۔ اس لیے مصنوعی سختی سے گویا ہوا۔

"میڈیسن کب تک اثر کرے گی۔" وہ وقفے وقفے سے سسکی بھر رہی تھی۔ نوح جانتا تھا رگوں میں درد لہر بن کر اٹھ رہا ہے۔ لیکن کیا، کیا جا سکتا تھا۔ وہ زیادہ میڈیسن نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے صبر کرنا ہی بہتر تھا۔

"کم از کم دس منٹ تک، تمہارے لیے سوپ لایا ہوں۔ گرم کر کے لاتا ہوں۔" وہ ہڈ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہی کچن میں آیا۔ سوپ کو نکال کر باؤل میں شفٹ کیا اس کے بعد اوون میں رکھ دیا۔ اسی

دوران اس کے فون کی گھنٹی بجی تھی۔اس نے کاؤنٹر ٹیبل پر رکھے اپنے سلور سلم فون کو دیکھا۔مائیر کالنگ کے الفاظ اس پر جگمگا رہے تھے۔اس نے ناچار فون اٹھا کر اسے لاؤڈ اسپیکر پر لگا دیا۔

"کہاں ہے۔کب سے نظر نہیں آیا؟"شدید شور میں سے اس کی جھنجھلاتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ نوح ہڈ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے ٹیبل سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔پاؤں قینچی کے سے انداز میں بندھے تھے۔

"میں وہاں نہیں ہوں۔چلا گیا ہوں۔"اس نے دانستہ 'گھر میں ہوں' والی بات گول کر دی۔مائیر کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا مطلب،مجھے اس جنجال میں پھنسا کر تم انجوائے کرنے چلے گئے۔"نوح مسکرا دیا۔واقعی وہ انجوائے کرنے ہی آیا تھا۔اس کی انجوائے منٹ کمرے میں موجود تھی۔اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

"اپنی ڈیوٹی کس کو دی؟"اس کا اگلا سوال عود کر آیا۔نوح نے سیٹی کی آواز پر اوون کی جانب رخ کیا۔گلوز پہن کر وہ باؤل کو اس میں سے نکال رہا تھا۔

"میرے ساتھ جو کھڑا تھا اسے، تم بھی ایسا ہی کرو اور چلے جاؤ فضول میں وہاں وقت برباد نہیں کرو۔" اس نے لکڑی کی ٹرے میں پہلے سیاہ رنگ کا باؤل رکھا۔ اس میں سوپ کو انڈیل دیا۔ اس کے بعد وہ سوپ سپون رکھ رہا تھا اور ساتھ میں پانی کا گلاس اور ٹشو بھی۔

"بہت اچھے، پھر انکل سے درگت تم بنوانا میری جگہ۔ تمہیں تو پھر بھی معافی ہے مجھ پر تو وہ چڑھ دوڑیں گے۔" نوح فون کے قریب آیا۔ انگلی سرخ بٹن کی جانب کی۔

"پھر تم جانو اور تمہارا کام، مجھے ڈسٹرب نہیں کرو۔" اس نے سرخ بٹن کو اسکرول کر دیا۔ ٹوں ٹوں کی آواز کے بعد کال منقطع ہو گئی تھی۔ وہ ٹرے میں انگلیاں پھنساتا اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سیر اکے کمرے میں آ گیا تھا۔ فلک کے ہاتھ اب پیٹ کے گرد نہیں تھے۔ چہرے پر بھی سکون کے کچھ اثرات تھے۔ وہ اسے یوں نارمل دیکھ کر مطمئن ہوا۔

"چلیں مادام، پہلے آپ اسے پی لیں۔" فون کی روشنی فلک کے ستے ہوئے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس نے نوح کی آواز پر موبائل بیڈ پر رکھا پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے اکثر اجنبی لگا کرتا تھا۔ بالکل الگ۔

"میں سوچ رہی ہوں کل سے واپس۔" اس کی بات درمیان میں قطع کر دی گئی۔ نوح نے ٹرے بیڈ پر اس کے عین سامنے رکھی تھی اور خود صوفہ کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

"تم کچھ نہیں سوچ رہی ہو اور جو بھی سوچ رہی ہو اسے ذہن سے جھٹک دو کیونکہ تمہاری کسی بھی سوچ پر فی الحال نظر ثانی نہیں کی جائے گی۔" فلک نے گرما گرم سوپ کا ایک چمچ لیا۔ اندر تک جیسے تقویت پھیل گئی تھی۔

"میں اب ٹھیک ہوں یوں بھی تین دن ہو گئے ہیں۔ اس سے زیادہ چھٹیاں میں افورڈ نہیں کر سکتی۔" ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا چمچ اس کے منہ میں جا رہا تھا۔ پیٹ کو گویا راحت مل رہی تھی اس سے۔

"تم واقعی میں ٹھیک ہو تو پھر دس منٹ قبل جس کی حالت بگڑی تھی کیا وہ تم نہیں تھی۔ اگر نہیں تو حیرت ہے۔" فلک کے دل پر یہ بات لگی۔ اس کے چہرے پر خشمگیں تاثرات پھیل گئے۔ اب وہ اس کی تکلیف پر چوٹ کرے گا۔ کتنی بری بات ہے۔

"تمہارے کہنے کا مقصد کیا ہے۔ تم مجھے باور کروا رہے ہو کہ کچھ دیر قبل بہت ہی مخدوش حالت میں تھی اور اگر تم نہیں آتے تو ویسی ہی رہتی۔ تم کہنا چاہ رہے ہو میں تمہاری محتاج ہوں۔ تم مجھ پر احسان جتا رہے ہو۔" نوح کے تو ہاتھوں کے طوطے چھوٹے تھے۔ وہ بوکھلاتے ہوئے ٹیک چھوڑ گیا۔ ایسی سچوئشن تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح کی باتوں کا تو اس نے کبھی سامنا نہیں کیا تھا۔ وہ متحیر ہوا۔

"میں نے یہ نہیں کہا فلک، بیمار ہو کر تم قنوطی ہو رہی ہو۔ الزام نہیں لگاؤ مجھ پر، حد ہو گئی۔" وہ فوراً سے وہاں سے اٹھ کر جانے کو پر تول رہا تھا۔ مگر جا بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔

"میں الزام نہیں لگا رہی حقیقت بتا رہی ہوں۔ تم نے دوا دی پھر سوپ دیا اور اس کے بعد برے طریقے سے جتلا بھی دیا۔ کیا نہیں کیا۔" اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ لڑکیاں مشکل ہوتی ہیں اس نے سن رکھا تھا۔ لڑکیاں ان پریکٹیڈ بیل ہوتی ہیں اس نے دیکھ لیا۔ وہ تو جیسے اس کورے الزام پر دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ اتنا برا تھا اسے اب سمجھ آ رہی تھی۔ وہ اتنے برے طریقے سے ڈیفائن ہو گا اسے بتا دیا گیا۔

"مجھے لگتا ہے تمہیں آرام کرنا چاہیے۔" بہت احتیاط کے ساتھ کسی بھی احتجاج کے بغیر اس نے لفظوں کو ادا کیا اس کے بعد کمرے سے باہر آ گیا۔ فلک واقعی قنوطی و حساس ہو رہی تھی۔ اسے ہر نارمل انسان کی طرح تکلیف میں اپنے گھر والے یاد آ رہے تھے۔ پل میں اسے غصہ آتا تھا۔ پل میں وہ رو پڑتی تھی اور پل بھر میں ہی وہ خوشگوار ہو جاتی تھی۔ موڈ سوینگز اس پر بری طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔ اس کی پلکیں پھر سے بھیگ گئیں۔ سوپ ختم کر کے وہ ٹرے اٹھاتی باہر آئی تھی۔ لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز وہ فون اسکرول کرنے میں مگن تھا۔ اس کے چہرے پر فون کی روشنی چھن کر گر رہی تھی۔ تمام فینسی لائٹس آن تھیں۔ اس کے باوجود فون کی اسکرین اس کے چہرے کے

خدوخال کو بہت واضح دکھا رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھا۔ جیسے پرانا نوح ہوا کرتا تھا۔ منہمک اور یکسر انجان۔

"چائے بنادوں؟" سوال پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ کچن میں کاؤنٹر ٹیبل پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ گویا سہارا لیا ہوا تھا۔ نوح نے پاؤں سمیٹے۔

"تم بیٹھو میں بنا دیتا ہوں۔" وہ ابھی اٹھنے ہی والا تھا کہ اٹھ نہیں پایا۔ فلک کے جملوں نے اسے اٹھنے سے روک دیا۔ گرم سے لاؤنج میں اس کی سرد سے آواز گونج اٹھی۔

"نہیں میں بنا رہی ہوں۔ اب اتنی بھی بیمار نہیں ہوں کہ چائے نہ بنا سکوں۔" اس نے جس انداز میں کہا تھا وہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا۔ وہ اس کا احسان اتار رہی ہے۔ اس نے سوپ دیا تھا تو وہ اسے چائے بنا کر دے رہی ہے۔ نوح بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ یہ اس لڑکی کے موڈ کو کیا ہو رہا تھا۔ کبھی اتنا خوشگوار تو کبھی یوں چڑچڑا۔ اس نے دھیرے سے نچلہ لب دانتوں میں پکڑ کر چھوڑا۔ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر حتمیٰ انداز میں بات کرنے کا سوچا۔ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ سیر اکی آواز لاؤنج میں گونج اٹھی۔

"السلام۔۔۔۔۔۔ علیکم۔" گرمجوشی سے ادا ہوتا سلام لاؤنج کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک کر ادا ہوا۔ فلک نحیف سے زرد چہرے کے ساتھ شیشے کی کیتلی پر قہوہ چڑھائے کھڑی تھی۔ اور اس کا بھائی مزے سے صوفے پر بیٹھا فون تھامے تھا۔ اس سے یہ منظر ہضم نہیں ہوا۔ بالکل بھی نہیں ہوا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" نوح اسے دیکھ کر لمحے کیلئے گھبرایا پھر اس نے تاثرات انجانے کر لیے۔ مگر سیرا کے سوال نے اس کے کان کھڑے کر دیے تھے۔ دھڑکا یعنی دل کو اب بھی تھا۔

"بھائی، آپ کو پتہ ہے وہ بیمار ہے پھر بھی آپ اس سے چائے بنوا رہے ہیں۔" اس نے پورے جہان کی حیرت و بے یقینی اپنے لہجے میں سمو کر کہا تھا۔ نوح تو گویا بدک کر رہ گیا۔ یہ آج ہو کیا رہا تھا اس کے ساتھ، ایک اور الزام۔

"میں نے؟" اس نے اپنی جانب شہادت کی انگلی کی۔ اس کے انداز میں بھی حیرت گھلی تھی۔ "نا، بالکل بھی نہیں۔ میں نے نہیں کہا اسے بلکہ وہ تو خود بنا رہی ہے۔" سیرا اسے شرم دلاتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کو یہ لمحہ بڑا ناگوار گزرا تھا۔ اس کا بھائی کٹھور تھا۔ سنگ دل تھا۔ سنجیدہ اور کم گو بھی لیکن وہ بے حس نہیں تھا۔ وہ بھلا کس طرح ایک بیمار لڑکی کو چولہے پر کھڑا کر سکتا ہے۔ اس سے کام کروا سکتا ہے۔ اسے صدمہ پہنچا۔ بہت گہرا صدمہ۔

"بھائی مجھے آپ سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔ میں اس لیے جلدی آئی تاکہ فلک اکیلی اداس یا بور نہ ہو رہی ہو۔ اسے کوئی کام نہ کرنا پڑ جائے۔ مگر یہاں تو ماجرا ہی الگ ہے۔ آپ نے اپنے کام کروانا شروع کر دیے ہیں اس سے۔ کتنی بری بات ہے۔" وہ بیگ صوفے پر رکھ کر کچن میں گئی۔ اسے وہاں سے ہٹاتے ہوئے وہ خود کیتلی کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"دیکھو سیرا، یہ اب زیادتی ہے۔ تم پوچھو اس سے، کیا میں نے تم سے کہا ہے چائے بنانے کو؟" وہ سیرا کو کہنے کے بعد فلک کی طرف گردن موڑ گیا تھا۔ جو پہلے سے ہی ناخوش سی کھڑی تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا۔ جتنی زیادہ آج وہ تنہائی محسوس کر رہی تھی اتنی تو اس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کی۔ اسے اچانک سے بالکل غیر ارادی طور پر مہمت یاد آیا تھا۔ وہ اس کا کئی سال پرانا دوست تھا۔ اس انجان دنیا میں واحد کچھ کچھ اپنا لگتا ہوا۔ نوح کی طرح اس کیلئے احساس رکھتا ہوا۔ خیال کرتا ہوا۔ اس کا دوست۔ مہمت پنار۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے نہیں کہا۔ میں خود ہی بنا رہی ہوں۔" سیرا کو پھر بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اس کا بھائی کام کہہ دیا کرتا تھا۔ اور وہ انسان جو بیمار ہو کیونکر باہر آ کر کام کرنا شروع ہو گا۔ فلک میں یہ عادت نہیں تھی کہ وہ کچھ بھی اپنی مرضی سے بنانا شروع ہو جائے۔ اس نے آج تک فلک کو اپنے لیے کچھ بناتے نہیں دیکھا تھا۔ جب تک آرڈر نہیں ملتا تھا۔ وہ کچن میں

پاؤں بھی نہیں رکھتی تھی تو اس سے تو یہ بات ثابت ہوئی نا کہ اس کے بھائی نے اسے چائے بنانے کو کہا ہے۔

"اچھا اب جاؤ میں سر و کر دیتی ہوں۔" وہ اسے جانے کا کہہ کر خود کچن میں آ گئی تھی۔ نوح فضول میں بلی کا بکرا بن گیا۔ وہ تھکی ہوئی احتجاجی نگاہوں سے فلک کو دیکھ رہا تھا۔ جو چپکے سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ نوح لب بھینچے وہاں بیٹھا رہ گیا۔

فرخندہ اویس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ ان کا بیٹا دواؤں کی بو سے لیس کمرے میں نیم بے ہوش سا پڑا تھا۔ چوٹیں اتنی آئی تھیں کہ ان کا دل کٹ کٹ جا رہا تھا۔

"اللہ غارت کرے ایسے ٹرک والوں کو جو بغیر دیکھے کٹ مار جاتے ہیں۔"

دعائیں پڑھتے ہوئے ان کا دل بار بار ہوک رہا تھا۔ نرس آئی۔ اس نے اویس کی ڈرپ بدلی۔ فائل پر نظریں ڈالیں اور پھر چلی گئی۔ فرخندہ کی کمر میں بیٹھے بیٹھے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں لیکن وہ پھر بھی ہمت مجتمع کیے اپنے بیٹے پر اذکار پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ پروین دوسری کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ رات بھر کی جاگی تھی۔ اب تو نیند نے آنکھوں پر بری طرح ڈیرہ جما لیا تھا۔ فون ایک بار بجا تھا۔ پروین اپنی کرسی پر کسمسائی۔ اویس نے بھی آنکھیں کو میچا تھا۔ انہوں نے جھٹ سے ہاتھ

بڑھا کر اسے سائلنٹ پر لگا دیا۔نام دیکھا۔فلک کی کال تھی۔اس موئی کو بھی سکون نہیں ہے۔دو پیسے بھیج دیتی ہے اس کے بعد فون کر کر کے ذلیل کرتی ہے۔انہوں نے سر جھٹکا اور اپنا کام جاری رکھا۔ٹھیک آدھے گھنٹے بعد جب وہ اذکار پڑھ چکیں اور پروین اٹھ گئی۔تب وہ ویٹنگ ایریا میں بیٹھی مینہ کے ساتھ اوبر کروا کر اس میں بیٹھ گئیں۔

"اماں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"مینہ کی آواز پر فرخندہ نے سر کو دباتے ہوئے رخ اس کی جانب موڑا۔وہ صبح چھ بجے کی اپنے بیٹے کے پاس گئی ہوئی تھیں اور اب دن کے گیارہ بج رہے تھے۔پلاسٹک کی کرسی پر ٹھس انداز میں بیٹھے بیٹھے ان کی کمر اکڑ چکی تھی۔

"کہو۔"یک لفظی جملہ بڑا ہی تھکن آمیز تھا۔

"اماں فلک کی کال آئی تھی۔بہت رو رہی تھی۔اسے چوٹ لگی ہے۔تکلیف میں ہے وہ،واپس آنا چاہتی ہے۔"فرخندہ کا گویا سر مزید درد سے چاک ہو گیا۔ان کے دل میں شرارے پھوٹ پڑے تھے۔

"اویس کو چوٹ لگی تو اچانک اس محترمہ کو بھی لگ گئی۔بہت ڈھکوسلے کرتی ہے یہ لڑکی۔"ان کے تو گویا کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔اوپر سے وہ مزید سیخ پا ہو گئیں۔مینہ نے تاسف بھرے انداز میں ان کو دیکھا تھا۔

"اماں آپ کو پتہ ہے وہ ڈرامے نہیں کرتی ہے۔"فرخندہ نے اس کی بات کے جواب میں احتجاجاً کہا زور دے کر کہا۔

"وہ کرتی ہے۔ صرف ڈرامے ہی کرتی ہے۔ تم کیا جانو اس کی چالاکیاں اور خبر دار، خبر دار اگر تم نے مزید ایک لفظ بھی اس کی حمایت میں بولا ہو تو۔"انگلی کھڑی کر کے نکلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ اسے خاموش رہنے کی تنبیہ کر رہی تھیں۔ مینہ کے دل میں اوس بھر گئی۔ مایوسی عود کر آئی۔

"اماں وہ کتنا ہی بیمار ہو جاتی ہے۔ سال میں ایک بار بس، اور وہ کہہ ہی کیا رہی ہے۔ کب سے تو کما رہی ہے۔ لڑکی ہے تھک گئی ہے۔ اب بلا لیں نا اسے آپ، دے دیں اجازت۔"فرخندہ نے ٹھاہ کی آواز میں ہاتھ جوڑے تھے۔ مینہ کی بے بس نظر ان ہاتھوں پر جم گئی۔

"یہ دیکھو میرے جڑے ہوئے ہاتھ، بخش دو تم مجھے اور یہ فلک نامہ بند کرو ورنہ میرے دماغ کی رگ پھٹ جانی ہے۔"وہ بولنے لگی تھی لیکن فرخندہ نے انگلی کھڑی کر کے اسے خاموش کر دیا۔ وہ لب بھینچے بیٹھی رہی۔ گھر پہنچنے کے بعد اس نے فرخندہ کو چائے بنا کر دی اس کے بعد کمرے میں آ گئی۔ کرسی پر بیٹھی وہ عمیق سوچوں میں گم ہو گئی پھر بہت سوچ سمجھ کر اس نے فلک کو میسج لکھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ ٹھیک کر رہی ہے یا نہیں لیکن وہ فلک کو یوں خود کو ضائع ہونے نہیں دے سکتی تھی۔ وہ اسے اس طرح تنہا سسکتے ہوئے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ یہاں کے لوگوں کا پیٹ کبھی نہیں

بھرنا۔ حرص ختم نہیں ہونی۔ لالچ کا پیالہ بہت بڑا ہے۔ وہ عمر بھی گزار دے تب بھی ان کا پیالا نہیں بھرے گا۔ تب بھی وہ سیر نہیں ہوں گے۔ انہیں اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہیے۔ انہیں خود کمانا چاہیے۔ اس نے میسج کیا اور خود کو تھپکی دی کہ وہ ٹھیک کر رہی ہے۔ اسے یہی کرنا چاہیے۔

تہجد کے وقت اس کے موبائل کی بیپ بجی تھی۔ اس میسج کی بیپ سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ گزشتہ تین دنوں میں اس نے اپنی محروم نیند پوری کر لی تھی۔ اب ہلکی سی آواز سے ہی اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ فون اٹھا کر دیکھا تو وہاں مینہ کا میسج آیا ہوا تھا۔ وہ احتیاط سے اٹھ کر بیٹھی۔ سیرا بے سدھ سوئی ہوئی تھی۔ اس نے میسج کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

"فلک میں نے اماں سے بات کی ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم بیمار ہو یا تمہارے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔ انہیں کیا یہاں تو کسی کو بھی اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ فقط اس کے کہ تم باقاعدگی سے انہیں پیسے بھیجتی رہو۔ تم ان کیلئے جان بھی گنوا دو گی تب بھی یہ لوگ تمہاری قدر نہیں کریں گے۔ انہیں رتی برابر تم سے محبت نہیں ہے۔ اوپر سے وہ تنویر، وہ آئے روز خود کو زبردستی کا تمہارا منگیتر بنا کر گھر میں آتا رہتا ہے۔ اب اچانک سے تم بھی اس کیلئے مطلوب ہو گئی ہو۔ سب کو بس تمہارے پیسے سے غرض ہے۔ تم سے نہیں، اماں لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کبھی بھی تمہاری شادی نہیں کریں گے۔ وہ تمہیں پیسے بنانے کی مشین ہی رکھنا چاہتے ہیں انسان نہیں، اس لیے میری مانو تو بغیر اجازت کے واپس آجاؤ۔ نہیں آرہی تو وہیں کسی اچھے سے

لڑکے سے شادی کرلو کہ یہ لوگ تمہاری شادی کبھی نہیں ہونے دیں گے۔اور ہاں کچھ عرصے کیلئے انہیں پیسے بھیجنا بند کر دو جب کچھ نہیں ملے گا تب عقل ٹھکانے آئے گی۔ان لوگوں کو اپنی عادت مت ڈالو۔نگہت آپا کو تو بالکل بھی پیسے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ان کا نکھٹو شوہر نہیں کماتا تو اس میں ان کا قصور ہے تمہارا نہیں۔اس لیے میری بات پر اچھے سے غور کرنا۔میں جو بھی کہہ رہی ہوں تمہارے بھلے کیلئے کہہ رہی ہوں باقی تم خود سمجھدار ہو۔"

طویل میسج پڑھنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں میں سر گرا لیا تھا۔وہ دو کنارے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔پاکستان میں اس کی جگہ تھی اور نہ ہی یہاں۔وہ کہاں جائے۔کس کے پاس جائے۔نوح اس کا اسیر تھا وہ بھی اسے پسند کرتی تھی لیکن وہ جانتی تھی اس کی اور اس کی دنیا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔وہ چاہے لاکھ اچھا سہی،وہ چاہے لاکھ اس کی محبت میں گرفتار سہی،وہ لوگ چاہے لاکھ اسے عزت دیں حقیقت پھر بھی تو نہیں بدلے گی نا۔وہ یہاں کام کرتی ہے۔پاکستان میں اس طرح کے کام کرنے والوں کو کن نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے وہ خوب سمجھتی ہے۔نوح بھلے اپنے والد سے کٹا ہوا ہے جڑ تو پھر بھی اس کی پاکستان میں ہی ہے نا۔رہنا تو اس نے بہر حال پھر بھی وہیں ہے۔اس لیے وہ چاہ کر بھی اس کی پذیرائی نہیں کر پا رہی تھی۔وہ چاہ کر بھی حامی نہیں بھر پا رہی تھی۔کمزور لمحے میں اس نے اس کے ساتھ نکاح کا وعدہ تو کر لیا تھا لیکن اب وہی وعدہ اس کو شش و پنج میں مبتلا کر رہا تھا۔اس نے آنکھوں کو زور سے میچ کر کھولا۔

"کہاں ہو تم میرا۔"

میرا کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ وہ کہاں ہے کس حال میں ہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ تو جیسے غائب ہی ہو گئی تھی اور اگر اس نے پاکستان پیسے بھیجنا بند کر دیے تو امی اس سے ہر ناطہ توڑ دیں گی۔ اس کی زندگی میں ان کے علاوہ تھا بھی کون۔ اس کے بھائی، وہ نا جانے کہاں ہیں۔ کبھی جو انہوں نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہو۔ اسے تنہائی کا احساس ایک بار پھر سے ہوا تھا۔ اسے پھر سے رونا آ رہا تھا لیکن اس نے اپنے آنسوؤں پر بند باندھ لیے۔ لب بھینچ کر وہ کچھ دیر اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی اس کے بعد چپکے سے کمرے سے باہر آئی۔ سب سے پہلے دوالی۔ اس کے بعد پورے گھر کی تفصیل سے صفائی کرنے لگی۔ اس کے موبائل پر ایپ آن تھی۔ فلک سفیر اس وقت آن ڈیوٹی تھی وہاں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ گھر کی صفائی کے دوران ہی فجر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آئی۔ سیرا تا ہنوز سو رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے نماز ادا کی۔ اس کے بعد ان سب کا ناشتہ بنانا شروع کیا۔ ابھی وہ پہلا انڈا فرائے کر رہی تھی کہ مائیرا اپنے کمرے سے بر آمد ہوا۔ اسے کچن میں دیکھ کر لمحہ بھر کیلئے بت بن گیا پھر اس کے پاؤں اور اس کے ساتھ ہی زبان میں حرکت آئی تھی۔

"لڑکی یہ کیا کر رہی ہو تم، مزید بیمار ہونے کا ارادہ ہے کیا؟" فلک بڑی ساری مسکان لبوں پر سجا گئی۔ مصنوعی بشاشیت نے پورے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

"لڑکے میں بالکل ٹھیک ہوں انفیکٹ زیادہ آرام کی وجہ سے موٹی ہوتی جارہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر زردی ابھی بھی گھلی تھی۔ ماتھے پر موجود ٹانکے ابھی بھی تازہ تھے۔ گال کی سوجن بالکل ختم ہوگئی تھی لیکن تھپڑ کے سبب وہ چھل گیا تھا۔ اس کی کھرنڈ تاہنوز چہرے پر موجود تھی۔ پیٹ، پیٹ کا وہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے بہت موٹے اور گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

"اگر اسے موٹاپا کہتے ہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں۔" اس نے اس کی جانب اشارہ کرنے کے بعد دونوں ہاتھ اپنے سر سے پیٹ تک لے جاتے ہوئے اوپر نیچے کیے۔ ان دونوں کی آوازیں سن کر نوح اور غفران اپنے اپنے کمروں سے باہر آگئے۔ نوح رات والے حلیے میں ہی تھا۔ البتہ غفران نے ویلوٹ کاٹراؤزر اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ نیوی بلیو رنگ ان پر کافی جچ رہا تھا۔

"ارے، یہ کیا، کیا آپ نے بچے۔" ان کے ساتھ ساتھ نوح کی نظریں بھی چمچماتے ہوئے گھر پر پڑی تھیں۔ غفران حیران ہوئے تھے تو نوح خفا، غفران کی آنکھوں میں ناراضگی کے چھینٹے تھے تو نوح کی آنکھوں میں تفکر کے، وہ ناخوش سا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اسی دوران ان کے مین گیٹ کی بیل بجی تھی۔ اس بار نوح نے اٹھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ ناخوش سا بیٹھا تھا۔ بیٹھا رہا۔ مائیر نے جب اس ڈھیٹ کو ٹھس بیٹھے دیکھا تو اندر تک سیخ پا ہو گیا۔ پھر پاؤں پٹختے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ "کوئی اتنا بہرا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ اونچا چلاتے دروازے کی جانب بڑھا پھر ایک جھٹکے سے

اسے کھول دیا۔ کھولتے ہی اسے شاک لگا تھا۔ ایک لمحے کا مگر بہت شدید، اتنا زور دار کہ وہ اپنی جگہ پتھر کی مورت بن گیا۔ سخت پتھر کی مورت جو ہلنے سے بھی قاصر ہوتی ہے جو حرکت کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ آنکھوں کے ریٹینا پر جو چہرے ثبت ہوئے تھے وہ بہت مانوس تھے مگر پھر بھی دل کو دہلا دینے والے۔ جنہیں وہ یہاں چاہتا بھی تھا اور نہیں بھی، جن کی موجودگی کسی ناخوشگوار سرپرائز سے کم نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جبران اور ایشل کھڑے تھے۔ چہرے پر مسکان تھی اور خوشی۔

"کون ہے مائیر؟" غفران کی آواز پر اس کا سکتہ ٹوٹا۔ سکتے کے ٹوٹتے ہی دل نے دھک دھک کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ویلکم نہیں کرو گے بیٹا؟" کہنے کے بعد وہ ہنسے پھر خود ہی آگے بڑھ کر اس کے گلے سے لگ گئے۔ وہ ان کی پیاری بیٹی کا پیارا سا ہونے والا شوہر تھا۔ اس لحاظ سے کچھ زیادہ ہی انہیں عزیز تھا۔ ان کی ہنسی مائیر کے آس پاس سے تیزی سے دوڑتی ہوئی نکلی اور لاؤنج میں موجود ہستیوں کے کانوں میں جا گھسی۔ نوح کی آنکھیں پتھر ہو گئیں۔ وہ بالکل انجان ہو گیا۔ اس نے جرابوں میں قید پاؤں کی انگلیاں فولڈ کر لیں۔

"بھائی۔۔۔بھائی آئے ہیں۔"غفران اخبار صوفے پر ہی پھینک کر گیلری کی اور لپکے تھے۔مائیر کی سائیڈ سے نظر آتا وجود اور کسی کا نہیں بلکہ ان کے اپنے سگے بھائی کا تھا۔وہ گرمجوشی سے ان کے گلے جا کر لگ گئے۔مائیر نے دو بھائیوں کو بغل گیر ہونے کیلئے جگہ دی اور خود چپ چاپ لاؤنج میں آ گیا جہاں وہ جبڑے بھینچے بالکل انجان بنا بیٹھا تھا۔اس کی کہنیاں گھٹنوں پر جمی تھیں اور ہونٹوں پر دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں۔مائیر بالکل اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے سے مس کیا۔یہ احساس تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔اس نے اسے تنہا نہیں چھوڑا۔وہ تب بھی وہاں سے نہیں ہٹا جب جبران ان دونوں کے سروں پر آ کر کھڑے ہوئے تھے۔فلک نے لاؤنج میں داخل ہوتے ان دو نفوس کو دیکھا۔سلم سی حسین سی لڑکی اور کچھ کچھ گرے بالوں والا وہ شخص۔۔۔کیا وہ نوح تھا؟ارے وہ تو نوح کی کاپی تھا۔نہیں نہیں وہ نوح کی کاپی نہیں بلکہ نوح ان کی کاپی تھا۔

"جبران،تو یہ ہیں نوح کے بابا۔"

وہ اپنے کام میں مگن رہی ایسے جیسے وہ یہاں ہے ہی نہیں۔اسے کام کر کے جانا تھا اور اپنے باقی تمام کام نبٹانے تھے۔وہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ اس شخص نے نوح کے شانے پر ہاتھ رکھا ہے جسے جھٹک کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا ہے۔البتہ ایشل ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھ گئی تھی۔

"اس کے دل کی کدورت ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔" جبران کا گلہ غفران کے دل کو لگا۔ مہکتا ہوا موسم یکدم گھٹن آمیز ہو گیا۔

"کاش وہ صرف کدورت ہوتی۔" انہوں نے ایک جملہ کہا۔ جبران کی نگاہوں کو دیکھ کر وہ شانے اچکا گئے پھر انہوں نے کچن میں مگن فلک پر نظر ڈالی تھی۔

"بچے، دو کپ کافی بناؤ جلدی سے۔" وہ جو ابھی کچھ دیر قبل اس کی صحت کیلئے فکر مند تھے۔ وہ جو اسے کپ اٹھانے سے بھی منع کر رہے تھے۔ وہ جو اسے جھاڑ پلانے والے تھے۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر سب بھول بھلا گئے۔ اس کے زخم، اس کا درد، اس کے وجود کا نحیف پنا۔ سب کچھ۔

"اور ہاں بریک فاسٹ دو لوگوں کا اور بنانا لیکن وہ بہت زبردست ہونا چاہیے۔ کیوں بھائی ناشتہ ہمارے ساتھ کریں گے نا آپ؟" جبران نے کھسیاتے ہوئے ایشل کے پاس جگہ بنائی پھر لبوں کو پیوست کیے اثبات میں سر ہلا دیا۔ طعنہ بڑا ہی برجستہ اور دلبر داشتہ تھا۔ نوح کا ردعمل بھی کچھ ٹھیک نہیں لگا۔ وہ جو سوچ رہے تھے۔ انہیں سامنے دیکھ کر نوح کوئی منفی ری ایکشن نہیں دے گا غلط تھے۔ انہوں نے نظر ایشل پر ڈالی جو سینے پر بازو باندھے تمام کاروائی ملاحظہ فرما رہی تھی۔ اسے ان ڈراموں سے چنداں فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ تو یہاں صرف اپنے مطلب کیلئے آئی تھی۔ گو کہ جبران نے سمجھا دیا تھا کہ وہ فی الحال نوح سے ہمکلام نہ ہو اس لیے وہ ہوئی بھی نہیں تھی۔ یوں بھی نوح بھاڑ

میں جائے اس کی بلا سے۔ اسے بس جبران کو خوش رکھنا ہے۔ وہ خوش ہوں گے۔ وہ راضی ہوں گے۔ تب ہی تو اس کی اور نوح کی بات بنے گی۔ تبھی تو وہ اپنے بزنس کو بھی اونچائیوں پر لے کر جائے گی۔ اس کی گریس ہے۔ اس کی عزت ہے۔ وہ چہرے پر نولفٹ کا سائن بورڈ سجائے پاؤں جھلا رہی تھی۔ فلک نے کافی بنا کر ان دونوں کو پیش کی۔

ایشل نے ایک گھونٹ بھرا پھر چہرے پر برے تاثرات سجا کر اسے بلایا۔

"سنو میڈ، اسے واپس لے جاؤ اور اس میں تھوڑی سی کافی اور ایڈ کر دو بہت زیادہ ملکی بنائی ہے تم۔" فلک کو آج تک اس لقب سے کسی نے نہیں بلایا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے کہیں بھی کام کیا سب اسے اس کے نام سے ہی بلاتے تھے۔ لیکن آج یہ لقب، اس گھر میں۔ ان لوگوں کے سامنے۔ اسے اپنی حیثیت لمحے میں باور ہوئی تھی۔ یہ احساس بڑی شدت سے اٹھا تھا کہ وہ نوکر ہے۔ چاہے لوگ اسے کسی بھی نام سے پکاریں، کتنی ہی عزت دیں۔ رہے گی وہ ان کی میڈ ہی۔ اس سے آگے کا درجہ وہ بالکل بھی عبور نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔

"اس کا نام فلک ہے۔" مائیر نے ناگواریت سے چباتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ آئندہ اسے میڈ کہہ کر ہرگز نہیں بلایا جائے۔ ایشل اس جاذب نظر لڑکے کی جانب متوجہ ہوئی پھر انگلی کچن ایریا میں جاتی لڑکی کی جانب کی۔

"وہ یہاں کام کرتی ہے نا، کام کرنے والوں کو سرونٹ یا میڈ ہی کہتے ہیں۔ کیا نہیں کہتے؟" مائیر اپنے گھٹنوں پر ہاتھ مار کر وہاں سے اٹھ کر گیا۔ اس کی برداشت سے باہر ہوئی وہ لڑکی۔ وہ سمجھ گیا اس سے مغزماری کرنا فضول ہے۔ اس لیے کچھ بھی مزید کہے بغیر واک آؤٹ کر گیا تھا۔ فلک کو لگا اس کی تھوڑی گردن سے جا لگے گی۔ غفران اور جبران مدھم آواز میں باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔ فلک نے ایشل کو کافی کا کپ تھمایا یکدم اس کی نگاہ چمچماتی انگوٹھی پر پڑی تھی۔ اس نگاہ کے ساتھ ہی جبران کی بات بھی۔

"یار نوح اور ایشل کی بات پکی ہے۔ وہ اس کی منگیتر ہے۔ ٹھیک ہے میں نے کہا تھا اس کی پڑھائی سے پہلے اسے کوئی اسٹریس نہیں دوں گا شاید منگنی بھی ختم کر دوں لیکن زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میں کیسے بچی کا دل توڑ سکتا تھا۔ کتنا چاہتی ہے وہ نوح کو۔ مجھے بہت پسند ہے ایشل۔ دونوں ساتھ میں بہت جچتے بھی ہیں۔ ایک پرفیکٹ کپل کی طرح، میں کہہ رہا ہوں ایشل کے علاوہ کوئی لڑکی نوح کے ساتھ اچھی نہیں لگ سکتی۔" اس نے اپنے کانوں کو ڈپٹا۔ اسے کبوتر نہیں بننا تھا۔ اسے سب نہیں سننا تھا۔ وہ ان کی پرسنل باتیں تھیں۔ وہ ان کی ذاتی زندگی تھی۔ وہ نہیں سنے گی۔ وہ بالکل بھی نہیں سنے گی تو پھر اس کے قدموں میں سستی کیوں آئی ہے۔ آنکھوں میں مرچیں کیوں لگ رہی ہیں۔ اس کے کنارے کیوں گیلے ہو رہے ہیں۔ چہرہ کیوں ست رہا ہے۔ وہ پریشان ہو گئی۔

دل کی غیر متوازن ہوتی دھڑکن پر اس نے مٹھیوں کو کھولنا بند کرنا شروع کیا پھر اچانک سر اٹھا کر گھبراتے ہوئے اس نے اعلان کیا۔

"ناشتہ بن گیا ہے۔" فون میں مگن ایشل نے تو سنا نہیں لیکن غفران اس کی بات سن کر سمجھ گئے تھے سر ہلایا اور ایک اور آرڈر جاری کر دیا۔

"ٹھیک ہے آپ میز پر لگا دو۔" کیا وہ لگا پائے گی۔ وہ متوحش انداز میں انہیں دیکھے گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال پا رہی تھی ناشتے کے لوازمات کیسے سنبھالے گی۔ اس نے ہمت مجتمع کی۔

"فلک سفیر تم یہ کر سکتی ہو۔ تمہیں کرنا ہو گا۔ یہاں سے فرار چاہتی ہو تو فوراً کرنا ہو گا۔"

اس نے گہرا سانس لیا پھر پوری قوت جمع کر کے لوازمات میز پر سجا دیے۔ سجانے کے بعد اس نے غفران کو بتا دیا تھا۔ آج انہوں نے اسے نہیں روکا تھا۔ آج ان کے پہلو میں ان کا سگا بھائی اور بیٹے سے بھی عزیز بھانجے کی منگیتر جو بیٹھی تھی۔ فلک کو یہ بات شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ اس نے مدھم آواز میں انہیں خدا حافظ کہا۔ وہ تو اب اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ اپنے بھائی سے باتیں کرتے کرتے ڈائننگ ایریا کی جانب بڑھ گئے۔ فلک رخ موڑ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ کوٹ اسٹینڈ کے پاس رکھے اپنے چھوٹے سے بیگ کو اٹھاتی وہ اس گھر سے باہر آ گئی تھی۔

بہت ساری حقیقتیں لے کر۔

بہت سارا دل توڑ کر۔

بہت ساری تنہائیاں سمیٹ کر۔

اسے لگا تھا شاید وہ پہلا دن ہے۔ اس لیے وہ منظر عام پر چلی گئی ہے۔ کل وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کل سب ٹھیک ہو جائے گا۔ غفران اسے دیکھ کر مسکرائیں گے اور تاکید کریں گے کہ "بچے بغیر ناشتہ کیے بغیر آپ نے نہیں جانا۔ بہت کمزور ہو گئی ہو۔ لگتا ہے بالکل بھی اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی ہو۔" پھر سیر اان کی ہاں میں ہاں ملائے گی اور مائیر بھی پرزور طریقے سے ان کی تائید کرے گا۔ اس کے بعد یا تو وہ ان کے ساتھ میز پر ایک فیملی ممبر کی طرح ناشتہ کرے گی یا پھر نوح اس کے پیچھے بے چین سا آئے گا اور جب تک وہ ناشتہ ختم نہیں کر لیتی ڈرائیونگ کرتا رہے گا۔ اس کا خیال تھا۔ سب اس کا خیال تھا۔ کچھ نہیں بدلا تھا۔ وہ منظر سے ہٹ گئی تھی اچانک ہٹی اور بس ہٹی ہی رہی۔

"کوئی نہیں ایک اور دن بھی تو آئے گا نا۔"

اور پھر دن پر دن چڑھتے گئے۔ اس کا دن کبھی نہیں آیا۔ ایشل نے اس دن اسے 'میڈ' کہا تھا۔ وہ میڈ ہی بن گئی۔ اب تو نوح بھی اسے نظر نہیں آتا تھا۔ ایسا اپنی منگیتر کے آنے کے بعد مگن ہوا تھا کہ کہاں کی فلک، کون سی فلک۔ اسے تو کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ اسے کیا کسی کو بھی یاد نہیں رہا تھا۔

اس لیے وہ کسی سے دل نہیں لگاتی تھی۔اس لیے وہ کسی سے یوں اٹیچ نہیں ہوتی تھی۔لوگ اسے بھول جاتے تھے۔لوگ اسے فراموش کر دیتے تھے۔پہلے میر انے کیا۔پھر مہمت کسی اور ڈگر پر چل نکلا اور اب یہ لوگ۔

اس نے آنسو پونچھا۔

"اس لیے میں تنہا اور خود میں خوش رہتی ہوں۔اس لیے میں کسی سے امید نہیں لگاتی۔بھاڑ میں جائیں یہ لوگ اور ان کا گھر۔"وہ ریستوران کا فرش زور زور سے رگڑ رہی تھی۔اپنے ہی خیالوں میں گم تھی کہ اس کا موپ کسی کے پاؤں سے بری طرح ٹکرایا تھا۔وہ شخص چلا اٹھا۔

"اوہ مائی گاڈ،میرا پاؤں۔"سر اٹھاتے ہی جس لڑکی پر اس کی نظر پڑی اسے دیکھ کر وہ چونک گیا۔آنکھیں چندھی کیں پھر جھٹکے سے دماغ کے پردے پر سڑک کنارے کے مناظر ابھر گئے۔

"بھکاری لڑکی۔"وہ کانٹوں والے بالوں والا لڑکا انگلی اٹھا کر اسے کہہ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں پیکڈ ہیم برگر تھا۔اس کا ریپر وہ کھولنے ہی والا تھا کہ یہ حادثہ ہو گیا۔

"کیا کہا۔۔۔تم ہو گے بھکاری،دی ماڈرن بھکاری۔"کون سا غم،کون سا دکھ،اسے بھی وہ لڑکا یاد آ گیا تھا۔وہ بھی بازو اوپر کیے بس ڈبلیو ڈبلیو سی کرنے کو تیار ہو گئی۔آگ لگے اداسی کو،آگ لگے

نوح جبران کو، آگ لگے اس دل کو، اور آگ لگے اس گھر اور وہاں کی محبتوں کو بھی۔ فلک سفیر کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ قطعی نہیں۔

"دیکھو لڑکی، مجھے اکساؤ نہیں تم ورنہ آج تیسری جنگ عظیم چھڑ جائے گی۔" ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ آج آٹھویں دن اس نے اپنے دل کو تھپک کر سلایا اور ان سب پر مٹی ڈال دی۔ وہ ٹھیک ہو گئی تھی۔ تندرست ہو گئی تھی۔ ان کے بغیر بہت آسانی سے جی سکتی تھی۔ جیسے پانچ ماہ قبل جی رہی تھی۔ تب کونسا آکسیجن کی طرح وہ اس کے آس پاس رہتے تھے۔ تب کون سا وہ انہیں جانتی تھی۔

"ہونہہ، آئے بڑے۔۔ تم لوگ کیا فلک سفیر کو فراموش کرو گے۔ فلک سفیر تم لوگوں کو گھاس نہیں ڈالتی۔"

اس لڑکے کی آواز ابھی تک گونج رہی تھی۔ وہ سیخ پا تھا۔ بپھرا ہوا تھا۔ مزید کہہ رہا تھا۔

"پھر بچوں کی طرح رونے نہ بیٹھ جانا تم، یو غریب پپل۔" بس اس کے کہنے کی دیر تھی کچھ ہی دیر میں وہاں واقعی میں تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ چار لوگوں نے اس لڑکے کو سنبھالا ہوا تھا۔ چار لوگوں نے اس لڑکی کو۔ دونوں کی ہی زبانیں بند نہیں ہو رہی تھیں۔ دونوں ہی چپ نہیں ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جیسے تیسے اس معاملے کو ٹھنڈا کیا۔ اس کا گنجا باس دانت پیستے ہوئے پھولی ناک والی لڑکی پر غرایا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں کیا تھا یہ سب۔" فلک نے جن نظروں سے اسے دیکھا وہ سٹپٹا گیا۔ لوگ چھٹ گئے تھے۔ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ فلک نے اپنے لب بند ہی رکھے کہ اس وقت یہی بہتر تھا۔

"تم۔۔۔ تمہارا اس مہینے کا بونس ختم۔" اس نے طیش کے عالم میں ایپرن اور کیپ اتار کر زمین پر پھینکی۔ دو دن ہی ہوئے تھے اس جاب کو اور ابھی سے بونس ختم ہونے کی باتیں۔ ایسی کی تیسی اس گنجے سانڈ کی۔

"مٹی میں گئے تم اور تمہاری نوکری۔" سب سٹاف خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تن فن کرتی وہاں سے جا رہی تھی۔ جاتے جاتے اس نے جان بوجھ کر ایک کرسی کو ٹھوکر مار کر گرا دیا تھا۔ باہر آئی تو جیسے دل کو سکون آیا تھا۔ آج تیس دسمبر ہے۔ کل اکتیس دسمبر ہو گا۔ نیو ییئر نائیٹ، وہ زیادہ کما سکتی تھی۔ تھوڑی خوش آمد کرتی یا پھر مسکین سی صورت بناتی تو بونس بھی مل جاتا بلکہ پرسوں ہی مل جاتا کیوں کہ پرسوں نیا سال تھا۔

"میں آنے والا سال تمہارے ساتھ سیلیبریٹ کروں گا۔ یوں تو یہ میرے ذوق کے عین خلاف ہے لیکن کوئی نہیں، کبھی کبھی اپنے بنائے گئے رولز توڑ لینے چاہیے۔ اس سے تھوڑا چینج آتا ہے۔" سڑک کنارے پیدل چلتے ہوئے اس نے ایک بار اس سے کہا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ اس بارے میں پلان کرنے لگا۔ وہ لوگ ریور سائیڈ جائیں گے۔ وہاں آتش بازی دیکھیں گے۔ لوگوں کے خوش

چہرے نہاریں گے۔ مسرتیں سمیٹیں گے اور واپس آجائیں گے۔ اس رات نوح نے کہا تھا وہ اسے ایک سرپرائز بھی دے گا۔

"ہونہہ، تو یہ تھا اس کا سرپرائز۔ وقت سے پہلے دے دیا موصوف نے۔" اس نے سوچ کر سر کو جھٹکا۔ پھر یکلخت ہی سات لاکھ دماغ میں آئے تھے۔

"دیکھا کتنی ذہین ہوں میں اس سے لون نہیں لیا ورنہ معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔"

اسے نوح کا ادھار چکانا تھا۔ بہت جلد چکانا تھا۔ اس نے مڑ کر ریستوران کو دیکھا جو اس کے عمل سے چند لمحوں کیلئے منجمند ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا جوڑ توڑ کی پھر گلا کھنکھارتے ہوئے واپس ریستوران میں آگئی۔ جنہوں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا وہی اسے آتے ہوئے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس نے کرسی اٹھا کر سیدھی کی پھر چلتے ہوئے اس مقام پر آگئی جہاں سب ابھی تک بت بنے کھڑے تھے۔ اس نے نیچے گرا اپنا ایپرن اٹھا کر پہنا، کیپ چڑھائی۔ سائیڈ پر گرا موپ اٹھایا۔ وہیں گری ہوئی بالٹی کو سیدھا کیا جس میں موجود سوپ واٹر لڑائی کی وجہ سے گر گیا تھا۔ اس پانی میں اس نے موپ کو اچھے سے بھگویا پھر رگڑ رگڑ کر فرش پر مارنے لگی۔

"آپ لوگ ہٹیں گے تاکہ میں صفائی کرلوں، پھر نہ کہنا کسٹمر سلپ ہو گیا۔" سب بکھر گئے تھے۔ ماسوائے اس کے باس کے۔

"تم تو جاب چھوڑ گئی تھی؟" فلک اسپیڈ سے فرش کو چمکانے لگی تھی۔ سر اٹھا کر اس آدمی کو دیکھا جس کی ابرو اچھی خاصی چڑھی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

"وہ دو منٹ پہلے کی بات تھی۔ اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔" اس کے باس نے دانت کچکچانے شروع کیے۔

"لیکن میرا ارادہ نہیں بدلا ہے۔ میں ابھی تک اپنے موقف پر قائم ہوں۔"

قبل اس کے وہ اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا تا ریستوران میں ایک باوقار سی عورت داخل ہوئی تھی۔ کرسی سنبھالتے ہوئے اس کی نظر فلک پر پڑ گئی۔ انہوں نے وہیں سے اسے آواز دی تھی۔

"فلک۔"

ریستوران کا باس ایکدم الرٹ ہوا۔ یہ عورت تو اس کے بیٹے کی پروفیسر تھی۔ وہ انہیں اچھے سے جانتا تھا۔ فلک نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ اس کے دیکھنے کے دوران ہی اس کا باس پروفیسر بتول کے پاس جا کر ان سے علیک سلیک کرنے لگا تھا۔ انہوں نے فلک کی جانب انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ اشارے پر ہی اس کے باس نے نہایت تعجب سے گردن موڑ کر اپنی سب سے بگڑی ہوئی ورکر کو دیکھا پھر واپس ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ فلک بھی پروفیسر بتول کے پاس آ گئی۔ اس کا باس وہاں سے چلا گیا تھا۔ آج ان کی وجہ سے اس کی نوکری بچ گئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ، خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"بتول نے اپنی بھوری بلی کو قدموں میں رکھا۔وہ ان کے پاؤں سے لگ کر بیٹھ گئی۔

"میں تو اچھی ہوں تم کہاں غائب ہو اور صحت کو کیا ہوا؟ بہت کمزور لگ رہی ہو۔"اس کا دل دھک سے ہوا تھا۔ نہیں فلک دل نہیں لگانا، امید نہیں باندھنی، خوش نہیں ہونا۔ کواڑ بند ہی رکھنا ورنہ پھر جھٹک دی جاؤ گی۔ بھلا دی جاؤ گی۔ مائنس کر دی جاؤ گی۔ وہ مسکرائی۔ مصنوعی مسکراہٹ۔

"نہیں تو بالکل ٹھیک ہوں میں۔ کل آؤں گی آپ کے ہاں ابھی یہاں۔"اس نے تھوڑا سا رخ پھیر کے موپ والا بازو ریستوران کے احاطے کی جانب کیا۔"مصروف ہوں۔ڈیوٹی پر ہوں نا۔"بتول معاملے کی نزاکت کو سمجھ گئیں۔ سر ہلا کر اسے جانے کو کہا تھا۔وہ چلی گئی تھی۔وہ اپنے نشان ہر سمت سے مٹا رہی تھی۔اسے ہر صورت مٹانے ہی تھے۔

کیونکہ وہ کسی کی زندگی میں نہیں تھی۔

کیونکہ وہ کہیں نہیں تھی۔

مینہ کی شادی سر پر تھی۔ سات پانچ ماہ اور، اس دوران انہوں نے فلک سے اچھی خاصی رقم بٹور لی تھی۔وہ مزید کی بھی چاہ رکھتی تھیں مگر مینہ کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا۔اسے ریاض اور اس کے گھر

والوں کی نیت میں کافی کھوٹ نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی ماں اس بات کو قبولنے کو ہر گز تیار نہیں تھی۔ ان کے مطابق ان کی بیٹی میں نقص تھا۔ اس نقص کے سبب وہ پیسوں کی لالچ دے کر ہی اس کا رشتہ کرواسکتے تھے۔ ورنہ اس صدی میں کوئی صحت مند اور کماؤپوت اس کا رشتہ لے آئے ناممکن۔

"پھر بات کی آپ نے فلک سے۔" امین ماں کے پاؤں سے لگا بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں سپوت صحن میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ بیگم صاحبہ کڑوے دل کے ساتھ ساگ کے پتے توڑ رہی تھی۔ کان حالانکہ ساس اور شوہر پر تھے مگر سنائی پھر بھی نہیں دے رہا تھا۔ طوفان بدتمیزی جو مچائی ہوئی تھی۔ اسلم اور اکرم نے۔

"آج ہی ان کی کرکٹ بند کرتی ہوں۔ خدا کا غضب سردیوں کی بیس چھٹیاں بیس صدیاں معلوم ہوتی ہیں جب یہ گھر ہوتے ہیں۔" وہ دل کو کڑھاتے ہوئے کچن کی کھلی کھڑکی سے باہر کا نظارہ دیکھ دیکھ کر جل رہی تھی۔ امین کبھی کبھی ہاتھ بڑھا کر ماں کے پاؤں دبا دیتا تھا۔ تب تب اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ اپنی ساس کا گلا دبا دے۔

"ہونہہ، غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ مجال ہے جو کبھی میرے اس طرح پاؤں دبائے ہوں۔" وہ جل رہی تھی۔ اچھی خاصی جل رہی تھی۔ اس کا دل دھیمی آنچ پر آہستہ آہستہ سلگتا جا رہا تھا۔ غصے میں

آکر اس نے جھٹکے سے کچن کی کھڑکی بند کر دی۔ کھڑکی کے بند ہونے کی آواز اکرم اور اسلم کے شور کے سبب نہیں آئی تھی۔

"میں نے کہا تھا اسے، وہ کہتی ہے ابھی اویس بھائی کے علاج کیلئے اتنی بڑی رقم دی ہے۔ اب مزید ایک ماہ تک وہ کوئی موٹی رقم نہیں بھیج سکتی۔ اگر بی الفرض بھیج بھی دی تو وہ میں مینہ کیلئے رکھوں گی۔ آخر کو سات ماہ بعد شادی ہے اس کی۔" فرخندہ نے کورا جھوٹ بولا۔ انہوں نے کوئی فلک سے بات نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ امین کو سٹور کیلے رقم نہیں درکار بلکہ اپنی بیگم کیلئے درکار ہے جس کی سالگرہ سر پر آن کھڑی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتی تھیں پچھلے کچھ سال سے سالگرہ کے روز وہ فلک کے پیسوں سے اپنی نک چڑھی بیگم کو سونے کی کوئی چیز چڑھاتا تھا۔ اگلا مہینہ بھی وہی تھا۔ اسے رقم اسی عورت کیلئے چاہیے تھی جو فرخندہ کو زہر لگتی تھی۔

"یہ تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی اماں، بہت نقصان ہو جائے گا۔" فرخندہ نے پہلو بدلا۔ امین کیلئے لاکھوں روپے قربان مگر اس کی بیوی کیلئے ایک دھیلا بھی نہیں۔ ناں۔ بالکل بھی نہیں۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی نوبت نہیں آن پڑی۔ کل ہی میری شبیر (اسٹور پر کام کرنے والا لڑکا) سے بات ہوئی تھی۔ کہہ رہا تھا اچھا خاصا چل رہا ہے کام۔" امین گڑبڑا گیا۔ بیڑا غرق ہو اس بشیر کا۔

"اور ویسے بھی اگر تھوڑا بہت نقصان ہو گیا تو اسٹور میں موجود سامان اس قابل ہے کہ اس کی تلافی کر سکے۔ دو ماہ آرام سے سکون میں پھر بھی گزر سکتے ہیں۔ گودام سے مال اٹھوا لینا۔ وہاں بھی تو ذخیرہ پڑا ہے۔ اللہ کرم کرے گا۔" وہ تو جیسے سب کچھ سوچے بیٹھی تھیں۔ بالکل چٹی ہو گئیں۔

"جی بہتر۔" امین کی مسکین صورت، پریشان آنکھیں اور کوئی بھی حربہ ان کے ارادے کے آڑے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کے جاتے ہی انہوں نے فلک کو فون کھڑکا دیا۔ وہ اعلی الصبح برف کو قدموں تلے روندتی غفران ہاؤس کی جانب گامزن تھی جب اس کا فون تھرتھرایا تھا۔ اس نے سرد ہاتھ پاکٹ میں ڈالے۔ فون کو ٹٹولا۔ وہ مل گیا۔ نام پر نظر پڑتے ہی اس کی ناک سے سانس خارج ہوا تھا۔ دھواں چہرے کے اطراف میں پھیل گیا۔ اس نے ٹہلتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

"السلام علیکم امی۔" سردی کے سبب اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ فرخندہ نے غور نہیں کیا۔ سچ مچ کی ماں ہوتیں تو کرتیں نا۔

"میری بات غور سے سنو تم۔" انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ انہیں تو اپنی بات کی فکر تھی۔ فلک کے قدم مزید سست ہو گئے۔

"امین تمہیں پیسوں کیلئے فون کرے تو ہرگز اسے مت دینا۔ کسی صورت بھی اس کی باتوں میں نہیں آنا۔ صاف منع کر دینا بلکہ وہ پیسے تم میرے اکاؤنٹ میں ڈلوا دینا۔ میں مینہ کیلئے سونا لے لوں

گی۔اس ناگن کو بالکل بھی اپنی بچی کے حق پر ڈاکا ڈالنے نہیں دوں گی۔"وہ ناگن کون تھی فلک اچھے سے جانتی تھی۔اس کیلئے یہ بات نئی نہیں تھی۔وہ پچھلے پانچ سالوں سے اس طرح کی ہدایات سنتی آرہی تھی۔اس نے ہمیشہ کی طرح حامی بھر دی۔

"ٹھیک ہے جو آپ کہیں۔"فرخندہ نے ایک بار پھر سے اسے تاکید کی تھی۔لمبی چوڑی فہرست اس کے سامنے رکھ دی ان چیزوں کی جو اس وقت اس کی ناکارہ بہو کے پاس تھیں۔ان کی بات سننے کے دوران ہی وہ اس گھر میں آگئی تھی جہاں اب اس کا آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔قدم ڈگمگاتے تھے۔ارادے بھٹک جاتے تھے۔دل بہک جاتا تھا۔اس نے دل کو تھپکا۔بڑی ساری مسکان لبوں پر سجائی پھر بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔دروازہ کھولنا والا وہی تھا۔وہ جو اب انجان تھا۔اجنبی ہو گیا تھا۔بیگانا سا۔

"اسلام علیکم۔"اس نے گرمجوشی سے سلام کیا۔نوح سر ہلا کر مڑ گیا تو گویا آج طے تھا کہ کسی نے اس کے سلام کا جواب نہیں دینا۔وہ اندر آئی۔اندر زندگی روشن تھی۔لاؤنج لوگوں سے مہکا ہوا تھا۔آج گھر کے مکین کے علاوہ آنے والے دو اور لوگ اور چار اور لوگ بھی موجود تھے۔وہ نئے چہرے تھے۔شاید ان لوگوں کے دوست یا پھر یونی فیلوز،مائیر ان کے ساتھ مکمل طور پر مگن تھا۔وہ دو بلونڈ بالوں والی لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔فلک نے غفران کو کھوجنا چاہا۔ایک آخری امید کہ شاید آج وہ اسے "بچے" کہہ کر پکاریں۔سماعت کو کتنا مانوس لگتا تھا نا یہ لفظ مگر اس کی یہ آخری امید بھی اوس پڑ کر بجھ گئی۔وہ ایشل کے ساتھ بری طرح باتوں میں مگن تھے۔اتنا کہ انہوں نے اسے

دیکھا تک بھی نہیں تھا۔ انہوں نے کیا کسی نے بھی اس کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ پورا گھر صاف کر گئی تھی۔ ہر شے کی ڈسٹنگ کر لی تھی بس لاؤنج رہ گیا تھا۔ اسے ناشتے کے بعد پر چھوڑ کر وہ کچن میں آ گئی تھی۔

"سنو فلک، دس لوگوں کا بریک فاسٹ بنانا ہے۔ لسٹ میں نے فریج پر لگا دی ہے۔" سیر انے وہیں بیٹھے بیٹھے اونچی آواز میں اس سے کہا تھا۔ اس نے فریج پر سے لسٹ اٹھائی۔ آج بہت کچھ خاص تھا کیونکہ آج سال کا اختتام تھا۔

"دس لوگ یعنی چار وہ، دو نئے اور چار آج کے مہمان، تم نہیں فلک سفیر۔۔۔ تم آج بھی نہیں۔۔۔۔ ششش۔" اس نے دل کو ڈپٹا۔ اپنا کام سر انجام دیا۔ ناشتہ میز پر چن دیا۔ نظر بھٹک کر لاؤنج میں بیٹھے اس شخص پر پڑی جو دل کے بہت قریب ہونے کے باوجود کبھی پاس نہیں رہا تھا۔ دو رہا بہت دور اور آج تو کچھ زیادہ ہی دور محسوس ہو رہا تھا۔

"کیا واقعی؟ کیا میرا کردار بس یہیں تک تھا۔ ایشل کے آنے کی دیر تھی۔ فلک سفیر نے پس منظر چلے جانا تھا۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔ آنکھوں کے کنارے مرچیں لگنے لگی تھیں۔ اس نے خود پر کنٹرول کیا۔ ابھی اسی وقت اسے شدت سے ایک ادراک ہوا تھا۔ اس ادراک کی ہولناکی جانتے ہوئے اس نے ایک فیصلہ کیا اور اس پر مہر لگا دی پھر ہمت مجتمع کر کے لاؤنج میں آئی تھی۔

"ناشتہ لگ گیا ہے۔"اس کی اطلاع پر غفران سمیت سب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔وہ نظروں میں آئی تھی۔کیا وہ واقعی نظروں میں آگئی تھی۔

"آجاؤ، آج تمہیں پاکستانی ناشتہ کرواتا ہوں۔کیا یاد کرو گے تم ہم پاکستانیوں کی مہمان نوازی۔" مائیر اپنی طبیعت کے مطابق چلبلے انداز میں کہتے ہوئے ایک لڑکے کی گردن میں بازو پھنساتے ہوئے کہہ رہا تھا۔آہستہ آہستہ سب وہاں سے جا رہے تھے۔یہاں تک کہ وہ آخری انسان جو اس کے دل میں سب سے پہلے داخل ہوا تھا وہ بھی وہاں سے چلا گیا۔وہ نظروں میں آئی تھی ایسے جیسے وہ تھی ہی نہیں، جیسے اس کا وجود کبھی کسی کیلئے کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ایک لمحے کیلئے اس کا دل کیا وہ سب کو روک لے اور چیخ چیخ کر کہے کہ کیا وہ انہیں یاد ہے۔وہ فلک سفیر ہے جسے تم لوگ اپنے گھر کا فرد مانتے تھے۔وہ نوح کا گریبان پکڑ لے اور جھنجھوڑ کر کہے کہ وہ، وہی ہے جس کیلئے تمہاری آنکھوں میں کبھی پریشانی گھلی تھی پھر انتظار اور پھر۔

اس نے غصے میں گال پر پھسلے آنسو کو رگڑا پھر پھیلے ہوئے لاؤنج پر لعنت بھیج کر وہ وہاں سے سیدھا واش اینڈ شائن کے آفس گئی، جا کر وہاں اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"کیا تم شیور ہو یعنی کیا تم واقعی اپنی ڈیوٹی چینج کرنا چاہتی ہو؟"سینے پر بازو بندھے تھے۔گردن اٹھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں عزم تھا۔

"باکل، میں چاہتی ہوں آپ میری کہیں اور ڈیوٹی لگا دیں۔ نارتھ ویسٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس کے باس نے ابرو اچکائی۔ مانو اسے سامنے کھڑی لڑکی پر شبہ ہوا ہو۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو نارتھ ویسٹ، لیکن وہ تو بالکل اپوزٹ ڈائریکشن نہیں ہو جاتی۔ تم اسی کالونی میں۔" فلک نے ان کی بات درمیان میں قطع کر دی۔ عجلت میں کر دی۔

"نہیں وہاں نہیں، وہاں کسی بھی گھر میں نہیں۔ آپ نارتھ ویسٹ کے علاقے میں ہی کر دیں۔" اور اس کے اصرار پر انہوں نے اس کی ڈیوٹی بدل دی۔ وہ اکتیس دسمبر کے دن اپنے راستے موڑ آئی تھی۔ وہ خود کو امید و ناامیدی کے پینڈولم میں جھولنے کیلئے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ دل کو مزید نہیں توڑ سکتی تھی۔ آج کے دن اس نے بہت محنت کی تھی۔ رات بارہ بجے تک بغیر بریک لیے وہ کام میں مصروف رہی۔ حتیٰ کہ وقت کا ایک ہندسہ بڑھ گیا۔ گزرا سال بیت گیا۔ نیا سال آ گیا۔ لوگوں کو ڈشیز سرو کرتے ہوئے اس نے ریستوران کے شیشوں پر پڑتی نیلی، پیلی، سبز، انڈیگو رنگ کی روشنیاں دیکھی تھیں۔ ان کے عکس کو اپنی آنکھ کے ریٹینا پر کچھ لمحوں کیلئے ثبت کیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"تمہیں تمہاری محبوب ہستی کے ساتھ نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں نوح۔" برتنوں کو دھوتے ہوئے اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک ٹپک جا رہے تھے۔ اس نے بے دردی سے انہیں رگڑ دیا۔ کام ختم

کر کے وہ وہاں سے باہر آئی۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے وہ چلتے ہوئے لوگوں کے مسکراتے چہرے دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خوشی اس کے لبوں کو بھی چھو لیتی تھی۔ وہ وقفوں وقفوں سے ہوتی آتش بازی، سڑک پر پھیلے چمکدار سنہری ٹکڑوں اور درختوں پر لپٹی زرد روشنیوں کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک شاپ کے پاس آکر تھم گئی۔ سانچے پر چڑھے دلہن کے سفید لباس نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔ وہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"خوبصورت ہے نا؟" ایک راہگیر لڑکی اس کے قریب آکر رک گئی تھی۔ اس کی نظر بھی اس جوڑے پر ٹکی تھی۔ باریک نیٹ پر موجود نفیس سے سفید موتیوں کا کام تھا۔ کہیں کہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شیشوں کو کوٹ کر اس میں بھر دیا گیا ہو۔ پورے بازو، بہت سارا گھیر، نیٹ والا بے گلا۔

"خوبصورت ہے اور خطرناک بھی۔" اس کے جواب نے لڑکی کو چونکا دیا۔ لڑکی نے ٹمبلر میں سے سپ بھرنا ترک کیا۔ ڈینم کی جیکٹ، سیاہ بیگی جینز جس کی بڑی بڑی پاکٹس پر سلور کی لائنیں بنی ہوئی تھیں۔ کھلے شولڈر کٹ سیاہ بال اور کانوں میں اڑسی سفید تاروں والی ہینڈز فری۔

"مطلب؟" فلک نے رخ لڑکی کی جانب کیا۔

"جو چیز دل اور روح کو قید کر دے وہ خطرناک ہی ہوا کرتی ہے۔ انسان بندھ کر رہ جاتا ہے پھر۔"

لڑکی نے شانے اچکا دیے جیسے وہ اس کی بات سے متفق نہ ہو۔ جیسے وہ سمجھی نہ ہو۔

"تو بندھنا تو اچھا ہوتا ہے نا۔" اس کے دماغ میں ایک بار پھر سے نوح آیا تھا۔ اس نے سر کو جھٹک دیا۔

"جب دل کہیں اور اٹک جائے اور روح کا نصیب کوئی اور ہو تو وہ اچھا نہیں بلکہ جان لیوا ہوا کرتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے جواب دے کر مڑ گئی۔ اس کے دل میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے اس درد کو سلا دیا۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ اس نے آنسوؤں کو جھٹک دیا۔ سب کچھ بھلا کر وہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ سوپ شاپ میں آئی تھی۔ سب کی نیو ائیر نائیٹ خوشیوں میں گزری تھی۔ اس کی نیو ائیر نائیٹ سوچوں اور کام میں گزری تھی۔ اس کا اگلا دن بھی بہت مصروف تھا۔ پہلے تو وہ بلا ارادہ ہی سوچوں میں غلطاں اسی گھر کے باہر آ کھڑی ہوئی تھی جس نے اس کے دل و دماغ کو الجھا دیا تھا۔ پھر وہ یاد آنے پر چونک کر وہاں سے چلی گئی۔ پورا دن شدید تھکن میں گزارنے کے بعد اس نے بستر پر لیٹتے ہوئے فون کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔ وہاں کوئی میسج یا کال نہیں تھی۔ وہاں کوئی سوال نہیں تھا کہ اس نے کیوں اس جگہ کو چھوڑا۔۔

"تو یعنی انہیں اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اسے وہ دن یاد آیا جب ایک دن ان کے گھر نہ آنے پر نوح گاؤں میں اس کے پیچھے کام کا بہانہ کر کے آ گیا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی وہ اس کیلئے آیا تھا۔ اسے سب معلوم تھا شروع دن سے معلوم تھا۔ وہ بجھے دل کے ساتھ اپنی اور اس کی چیٹ پڑھ رہی تھی پھر اس نے چونکتے ہوئے جھٹکے سے فون کو پرے اچھال دیا۔ یہ اسے کیا ہو رہا تھا۔ یہ وہ کیا کر رہی تھی۔ اس نے اپنا سر ہاتھ میں گرا لیا۔ سانس لگ رہا تھا گھٹ رہا ہو۔ فوراً سے اٹھ کر کھڑکی کھولی۔ سرد ہواؤں کے جھونکے اندر آئے تھے۔ اس نے نم آنکھوں کے ساتھ سیاہ رات میں سڑک پر نظر ڈالی۔ وہاں اسے ہڈ میں کوئی شخص کھڑا نظر آیا تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا اس لیے وہ پہچان نہیں پائی۔ اس انسان پر سے نظر ہٹا کر اس نے اپنا ایک ہاتھ باہر نکالا۔ ہاتھ کی اوک میں چند ایک روئی کے گالے اکھٹے ہو گئے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے اس احساس کو محسوس کر رہی تھی جب اسے وہ آواز سنائی دی۔ وہ آواز۔۔۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ جہاں رہ رہی تھی وہاں دو پولیس موبائلز آ کر رکی تھیں۔ فلک نے نہایت تحیر کے عالم میں آفیسرز کو اس کے کمرے کی سمت آتے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ پہنچ کر دستک دیتے اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"فلک سفیر آپ ہو؟" سوال پر اس نے ناسمجھی کے عالم میں سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

"ہم آپ کو میر اایاز کے قتل کے کیس میں گرفتار کرنے آئے ہیں۔" اسے لگا اس کی سماعت نے کچھ غلط سنا ہے۔ کچھ الگ، کچھ غیر مفہوم سا۔ اس کا خون لمحے میں نچڑا تھا۔ آس پاس دھماکے ہونے لگے۔ درد اتنا اٹھا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ اس نے بامشکل اپنے لبوں کو ہلایا تھا۔

"قق۔۔ قتل؟" میر امر گئی؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو زندہ تھی بلکہ ایک اور زندگی کو اس دنیا میں لانے والی تھی پھر وہ کیسے مر سکتی تھی۔ کیسے یہ دنیا چھوڑ سکتی تھی۔ یہ جھوٹ ہے۔ وہ کسی اور میر اکے بارے میں بات کر رہے ہوں گے۔ ہاں ایسا ہی ہو گا۔ تو پھر میر اایاز کیوں کہا؟ ایاز کا نام ہی کیوں لیا۔ وہ ہی یہاں کیوں موجود ہے۔ وہ کیوں اسے تمسخر آلود نظروں سے گھور رہا ہے۔ وہ شخص جو اندھیرے میں تھا وہ ایاز تھا۔ سیاہ ہڈ میں ملبوس، اس پر نظر رکھے ہوئے۔ اس کی آئی بالز پولیس موبائلز کے پاس کھڑے اس شخص کی جانب گھومی تھیں۔

"جی قتل، میر اایاز اور اس کا دوست فیضان دو دن پہلے ہی قتل ہوئے ہیں۔ اس کے شوہر نے قتل کا الزام آپ پر لگایا ہے اس لیے شک کی بنا پر آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔" اس کو لگا تھا وہ کھڑے قد سے گر جائے گی لیکن وہ نہیں گری۔ اس کو لگا تھا وہ مر جائے گی وہ نہیں مری۔ اس کا دماغ، ہاتھ پاؤں سب سن ہو گئے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی تھی۔ حواسوں میں تب آئی جب وہ ایاز کے پاس سے گزری تھی اور اس نے ایک تلخ مسکان کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ بس اس مسکراہٹ کی دیر تھی وہ بنا کچھ دیکھے سمجھے اس پر پل پڑی۔ وہ جتنا اور جہاں تک رسائی تھی اسے مار

رہی تھی۔ کف نکال رہی تھی۔ اسے دھمکا رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ اسے تھانے لایا گیا۔ ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ مجرموں والے کپڑوں میں تصاویر اتاری گئیں۔ اس سے تفتیش ہوئی۔ بار بار ہوئی۔ اس نے ایک ہی جواب دیا۔

"میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" سوجی ہوئی سرخ آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، سپاٹ سی وہ۔

"اس کی مٹھی میں تمہارے بال موجود ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے تم نے اسے قتل کیا ہے۔ دیکھو کل آخری بار تفتیش کی جائے گی۔ اس کے بعد تمہیں سزا ہو گی۔ فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اقرار کرتی ہو یا کوئی اور لائحہ عمل ہے تمہارے پاس۔ تم کسی کو کال کر سکتی ہو۔" اس نے نظر اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھے جوان پروسیکیوٹر کو دیکھا۔ فریم لیس چشمے کے پیچھے موجود آنکھوں میں اکساہٹ تھی۔ سیاہ سوٹ، جیل سے جمے بال، پکا برٹش۔

"اس کے ہاتھ میں میرے بال نہیں ہو سکتے۔ میں تو بہت عرصے سے اس سے ملی بھی نہیں ہوں۔" اچانک اسے ایاز کی واردات یاد آ گئی۔ وہ اسے مار رہا تھا۔ وہ اس کے سر کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہ اس کے بال نوچ رہا تھا۔ اسے بہت کچھ سمجھ آیا۔ تو یعنی وہ سب پہلے سے پلان تھا۔ اس کی تھوڑی لرزی۔

"وہ آپ کے ہی بال ہے۔ ہم نے تحقیق کروالی ہے۔ کال کرنی ہے کسی کو؟" وہ ایک بار پھر سے دریافت کر رہا تھا۔ فلک کے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"مجھے پاکستان فون کرنا ہے۔" بلآخر اس نے تین دن بعد کہا تھا۔ اس کے سامنے فون رکھ دیا گیا۔ اس نے فرخندہ کو کال کرنے کی بجائے تایا ابو کا نمبر ملایا تھا۔ انہوں نے فون نہیں اٹھایا۔ وہ لڑکا بکھرے بالوں والی لڑکی کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم دوبارہ کوشش کر سکتی ہو۔" ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے اسے ناچار فرخندہ کا ہی نمبر ڈائل کرنا پڑا تھا۔ فون اسپیکر پر ہونا تھا۔ یہ رول تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ ایک۔۔ دو۔۔ تین۔

"ہاں بولو۔" وہی لٹھ مار تا انداز۔ فلک نے فون اٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر اسے روک دیا گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ آنسو ٹپ ٹپ پھر سے بہنے لگے۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس پتلے تپلے نقوش والا لڑکا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"تائی امی میرا مر گئی۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ ان کی باتیں ٹرانسلیٹ ہو کر پراسیکیوٹر کے کان میں لگے آلے میں گونجنے لگیں۔

"کون میرا، دیکھو فلک مجھے کوئی تمہاری رام کہانیاں نہیں سننی۔ میرا وقت بہت تنگ ہے کام کی بات کرو۔" اس کی تھوڑی شدت سے کانپی تھی۔ اس نے تمام بات من و عن ان کے گوش گزار دی۔ سب سن کر فرخندہ کے ہوش اڑے تھے۔

"تمہارا دماغ خراب تھا۔ اس کا شوہر چاہے اسے پھانسی چڑھا دیتا تم کیوں اس کی مدد گار بنی۔ تمہیں ہم نے وہاں کمانے کیلئے بھیجا ہے یا ان کاموں کیلئے۔" وہ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔ اچھی خاصی جھاڑ پلا رہی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے آگے نہیں روئی تھی۔ وہ جو بہت بہت مضبوط تھی۔ آج اپنے یوں ٹوٹنے پر بری طرح عار کا شکار تھی۔ لیکن وہ کرے بھی کیا آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ میر اکا غم اسے کھا رہا تھا۔ میر اکا غم اسے جلا رہا تھا۔

"پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا ہے تائی امی، ان کو لگتا ہے میں قاتل ہوں۔" اس کے جملے پر دوسری جانب چند لمحوں کا سناٹا چھایا تھا پھر توقف کے بعد لرزتی ہوئی آواز گونجی۔

"تم، تم گرفتار ہو گئی؟ فون کہاں سے کر رہی ہو؟" اس نے اپنی آستین کے بازو سے آنسو پونچھے۔

"تفتیشی روم سے، انہوں نے کہا ہے میں کسی رشتہ دار کو فون کر سکتی ہوں۔" فرخندہ کے تو چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ انہوں نے نہایت بیگانے لہجے میں سب لحاظ بالائے طاق رکھ دیے۔

"تم نے مجھے فون کیوں کیا پھر، تمہارا دماغ خراب ہے۔ تم کب سے ہماری رشتہ دار ہونے لگی۔ کوئی نہیں ہو ہماری تم۔ خبر دار جو مجھے یا میرے خاندان کے کسی فرد کو فون کیا تم نے۔ ہمارے لیے مر گئی تم۔" بات ختم ہونے کے بعد کھٹاک سے فون بند ہوا تھا۔ دوسری بار دوسری بار اس کے کانوں میں سیٹیاں گونجی تھیں۔ ایک تب جب میر اکی موت کی خبر سنی تھی اور ایک اب۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ دوبارہ نمبر ڈائل کیا۔ فون بند ملا۔ اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا۔ دیوانہ وار وہ ہر ایک کے نمبر پر کال کر رہی تھی کسی نے فون نہیں اٹھایا تھا تو کسی کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس کا دل بند ہونے لگا۔ وہ یہاں، اس انجان ملک میں، انجان شہر کے ایک جیل خانے میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے پاکستان جانا تھا۔ اسے شدت سے پاکستان کی یاد آئی۔ اس کا دماغ بند ہونے لگا۔ حواس مفلوج ہونا شروع ہوئے۔ اس نے بے بس نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے لڑکے کو دیکھا۔ اسے وہ دھندلا نظر آیا۔ اس نے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"لاسٹ چانس۔" مدھم آواز گونجی۔ اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔

"وہ میرے گھر والے ہیں مجھ سے یوں دستبردار نہیں ہو سکتے۔" ہیجان پنے سے کہہ کر وہ سب کا نمبر ملا رہی تھی بار بار ملا رہی تھی لیکن بے سود۔

"وہ تمہارے گھر والے نہیں ہیں اس کا اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" پراسیکیوٹر نے تاسف سے کہا تھا۔ "بہر حال ایک اور چانس ہے اس کے بعد عدالت فیصلہ کرے گی۔ مجھے افسوس ہے کہ تم جیسی جوان لڑکی اپنی زندگی جیل میں گزارے گی۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ بدن میں چونٹیاں بھرنے لگیں۔ سانس مدھم ہونے لگا۔ درد کی لہر اتنی تیز اٹھی کہ وہ میز پر بل کھا کر گری تھی۔ اسے اتنا کم نظر آنے لگا تھا کہ

اپنی کرسی چھوڑ کر اسے سنبھالنے کیلئے آگے بڑھتا انسان بھی اسے نظر نہ آیا۔ وہ لمحوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی تھی۔

آسمان آج کافی گرے تھا۔ بارش زور سے برس کر تھم گئی تھی۔ برف نے اپنی برسات جاری کر دی۔ سردی کی شدت مائنس تک جا پہنچی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے ازلی بے نیاز رویے کے ساتھ وہاں کھڑا تھا۔ ڈاکٹر فاؤ بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ وہ سٹی ہاسپٹل کے کاریڈور میں موجود تھے۔ ان کا پورا بیچ آج یہاں تھا۔ آج انہیں ادھر ڈیوٹی دینی تھی۔ یہ ان کی پڑھائی کا حصہ تھا۔ نوح اور اس کی دو کلاس فیلو کچھ دیر قبل ہی آپریشن تھیٹر سے اینڈو پلاسٹی کر کے نکلے تھے۔ ہسپتال کا آن ڈیوٹی ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ وہ کسی بات پر بحث کر رہے تھے جب وقفے وقفے سے آتے شور کے اندر ایک اور شور کا اضافہ ہوا تھا۔ اسٹریچر کے پہیے اس بار بھی عجلت میں کھینچے جا رہے تھے۔ چادر اس بار بھی وجود پر ڈلی ہوئی تھی۔ وہ اوورآل کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے ڈاکٹر فاؤ کو بہت توجہ سے سن رہا تھا جب اچانک، بالکل اچانک اس کی نگاہ پولیس اہلکار کے درمیان اسٹریچر پر موجود وجود پر پڑی تھی۔ اس نے چونکتے ہوئے گلاسز کو آنکھوں پر سے ہٹایا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس لڑکا اور دو پولیس اہلکار اسٹریچر کو کھینچے جا رہے تھے۔ وہ ہلکی سی شبیہہ ہی دیکھ پایا تھا۔ وہم سمجھ کر اس نے سر جھٹک دیا۔

"ہمارے پاس ایک اور کارڈیک اریسٹ کا کیس ہے۔ لڑکی مجرم ہے۔ پولیس والے اسے لے آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس میں ڈاکٹر نوح، زوش اور میلیسا بھی ساتھ ہوں۔" نوح نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ شام کے چار بج رہے تھے۔ اس نے حامی بھر لی۔ اس کی باقی کلاس فیلوز نے بھی حامی بھر لی تھی۔ وہ سب آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھ گئے۔

"میں نے کہا تھا نا تمہیں ڈاکٹر نوح بہت پسند آئے گا۔" فاؤ نے ہیڈ ڈاکٹر کے شانے پر تھپکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اوٹی کے پاس آ کر رکے۔

"بالکل، کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر نوح وقت کے پنوں میں سنہرے لفظوں سے یاد کیے جائیں گے۔" وہ ان کی تعریف پر معمولی سا سر خم کر کے اوٹی کے اندر آیا، آنے سے پہلے وہ سب یونیفارم پہن آئے تھے۔ سر پر پرنٹڈ کپڑا باندھے وہ اس وقت اسسٹنٹ کے طور پر وہاں موجود تھا۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ دونوں ہاتھوں کو اوپر کیے جونہی بیڈ کے قریب آیا اسے زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے ٹھٹھکتے ہوئے بے ہوش لڑکی کو اور پھر ہیڈ ڈاکٹر کو دیکھا۔

"کارڈیک اریسٹ۔۔ مجرم۔۔۔ پولیس اہلکار اور پروسیکیوٹر۔" اس کا دل بہت آہستہ سے پمپ کرنے لگا۔ بدن میں خود بخود سنسناہٹ دوڑ اٹھی۔

"اٹیک۔۔اس کو۔"اس سے بولا نہیں گیا۔اس سے بولا کیوں نہیں گیا تھا۔اس کے گردن میں گلٹی بنی،ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔

"رپورٹس کے مطابق بچنے کے چانسز بیس پرسنٹ ہیں۔اس لڑکی کے دل میں پہلے ہی سوراخ ہے۔اوپن ہارٹ سرجری کرنی پڑے گی۔"اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔اوپر والا ہونٹ دانتوں میں پھنس گیا۔ہیڈ ڈاکٹر نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔اس لڑکی کی ہارٹ بیٹ بہت آہستہ چل رہی تھی۔بلڈ پریشر نارمل نہیں تھا۔وہ تیز تیز سانس لے کر اس کے پاس آکر کھڑا ہوا۔سکیل پل سے اس کے سینے کو چاک کر دیا گیا تھا۔اس کی سینے کی ہڈیوں کو کاٹا جا رہا تھا۔وہ آواز نوح کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ڈاکٹر نے اس سے کچھ کہا تھا۔وہ ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھو یہ سوراخ ہے اور اس رگ کو سینا ہے۔"اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھ خون میں ڈوبے دل کی جانب بڑھائے جو ہولے ہولے پمپ کر رہا تھا۔اس کی سفید گلوز میں چھپی شہادت کی انگلی نے جونہی دل کی سطح کو چھوا ہڑبڑا کر ہاتھ واپس کھینچا تھا۔اس کی چار انگلیوں پر خون لگ چکا تھا۔

"کیا کر رہے ہو نوح،ہمیں وقت ختم ہونے سے پہلے آپریٹ کرنا ہے ورنہ سروائیول کے چانسز دو پرسنٹ بھی نہیں رہیں گے۔"وہ سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے پیچھے ہٹا۔اس سے نہیں ہو رہا تھا۔اس سے نہیں ہو رہا تھا۔اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔اس نے کھینچ کر ماسک منہ سے ہٹا دیا۔

"رول مت توڑو لڑکے، کیا کر رہے ہو تم۔ پیشنٹ کا بلڈ پریشر گر رہا ہے۔" بیک اپ اسسٹنٹ موجود تھا۔ وہ فوراً اس کی جگہ پر آ گیا۔ ہیڈ ڈاکٹر کو لگا وہ پینک ہو رہا ہے۔ وہ پینک نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی تھی۔ وہ الٹے قدموں اوٹی سے باہر آیا۔ اس نے سر پر سے پرنٹڈ کپڑا اتار کر پھینکا۔ پاؤں پر سے جوتوں پر چڑھے شاپر کھینچ دیے۔ بدن پر سے یونیفارم اتار دی۔ وہ سادی پینٹ شرٹ میں ہاتھوں پر سے خون آلود گلوز اتار کر وہیں ایک گم نام سی اسٹیل کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی انگلیوں کے پوروں پر ابھی تک اس کے دل کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی دھڑکن ابھی تک ان میں زندہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا خون دستانوں پر نہیں بلکہ اس کی انگلیوں پر لگا ہے۔ اس کا دل بہہ رہا تھا۔ اشک چھلکنے کو بے تاب تھے۔ وہ دانتوں تلے لب دبائے کرسی سے آگے جھکا بیٹھا تھا۔ گردن میں بار بار ابھرتی گلٹی بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔ وہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ بکھر رہا تھا۔ اس کے شانے پر ایک لمس آ کر ٹھہرا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ آنسو پیتا تھوڑی کو بری طرح کپکپاتے بیٹھا رہا۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ فلک ہے۔" اس کی نظریں سفید ماربل پر تھیں۔ اس کا چہرہ اس میں واضح نظر آ رہا تھا۔ پلکوں پر آنسو آن ٹھہرے۔

"تم بتا دیتے، اندھیرے میں نہ رکھتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ اپنے دل کو کیوں مارا نوح۔" اس نے سر اوپر کو اٹھایا۔ باڑ ٹوٹ گئی۔ گالوں پر کچھ گیلا گیلا سا بہنے لگا۔

"وہ مر رہی ہے۔ اگر وہ آج مر گئی تو سمجھیں میں بھی مر گیا۔" اس کی ناک سرخ ہو گئی تھی۔ گال سرخ ہو گئے تھے۔ آواز بھاری و انجانی تھی۔ دل کے جلنے کی بو لفظوں میں تھی، بہت واضح تھی۔

"اسے کچھ نہیں ہو گا۔ تو کل رکھو تم۔" ڈاکٹر فاؤ اس کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ اسکرین پر سب دیکھ آئے تھے۔ شک تو انہیں پہلے تھا۔ تصدیق اب ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بیتے دنوں کا حال تھا۔ وہ دن تھا جب جبران یہاں آئے تھے۔ اس کے چاچو نے اس کیلئے احتجاج کیا تھا۔ بے حد کیا تھا۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا نوح کو ڈسٹرب نہیں کریں گے پھر یہ سب کیا ہے۔ میں نے بہت مشکل سے اسے سنبھالا تھا۔" وہ خفا تھے۔ نالاں تھے۔ جانتے تھے فلک کچن میں سے ان دو بھائیوں کے ملاپ کو دیکھ رہی ہے۔ گٹھ جوڑ کو محسوس کر رہی ہے مگر وہ اس وقت کسی بھی بات کو فوقیت نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہیں اس وقت صرف نوح کی فکر تھی۔ وہ ہر چیز ہر حالت میں سب سے پہلے تھا۔ باقی سب ثانوی ہو جاتا تھا جہاں نوح کی بات ہوتی تھی۔

"مجھے بھی اس کی فکر ہے۔ کچھ زیادہ ہے اس لیے اس کی بہتری ہی سوچ رہا ہوں۔ جانتا ہوں کافی ساری چیزیں ہیں جن کو نظر انداز کرنا کوتاہی ہے لیکن یہ کوتاہی بھی مجبوری ہے۔" انہوں نے

خفیف سی گردن موڑ کر ایشل پر نظر ڈالی تھی جو فلک کو کافی واپس کر رہی تھی۔ وہ بچی بیمار لگتی تھی مگر انہیں کیا۔ کون سا اس کے ساتھ ان کا کوئی رشتہ ہے۔

"پھر بھی میں چاہتا ہوں آپ اس زبردستی کی منگنی کا کچھ کریں۔ اسے نوح کے سر پر مسلط کرنا بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔" جبران نے گہرا سانس بھرا۔ انہیں کھانے لگنے کی اطلاع دی گئی تھی۔ انہوں نے سنی سن کر پوری توجہ اپنے بھائی کی جانب مبذول رکھی۔ وہ جانتے تھے نوح کی بہتری کیلئے جبران کو منانا بے حد ضروری ہے۔

"دیکھو ابھی میں اسے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ یہ بھی نہیں کہ ایشل کو منگیتر کی طرح ٹریٹ کرو لیکن اسے نظر انداز کیا جائے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا کیونکہ وہ میری مہمان ہے۔ اس کے والد کے ساتھ میرے بڑے مضبوط مراسم ہیں۔" وہ دونوں بھائی اٹھ کر ڈائننگ ہال کی جانب بڑھے تھے۔ نوح وہاں نہیں آیا تھا۔ فلک کے جانے کے بعد بھی وہ وہاں نہیں تھا۔ اسے ان لوگوں میں شامل ہونے کی قطع ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ مائیر نے اس کی غیر حاضری محسوس کر لی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس گیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو، تمہیں کھانے پر آنا چاہیے۔" اس نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں خفگی کے ہزار ہا رنگ تھے۔ لب سختی سے بھینچے تھے۔ نائیٹ لیمپ آن تھا۔ بیڈ پر پاؤں لٹکائے وہ ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے ایسا کرنا چاہیے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں۔" وہ یکدم چپ ہوا تھا۔ اس کا لہجہ کچھ زیادہ کڑوا ہو رہا تھا۔ وہ اپنی کڑواہٹ اپنے محسن، اپنے بھائی، اپنے بیسٹ فرینڈ پر ہرگز نہیں نکالنا چاہتا تھا۔ اس لیے خود کو سنبھال لیا۔ چپ کر لیا۔

"فرار حل نہیں ہے نوح، ایسا کر کے تم انہیں اور شہ دو گے۔ پھر وہ ہر وہ راہ چنیں گے جن سے تم کتراتے ہو۔ قبل اس کے وہ تم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں تم خود ان کے سامنے جا کر انہیں اپنی حدود دکھا دو۔" اس نے سر اٹھا کر مائیر کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں موجود مفہوم کو پڑھ کر اس نے ہولے سے نظریں پھیریں پھر سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا۔ مائیر نے مسکرا کر اس کے گرد بازو پھیلائے تھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ ڈائننگ ہال میں آئے تھے۔ فلک نے آخری چائے کی کیتلی وہاں رکھی۔ وہ ان سب پر نظر ڈال رہی تھی۔ نوح نے اپنی پلیٹ کھینچی۔ اس نے پلکیں جھکائے رکھیں۔ وہ وہاں کھڑی تھی۔ وہ وہاں کیوں کھڑی تھی؟ وہ جا کیوں نہیں رہی تھی۔ وہ اس کے دل کی کیفیت سے یکسر انجان تھا۔ اس کے پلٹتے ہی اس نے نظریں اونچی کر کے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ اچانک ہی کسی احساس کے تحت اس نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو سرسری سا

دیکھا دیکھتے ہی نگاہیں پھیر لیں۔ وہ اسے ہی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ اس کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔ اسے محتاط رہنا تھا۔ جب تک وہ یہاں تھے اسے بے حد محتاط رہنا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ اس کے باپ کو اپنی چلانے کی عادت ہے۔ وہ آج یا کل کبھی بھی اس کی شادی اپنی مرضی سے کروانا چاہیں گے۔ ان کے سامنے وہ جسے بھی لا کر کھڑا کرے گا وہ اسے اپنے طوفانوں کی زد میں کر دیں گے۔ اور فی الحال وہ فلک کو ایسی کسی مصیبت میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ وہ اپنی پرائیوٹ لائف اپنے تک ہی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو اتنا مضبوط کرنا چاہتا تھا کہ کل کو فلک کیلئے ڈٹ جائے تو کوئی ڈر نہ رہے۔ یہ وہم نہ ستائے کہ وہ اس کی وجہ سے مشکل میں آگئی۔ وہ اس کی حقیقت سے واقف تھی۔ وہ سب جانتی تھی اس کے بعد بھی اس سے رشتہ جوڑنے کیلئے تیار تھی۔ اسے بھی خود کو تیار کرنا تھا اس کیلئے، اسے اپنے کمائے گئے پیسوں سے گھر لینا تھا۔ بینک بیلنس بنانا تھا تاکہ وہ ان انحصار کی بیڑیوں سے جان چڑھا لے۔ وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ کما سکتا تھا۔ بہت جلد وہ گھر بھی لے لے گا۔ اس کے بعد بلا جھجھک وہ فلک کو لے کر سب کے سامنے آجائے گا۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ کوئی کیا سوچتا ہے کیا نہیں بالکل ویسے جیسے فلک کو اس کی حقیقت سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے باپ کے سوالوں اور ایشل کی بے تکی حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مستقبل کی پلاننگ کر رہا تھا۔ اس چیز سے بے خبر کہ اس کا مستقبل تو کب کا لکھا جا چکا ہے۔

اس نے اپنے بالوں کو بلو ڈرائے کر کے کھلا چھوڑ دیا۔ ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک لگائی۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا مسکارا۔ سیاہ جمپر پر لانگ وول کوٹ اور گلے میں گول گول کر کے مفلر۔۔۔ سیاہ بلاک ہیل بند شوز، کانوں میں باریک سے چمکتے ہوئے سرخ اسٹڈز اور سرخ ہی ایل وی کا بیگ۔۔۔ وہ تیار تھی۔ آج کی اس کی اور نوح کی ڈیٹ کیلئے۔

"میں چاہتا ہوں نوح ایشل کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے کر جائے۔" کرسی کھینچتا اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس نے اچنبھے سے نوالہ چباتے اپنے سوکالڈ باپ کو دیکھا۔ غفران سٹپٹا کر ان کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ فلک نے پوری میز سجادی تھی۔ وہ اب ایک بار اس پر نظر ڈال کر واپس جا رہی تھی۔ اس نے سن لیا تھا جو نوح کے والد نے اس سے کہا تھا۔ وہ جانتی تھی اب وہ دونوں شام کو ڈنر پر جائیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہترین وقت گزاریں گے۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچی۔

"سوری، لیکن میرے آج کے پلانز ہیں۔ ان میں ردوبدل نہیں ہو سکتی۔" جبران نے تحیر کے عالم میں کھڑی ناک والے کو دیکھا جو کرسی پر بیٹھنے کے بعد نیپکن کو جھاڑتے ہوئے اپنے گھٹنوں پر بچھا رہا تھا۔ ایشل تھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس موصوف کو ہی نہار رہی تھی۔

"نخرے تو دیکھو اس کے، ایک بار بس میرے نام ہو جائے اس کے بعد سیدھا کر دوں گی۔ تب تک کیلئے ایشل بی کول۔"

"پلانز کو کل کیلئے وائنڈ اپ کر لو آج ایشل کو لے کر جاؤ وہ ہماری مہمان ہے۔" سیر انے کڑوے منہ کے ساتھ پہلو بدلا تھا۔ جبران کی نظروں سے اس کی حرکت مخفی نہیں رہی تھی۔

"ان مداخلت کی وجہ سے ہی رامیہ نے اپنی مرضی کی ہو گی۔" وہ سوچ رہی تھی۔ سن انہیں رہی تھی جو یہاں آئے ہی اس مقصد کیلئے تھے۔ اس نے نخوت سے سر کو جھٹکا تھا۔

"میرا یہاں پر کوئی مہمان نہیں ہے۔" اس نے بات ختم کر دی تھی لیکن جبران نے پھر بھی اس کو اہمیت نہیں دی۔ شام کو ایشل کو کہا تھا وہ تیار ہو کر نوح کے ساتھ جائے۔ وہ تیار ہو کر آ گئی تھی اور اب لاؤنج میں بیٹھے نوح کے سر پر کھڑی تھی۔

"میں نے صبح کہا تو تھا نہیں لے کر جاؤں گا تمہیں۔" وہ حقارت آمیز لہجے میں اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس لڑکی کے ساتھ کچھ کر دے۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ جانے کا، جس طرح تم مجبور ہو اسی طرح میں بھی ہوں۔ یہ شادی ہم دونوں کی مرضی کے بغیر ہو رہی ہے۔" نوح نے ناسمجھی کے عالم میں اس لڑکی کو

دیکھا تھا۔ جو لڑکی کم ماڈل زیادہ لگتی تھی۔ اس کی فزیک، کپڑے، اسٹائل سب ماڈلز کے طرز کا ہی تھا۔ جیسے کوئی ہائی کلاس فیملی کی فرد ہو یا کوئی ایکٹریس۔

"کہنا کیا چاہتی ہو۔" ایشل کے لبوں پر تمسخر آلود مسکان در آئی تو یعنی وہ باتوں کے جال میں آنے لگا تھا۔

"یعنی بزنس، میرے ڈیڈ بزنس کی بڑھوتری کیلئے میری تم سے شادی کروانا چاہتے ہیں اور تمہارے ڈیڈ جس وجہ سے کروانا چاہتے ہیں اس سے تم اچھے سے واقف ہو سو مجھے لگتا ہے ہم دونوں کو احتجاج کی بجائے سرنڈر کر لینا چاہیے کیونکہ ہو گا تو وہی جو ہمارے سرپرست چاہیں گے۔" نوح تلخی سے مسکرایا۔ تو گویا وہ لڑکی اور اس کا خاندان اس کی حقیقت سے آشنا تھا۔ کہاں کہاں نہیں ذلیل ہو گا اب وہ۔

"معاملہ جو بھی ہو۔ میں تم سے شادی ہرگز نہیں کروں گا یہ تو طے ہے۔" ایشل نے جمپر کی جیبوں میں دونوں ہاتھ پھنسائے۔ اس کا دراز قد قابل ستائش تھا۔

"چلو ڈن، شادی مت کرنا مگر ڈنر تو کروا دو آفٹر آل جو بھی ہوں مہمان ہوں۔" وہ نہیں جانتا تھا کیوں مگر وہ اسے ڈنر پر لے آیا تھا۔ شاید اس لیے کیونکہ مہمان کو کھانا کھلانے کے ثواب سے وہ اچھے سے واقف تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا ڈنر کر رہا تھا۔ اور وہ دنیا جہان کی باتیں اس سے کر رہی

تھی جیسے آج کے بعد دوبارہ موقع نہیں ملے گا بولنے کا۔ایک بات پر تو حیرت انگیز طور پر اس کے لبوں پر مسکان لمحے بھر کو آکر گزری تھی۔یہی وہ لمحہ تھا جب فلک کی نظروں نے اس منظر کو دیکھا تھا۔وہ یہاں ڈش واشر کے طور پر کام کرتی تھی۔اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی۔اسے اسٹور جانا تھا۔وہ بس وہیں کیلئے نکل رہی تھی جب یہ منظر اس کی آنکھوں سے الجھ پڑا۔

وہ کتنا خوش تھا۔وہ اتنا خوش کیسے تھا۔کیا وہ ہر ایک کے ساتھ اتنا خوش ہوتا تھا؟کل وہ فلک سفیر کے ساتھ تھا اور آج اس کے ساتھ، دونوں کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔وہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح بیٹھی ہوئی لگتی ہو گی۔وہ کتنی عجیب لگتی ہو گی نا۔اس کی نظر بے ساختہ اپنے لباس پر پڑی۔اسے شرمندگی نے آن گھیرا۔

"واقعی چاند کے ساتھ چاندنی جچتی ہے۔زمین کا ذرہ نہیں۔"وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ چاند تو خود پور پور ذروں میں ڈوبا تھا۔اسی سے سجا تھا۔اسی میں گم تھا۔اسی میں رہنا چاہتا تھا۔کیونکہ وہی تو اس کی بقا تھی۔وہی اس کی راہ۔

نوح نے الجھتے ہوئے نظر رخ موڑے کھڑی لڑکی پر ڈالی۔کیا وہ فلک تھی؟اسے اس میں فلک کا گمان ہوا تھا۔اس کا دل ہمکنے لگا۔آج دو دن ہو گئے تھے۔اس سے بات کیے ہوئے۔اسے دیکھے ہوئے۔بس دو ہفتے اور اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔اس کی زندگی معمول پر آجائے گی۔وہ

فلک کے ساتھ ویسے ہی گھلے ملے گا جیسے وہ ہمیشہ ملتا تھا۔ یہ اذیت بھرے دن جلد ختم ہو جائیں گے۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی۔ مگر اس کی تسلی راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئی۔ اس دن کی رات اسے وہ بہت یاد آئی تھی۔ اس نے فون اٹھا کر کئی ثانیے تک نظروں کے سامنے کیے رکھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ دل کا حال کھل کر بتانا چاہتا تھا۔ وہ کتنی ذہنی اذیت میں ہے یہ باور کروانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے تھک ہار کر فون واپس میز پر رکھ دیا۔ وہ اپنے غم اس میں نہیں انڈیل سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ اس وقت وہ کس قدر ذہنی اذیت سے دوچار ہے۔ وہ یہاں تنہا ہے۔ کمار ہی ہے۔ شدید محنت کر رہی ہے۔ حالانکہ دل کا عارضہ بھی ہے لیکن پھر بھی لبوں پر جھوٹی مسکان سجائے پھرتی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا پس پردہ حقیقت کیا ہے۔ اس کی سوجی آنکھیں۔ اس کا ستا ہوا چہرہ، اس کی سرخ ناک روز کی تکلیف بہنے کی غمازی ہے۔ اس کے پاس تو پھر بھی چاچو ہیں، مائیر ہے۔ سیر اہے۔ اس کے پاس کون ہے؟ کوئی بھی تو نہیں۔ ہاں کوئی نہیں۔ وہ بالکل اور بے حد تنہا ہے اس دنیا میں۔ وہ اس کے غموں میں اضافہ کیونکر کرے پھر۔ وہ اپنے دکھ سے اس کے دل کو کیوں مزید بھاری کرے۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ یہ کنارہ کشی بری تھی وہ جانتا تھا۔ یہ کنارہ کشی سنگین ہو گی اس کا اندازہ اسے صبح ہوا جب اسے دروازہ کھولنے پر فلک کی جگہ کوئی اور چہرہ نظر آیا۔

"آپ کی تعریف؟" حالانکہ وہ یونیفارم دیکھ چکا تھا۔ حالانکہ وہ اس کا بیج نمبر نوٹ کر چکا تھا۔ حالانکہ وہ اسے پہچان چکا تھا۔ وہ لڑکی وہی تھی جو پہلے فلک کی ریپلیسمنٹ میں آئی تھی۔ وہ لڑکی آج پھر

وہاں تھی۔ کیا فلک پھر سے چھٹیوں پر تھی؟ پر کیوں؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک تھی؟ وہ بیمار تو نہیں ہوئی؟ بدترین خدشات اس کے دماغ میں پر مارنے لگے۔ وہ لمحے میں بری طرح بے کل ہوا تھا۔ وہ لمحے میں بے چین ہوا۔

"میں تھرٹی تھری کی ریپلیسمنٹ میں اپائنٹ ہوئی ہوں۔ آج سے میں ہی آپ کے گھر ڈیوٹی دوں گی۔" تعجب کی آخری سیڑھی پر کھڑا وہ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں برف گر رہی تھی۔ اس برف سی سفیدی ہی سامنے کھڑے ہینڈسم سے لڑکے کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ لڑکی تذبذب کا شکار ہوئی۔

"مجھے۔" اس نے نظر جھکائی کچھ سوچا پھر سر اٹھا کر اس لڑکی کو دوبارہ دیکھنے لگا۔ جن آنکھوں میں سب سے پہلے اس کا چہرہ ثبت ہوتا تھا۔ جس چہرے سے اس کے دن کی شروعات ہونے لگی تھی۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔ وہ اب وہاں کبھی نہیں ہو گا یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آئی آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فلک، کہاں ہے وہ؟" لڑکی نے اپنے کان کی پشت کو کھجایا۔ شاید یہ اس کی عادت تھی۔ وہ بات کرنے کے دوران تیسری بار ایسا کر رہی تھی۔

"اس کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ وہ اب اس کالونی میں کام نہیں کرتی۔ گہرائی کا مجھے علم نہیں ہے۔" نوح کی نظر اس لڑکی کی ہاتھ کی جنبش پر گئی۔ فلک بھی تو کبھی کبھی ایسا کرتی تھی۔ اور وہ تفکر کے عالم

میں اس کے کان کی پشت دیکھ لیا کرتا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے اس کے کان کے پیچھے کی سائیڈ خشکی کے باعث پھٹنے لگتی تھی۔ اسے اس میں خارش ہوتی تھی۔ وہ اسے آئنمنٹ سجیسٹ کرتا تھا اور وہ لگا لیا کرتی تھی۔ اس کا کان مزید سرخ نہ ہو۔ اسے تکلیف نہ ہو۔ وہ پک نہ جائے یہ سب فکریں اس کیلئے ہی تھیں۔ اب وہ نہیں تھی تو فکر بھی مفقود ہو گئی۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا کر لڑکی کو اندر جانے دیا اور خود باہر آ گیا۔ نظریں آسمان پر تھیں۔ اسے وہاں اس کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ فیصلہ کیا پھر اندر جا کر اپنا کوٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا لایا۔ وہ سیدھا واش اینڈ شائن گیا تھا۔ وہاں جا کر اس نے فلک کے بارے میں پوچھا۔

"وہ پاکستانی ہے۔ اچھی کک ہے اور سب سے بڑی بات میری بہن کے ساتھ اس کی اچھی خاصی بنتی ہے۔ اس لیے ہمیں فلک ہی مطلوب ہے۔ آپ مہربانی کر کے اسے دوبارہ ہمارے گھر فکس کر دیں۔" اس نے التجا کی تھی سنجیدہ چہرے اور سرد آواز کے ساتھ، اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی اس کے بارے میں کیا سوچے گا۔ اس کے دماغ میں اس وقت یہی تھا کہ فلک کو اس وقت اس کے گھر ہونا چاہیے۔ اور وہ نہیں ہے۔ وہ نہیں تھی تو کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ سانس، نہ دل، نہ دھڑکن، نہ زندگی۔۔۔۔

"ٹرانسفر فقط ایک بار ہوتا ہے اور یہ ہماری کمپنی کا اصول ہے پھر بھی میں دیکھوں گا اگر کچھ بن گیا تو۔ لیکن اس وقت ہماری مجبوری ہے۔ ہم آپ کو کام کی جگہ کا پتا نہیں دے سکتے۔ امید ہے آپ

سمجھ رہے ہوں گے۔" وہ ایکدم چونکا۔ اس کے باس کی آنکھوں میں پل بھر کو جھانکا۔ وہ اسے فلک کا کوئی اسیر سمجھ رہا تھا۔ اسے سامنے کھڑے لڑکے سے خدشات ہو رہے تھے۔ اگر وہ ایک لڑکی کے پیچھے کام والی جگہ جا کر کوئی پرابلم کھڑی کر دے گا تو ان کی کمپنی کا نام خراب ہو جائے گا۔ وہ اپنے ورکرز اور ان کی پرائیوٹ لائف کو کافی سیکور رکھتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ فکر انہیں ورک پلیس کی ہوتی تھی۔ آخر کو اس سے ہی تو ان کی یہ کمپنی چل رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے فلک کا نمبر ڈائل کیا تھا وہ بند جا رہا تھا۔ وہ نو بجے کے قریب اس اسٹور میں گیا تھا جہاں فلک خوشی کی جگہ پر کام کرتی تھی لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ پوچھنے پر جو جواب اسے ملا وہ اس کے حواس مختل کر گیا۔

"جاب کیوں چھوڑ دی اس نے؟" اس نے سوال کیا تھا۔ جواب سے پہلے اس کے فون پر کال آنے لگی تھی۔ اس نے جینز کی جیب سے فون نکال کر کال اٹینڈ کی۔ وہاں سے ملتی خبر سن کر وہ دوڑا چلا آیا۔ آج کا دن برا تھا۔ آج کا دن بے حد برا تھا۔ اس کے دماغ میں مائیر کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح برسنے لگے تھے۔

"غفران انکل اچانک بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ان کی نبض بہت آہستہ چل رہی ہے۔ ہم انہیں ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔ تم وہیں آ جاؤ۔" غفران فٹ رہتے تھے۔ ایک دم چاک و چوبند انہیں کبھی کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ شاذ و نادر ہی بیمار ہوتے تھے اور جب ہوتے تھے تو بہت خطرناک بیمار ہوتے تھے۔

فلو ہوتا تھا تو بے حد ہوتا تھا۔ بخار ہوتا تھا تو انتہا کا ہوتا تھا۔ اور اگر ایکسیڈنٹ ہو جائے تو پناہ، اس بار کیا ہوا تھا۔ اس بار کیا؟

اس نے غصے کے عالم میں ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسکول پاس تھا۔ سنگنلز پر کیمرے لگے تھے۔ وہ جانتا تھا کچھ ہی دیر میں اس کے پاس جرمانے کی سلپ آجائے گی۔ اسے پرواہ نہیں تھی۔ اسے جلد از جلد غفران کے پاس پہنچنا تھا۔ وہ پہنچ گیا۔ کمرے میں سب سے پہلے ان سے ملنے جانے والا وہی تھا۔ وہ گھبرائے دل کے ساتھ لپکتے ہوئے ان کے پاس جا کر بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا تھا۔ کیسے؟" وہ ان کا چہرہ ٹٹول رہا تھا۔ مخاطب ڈاکٹر تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا اس کو یہ بہت بڑا پلانر ہے۔" بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھے غفران کے لبوں کو مسکان نے چھوا تھا۔ ان کا دوست جو یہاں کا آن ڈیوٹی ڈاکٹر تھا ڈرپ میں کچھ انجیکشنز لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نوح بھونچکا رہ گیا۔ نا سمجھی کے عالم میں اس نے ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو لڑکے، اپنی نظروں کے پیغام کو اس آدمی کی جانب موڑو جس نے پندرہ منٹ قبل مجھے فون کر کے کہا کہ وہ بیمار ہو کر میرے پاس آرہا ہے اور مجھے اس کے بڑے بھائی کو کہنا ہے کہ وہ شدید بیمار ہے۔" نوح کی ابرو آپس میں مل گئیں۔ اس نے گردن غفران کی جانب موڑی جو شانے اچکا گئے۔

"میرا بھائی تمہارے ساتھ ساتھ میرا بھی سہرا سجانے کے خواب دیکھنے لگا ہے۔ مجھے ثابت کرنا تھا اسے کہ میں شادی والی عمر سے نکل چکا ہوں۔ اس کے سوا مجھے کوئی حل نہیں سوجھا۔" نوح کا تو دماغ پھٹ گیا۔ وہ کتنی پریشانی، کتنی ریش ڈرائیونگ کر کے وہاں آیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے تھے۔ دل بیٹھا جا رہا تھا اور یہاں یہ موصوف مزے سے بیٹھ کر اس کے دل کو مزید بٹھا رہے ہیں۔ واہ کمال ہے۔

"چاچو ایسے، اس طرح۔ میں، میں پریشان ہو گیا تھا۔" غفران نے اس کی بھوری آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں دیکھ لی تھیں۔ انہیں اس وقت اپنے بیٹے پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"اسی طرح نوح، بھائی کو اسی طرح روکا جا سکتا ہے۔" وہ ہنکارہ بھرتا ہوا بیڈ سے اٹھا۔ کنپٹی کی پھڑکتی رگ میں ابھی تک ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"انہیں فرق نہیں پڑے گا۔ وہ کل تک بھول جائیں گے۔" غفران کا دوست اوورآل کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مزے سے سارا سین ملاحظہ فرما رہا تھا۔ آگے کی اسکرپٹ بھی دماغ میں ترتیب دیے جا رہا تھا جو اسے باہر جا کر سنانی تھی۔ لیکن یہ کیا۔ اسے منع کیوں کر دیا گیا۔

"اگر بیماری بڑی ہو گی۔" نوح نے درشتی سے ان کی بات کاٹی تھی۔

"خبر دار، خبر ادر اگر جو فضول کچھ پلان کیا تو، کوئی بیماری نہیں ہے آپ کو اور نہ ہی ہو گی ان شاءاللہ، یہ آرام کی کمی کہ وجہ سے بے ہوش ہوئے ہیں آپ نے یہی کہنا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو واللہ میں عزت کی پرواہ کیے بغیر آپ کا بھانڈا پھوڑ دوں گا اینڈ آئی۔۔۔ مین اٹ۔" غفران کے کھلتے لبوں پر اس نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔ اس کا دن، دل، موڈ سب خراب ہو چکا تھا۔ وہ برے دل کے ساتھ کمرے سے باہر آیا اور کسی کو کچھ بھی کہے بغیر ناک کی سیدھ میں چل دیا۔

"فلک جانے کیوں چھوڑ گئی۔"

آج اکتیس دسمبر تھا۔ نیو ائیر نائیٹ، ان کا گھر اچھا خاصا سجا تھا۔ حالانکہ گھر میں کسی نے نہیں رہنا تھا۔ سب نے فائر کریکس دیکھنے جانا تھا۔ اس بار طے ہوا پوری فیملی ایک ساتھ جائے گی۔ یہ پلان غفران نے بنایا تھا۔ وہ ان کو انکار نہیں کر سکا لیکن وہ فلک سے کیا وعدہ بھی نہیں بھول سکا تھا۔ وہ اس کے پاس جانے کیلئے تیار ہو رہا تھا۔ سیاہ جینز، گرے ہوڈی شرٹ، بھورے اسنیکرز اور سیاہ ریسٹ واچ۔

"کافی ہینڈسم لگ رہے ہو۔" وہ خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا جب اچانک ایشل اس کے کمرے میں آئی تھی۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت گھر میں بہت کم ہی کوئی ہوتا تھا۔ آج بھی وہ تنہا ہی تھا۔ اس نے ناگواریت سے ایشل پر نظر اچھالی۔ بے ہودہ لباس میں وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جسم

سے چپکے ہوئے کپڑے یوں بھی اسے لڑکیوں پر بے حد برے لگا کرتے تھے۔ جب سے اس نے فلک کو اوور سائز کے کپڑوں میں دیکھنا شروع کیا تھا تب سے تو زیادہ ہی وہ چپکے ہوئے کپڑوں سے خار کھانے لگا تھا

"لگتا ہے تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی، کمرے میں آتے ہیں تو ناک کرتے ہیں۔" وہ دبی آواز میں پھنکار رہا تھا۔ وہ مزے سے سنی ان سنی کیے اندر آئی اور اس کے بیڈ پر کہنیوں کے بل نیم دراز ہو گئی۔ نوح اسے دیکھ کر تمسخر سے مسکرا دیا۔

"تم سکھاؤ دو مجھے تمیز۔" اس نے ایک ادا سے کہا۔

"جیسا کہ میں نے سوچا تھا۔ کیری آن۔" وہ واپس رخ موڑ کر خود کو آئنے میں دیکھنے لگا۔

"یعنی تم پر کوئی حربہ کام نہیں آئے گا۔ ٹھیک ہے شادی فیملی کی مرضی سے ہو رہی ہے اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے تم مجھے نظر انداز کر دو۔" نوح نے پرفیوم کی شیشی پر ڈھکن چڑھایا پھر رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ جینز کی جیبوں میں چلے گئے تھے۔ وہ تھوڑا خود کو فولڈ کر کے کہہ رہا تھا۔

"تم برہنہ بھی ہو جاؤ تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں پھر بھی تمہیں ایک ڈاکٹر کی نظر سے ہی دیکھوں گا۔ اس لیے میچورٹی کا لبادہ اوڑھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" تیر کمان سے ابرو اچکائے وہ بڑے ہی کڑوے لہجے میں مخاطب تھا۔ لہجے کی نیلاہٹ نے ایشل کو بھی نیلو نیل کر دیا۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے ڈس ریسپیکٹ کر سکتے ہو۔" وہ پھر سے مسکرایا۔اس کی قاتل تضحیک آمیز مسکان۔

"آئی تھنک میں کر چکا ہوں۔یو مے لیو ناؤ۔" وہ ایکدم کھڑی ہو کر اس کے مقابل آئی، بے حد قریب۔اس سے قد میں برابر، جاذب نظر۔

"نوح جبران۔۔۔دی ریجیکٹڈ اولاد، تمہیں لگتا ہے تم جیسے بچوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔کوئی مقام ہوتا ہے۔معاشرے کو کیسے فیز کرتے ہو گے تم چیچ چیچ چیچ کتنا برا لگتا ہو گا نا، باپ کا نام تو ہے مگر ایکچوئل پہچان نہیں ہے۔ماں کون ہے چچ کوئی نہیں جانتا۔خاندان قبولتا نہیں ہے۔گرل فرینڈ نے عزت کی دھجیاں اڑا کر چھوڑ دیا۔بہت برا ہوا۔" اسے لگا تھا وہ بھڑک جائے گا۔اسے لگا تھا وہ چیخے گا چلائے گا توڑ پھوڑ کرے گا پھر کہیں جا کر اس کی انا کو تسکین پہنچے گی۔بھلا کوئی اسے ذلیل کرے اور اس کے پاس بیک اپ نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے۔ناممکن۔۔

مگر سب الٹ ہو گیا۔کچھ بھی ویسا نہیں ہوا جیسا اس نے سوچا تھا۔وہ ایک بار پھر سے مسکرایا تھا۔دل سے مسکرایا تھا۔

"یونولیڈی، تمہاری ان باتوں کی وجہ سے مجھے اس سے اور زیادہ محبت ہو گئی ہے۔ تم، عروبہ پوری دنیا ایک جیسی ہے مگر وہ الگ ہے۔ بالکل الگ۔" اس پر آرام سے انگارے پھونک کر وہ واپس آئینے کی جانب مڑا۔ بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یعنی تم۔۔۔ تم کسی کو پسند کرتے ہو؟" کھائی میں سے آواز آئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اور کیسے ہو گیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم اس قابل ہو میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ بھول ہے۔ راستہ دو۔ پرے ہٹو۔ ایکسکیوز می۔" کہنی سے اسے پیچھے دھکیل کر وہ سیٹی بجاتا وہاں سے چلا گیا۔ ایشل مٹھیاں بھینچے دانت پیسے وہاں کھڑی رہی۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ آج رات نوح جبران کو ذلیل کر دے گی۔ وہ بہت مزے سے اسے یوں سلگتے ہوئے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اس کی تذلیل ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے یوں رسوا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اگنور کرنے والی چیز تو نہیں تھی۔ وہ یوں انسلٹ کیے جانے والی چیز تو نہیں تھی۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی۔ کیسے ہوئی اس کی ہمت کہ وہ اسے یوں اس طرح بری طرح رد کر کے جائے اور پھر اسے کوئی فرق بھی نہ پڑے۔ اس کی باتوں کا اور نہ ہی اس کے طعنوں کا۔ جیسے وہ ان سب کا عادی ہو گیا ہو۔ جیسے وہ عادی نہ ہو بس دکھاوا کر رہا ہو۔ ہاں ایسا ہی ہو گا۔ وہ دکھاوا کر رہا ہو گا۔ وہ کس طرح اس طرح کے سنگین جلموں کو مسکرا کر نظر انداز کر سکتا ہے۔ وہ کس طرح ایسا کر سکتا ہے۔ کیا واقعی، کیا واقعی جو اس نے کہا وہ سچ تھا۔ کیا واقعی وہ کسی اور کی محبت میں مبتلا تھا؟

"نہیں نہیں، ایسا بالکل نہیں ہو سکتا۔ بھلا اسے کون منہ لگائے گا۔ وہ جان بوجھ کر مجھے ذلیل کرنے کیلئے ایسی باتیں کر رہا تھا۔ ورنہ وہ، اس کی حقیقت، ہضم کرنے کے قابل ہے۔ ہونہہ۔"

وہ سر جھٹک کر اس کے کمرے سے چلی گئی تھی۔ شام کو سیر ااور مائیر غفران کے ساتھ چہل قدمی میں مصروف تھے۔ ان کے ساتھ نوح بھی تھا۔ وہ آدھے راستے میں ہی تھا جب سیر انے فون کر کے زبردستی اسے بلوالیا۔ اس نے کتنے بہانے گھڑے مگر اس لڑکی پر مجال ہے کوئی اثر ہوا ہے۔ اسے بس نوح دس منٹ میں اپنے سامنے چاہیے تھا اور وہ پہنچ گیا تھا۔ سڑے ہوئے منہ کے ساتھ وہ ان تینوں کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا۔ جو جبران کے ساتھ آئی چھپکلی کو بھگانے کی پلاننگ کر رہے تھے۔

"میرا یہاں کیا کام؟" وہ رات ہونے سے پہلے پہلے فلک تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس لیے بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ مائیر نے اس کی بے چینی بھانپ لی۔ مسکراتے لب مسکراہٹ میں ہی ڈھلے رہے۔ وہ نوح کے راز کو راز ہی رکھ رہا تھا۔ وہ منتظر تھا نوح اسے خود سب بتائے مگر اس لڑکے کا انتظار افف وہ بہت طویل ہو رہا تھا۔ اتنا کہ اب وہ اکتانا شروع ہو چکا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ مائیر کی کار میں نو ائیر کیک پڑا تھا۔ غفران اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چہل قدمی میں مصروف تھے۔ یہ لوکل پارک تھا۔ ایک سیو جگہ، وہ جانتے تھے۔ جبران اور ان کی چہتی چھپکلی نے اس عام سے پارک میں آنا اپنی توہین سمجھنا ہے۔ اس لیے انہوں نے آج کی یہ میٹنگ یہیں رکھی تھی۔

"تمہارا ہی تو سارا کام ہے۔ تمہاری ہی وجہ سے تو ہم مہمان کو بھگانے کا پلان بنا رہے ہیں۔ مفت کا گناہ کما رہے ہیں۔" مائیر نے گھاس پر موجود ننھے پتھر کو ٹھوکر ماری تو وہ اڑتا ہوا ایک عورت کے بازو پر جا لگا۔ وہ بچوں کی طرح غفران کی اوٹ میں ہوا تھا۔

"تمیز تہذیب سب بھول گئے ہو تم۔" غفران نے اسے لتاڑا تھا۔ وہ عورت آئی۔ برٹش لہجے میں تیز تیز انہیں بکتے جھکتے چلی گئی۔ ساتھ میں حرجانہ بھی لے گئی کہ اس کا بازو ننھے سے پتھر سے زخمی ہوا تھا۔

"چھوٹے سے پتھر سے کیا ہوتا ہے۔" مائیر ہولے سے منمنایا تھا۔

"چھوٹے سے پتھر سے موت ہو جاتی ہے۔" انگریز اور ان کی اپنی ہی فلاسفیاں، اس نے کڑوا منہ بنا کر اس عورت کے ہاتھ پر چند پاؤنڈز رکھے۔ سیرانے بڑی ہی دلچسپی سے اس صورتحال کو ملاحظہ فرمایا تھا۔

"فلک جانے کیوں جاب چھوڑ گئی۔" اس نے اچانک کہا تھا۔ نوح نے کن انکھیوں سے اس کو دیکھا۔

"ہاں صحیح کہا اچھی بچی تھی۔ بھائی اور ان کی ضدوں میں ایسے پھنسے کہ پھر اس پر دھیان ہی نہیں دے سکے۔ بہر حال میں سوچ رہا ہوں ہم دونوں بیٹھ کر دوٹوک بھائی سے بات کریں۔ تمہیں ایشل نہیں پسند تم برملا اظہار کر دو۔ نہیں مانیں گے تو روپوش ہونے کی دھمکی دے دو یا پھر کہہ دو تم کسی

اور سے محبت کرتے ہو۔اسی سے شادی کرو گے۔میں بھی اسی پلان پر عمل کروں گا۔بڑے چھوٹے کالحاظ بھول کر سختی سے منع کر دوں گا بعد میں پھر معافی مانگ لوں گا۔"اتنی دیر کی چہل قدمی کے بعد ان کے دماغ میں بس یہی آئیڈیا آیا تھا۔مائیر نے نوح کی جانب رخ کیا۔

"ان کی طرح ان کے آئیڈیاز بھی بے کار ہیں۔"کان میں پھسپھساہٹ کی تھی۔مجال تھی جو اونچی آواز میں کہنے کی گستاخی کرتا۔ایسا ہوتا تو دوبار اس کی روح آسمان پر پرواز کر چکی ہوتی۔نوح کا موڈ تاہنوز خراب تھا۔اسے فلک سے ملنا تھا۔اسے دیکھنا تھا۔اسے اس کی بری طرح یاد آرہی تھی۔لیکن اس کی فیملی افففف۔

"ہم یہاں پر کب تک چہل قدمی کریں گے؟"اس نے اکتا کر کہا تھا۔سیرانے اس کے شانے سے شانہ مس کیا۔وہ چاروں لائن میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے چل رہے تھے۔

"جب تک آسمان رنگ بہ رنگی روشنیوں سے نہیں سج جاتا۔یہ ہمارا دن ہے اور اسے ہم سب ساتھ سیلیبریٹ کریں گے۔"نوح کو یک لخت فلک سے کیا اپنا وعدہ یاد آگیا۔وہ ساری پلاننگز یاد آگئیں جو اس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔وہ آج اسے پرپوز کرنے والا تھا۔وہ آج باقاعدہ اسے پرپوز کرنا چاہتا تھا۔اس کے گھر والے ولن کی طرح اس کی کہانی کی اسکرپٹ میں کود پڑے تھے۔اس نے احتجاج کیا بھرپور کیا۔

"میں تو نہیں رکنے والا، ابھی تھوڑی دیر میں فوراً چلا جاؤں گا۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔" غفران نے اسے جھڑک دیا تھا۔ وہ پریشان تھے۔ انہیں حل چاہیے تھا۔ س کیلئے ان چاروں کا آج ایک ساتھ رہنا بے حد ضروری تھا۔ ورنہ پانی سر سے اونچا ہو جائے گا اور وہ اس میں سانس نہیں لے پائیں گے۔

"تمہارے کام کی ایسی کی تیسی، چپکے بیٹھے رہو یہاں پر خبر دار جو کوئی چوں چراں کی تو۔" وہ بھڑک اٹھے تھے۔ برگد کے گھنے پیڑ تلے تینوں ایک ساتھ سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سبز رنگ کی مصنوعی جھیل تھی جس پر برف کی موٹی تہہ بچھ گئی تھی۔ اس جھیل پر سنو اسکیٹنگ کرتے کافی لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ جھیل کے جمے ہوئے پانی کا عکس برف پر جھلمل کر رہا تھا۔ جس کے سبب وہ برف بھی سبزی مائل ہی دکھ رہی تھی۔ مائیر کا بڑا دل کیا وہ سیرا کے ساتھ اسکیٹنگ کرے مگر ہک ہا دو اضافی لوگ اس کی رومانٹک خواہش کے سامنے ظالم سماج بن کر بیٹھے تھے۔ اس نے ایک اور گہری سانس بھری۔

"اور تم یہ آہیں بند کرو کچھ سوچو یہ نہ ہو کہ میں تم پر بھی پھٹ۔" وہ اچانک چپ ہوئے تھے۔ ان کی بولتی ایسے بند ہوئی جیسے وہ منہ میں زبان ہی نہ رکھتے ہوں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے جو منظر تھا وہ جاویدہ تھا۔ جو وجود تھا وہ حقیقی تھا۔ ہاں وہ سچ ہی تو تھا۔ ایک خوشگوار سچ۔۔۔ ان کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔ گلابی کافتان میں ملبوس پنڈلیوں تک چھوتے بھورے اونی کارڈیگن پہنے بلاشبہ وہ، وہی

تھی۔ سر پر رومال بندھا تھا۔ بالکل سادہ بھورا رومال، سفید رنگت، آنکھوں پر چشمہ اور پاؤں کے ساتھ لگ کر چلتی اس کی سوزی۔ وہ بھی انہیں دیکھ چکی تھی۔ تھم گئی بس کچھ لمحوں کو، ارتعاش تو ان کی دھڑکنوں میں بھی برپا ہوا تھا۔ بیٹ تو ان کے دل کی بھی مس ہوئی تھی۔

"ہم دو دیسوں کے اجنبی لوگ ہیں۔ ہمارے رواج، روایات، اقدار کچھ بھی تو میل نہیں کھاتے۔ پھر بھی دل بری طرح ایک دوجے میں الجھ چکا ہے۔ میں تم سے شادی تو کرنا چاہتی ہوں غفران، لیکن میں اپنے والدین کا سر شرمندگی سے نیچا نہیں کر سکتی۔ میں ان کو دکھ نہیں دے سکتی۔ میں معذرت کرتی ہوں تمہاری زندگی میں آنے کیلئے۔"

وہ آخری ملاقات، وہ آخری جملے، وہ آخری بات، وہ آخری شام ایک لمحے کیلئے ان دونوں کے سامنے سے سرک کر گزر گئی۔ وہ غفران جو کبھی پڑھائی کی غرض سے امریکہ گیا تھا۔ ہمیشہ کیلئے اپنا دل بتول بخت کے قدموں میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ بتول بخت تھی۔ ایک

مصری، خوبصورت، ذہین، سمجھ دار اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی۔ اسے بھی تو وہ پاکستانی الھڑ بے حد بھایا تھا۔ دونوں میں کب دوستی ہوئی کب محبت پروان چڑھی پتہ ہی نہ چلا۔ قدموں سے زمین تو تب نکلی جب معلوم ہوا کہ بتول بخت کو اس کے والد محترم پہلے سے ہی کسی کے عقد میں دے چکے ہیں۔ وہ نئی نسل کی نئی لڑکی تھی۔ احتجاج کر سکتی تھی کیا۔ مگر باپ کی آنکھوں میں چھلکتے ٹوٹے مان کے آنسو اس کا دل مٹھی میں قید کر گئے۔ اس نے دل کو مضبوط کر لیا۔ جذباتوں کو جکڑ لیا۔ اپنے پیچھے پاگل

اس مشرقی کو اس نے رد کر دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ کبھی ان کا رد کیا ہوا شخص سالوں بعد انہیں یوں ملے گا۔ اس کے دائیں بائیں بیٹھے بچے، کیا وہ بچے اس کے تھے؟ ان کے دل میں ایک سوال اٹھا، بے وجہ کا سوال۔ انہوں نے نظروں کو پھیر لیا۔ مگر غفران نہیں پھیر سکے۔ گزرے مہ وسال عکس بن کر ان کی آنکھوں میں جھلملانے لگے تھے۔ جس کی خاطر آج تک وہ تنہا تھے اور تاحیات تنہا رہنا چاہتے تھے۔ وہ آج یوں ڈوبتے سورج میں ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بت بن گئے۔ مائیر نے آئی بالز غفران کے چہرے کی سمت کی۔ وہ جان گیا سامنے کھڑی عورت کون ہے۔ وہ اچھے سے انہیں جانتا تھا۔ اس کی جاسوس فطرت نے غفران کی ایکس تک اس کی رسائی کر دی تھی۔ اس نے کھوج لگا کر غفران کی پہلے ہی ساری ہسٹری حاصل کر لی تھی۔ وہ کیوں شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کیوں موو آن نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ کیوں اب تک پکے کنوارے تھے۔ اس کو ایک ایک بات معلوم تھی۔ بتول بخت معلوم تھی۔ بس وہ چہرے سے ہی آشنا تھا۔ وہ چہرہ ادھیڑ عمر میں بھی اتنا حسین ہو گا اس نے سوچا نہ تھا۔

"اب سمجھ میں آیا آپ اب تک کنوارے کیوں ہیں۔ ایسی عورت کیلئے تو انسان سات جنم تیاگ دے۔" مائیر اور اس پر اثر انداز ہوتے گھٹیا سیریل کے سستے ڈائیلاگز۔

"جائیں جا کر بات کریں۔" اس نے اپنا شانہ ان کے شانے سے ٹکرایا۔ سیر ادونوں کی کھس پھس سننے کی سعی میں تھی۔ "جائیں نا، نائنٹیز کے ہیروں کی طرح کیوں پتھر بن گئے ہیں۔ اٹھیں بھی۔"

اس نے باقاعدہ انہیں دکھادے کر کھڑا کیا تھا۔نوح نے استعجاب کے عالم میں چاچو اور مائیر پر نظر ڈالی پھر اس کی نگاہ بھی گھوم کر اس پری پیکر پر جا ٹھہری تھی جو اس کے چاچو کا دل تھی۔وہ انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہوا تھا جیسے سنگی بینچ پر اسپرنگ لگ آئے ہوں۔غفران سے پہلے وہ ان تک پہنچا تھا اور اب انہیں سلام کر رہا تھا۔

"ہیں یہ کیوں ولن کی طرح درمیان میں کود اپڑا ہے۔"مائیر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔اسے اس وقت پاپ کارن باؤل کی شدت سے یاد آرہی تھی۔لائیو موووی کون خالی منہ دیکھے بھلا۔

"تم غفران کے بیٹے ہو؟"رسمیٔ علیک سلیک کے بعد انہوں نے شائستہ سے لہجے میں دریافت کیا پھر تھوڑا سا مسکائیں۔"دراصل میں اور غفران دوست رہ چکے ہیں۔"نوح نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔اس کے عقب میں غفران ابھی تک شش و پنج کے عالم میں کھڑے تھے۔مائیر تب تک سیر اکو سب کچھ بتا رہا تھا۔وہ جوں جوں سن رہی تھی توں توں اس کے چہرے کے تاثرات میں تحیر گھلتا جا رہا تھا۔

"میں سب جانتا ہوں۔آپ۔۔۔آئیں کسی دن ہمارے گھر،یہ تصویر؟"بتول نے ماتھے پر تین انگلیاں ماریں پھر تصویر کا رخ اس کی طرف کر دیا۔وہ اس میں موجود چہرے کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا بے چینی سے ان کے چہرے کو ٹٹولا۔بتول سے اس کے تاثرات مخفی نہیں رہے تھے۔

"یہ میرے گھر آتی تھی پھر اس نے آنا بند کر دیا۔ اب تو بہت عرصہ ہو گیا غائب ہے۔ میں نے اس کی ہر ورک پلیس پر پتا کر لیا۔ وہ وہاں بھی نہیں ہے۔ وہ یہاں آتی ہے تو سوچا کسی سے معلوم کر لوں۔ تصویر دیکھ کر ہی کوئی پہچان جائے اور بتا دے۔ دراصل یہ بچی میڈیکلی فٹ نہیں ہے اس لیے میں اس کیلئے پریشان ہو جاتی ہوں۔ بہت محنتی ہے۔" سورج ڈھل چکا تھا۔ آسمان سرخ ہو کر سیاہ ہونے لگا۔ ٹھنڈ کی شدت بڑھنا شروع ہوئی۔ نوح کے گالوں پر تمازت پھیلی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ فلک ہے۔ یہ ہمارے گھر بھی آتی تھی۔" اس کے دل میں ہلچل شروع ہو چکی تھی۔ اس نے سر جھکا کر نظریں ادھر ادھر گھمائیں۔ ہونٹوں کو تر کرتے لب میں عجلت تھی۔ تھوڑی میں لرزش شروع ہوئی۔ بتول کی نگاہ جہاندیدہ تھی۔ اس طرح کی صورتحال سے کبھی وہ بھی تو گزری تھیں۔ پہچان گئیں۔

"رابطہ ہے آپ کا؟" سوال پر اس نے نظریں اٹھائیں۔ کہانی بول اٹھی۔ وہ گردن موڑ کر غفران، سیرا اور مائیر کو دیکھنے لگا جو بس اسی پر نگاہ ٹکائے ہوئے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہت عرصہ سے ہمیں بھی نہیں معلوم، آپ آئیں بیٹھیں ہمارے ساتھ۔" وہ مسکرا دیں۔ ان کی مسکان آج بھی کتنی خوبصورت تھی۔ غفران جہاں کے تہاں ہی کھڑے رہ گئے۔

"نہیں سوزی سے سردی برداشت نہیں ہوتی اس لیے اب میں چلوں گی۔" پھر انہوں نے تھوڑی دور سراپا سوال بنے شخص پر نظر ڈالی، کارڈیگن کی جیب میں موجود والٹ نکالا، بھورے رنگ کے والٹ کی چوڑی زپ بڑی چمکدار تھی۔ انہوں نے ایک کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ "میرا نمبر اور پتا ہے۔ مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔" وہ بات مکمل کر کے چلی گئی تھیں۔ یہ وہی دن تھا جس کی شب میں وہ حادثاتی طور پر فلک سے ریستوران میں ملی تھیں۔ انہوں نے وہاں فلک کو بتایا تھا کہ وہ اس کو ڈھونڈتی آئی ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر وہ لڑکی کتنی آبدیدہ ہو گئی تھی۔ پاگل تھی وہ لڑکی بھی۔

ان کے جاتے ہی مائیر اور سیرا گولی کی اسپیڈ میں اس تک آئے تھے۔ مائیر نے اس کے ہاتھ سے کارڈ جھپٹا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟" سوال سیرا کی جانب سے آیا تھا۔ نوح نے مغلوب دل کے ساتھ زمین کی قید میں کھڑے غفران کو دیکھا۔ پھر اس کی آواز وہاں گونجی تھی۔

"انہوں نے کہا۔۔۔ وہ مراسم بڑھانے کیلئے تیار ہیں۔"

دور آسمان پر فائر ورکس شروع ہو چکے تھے۔ اس کی روشنیاں ان سب کے چہرے و آنکھوں پر پڑ رہی تھیں۔ غفران نے پلک جھپک کر نظروں کو بکھیر دیا۔

فرخندہ نے حواس باختہ انداز میں فون رکھا تھا۔ان کے تو گویا ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔چہرہ فق ہو گیا۔بدن کپکپا اٹھا۔انہوں نے لمحے کے ہزارویں حصے میں فیملی گروپ میں وائس نوٹ بھیجا۔

"فلک کو، فلک کو غیر ملکی پولیس نے پکڑ لیا ہے۔اس نے کسی کا قتل کر دیا ہے۔پولیس ہم تک پہنچنا چاہتی ہے اس لیے فوراً اس کا نمبر بلیک لسٹ میں ڈالو، میں نے کہا فوراً۔"ان کا میسج سنتے ہی دونوں بھابھیاں اور مینہ دوڑتی ہوئی ان تک آئی تھی۔فرخندہ کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔وہ بس بے ہوش ہونے کے دہانے پر تھیں۔مینہ نے جلدی سے ماں کو پانی پلایا مگر ان کی طبیعت نہیں سنبھلی۔اتنے میں بھاگتا دوڑتا امین بھی وہاں آ گیا تھا۔ڈاکٹر کو بلایا گیا۔شوگر لو ہو گیا تھا۔شام تک وہ سنبھلیں تب جا کر سب نے منہ کھولے۔

"امی ہم نے فلک کے نمبر کو بلاک کر دیا ہے مگر آپ کھل کر تو کچھ بتائیں۔"فرخندہ نے سر پر کس کر دوپٹہ باندھا ہوا تھا۔فکر سے آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔

"اس نے مار دیا کسی کو، پولیس۔۔۔پولیس اسٹیشن سے فون آیا تھا۔"ماتھے پر دو بل تھے۔تفکر بھری نظر مینہ پر جا ٹھہری۔اب اس کی شادی کا کیا بنے گا۔گاڑی تو لے لی۔کاروبار بھی کب کا شروع ہو گیا۔گھر کے بھی بس دو ایک لاکھ ہی رہ گئے۔جہیز بھی بن چکا تھا۔مگر شادی، وہ عالیشان شہزادیوں سی شادی، وہ کیسے ممکن ہو گی۔کس طرح ہو گی؟ان کے خواب خواب ہی رہ گئے۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے فلک کسی کو نہیں مار سکتی۔" اس کی ہمدرد سب سے پہلے بولی تھی۔ فرخندہ نے کاٹ کھانے والی نگاہوں سے اسے گھورا۔ نظروں کی تپش نے مینہ کو بوکھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ کھلی کھڑکی سے چاندنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ آدھی سے تھوڑی کم ان کے دیوار سے لگے صوفے پر گر رہی تھی۔ امین کا آدھا شانہ اس کی زد میں تھا۔ سمندر سے اٹھ کر آتی ہوائیں بڑی دلچسپی سے کن سوئیاں لیتی وہاں منڈلا رہی تھیں۔ مالٹوں کے درخت سے اٹھتی کھٹی سی خوشبو نے بھی تو دلچسپی دکھائی تھی۔ فرخندہ کی پھٹتی آواز وہاں گونج اٹھی۔

"نہیں تو میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ میرے سر پر سینگ ہیں۔ پاگل ہوں میں جو اپنے گھر آتی رحمت (پیسوں) کا راستہ خود من گھڑت بات کر کے بند کروں گی۔" مینہ چپکی کھڑی رہی۔ ایک تو ان کی طبیعت خراب تھی دوسرا ڈر، وہ جانتی تھی پولیس کے نام سے اس کی ماں کس قدر خوف کھاتی ہے۔ اس لیے اس نے مزید کچھ کہنے سے گریز کر لیا۔ وہ فلک کا نمبر ان بلاک کرنا چاہتی تھی۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ آتے ساتھ ہی امین بھائی نے سب سے پہلے اس کا فون ضبط کر لیا تھا۔ وہ بھی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ وہ بھی کنارہ کر گئے تھے۔

"امین خبردار تم نے اس لڑکی کو فون دیا تو، میں نمبر بلاک نہ کرتی تو اس نے بھی زحمت نہیں کرنی تھی۔ بس آج سے معاملہ ٹھنڈا ہونے تک کوئی اس گھر میں فلک کا نام نہیں لے گا۔ ہم کسی فلک کو نہیں جانتے۔ کوئی فلک ہماری زندگی میں نہیں ہے بسس۔"

یہاں فیصلہ ہو گیا تھا۔ فیصلہ تو وہاں بھی ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی جس کے بچنے کے بیس پرسنٹ چانس تھے معجزاتی طور پر بچ گئی تھی۔ ہاں مگر اس کا بلڈ پریشر مسلسل لو تھا۔ جس کی وجہ سے خطرہ قائم تھا۔ سنئیر ڈاکٹر لائیٹ کے بند ہوتے ہی ماسک اتار کر باہر آئے تھے۔ ڈاکٹر فاؤان کو دیکھ کر کھڑے ہوئے۔ نوح نہیں ہوا۔

"اس لڑکے نے آج مایوس کیا مجھے، میں نہیں جانتا تھا یہ بھی پینک ہونے والوں میں سے ہے۔" انہوں نے ماسک کے ساتھ ساتھ سر پر سے پلاسٹک کی کیپ بھی اتار دی تھی۔ کرسی پر آگے کو جھک کر بیٹھا لڑکا انہیں کچھ ابنارمل لگا۔

"بچی کیسی ہے؟" نوح کا روم روم سماعت بن گیا۔ لب بری طرح بھینچے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست تھیں۔ اس کا دل مدھم لے میں دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی کی کپکپاہٹ واضح ہوئی۔

"فی الحال تو خطرے سے باہر ہے مگر بی پی لو ہے اور یہ کوئی خیر کی بات نہیں ہے۔ سرجری میں پیچیدگی آئی تھی مگر تھینک گاڈ وہ کامیاب رہی۔"

وہ بیٹھا رہا۔ وہ تب تک بیٹھا رہا جب تک اس کا بی پی نارمل ریٹ پر نہیں آ گیا۔ اس کے فون پر فون آ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا فون کرنے والے کون ہیں مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ رات ڈھل کر دن چڑھ

آیا پھر وہ دن بھی ڈھل گیا۔ یہاں تک فلک مکمل طور پر خطرے سے باہر آگئی تھی۔ لیکن تاحال اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ کسی بھی پل ہوش میں آسکتی تھی۔

"تمہیں آرام کرنا چاہیے۔" ڈاکٹر فاؤ نے عقب سے آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے ہولے سے گردن کو جنبش دی۔ اس کی آنکھوں پر پھیلے تفکر سے وہ آشنا ہو گئے۔

"غفران مطمئن ہیں کہ تم میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مریض کے ساتھ خود مریض ہو جاؤ۔ ٹھیک ہے تمہاری جو بھی اس کے ساتھ دلی وابستگی ہے اس کا اثر اپنی صحت پر تو مت ڈالو۔ تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ تمہیں کچھ کھانا چاہیے۔" بیڈ پر نالیوں اور مشینیوں میں جکڑی لڑکی کی پلکیں لرزی تھیں۔ نوح الرٹ ہو گیا۔

"ہم دونوں ساتھ میں کھانا کھائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ کر کہا۔ چہرے و آنکھوں میں تھکن کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کنپٹی میں وقفے وقفے سے ٹیس اٹھ رہی تھی۔ نیند کا غبار تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر چھا رہا تھا۔

"جوان لڑکے، مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنے ضدی ہو گے۔ خدا تم دونوں کا ساتھ برقرار رکھے۔" فلک کی پلکوں کی لرزاہٹ انہوں نے بھی نوٹ کر لی تھی۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے چلے گئے۔ نوح اسی کی جانب متوجہ تھا۔ احتیاط سے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوا۔ نظر اس کی ہارٹ ریٹ پر گئی تھی۔ وہ معمول کے

مطابق رواں تھی۔ بلڈ پریشر دکھانے والی مشین بھی ایک صحت مند انسان والے پوائنٹس دکھا رہی تھی۔ فلک کی لرزتی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ پھر اس کی نم جڑی ہوئی پلکیں ہولے ہولے کھلنے لگیں۔ دھندلا پن بہت واضح تھا۔ سب کچھ جیسے پانی میں تیرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے آدھی سے زیادہ آنکھیں کھول لیں۔ وہ پانی سے لیس تھیں۔ کئی بوندیں تو آنکھوں کے کھلتے ہی لڑھک کر کان کی اوک میں اکھٹی ہو گئیں۔

"فلک۔" ایک جانی پہچانی پکار، ایک محبت سے لیس صدا، ایک لرزتی بکھرتی، ٹوٹتی سمٹتی ڈولتی ہوئی سی صدا۔ اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ دل کی دھڑکن نارمل رہی۔ بلڈ پریشر نہیں گرا۔ آنکھوں میں پانی بھرا رہا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آنسو پونچھ پاتی۔ یہ کام نوح نے کر دیا۔ اس نے اپنی جرسی شرٹ کی آستین کو کھینچ کر مٹھی میں جکڑا اور پھر اسی مٹھی سے باری باری دونوں آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ دھند چھٹ گئی تھی۔ مطلع صاف ہوا۔ وہ سمندر سے خشکی پر آ گئی۔ اسے خود پر جھکا وہ تھکا ہارا سا شخص واضح نظر آنے لگا۔ اس کی بھوری آنکھیں ریت لگیں۔ اس کا چہرہ بے حد ستا ہوا۔ اس کی کشادہ پیشانی سمٹی ہوئی۔ وہ اسے ٹٹول رہا تھا۔ جانچ رہا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھول کر ڈاکٹر فاؤ کے ساتھ دو مزید ڈاکٹر اندر آئے تھے۔

"آنکھوں کی سرخی کیسی ہے؟" ڈاکٹر نے اسے سے پوچھا تھا۔ اس نے چپکے سے بھوری آنکھوں کی قید سے سیاہ مائل آنکھوں کو نکالا۔

"نارمل ہے۔" مٹھی میں ابھی بھی شرٹ قید تھی۔ وہ ہاتھ کو کمر کے گرد باندھ کر پیچھے ہٹا۔ ڈاکٹر اب اس کی آنکھوں میں ٹارچ مار کر دیکھ رہا تھا۔ تیز روشنی کے سبب فلک کے ماتھے پر بل ابھر آئے۔ اس نے پلکیں جھپکا کر سر کو جھٹکا۔ نوح نے ڈاکٹر کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

"میرے خیال سے پیشنٹ ڈسٹرب ہو رہی ہیں۔ آپ سانس لینے کی رفتار چیک کر لیں۔" اس نے جھجھکتے ہوئے فاؤ کو دیکھا پھر واپس پیچھے ہو گیا۔ وہ دونوں ڈاکٹر پورے پندرہ منٹ تک اس کا تفصیلی جائزہ لیتے رہے۔ ٹھیک سولہ منٹ بعد انہوں نے اعلان کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ اب مکمل طور پر خطرے سے باہر ہیں۔" وہ نوح کا شانہ تھپک کر باہر چلے گئے۔ ڈاکٹر فاؤ کو بھی اپنا آپ وہاں مس فٹ محسوس ہوا تھا۔ وہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ ہی سرک گئے۔ ان کے جانے کے بعد نوح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ خالی آنکھوں کے ساتھ اور شاید خالی ہی دماغ کے ساتھ۔ انجان سی، بیگانی سی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا حالانکہ دل کر لا رہا تھا۔ فلک نے ہاتھ بڑھا کر آکسیجن ماسک اتارنے کی کوشش کی۔

"ایسامت کرو، ابھی نہیں کرو۔" وہ رک گئی۔ کیا وہ، وہی تھا؟ یا پھر اس کا وہم؟ کیا واقعی نوح اس کے سامنے تھا؟ وہ انسان جسے اس نے دیکھنے کی امید چھوڑ دی تھی وہ اب یوں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ عین سامنے، بالکل پہلے جیسا۔

"سوال کروں گا تو بس ہلکے سے گردن کو ہلا دینا ہاں یا ناں میں جواب دینا اوکے، میں نے کہا اوکے۔" وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی۔ اس نے جب دوبارہ سوال کیا تو ہولے سے سر کو جنبش دے دی۔

"گڈ، کہیں درد محسوس ہو رہا ہے؟" ناں میں جواب۔

"سانس لیتے ہوئے چیسٹ میں تو کھنچاؤ نہیں ہے؟" وہ دوبارہ تصدیق کر رہا تھا۔ وہ بار بار تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

"اوکے ابڈومنل ریجن میں کسی قسم کی تکلیف؟" پھر سے ناں میں جواب۔

"نیند آ رہی ہے۔ دماغ پر غبار تو نہیں؟" ناں ناں بار بار ناں۔ اس کے دل کو تسلی ہوئی بے حد تسلی۔

"میں ٹھیک سے نظر آ رہا ہوں۔ میری آنکھوں کا رنگ کیا ہے؟" فلک اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ نوح کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ اس نے سر کو جھٹک کر نظروں کو پھیر لیا۔

"تم ٹھیک طرح سے سن رہی ہو۔ری ایکٹ کر رہی ہو۔یعنی تم بالکل ٹھیک ہو۔"وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر کھڑا تھا۔پھر اس نے کلائی موڑ کر گھڑی میں وقت دیکھا۔ہاں عشاء کا وقت ہو گیا تھا۔اسے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی تھی۔واپس گردن اٹھا کر بیڈ پر لیٹی خود کو تکتے پاتی لڑکی کو دیکھا پھر اس نے لبوں سے لفظوں کو آزاد کیا تھا۔

"میں نرس کو بھیج رہا ہوں۔نماز پڑھ کر ابھی آتا ہوں۔تب تک تم آرام کرو۔"اس پر مسکان اچھال کر وہ کمرے سے باہر آگیا تھا۔باہر آنے پر اس کی سانس بے ساختہ خارج ہوئی تھی۔اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں پھر ہولے سے دل کو تھپک دیا جس کی رفتار جانے کیوں اور کیسے بڑھ چکی تھی۔

"کنٹرول۔۔جسٹ کنٹرول نوح،وہ ٹھیک ہے اب۔"

اس کے قدم باہر کی جانب اٹھ رہے تھے۔وہ اپنے پیچھے اس کمرے،کمرے میں موجود لڑکی اور ہسپتال کو پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔

خزاں آلود دن کی ایک دوپہر میں مرجھائے ہوئے پھولوں والے گھر کی کال بیل پر ایک انگلی آن ٹھہری تھی۔ آنکھوں پر چشمہ اور ہاتھوں میں سلائیاں تھامے بتول نے کرسی کی حرکت کو تھمایا پھر گردن موڑ کر رخ دروازے کی جانب کر دیا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" اتوار کی شام تھی۔ سڑکوں پر گہما گہمی تھی۔ ہر طرف جیسے چہل پہل کا سماں تھا۔ انہوں نے جھک کر سلائیاں اون کے گولوں سے بھری ٹوکری میں رکھی اس کے بعد میز پر ہی اس نامکمل سویٹر کو رکھ دیا جسے وہ جانے کس کیلئے بنا رہی تھیں۔ وہ تقریباً پورا بن چکا تھا۔ بس آدھا بازو رہتا تھا۔ سیاہ و سرمئی رنگ لیے تکونی ڈبوں سے سجا وہ سویٹر اس عورت کو وہاں سے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ بتول کے پاؤں سے لگ کر دم اٹھاتی ان کی بلی بھی چل رہی تھی۔ انہوں نے مین گیٹ پر آکر تھوڑا توقف لیا اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ گیٹ کھلنے پر جو چہرہ انہیں نظر آیا تھا وہ انجانا تھا۔ وہ مائیر تھا۔

"ہیلو اسلام علیکم، میں مائیر ہوں غفران انکل کا رشتہ دار۔ یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا آپ سے ملتا چلوں، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" وہ صحت مند سا لڑکا ان کی جانب پھولوں کا چھوٹا سا بکے بڑھاتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔ بتول نے مسکرا کر ان پھولوں کو پکڑا پھر سائیڈ پر ہو گئیں۔ وہ راستہ ملتے ہی اندر آیا تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا مگر نفاست کا پیکر تھا۔ خوبصورت پتھروں کی روش، پودوں سے بھرا لان، سلیقے سے سجا لاؤنج اور نفیس سا ٹی سیٹ، پھولوں والی پرچ اور پھولوں والے کپ میں اسے

چائے پیش کی گئی تھی۔ وہ بھورے صوفے پر تھوڑا سا آگے کو جھکا بیٹھا تھا۔ چائے کی چسکی بھرتے ہوئے اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"غفران کیسے ہیں؟" انہوں نے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ سامنے بیٹھے لڑکے کی جھجھک کو بھانپ گئیں۔ ایک دیوار گیر کھڑکی سے پردے سرکے ہوئے تھے۔ وہاں سے برف گرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس کھڑکی سے دائیں جانب آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ اسی کی گرمائش کے سبب پورے لاؤنج میں حدت پھیلی ہوئی تھی۔

"وہ ٹھیک ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر اس شائستہ لیڈی کو جواب دیا پھر گلا کھنکھار کر مزید سوال کیا۔

"آپ کے شوہر اور بچے؟" سوال جان بوجھ کر درمیان میں چھوڑ دیا۔ نگاہ جان بوجھ کر اطراف میں گھمائی۔ بتول کے لبوں پر استفہامیہ سی مسکان پھیل گئی۔

"میرے شوہر کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور بچے نہیں ہیں میرے۔" اس نے جھٹکے سے انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں تاسف در آیا۔ ایک گمان کہ شاید انہوں نے بھی غفران کی طرح شادی نہیں کی ہو وہ پانی کی طرح بہہ گیا۔ وہ شادی کر چکی تھیں اور اب اپنے شوہر کے چلے جانے پر سوگ منا رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی تکلیف بڑی واضح اور دل شکن سی تھی۔ اس نے پوچھ لیا۔

"کیا آپ ان سے یعنی دلی رفاقت تھی آپ کو ان سے، محبت کرتی تھیں۔"بتول نے جھک کر اپنا کپ اٹھایا۔ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔

"وہ میرے بابا کی پسند تھے پھر میری بھی پسند بن گئے۔ہر ایک کو اپنے شریک حیات سے محبت ہوتی ہے۔مجھے بھی ہو گئی۔یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔"وہ بہت کچھ سمجھ رہی تھیں لیکن جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں۔غفران کے رشتے دار کا یہاں ہونا اور اس طرح کے سوالات کا پوچھنا ان پر بہت کچھ آشکار کر رہا تھا۔

" صحیح۔"یک لفظی جواب پھر طویل وقفہ،اس دوران ذائقے دار چائے نے اس کے اندر تراوٹ بھر دی تھی۔کپ کو خالی کر کے واپس پرچ میں رکھنے کے بعد وہ ان سے کہہ رہا تھا۔

"میں یہاں آپ کو ڈنر کی دعوت دینے آیا ہوں۔میں چاہتا ہوں آپ کے ساتھ ہمارا تعلق بنا رہے۔"بتول کی چائے ختم نہیں ہوئی تھی۔وہ ٹھہر ٹھہر کر ٹھنڈی کر کے پینے کی عادی تھیں۔ایک چھوٹا سا گھونٹ بھرا کچھ سوچا اور پھر کہا۔

"غفران کو شاید یہ اچھا نہ لگے یا پھر اس کی بیوی کو۔"وہ جانتی تھی وہ اس کا دل توڑ چکی ہیں۔الوداع کے وقت ان کے آنکھوں کا کرب آج بھی پوری طرح سے ان کی یاداشت میں تازہ ہے۔شاید کچھ روز قبل وقتی لمحے کے تحت وہ ایک پل کو اسے دیکھ کر ساکت ہوئے تھے اور اب جب سب زخم

ٹکرانے پر ادھڑ گئے تو وہ اسے دیکھنا نہ چاہے۔ وہ اسے رد کر دے۔ انہیں مائیر کی آواز سنائی دی۔ لفظوں کا مفہوم سمجھ آیا۔ جملوں نے ترتیب پکڑی تو وہ آنکھیں پھاڑے انگشت بنداں رہ گئیں۔

"ان کی بیوی نہیں ہے۔ انہوں نے کبھی شادی ہی نہیں کی۔" آتش دان میں لکڑیاں چٹخی تھیں۔ شعلے بھڑکے سرخ، نیلے، زرد شعلے۔ وقت سرکا تھا۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ، چار منٹ۔۔

"وہ اپنی کسی کلاس فیلو کو پسند کرتے تھے مگر ان کی شادی ہو گئی اور وہ انکل کو چھوڑ گئی۔ اس وجہ سے انکل واپس پاکستان چلے گئے۔ انہوں نے اپنی محبت سے موو آن نہیں کیا۔ وہ ابھی تک یہی کہتے ہیں کہ وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ان کے بھائی اس بار یہاں اس لیے ہیں تاکہ اپنے بیٹے اور ان کی شادی کر سکیں۔ مگر وہ ہیں کہ مان کر ہی نہیں دیتے ہیں۔" اس نے کن انکھیوں سے بتول کے دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔ وہاں سفیدی گھل چکی تھی۔ وہ جو کھڑکی سے باہر برف کے نرم ٹکڑے گرتے نظر آ رہے ہیں نا بالکل اسی طرح، انہیں کی طرح سفید اور سرد۔

بتول نے گلا کھنکھارا۔

"مگر میں اس کے بیٹے سے مل چکی ہوں۔" وہ جیسے مائیر کی کہی بات کو جھٹلانا چاہتی تھیں۔ وہ جیسے خود کو تسلی دینا چاہتی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے کو بے تاب تھے۔ دل تو کب کا ایڑھیاں

رگڑ چکا تھا۔ وہ محبت جو پہلی پہلی تھی پھر سے انگڑائی لینے لگی۔ ہجر کے وہ تمام شب و روز یاد آنے لگے جن پر انہوں نے وقت کی گہری چادر اوڑھا دی تھی۔

"انہوں نے اسے پالا ہے دراصل وہ ان کا سگا بھانجا ہے۔" خون نچڑنا کیسا ہوتا ہے۔ دل کٹنا کیسا ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بتول سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ انہیں خود پر، زمانے پر اور غفران اور اپنے فراق پر شدید دکھ ہوا۔ کہ اے کاش زمانہ ظالم نا ہوتا۔ کہ اے کاش وہ اور غفران کبھی ملے نہ ہوتے۔ تو آج، تو آج وہ انسان جو اب بھی اس کی محبت میں پور پور ڈوبا ہے یوں اپنا سنہرا وقت ضائع کر کے پر سکون نہ ہوتا۔ مسکرا نہ رہا ہوتا۔ جی نہ رہا ہوتا۔ کون جانتا تھا اس کی تنہائیاں۔ کون سمجھتا تھا ان اندھیروں کی داستان جب انہوں نے خود کو بہت تنہا محسوس کیا تھا۔ جب سب تھے مگر کوئی ہم نشین نہیں تھا۔ ان کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"اس لیے کوئی بھی اس سے اس کے سرپرست کا پوچھتا ہے تو وہ غفران انکل کا نام ہی لیتا ہے۔ آپ بتائیں آئیں گی ہماری طرف؟" وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا۔ لبوں کے کناروں پر مسکان ابھر کر معدوم ہوئی۔ بتول نے بدقت تمام سر کو ہاں میں جنبش دی۔ مائیر چٹختی ہوئی لکڑیوں کی آواز کے دوران کھڑا ہو گیا۔

"اب میں چلتا ہوں دراصل مجھے کچھ ذاتی کام ہیں ورنہ کچھ زیادہ دیر رکتا۔ کیا میں یہاں دوبارہ آسکتا ہوں؟"مہذب سا انسان مؤدب سا دست سوال تھا۔بتول نے گہرا سانس بھر کر اپنے احساسات پر بند باندھا پھر وہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں۔

"تم کبھی بھی آسکتے ہو بچے۔"انہوں نے آگے بڑھ کر ہاتھ اونچا کیا۔مائیر نے سر جھکا دیا۔ان سے دعا لینے کے بعد وہ یونہی شرافت کا لبادہ اوڑھے گھر سے باہر آیا۔جونہی بتول نے دروازہ بند کیا اس نے ہاتھ کی مٹھی بنا کر زور دار انداز میں دو تین بار نیچے کی اور مار کر'یس۔۔یس۔۔۔یس۔۔۔'بولا تھا۔پھر اس نے خود کو سیدھا کیا۔گلا کھنکھارا۔کالر درست کیا۔جینز کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے اور مدھر سی دھن بجاتا ہوا چلنے لگا۔

"چلیں جی غفران صاحب، سہرا باندھنے کیلئے تیار ہو جائیں۔"

وہ شاد ساڈھلوان اتر رہا تھا۔روئی کے گالے جھوم جھوم کر اس کے شانوں و سر پر جگہ بنا رہے تھے۔لیکن دوسری جانب پرواہ کسے تھی؟

اس نے کب بھلا کوئی فکر پالی تھی جو اب پالتا۔۔ہمم۔۔۔

سات دن گزر گئے تھے۔ آج دھوپ نکلی تھی۔ پرندے آسمان پر نظر آرہے تھے۔ برف گھروں کی تکونوں سے پھسل کر نیچے گر رہی تھی۔ ہوا میں کمی تھی۔ درخت کی ٹہنیاں برف کے بوجھ سے آزاد ہو رہی تھیں۔ سڑکیں نم تھیں مگر چہل پہل کم نہیں تھی۔ ایسے میں ویسٹ کے وسط میں ہسپتال کی سرمئی عمارت خاموش سی سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے شیشے بھی نم آلود تھے۔ ماربل کی ٹھنڈک میں دھوپ کی تمازت کے سبب قدرے کمی آئی تھی۔ نوح نے کھینچ کر پردے سرکائے پھر اپنا ہاتھ کھڑکی کے شیشے پر پھیر دیا جیسے وہ وائپر ہو۔ نمی اس کے ہاتھ پر منتقل ہو گئی تھی۔ درختوں کی سفیدی میں ڈھکی شاخیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس نے خود کو موڑا۔ بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھی وہ سوپ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہی تھی۔ آپریشن کے بعد وہ کافی کمزور ہو گئی تھی۔ آنکھیں بھی نقاہت کی چغلی کھا رہی تھیں۔ حلقے کچھ زیادہ واضح ہو گئے۔ اس نے کلائی اوپر کر کے وقت دیکھا۔ یہ پوری دوپہر کا وقت تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا اسے آج باہر لے جایا جائے۔ کل وہ یہاں سے ڈسچارج ہو جائے گی۔

"کیا ذائقہ اچھا نہیں ہے؟" وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہی تھا۔ رات ہو یا دن بس نماز کا وقفہ لیتا تھا مگر اسے تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ اس دوران کئی بار پراسیکیوٹر اس سے مل کر چلا گیا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھتا تھا تو نوح کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ کئی بار اس بات کا اپنے ایکشنز سے اظہار کر چکا تھا۔

"نہیں ٹھیک ہے۔"اس کی آواز میں سرگوشی گھلی تھی۔وہ جب سے مکمل طور پر بیدار ہوئی تھی۔ بولنے کے قابل ہوئی تھی اس سے یونہی کترائی کترائی سی تھی۔وہ سمجھ رہا تھا لیکن ابھی وجہ پوچھنے کا روادار نہیں تھا۔شاید وہ پولیس والے معاملے سے پریشان ہو۔وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا کہ دفعتاً دروازہ کھول کر پراسیکیوٹر اور دو پولیس اہلکار اندر آئے تھے۔فلک نے انہیں دیکھتے ہی چمچ رکھ دی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"وہ اندر آتے ہی اس سے دریافت کر رہا تھا۔خوش شکل،خوش گفتار سا وہ لڑکا نوح کو خوامخواہ زہر لگ رہا تھا۔جواب اسی کی جانب سے آیا تھا۔

"ٹھیک ہے وہ۔"پراسیکیوٹر نے ایک اچٹتی نگاہ اس لڑکے پر ڈالی پھر دوبارہ سے فلک کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"آپ کل ڈسچارج ہو جاؤ گی یعنی کل آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"اس کی بات پوری نہیں ہوئی۔نوح نے اسے درمیان میں قطع کر دیا۔پراسیکیوٹر کے منہ کے زاویے بہت برے بنے تھے۔

"کہاں چلنا ہو گا،وہ بیمار ہے کہیں نہیں جائے گی۔"پراسیکیوٹر نے گردن دائیں جانب موڑ کر اپنے دونوں گال دانتوں میں دبا کر چھوڑے پھر وہ پولیس اہلکار کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ انہیں باہر لے جائیں یہ ہمیں ڈسٹرب کر رہے ہیں۔"نوح نے کھڑکی پر سے ٹیک چھوڑی پھر اپنی تیر کمان اچکا کر تمسخر سے مسکراتے ہوئے جیکٹ کی جیب میں سے بیج نکالا۔

"شاید آپ نہیں جانتے میں بھی پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ایک حصہ ہوں۔اس لیے میرا یہاں ہونا جائز ہے۔"اس لڑکے نے ہونٹوں کو تر کر کے گہرا سانس چھوڑ دیا۔وہ اسے برداشت کر رہا تھا مگر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"آپ یقیناً ہوں گے لیکن اس وقت آپ خلل پیدا کر رہے ہیں اس لیے پلیز، میں درخواست کرتا ہوں یا تو آپ باہر چلے جائیں یا پھر مداخلت نہیں کریں۔"نوح نے ہنکارہ بھرتے ہوئے بیج جیکٹ کی جیب میں واپس رکھا اور اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔پر اسیکیوٹر سمجھ گیا اس کا ہلنے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔ اس نے خود کو دوبارہ فلک کی جانب راغب کیا تھا۔

"میں نے چھان بین کروائی ہے۔آپ بالکل بے قصور ہیں۔ایاز آپ کو پھنسا رہا ہے۔اس کے خلاف میں نے ثبوت اکھٹے کیے ہیں۔ٹھوس ثبوت کے ملتے ہی اسے گرفتار کر لیا جائے گا لیکن تب تک آپ کو جیل جانا ہو گا۔بدقسمتی سے آرڈرز آ گئے ہیں۔"نوح کا پارہ ہائی ہو گیا۔وہ طیش کے عالم میں چلتے ہوئے فلک کے بیڈ کے پاس آیا۔

"کس طرح آرڈرز مل گئے۔ کس طرح کا قانون ہے یہاں پر، ایک انسان دن دہاڑے بیوی پر تشدد کرتا ہے جب وہ فرار حاصل کرتی ہے تو اسے قتل کر دیتا ہے اور اس کا الزام بے قصور انسان پر لگا دیتا ہے اور کورٹ آرڈرز بھی دے دیتی ہے فقط اس لیے کہ آخری بار یہ اس لڑکی سے ملی تھی۔ یا پھر اس لڑکی کی مٹھی میں اس کے بال تھے۔ کیا آپ لوگوں نے رسوئی کی فوٹیج نکلوائی جہاں وہ اس پر تشدد کر رہا تھا۔ اس نے وہیں سے فلک کے بال لیے اور اسے میرا کو قتل کرنے کے بعد اس کی مٹھی میں ڈال دیے۔ کورٹ کچھ تو عقل استعمال کرے۔" وہ ماتھے پر بل ڈالے کف نکالتے ہوئے بولے چلا جا رہا تھا۔ فلک خاموش نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ نوح کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر دے۔ پراسیکیوٹر نے نظر اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا پھر اس نے اپنے الفاظ کمرے میں بکھیر دیے۔

"اب جو بھی ہو گا اگلی پیشی پر ہو گا۔ فلک، آپ ریلیکس رہیں آپ کی صحت کے پیش نظر آپ کو آرام دہ کمرہ دیا جائے گا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"یہ جائے گی تب نا۔" اس نے اپنے ارادے واضح ظاہر کیے۔

"آپ قانون کو ہاتھ میں نہیں لیں گے ورنہ مجھے کوئی لیگل ایکشن لینا پڑے گا۔" پراسیکیوٹر کے خدشے کو اس نے ہاتھ جھلا کر پرے کیا۔

"صحیح کہا لیگل ایکشن ہی لینا پڑے گا۔"نوح کے چبا کر کہنے پر وہ لڑکا گہرا سانس بھرتا ہوا وہاں سے گیا تھا۔نوح کے چہرے پر کڑواہٹ گھلی تھی۔اس کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کیا۔

"ان کا باپ بھی کل تمہیں نہیں لے کر جا سکتا۔"وہ غصے میں ابلا سا کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ رہا تھا پھر یاد آجانے پر اس نے وہیل چیئر کو بیڈ کے قریب کیا۔فلک کرسی کو دیکھ کر اس پر آن بیٹھی۔نوح اسے کمرے سے باہر لے جا رہا تھا۔

"تمہیں اتنا غصہ نہیں کرنا چاہیے۔"اس نے مدھم سی آواز کے ساتھ کہا تھا۔وہ جب سے ہوش میں آئی تھی یونہی انجان انجان سی تھی۔

"ابھی بھی نہیں کرنا چاہیے؟"وہ جیسے حیرت سے اس سے دریافت کر رہا تھا۔ہسپتال کے کاریڈور سے وہیل چیئر کے پہیے سرکتے ہوئے دائیں جانب مڑ گئے۔پولیس اہلکار ان سے دور مگر ان پر نظر رکھے ہوئے تھے۔وہ فی الحال ایک مجرم تھی۔اس پر مجرم پر نظر رکھنے کیلئے انہیں یہاں کھڑا کیا گیا تھا۔راہداری کے اختتام پر سرسبز لان تھا جہاں ڈھیر سارے مریض آسمانی لباس میں ملبوس وہیل چیئر پر بیٹھے تازہ ہوا لے رہے تھے۔سورج کی گرمی کو سیک رہے تھے۔نوح اسے بھی سورج کی شعاؤں کی جانب لے جا رہا تھا۔

"اس میں، اس کا تو کوئی قصور نہیں۔" وہ عین سورج کے نیچے آ گئی تھی۔ حدت میں شدت تھی۔ اسے سکون سا محسوس ہونے لگا۔

"جس کا بھی قصور ہو میں تمہیں کل جیل نہیں جانے دوں گا۔" وہ خاموش رہی کچھ نہیں کہا۔ نوح کی بھوری آنکھیں سورج کی شعاؤں میں شیشے کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس کی کھڑی ناک، ملی ابرو، سرمئی رنگ کی ڈھیلی ڈھالی جرسی شرٹ اور سیاہ پینٹ، ماتھے پر بکھرے بال اور تھوڑی سی بڑھی شیو۔ فلک نے نظر چرا لی۔ وہ بہت کچھ اپنے سینے میں دبا رہی تھی۔ وہ بہت کچھ چرا رہی تھی۔

"میں تمہارا ڈسچارج آج ہی کروالوں گا۔ تم میرے ساتھ چلو گی۔" وہ نہیں جانتی تھی وہ کیا سوچ رہا ہے لیکن جو سوچ رہا تھا وہ اچھا نہیں تھا۔

"پولیس پھر بھی مجھے ڈھونڈ لے گی۔ میں ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔" اس نے بے بسی سے لب کاٹے پھر وہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں معیاد بڑھوالوں گا اور اس دوران تم بے قصور ثابت ہو جاؤ گی۔ فلک۔" اس نے دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے ہتھوں پر جمائے۔ "میں جانتا ہوں تم پریشان ہو۔ میرا کی موت کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہو لیکن یقین کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں صبر سے کام لینا ہو گا۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" وہ پھر خاموش نظروں سے اسے دیکھتی

رہی۔وہ کیا سمجھ رہا تھا کہ وہ صرف میرا کی وجہ سے خاموش ہے۔صرف اس کی موت کا غم ہی زیادہ ہے۔اسے یہ کبھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کے دل پر کیا بیتی ہے۔اس نے کیا کیا سہا ہے۔اس کا دل ایسے تو باغی نہیں ہوا۔ایسے تو اسے اٹیک نہیں ہوا۔پہلے ان لوگوں کی بے اعتنائی پھر گھر والوں کی۔وہ اچانک سے ہر جگہ غیر کر دی گئی۔بھلا دی گئی۔فراموش کر دی گئی۔اس سے یہ دکھ برداشت نہیں ہوا تھا۔اس وقت وہ کمزوروں کی طرح ڈھے گئی تھی لیکن اب نہیں،اب وقت گزر چکا ہے۔اس نے خود کو مضبوط کر لیا ہے۔اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ نوح جبران اور اس کے گھر والے اس کے اپنے ہیں اور نہ ہی پاکستان میں موجود اس کے چند خونی رشتے۔وہ اس دنیا میں تنہا ہے۔وہ اس دنیا سے تنہا ہی جائے گی۔اس نے نوح کو کہتے سنا۔

"تمہاری خاموشی مجھے بری طرح پریشان کر رہی ہے۔تم جب تک الٹا سیدھا بولو گی نہیں فضول میں ہنسو گی نہیں،سوال نہیں کرو گی مجھے سکون نہیں آئے گا۔"وہ واقعی پریشان دکھ رہا تھا۔اس کے قدموں میں بیٹھا انسان،کیا اب بھی وہ معنی رکھتا ہے۔اس نے پھر سے خاموش نظر اس پر ڈالی۔وہ پھر سے اسے انجان سی تک رہی تھی۔نوح کے ماتھے پر جال بن گئے تفکر کے جال۔

"تمہیں یاد ہے تم نے مجھے پرپوز کیا تھا۔"اسے یاد تھا۔وہ کیسے بھول سکتی تھی یہ بات بھلا۔

"تب میں نے کہا تھا۔"ایک مریض کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔نرس اسے بھاگتے ہوئے اندر لے جا رہی تھی۔اس آدمی کا سر وہیل چیئر پر ڈھلک گیا۔وہ بھی دل کا مریض تھا۔یہ ہسپتال دل کے مریضوں کیلئے ہی بنا تھا۔نوح نے اس پر سے نظر ہٹائی اور پھر سے فلک کو دیکھا جو شور اٹھنے پر گردن موڑنے کے بعد دوبارہ سیدھا کر رہی تھی۔

"تم سے کچھ عرصے بعد پوچھوں گا۔میں نے تم سے پوچھا مگر اس وقت تم مجھے ٹال رہی تھی یہاں تک کہ میں نے تمہیں نکاح کی پریکٹس کرنے کیلئے بھی مجبور کر دیا۔پھر بھی میرے دل کو خدشہ تھا۔کچھ اٹک رہا تھا۔تب تمہارا موڈ ٹھیک کرنے کی خاطر میں نے وہ سب کیا تھا مگر اب آج میں یہ اپنے لیے کر رہا ہوں۔جانتا ہوں یہ وقت ٹھیک نہیں ہے۔اس گفتگو کے دوران یہ سوال کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے لیکن فلک سفیر میں وقت کو ہاتھ سے مزید پھسلنے نہیں دے سکتا۔میں تم سے سوال کرتا ہوں کیا تم میری تمام حقیقتوں کے باجود مجھ سے شادی کرو گی، کیا تم میرے نام کی انگوٹھی پہننا چاہو گی؟"وہ اسے دیکھتی رہی پھر سے اسی سابقہ پوزیشن میں، اس کے تاثرات میں ہلچل کیوں نہیں ہو رہی تھی۔وہ کیوں نہیں ری ایکٹ کر رہی تھی۔نوح کے سینے میں دھواں بھرنے لگا۔گھٹن کے سبب اس کے گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔اس نے صدیوں بعد اس کی آواز سنی۔

"تمہاری منگیتر کا کیا؟"احساس سے مبرا لہجہ، سپاٹ آواز۔

"میری کوئی منگیتر نہیں ہے۔وہ جو بھی ہے مسٹر جبران کی ہے۔"اس نے سختی سے کہا تھا پھر آنکھیں بند کر کے گہرا سانس بھرا۔وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھرنا چاہتا تھا اس نے اس بار دل کی خواہش کو نہیں مارا۔اپنی ہتھیلیوں کو شرٹ کے بازوؤں میں چھپا کر اس نے فلک کے دونوں ہاتھ تھامے۔کھردری موٹی جرسی نے فلک کے ہاتھوں پر گرمائش ڈالی تھی۔

"دیکھو فلک،میرا ایشل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔میرے لیے وہ کوئی نہیں ہے۔میں صرف تمہیں چاہتا ہوں۔تمہیں ہی اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔میری اولین خواہش بس اب تم ہو اس لیے میں چاہتا ہوں ہم دونوں جلد از جلد شادی کر لیں۔میں تمہاری ساری ذمہ داری اٹھانے کیلئے تیار ہوں بس تم ہاں کر دو۔"اس نے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ نہیں نکالے۔وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ہوا چلی تھی جس نے فلک کے بال اس کے گال پر بکھیر دیے۔

"تمہاری خاموشی کو میں ہاں سمجھوں؟"اس نے پلکیں اٹھائیں۔پلکیں اٹھانے کی دیر تھی دو تین آنسو اس کے گال پر ٹپک گئے۔نوح کا دل بھر آیا۔دل نے ان آنسوؤں کا مطلب ہاں سمجھا تو آسودگی کی ایک لہر پورے بدن میں دوڑ گئی۔اس نے شرٹ کے بازوں میں چھپا ہاتھ اٹھا کر اس کے گال پونچھے تھے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ پر یقین رکھو، اندر چلیں ہوا تیز ہو رہی ہے۔" فلک نے ہولے سے سر ہلایا۔ وہ کھڑا ہوا پھر گھوم کر عقب میں آیا اور وہیل چیئر کو تھام لیا۔

"ویسے میں کہنا چاہوں گا اپنی چپ کو جلدی توڑ دو۔ میں بے حد پریشان ہو رہا ہوں اس کی وجہ سے، تم بولتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ ب تک تمہیں نان اسٹاپ بولتے ہوئے نہیں سنوں گا چین نہیں آئے گا۔" اس کا موڈ بحال کرنے کی غرض سے وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہیل چیئر کو اندر دھکیل کر لے کر جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ الیکٹرک تھی پھر بھی نوح اپنی مرضی سے اسے چلا رہا تھا کیونکہ اسے اس کا ہر کام کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ فلک کی آنکھ سے ایک اور آنسو ٹپکا تھا۔

بہت کچھ تھا جو وہ چھپا رہی تھی۔ بہت کچھ تھا جو وہ دبا رہی تھی۔

وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

اور اب اس فیصلے سے ایک انچ نہیں ہل سکتی تھی۔

ایک انچ بھی نہیں۔۔۔

ڈاکٹر فاؤ کے پاس جبران آئے تھی۔ اس دوپہر سے ایک دن پہلے جس دوپہر نوح نے فلک کو پرپوز کیا تھا۔ وہ اس وقت کلاس سے فارغ ہوئے تھے۔ آنکھوں پر چشمہ لگا تھا اور ہاتھوں میں فولڈر

تھے۔وہ کچھ طلباء کے درمیان بولتے ہوئے جارہے تھے جب کاریڈور کے عین سامنے جبران اپنے اوورکوٹ میں ہاتھ اڑسائے ان کے منتظر کھڑے نظر آئے۔فاؤنے اپنے طلباء کو جانے کو کہا تھا۔ وہ جب چلے گئے تب جبران ان کے قریب آئے تھے۔

"میں امید کرتا ہوں میں نے آپ کو تنگ نہیں کیا ہو گا۔"ڈاکٹر فاؤنے ان سے مصافحہ کیا پھر وہ انہیں لیے اپنے کمرے میں آگئے۔یونیورسٹی کی جانب سے مہیا کیا گیا ان کا کمرہ بالکل آفس کی طرز کا تھا۔وہاں میز پر اسٹوڈنٹس کے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔فاؤانہیں بلڈ ریڈ صوفے پر بٹھا کر خود بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"بالکل نہیں، کہیں آمد کی وجہ کیا ہے۔"جبران نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی۔انسانی ڈھانچے، ہڈیاں، اندرونی اعضاء اور سفید رنگ میں ڈھکا ان کا کمرہ بالکل ایک ڈاکٹر کی نشاندہی کر رہا تھا۔جبران کی نگاہ میز پر رکھے گلوب پر پڑی۔

"نوح۔"یک لفظی جواب پر فاؤ کی ابرو اچکی تھی۔

"یعنی غفران اور بچے کہتے ہیں وہ اکثر یونہی آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔کیا یہ درست ہے؟"فاؤنے شانے اچکا دیے۔ان کے بیل بجانے کے ٹھیک دس منٹ بعد انہیں کافی سرو کر دی گئی تھی۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔جب مجھ پر کام کا برڈن ہوتا ہے۔میں نوح کو کچھ دنوں کیلئے اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔یہ بات بہت نارمل ہے۔"جبران کے لبوں پر تضحیک کے رنگوں سے سجی مسکان دوڑ اٹھی۔

"مطلب وہ آپ کے کافی قریب ہے۔"فاؤ نے کافی کا کپ انہیں تھمایا۔جبران نے اسے تھام لیا۔

"بالکل،وہ میرے لیے اسٹوڈنٹ کم بیٹا زیادہ ہے۔وہ مجھے بہت عزیز ہے۔"جبران کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔پوری دنیا جس کی گرویدہ تھی اسے ہی انہوں نے ٹھکرا دیا تھا۔ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نوح کی زندگی میں کہیں نہیں ہیں۔انہیں اس بات کا مان تھا بلکہ غرور تھا کہ نوح کیلئے صرف وہی اہم ہو سکتے ہیں۔وہ شاید اندر ہی اندر انہیں چاہتا ہے۔ان کی تمنا کرتا ہے۔اس کی بے اعتنائی،کتراہٹ ایک فرار ہے۔صرف فرار لیکن وہ غلط تھے۔وہ سراسر غلط تھے۔نوح کی زندگی میں وہ نہیں تھے سب تھے۔نوح کو وہ مطلوب نہیں تھے باقی سب تھے۔انہوں نے گلا کھنکھارا۔

"پھر تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس کی زندگی میں کون ہے۔وہ جس کی وجہ سے وہ اپنی منگیتر کو نظر انداز کر رہا ہے۔"فاؤ معاملے کی نزاکت نہیں جانتے تھے۔نوح نے کبھی کھل کر انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔وہ بتا دیتا تو کتنا اچھا ہوتا نا۔

"ہاں بالکل میں واقف ہوں۔" جبران کے دل میں اوس بھرنے لگی۔ تو وہ بوڑھا شخص ان پر سبقت لے گیا تھا۔ وہ نوح کے ہر راز سے واقف تھے۔ کتنی شرمندگی کی بات تھی نا یہ۔

"میں جاننا چاہوں گا۔" اور کتنا ہی پانی پانی ہوئے تھے وہ یہ کہتے ہوئے۔ ایک باپ اپنے بیٹے کے دل کا حال جاننے کیلئے کسی اور کا محتاج تھا۔ کتنی سبکی کا مقام تھا۔

"وہ فلک سفیر ہے جو اس کے گھر کام کرتی ہے۔ اس کو کارڈیک اریسٹ ہوا تھا اس لیے وہ ہاسپٹلائزڈ ہے۔" جبران نے ٹھٹھکتے ہوئے سر کو اٹھایا۔ ہاتھ میں موجود کپ لمحے بھر کو لرزا تھا۔ انہوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

"تو ابھی نوح وہیں ہے یا یہیں یونیورسٹی میں ہے۔" آج تک ان سے کسی نے اس طرح سوال جواب نہیں کیے تھے۔ آج تک نوح کے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔ ایک بار شروع شروع میں غفران آیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تسلی ہو جانے پر انہوں نے آنا ترک کر دیا۔ لیکن اب یوں ان کا آنا، ان کا ماتھا ٹھنکا۔ کیا انہیں فلک کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ انہوں نے سوچا، سوچ کو وہیں بریک لگائی۔

"نہیں فی الحال وہ ہسپتال میں ہے۔" جانے کیوں انہیں اچانک کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے مزید کوئی معلومات نہیں دی۔

"وہ آپ کے کنٹرول میں ہے۔ اسے کچھ اخلاقیات سکھائیں آپ، میری تو سنتا ہی نہیں ہے۔"نوح کی ہسپتال میں موجودگی کی خبر نے ان کی ہاتھوں کی مٹھی بنادی تھی۔ وہ بات بدلنے میں ماہر تھے۔ اس لیے اپنے ارادے کی بھنک لگے بنا ہی بات کا رخ بدل دیا۔

"میں ضرور ایسا کروں گا۔"فاؤ نے یقین دہانی کروائی۔

"آپ اس کے دست راست ہیں۔ آپ کو اسے سمجھانا چاہیے کہ وہ اپنی منگیتر کو نظر انداز نہ کرے۔ اسے ڈس ریسپیکٹ نہ کرے۔ وہ اتنی دور صرف اس کیلئے آئی ہے مگر وہ اسے وقت ہی نہیں دیتا۔ اسے کیا وہ تو میرے پاس بھی نہیں بیٹھتا۔"فاؤ مسکرا دیے۔ ان کی کافی ختم ہو چکی تھی۔

"تو کیا آپ مجھ سے اس کی شکایت کرنے آئے ہیں۔"جبران نے سر جھٹکا۔ کافی کا کپ جھک کر میز پر رکھ دیا۔"میں کہنا چاہوں گا وہ اب ہائی اسکول کا اسٹوڈنٹ نہیں رہا۔"

"میں درخواست کر رہا ہوں۔"فاؤ نے ان کے شانے پر ہاتھ دھرا۔

"میں اسے سمجھاؤں گا لیکن ایک بات کہوں۔"وہ رازدارانہ انداز میں ان کے قریب آئے، سرگوشی میں کہنے لگے۔

"دل اس کا اسی لڑکی پر ہے جس کے ساتھ وہ ہے۔ اس پر نہیں جس کی آپ حمایت کر رہے ہیں۔"

جبران لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے پیچھے ہوئے تھے پھر وہ ان سے مصافحہ کر کے چلے گئے۔ان کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔وہ تاثر نا قابل فہم سا تھا۔انہوں نے یہ تو نہ چاہا تھا۔اس طرح تو نہ سوچا تھا۔پہلے رامیہ اور اب یہ۔۔۔نہیں وہ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ہر گز نہیں۔وہ اسی دن اسی وقت اس کے پاس آئے تھے۔ڈاکٹرز ابھی ابھی اسے چیک کر کے گئے تھے۔نوح نماز کیلئے مسجد روانہ ہوا۔اس کے جاتے ہی جبران جو کب سے فلک سے ملنے کے متمنی تھے اس کے کمرے میں آ گئے۔آہٹ پر اس نے نیم وا آنکھیں کھولیں۔وہ بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔نرس اس کی ڈرپ بدل کر اب ٹرے میں سامان رکھے واپس جا رہی تھی۔اس نے جاتے جاتے ایک مسکراہٹ خوبرو سے آدمی پر ڈالی۔جبران نے سائیڈ پر ہو کر اسے جانے کی جگہ دی تھی۔وہ چلی گئی تو جبران نے دروازہ بند کر کے رخ اس لڑکی کی سمت کیا جو خاموش نظروں سے آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔آنے والا سفید ماربل سے ڈھکے کمرے میں اپنی سرد سی گہری سانس خارج کر رہا تھا۔

"تو یعنی نوح سچ میں ہر وقت تمہارے ساتھ تھا۔"انہوں نے صوفے پر اس کی جیکٹ پڑی دیکھ لی تھی۔وہیں اس کا موبائل اور لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا۔تھوڑے بہت کاغذات بھی،کافی کا آدھا خالی مگ اور ڈسپوزایبل برتن،فلک نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"حالانکہ یہ اس کی زندگی کے قیمتی لمحات ہیں۔وہ اسپیشلائزیشن کے آخری سالوں میں ہے۔اس کی منگیتر یہاں ہے۔میں عرصے بعد یہاں آیا ہوں۔اسے اپنی تعلیم،اپنی فیملی کو وقت دینا چاہیے مگر

وہ، وہ تو گزشتہ کئی دنوں سے یہاں ہے۔ اس کی یہاں موجودگی کافی معنی خیز ہے۔" وہ چند قدم آگے چل کر آئے۔ نوح کے پرتوں، نوح جیسا دکھنے اور چلنے والے یا پھر نہیں نوح ان کا پرتوں، ان کے جیسا دکھنے اور چلنے والا۔

"میں نے سنا ہے تم اور نوح۔" اس نے ان کی بات کاٹ دی۔ پہلی بار، تمیز کے ساتھ۔

"آپ نے جو سنا ہے غلط ہے۔ میرا اور نوح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" جبران ٹھٹھکے تھے۔ تو کیا معاملہ ون سائیڈڈ تھا۔ انہیں پھر سے نوح کی چوائس پر تاؤ آیا۔ وہ ایسی راہ کیوں چنتا تھا جو اس تک کبھی نہیں آتی تھی۔ حد ہے۔

"تو پھر اس کی یہاں موجودگی کو کیا رنگ دو گی تم؟" انہوں نے سیاہ کوٹ کے نیچے ڈریس پینٹ اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ ان کے کپڑے مہنگے تھے۔ گردن اٹھی ہوئی اور آنکھیں۔۔ اب کیا ہی بتاؤں میں۔

"آپ کی یہاں آمد کا مقصد؟" وہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ دل جلانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے نہیں چاہیے تھے یہ جگنو، تارے، موتی۔۔ اسے تو سکون چاہیے تھا بس۔۔ بہت سارا سکون۔

"دیکھو بیٹا، نوح اور تم دو الگ دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگ ہو۔ تم میں اور اس میں واضح فرق ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق ایک کامیاب ازدواجی زندگی کیلئے ٹھیک ہوتا ہے لیکن اگر پھر بھی تم دونوں۔" اس نے پھر سے ان کی بات کو قطع کیا تھا۔ اس نے پھر سے یہ جسارت کی تھی۔

"میں بھی آپ سے اکتفا کرتی ہوں۔ مجھے آپ کا بیٹا نہیں چاہیے۔ اب نہیں چاہیے۔ فکر نہیں کریں وہ آپ کا تابع ہی رہے گا۔" اس نے پکڑا دی تھی انہیں ان کی میراث، ریت کو پھسلنے دیا اور خود کو پر سکون کر لیا۔ بات ختم ہوئی لفظ منجمند۔

"یعنی؟" وہ سمجھ نہیں پائے۔ انہیں تو لگا تھا وہ انکار کر دے گی۔ ڈٹ جائے گی۔ لڑ جائے گی مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ وہ دستبرداری کا کہہ رہی تھی۔ پر زور طریقے سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے نوح سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ یہاں اپنی مرضی سے ہے۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو یہاں سے چلی جاؤں گی۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔" وہ سرکتی ہوئی سیدھی لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں اور خود کو نیند کے سپرد کرنے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ اس نے دو منٹ بعد ایک گہری سانس کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی تھی۔ آنکھوں کے کونے سے سفید پانی ٹپکنے لگ گیا تھا۔ جہاں اتنے خسارے سہے وہاں ایک اور سہی، مگر کیا وہ اس پر صبر کر پائے گی۔ ایسے کر پائے گی؟

احساس کے موتی شدت سے بہنے لگے تھے۔اس نے لب بھینچ کر ان پر کنٹرول کیا پھر احتیاط کے ساتھ کروٹ بدل لی۔

برف کی رفتار لمحہ لمحہ کم ہو رہی تھی۔زرد روشنیاں جلی ہوئی تھیں۔ان کی چمک میں زمین پر جمی برف بھی چمک رہی تھی۔اس چمکیلی برف پر درخت کی ٹوٹی شاخ کے ساتھ مہمت پنار آڑھے ترچھے خط کھینچ رہا تھا۔اس کے ہاتھ سردی کی شدت سے سرخ پڑے ہوئے تھے۔تسموں والے جوتوں میں قید پاؤں بھی جم رہے تھے۔وہ خوشی کی سرخ کرسی پر بیٹھا جھک کر اپنی سرگرمی میں مشغول تھا جب وہ دو پاؤں وہاں آ کر تھمے۔بیلیرینا شوز، سرخ بیلرینا شوز نہیں یہ فلک نہیں ہو سکتی۔اس نے سر اٹھایا۔وہ فلک نہیں تھی۔وہ عروبہ تھی۔مسکراتی ہوئی۔چمکدار آنکھوں کے ساتھ۔

"کیسے ہو مہمت؟"اس کا سوال گہری برچھی لیے ہوئے تھا۔اب کوئی بھی پوچھتا تھا وہ کیسا ہے تو وہ جواب نہیں دے پاتا تھا۔اسے لگتا تھا سب اس کی حالت زار پر حظ اٹھا رہے ہیں۔جان بوجھ کر یہ سوال پوچھ رہے ہیں۔وہ تلخی سے مسکرا دیا۔

"اپنی سناؤ؟"عروبہ نے سینے پر بازو باندھے ہوئے تھے۔اس کا سیاہ فر کوٹ کچھ زیادہ گرم تھا۔اس میں اس کی ہتھیلیاں تک چھپ رہی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں انفیکٹ بہت خوش ہوں، کچھ دنوں بعد شادی ہے میری سوچا تمہیں انوائیٹ کر دوں۔" اس نے شانے پر اٹکے پرس میں سے ایک فلورل کارڈ نکالا، شاکنگ پنک رنگ کا وہ کارڈ جیسے مسکرا رہا تھا۔

"اوہ، بہت شکریہ مگر میں میسر نہیں ہوں گا۔ سوری۔" اس نے اسے آج بھی رد کر دیا تھا۔ عروبہ پھیکی سی ہوئی۔ مہت جانتا تھا اسے اس کی ہی بد دعا لگی ہے۔ وہ اسی وجہ سے اس سے خار کھا رہا تھا۔ وہ اسی وجہ سے اس سے تلخ ہوا جا رہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج، آج وہ اور فلک ایک ساتھ ہوتے۔ وہ دونوں کتنے خوش تھے ایک ساتھ، لنچ کرتے تھے۔ ڈنر کر لیا کرتے تھے۔ پارک جاتے تھے۔ فلم دیکھتے تھے۔ واک کر لیا کرتے تھے۔ وہ سب دن، وہ تمام شب، وہ ہنسی وہ قہقہے، وہ سنگتیں جانے کہاں گم ہو گئی تھیں۔ جانے کہاں چلی گئی تھیں۔ اب تو سب سڑکیں ویران تھیں، ہر راہ سنسان۔

"کوئی بات نہیں، دل کرے تو آ جانا کوئی زبردستی نہیں ہے۔" اس نے جھک کر کارڈ سرخ میز پر رکھا۔ اس کی زندگی تباہ کر کے وہ کیسے خوش تھی۔ مطمئن تھی۔ شادی کر رہی تھی۔ آباد ہو رہی تھی۔ اگر وہ اس کی زندگی میں نہ آتی تو آج مہت تنہا نہیں ہوتا۔ اس کے برابر رکھی کرسی خالی نہیں ہوتی۔ اس نے درشتی سے شاخ کو پرے اچھال دیا وزن کرسی کی بیک پر گرایا اور آنکھیں اٹھائے اسے تکنے لگا۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے تازہ ہوا لینی ہے۔" عروبہ نے لبوں کو کاٹا۔

"میں تو کب سے ہٹ گئی ہوں تمہاری راہ سے بھی اور اس کی راہ سے بھی۔" وہ خوش تھی لیکن اتنی بھی نہیں جتنا ظاہر کر رہی تھی۔ اس کے سرخ لب خود پر دبیز خول چڑھائے ہوئے تھے۔ مہت کا سر اٹھا تھا۔ لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

"کاش کہ تم میری راہ میں آتی ہی نا۔"

عروبہ نے نچلا لب دانتوں میں جکڑا۔ یہاں کون خوش تھا۔ سب ٹکڑوں میں ہی تو بٹے تھے۔ ٹوٹے ہوئے، شکست خوردہ سے۔ اس نے سر جھکایا پھر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی کہ اب مزید کسی بھی طرح کی تضحیک سننے پر اس کی سماعت آمادہ نہیں تھی۔ مہت کڑوی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصے میں مٹھی میز پر ماری تھی پھر وہ ماتھے پر دو انگلیاں اور انگوٹھا رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔ بس اب بہت ہوا۔ بہت ہوا۔ اس نے فلک کا نمبر ملایا تھا۔ وہ بند تھا۔ اس نے غصے میں اپنا فون پھینکنے کیلئے ہاتھ اٹھایا تھا پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ بائیک کی چابی تھامے وہ کہیں جانے کیلئے تیار تھا۔ جہاں وہ کہیں جا رہا تھا وہیں کوئی گھر کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اور کوئی نہیں مائیر تھا۔ اس کے چہرے پر الوہی سی مسکان تھی۔ لبوں پر مدھر سی دھن۔

"خیریت ہے؟"سیر انے مشکوک نظروں سے اسے گھور کر دریافت کیا۔غفران کے کمرے میں اس وقت پنچایت لگی ہوئی تھی۔جبران،ایشل اور تیسرے وہ،باہر لاؤنج میں سیر اسپاٹ چہرے کے ساتھ میگزین پڑھنے کی اداکاری کرتے ہوئے وہاں بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کچھ کر دے مگر اس وقت وہ مجبور تھی۔

"بہت خیریت ہے تمہیں پتہ ہے میں انکل اور پروفیسر بتول کی راہ ہموار کرنے میں لگا ہوں اور۔" آوازیں اس کی سماعت سے بھی ٹکرائی تھیں۔اس کا جوش پل بھر میں تھما تھا۔چہرے پر یک لخت سنجیدگی چھانے لگی۔اس نے سیر اکے چہرے کی اور دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"دریافت بھی سنجیدہ سے لہجے میں ہی کیا۔

"ایشل نے کہا ہے نوح نے اسے ڈس ریسپیکٹ کیا ہے۔اس کے الفاظ نازیبا تھے۔"وہ اکتائے سے لہجے میں بتا رہی تھی۔مائیر کی ابرو اچک گئی۔"اور یہ بھی کہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔اس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔"

"تو پھر،اس میں غلط کیا ہے اگر وہ کسی کو پسند کرتا ہے تو،اسے نہیں پسند وہ لڑکی تو نہیں پسند بات ختم۔"سیر انے میگزین کو صوفے پر پھینکنے والے انداز میں رکھا۔

"یہ بات بابا کو کون سمجھائے۔ انہیں لگتا ہے ایشل ہی اس دنیا میں واحد لڑکی بچی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" مائیر کے چہرے پر کڑواہٹ پھیل گئی۔ اس نے تھوڑا سا اچک کر غفران کے کمرے کی طرف جھانک کر دیکھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اندر چلا جائے اور سیدھا سیدھا کہہ دے کہ بس اب بہت ہوا۔ چھوڑ دو نوح کا پیچھا۔ جینے دو اسے جس طرح سالوں پہلے جینے دیا تھا۔ اب یہ کرفیو بند کرو۔ اپنا تسلط جمانا چھوڑ دو۔ مگر وہ نہیں کہہ سکا۔ مگر وہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"ان کی اچانک محبت کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ ٹھیک ہے کریں محبت مگر اسے آرڈرز کی طرح سر پر مسلط تو نہیں کریں۔ میں نے نوٹ کیا ہے سیرا، وہ جس چیز سے خار کھاتا ہے وہی انکل اس پر لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔" اس نے سر کو جھٹکا تھا۔ نوح اس کا دوست اس کا بھائی تھا۔ وہ اس کی زندگی کے بہت سے فیز سے آگاہ تھا۔ اسے نہیں پسند تھا کہ وہ مشکل میں رہے۔ پریشان رہے۔ ایشل کے آنے سے پہلے کتنا مطمئن تھا وہ، مسکرانے لگ گیا تھا۔ زیادہ بولنے لگ گیا تھا مگر اب، اب پھر سے وہ عدم ہونا شروع ہو چکا تھا۔ وہ ختم ہونا شروع ہو چکا تھا۔ نوح جبران ایک بار پھر سے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی سی جھلکی جو تھی وہ بھی اب کہیں چھپ گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر کڑوے انداز میں سر کو مارا۔

"بابا کی عادت ہے یہ، ان کی فطرت میں ہے ایسا کرنا۔ ہم انہیں نہیں روک سکتے۔ وہ اور رامیہ دونوں ایک سے ہیں۔ ان کے ہر فیصلے اور عمل پر خاموش رہنے میں ہی عافیت ہوتی ہے ورنہ

بھونچال مچا دیتے ہیں۔ جس طرح ابھی اندر۔"اس نے صوفے کی پشت کی جانب اشارہ کیا۔"مچا رہے رہیں۔"لہجے میں شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔پشیمانی اتنی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ وہ رو دینے کو ہو گئی۔مائیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دو بار تھپکا۔

"اوکے ٹھیک ہے بی ایزی۔"سیر انے انگلی کی نوک سے پلک پر سے آنسو کو چنا۔

"سب کب ٹھیک ہو گا؟"وہ آس بھرے انداز میں اس سے دست سوال تھی۔

"جلد ہو جائے گا فکر نہیں کرو۔"

دروازہ کھلا تھا۔ایشل تن فن کرتی اس میں سے باہر آئی اور اپنے کمرے میں گھس گئی۔اس نے دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ آواز پورے گھر میں گونج اٹھی۔

"اس سے نوح کی شادی نہیں ہونی چاہیے۔"سیر انے برا منہ بناتے ہوئے بند دروازے کی جانب دیکھ کر کہا۔

"ایسا ہی ہو گا۔"مائیر کے تخریبی دماغ نے پھر سے کام کرنا شروع کیا تھا۔وہ غفران کو بری طرح بھڑکا دے گا۔وہ اب ایشل کو نوح کی زندگی سے نکال کر ہی دم لے گا۔اس نے فیصلہ کر لیا۔

اس نے جو کہا تھا کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کیسے کس طرح اس نے اس کی گرفتاری کی معیاد بڑھادی تھی۔ وہ فلک جو کل گرفتار ہونے والی تھی ضمانت پر بری ہو گئی تھی۔ اس کا کیس عدالت میں چل رہا تھا۔ اسے ہر پیشی پر لازمی جانا تھا۔ وہ جب تک مکمل طور پر بری نہیں ہو جاتی۔ بے گناہ ثابت نہیں ہو جاتی وہ یہ شہر اور یہ ملک بالکل بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس پر کافی حدود و قیود قائم کی گئی تھیں۔ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھی جا رہی تھی۔ نوح پورے دل کے ساتھ اس کے کیس میں جت گیا تھا۔ اس نے جانے کہاں کہاں سے ایاز کے خلاف ثبوت اکھٹے کیے تھے۔ وہ دن دیکھ رہا تھا نہ رات، اسے وقت کا احساس بالکل بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے لمحوں کو گننا چھوڑ دیا تھا۔ ایاز پر انکوائری بٹھائی گئی تھی۔ وہ سیخ پا سا کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔ یہ تیسری پیشی سے ایک دن پہلے کی بات تھی۔ نوح نے فلک کو اس کے کام کی جگہ سے پک کیا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا زیادہ محنت نہیں کرو، تمہاری صحت کیلئے اچھا نہیں ہے۔" وہ ناراض تھا۔ صبح اس نے فلک کو واش اینڈ شائن کے آفس چھوڑا تھا اور اب دوپہر میں وہ اسے ایک برانڈ کی شاپ سے پک کر رہا تھا۔ وہ پھر سے اپنی سابقہ پوزیشن میں آ گئی تھی۔ وہ پھر سے کاموں میں جت گئی تھی۔

"مجھے تمہارا قرض چکانا ہے۔" نوح نے گردن اس کی جانب موڑی۔ کار نارمل اسپیڈ میں آگے بڑھ رہی تھی۔

"کون سا قرض؟"اس نے لاتعلقی ظاہر کی۔وہ واقعی بھول گیا تھا۔

"جو تم نے مجھے دیا تھا۔جب میں ہسپتال میں تھی۔سات لاکھ۔"اس نے گردن واپس ونڈ اسکرین کی جانب مرکوز کی۔آنکھوں کے سامنے سے مناظر گزرے جارہے تھے۔جنوری ختم ہو گیا تھا۔ زرد پن ہر سو چھانے لگا۔

"کیا میں نے ڈیمانڈ کی؟"فلک نے سوال پر سوال کیا۔سورج کی پھیکی سی کرنیں نوح کی آنکھوں میں پڑ کر اس کی چمک کو مزید بڑھا رہی تھیں۔وہ آج ہائی نیک اور جینز میں تھا۔

"کیا نہیں کرنی چاہیے؟"وہ ایک بار پھر سے نظر موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے ساتھ ہی اس نے راؤنڈ اباؤٹ سے موڑ بھی کاٹا۔

"بھول جاؤ انہیں اور اپنی صحت پر فوکس کرو۔صحت سات لاکھ سے زیادہ اہم ہے۔"اس نے ایک اور موڑ کاٹا تھا۔قطار میں گاڑیاں سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں۔آج اتوار تھا۔اس لیے سڑکوں پر کافی رش تھا۔

"میں زیادہ کام نہیں کر رہی ہوں۔البتہ اتنا ضرور کر رہی ہوں کہ تمہارا قرض جلد اتر جائے۔ہم کہاں جارہے ہیں۔"وہ اس کے 'ہم' کہنے پر مسکایا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔دس بیس منٹ بعد ان کی

کار ایک پر سکون گوشے کے پاس آ کر رکی تھی۔ نوح سیٹ بیلٹ کھول کر اٹھا پھر گھوم کر اس کی سائیڈ پر آیا اور دروازہ وا کر دیا۔

"آ جاؤ۔" وہ بھی سیٹ بیلٹ کھول کر باہر آئی۔ نظروں کے سامنے تا حد نگاہ پھیلا برف کی پتلی جھیلی لیے سمندر تھا۔ دائیں جانب دو تین ہٹ بنے تھے جن کے کھلے دروازوں سے کرسی میز رکھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ بائیں جانب دور دور تک دیکھنے پر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سمندر کی لہریں اسٹار فشز کو اپنے ساتھ لائے ساحل پر پھینک رہی تھیں۔ ہر لہر پر برف کی پتلی سی جھلی ٹوٹ کر لہرانے لگتی اور پھر سے بن جاتی۔ فلک نے اچنبھے سے چاروں اور نگاہ دوڑائی۔

"یہ میری پسندیدہ جگہ ہے۔ میں جب بھی بہت اداس ہوتا ہوں یا خوش، یہیں آتا ہوں۔ یہاں کی ریت میرے قدموں سے واقف ہے۔" وہ اسے بتاتے ہوئے چلنے کا کہہ رہا تھا۔ فلک نے اس کے ساتھ ہی قدم اٹھانا شروع کیے۔

"انسان کو اپنے ساتھ وقت بتانا چاہیے یہ صحت کیلئے اور دماغ کیلئے بہت اچھا ہوتا ہے۔ میں جب یہاں پر چلتا ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں اپنی اندر کی ساری کثافت ہر قدم کے ساتھ جھٹکتا جا رہا ہوں۔ میں پر سکون ہوتا جا رہا ہوں۔" ہوائیں تیز تھیں۔ سورج چھپکا۔

"اس لیے میں تمہیں یہاں لایا ہوں تاکہ تم بھی تھوڑا سا ریلیکس ہو جاؤ۔ کل سب اچھا ہو گا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے خاموش تھی۔ اسے نوح کے ساتھ نہیں چلنا تھا۔ اسے اس کے ساتھ قدم نہیں اٹھانے تھے۔ وہ اپنے دل کو بہت پہلے بند کر چکی تھی۔ اس نے بہت پہلے ادراک کا زہر چکھ لیا تھا۔ وہ مزید خود کو زخمی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ مزید اپنے دل کو نہیں دکھا سکتی تھی۔ بالکل بھی نہیں۔

"تم کہہ رہے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔" اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔ اب وہ جوش، اب وہ چاہت، اب وہ امید مفقود ہو گئی تھی جو کبھی اس کے کلام کرنے، اس کے دیکھنے اور اس کے مسکرانے پر دل میں اٹھتی تھی۔ اب تو وہ نوازیشیں بھی جیسے بھربھرے ریت کی طرح لگتی تھیں جو بس ابھی ہے اور پھر ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ ہاتھ خالی رہیں گے۔ آنکھیں ویران۔

"میں نے تمہارے لیے کچھ لیا ہے۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔ پہلے وہ آگے تھا۔ فلک جان بوجھ کر سست تھی، پیچھے تھی پھر وہ بھی اس کی رفتار میں اس کے برابر ہو گیا۔ اسے پوری زندگی اس کے برابر رہنا تھا۔ وہ آگے بڑھنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ کبھی اس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اعتدال قائم رہے گا اور ہمیشہ رہے گا۔

"تم اس کو قبول کرو یا نہ کرو یہ تم پر منحصر ہے لیکن میں نے اسے بہت دل سے لیا ہے۔" اس نے جینز کی جیب سے ایک نیلے رنگ کی مخملی ڈبیا نکالی اور رک کر اسے کھول دیا۔ اس کے اندر ایک

انگوٹھی تھی۔ پلاٹینیم کی انگوٹھی بغیر کسی ڈیزائن کے بالکل گول، وہ ایک ویڈنگ رنگ تھی۔ فلک اسے دیکھتی رہی۔

"اگر تم اسے قبول لو گی تو میں چاچو سے بات کروں گا اور ہم اسی ہفتے نکاح کر لیں گے۔" فلک نے انگوٹھی پر سے نگاہ ہٹا کر اس کے چہرے پر ڈالی۔ ہوا چلنے کی وجہ سے دونوں کے بال اڑ رہے تھے۔ نوح کے بال اس کے چہرے پر بکھرے تھے۔ بھوری آنکھیں تھوڑی سکڑی ہوئی تھیں۔ چاکلیٹ براؤن ہائی نیک نے اس کی دراز گردن کو آدھے سے زیادہ ڈھک لیا تھا۔ کھڑی ناک اور آپس میں پیوست ہونٹ۔ اس نے خود کو کہتے سنا۔

"میں معذرت چاہتی ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔ اس کے گال اوپر کو اٹھ گئے تھے۔ آنکھوں کی چمک مزید بڑھی۔

"جانتا تھا اسی طرح کا جواب آئے گا۔ تم گزشتہ کچھ عرصے سے قنوطیت کا شکار ہو لیکن اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جو تم نے فیز کیا ہے اس میں اس طرح کا ری ایکشن نارمل بات ہے۔ اسے تم رکھ لو۔" اس نے اس کی جرسی سے ڈھکی کلائی تھام کر ہاتھ پر ڈبیا رکھی۔ "بہت سوچو، ہر پہلو پر نظر ثانی کرو اور جب دل آمادہ ہو جائے تو اسے پہن لینا۔"

اس نے وہ ڈبی مٹھی میں پکڑ لی۔ نوح جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ہو گیا۔

"اور اگر دل آمادہ نہ ہوا تو؟"نوح نے ایک قدم اس کی جانب بڑھایا۔ فلک نے پیچھے۔

"نوح اور فلک کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ فلک تک آنے کیلئے اگر مجھے کشتی کا سہارا بھی لینا پڑا تو میں لوں گا۔ مگر دستبردار نہیں ہوں گا۔ اس بار نہیں ہوں گا۔"اس نے سوچا تھا۔ کہا تو فقط اتنا ہی۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے یعنی وہ تم ہی ہو جو مجھے مجھ سے پہلے قبول کر چکی ہو۔"اس کی آنکھوں کی شرارت واضح تھی۔ فلک نے نروٹھے پن سے رخ موڑ کر چلنا شروع کیا۔

"یعنی اب تم ہر وقت اسی لمحے کا طعنہ دو گے۔"وہ بھی اس کے برابر چلنا شروع ہوا تھا۔ ان کے قدموں کے نشان پیچھے چھوٹ رہے تھے۔ ایک ساتھ مگر فاصلے سے۔

"لڑکی الزام مت لگاؤ مجھ پر، یہ طعنہ نہیں ہے یہ تو ریمائنڈر ہے تاکہ تم بھول نہ جاؤ۔"اس نے بڑے طریقے سے اپنے لفظوں پر شوگر کا کوٹ کیا تھا۔ فلک گاڑی کے پاس آ کر رکی۔

"اچھا ریمائنڈر ہے جو مجھے بار بار شرمندہ کرواتا ہے۔"اس کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی نوح نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ وا کر دیا۔ وہ بیٹھ گئی تھی۔ بیٹھنے سے پہلے ہی اسے نوح کے الفاظ سنائی دیے۔

"شرمندہ یا بلش مطلب میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم جیسی لڑکی بھی بلش ہوتی ہے۔"وہ اسے ونڈ اسکرین سے ڈائیورنگ سیٹ تک آتا نظر آ رہا تھا۔ نوح نے جونہی خود کو بٹھایا تو نہی فلک کا سوال اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"مجھ جیسی لڑکی سے کیا مراد ہے تمہاری؟"اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے اسے ریسورس کیا پھر ڈھلوان چڑھا کر سڑک پر لے آیا۔

"جیسے ورک ہولک، لاابالی، شوخ چنچل، بے پرواہ۔"اتنے سارے خطاب نے اس کا دل مسوس دیا تھا۔ وہ چپکی بیٹھی رہی پھر یاد آنے پر بولی۔

"یوں تو میں بھی تمہیں کھڑوس، بدتمیز، بدتہذیب اور بدلحاظ کہہ سکتی تھی مگر نہیں کہہ رہی۔"اس نے اپنی تیر کمان سی ابرو اچکا کر محظوظ انداز میں اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ کتنے وقت بعد وہ اپنے پرانے جون میں لوٹی تھی۔ کتنا مس کیا تھا اس نے یہ والی فلک کو۔

"ابھی بھی نہیں کہہ رہی؟"اس نے پھر سے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہاتھوں میں وہ ڈبی اب بھی موجود تھی۔ منہ پھولا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ناراضی کا عنصر گھلا تھا۔

"تم مجھے میرے گھر چھوڑ دو۔ مجھے اب کہیں نہیں جانا۔"نوح کے نمبر پر کال آرہی تھی۔ کال ایشل کی تھی۔ اسٹینڈ پر لگے فون پر جگمگاتا نام فلک کی آنکھوں میں بھی چبھ رہا تھا۔ اس نے نظریں پھیر دیں۔ فون ایک بار نہیں آیا تھا بار بار آرہا تھا۔ نوح نے تنگ آکر اس کی کال کاٹی اور پھر اس نمبر کو عارضی طور پر بلیک لسٹ میں ڈال دیا۔

"ایک تو یہ لڑکی فضول میں جان کا وبال بن گئی ہے۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ فلک نے سن لی۔

"کچھ عرصے بعد میرے بارے میں بھی ایسا ہی کہو گے۔" اس کے بے ساختہ کہنے پر نوح بھونچکارہ گیا۔ وہ متحیر انداز میں اس کی جانب مڑا تھا۔

"کیا کہا، ہوش میں تو ہو۔" ابرو تن گئی ماتھے پر بل آن سمائے۔

"مانا کہ بیماری کی وجہ سے آج کل تم برے موڈ میں ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بالکل ہی بد دماغوں والی باتیں کرو۔" اتنے دنوں بعد وہ بھی پہلے والا نوح بنا تھا۔ اسے جھڑک دیا۔

"کیا ہی غلط کہا ہے میں نے، پہلے تم عروبہ کو پسند کرتے تھے۔ پھر میری باری آئی اور اب ایشل۔" نوح نے گاڑی ایک سائیڈ پر لگالی۔ وہ بالکل مڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو میں وومنائزر ہو؟" اسے برا لگا۔ اسے بے حد برا لگا۔ وہ فلک سے کم از کم اس چیز کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔ میں نے صرف ایک بات کہی ہے۔" فلک نے گردن کھڑکی کی جانب کر لی۔ ٹھنڈی ہوائیں اس کے بالوں کو آ کر چھو رہی تھیں۔ روڈ خالی اور صاف تھا۔

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا تم فلک، میری زندگی میں تمہارے علاوہ کسی اور کی مزید کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور میں تمہارے بارے میں اس طرح سے سوچنا شروع ہو جاؤں ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اتنا یقین ہے مجھے خود پر کہ میں مرتے دم تک تم سے فیڈ اپ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ دل میں بس جاتے ہیں وہ دل سے کبھی نہیں اترتے۔ عروبہ کبھی میرے دل میں نہیں تھی اس لیے آج میری زندگی میں نہیں ہے۔ وہ میرا ماضی تھی اور تم میرا حال، میرا مستقبل ہو۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے پھر سے گاڑی چلا دی تھی۔ فلک نے کھڑکی پر سے گردن کا زاویہ بدل کر ایک بار پھر اس پر مرکوز کیا۔

"وہ تم سے پہلے عروبہ کو پسند کرتا تھا۔ مرتا تھا اس پر، اسے دیکھ نہ لے چین نہیں آتا تھا اسے۔ شادی تک پلان کر لی تھی مگر کیا ہوا وقت گزرنے کے ساتھ بھول گیا اسے۔ ایشل سے منگنی کر لی اور اب تم ہو اس کی زندگی میں۔ اس نے اپنی پہلی محبت کو بھلا دیا تو تمہیں بھی بھلا دے گا۔ اس میں بھی اسے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ پہلی محبت بہت جاندار ہوتی ہے۔ اس کے بعد تو سب آتے اور جاتے ہی ہیں۔"

جبران کے الفاظ اس کی سماعت میں گردش کرنے لگے تھے۔ وہ اسے بھلا چکا تھا۔ یہ دور وہ جی چکی تھی۔ اس دور کی اذیتیں ابھی تک جاویدہ تھیں۔ وہ کیسے اس بڑے حادثے کو فراموش کر سکتی تھی۔

وہ نہیں کرے گی۔ اب نہیں کرے گی۔ اس نے سیٹ پر ٹکے سر کو نوح کی جانب موڑا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

"کیا واقعی مرد اتنی آسانی سے بھلا دیتے ہیں۔ وہ عروبہ کو چاہتا تھا پھر وہ اسے بھول کیسے گیا۔ کیا واقعی میں پہلی محبت کو بھلانا اتنا آسان ہوتا ہے۔ کیا واقعی انسان موو آن کر لیتا ہے۔ میں بھی تو اگنور ہوئی ہوں۔ ایشل کے آنے کے بعد تو جیسے میں تھی ہی نہیں۔ کہیں بھی نہیں تھی حالانکہ میں اس وقت بیمار تھی۔ اس کی ساری توجہ ساری فکریں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ لمحے مفقود ہو گئے تھے جو کبھی ہم دونوں کے بیچ رہے تھے۔ وہ وعدے ختم ہو گئے تھے جو کبھی تھے۔ عروبہ کے ساتھ اس نے شادی پلان کی تھی۔ وہ اب میرے ساتھ بھی یہی سب کر رہا ہے۔ کیا عروبہ کی طرح وہ مجھے بھی بھلا دے گا۔ آسانی سے بھلا دے گا۔ کیا نوح بھلا دینے والوں میں سے ہے۔ پہلے عروبہ پھر میں اور اب ایشل۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ سوچے چلے جا رہی تھی۔ اس کے دماغ میں بنتے تانے بانے بڑے الجھے ہوئے سے تھے۔ اس کے اندر عجیب سی گھٹن بھرنے لگی تھی۔ وہ اس گھٹن سے جلد از جلد نجات چاہ رہی تھی۔ نوح نے بلآخر تنگ آ کر اس کی سمت دیکھا۔

"ایسے گھورنا بند کرو میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔"

فلک نے سٹپٹاتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ نوح نے جھجکتے ہوئے ایک اور نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ کھوئی کھوئی سی تھی۔ شاید وہ انگوٹھی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نوح نے گھر کے گیٹ کے باہر ٹائروں کو روکا تھا۔ فلک کچھ بھی کہے بنا اتر کر چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ وہ الجھنوں میں گھری ہوئی ہے۔ وہ اس کی دلی کیفیت سے واقف تھا۔ اس طرح کا فیز اس نے بھی تو جھیلا تھا۔ وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فلک نے فون اٹھا کر کسی کو میسج کیا تھا۔ جواب آنے پر وہ بیڈ پر جا کر ٹک گئی۔ اس نے انگوٹھی کیس اوپن کیا۔ پلاٹینیم کی سادی سی انگوٹھی وہاں موجود تھی۔ اس نے اسے باہر نکالا۔ وہ اسے کھوئے کھوئے سے انداز میں انگلیوں کے درمیان گھما رہی تھی جب انگوٹھی کی اندرونی سائیڈ پر اسے اپنا اور نوح کا نام ایک ساتھ کندہ ہوا نظر آیا۔ وہ مسکرا دی۔

کوئی اور وقت ہوتا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا مگر کوئی اور وقت ہوتا تب نا۔ اس نے گہری سانس بھر کر انگوٹھی کو واپس رکھا تھا پھر وہ کیس اس نے اپنے پیکڈ بیگ میں رکھ دیا۔ اسی دوران اس کے فون پر پھر سے بیپ بجی تھی۔ وہ فون اٹھا کر باہر آ گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے اسی مقام پر تھے جہاں ملنے کیلئے وقت کا تعین کیا گیا تھا۔ دونوں کے چہروں پر ماسک تھے۔ دونوں ہی ایک دوجے کو نفرت کی نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

"کہو کیوں بلایا ہے؟"اس نے درشتی سے دریافت کیا۔وہ جانتی تھی یہ ملاقات قانون کے خلاف ہے مگر پھر بھی وہ وہاں تھی۔

"مجھے اس شہر اور ملک سے واپس پاکستان جانا ہے۔میں چاہتی ہوں تم کیس کو واپس لے لو۔کیس بند ہو گا تو تم بھی بری ہو جاؤ گے۔"وہ تمسخر پن سے مسکرا دیا۔اس کے مسکرانے کی آواز بہت بلند تھی۔

"یہیں تک محبت تھی تمہاری اپنی دوست کے ساتھ،مجھے تو لگا تھا تم میری بوٹی بوٹی کو ہر کونے ہر نکڑ پر لگوانا چاہو گی۔"اس کے اندر پھر سے کچھ ٹوٹا تھا۔تھوڑی پھر سے کانپ اٹھی مگر اس نے ضبط کر لیا کہ اب فقط ضبط کرنے اور خاموش رہنے کے کوئی چارہ نہیں تھا اس کے پاس۔

"خواہش میری یہی ہے۔پورا یقین ہے تم پکڑے جاؤ گے اور سزا بھی ہو گی لیکن فی الحال مجھے یہاں سے جانا ہے۔تم کیس واپس لے لو۔میں تم پر لگا الزام ہٹا دیتی ہوں۔"ایاز سوچ میں پڑ گیا تھا۔یہ ڈیل کرتے ہوئے فلک نے اپنے کتنے ٹکڑے کیے تھے یہ تو اس کا اللہ ہی جانتا تھا۔

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو،میں چاہوں گا تم بھی سزا پاؤ۔"فلک اسے تکتی رہی پھر اس نے گہرا سانس بھر کر مرر وال سے باہر دیکھا تھا۔

"سوچ لو فیصلہ تمہارا ہے۔ میں تو پھر بھی کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں گی مگر تم، تم پھر پوری عمر جیل میں سڑو گے۔" وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ جس طرح نوح کیس کے ساتھ جڑ گیا تھا اس حساب سے وہ بامشکل دو ماہ ہی اس میں پھنسی رہے گی۔ اس کے بعد وہ آزاد ہو گی اور ایاز سلاخوں کے پیچھے۔ ایاز نے بہت سوچا، جوڑ توڑ کی اور پھر خون کے گھونٹ پیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بلا آخر ایاز نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔ اسے بھلے اس لڑکی سے شدید پرخاش ہو لیکن اب وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ پھنس رہا ہے۔ قانون کا سہارا لے کر وہ خود ڈوب رہا ہے۔ اگر وہ اس معاملے کو کورٹ میں نہ گھسیٹتا تو اب تک کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ غیر قانونی طور پر آئی ہوئی وہ لڑکی اور اس کا بوائے فرینڈ کس طرح قتل ہوئے اور کہاں دفن ہوئے ہیں۔ اس نے غلطی کر دی تھی۔ شدید غلطی۔ میرا تو کوئی تھی ہی نہیں۔ جو تھی وہ بہت پہلے مر چکی تھی اور اب پولیس پوری توجہ سے اس کے بارے میں معلومات نکال رہی تھی۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی غیر قانونی طریقے سے یہاں آئی ہے۔ ایاز تو صاف مکر گیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کس طرح یہاں آئی۔ میں نے تو بس اس سے محبت کی شادی کی تھی۔"

اس طرح کے کیسز آئے روز عدالتوں میں آتے تھے۔ لڑکے یا لڑکیاں جو غیر قانونی طریقے سے آیا کرتی تھیں یونہی شادی کر کے خود کو محفوظ کر لیا کرتی تھیں۔ اب تو جیسے یہ معمول بن گیا تھا۔

ایاز نے وہی کیا جو اس کے اور فلک کے درمیان طے ہوا تھا۔ اس نے کیس واپس لے لیا۔

"مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں تھی۔ یہ زبردستی کی مہمان بن کر آئے روز ہمارے گھر آتی تھی۔ ایک بار اس نے مجھ سے بے حد بدتمیزی کی اسی وجہ سے میں نے اس سے بدلہ لینے کیلئے میرا کی موت کا الزام اس پر لگا دیا۔ مجھے جب نامعلوم نمبر سے اپنی بیوی کی موت کی اطلاع ملی تب میں غصے میں اس کے پاس گیا تھا۔ وہاں میں نے اس پر ہاتھ اٹھایا پھر اس کے بالوں کو جو میرے کپڑوں پر چپک گئے تھے میرا کی مٹھی میں ڈال دیے تاکہ یہ پھنس جائے اور جواب دہ ہو۔"

وہ مکمل طور پر آزاد ہو گئی۔ اس کا آزاد ہونا بنتا بھی تھا مگر ایاز نظروں میں آ گیا۔ اس کے بیان نے اس کو پھنسوا دیا تھا۔ وہ ایک اور کیس میں پھنس گیا تھا۔ الزام کے کیس میں۔ پولیس نے اس پر انویسٹیگیشن نہیں روکی۔ اس پر کافی چارجز لگ رہے تھے۔ وہ بوکھلا گیا۔ اسی بوکھلاہٹ میں اس نے ملک چھوڑ دیا تھا۔ وہ کہاں اور کس طرح غائب ہوا کسی کو نہیں پتا چل سکا۔ میرا کا کیس بھی باقی غیر ملکی لڑکیوں کی طرح فائلوں میں دب کر رہ گیا۔ غیر ملک کی غیر ہوا نے ہمیشہ ہمیشہ میرا کو بھلا دیا تھا۔

لوگ سمجھتے ہیں باہر کا رشتہ ہے تو اچھا ہو گا۔ بہترین ہو گا۔ زندگی خوشگوار اور کامیاب گزرے گی۔ پاکستان میں کیا رکھا ہے۔ فیوچر تو باہر ہے۔ کامیابی تو باہر ارے صحت بھی تو باہر ہی ہے۔ ایسی ہے؟

اس طرح ہے؟ آپ کی بیٹی تشدد کا شکار ہو۔ منہ سیے رکھے اور پھر مر جائے۔ یہ ہے باہر کی زندگی، یہ ہے وہاں کی ریت۔

کتنی پاکستانی لڑکیوں نے یونہی اپنا گلا گھونٹے رکھا۔ خود کو سولی پر چڑھائے رکھا۔ اس کی تو شادی باہر ہوئی ہے۔ خاندان میں نام ہے۔ ایک مرتبہ ہے۔ ماں باپ کی گردن اونچی ہے۔ بھائیوں کے سینے چوڑے ہیں۔ ان کی بیٹی باہر بیاہی ہوئی ہے۔ ہونہہ کیسی نام نہاد سوچ ہے نا، کیسا چھوٹا ذہن ہے نا۔ ہزاروں کی تعداد میں لڑکیاں مر رہی ہیں کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ لاکھوں دل اجڑ رہے ہیں کوئی نہیں جانتا۔

آج میرا مری کل کوئی اور مرے گی اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا تب تک جب تک لالچ کا گراف اونچا رہے گا۔ نام کی بھوک جاویدہ رہے گی۔ 'میں' میں سر یا ڈلا رہے گا۔

تب تک یہ سب یہ چلتا رہے گا۔

آج پھر سے اتوار کا دن تھا لیکن یہ کیا اس کی صبح اتنی جلدی کیوں ہو گئی۔ وہ آئینے کے سامنے کپڑے اٹھا اٹھا کر کیوں دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر نروسنس کیوں پھیلی ہوئی ہے۔ آنکھوں میں

بے چینی اور ہاتھوں میں عجلت کیوں ہے۔اس نے رائیل بلیو رنگ کی جرسی شرٹ اٹھائی۔وہ بالکل سادہ تھی۔بازو پورے تھے۔گلاوی تھا۔اس نے گہری سانس بھر کر اسے بھی بیڈ پر پھینک دیا۔

"یہ بھی نہیں، کیا پہنوں میں۔"وہ تھک ہار کر بیٹھنے ہی والا تھا جب اس کے دماغ میں کوندا لپکا اس نے مڑ کر صوفے پر آڑھی ترچھی پڑی سفید شرٹ کو دیکھا۔

"سفید رنگ مجھ پر بہت سوٹ کرتا ہے ایسا سیر ابار بار کہتی ہے۔"اس نے سفید شرٹ اٹھا کر پہنی۔ اس کا گول گلا تھا پورے بازو تھے۔اس نے اس پر پاکٹس والی سفید ہی جیکٹ پہنی اور ساتھ میں لائیٹ گرے پینٹ، بالوں کو جیل سے جمانے کے بعد اس نے جو گر پہنے تھے۔ریسٹ واچ بھی چڑھائی پھر ڈھیر سارا پرفیوم خود پر چھڑک دیا۔نظر شیشے پر تھی جس میں سے بکھرا ہوا بیڈ دکھائی دے رہا تھا۔اس کا فون وہیں سائیڈ پر پڑا تھا۔جس پر دو گھنٹے قبل میسج آیا تھا۔

"آج میرا آف کا موڈ ہے۔کیوں نہ پورا دن ساتھ بتائیں۔"

اس کا دل ایک بار پھر سے دھڑکا تھا۔لبوں پر مبہم سی مسکان پھیل گئی۔اس نے کہا وہ پورا دن ساتھ بتانا چاہتی ہے۔یہ کیسی خوش آئندہ بات اور روح کو تسکین دینے والی پیش کش تھی۔اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس بھرا پھر انہیں کھول دیا۔ان کی جوت دیکھنے کے لائق تھی۔وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قدموں میں رکھا بیگ اٹھا رہا تھا۔وہ ایک شاپنگ بیگ تھا جس میں اس نے

گلوز، سائیڈ ٹیبل لیمپ اور وہی سوٹ رکھا تھا جو اس نے دل سے اس کیلئے خریدا تھا۔ اور ہاں وہ سفید بوکے تو ہم بھول ہی گئے جہاں سے کہانی کی شروعات ہوئی تھی۔ اس نے ان پھولوں کو بھی اٹھالیا۔ وہ بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر آیا۔ اس نے احتیاط سے دروازہ بند کیا تھا کہ مبادہ کوئی جاگ ہی نہ جائے مگر صد شکر کوئی نہیں جاگا تھا۔ وہ دبے قدموں باہر آگیا۔ موسم دیکھتے ہی اس کے لبوں پر خوبصورت مسکان کھلی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ بالکل صاف، نیلا گہرا سمندر اس کے سر پر تھا۔ ہوا میں توازن تھا۔ زیادہ نہ ہی کم بالکل برابر، ٹھنڈی میٹھی دل کو گدگداتی ہوا۔

"فلک سفیر، آپ کی دعوت پر بدلیاں بھی بدل گئی ہیں کیا بات ہے۔" ڈگی بند کر کے وہ ابھی مڑا ہی تھا کہ بری طرح سے سٹپٹا گیا۔ مائیر اجڑے بالوں نیند کے خمار سے سوجے چہرے اور ادھ کھلی آنکھوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ نوح کے ڈرنے پر منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی روکی۔

"یہ صبح صبح دولہا بن کر کہاں جارہے ہو؟" آواز بھی مدھم تھی، نیند کے غلبے میں ڈوبی ہوئی۔

"خدایا مائیر، حد ہوتی ہے کسی چیز کی بھی۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سانس کو اعتدال بخشا۔ مائیر نے بکھرے بالوں کو کان کے اوپر سے کھجایا تھا۔ وہ مزید بکھر گئے۔

"تم اتنی صبح کہاں جارہے ہو۔" اس نے ایک بار پھر سوال داغا تھا۔ ایک بار پھر جمائی کو روکا گیا۔

"یہ پوچھنے کیلئے اس حالت میں یہاں آئے ہو، حد ہے ویسے۔"موڈ غارت ہو گیا تھا۔لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی۔پاس سے گزرتی نسیم بری نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا پھر پر پھیلا کر آسمان کی وسعت کو ماپنے لگی۔

"تم میری جاسوس فطرت سے آگاہ ہو۔جلدی بکوس کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہو۔نہیں بتایا تو اپنے بندے لگوا دینے ہیں تمہارے پیچھے۔"نوح نے منہ کے آگے سے ہاتھ جھلایا تھا۔یہ انسان اور اس کی گیدڑ بھبکیاں۔

"لگوا دو بندے جو تمہارے پاس ہیں۔"طنزیہ کہتے وہ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا جب بوکھلاتے ہوئے الٹے پیروں سے اسے واپس آنا پڑا۔سختی سے اپنا ہاتھ مائیر کے منہ پر جمایا جو جبران کو منہ پھاڑ کر آواز دے رہا تھا۔پہلی ہی پکار پر اس کا گلا بند کر دیا گیا۔

"انکل نوح ڈیٹ پر جا رہا ہے۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا حرکت ہے یہ؟"ماتھے پر بل ڈالے اس نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تھا۔مائیر نے دونوں ہاتھوں کی قینچی بنا کر کٹ کا سائن کیا۔نوح نے سختی سے جما اپنا ہاتھ اس کے منہ سے ہٹا دیا۔ہاتھ ہٹانے کی دیر تھی مائیر جنگلی بھینس کی طرح سانس بھرنے لگا تھا۔

"یاوحشت، تم تو ظالم درندے نکلے۔" کھانسنے کی اداکاری الگ ہوئی۔ نوح نے کمر کے دونوں سائیڈ پر ہاتھ رکھ دیے۔ ماتھے پر بل تھے اور چہرہ حد سے زیادہ سنجیدہ۔

"دیکھو لڑکے، میں ایک بہت ضروری کام سے جارہا ہوں اگر اب تم نے کوئی روکاٹ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ انگلی اٹھا کر ایک بار پھر سے فرنٹ سیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ایک بار پھر سے اس کے قدموں کو روک دیا گیا۔

"اس ضروری کام کا نام بتادو پکا کوئی روکاٹ نہیں کروں گا۔" نوح نے دانت کچکچاتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ ایک گہرا سانس کھینچا پھر آنکھیں کھولنے پر اسے چھوڑ دیا۔

"ویسے نام مجھے پتہ ہے بس تم سے اگلوانا چاہ رہا ہوں۔" پورے دانت نکال کر وہ اسے کہہ رہا تھا۔ نوح نے کوئی توجہ نہیں دی۔ مائیر کی عادت تھی ہوا میں تیر چھوڑنے کی اس لیے کوئی بھی جواب دیے بنا ہی وہ کار میں بیٹھ کر اسے وہاں سے بھگا لے گیا۔

"سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا۔"

ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ فلک کے گھر کے باہر پہنچ گیا تھا۔ اس نے ہارن دیا۔ دو منٹ بعد ہنستی مسکراتی سی وہ چلتی ہوئی اسی کی طرف آرہی تھی۔ نوح اسے دیکھ کر ہق دق رہ گیا۔ یہ اس کے دل

کو کیا ہو رہا تھا۔ یہ آس پاس افشاں کیوں بکھر گئی۔ پھول کیوں کھل اٹھے تھے۔ خوشبو کیوں مہک رہی تھی۔ کیا وہ فلک تھی؟

سیاہ پلیٹڈ اسکرٹ اس پر اسکن رنگ کی فر والی جرسی جس کے بال ریشم جیسے محسوس ہو رہے تھے۔ لانگ سیاہ کوٹ، بھورے بند جوتے، اسکرنچی میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں قید بال، پونی گردن سے چپکا کر باندھی ہوئی تھی تبھی بہت ساری لٹیں کھل کر چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ وہ فلک تھی۔ وہی فلک جو میلی کچیلی رہتی تھی۔ جس کے چار رنگے کپڑے ہوتے تھے۔ جو کئی کئی دن منہ دھونا بھول جاتی تھی۔ جو کبھی لڑکی لگتی ہی نہیں تھی۔ احساس دلواتی ہی نہیں تھی کہ وہ صنف نازک ہے مگر آج، آج اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ اس کا چہرہ دھلا تھا۔ آنکھوں میں کاجل تھا، پلکوں پر مسکارا اور ہونٹوں پر لپ گلوز، نوح نے نظریں چرا لیں۔

"مجھے لگا تھا تم شاید لیٹ ہو جاؤ۔" وہ پسینجر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اس لیے میں پوری تیار بھی نہیں ہوئی، سوچا تھا کوئی اچھا سا ہیئر اسٹائل بناؤں گی۔" اس نے دروازہ بند کیا پھر ہاتھ بڑھا کر مرر نیچے کر دیا۔ اس کے کانوں میں موجود آویزے چمکنے لگے تھے۔ تھوڑا سا

اچک کر وہ کر اس بیگ میں سے ٹنٹ نکال کر اسے گالوں پر رگڑنا شروع ہوئی تھی۔ نوح نے اسے ٹوک دیا۔

"ایسا مت کرو۔۔۔ عجیب لگ رہا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑے اس کی طرف مڑی، مڑتے ہی دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی اس کی نظروں میں آگئی اور بس وہ ہی پھر نگاہوں میں رہی۔ وہ دم سادھے اس انگوٹھی کو اس کی انگلی میں دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ جیسے تھم سا گیا تھا۔ وہ افشاں جو باہر بکھری تھی اب گاڑی میں بھی اکھٹی ہونا شروع ہوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے چمکتے ہوئے ذرات اور ان میں بیٹھے وہ دو نفوس۔ نوح نے سر جھکا لیا۔ اسے لگا اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے ہیں۔ اس نے فوراً انہیں جھپک دیا۔

"یعنی تم کہہ رہے ہو میں عجیب لگ رہی ہوں۔ کتنی غلط بات ہے۔ اتنی محنت سے تیار ہوئی ہوں میں، مجھے لگا تھا تم میری تعریف کرو گے۔ ہاؤ مین۔" نوح نے دونوں لبوں کو فلوڈ کر کے واپس سیدھا کیا۔ ایسا کرنے کے بعد وہ جذبات سے سرخ پڑتے چہرے سے مسکرایا تھا۔ سر تاہنوز جھکا تھا۔ وہ اچانک سے مغلوب ہو گیا تھا۔ اس کا دل بھر رہا تھا۔ شاید وہ اچانک اس چیز کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس نے گلا کھنکھارا، خود پر قابو پایا۔

"میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں ہے یعنی تمہیں کبھی یہ سب کرتے نہیں دیکھا تو میرے لیے تھوڑا ان ایکسپیٹڈ سا ہے۔" نظر اٹھالی، دل کو بہکنے دیا۔ لرزنے دیا۔ کوئی اتنا خوبصورت لگ سکتا ہے۔ کوئی اتنا حسین لگ سکتا ہے اسے اندازہ نہیں تھا۔ فلک نے اس کی طرح ابرو اچکانے کی اداکاری کی پھر مسکرا دی۔

"یہ ٹھیک کہا تم نے دراصل مجھے بھی عادت نہیں ہے ان سب چیزوں کی مگر آج دل کر رہا تھا اس لیے سوچا کرلوں۔ ویسے سچ بتاؤ کیسی لگ رہی ہوں۔" شانے اچکا کر وہ ٹنٹ کو اچھے سے گالوں پر پھیلا رہی تھی ساتھ میں اس سے دریافت بھی کر رہی تھی۔ نوح کی خاموشی پر اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر شانے اور ابرو ایک ساتھ اچکا دیے۔ یعنی کہو بھئی چپ کیوں ہو۔

"ضرورت سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کی تعریف پر ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں بہار کے سارے رنگ تھے۔ اس کی آواز میں زندگی کے سارے ڈھنگ تھے۔

"ضرورت سے زیادہ سے کیا مراد ہے تمہاری؟" گلابی رنگ نے اس کے گالوں پر ڈیرہ جما لیا تھا۔ اس کی ناک کی چونچ بھی تو آتشی تھی۔ نوح کا اچانک دل کیا وہ اس پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دے اور تھوڑا سا رنگ چرا کر اپنے بے رنگ وجود پر بھی پھیلا لے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ابھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"اب میں اس کو کیسے ڈیفائن کروں۔" ہاتھ اسٹرینگ وہیل پر تھے اور نگاہیں اپنی زندگی پر۔

"تم نے کہا ہے تو تم ہی کرو نا، اب اچھا لگنے میں اور ضرورت سے زیادہ اچھا لگنے میں کیا فرق ہے۔ یہ تم بتاؤ گے نا مجھے۔" وہ مصر ہوئی یعنی آج وہ طے کر کے آئی تھی نوح سے اپنی پوری پوری تعریف وصول کرے گی۔ گلابی، سنہری، سبز، نیلی، پیلی ہر رنگ کی افشاں کے درمیان ہر رنگ کے موسم کی خوشبو گھل گئی۔ وہ کار اور اس میں بیٹھے نفوس کرہ ارض پر تھوڑی نا تھے وہ تو جنت کے کسی ایک گوشے میں چلے گئے تھے۔ جہاں دل آویز منظر ہی ہوا کرتے ہیں۔ آنکھ مسکراتی ہے اور دل، وہ تو بس کھلکھلا اٹھتا ہے۔

"اچھا لگنا یعنی بس اچھے لگ رہے ہو آنکھ کو بھا رہے ہو۔ ضرورت سے زیادہ اچھا لگنا مطلب آنکھ ہی نہیں دل کو بھی بھا رہے ہو اور اتنی شدت سے بھا رہے ہو کہ نظر لگنے کا گمان ہو۔ اب دیکھو میں نظر بھر کر تمہیں نہیں دیکھ پا رہا کہ کہیں میری ہی نظر تمہیں نہ لگ جائے۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ بار بار پلکوں کو جھپک کر نظر اس کے چہرے سے بھٹکا رہا تھا مگر شاید دل کے ہاتھوں مجبور تھا اس لیے دیکھنے پر خود کو روک بھی نہیں پا رہا تھا۔ فلک کے چہرے پر سرخی گھل گئی۔ وہ اس کے بتائے گئے فرق کے حصار میں ہی تھی۔ وہ بھی مغلوب ہو گئی۔

"سب تو کہتے تھے میں عام شکل وصورت کی ہوں۔ مجھ پر کچھ نہیں جچتا۔" اس نے سرگوشی ملی آواز میں کہا ساتھ میں کن انکھیوں سے اس شخص کو بھی دیکھا جو اس کی جانب متوجہ تھا۔

"سب بصارت سے محروم ہوں گے۔ کوئی نوح جبران کی آنکھ سے پوچھے فلک سفیر کے حسن کی تعریف۔" اس نے بھی سرگوشی میں ہی کہا تھا۔ فلک ایک بار پھر ہنس دی۔ ایک بار پھر پھولوں کی برسات ہوئی تھی۔

"باتیں کوئی تم لڑکوں سے بنوانا سیکھے۔" سر جھٹک کر وہ پھر سے ٹنٹ کو لے کر بیٹھ گئی تھی۔ طلسم اس کی جانب سے ٹوٹا تھا۔ نوح تو آج پور پور طلسم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں میں پھر سے وہ انگوٹھی آئی تھی۔ وہ پھر سے خود میں سے خوشی کی لہر اٹھتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

نوح اس سے انگوٹھی کے بابت پوچھنا چاہتا تھا۔ اس کا بہت دل کر رہا تھا لیکن ہمت نہیں تھی اس لیے اس نے گاڑی کو چلا دیا۔ فلک نے کھینچ کر اسکرنچی بالوں میں سے نکالی، سلکی بال کھل کر اس کے شانوں پر گر گئے۔ وہ دونوں ہاتھ ان میں دیے انہیں پھیلا رہی تھی۔ نوح نے ایک بار پھر نچلہ لب دانتوں میں لے کر چھوڑا۔ اس کے دل کی دھڑکن یک لخت ہی غیر متوازن ہوئی تھی۔ اس نے نظریں نیچی کر کے اپنی کنپٹی کو کھجایا۔

"کیا ہو رہا ہے اس لڑکی کو آج، کیوں مجھے مروانے پر تلی ہے۔" اس نے فقط سوچا تھا کہا کچھ نہیں۔

"کہاں جانا ہے؟"محتاط انداز میں پوچھا تاکہ وہ حال دل جان نہ لے۔

وہ اس کی طرف پر جوش سی مڑی تھی۔وہ دن انہوں نے بہت یادگار گزارا تھا۔فلک کو امیوزمنٹ پارک جانا تھا۔وہ اسے لے گیا۔کون سی رائیڈ تھی جو اس نے اس کے ساتھ نہیں لی تھی۔کئی کو تو اس نے اس کی ہیلتھ کنڈیشن کی وجہ سے انکار بھی کیا تھا مگر وہ کہاں سنتی تھی۔اس نے نا صرف اپنے دل کو بری طرح دھڑکایا بلکہ نوح کے بھی چودہ طبق روشن کر دیے۔وہ مزید اس کی سنے بنا کسی طرح اسے کھینچ تان کر پارک سے باہر لے آیا تھا۔اس سے زیادہ وہ خود پر جبر کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کی صحت پر کمپرومائز،جانے بچے کون سی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں جو اتنی خوفناک رائیڈز لے لیتے ہیں۔اس نے جھرجھری بھری۔

دونوں نے برنچ ایک ساتھ کیا تھا۔یہ تجربہ بھی الگ تھا کیونکہ برنچ اسٹریٹ فوڈ پر مشتمل تھا۔ پلاسٹک کی سرخ کرسیاں درختوں تلے بچھی تھیں۔چھوٹی سی گول میز اور عین سامنے بھاگتی دوڑتی سڑک۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنی پاگل لڑکی ہو۔"کھانا سرو ہوا تو اسے دیکھ کر نوح ایک بار پھر سے حیرت میں مبتلا ہو گیا۔آج کا دن ہی حیرتوں سے بھرا تھا۔تری والے چنے،نان،آم کا اچار،سری

پائے، آئل میں لت پت پراٹھے اور بڑے بڑے لسی کے گلاس۔ یہ ایک سکھ کا ڈھابا تھا جہاں فلک اسے کھینچ کر لے آئی تھی۔

"ہیں، مجھے تو لگا تم اول روز سے واقف ہو۔" وہ ہاتھ رگڑتے ہوئے کھانے پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھی۔ نوح نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اس کو روک دیا۔

"تم یہ سب نہیں کھاؤ گی۔ اتنی بڑی سرجری ہوئی ہے تمہاری، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صرف پرہیزی کھانا کھانا ہے یہ سب نہیں۔" وہ اس وقت نوح نہیں ڈاکٹر بن گیا جو اپنے مریض پر فقط حدود و قیود ہی نافذ کرتا ہے۔ تاکہ اس کا مریض جلد از جلد صحت یاب ہو جائے اور اس کے میڈیکل ریکارڈ میں ایک اور زندگی کا اضافہ ہو جائے۔

"ایسے ہی نہیں کھاؤں گی، کل رات سے میں نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ تم ابھی میری رغبت چیک کرنا اور پیچھے کرو یہ ہاتھ، پیچھے کرو۔" اس نے اس کے ہاتھوں پر تھپڑ مارا جنہوں نے پورے ناشتے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ وہ اسے کوور کیے بیٹھا تھا تاکہ فلک کھانے پر ٹوٹ نہ پڑے لیکن اس کی تمام قدغن بیکار ثابت ہوئی۔ فلک ناشتے پر ٹوٹی نہیں بلکہ برسی تھی۔

"حد ہے فلک۔" وہ کہاں اس کی سنتی تھی۔ اس نے اس کی ایک نہیں سنی۔ نوح نے گہرا سانس بھرتے ہوئے خود کو کرسی کی پشت سے لگایا تھا۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ بس دیکھے جا رہا تھا۔ وقت

سرک رہا تھا لیکن اس کا ارتکاز نہیں ٹوٹا۔ وہ لڑکی خود سے حد سے زیادہ غافل تھی۔ نوح کے سینے پر بازو بندھے تھے۔ اس کی بھوری آنکھیں بس اسی پر جمی تھیں۔ اچانک اس کے لبوں پر تبسم کھل اٹھا۔ اسے اپنا مستقبل صاف نظر آنے لگا تھا۔ وہ سر جھکا کر محظوظ ہوا۔

"تم نہیں کھاؤ گے ؟" بھرے منہ کے ساتھ کھانے پر جھکا سر اٹھا کر پوچھا گیا۔ نوح نے شانے اچکا دیے۔

"میرے لیے بچے گا۔" فلک نے شوربے میں نوالہ ڈبوتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ سابقہ پوزیشن میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"ارے نہیں بچے گا تو میں اور منگوالوں گی آج کا ناشتہ میری طرف سے۔ آجاؤ آجاؤ۔" وہ ہنستے ہوئے کرسی سے آگے کھسک کر بیٹھ گیا۔ صبح ان پر بہت خوبصورت طریقے سے اتری تھی۔

وہ دنوں آج زندگی جی رہے تھے۔ ساتھ ساحل سمندر پر لمبی واک کی، ڈھیر ساری باتیں اور بہت ساری تصاویر کھنچوائیں۔ آخر میں انہوں نے ایک ساتھ ڈنر کیا تھا۔

"آج کا دن بہت اچھا گزرا اور میں بالکل نہیں تھکی۔" وہ واقعی نہیں تھکی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ وہ مٹھی پر تھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی ساتھ ساتھ کافی کے گھونٹ بھی بھرے جا رہی تھی۔

"وہ آپ کو دیکھ کر نظر آرہا ہے۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں ہر سنڈے ہم اسی طرح ساتھ وقت گزارا کریں۔ کیا خیال ہے۔"نوح نے مسکراتے ہوئے کافی کا گھونٹ بھر کر پوچھا تھا۔ فلک نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ اسے تکتی رہی۔ ایک انچ بھی اس پر سے اپنی نظر نہیں ہٹائی تھی۔ نوح نے ماتھے پر بل آن سمائے متبسم لبوں کے ساتھ وہ سر کو جھٹک رہا تھا۔

"ایک تو تمہاری اس حرکت سے بہت پریشان ہوتا ہوں میں۔ جانے کہاں سے سیکھ لیا ہے تم نے یہ گھورنا۔"وہ سر جھکا کر ہنس دی پھر دوبارہ گہری سانس بھر کر اسے دیکھنے لگی۔

"گھور نہیں رہی دیکھ رہی ہوں کہ ڈاکٹر نوح جبران آج سے پانچ یا آٹھ سال بعد کس مقام پر ہوں گے۔ یعنی دنیا کے موسٹ وانٹڈ ڈاکٹرز کی فہرست میں نمبر ون پر، ہر کسی کے مطلوب۔"وہ محظوظ سا اسے سن رہا تھا۔ اس نے پر سکون ریستوران کے پر سکون لوگوں پر نظر ڈالی جو مدھم سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے ہم کلام تھے۔ کھانا کھا رہے تھے۔ میوزک سن رہے تھے۔ لطف اٹھا رہے تھے۔ اسے اپنا آپ ان تمام لوگوں میں سب سے خوش نصیب لگا۔

"مطلب تم چاہتی ہو میں بہت کامیاب ہوں۔"فلک نے تھوڑا سا آگے جھک کر اس کے جملے کی تصیح کی۔

"چاہتی۔۔۔۔یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ آج سے پانچ سال بعد جب ہم ملیں تو تم بہت اونچے مقام پر ہو۔بہت اونچے۔"اس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے دوبارہ بات دوہرائی تھی۔ سر سے اونچا اس کا ہاتھ تھا۔

"آج سے پانچ سال بعد ہم ملیں؟"نوح نے چندھی آنکھیں کر کے پوچھا۔وہ اس طرح کے جملے پکڑنے میں ماہر تھا خاص کر تب جب وہ فلک کے لبوں سے ادا ہوئے ہوں۔وہ اس کے معاملے میں بہت محتاط تھا۔جن سے محبت ہو ان کیلئے محتاط خود بہ خود ہوا جاتا ہے۔وہ بھی ہو رہا تھا اور کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔فلک نے منہ پر سے ہاتھ جھلایا۔

"محاورتاً کہا ہے بھئی،پاکستان میں بہت ہوتے ہیں ایسے محاورے۔"

یہ لڑکی اور اس کی اوٹ پٹانگ باتیں۔

"محاورہ ہی رہنا چاہیے اسے،خبر ادر جو تم نے مجھے چھوڑنے کا سوچا بھی تو۔"وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر مصنوعی رعب سے کہہ رہا تھا جانتا تھا ایسا بالکل بھی نہیں ہو گا۔اب تو بالکل بھی نہیں ہو گا۔فلک لبوں پر ہتھیلی کی پشت رکھ کر ہنس دی۔

"تم وعدہ تو کرو مجھ سے، بہت کامیاب ہو گے۔ میرا سر فخر سے بلند کرو گے۔ مایوسی اور ناامیدی کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دو گے۔ جان لینے کا تو سوچو گے بھی نہیں۔"نوح سے کافی نہیں پی گئی۔ وہ ہنس دیا۔ دونوں گالوں کو ہاتھوں کی قید میں رکھے کہنیاں میز پر ٹکائے اسے سنے جا رہا تھا۔

"جان تو میں نے دے دی ہے لینے کا اب سوچ بھی نہیں سکتا۔"اس کے جذب سے کہنے پر فلک ٹھہر گئی۔ وہ اس کی آنکھوں کی روشنی دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کے چہرے کی حدت محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے گلا کھنکھارا۔

"تو میں سمجھوں نوح جبران میری بات کا مان رکھ رہے ہیں۔"نوح نے گالوں کو ہاتھوں کی قید سے آزاد کروایا اور پھر سے کپ اٹھا کر ایک گہرا گھونٹ بھرا۔

"بالکل، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں تمہاری خواہش کی تکمیل کروں گا۔"وہ عظم سے کہہ رہا تھا۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے؟"وہ نوح کی بھوری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اس کی روشنیاں آج خیرہ کر دینے والی تھیں۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"چمکتی آنکھوں والے نے اس کے الفاظ اسے ہی لوٹا کر یقین دہانی کروا دی۔ وہ مسکرائی تھی۔ دل سے مسکرائی تھی۔ فلک نے جھٹ سے اپنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس کی طرف کی۔

"پکے والا وعدہ؟"نوح کو اچانک وہ شام یاد آئی جب اس نے اسی طرح سے کہا تھا۔وہ پھر مسکرا دیا۔ آج مسکرانے کا دن تھا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔"اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی ہلکے سے مس کر کے فوراً ہٹالی۔فلک بہت خوش ہوئی تھی ایسے جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔وہ دن واقعی ان کیلئے یادگار دن ثابت ہوا تھا۔ سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے کاٹن کینڈی کھاتے اس نے اپنے دل کی ہر بات نوح سے کی تھی۔ نوح نے اس کی ہر بات بڑے توجہ سے سنی تھی۔پھر وقت جدائی آن پہنچا۔فلک نے ریسٹ واچ میں وقت دیکھا۔آٹھ بج گئے تھے۔اس نے ایک دم خود کو نوح سے دور ہٹایا تھا۔وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خراماں خراماں چلتا شخص اس کے یوں اچانک آگے آنے پر رک گیا۔ابرو اچکائی کہ ہاں بھئی بولو اب کیا نیا کرنے والی ہو؟

"آج کا دن بہت اچھا تھا۔"اس نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔نوح نے اضافہ کیا۔

"بے حد۔"اس کی آواز دنیا کی حسین ترین آواز لگ رہی تھی۔شاید اس میں خوشی کی کھنک کچھ زیادہ ہی تھی تبھی جب جب وہ بول رہا تھا تب تب اس پر رشک آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر اپنی اپنی منزل پر روانہ ہوتے ہیں۔"اس کا دل اچانک بھر آیا تھا جانے کیوں وہ اچانک سے باغی ہوئی۔دل کیا فیصلے کی ڈور کاٹ دے اور جینے دے خود کو نوح کے ساتھ جب تک وہ

اس کے ساتھ ہے۔ بھلا دے مستقبل کا خوف، توڑ دے اس ڈراؤنے خواب کو۔۔۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی۔ ایک بار اس نے جدائی اور نظر اندازی کا زہر چکھا تھا سہہ لیا۔ لیکن اب اگر حد سے بڑھ گئی تو سہہ نہیں پائے گی۔ مر جائے گی اور فی الحال وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ نوح کو اچھی یاد کی طرح اپنی زندگی میں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ بالکل ایسا ہی کرے گی۔

"تمہاری اور میری منزل ایک ہے۔ دونوں ساتھ ہی چلیں گے۔ تمہیں میں نے پک کیا ہے۔ میں ہی ڈراپ کروں گا۔" فلک کے گلے میں گولا اٹک گیا درد کی انتہا اتنی ہوئی کہ وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔

"مجھے کہیں بہت ضروری کام سے جانا ہے۔" اس نے بے حد دشواری سے کہا۔ وہ سنجیدہ تھی۔

"ہاں تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں نا۔" فلک نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی اب تم جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے۔" نوح نے بھی کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ وہ صبح آٹھ بجے کا نکلا تھا اور اب رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس دوران چاچو، سیرا اور مائیر کی کتنی کالز آئی تھیں۔ جبران نے اسے کتنے فون کیے تھے۔ اس نے سب کے سب نظر انداز کر دیے فقط چاچو کے، کہ انہیں اس نے کہہ دیا تھا وہ ایک ضروری کام سے باہر ہے۔ رات میں گھر آئے گا اس

لیے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ وہ بہت آرام سے تھا۔ وہ زندگی جی رہا تھا آرام سے کیوں نہیں ہوتا۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں نا۔" فلک نے چھوٹتے ہی انکار کیا۔

"نہیں۔۔ تم مجھے نہیں چھوڑو۔۔۔۔۔ یعنی میں خود چلی جاؤں گی۔" نوح نے پر سوچ انداز میں آنکھیں گھمائیں۔ آج کی ہوا ٹھنڈی تھی اور طمانیت بخش بھی۔

"مجھے اچھا لگے گا اگر تمہیں ڈراپ کروں گا۔ تم جانتی ہو یہ بات۔" فلک کا دل عجیب سا ہوا۔ وہ درد کو دباتی مسکرا دی حالانکہ اس وقت مسکرانا اس کیلئے عذاب ہو گیا تھا۔

"ہاں جانتی ہوں لیکن آج تم جاؤ۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ جاؤ بھئی دیر ہو رہی ہے۔" وہ قریب آکر کھکھلاتے ہوئے اس کے شانے کو موڑ رہی تھی۔ نوح نے دو قدم پیچھے کیے پھر اس بے وقوف پر ہنس دیا۔

"اوکے اوکے بی ایزی۔" وہ ہنستے ہوئے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول رہا تھا۔ فلک ساکت ہو گئی۔

"آریو شیور میں چلا جاؤں تمہیں نہ چھوڑوں۔" دبی مسکان، خوش دل، محسور سا لمحہ۔ گاڑی کا کھلا ہوا دروازہ اس کے ہاتھ میں تھا اور رخ پورا کا پورا اپنی زندگی کی طرف۔

"میں دل سے چاہتی ہوں تم مجھے نہ چھوڑو۔"اس نے سنجیدہ سی سرگوشی کی تھی۔نوح کی سماعت میں پہنچ گئی۔وہ لمحے میں مغلوب ہوا تھا۔یک ٹک اسے دیکھتا رہا پھر اس نے لفظوں کی بہار اس تک لوٹا دی۔مستحکم لہجے میں گویا ہوا۔

"مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا وعدہ ہے میرا۔"فلک کی آنکھوں میں ابھرتی نمی اس سے مخفی نہیں رہی تھی۔اس کیلئے جانا مشکل ہوا۔پھر وہ لمحے میں سنبھلی تھی۔آسمان کی جانب منہ کر کے گہرا سانس بھرا اور انگلی کی نوک سے آنکھ کا کونا صاف کر دیا۔

"خدایا،ایمو شنل کر دیا تم نے مجھے۔"نوح کی نظر پھر سے انگوٹھی پر ٹھہری۔اس نے سوال کیا۔

"چاچو کو کب بھیجوں تمہاری طرف؟"وہ اس سوال پر یکدم ٹھٹھکی۔"میں چاہتا ہوں اسی ہفتے ہم باقاعدہ نکاح کر لیں۔ویسے تمہارا شکریہ تم نے اس انگوٹھی کو پہن کر میرے جذبات کا احترام کیا۔میں دل سے اس کی قدر کرتا ہوں۔"فلک کیلئے ایک ایک لمحہ مشکل ہو رہا تھا۔اس کا دل تنگ ہونا شروع ہوا۔

"ہم اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔تم بھی جاؤ۔"اس کی عجلت پر نوح لب بھینچے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔اس نے شیشہ فولڈ نہیں کیا تھا۔فلک کھڑکی پر جھک گئی۔وہ سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"سنو۔"اس نے بٹن دبانے کے بعد فلک پر نظر ڈالی۔"ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ تمہارا تمہارے گھر والوں کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے اس سے میں ناوقف ہوں مگر اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ خونی رشتوں سے لمبے عرصہ تک جدائی روح کیلئے بہتر نہیں ہوتی۔ تمہارے بابا نے جو بھی کیا جس طرح بھی ان سے سب سرزد ہوا مگر وہ پھر بھی اب تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ انہیں تم سے پیار ہے۔ وہ تمہاری فکر کرتے ہیں۔ تمہیں ان سے اپنی ناراضی ختم کر لینی چاہیے۔ قطع تعلق کرنے والا پل صراط سے نہیں گزر سکتا نوح، میں نہیں چاہتی تم پر ایسا وقت آئے۔ انہیں معاف کر دو۔ ان کا کسی بھی معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب تقدیر کا لکھا ہے۔ اگر وہ تمہاری کہانی میں نہ آتے تب بھی یہ باب تو آنا ہی تھا۔ ادراک ایک زہر ہے نوح، جسے ہو جاتا ہے اسے نگل لیتا ہے۔"

اس کے ماتھے پر ان گنت لائنیں ابھر گئیں۔ جبران کے ذکر پر اسی طرح اس کا ماتھا شکن آلود ہو جایا کرتا تھا۔

"امید ہے تم میری اس بات کو عزت دو گے اور سب سمجھو گے۔"

"ان کا یہاں کیا ذکر؟"وہ چانک الرٹ ہوا تھا۔ وہ جبران کی بات کر رہی تھی۔ ان کی سائیڈ لے رہی تھی لیکن کیوں؟

"وہ تمہارے بابا ہے۔ان کا ذکر ہوا کرے گا نوح، میں چاہتی ہوں جیسے ہر طرف سے سب ٹھیک ہو رہا ہے اسی طرح تم ان کے ساتھ بھی ٹھیک ہو جاؤ۔ انہیں معاف کر دو۔ وہ بے قصور ہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ فیصلے ذاتی بھی ہوتے ہیں۔ کچھ تلخ واقعات رونما بھی ہوتے ہیں۔ انسان موو آن کر لیتا ہے بس تھوڑا وقت درکار ہوتا ہے۔" فلک کی باتوں سے وہ الجھ گیا تھا۔ اتنے مکمل دن کی ایسی غیر مفہوم سی باتیں اس کے سر پر سے گزریں۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کیا کہہ رہی ہو ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ گاڑی سے اترنے لگا تھا لیکن نہیں اتر سکا کیونکہ فلک دروازے کے عین سامنے جھکی کھڑی تھی۔

"میں تمہیں فون پر سمجھا دوں گی ابھی مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ جذباتی نہیں ہوا کرو اچانک۔" وہ نوح کے کھولے گئے ادھ کھلے دروازے کو بند کر کے ہلکے پھلکے انداز میں اسے ڈانٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوح نے پھر سے آنکھیں چندھیا لیں۔

"تم اور فون کر لو ہو ہی نہ جائے اور اب یہ کون سا ضروری کام ہے جس کیلئے تم اتنی عجلت دکھا رہی ہو۔ دیکھو مشقت والا کچھ کام نہیں کرو گی تم دوبارہ دوہرا رہا ہوں ایسا کچھ نہیں کرو گی تم۔" فلک کی ناک کے نتھنے پھول پچکنے لگے تھے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"نہیں کروں گی۔"

"پکا وعدہ؟"

"پکے والا۔"

"فون کرو گی؟"

"ہاں۔"

"میں انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ۔"

"خیال رکھنا اپنا۔"

"تم بھی۔"

وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ایک قدم، دو قدم، چار قدم، نوح نے گردن نکال کر اسے دیکھا۔ وہ اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن فی الحال کہہ نہیں پایا۔ جبران والی بات وہ فون پر ہی کرے گا۔ تاکہ اتنے خوشگوار دن کا اختتام کسی تلخی پر نہ ہو۔ اس نے اس کے ہاتھ ہلانے پر مسکراہٹ پاس کی پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ فلک کا اچھل کر دل حلق میں آیا تھا۔ وہ اسے پکارنا چاہتی تھی۔ آواز دینا چاہتی تھی۔ وہ بے اختیار ہو کر چیخ پڑی۔

"نوح۔"

پکار پر کار کے پہیے جھٹکے سے ساکن ہوئے۔ بریک کی آواز بہت اونچی تھی۔ نوح نے پھر سے گردن باہر نکالی۔ وہ اس سے دور کھڑی تھی لیکن بے حد قریب تھی۔

"دھیان سے کار چلانا۔" وہ دل کی بات کہنا چاہتی تھی۔ وہ اسے کہنا چاہتی تھی وہ اسے کتنا پسند کرنے لگی ہے لیکن وہ تین بول اس کے لبوں سے ادا نہیں ہو سکے اگر ہو جاتے تو وہ اپنے فیصلے سے ڈگمگا جاتی۔ وہ دور سے دیکھ سکتی تھی۔ وہ شخص مسکرایا ہے۔

"میں بالکل درست ہوں تم بہت پاگل ہو فلک۔" اس نے بھی اونچی آواز میں کہا تھا۔ فلک نے زور سے ہاتھ ہلا دیا۔ نوح نے گردن پھر سے اندر کر لی۔ فلک کی تھوڑی بری طرح لرزی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غبار بھر گیا۔ وہ اسے صاف نہیں کر سکی۔ وہ جانتی تھی بیک ویو مرر سے اسے دیکھتا شخص اس کے آنسوؤں پر الرٹ ہو جائے گا پھر وہ وہاں سے نہیں جائے گا۔ اسے الوداع کہنا تھا تو خود پر جبر کرنا ضرور تھا۔ وہ دھندلی نظروں سے مسکرانے کی اداکاری کرتی ہاتھ ہلا رہی تھی۔

پہیوں نے رفتار پکڑی اسے لگا اس کی روح فنا ہو جائے گی مگر نہیں ہوئی۔ وہ اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ کتنا حوصلہ آ گیا تھا نا اس میں۔ کتنی ہمت جمع کر لی تھی اس نے خود میں، وہ ایک اچھی اداکار تھی۔ وہ ایک اچھی اداکار ہی رہی۔

کسی کے جانے سے، کسی کو چھوڑ جانے سے کوئی نہیں مرتا۔ وقت سرکتا ہے ہند سے بدلتے ہیں۔ دل تڑپتا ہے روح سسکتی ہے مگر پھر بھی سانس جاری رہتی ہے۔ فلک کی بھی رہی۔ وہ اس کے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک ہاتھ ہلاتی رہی تھی پھر اس نے ہاتھ گرا دیے۔

شام ڈھلے مہمت نے اپنے اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا تھا۔ فلک کا پتلا اب وہاں نہیں تھا۔ وہ موم تو کب کا پگھل گیا۔ مٹی تو کب کی مٹی ہو گئی۔ اعضاء تو کب کے مٹ گئے۔ اس نے ایک آخری بار اس اسٹوڈیو کو نظروں کے حصار میں لیا تھا۔ وہ اس پر تالا ڈالنے والا تھا۔ اپنی یادوں، اپنی زندگی کا نصف حصہ اور اپنا دل اس کمرے میں قید کر کے وہ ہمیشہ کیلئے اس ملک کو چھوڑنے والا تھا۔ یہ فیصلہ اس نے آج صبح کیا تھا۔ آج صبح جب فلک اس کے گھر سے گئی تھی۔ کل کے مناظر اس کی آنکھوں میں سمانے لگے۔ وہ خوشی میں نوٹ پیڈ تھامے یہاں وہاں چکر لگاتے ہوئے اپنے کام میں مگن تھا۔ ابھی اس نے نیلی روشنائی سفید کاغذ پر بکھیرنا شروع ہی کی تھی کہ اسے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ وہ تحیر کے عالم میں مڑا۔

"ہیلو مہمت، کیسے ہو؟" وہی جوش، وہی لاابالی پن، وہی اپنا اپنا سا انداز، مہمت کرنٹ کھا کر مڑا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی، اپنے پرانے اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ اگر تو یہ اس کا خواب تھا تو بہت حسین تھا اور اگر حقیقت تھی تو۔۔۔

"اوہو کہاں کھو گئے۔" اس نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ جھلایا۔ مہمت نے جھٹ سے پلکیں جھپک کر اپنے لبوں کو تر کیا تھا۔ وہ اس سے ملنے سے پہلے پنار سے مل چکی تھی جو اب محظوظ و پریشان سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"فلک؟" اس نے سرگوشی کی فلک کھکھلا اٹھی۔

"نام تو ایسے لے رہے ہو جیسے میں کوئی بھوت ہوں بائی داوے شیشہ دیکھا ہے کتنا گرد آلود ہو رہا ہے۔ اسے صرف میں ہی صاف رکھ سکتی تھی۔ آؤ چلو اسپرے کرو۔ میں صاف کر دیتی ہوں۔" وہ کپڑا ہاتھ میں اٹھائے آگے بڑھ رہی تھی۔ مہمت اپنی جگہ جما رہا۔ اس نے مڑ کر اسے دیکھا پھر آنکھیں چڑھاتے ہوئے ہوئے بولی۔

"آؤ بھئی کیا پہیے لگواؤں تمہارے جوتوں کے نیچے۔" مہمت کی نگاہ پنار پر گئی تھی۔ وہ شانے اچکا گئے۔ اس نے برق رفتاری سے خود کو چارج کیا۔ کبڈ میں سے اسپرے نکال کر اس کے پاس آیا تھا۔

فلک کام پر واپس آ گئی۔ فلک لوٹ آئی۔ اس کی دوست، اس کی محبت فلک۔۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

"تم واپس آ گئی۔ ہے نا، کہو ایسا ہی ہے۔" وہ مغلوبیت کے زیر اثر لرزتی ہوئی آواز میں دریافت کر رہا تھا۔ اس کا سنجیدہ پن اس کے آتے ہی اڑن چھو ہوا تھا۔ آنکھوں کی جوت جل گئی۔ لبوں پر مسکان پھیل گئی۔ ماتھے سے بل ہٹ گئے۔ لہجہ خوشگوار ہو گیا۔

"باتیں بند کرو اور ہاتھ چلاؤ، لاحول والا کیا حال کر دیا خوشی کا، کون میری جگہ اپائنٹ ہوا ہے ذرا تعارف کرواؤ میں اسے اچھے سمجھاؤں کہ کام کیسے کرتے ہیں۔" وہ شیشے کو رگڑے جا رہی تھی اور مہمت اس کی ہدایت کے مطابق اسپرے کیے جا رہا تھا۔

"تمہارے متبادل کسی کو نہیں رکھا۔ تمہاری جگہ کسی اور کو کیسے دے دیتے۔ میں تو بلکہ بابا کو کہہ رہا تھا پولیس کا سہارا لیں ورنہ اس میڈم نے نہیں آنا۔" فلک نے بڑی زور سے اس کے بازو پر چپت رکھی تھی۔ مہمت کی خوشگواریت کے زیر اثر آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کی دوست لوٹ آئی تھی۔ ہاں واقعی وہ لوٹ آئی تھی۔ کون کہتا ہے جانے والے نہیں لوٹتے۔ کوئی اس وقت مہمت پنار کی خوشی کو دیکھتا یہاں بچھڑے لوٹ آئے تھے۔ بہار سنگ لائے تھے۔

"بہت بد تمیز ہو تم، تمہیں ذرا شرم نہیں آئی ایسا سوچتے ہوئے۔"مصنوعی خفگی لہجے میں گھل گئی۔ مہت کا دل باغ باغ تھا۔ متھ آواز سنتے ہی کچن سے باہر آئے تھے۔ انہیں پرواہ نہیں تھی کہ کسٹمر آنے والے ہیں۔ انہیں تو بس فلک کو ویلکم کرنا تھا اور انہوں نے کر دیا۔

"فلک، یہ تم ہو اوہ کیا سرپرائز ہے۔"جوش دیکھنے کے قابل تھا۔ خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ کسی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ چھوڑ گئی تھی یہ بات ماضی ہوئی۔ وہ لوٹ آئی ہے یہ بات معنی رکھتی ہے۔ اس کے لوٹ آنے پر تصدیق نہیں چاہیے تھی۔ باقاعدہ طور پر رکھا نہیں جانا تھا۔ یہ اس کی جگہ تھی اس کیلئے ہی خالی رہی۔ بات ختم۔

"متھ، کیسے ہیں آپ۔ جیک کیسا ہے؟"وہ وہاں چلا آیا۔ فلک کو شیشہ صاف کرتے دیکھ وہ سمجھا وہ واپس آگئی ہے۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں نمی چھا گئی۔ اس نمی سے فقط متھ ہی واقف تھے کہ گہری اور برجستہ سانس نے نمی کو دھکیل دیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں بہت یاد کیا۔"انہوں نے جیک کی بات گول کر دی۔ فلک سمجھ گئی۔

"اب بس یہیں رہنا، کہیں نہیں جانا میں تمہارے لیے زبردست سا قہوہ بناتا ہوں۔ رکو تم۔"وہ کچن کی جانب دوڑے تھے۔ فلک نے رومال میز پر رکھا۔

"ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔"مہمت جانتا تھا فلک متھ کے ساتھ اٹیچڈ ہے اس لیے اس نے اسے نہیں روکا۔وہ کچن میں آئی تھی جہاں متھ خوشی سے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کیتلی میں مصالحے انڈیل رہے تھے۔

"ہمم،خوشبو تو اچھی آرہی ہے۔"وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔متھ اور زیادہ پھول گیا۔

"خوشبو کے ساتھ ذائقہ بھی اچھا ہو گا۔دیکھنا تم۔"وہ خوش تھے مگر بظاہر،ان کی آنکھیں اداس ہیں۔اضحملال چیخ رہا ہے۔

"میں جانتی ہوں ایسا ہو گا۔"توقف۔"جیک،وہ آتا ہے ملنے؟"اس کے سوال پر متھ نے سر اٹھایا تھا۔ایک وہی تو تھی جو ان سے سوال کر لیا کرتی تھی۔ان کی اولاد کے بارے میں پوچھ لیا کرتی تھی۔ان سے دریافت کر لیا کرتی تھی۔ان کی آنکھیں پڑھ لیا کرتی تھی۔ایک وہی تو تھی۔

"جو چھوڑ جاتے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آتے۔"اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔خوشبو دار ماحول میں یہ کس طرح کی گھٹن پھیل گئی تھی بھلا،وہ خوشی کہاں گئی جو کچھ دیر قبل یہیں مٹھی پر تھوڑی ٹکائے دونوں کو مسکا کر دیکھ رہی تھی۔وہ آسودہ پن وہ لوٹ آنے کا سکون،سب کہاں گیا؟کدھر گیا؟

"وہ اولاد ہے آپ کی،اس سے رابطہ تو کریں۔"متھ نے مسکراتے ہوئے سر کو جھٹکا تھا۔ان کی شیشے کی کیتلی میں سے قہوہ ابلتا ہوا نظر آرہا تھا۔انہوں نے آنچ دھیمی کی،دم کیلئے رکھ دیا۔

"جب دروازے بند ہو جاتے ہیں پھر وہ دستک دینے پر بھی نہیں کھلتے۔اس لیے جہت بیار ہے۔"وہ مانو ہر کوشش کر چکے تھے۔فلک نے بے بس نظروں سے انہیں دیکھا۔وہ اس معاملے میں اب کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ہر مشکل کو وہ حل نہیں کر سکتی تھی۔یہ باپ بیٹے کی بات تھی۔ان کی کہانی تھی۔ انہیں ہی لکھنی چاہیے۔وہ اب اس میں نہیں گھسے گی۔اب کوشش نہیں کرے گی۔جتنی کرنی تھی بہت ہے۔پورا دن خوشی میں گزارنے کے بعد وہ مہمت سے دست سوال تھی۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"مہمت کھلا کھلا سا اس کی سمت مڑا تھا۔

"مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے۔انفیکٹ تمہیں کچھ دکھانا ہے۔"وہ پر جوش سا اس کا بازو تھام کر اسے خوشی سے باہر لے آیا تھا۔سورج ڈوب چکا تھا۔اس کی سرخ آخری دم توڑتی کرنیں اندھیرے میں مدغم ہو رہی تھیں۔وہ رات کی آغوش میں جا سوئی۔ان کرنوں سے نظر ہٹا کر وہ مہمت کی بائیک پر بیٹھ گئی تھی۔کتنے عرصے بعد وہ اس کی بائیک پر بیٹھی تھی۔کتنے عرصے بعد اس نے کھلی فضا میں گہری سانس لی تھی۔وہ اسے گھر لے آیا۔سیڑھیوں کے اختتام پر اپنے کمرے کے بعد موجود اسٹوڈیو کے دروازے پر اس کے ساتھ آ کر رکا۔

"آنکھیں۔۔۔۔بند کرو جب دروازہ کھول دوں تو انہیں وا کرنا اور نو چیٹنگ۔" وہ اسے ہدایت دے رہا تھا۔ مہمت پنار کی آنکھوں میں دیوں کی جوت جل بجھ رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر دیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

"اوکے ناؤ۔" اس نے ہولے سے انہیں کھولا۔ جڑی ہوئی پلکیں ایک دوجے سے علیحدہ ہوئیں۔ دھندلا منظر رفتہ رفتہ واضح ہوا۔ پانیوں کے رنگوں والے لباس میں ملبوس لہراتے بالوں والی لڑکی اس کے سامنے تھی۔ نہیں ایک منٹ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے۔ وہ تو شاید ایک، ایک ڈمی ہے۔ اس نے تحیر میں ڈوبتی آنکھیں مہمت کے چہرے پر ڈالیں۔ وہ شانے اچکا گیا۔

"یہ، یہ کس کا ہے؟" اس نے سینے پر بازو لپیٹے اور پر مسرور سا گویا ہوا۔

"خود دیکھ لو۔"

فلک برق رفتاری سے اندر آئی۔ وہ اس پتلے کے دائیں شانے سے ہوتے ہوئے اس کے سامنے آئی تھی۔ چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دھک سے رہ گئی۔ یہ کوئی خواب تھا یا گمان، کیا وہ جو سامنے ایستادہ ہے۔ جس کی آنکھوں میں زندگی کا گمان ہو رہا ہے۔ مسکان جاندار ہے اور چہرہ ہر غم و فکر سے آزاد، کیا وہ سانس لے سکتی ہے۔ کیا وہ ہل سکتی ہے؟ چل پھر سکتی ہے؟ کیا وہ زندہ ہے، بالکل جاویدہ؟ کیا وہ فلک ہے؟ واقعی میں؟؟

اس نے الجھی ہوئی نظروں سے مہمت کے چہرے کو ٹٹولا۔

"میں نے اسے بنانے میں اپنی روح لگائی ہے فلک۔" وہ سرگوشی کر رہا تھا۔ "اپنے پسینے سے سینچا ہے اسے، خوشی غم، جھنجھلاہٹ، جوش، نیند، بیماری، وقت سب قربان کیا ہے اس پر، اپنا دل اس کی مٹی میں شامل کیا ہے میں نے۔ کیا اب بھی، اب بھی میرے جذبات تمہیں وقتی لگتے ہیں۔ کیا اب بھی تم سمجھتی ہو کہ یہ سب فقط کچھ ماہ کا نتیجہ ہے؟"

وہ اچانک ہوش میں آئی تھی۔ سحر کو توڑنا تھا توڑ دیا۔

"اسے مسمار کر دو مہمت، اس کی، اس کی گنجائش نہیں ہے۔" وہ تڑپ گیا۔ اسے لگا ایک بار پھر سب ریت کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسلا جا رہا ہے۔ اسٹوڈیو کی دیواریں اچانک سے سہم گئیں۔

"یہ ممکن نہیں، کیا کہہ دیا تم نے۔" اس نے پرزور تردد کی۔ فلک نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں ممکن نہیں، ہمارے ابراہیم علیہ اسلام نے بتوں کو توڑ دیا تھا تاکہ نماز کیلئے بندھے ہاتھ مٹی کے مجسمے نہ بنائیں۔ ان کے آگے جھکے نہ، ان سے محبت نہ کریں پھر کیسے تم بت تراش بن گئے۔ بت شکن کی اولاد کبھی بت تراش نہیں ہوتی مہمت۔" اس نے لبوں کو کاٹا۔ گلابی لب مزید سرخ آلود ہو گئے۔

"یہ میری رازداں ہے۔جب تم نہیں تھی تو یہ تھی ہر لمحہ، ہر پل، میں کس طرح اپنی زندگی کو خود ختم کر دوں۔ میں کیسے خود کو مار دوں اور تم اتنی گہرائی میں کیوں جا رہی ہوں۔ تمہیں بس میری محبت میری محنت نظر آنی چاہیے۔"وہ جھنجھلا رہا تھا۔پریشان ہو رہا تھا۔فلک نے اپنے مجسمے کی انگلی پکڑ کر زور سے کھینچ دی۔لوہے کی تاروں پر موجود کھنکتی مٹی بھر بھری ہو کر گری تھی۔مہت کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ابرو آپس میں ملی گئیں۔پلکیں لرز اٹھیں۔اسے لگا کسی نے اس کی انگلی جڑ سے الگ کر دی ہے۔تکلیف حد سے سوا ہوئی۔

"تم اسے ختم کرو گے مہت پنار، تم نہیں کرو گے تو میں کر دوں گی۔میں تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ میں تم کو سمجھانا چاہتی تھی۔میں تمہیں گڈ بائے کرنا چاہتی تھی مگر تم، تم ہمیشہ کچھ نہ کچھ ایسا کر دیتے ہو کہ پھر مجھے منہ موڑ کر جانا ہی پڑتا ہے۔تم مجھے ہمیشہ غصہ دلاتے ہو۔بری پھر میں ہی بنتی ہوں۔" اس کے اشک بہہ گئے۔وہ نہیں چاہتی تھی پھر بھی ایسا ہو گیا۔وہ اس کا دوست تھا۔اس کا بہترین دوست، اس کے بھائی جیسا۔مگر وہ کیا سوچ رہا تھا۔کیا کر رہا تھا۔وہ پنجوں کے بل سر کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔اس کے دل میں درد ہونا شروع ہوا۔سینہ تنگ ہونا شروع ہوا۔

"تم مجھے تھکا رہے ہو مہت، تم مجھے۔۔۔۔۔بے حد تھکا رہے ہو۔"اس سے بولا نہیں گیا۔گلے میں گولا اٹک گیا۔کپکپاتی آواز کے درمیان ہچکی آئی تھی۔مہت تڑپ کر اس کے برابر بیٹھا۔

"فلک، اوکے فائن رومت میں اسے توڑتا ہوں ابھی، ابھی کرتا ہوں ایسا تم رونا بند کرو۔" وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں کھڑا ہوا پھر محبت سے تراشے اس بت کے جوڑ کھول کھول کر رکھتا گیا۔ ہاتھ، پاؤں، گردن، بازو، دھڑ سب جس کو اس نے بڑی محنت توجہ اور پیار سے جوڑا تھا۔ جس میں اپنی نیند، دن رات قربان کیے تھے منٹ میں ٹوٹ گیا۔ کتنے دن لگے تھے جوڑوں کو مٹی سے فکس کرنے میں سوکھنے میں، پھر اس پر رنگ پھیرا، موم کی تہہ لگائی اس پر رنگ لگایا اور آخر میں شائن۔ کتنے دن کی ریاضت کتنی آسانی سے مسمار ہوئی تھی۔ اس نے پرواہ نہیں کی تھی۔ اس کیلئے وہ اہم تھی جو سامنے تھی۔ وہ نہیں جو اس کے عقب میں تھی۔

"دیکھو میں نے ویسا ہی کیا جیسا تم نے کہا تھا۔ میرے لیے تم اہم ہو فلک، باقی سب چیزیں ثانوی ہیں۔ وہ بت ٹوٹ گیا۔ تم نہیں ٹوٹو۔" فلک نے شڑڑ کرتے ہوئے آنکھوں سے آنسو پونچھے پھر چہرہ اٹھالیا مگر نظریں نیچی ہی رکھیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھی اس کی سرخ و متورم آنکھیں اس وقت بے بس اور شرمندہ ہیں۔

"میں تمہاری قدر کرتی ہوں مہت مگر میرے بس میں نہیں ہے تمہارے جذبوں کی پذیرائی کرنا، میں یہ شہر یہ ملک چھوڑ کر جارہی ہوں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے، میں تمہیں گڈ بائے بہت اچھے انداز میں کہنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں کہنا چاہتی ہوں کہ تم بھی وہ انسان ہو جو مجھے میری پوری زندگی یاد رہنے والا ہے۔ جو میرے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرنے والا ہے۔ جو مشکل وقت میں مجھے حوصلہ دے

گا۔جو ہمیشہ میری ہمت رہے گا۔مہمت پنار۔"اس نے نظر اٹھائی اور وہ روح گنوا بیٹھا۔"میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔"وہ اسے الوداع کہہ رہی تھی۔مہمت پنار دل تھامے اسے سنتا رہا۔

"تم۔۔۔کہیں جا رہی ہو؟"فلک نے آنکھیں رگڑیں گالوں کو تھپتھپایا۔

"میں واپس پاکستان جا رہی ہوں پھر کبھی نہیں لوٹوں گی۔مجھے سنو مہمت پلیز۔"وہ پوری پھٹی آنکھوں سے بوکھلاتے ہوئے لب کھول رہا تھا فلک نے اسے روک دیا۔اس کے لفظ منجمند ہی رہے۔دل تھما ہی رہا۔وقت ٹھہرا ہی رہا۔

"تم ایک بہترین انسان ہو،میری زندگی میں آنے والا وہ لڑکا جس نے مجھ جیسی لڑکی کو سنبھالا اور اس کی راہ کے بہت سے کانٹے ہٹا کر اسے ہموار کیا۔تم ایک بہت مثبت انسان ہو۔"وہ بول رہی تھی اور نیلی آنکھیں سہمتے ہوئے اسے سن رہی تھیں۔اسے لگ رہا تھا کوئی رفتہ رفتہ اس کے دل کو بھینچے چلے جا رہا ہے۔اسے لگ رہا تھا اس کا سانس رکے چلے جا رہا ہے۔

"بہت ہنڈسم اور بہت کامیاب بھی،وقت بانہیں کھول کر تمہارا منتظر ہے مہمت پنار،اس کی اور چلے جاؤ اپنے مقصد اپنی راہ سے مت بھٹکو،تمہاری زندگی میں بہت سی فلک سفیر آئیں گی مگر آخر میں تمہیں وہ ملے گی جو تمہارے وجود کا حصہ ہو گی۔جو تمہارے نصیب میں ہو گی۔تم مووآن کر لو گے۔تم بہت خوش رہو گے۔ہے نا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔اس مرد کی تھوڑی کانپ رہی تھی۔پلکیں بار بار جھپکے جا رہی تھیں۔اس کی بھاری،گھمبیر مردانہ آواز گونجی۔

"میرے نصیب میں تم کیوں نہیں ہو سکتی؟"روتا ہوا سا سوال۔

"میں نہیں ہو سکتی یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔بالکل ویسے جیسے تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔"بلکتا ہوا سا جواب۔

"نوح جبران ہماری زندگی میں نہ آتا تو ہم ساتھ ہوتے۔"نفرت ہی نفرت تھی اس کا نام لیتے ہوئے۔

"وہ ہماری زندگی میں نہ آتا تب بھی ہم ساتھ نہیں ہوتے۔"پر تقین لہجے میں کہا گیا۔

"پر کیوں؟"گیلی آواز سے زور دے کر پوچھا گیا۔

"میں نہیں جانتی،بس ایک خواہش ہے۔تم موو آن کر لو۔خوش رہو ویسے جیسے ہمیشہ رہتے ہو۔"
اس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں کیونکہ ان آنکھوں کی نمی نیلی آنکھوں میں جا سمائی۔سمندر بہت گہرا تھا۔

"میں موو آن نہیں کر سکتا۔تم سے تو بالکل بھی نہیں کر سکتا۔میری زندگی،میرے وجود کا حصہ تم کیوں نہیں ہو سکتی۔میرے نصیب میں تم کیوں نہیں ہو سکتی۔میں صرف تمہارے ساتھ خوش رہ

سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ تمہارے بغیر میں پوری زندگی نامراد رہوں گا۔ پوری زندگی برباد رہوں گا۔ میں تمہیں نظر کیوں نہیں آرہا فلک، تم مجھے کیوں نہیں دیکھ رہی۔ دیکھو مجھے۔ غور سے دیکھو۔ میں شدت سے چاہتا ہوں تمہیں۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔" نیلی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ گڑگڑا رہا تھا۔ اپنی محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ اس کے پاؤں پڑ لے گا لیکن اسے خود سے دور نہیں جانے دے گا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے فلک کے گال تھامے تھے۔ ان ہاتھوں کو فلک نے نرمی سے جھٹک دیا۔ مہت کی تھوڑی کانپ اٹھی۔

"مت کرو ایسا مہت، تم میرے اچھے دوست ہو۔ یہ سب کر کے تم مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو۔" فلک کے دل میں درد ہونا شروع ہوا تھا۔ اسے اپنی زندگی مشکل لگی۔ یہ وہ کہاں پھنس گئی تھی۔ کیوں پھنس گئی تھی۔ ایک طرف مہت تھا تو دوسری طرف نوح۔ اس نے اپنی گردن کی نچلی سائیڈ پر ہاتھ کو اوپر نیچے پھیرا۔ وہ اپنا سانس بحال کر رہی تھی۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ تم میرے ساتھ کیا کر رہی ہو فلک، تم مجھے تکلیف ہی نہیں پہنچا رہی بلکہ مجھے مار بھی رہی ہو۔"

وہ کھڑی ہو گئی۔ مہت کی منتظر و سرخ آنکھیں اس پر جم گئیں۔

"کچھ چیزیں اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ میں۔۔۔۔۔ تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ ابرو ملی ہوئی تھیں۔ ماتھا شکن آلود تھا۔ دل کی رفتار توازن کھو رہی تھی۔ رگوں میں ٹھنڈک دوڑنے لگی۔ بے چینی حد سے سوا ہوئی تھی۔ نیلی آنکھیں سرخ پڑ گئیں۔

"میں نہیں دے رہا، میں کوئی وعدہ نہیں کر رہا۔" اس نے صاف انکار کیا۔ فلک اس کے قریب آئی۔ بازو تھام لیا۔

"میں چاہتی ہو تم جلد مجھے بھول جاؤ، پہلے جیسے بن جاؤ۔ اپنے کریئر پر فوکس کرو اور پھر اس سے شادی کرو جو تمہارے نصیب میں لکھی ہے۔ میں چاہتی ہو تم مجھ سے یہ وعدہ کرو۔ ابھی کرو۔" اس نے بازو چھڑوا لیا۔ دو قدم پیچھے ہٹا۔ سر تاہنوز نفی میں ہل رہا تھا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ اگر تم گئی تو بالکل بھی نہیں، میں تمہارے بغیر کبھی خوش نہیں رہوں گا۔ میری زندگی میں تم ہو گی ورنہ کوئی نہیں۔ میں تمہیں خود پر جبر کرنے نہیں دوں گا۔ تم اس طرح اپنے آپ پر خوشیوں کے دروازے بند نہیں کر سکتی۔ تم پھر سے خود کو قربان نہیں کر سکتی۔" وہ جانے لگا تھا فلک نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔ وہ اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ سر اٹھا کر سرخ آنکھوں کے ساتھ۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو مہمت، کیوں ضد کر رہے ہو؟"اس نے سینے پر بازو پھر سے باندھ لیے۔ سانس بہت برق رفتاری سے اس کے نتھنوں سے نکل رہی تھی۔

"میں ضد کر رہا ہوں یا تم۔ تم خود پر جبر کر رہی ہو اور چاہ رہی ہو میں چپ رہوں۔ کچھ نہ کہوں۔ ابھی تم نے کہا میں تمہارا سب سے قریبی دوست ہوں تو کیا دوست ایسے ری ایکٹ کرتے ہیں۔ سنتے ہیں سر ہلاتے ہیں اور جانے دیتے ہیں بس، نہیں فلک میں تم سے دستبرداری نہیں لوں گا۔ تم مجھے نہ ملی تو میں تاعمر ایسا ہی رہوں گا۔ دیکھنا تم۔"اس نے فٹ سے فیصلہ کیا اور جھٹ سے سنا دیا۔ باہر بادل گرجنا شروع ہو چکے تھے۔ بارش کے قطروں کی آواز کھڑکی کے اس پار سے خاص سنی جا سکتی تھی۔

"میں تمہیں اپنی قسم دیتی ہوں۔"

"میں نہیں لے رہا بلکہ تم لو میری قسم اور مت چھوڑ کر جاؤ مجھے، اپنا لو"وہ صاف مکر گیا۔ اسے ان چیزوں سے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ٹھیک ہے کر وہ جو دل کرتا ہے۔ تم تو ہمیشہ سے اپنی من مانی کرتے آئے ہو، کب پرواہ رہی ہے کسی کی۔"وہ اس بہتان پر بلبلا گیا تھا۔ فلک اسے کر اس کر کے دروازے کی چوکھٹ پر پہنچ گئی۔ وہ

اس سے خفا ہو کر جا رہی تھی۔ وہ اس سے ناراض ہو رہی تھی۔ اتنے خوشگوار دن کا اتنا بدترین انجام وہ سہہ نہیں پا رہا تھا۔ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

"فلک، نہیں کرو ایسا۔ تم جانتی ہو تمہاری ایک ہاں تم پر مجھ پر ہم دونوں کی زندگی پر خوشیوں کے در کھول سکتی ہے۔ ہماری کہانی کا اختتام بہت پر مسرت ہو سکتا ہے۔ پلیز اسے یوں روند کر مت جاؤ، ٹھکراؤ مت۔" اس کی آنکھوں میں جلتے بجھتے دیوں کی بھرمار ہو گئی تھی۔ شہاب ثاقب ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ فلک کی تھوڑی کانپی۔

"مہمت پنار، اللہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

وہ اسے دعا دے کر رکی نہیں تھی۔ مہمت کا دل بیٹھتا چلا گیا اتنا زیادہ کہ وہ خود بھی وہیں سیڑھیوں میں ڈھے گیا تھا۔ فلک اور پھر اس کا سایہ بھی اس کے ساتھ ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ چاہ کر بھی اسے روک نہیں پایا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے پاؤں میں اپنے محبت کی زنجیر نہیں ڈال پایا تھا۔ اس نے تو کہا تھا وہ خوش رہے گا تو پھر یہ کیسا طوق تھا جو اس کے جاتے ہی اس کے گلے سے چمٹ گیا۔ اسے اچانک گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ اسے اچانک تنہائی سے وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ دھاڑ اٹھا۔ سر کے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر وہ گھٹنوں پر سر گرا گیا تھا۔

اب کیا بچا تھا کچھ بھی نہیں۔

اب ہاتھ میں کیا تھا؟

فقط خاک۔۔

اب موسم تھے۔

مہمت تھا اور

ٹک ٹک کرتی گھڑی کی سوئیاں۔

سر کتا ہوا ظالم وقت۔۔

اور

پورے جہان کی تنہائیاں۔۔۔۔

خوشگوار سے موڈ کے ساتھ وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ بے مقصد سڑکوں پر پھر رہا تھا۔ اسے اچھا لگ رہا تھا بس یوں بے نام و نشاں راستوں پر چلے جانا۔ بھانت بھانت کے لوگ دیکھنا، ہنستے مسکراتے چہرے دیکھنا۔ آسمان پر موجود چاند ادھیڑ عمر ہو چکا تھا۔ تارے بوڑھے سے لگ رہے تھے۔ جل بجھ جل بجھ تبھی کافی پھیکا تھا۔ مگر ہوا وہ کتنی دل کو سکون دینے والی تھی۔ روح کو معطر کرنے والی، لبوں

پر مسکان بکھیرنے والی۔ وہ سگنل پر رکا تھا۔ انگلیاں اسٹیرنگ پر تھرک رہی تھیں۔ سگنل کھلا، اس نے گاڑی کے پہیوں کو حرکت دی۔ اسی لمحے اس کا فون بج اٹھا۔ وہ اسٹینڈ پر لگا تھا۔ اس نے کال پک کی۔

"کیسے ہیں ڈاکٹر فاؤ؟" اس کی آواز کی کھنک ان تک پہنچ گئی تبھی جواب مسکراہٹ زدہ آواز میں آیا تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں مگر تم کچھ زیادہ ہی خوش لگ رہے ہو۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ کون جانتا تھا یہ اس کی زندگی کا آخری قہقہہ تھا۔ دل فریب، جاندار، پھولوں سے سجا قہقہہ۔

"ایسا ہی ہے۔" اس کا دل کر رہا تھا وہ انہیں بتا دے مگر اس نے دل پر بند باندھ دیا۔ "آپ بتائیں خیریت سے کال کی؟"

"ہاں تم آئے نہیں تھے اور فلک کی خبر بھی نہیں دی اس لیے میں پریشان ہو گیا تھا۔" وہ ان کی محبت پر شاد ہوا تھا۔ آج اگر کوئی اس کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیتا تب بھی وہ مسکراتا ہوا ہی پایا جاتا۔ وہ اپنی خوشی کی رمق کم کرنے کی غرض سے ہی یہاں وہاں منڈلا رہا تھا تاکہ مائیر محترم اس کو پکڑ نہ لیں۔ وہ جانتا تھا کچھ دیر منظر سے غائب رہے گا تو تازہ رنگوں کا اثر کچھ مٹ جائے گا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اب سے کچھ دیر بعد اس کی زندگی سے تمام رنگ ہی مٹنے والے ہیں۔ تمام مسکراہٹیں

مفقود ہونے والی ہیں۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑنے والی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ وقت سے پہلے جان جاتا تو کتنا اچھا ہوتا نا۔

"میں تھوڑا مصروف تھا اور فلک، اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں وہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔" فاؤ کے لبوں سے سکون آمیز سانس خارج ہوا۔ نوح نے ٹرن لیا تھا۔ وہ گھر کے گیٹ کے بالکل سامنے تھا۔

"شکر، میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا جانے تمہارے ڈیڈ نے اس سے کیا بات کی ہو گی۔ ان کے تیور تو کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے مجھے۔" گیٹ آٹو میٹک تھا۔ نوح نے ان کی بات کے دوران ریموٹ کا بٹن دبایا تھا۔ وہ دو حصوں میں چاک ہوا۔ اس کی گاڑی پورچ میں پہنچ گئی۔

"ڈیڈ؟" وہ اچانک ٹھٹھکا تھا۔ خطرے کی گھنٹی اچانک ہی چہار سو بجنے لگی۔

"ہاں وہ آئے تھے میرے پاس، تمہارے بارے میں انویسٹیگیشن کر رہے تھے۔ پھر انہیں فلک کا پتا چلا تو وہ اسی وقت اس سے ملاقات کیلئے چلے گئے۔ مجھے لگ رہا تھا معاملہ گڑبڑ نہ ہو جائے۔ مگر اب تم نے بتا دیا ہے کہ سب ٹھیک ہے تو دل کو سکون آ گیا ہے میرے۔" مگر اس کے دل کو سکون نہیں آیا تھا۔ مگر اس کے دل کو بالکل بھی سکون نہیں آیا تھا۔ اس کا سینہ تنگ ہونے لگا۔ دماغ میں بہت سے جھکڑ چلنے لگے۔

"میں چاہتی ہوں تم انہیں معاف کر دو۔ ان کا کسی بھی معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔"

گاڑی کی آواز پر دروازہ کھول کر مائیر باہر آیا تھا مگر وہ رک گیا۔ دروازے کے باہر پڑے کارٹن نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔ اس پر نوح کا نام درج تھا۔ نوح کی نظر بھی اس کارٹن پر جا پہنچی۔

"چلو اب میں فون رکھتا ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا۔"

فاؤ کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔ فلک کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"یہ سب تقدیر کا لکھا ہے۔"

"وہ نہ آتے تب بھی یہ باب تو آنا ہی تھا۔"

"ادراک ایک زہر ہے نوح، جسے ہوتا ہے اسے نگل لیتا ہے۔"

"میں دل سے چاہتی ہوں تم مجھے نہ چھوڑو۔"

"یعنی میں خود چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر اپنی اپنی منزل پر روانہ ہوتے ہیں۔"

"نوح۔۔۔۔۔۔!"

مائیر نے گردن سیدھی کی۔ اسٹیرنگ تھامے وہ مردے کی مانند سفید لگنے لگا تھا۔ وہ اس کے تاثرات سے ٹھٹھک گیا۔ اس کے دماغ نے ریڈ الرٹ جاری کیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں آج سے پانچ سال بعد ہم ملیں۔"

مائیر لمحوں میں اس تک پہنچا تھا۔ اس نے شیشہ بجایا۔ نوح جھٹکے سے ہوش میں آیا تھا۔ اس نے جن نظروں سے مائیر کو دیکھا تھا مائیر کو لگا سب ختم ہو گیا ہے۔ ان آنکھوں میں کیا تھا۔

سراسیمگی، وحشت، خوف، کھو دینے کا، اجڑ جانے کا رنگ۔

"آج سے پانچ سال بعد۔"

"پانچ سال۔۔۔۔"

وقت کا تعین کر دیا گیا۔ مہر لگا دی گئی۔ فیصلہ ہو گیا اور وہ انجان رہا۔ ناسمجھ اور بے وقوف بھی۔

اس نے شدت کے ساتھ گاڑی کو ریورس کیا تھا۔ مائیر اچھل کر دوسری جانب ہوا۔ اس کی گاڑی، یہ رفتار، وہ آنکھیں۔ مائیر نے اپنی گاڑی بھی نکالی تھی۔ وہ اس کے پیچھے جائے گا۔ وہ اسے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ بالکل بھی نہیں۔

کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ بس اس کے پیچھے تھا۔

"آہستہ چلاؤ نوح، آہستہ۔"

ایک دو بار اس کی گاڑی ٹرک سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ ہائے وے پر ضرورت سے زیادہ اسپیڈ پر الارم بج گیا۔ کیمرے نے اس کی کار کا نمبر ٹریس کر کے پولیس کو بھیج دیا۔ جرمانہ عائد کر دیا گیا۔

واثق امید تھی ایک موبائل اس کے پیچھے بھیجی جائے گی۔ گاڑی میں بیٹھا وہ شخص جس کی کار کے نمبر کے ذریعے اس کی معلومات نکلوا کر پولیس موبائل کو بھیجا آرڈر واپس لیا گیا اس لڑکی کا نمبر بار بار ڈائل کر رہا تھا جو اس سے دور بہت دور جا رہی تھی۔ نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکی۔ وہ گاڑی کے رکتے ہی دوڑتے ہوئے اندر گیا تھا۔ مگر دروازے پر تالا تھا۔ اس نے گھر کی مالکن کا دروازہ پیٹا۔ وہ اپنے پورشن سے حواس باختہ نکلی۔

"فلک؟" نام میں ہی سوال تھا۔ انداز میں وبال تھا۔

بکتی جھکتی وہ عورت وہ بات کہتی اندر گئی جو وہ کبھی زندگی میں نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہوئے۔ چند لمحے بت بنے رہنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آکر بیٹھا تھا۔ مائیر تب وہاں پہنچا تھا جب وہ گاڑی کو پھر سے بھگا رہا تھا۔

"میں سرد موسم میں اب نہیں رہنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں اب میں وہاں جاؤں جہاں تیز سورج اگے۔"

"وہ یہ کمرہ چھوڑ گئی ہے۔ اس نے کہا ہے اب وہ کبھی یہاں واپس نہیں آئے گی۔"

اس کے ٹائر ٹرین اسٹیشن کی جانب تھے۔

"یہ دن میرے لیے ایک حسین خواب کی طرح ہے اور تم اس خواب کا ایک بہترین کردار، میں تم دونوں کو کبھی نہیں بھولوں گی۔" ساحل سمندر کی ہوا کہیں پیچھے چھوٹ گئی۔ لو اتنی تیز اٹھی کہ اس کا وجود جل کر خاک ہو گیا۔

وہ ٹرین اسٹیشن کیوں آیا اسے نہیں معلوم تھا۔ بس اندر کا الارم تھا جو بار بار اس کو تنبیہہ کیے جا رہا تھا اسے بار بار ہدایت دی جا رہی تھی کہ وہ اسپیڈ کو کم کرے۔ مگر وہ سنی ان سنی کیے چلا جا رہا تھا۔ اس نے اسٹیشن کے باہر پارکنگ دیکھے بنا گاڑی کھڑی کی۔ ہاتھ میں فون تھامے متلاشی و بے چین نگاہوں سے وہ بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہجوم کو چیرتا ہوا جا رہا تھا۔ بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ نت نئی زبانیں تھیں۔ خوش و غم زدہ چہرے تھے۔ وہ ٹکٹ کاؤنٹر پر گیا۔ اسے وہاں وہ نظر نہیں آئی۔ وہ ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا پاؤں بس مڑا ہی تھا کہ ٹرین میں سوار ہوتے لوگوں میں اسے فلک کا شک گزرا۔

"تم مجھے اس سمندر کی طرح لگتے ہو نوح، تا حد پھیلا ہوا نظر آئے مگر ہاتھ نہ آئے۔"

وہ پاؤں کی موچ کو نظر انداز کرتا دیوانہ وار نیچے کی اور بھاگا تھا۔ لوگ اس جنونی سے عاجز آ رہے تھے۔ اس کی بے صبری پر کڑھ رہے تھے۔ اسے گالیاں دے رہے تھے۔ برا بھلا کہہ رہے تھے۔ بک جھک رہے تھے مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔ اس کا دل تھم گیا۔ خون منجمد ہو گیا اور سانس ساکن،

وہ فلک نہیں تھی جس میں اسے اس کا گمان ہوا تھا۔ وہ لڑکی اس کے پہنچنے سے پہلے ہی مڑی تھی۔ ہنستی ہوئی۔ کسی سے فون پر بات کرتی ہوئی۔ نوح نے حلق کے بل چلا کر اس کا نام لیا تھا۔ وہ ٹرین میں سوار ہوتے لوگوں کے درمیان کھڑا چیخ چیخ کر اس کا نام پکار رہا تھا۔ اسے بلا رہا تھا۔ واسطے دے رہا تھا۔ روک رہا تھا۔ ایک ایک بوگی کنگھال رہا تھا۔ بے چین ہو رہا تھا۔ کئی آنکھیں اسے رشک اور کئی شک کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر بلآخر وقت نے ورقہ الٹا۔ اناؤنسمنٹ ہوئی۔ ایک کے بعد ایک کر کے ٹرین جانے لگی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہر لائن میں بھاگ رہا تھا۔ بس ایک جھلک، صرف ایک جھلک۔

"میرے اوپر تمہارا قرض ہے۔ وہ میں بہت جلد لوٹا دوں گی مگر اس محبت اور احترام کا قرض کیسے چکاؤں گی جو تم مجھے دے چکے ہو۔"

وہ آخری ٹرین تھی جو جانے کیلئے منتظر کھڑی تھی۔ اس کا بھی وقت ہو گیا۔ اس کیلئے بھی اناؤنسمنٹ ہو گئی۔ وہ شیشوں پر ہاتھ رکھے۔ اس میں سے اندر جھانکتا بھاگے چلا جا رہا تھا جب ٹرین نے حرکت کی۔

"مجھے لگتا ہے میں اس سیپی کی مانند ہوں جس کے حصے میں فقط ٹھکرانا لکھا ہے۔اس میں موجود موتی کی قیمت ہے خول کی نہیں۔یہ بند ہے۔اپنے اندر موتی سمائے ہوئے ہے تو قیمتی ہے۔کھل جائے، موتی نکال لیا جائے تو پھیک دی جائے۔"

اس کی امید، اس کا دائرہ اس کا سکون ٹوٹ گیا تھا۔سب ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔یہ ٹرین، اس کو تو اس نے پورا بھی نہیں دیکھا تھا۔وہ ابھی باقی تھی۔کیا پتہ کسی ایک سیٹ پر وہ بیٹھی ہو۔کیا پتہ وہ اسے مل جائے۔دیکھ لے۔رک جائے۔نہیں جائے۔وہ بھاگ رہا تھا۔گر رہا تھا۔زخمی ہو رہا تھا۔مزید زخمی ہوتا اگر شدت سے بھری پکار نہ سن لیتا۔وہ گرنے کے بعد نہیں اٹھا۔پکار پر اس کے قدم جامد ہو گئے تھے۔

جامد و ساکت۔۔

۔شاید ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

چلو ایک قصہ سناتی ہوں۔

تمہیں ایک داستان بتاتی ہوں۔

کہ بہت سال پہلے ایک سرد موسم کا شہزادہ تھا۔

جس کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ارادہ تھا۔

وہ ایک خول تھا۔

لمحوں کا جھول تھا۔

جس کی زندگی میں آبیاری تھی۔

نہ خوشی و سرشاری تھی۔

وقت کا کھیل تھا۔

دل کا میل تھا۔

وہ جو نہ مسکراتا تھا۔

کبھی نہ کھکھلاتا تھا۔

اب ہنسنے لگا۔

بسنے لگا۔

خواب و رنگ چننے لگا۔

جینے لگا، غم سینے لگا۔

مگر پھر ہوا کیا؟

اک جھونکا آیا طوفان کا۔

دکھ درد بیاباں کا۔

اس سے چھن گئی اس کی خوشیاں۔

کہ پھر نہ کھلیں دل کی کلیاں۔

وقت ریت کی طرح پھسل گیا۔

دل پھر سے غم کو مل گیا۔

اب نہ آس ہے کوئی پاس ہے۔

بس تنہائیوں کا ہی ناس ہے۔

قصہ ختم ہوا اس شہزادے کا۔

جیسے وقت تھا وہ بہکاوے کا۔

آپریشن تھیٹر میں ایک مریض کا دل نکلا ہوا اٹرے میں پڑا تھا۔ وہ خون سے پڑا لوتھڑا سیاہ و مردہ تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر پلاسٹک کا دل رکھا ہوا تھا۔ مریض کا سینہ چاک تھا۔ دل نکال کر رگوں کو

ترتیب دیا جارہا تھا۔ سامنے لگا ٹائمر مریض کی زندہ رہنے کی مدت بتا رہا تھا۔ اس نے عینک کے پیچھے سے پلکوں کو اٹھا کر وقت دیکھا اور پھر اپنے اسسٹنٹ کو اشارہ کیا۔ وہ مصنوعی دل کو اٹھا کر بہت احتیاط سے سنئیر ڈاکٹر کو پکڑا رہا تھا۔ اس ڈاکٹر نے دل پکڑ کر بڑی مہارت کے ساتھ رگوں کو اس کے ساتھ سینا شروع کیا۔ کنٹرول روم میں بیٹھے پانچ افراد یہ آپریشن لائیو دیکھ رہے تھے۔ اس ڈاکٹر کے ہاتھوں کی حرکت، توجہ اور اس کی ٹیم کافی پختہ تھی۔ وہ ہر دو منٹ بعد خون سے لتھڑے گلوز اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کی جانب کرتا۔ وہ برق رفتاری سے ٹپکتے خون کو پونچھ دیتا۔ پورے آدھے گھنٹے بعد وہ اور اس کی ٹیم دل فٹ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اب بس یہ دیکھنا تھا۔ وہ کام بھی کرتا ہے یا نہیں۔ بیٹریاں ٹھیک طریقے سے فکس تھیں۔ ان کی تاریں بھی عین پوائنٹ پر لگی ہوئی تھیں۔ اس نے کنٹرولر کا بٹن دبایا۔ بیٹری میں انرجی آئی تھی۔ وہ انرجی دل کو پمپ کروانے کیلئے ہی تھی۔ اس نے بلڈ پریشر نوٹ کیا۔ مریض کا ٹمپریچر بھی ٹھیک تھا۔ اگر اس دل نے حرکت کی تو وہ بچ جائے گا۔ اگر نہیں کی تو۔۔۔ اس سے آگے اس نے نہیں سوچا۔ وہ اب آگے کی نہیں سوچا کرتا تھا۔ اس نے پھر سے وقت دیکھا۔

"ہمارے پاس صرف تین منٹ ہیں۔" اس کے اسسٹنٹ نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

ایک بیٹری نے کام نہیں کیا تھا۔ اس نے تار نکال کر دوسری میں لگائی اور پھر بٹن دبا دیا۔ مگر ندارد۔

"جول دیں۔" اسسٹنٹ کی اسسٹنٹ نے کہا۔ سنئیر ڈاکٹر نے جن نگاہوں سے اسے دیکھا وہ پانی پانی ہو گئی۔ جول صرف انسانی دل کو دیا جاتا ہے مصنوعی کو نہیں، مصنوعی دل کو حرکت میں لانے کیلئے بیٹری کا استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ تار کے ذریعے دل کو پمپ کرواتی ہیں۔ لیکن اس وقت جو شخصیت ان کے سامنے تھی اور جس طرح کے حالات تھے وہ لڑکی گھبرا کر اس طرح کی بات کر گئی۔ نئے ڈاکٹر اس طرح کے حالات میں یونہی پینک ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں بات نہیں تھی۔

پوائنٹس بڑھانے کے باوجود دل ساکن رہا تھا۔

"بلڈ پریشر گر رہا ہے۔" انستھیشئسٹ نے پریشانی سے بتایا۔

"پوائنٹ بڑھاؤ۔" ایک منٹ گزر گیا تھا۔ دل تاہنوز ساکن رہا۔ کنٹرول روم میں بیٹھی ٹیم کے ہیڈ ممبر نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

"ڈاکٹر بلڈ پریشر تیزی سے نیچے آ رہا ہے۔" دو منٹ، پورے دو منٹ گزر گئے۔

"پوائنٹس کو تین گنا بڑھا دو۔" کنٹرول روم میں بیٹھی ٹیم کے ایک ممبر کے لبوں پر تمسخر آلود مسکان پھیل گئی۔ بھلا پاکستانی کس طرح دل بنا کر اسے انسانی جسم میں لگا سکتے ہیں۔ ایسا قطعی ممکن نہیں۔ اگر ہوا بھی تو وہ انسان زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔ زیادہ عرصہ کیوں وہ ہوش میں ہی نہیں آئے گا۔ اس نے پھر سے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"بیٹری بدلیں؟" تین گنا سے بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ چاک سینے میں پڑا پلاسٹک کا دل ایک خراب کھلونا لگ رہا تھا اور وہ سب بچے جو اس کے چلنے کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

"تیس سیکنڈ بعد دیکھتے ہیں۔" وہ جانے اتنا پر سکون کیسے تھا۔ اس کی ٹیم اور دیوار پار بیٹھی ٹیم کے تو چھکے چھوٹے ہوئے تھے۔ وہ لڑکا دیوار پر لگے ٹائمر پر نظریں ٹکائے ہوئے تھا۔

"مجھے لگتا ہے۔ کوشش بیکار ہے۔" ہیڈ ممبر کی تضحیک میں لپٹی مسکان زدہ آواز گونجی۔ سب نے معمولی سا نظروں کا تبادلہ ان کی جانب کیا پھر واپس اسکرین پر توجہ مرکوز کر لی جہاں برقی لہروں کو ایک بار پھر سے دل میں منتقل کیا گیا تھا۔ اڑھائی منٹ گزر گئے۔ وقت تنگ تھا۔ انرجی کو پکڑتے ہی اس دل نے ہولے سے ایک پمپ کیا۔ آپریشن روم میں چاروں افراد نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ وہ دل پمپ کرنے کے بعد رک گیا۔ مریض ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ کنٹرول روم میں بیٹھے سبھی افراد کرسیوں کے کناروں پر آ گئے۔ تجسس حد سے سوا تھا۔ بیس سیکنڈ رہ گئے تھے۔ سنئیر ڈاکٹر کی کنپٹی پر سے پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ یہ آپریشن اس کی زندگی کا سب سے اہم آپریشن تھا۔ اس سے اس کا نام مزید بننا یا بگڑنا تھا۔ اس کے کان کی لو تک گرم ہو چکی تھی۔ اٹھارہ سیکنڈ رہ گئے تھے۔ ٹھیک پندرہویں سیکنڈ دل نے برق رفتاری سے دھڑکنا شروع کیا تھا اور پھر وہ بنا رکے دھڑکتا ہی چلا گیا۔

"ڈاکٹر ہم نے کر لیا، ڈاکٹر ہم نے کر لیا۔"

اس کا اسسٹنٹ خوشی سے مغلوب لہجے میں کہہ رہے تھا۔ کنٹرول روم میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ سنئیر ڈاکٹر کے شانے ڈھلک گئے۔ وہ اس کامیابی پر سجدہ الہیٰ میں چلا گیا۔

مالٹے کے درخت کے نیچے موجود بچھا تخت کافی سوگوار سا تھا۔ ٹھنڈی چائے، باسی روٹی اور پسمردہ سی وہ۔

"پروین، پروین بی پی کی گولی لا دو۔ لگ رہا ہے بی پی ہائی ہو رہا ہے میرا۔" آنکھوں کے نیچے حلقے، بوڑھی ہوتی جلد اور سر پر بندھا دوپٹہ، نحیف سی آواز۔

"پروین۔" انہوں نے ایک بار پھر سے آواز دی تھی۔ جواب ندارد۔ برآمدے کا پردہ ہٹا کر جالی دار سبز ٹوکری لیے اور اپنے معذور ہاتھ سے گلاس تھامے وہ تخت کے پاس آئی۔

"کس کو آواز دے رہی ہیں آپ۔ کوئی نہیں ہے یہاں۔ روز ایک بات کرتی ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ سنتی ہی نہیں۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ سبز ٹوکری میں سے بی پی کی گولی نکالی۔ پانی ان کی سمت بڑھا دیا۔

"کیوں نہیں ہیں۔ سب اندر ہیں بس جان بوجھ کر جواب نہیں دے رہے۔" وہ گولی کو حلق سے نیچے اتار کر پانی کا گلاس چڑھانے کے بعد بولیں۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے ابھی جسم سے الگ ہو جائے گا۔

"کوئی اندر نہیں ہے اماں، سب چھوڑ گئے ہیں۔ اویس بھائی، امین بھائی اپنا اپنا حصہ لے کر، اپنا اپنا حصہ بیچ کر چلے گئے ہیں۔ ان سے آپ کا اور میرا بوجھ برداشت نہیں ہوتا۔ آپ مان لیں اس بات کو۔" اس نے عاجز پنے سے کہا تھا۔ وہ گزشتہ تین سالوں سے ان کو یہ بات سمجھا رہی تھی۔ وہ گزشتہ تین سالوں سے ہی اس بات کو ماننے کو تیار نہیں تھیں۔ جس گھر پر ان کا تسلط قائم تھا۔ جس کی بنیادوں کو ان کی چالاکی نے مضبوط کیا تھا۔ جس اولاد کو انہوں نے پروں میں چھپا کر رکھا تھا وہ کیسے بھلا انہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماتھے پر بل پڑ گئے۔ حلق میں گولا اٹک گیا۔

"ان کو پتہ ہے میرے کمانے کی عمر نہیں رہی۔ تم اس قابل نہیں پھر بھی وہ ہمیں یہاں تن تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کو ذرا خیال نہیں آیا۔ اور نگہت وہ بھی تو پیسے دینے کے ڈر سے یہاں نہیں آتی۔ کتنا بدل گئی ہے وہ بھی۔ کاش، اے کاش تمہارے بابا زندہ ہوتے۔ اے کاش۔" وہ روز اپنی مینہ کے سامنے رو پڑتی تھیں۔ وہ روز بھول کر اس گھر میں کبھی مقیم افراد کو آوازیں دینے لگ جاتی تھیں۔ مینہ نے ماں کو بازوؤں کے ہالے میں لیا۔

"وہ سب پیسے کے ساتھی تھے اماں، پیسہ آنا بند ہوا تو ان کی محبت کے دروازے بھی بند ہو گئے۔ ایک سال نہیں برداشت کر سکے ہمیں، ہمارا وجود بھاری ہو رہا تھا ان پر۔" وہ ان کا سر اپنے شانے پر رکھے تھپک رہی تھی۔ مالٹے کا پیڑ بھی جیسے اب سوکھ سا گیا تھا۔

"اب وہ تنویر بھی تو نہیں آتا۔ پہلے اسے فلک چاہیے تھی اب تو ہمیں دیکھ کر ہی کترا کر گزر جاتا ہے۔ اور فلک کے بھائی، انہوں نے کیسے دھتکار دیا ہمیں۔ کیسے کہہ دیا وہ ہم میں سے کسی کو نہیں جانتے۔ دنیا والے کتنے بے رحم ہوتے ہیں نا مینہ۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر پھپھک پھپھک کر رو دیں۔

"بس ٹھیک ہے نا اماں، گزر بسر ہو رہا ہے۔ نرسری کے بچوں کو تو پڑھا ہی لیتی ہوں۔ کچھ تو آمدن آ ہی رہی ہے نا، یوں بھی ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ پورا کر رہا ہے۔" وہ انہیں تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ فرخندہ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کو پونچھا۔

"کتنی بدبخت ہوں میں جو اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی بچی کی زندگی اجاڑ دی۔ جانتی تھی میں تمہارے سسرالی لالچی ہیں پھر بھی کسی کی بات نہ مانی۔ جب تک منہ بھرا تمہیں رکھا۔ جب ہاتھ خالی ہوئے تو پکڑا دی طلاق۔ اور تم نے بھی تو کتنی بے وقوفی کی شادی کے بعد سب اپنے شوہر کے نام کر دیا۔ اگر ایسا نہ کرتی تو آج ہم یوں فاقے نہ کاٹ رہے ہوتے۔ کاش تم غلطی نہ کرتی۔ کاش میں غلطی نہ

کرتی۔کاش لوٹ آئے وقت۔"مینہ نرمی سے ماں کو تھپک رہی تھی۔گزرے مہ وسالوں کی تلخ یادیں اس کے دل کو بھی آکر جلا جاتی تھیں۔وہ انہیں کیا بتاتی لہجے کی جھوٹی مٹھاس اور لفظوں کی مصنوعی چاشنی کے زیر اثر آکر اس نے ایسا کر دیا تھا۔وہ کمزور لمحات تھے۔بہک گئی۔کر دیا سب کچھ اس شخص کے نام جس نے اچانک اسے دنیاوی مخلوق سے پری کا درجہ دے دیا تھا۔اسے نہیں معلوم تھا اس مرد کی محبت بھی دھوکا تھی۔اسے معلوم ہوتا تو وہ بالکل ایسا نہ کرتی۔وہ کتنا منع کرتی تھی اپنی ماں کو ان لوگوں کا ذکر نہ کرنے کیلئے مگر وہ آئے روز دکھ سے چور ہو کر ان کا ذکر لے بیٹھتی تھیں۔اس کے زخموں کو کھرچ دیتی تھیں۔اس نے اپنے گلے میں اٹکا گولا پیچھے کو دھکیلا۔

"اماں میری کبھی ریاض کے ساتھ دلی وجذباتی وابستگی ہوئی ہی نہیں،مجھے کوئی افسوس نہیں ہے کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔وہ ایک لالچ میں ڈوبا شخص تھا۔پیسوں کی بات کرتا تھا۔پیسہ ہی اس کیلئے سب کچھ تھا۔اچھا ہی ہوا جو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔کم از کم آئے روز کے مطالبوں سے تو جان چھوٹی۔"وہ انہیں روز اس طرح جھوٹ بول کر تسلی دیتی تھی۔وہ بس یہی کر سکتی تھی۔فرخندہ اس سے الگ ہوئی۔نمناک نگاہوں سے بیٹی کے معصوم چہرے کو کنگھالا۔

"تم ٹھیک کہتی تھی مینہ،ظلم مڑ کر واپس آتا ہے۔جو اس کے ساتھ کیا تھا وہ سب ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔وہ آتی کیوں نہیں یہاں،اسے تو رستہ معلوم ہے یہاں کا۔کتنا کہتی تھی،بار بار کہتی تھی کہ اسے واپس آنا ہے پھر اب کہاں چلی گئی۔کدھر کھو گئی۔"مینہ کے دل میں ہوک اٹھی تھی۔چھ

سال پہلے فرخندہ نے اس کا نمبر ہر ایک کے فون سے بلاک کیا تھا۔ مگر مینہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے وقتی طور پر اس کا نمبر بلاک کرنے کے بعد کھول دیا تھا۔ اور اب تک نمبر نہیں بدلا تھا کہ کیا معلوم اس کا فون آجائے۔ اس کا فون آیا اور نہ ہی وہ آئی ہاں چھ سے پہلے اس کا بس ایک چھوٹا سا میسج آیا تھا۔ بہت مختصر سا۔

"میں رہا ہو گئی ہوں مگر پھر بھی چاہوں گی میرا نمبر اپنے فونوں سے بلاک ہی رکھنا تم سب، سمجھو فلک سفیر اب تم سب لوگوں کیلئے مر گئی۔"

"میں ڈھونڈ رہی ہوں اسے۔" وہ تاہنوز اپنی ماں کے شانے کو تھپک رہی تھی۔ ان کا ہاتھ اس کے گرم ہاتھ کے نیچے قید تھا۔ "وہ جلد مل جائے گی۔"

"مینہ، مجھے اس سے معافی مانگنی ہے۔ سینے سے لگانا ہے بس ایک بار، ایک بار اسے ڈھونڈ کر یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد بے شک وہ تمام عمر مڑ کر نہ دیکھے۔ مگر بس ایک بار مجھے معاف کر دے۔"

اس نے مستحکم انداز میں سر کو جنبش دی۔ باسی روٹی اور ٹھنڈی چائے جوں کی توں تخت پر پڑی تھی۔ فرخندہ کی بھوک بہت کم ہو گئی تھی۔ بامشکل ہی دن میں آدھی روٹی کھا پاتی تھیں۔ غم نے دل میں ایسا آکاس بیل کا جال بچھایا کہ اب تو جینے کی امنگ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ سانسیں چل

رہی تھیں تو سامنے بیٹھی اجڑی ہوئی لڑکی کیلئے۔ دل دھڑک رہا تھا تو بس اسی کیلئے۔ ہمت بندھی تھی تو فقط اس کی ہی خاطر۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا اماں، فکر نہیں کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ایک یقین، ایک مرجھائی سی بودی سی تسلی۔ اس نے ایک گہری آہ بھری تھی نظر آسمان کی وسعتوں پر تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا مگر اس سے دور بہت دور بہت بڑے ائیر پورٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھے شخص کی آنکھوں کا رنگ بھورا تھا۔ اس کی نظر بھی بادلوں کے ٹکڑوں سے سجے آسمان کی جانب تھیں۔ دائیں بائیں بیگز رکھے تھے۔ ہاتھ میں موبائل تھا۔ ارتکاز بہت گہرا تھا۔ بھوری آنکھوں میں آسمان اپنی نیلاہٹ گھول رہا تھا۔ قبل اس کے وہ آنکھیں پوری کی پوری نیلی ہوتیں دفعتاً اس کے سامنے کوئی آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونک گیا۔ نظروں کا زاویہ بدلا اور پھر بہت گہرا مسکرا دیا۔

"کافی دیر کر دی تم نے۔" وہ بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام کر کھڑا ہوا۔

"بھائی میرے دیر میں نہیں آپ کر رہے ہیں۔ سچی کہہ رہا ہوں اچھی عمر میں شادی ہو جائے تو زندگی بڑی سکھی رہتی ہے۔" ایک بیگ کا ہینڈل اس نے تھاما تھا اور دوسرے کا مائیر نے۔

"اچھی اور پکی دونوں عمروں کی شادی کامیاب رہتی ہے اگر ساتھی من پسند ہو تو۔ غفران چاچو کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ کتنی خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ سیڑھیاں اترنے لگے۔ مائیر نے گردن اس کی جانب موڑی تھی۔ ان کے آس پاس سے عوام گزرتی ہوئی جارہی تھی۔

"ہاں تو کسی کو من کی پسند بناؤنا، وہ جو تمہاری کلیگ ہے۔ کیا بھلا سا نام ہے اس کا، ہاں رخسار اسے اپروچ کرو۔ وہ کب سے تمہاری منتظر ہے۔" چلتے چلتے دونوں پارکنگ لاٹ پہنچ گئے تھے۔ نوح نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنی اور پسنجر سیٹ سنبھال گیا۔ مائیر اس کے بیگ ڈگی میں رکھنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر آیا تھا۔

"مشہور اور کامیاب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب تم میری باتوں کو نظر انداز کرنے لگو۔ دنیا کیلئے ہوگے تم اسٹار میرے لیے رتی بھر نہیں ہو۔" نوح کا قہقہہ برجستہ تھا۔ لبوں کو دانتوں میں پکڑ کر چھوڑا۔

"اور میں نے کب ایسا تاثر دیا؟" اس کی آنکھوں میں شرارت کے ہزار رنگ آن سمائے۔ مائیر نے ایک کرخت نگاہ اس شرارتی پر ڈالی۔

"رخسار کے ذکر کو میں گول کر رہا ہوں جیسے۔" وہ چبا چبا کر بولا تھا۔ جان بوجھ کر پر زور انداز میں ٹرن لیا مگر نوح ٹس سے مس نہیں ہوا۔ سینے پر بازو باندھے بیٹھا رہا۔

"یار وہ بہت جولی اور چھوٹی ہے۔" مائیر نے فوراً اس کی بات درمیان میں قطع کی تھی۔ وہ جیسے ابھی سیدھا اسے مسجد لے جا کر اس کا نکاح پڑھوانا چاہتا تھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا وہ یہ بھی کر گزرتا۔

"کوئی چھوٹی نہیں ہے۔ پورے بائیس سال کی ہے۔ سوچو اس کے بارے میں۔" گزشتہ ایک ماہ سے وہ اسے ہی لے کر اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ مگر نوح نے ہار نہیں مانی۔ موقف پر قائم ہی رہا۔

"خوابوں کی دنیا میں رہنے والی لڑکی کبھی بھی میری چوائس نہیں رہی ہے۔ مجھے ایک سنجیدہ اور باوقار لڑکی اپنی بیوی کے روپ میں چاہیے ہے۔ جو میرے پروفیشن کو اور مجھے سوٹ کرے۔ چاچو نے کہا تو ہے انہوں نے کچھ پرپوزل دیکھے ہیں۔ میں ان میں سے چوز کر لوں گا۔ فکر نہیں کرو اس سال لازمی شادی کر لوں گا۔ یوں بھی اب میں سنگل رہ رہ کر تنگ آ گیا ہوں۔" اس نے آنکھ مار کر کہا تھا۔ وہ اسے پچکار رہا تھا۔ وہ بچہ نہیں تھا۔ مائیر نے گئیر ہینڈل چھوڑ کر مکا اس کی ٹانگ پر جڑا۔ نوح اس حملے کیلئے تیار نہیں تھا۔ کراہ کر رہ گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں بے وقوف ہوں۔ تین سالوں سے یہی بات کر کے جھانسا دے رہے ہو مجھے۔ شرم کرنی چاہیے تمہیں۔" وہ اپنی چوری پکڑے جانے پر گردن کی پشت کھجا کر کھسیانا سا ہو گیا۔

"یار اس بار سچ کہہ رہا ہوں۔ اس لیے تو کام سے لمبی بریک لی ہے۔ چھ سات ماہ تک فارغ ہوں میں۔ اس دوران کرلوں گا شادی۔ اور میری بات سنو تم مجھے پاکستان اس لیے بلواتے ہو تاکہ یہ ٹاپک چھیڑ کر میرا جینا حرام کر سکو۔ تمہیں کبھی صرف میں یاد نہیں آتا۔" وہ ناراض ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا ناکام گیا۔ مائیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن دبوچی اور اسے اپنے شانے سے لگا دیا۔

"تم تو میرے جگری یار ہو۔ میرے واحد سالے۔ تم سے محبت کا الگ ہی لیول ہے۔ کیوں نہیں یاد آؤ گے بھلا، اچھا یہ تو بتاؤ بوسٹن میں جس کے ساتھ میں نے تمہاری سیٹنگ کروائی تھی اس کا کیا بنا۔" نوح نے اس سے اپنی گردن چھڑائی پھر کالر درست کر لیا۔ مائر کی حرکتوں نے کبھی ختم نہیں ہونا تھا۔ کوئی انہیں دیکھ لیتا یوں تو یقین کر سکتا تھا کہ ایک مایا ناز کارڈیالوجسٹ ہے اور دوسرا بزنس ٹائکون، ناممکن، یہ دونوں تو کالج بوائے لگتے ہیں اپنی حرکتوں سے۔

"وہ بور تھی۔ میں نے اسے ہفتے میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ چاہتی تھی میں دن رات اسے کال کروں۔ باہر لے جاؤں۔ شاپنگ کرواؤں۔ اسی کے ساتھ جم کروں اور بریک فاسٹ اور ڈنر تو لازمی اس کے ساتھ ہی کروں۔ میرے لیے یہ سب ممکن نہیں تھا۔ میرے پروفیشن کا تمہیں پتہ ہے۔ کتنا مصروف ہوتا ہوں میں، اس لیے چھوڑ دیا اسے۔" وہ بہت برا منہ بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مائیر ہنس دیا۔

"بھائی میرے ساری ہی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ کس کس کو چھوڑو گے تم اور کس کس سے میں تمہاری بات بنواتا رہوں گا۔ میں تو بس ایک ہی بات کہوں گا اور وہ بھی فائنل یا تو رخسار کے ساتھ مراسم آگے بڑھا کر سیدھا نکاح پڑھوالو یا پھر انکل کی پسند سے کسی بھی لڑکی سے ڈائیریکٹ شادی کرلو۔ تمہارا معاملہ یونہی حل ہو سکتا ہے۔"نوح اس کی تجویز پر ہنس دیا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ معاملہ چاچو کے سپرد کرتا ہوں۔ آخر کو مجھے بھی شوق ہو رہا ہے اپنے بچے دیکھنے کا، بہت جیلس ہوتا ہوں میں جب موہد اور عائشہ (مائیر اور غفران کے بچے، موہد غفران کا بیٹا تھا جبکہ عائشہ مائیر کی بیٹی تھی۔) کو ایک ساتھ کھیلتے دیکھتا ہوں۔ ان کے ساتھ میری اولاد کو بھی ہونا چاہیے۔"اب کی بار مائیر نے قہقہہ لگایا تھا اور ایسا لگا یا تھا کہ گاڑی کی چھت پھٹ جائے۔ نوح نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"صحیح جا رہے ہو بیٹا، بالکل صحیح جا رہے ہو۔"

گھر آگیا تھا۔ لیکن وہ نوح کا گھر نہیں تھا۔ وہ غفران ہاؤس تھا۔ شاید آج یہاں سبھی جمع تھے۔ اس بات پر مہر تب لگی جب کار کے پورچ میں رکنے کے بعد اندر سے موہد اور عائشہ بھاگتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ نوح انہیں دیکھتے ہی والہانہ انداز میں گاڑی سے باہر آیا اور ان دونوں کو بانہوں میں بھر کر گود میں اٹھالیا۔

"میرے بچے کتنے بڑے ہو گئے۔ نوح بابا کو یاد کیا؟" وہ انہیں پیار کرنے کے بعد دریافت کر رہا تھا۔ ساڑھے چار سالہ موہد اور تین سالہ عائشہ اسے دیکھ کر زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگے تھے۔

"آپ میرے گفٹ لائے ہو؟" موہد کے سوال پر وہ نہال ہوا تھا۔ اس کی آواز ابھی سے بھاری تھی۔ اس نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"گفٹ۔۔۔ پورا بیگ بھر کر لایا ہوں اپنے بیٹے کیلئے۔" وہ دونوں کو لیے اندر جا رہا تھا۔ مائیر سرشاریت سے ان باتیں سنتا ان کے پیچھے تھا۔

"اور میرے لیے کچھ نہیں لائے۔" عائشہ کا تو تلا لہجہ تھا اور نوح کے دل میں کھلتے پھول تھے۔

"آپ کیلئے تو بڑے والا لایا ہوں۔ آپ میری جان جو ہو۔"

لاؤنج میں رونق لگی تھی۔ غفران، مسز بتول، سیر اسب وہاں باتوں میں مشغول تھے۔ آوازوں پر انہوں نے سروں کو اٹھایا اور خوشی سے نہال ہو گئے۔ آنے والا اس بار پورے ڈیڑھ سال بعد اپنی شکل دکھا رہا تھا۔ ہائے کتنی ترس گئی تھی ناسیر ا اپنے بھائی کو دیکھنے کیلئے۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے گلے لگ گئی۔ حال احوال پوچھنے کے بعد وہ وہیں ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ چائے کا دور چلا تھا۔ باتوں کا دور چلا تھا۔

"تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا نوح، یقین کرو ساتویں آسمان پر ہوں اس وقت میں۔" وہ غفران جن کے بالوں میں چاندی کچھ زیادہ چمکتی تھی شادی ہوتے ہی جوان ہو گئے۔ زیادہ سفید بال غائب اور جھریوں میں تیزی سے کمی واقع آئی تھی۔ بتول بھی تو ان کی رفاقت میں کھل گئی تھیں۔ بہت نرم خو سی خاتون تھیں۔ دھیمے مزاج کی بہت رکھ رکھاؤ والی۔

"آپ کی دعائیں ہیں۔" عائشہ اس کی گود میں تھی۔ نوح بہت نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور شانے بری طرح شل تھے۔

"ہاں بس انہیں کی دعائیں ہیں۔ ہم تو جیسے مونگ پھلیاں بیچ رہے ہیں نا۔" مائیر کے لٹھ مارتے انداز میں کہنے پر اس نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ اب وہ مسکراتا زیادہ تھا۔ ہر پل، ہر لمحہ، شاذونادر ہی مسکان اس کے لبوں سے جدا ہوتی تھی۔ وہ بدل گیا تھا۔ وہ بہت بدل گیا تھا۔

"لگتا ہے کچھ جل رہا ہے۔" غفران نے بھی مزاح کا تڑکا لگایا تھا۔ نوح نے عائشہ کو گود سے اتار کر اپنے ساتھ بٹھایا۔ وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اسے آرام کی حاجت ہو رہی تھی۔ اس کے شانوں کا کھچاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

"بس کر دو آپ لوگ کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔ نوح بیٹا آپ جاؤ جا کر آرام کرو لمبے سفر سے لوٹے ہو تھکے ہوئے ہو گے۔" بتول نے ایک بار پھر ماں کا رول ادا کیا تھا۔ وہ جب سے غفران

سے نکاح کے بندھن میں بندھی تھیں تب سے اس کی ماں بن گئی تھیں۔اس کی ہر چیز کا خیال رکھتی تھیں۔ہر ضرورت پر نظر ہوتی تھی۔بعض اوقات تو اس کے لب جامد ہوتے تھے مگر وہ پھر بھی جان جاتی تھیں کہ اسے کیا چاہیے جیسے ابھی احساس ہوا تھا۔وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی حیران ہوا تھا۔اس نے انہیں تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ابھی آپ آرام کو شام میں بیٹھ کر فرصت سے لڑکیوں کی تصاویر دیکھیں گے۔ایک دو میں پسند کر چکی ہوں بس آپ کی رائے جاننی ہے۔"سیر اپر جوشیت سے کہہ رہی تھی۔وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔موہد اس کے پیچھے جانے لگا تھا مگر مائیر نے اسے پکڑ لیا۔نوح کوٹ کو بازو پر ڈالے تھکے ہوئے شانوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں آیا۔دروازے کو بند کرتے ہی اس کے لبوں سے آزردہ سانس خارج ہوئی تھی۔اس نے کوٹ صوفے پر رکھا۔شوز اتارے اس کے بعد فریش ہو کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ اپنے گردن کی پشت کو رگڑ رہا تھا کہ اس کی انگلیاں باریک سی چین سے ٹکرائیں۔وہ چین جو اس کی گردن میں تھی۔بہت باریک،بالکل سفید۔۔اس کے جلد کی رنگت کی۔اتنی نفیس اور باریک کہ غور سے دیکھنے پر بھی نظر نہ آئے،چھونے پر بھی محسوس نہ ہو۔اس نے احتیاط کے ساتھ اس چین کو پکڑ کر شرٹ کے گلے سے باہر کیا۔انگیجمنٹ رنگ اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی باہر آئی تھی۔اس

نے دونوں انگلیوں میں اس انگوٹھی کو پکڑا۔اس کے دل میں ایک ہوک اٹھی تھی مگر انگوٹھی کے اندر کندہ اپنا اور اس کا نام اس کے لبوں پر مسکان بکھیر گیا۔

"تم جہاں رہو خوش رہو۔"

مدھم سے پھول دل میں کھل گئے تھے۔وہ تکیہ درست کر کے سر رکھ کر لیٹ گیا۔مگر آنکھیں وا رہیں۔ساکت،پر سوچ اور منتظر۔

وہ سینے پر بازو لپیٹے ٹھس کھڑی تھی۔کھڑکی سے آتی ہوا اس کے بالوں کی لٹوں کو پیچھے کی اور اڑا رہی تھیں۔آسمان بالکل صاف تھا مگر تاروں سے لبریز تھا۔چاند بھی پورا تھا مگر جو غم تھا پورے جہان جتنا تھا۔اب تو جیسے عادت سی ہو گئی تھی۔ایک ہفتہ نارمل گزرتا تو اس کے دل کو کھٹکا ہو جاتا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔یقیناً کچھ بڑا سانحہ ہونے والا ہے۔بڑا سانحہ ہو گیا۔اس کی دائیں جانب پڑی میز پر عدالتی کاغذات کھلے ہوئے پڑے تھے۔اس پر اس کے شوہر کے سائن موجود تھے۔وہ طلاق کے کاغذات تھے۔

"میں چاہتا ہوں۔" عقب سے آواز ابھری۔ "یہ معاملہ بس اب جلد از جلد نبٹ جائے۔ میں اب یہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ کچھ فاصلے پر موجود صوفے پر دونوں ہاتھوں کو باہم ملائے انگوٹھے پر پیشانی ٹکائے بیٹھا تھا۔ وہ جیسے عاجز تھا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تم جیسے کرپٹ اور دوغلے انسان کے ساتھ رہنے کا۔" اس نے گردن موڑ کر حقارت سے ہلکے کردار کے آدمی کو دیکھا۔ آنکھوں میں تحقیر کے ہزار ہا رنگ ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ "مگر ابھی میں چاہتی ہوں تم تھوڑا صبر کر لو۔ بزنس کی نئی چین ہے۔ پراڈکٹ لانچ ہونے سے پہلے اگر ہماری علیحدگی ہو جاتی ہے تو اس سے ہمارے شئرز پر فرق پڑے گا۔ اور فی الحال نقصان افورڈ کرنے کی پوزیشن میں، میں اس وقت بالکل بھی نہیں ہوں۔"

احسن رضا نے ہاتھ جھلا کر پہلو بدلا۔ وہ گزشتہ چار ماہ سے یہی کچھ سنتا آ رہا تھا۔ اس کی اب بس ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہارے نفع نقصان سے فرق نہیں پڑتا مجھے اس وقت۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی وجہ دروازے کا ناک ہونا تھا۔ رامیہ نے رخ موڑا۔ میڈ وہاں کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کے مہمان آئے ہیں۔" رامیہ کے سر ہلانے پر وہ چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھر سے شروع ہو گیا۔

"دیکھو رامیہ، جذباتی شورش کے تحت میں نے یہ بندھن تمہارے ساتھ باندھ تو لیا تھا مگر میں سمجھ گیا ہوں۔ تم اور میں کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ ہم دونوں کی منزل جدا ہے۔" وہ اس کے باور کروانے پر جھٹکے سے مسکائی تھی۔ سینے پر ہاتھ تاہنوز بندھے تھے۔

"تم جیسا بھنورا کسی ایک پھول پر رہ بھی نہیں سکتا۔ تمہارے کرتوت باقاعدگی سے میرے پاس آتے رہتے ہیں۔" وہ اسی طرح اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیرتی دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ آج بھی خوبصورت تھی۔ ویسی ہی چاک و چوبند اور لگژری۔ چھ سالوں کے عرصے نے بھی اس کے وجود پر وقت کی دھول نہیں چھوڑی تھی۔ وہ چاہے تو آج بھی ہزاروں لوگ اس کے دعویدار ہو سکتے تھے مگر وہ چاہے تب نا۔

"تم مجھے دھمکا رہی ہو؟" صدماتی انداز میں وہ اس کی پشت کو دیکھ کر دریافت کر رہا تھا۔

"سمجھ دار ہو۔" اس نے دروازہ کھولا پھر اسے زوردار انداز میں بند کر کے چلی گئی۔ احسن رضا کے لبوں سے موٹی گالی برآمد ہوتے ہوتے رکی۔ وہ دانت کچکچائے وہیں بیٹھا رہ گیا۔ رامیہ سیٹنگ ایریا میں آئی تھی۔ دروازے کو پاٹتے ہی جس شخص پر اس کی نظر پڑی وہ اسے دیکھ کر ساکت ہو گئی۔ قدم وہیں جم گئے۔ نوح اسے دیکھ کر کھڑا ہوا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے وہ اس کے قریب آیا

پھر اسے خود سے لگالیا۔ رامیہ جامد رہی تھی۔ اس کے دانت سختی سے آپس میں ایک دوسرے پر جمے تھے۔ وہ ہاتھ کھول کر اسے دھکا دینا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی وہ اس سے الگ ہو گیا۔

"کیسی ہو آپ، سنا تھا سامیہ چھٹیوں پر آئی ہوئی ہے تو سوچا اس سے ملنے آجاؤں۔" محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ آنے کا جواز بتا رہا تھا۔ سامیہ رامیہ کی بیٹی تھی۔ وہ بورڈنگ میں پڑھتی تھی۔ ابھی گرمیوں کی چھٹیوں پر آئی ہوئی تھی۔

"صغرا ں۔۔۔ صغرا ں۔" وہ یونہی بازو لپیٹے گردن ٹیڑھی کیے میڈ کو آواز دے رہی تھی۔ نوح اس کی آواز سے پہچان گیا وہ اب کیا کرنے والی ہے۔

"اگر آپ کو لگتا ہے میں چائے پی کر چلا جاؤں گا تو غلط فہمی ہے آپ کی، میں اپنی بیٹی سے مل کر جاؤں گا اور شاید اسے ساتھ بھی لے جاؤں۔" اس نے واضح لفظوں میں حق جتایا۔ استحقاق قابل دید تھا۔ رامیہ کی آنکھوں میں تنفر کے کانچ بھر گئے جن میں دراڑ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

"ایک بات سمجھاتی ہوں تمہیں۔" وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آئی۔ "سامیہ میری اولاد ہے اور تم۔۔۔ اس کے کچھ نہیں لگتے۔ دوسرا ابن بلائے مہمان مجھے زہر لگتے ہیں۔ آئندہ اگر آنے کی جسارت کرو تو اطلاع دے کر آنا۔" وہ جانے لگی تھی مگر جا نہیں پائی۔ نوح کے لفظوں نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

"آپ چاہے لاکھ اختلاف کرلیں مگر آپ میری بہن ہیں اور رہیں گی۔اور اسی مناسبت سے سامیہ پر بھی میرا اتنا ہی حق جتنا آپ کا ہے۔یہ سچ کبھی آپ بدل نہیں سکیں گی۔"

"تم۔"وہ انگلی اٹھا کر آنکھیں نکال کر اس کی جانب لپکی ہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے سامیہ کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔وہ خوشیوں سے لبریز،دیوں سے ٹمٹماتی آنکھوں کے ساتھ دوڑتی ہوئی نوح کے ساتھ جا کر لگ گئی۔

"ماموں آپ آگئے۔میں نے آپ کو کتنا یاد کیا۔"وہ اس کی ٹانگوں سے چپک گئی تھی۔اس کے شہد سے بال پونی میں جکڑے تھی۔پاؤں میں سفید بے بی شوز تھے۔بلینڈڈ کپڑے کی پرپل رنگ کی اسکرٹ اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔اسکرٹ کے نیچے جو باریک ٹائٹس اس نے پہنے ہوئے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سفید پھولوں والے تھے۔نوح نے اس کے آتے ہی اسے گود میں اٹھالیا۔رامیہ نفرت آمیز انداز میں ان دونوں کے ملاپ کو دیکھ رہی تھی۔یہ آخری چیز تھی جس کی اس نے توقع کی تھی۔

"سامیہ ایک منٹ سے پہلے پہلے اپنے کمرے میں جاؤ۔"کرخت آواز پر بچی کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔خوشی چہرے سے چھٹی۔وجود سے بھی سرکتی ہوئی زمین بوس ہوگئی۔نوح نے اس کے گرد بازو کو تنگ کیا تھا۔

"یہ میرے ساتھ جائے گی۔ میں کل اسے چھوڑ دوں گا۔"اس کے لہجے میں التجا تھی۔ سامیہ کی ڈھیلی گرفت نے اس کے دل میں اوس بھر دی۔

"صغراں۔۔۔صغراں۔"وہ ایک بار پھر سے آواز دے رہی تھی۔ وہ بوتل میں جن کی طرح نازل ہوئی تھی۔ شاید پہلے اس کی دی ہوئی آواز سن لی تھی اور اب دروازے کی اوٹ میں حکم کی منتظر تھی۔

"جی بی بی جی۔"نوح کے پورے بدن پر حزن کی تہہ چڑھ گئی۔ وہ اسے افسوس زدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"سامیہ کو لے کر جاؤ۔ ان کے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔"وہ جو پہلے ہی خود کو نوح سے چھڑوانا چاہ رہی تھی حکم ملتے ہی مچل کر اس کی گود سے نیچے اتری اور دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ صغراں دو منٹ تو شش و پنج میں وہاں کھڑی رہی پھر اس نے بھی جانے میں عافیت ہی جانی۔

"کتنا ظلم کر رہی ہو نا اپنے ساتھ اور اس بچی کے ساتھ، کتنا تنہا کر رہی ہو خود کو بھی اور اس کو بھی۔" وہ پلٹ گئی۔ چہرے پر تاہنوز تضحیک کے رنگ سجے تھے۔

"صغراں، انہیں گیٹ تک چھوڑ کر آؤ، صاحب کو دیر ہو رہی ہے۔"وہ اسی اٹھی گردن کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔ صغراں ایک بار پھر اندر آئی تھی۔ نوح سر جھٹکتے ہوئے اس کے پاس سے

نکل گیا۔ باہر آکر اس نے گاڑی ان لاک کی تھی۔ ریورس کر کے وہ اسے گیٹ سے باہر نکال رہا تھا۔ ابھی اس کی کار گیٹ سے باہر ہی پہنچی تھی کہ اسے یکدم بریک لگانے پڑے۔ آنکھیں پھٹ گئیں۔ اسے منظر پر یقین کرنے میں دشواری ہوئی۔ سامنے، اس کی آنکھوں کے عین سامنے سامیہ دونوں کاندھوں پر بیگ چڑھائے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی کار کو روک رہی تھی۔ اس نے کار روکی قبل اس کے وہ گاڑی سے نکلتا سامیہ جلدی سے فرنٹ سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔

"جب میں آپ سے خود کو چھڑوانا چاہ رہی تھی تو آپ نے چھوڑا کیوں نہیں اب دیکھیں کچھ سامان میرا وہیں رہ گیا ہے۔" بیگ کو شانوں سے اتار کر اس نے بیک سیٹ پر پھینک دیا۔ نوح کو ابھی تک سمجھ نہیں آئی یہ ہوا کیا ہے؟

"آپ، آپ کس طرح باہر آئیں؟" اسے نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ سامیہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اپنے ہر دل عزیز ماموں کو دیکھا۔

"کھڑکی سے آئی ہوں۔ صبح آپ مجھے جلدی چھوڑ دینا۔ ماما کے اٹھنے سے پہلے۔" ماتھے پر آئے بالوں کو جھٹکتے ہوئے اس نے اپنی ماں کی طرح ہی سینے پر بازو باندھ لیے تھے۔ نوح اب تک لاجواب تھا۔

"آپ کو اجازت کے بغیر نہیں آنا چاہیے تھا۔ کھڑکی سے تو بالکل بھی نہیں۔" سامیہ نے شاکی نگاہوں سے نوح کو دیکھا جو اب کار کو چلا چکا تھا۔

"وہ اجازت دیتیں آپ کے ساتھ آنے کی، بالکل بھی نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ رہنا تھا۔ عائشہ اور موہد کے ساتھ کھیلنا تھا۔ میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔" ماتھے پر بل لیے نت نئے فیشل ایکسپریشن کے ساتھ وہ روانی میں بول رہی تھی۔ نوح کے لبوں پر بے ساختہ مسکان امنڈ آئی۔ پریشان کن مگر خوشگوار مسکان۔

"اور اگر انہیں معلوم ہو گیا تو؟" سامیہ نے تھوڑی پر انگلی بجائی پھر فٹ سے بولی۔

"آپ سنبھالیں گے۔" نوح کی ابرو اچک گئیں۔ موڑ کاٹا۔ دکانوں کی سنہری روشنی دونوں پر سے لہراتے ہوئے گزری تھی۔

"آئی سی، بورڈنگ سے کتنی بار گئی ہو باہر آپ؟" جواب توقع کے عین خلاف آیا تھا۔ اس نے ششدر انداز میں اپنے برابر بیٹھی بچی کو دیکھا۔

"کبھی گنا نہیں مگر بہت بار، آپ جب ملنے آتے تھے تب اس کے بعد مجھے آپ کی یاد آتی تھی تو آپ کو ملنے آجاتی تھی۔ مگر اس ڈر سے نہیں ملتی تھی کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں۔ اس لیے دیکھ کر ہی چلی جاتی تھی۔" اور وہ ہو گیا تھا۔ وہ ابھی اسی وقت اس سے شدید خفا ہو گیا تھا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کے جال بچھ گئے۔ آنکھوں میں پریشانی کی لکریں ابھر گئیں۔

"اور اگر ابھی میں آپ سے ناراض ہو جاؤں تو۔"اس کی آواز میں بھی پریشانی کا عنصر غالب تھا۔وہ چھوٹی بچی چہرہ جھکا گئی۔

"آپ جانتی ہیں ناکتنا رسکی ہوتا ہے یہ سب،کوئی حادثہ ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ،کوئی اغوا کر سکتا ہے آپ کو،رہ لیں گی پھر آپ ماما بابا اور میرے بغیر۔بولیں جواب دیں۔"وہ گھٹی گھٹی سسکیاں بھرنا شروع ہوئی تھی۔اس کی ناک کے نتھنے پھول پچکنے لگے تھے۔اس نے ایک سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سب بہت یاد آتے ہو ماموں،میں اکیلی نہیں رہنا چاہتی۔"نوح کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔کبھی جو الفاظ اس نے غفران سے کہے تھے آج وہی اس کی جانب لوٹ آئے مگر کس صورت۔اس بچی کی جانب سے جس کے والدین حیات تھے۔اس کے پاس تھے مگر پھر بھی وہ تنہا تھی۔کوئی نہیں تھا اس کے پاس،کوئی ہوتا ہی نہیں تھا۔اسے لگا سامیہ،سامیہ نہیں بلکہ نوح ہے جو التجا کر رہا ہے کہ اسے بھی باقی بچوں کے ساتھ رکھا جائے۔فیملی کے ساتھ رکھا جائے تاکہ وہ بھی ایک نارمل زندگی گزار سکے۔وہ بھی ہنس مسکرا سکے،خوش رہ سکے۔اس کیلئے مسیحا غفران تھے۔وہ تنہا نہیں رہا تھا۔سامیہ کا مسیحا وہ ہے۔وہ اسے تنہا نہیں رہنے دے گا۔

"آپ نہیں ہو بیٹا، آپ بالکل بھی تنہا نہیں ہو۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں اور رہوں گا۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر اسے خود سے لگالیا۔ وہ اس کے بازو کو تھپک رہا تھا۔ دل میں اوس بھر رہی تھی۔

"آپ جب کہیں گی میں آپ کے پاس آجایا کروں گا بلکہ جتنا زیادہ ممکن ہوا آپ کے پاس آؤں گا مگر وعدہ کریں آئندہ ایسا نہیں کریں گی جیسا آج کیا ہے یا پہلے کرتی آئی ہیں۔ یہ نقصان دہ ہوتا ہے بیٹا۔"

وہ اس سے وعدہ کر رہی تھی۔ نوح اسے تھپکے جا رہا تھا۔ اس رات السلام آباد کی سڑکوں پر دوڑتی گاڑی میں دو آئنے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اس رات نوح جبران کو ایک اور نوح جبران ملا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا جو محرومی اس کے مقدر میں آئی تھی۔ وہ اس کے مقدر میں نہیں آئے گی۔ وہ اس کے دل میں حسرت و یاس ہرگز نہیں رہنے دے گا۔

بالکل بھی نہیں۔

موسم آج بالکل صاف تھا۔ چمکیلا آسمان، اڑتے پرندے، چلتی ہوا۔۔

گالف کلب میں اس وقت جبران ہدف پر نظر رکھے ہٹ کرنے کی تاک میں تھے۔ ان کے برابر غفران کھڑے تھے۔ وہ جبران سے پہلے گول کر چکے تھے اور اب جبران کی باری تھی۔

"مجھے لگتا ہے آپ سے نہیں ہو گا۔" جبران نے فل فوکس رکھا اور اس کے بعد ہٹ کر دیا۔ بال سیدھا ہول میں گئی تھی۔ جبران نے فاتح کن نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا تھا۔

"وقت سے پہلے اپنی جیت تسلیم کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔" وہ انہیں جتا رہے تھے۔ غفران مسکرا دیے۔ اب ان کی باری تھی۔ اسٹک کو درست پوزیشن میں رکھنے کے بعد ان کے لبوں پر بات آئی۔

"اور اپنی زندگی برباد کرنا اس سے بھی زیادہ بے وقوفی، میں چاہتا ہوں آپ بھابھی کو چھوڑ دیں یا ان کے ساتھ پیچ اپ کر لیں۔" جبران کے چہرے پر یک لخت ہی سایہ لہرایا۔ بال اس بار بھی ہول میں گئی تھی۔

"عمر نکل گئی اب تو یار، خسارے جو جھیلنے تھے جھیل لیے۔" پھر سے باری آئی۔ بال سے قدرے دور اسٹک کو جمایا مگر فوکس نہیں ہوا۔ ذہن بھٹک گیا۔

"میں پنتالیس کا تھا جب آپ میرا سہرا سجانے کے درپے ہو گئے تھے۔ آپ پچپن کے ہیں ابھی سے خود کو بوڑھا کیوں کہہ رہے ہیں۔" انہوں نے ہٹ کیا مگر بال گھومتی ہوئی گول سے بہت دور چلی گئی۔ جبران کے لبوں پر تضحیکی مسکان پھیل گئی۔

"بات وجود کی نہیں ہے۔ بات روح کی ہے۔ روح جوان نہیں ہے میری، وہ تو کب کی مر چکی۔" غفران کچھ لمحے ساکت ہوئے۔ بھائی کی زندگی پر نظر ثانی کی۔ کیا تھا ان کے پاس کچھ بھی تو نہیں۔

انہوں نے جو جیا بس اپنی زندگی کے پچیس سالوں تک ہی جیا اس کے بعد سے اب تک وہ وقت کو گزار رہی رہے ہیں۔

"اس لیے کہہ رہا ہوں کچھ سوچیں اپنے بارے میں۔ بھابھی کے ساتھ بیٹھیں۔ معاملے کو سلجھائیں کب تک دو کنارے بن کر رہو گے آپ دونوں۔ نہ کسی پار لگتے ہو اور نہ جدا ہوتے ہو۔" جبران خاموش رہے۔ انہوں نے سر سے کیپ اتار دی تھی۔ یہ اعلان تھا وہ اپنی ہار تسلیم کر چکے ہیں۔ اب مزید نہیں کھلیں گے۔ گھاس کے قطعے پر انہوں نے خود کو بٹھایا تھا۔ غفران بھی ان کے برابر بیٹھ گئے۔

"نوح کا بتاؤ۔ کیسا ہے وہ، کیا ارادے ہیں اس کے آگے کے؟" غفران نے بھی کیپ اتار کر اپنے قدموں سے فاصلے پر رکھ دی۔ ہیلپر ان کا سامان اٹھا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ البتہ پانی کی بوتلیں ان کو تھما گیا۔

"چھٹیوں پر آیا ہوا ہے۔ کہہ رہا ہے اس بار لمبی بریک لی ہے۔ سویڈن کے پرائم منسٹر کی سرجری کی تھی۔ کامیاب گئی۔ گلوبل ایوارڈ ملا ہے اسے، کافی پرسکون اور ہینڈسم ہو گیا ہے۔" وہ اس کی ایسے تعریف کر رہے تھے جیسے ان کی سگی اولاد ہو۔ لبوں پر مسکان تھی آنکھوں میں فکر، انداز بیاں ایسا

تھا جیسے برابر میں نوح کا باپ نہیں کوئی اور بیٹھا ہو۔ وہ جسے اسے کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں۔ جبران کے بھنچے لب مسکان میں ڈھل گئے۔ آنکھوں میں حسرت در آئی۔

"مجھ سے تو ابھی بھی خفا ہے۔" ان کے لہجے کی یاس بڑی نمایاں تھی۔ جیسے ٹوٹا ہوا زرد پتا ہو۔ ایک تھکا ہوا سا دن یا افسردہ شام۔

"آپ سے خفا نہیں ہے اب۔ اس نے ناراض ہونا چھوڑ دیا ہے۔" جبران نے گردن موڑ کر اپنے بیٹے کے کفیل کو دیکھا۔

"غفران، کیا تم نے اس کے خول کو کبھی اتار کر اسے پرکھا ہے۔" سوال تھا۔ بڑا ہی گہرا اور پیچیدہ سوال۔

"میں اس کی ہر پرت سے واقف ہوں مگر بھائی کبھی کبھی حالت کے مطابق چلنے دینا چاہیے۔ اگر ٹھہراؤ آرہا ہے تو یہ مثبت بات ہے۔" جبران کی تفشی نہیں ہوئی۔ ان کی تفشی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"دھیان رکھنا اس ٹھہراؤ کے سکوت میں کوئی طوفان نہ پوشیدہ ہو۔ وہ بہت جذباتی ہے۔ تم سے بہتر کون جان سکتا ہے بھلا۔"

وہ اپنے بھائی کو دیکھتے رہے تھے۔ وہ انجان بننے کی کوشش کرتے تھے مگر انہیں ہر لمحے کی آگاہی ہوتی تھی۔ شام کو انہوں نے جان بوجھ کر سب کے درمیان نوح کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ سیرا

تصاویر لے آئی تھی۔ ہر کوئی بیٹھ کر ایک ایک تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ ہر لڑکی کے بارے میں اسے آگاہی دی جارہی تھی۔ وہ بہت توجہ وانہماک سے ان کی دی گئی معلومات کو سن رہا تھا۔ ہر لڑکی کی تصویر کو تحمل سے دیکھ رہا تھا۔ تبصرہ کر رہا تھا۔ رائے دے رہا تھا۔ کیا یہ سب نارمل تھا؟ کیا وہ واقعی نارمل ہے؟

غفران اسے کن انکھیوں سے دیکھے جارہے تھے۔ آخر میں مائیر کی ٹانگ رخسار پر ہی ٹوٹی تھی۔

"مجھے تو ہر لحاظ سے یہی اچھی لگ رہی ہے۔ ایک تو نوح میں انٹرسٹڈ ہے اوپر سے ڈاکٹر بھی ہے۔ دونوں کا ایک ہی پروفیشن ہے۔ ایک ساتھ اچھی گزرے گی۔ کیوں انکل؟" غفران نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ نوح سر کو جھٹکتے ہوئے مسکرا دیا۔

"ویسے بھائی مائیر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ رخسار بیسٹ آپشن ہے۔ اگر آپ ڈن کر دیں تو بتول ماما ان کے گھر والوں کو کل ڈنر پر بلالیں گی۔" غفران ابھی تک اس کے تاثرات کی جانچ پڑتال میں مگن تھے۔ وہاں کچھ بھی غیر معمولی نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اگر آپ لوگوں کو رخسار میری لائف پارٹنر کے حساب سے پرفیکٹ لگتی ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں کوئی بھی ایونٹ ارینج کر سکتے ہیں۔" سیر اکی

آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔بتول کے لبوں سے بھی الحمدللہ نکلا تھا۔مائیر نے زور سے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مارا۔

"یہ کی نابات، آنٹی آپ جلدی سے رخسار کے گھر والوں کو فون کر کے انوائیٹ کریں۔ارے میں تو خوشی سے پاگل ہو جاؤں گا۔"اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔تھوڑی دور پلے ایریا میں عائشہ اور موہد کے ساتھ سامیہ بھی کھیلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔مائیر کا سرخ چہرہ سامیہ کو لال ٹماٹر کی طرح لگا۔وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر مسکرا گئی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اتنی جلد بازی نہیں کرو۔ایک دو روز رکو اس کے بعد انوائیٹ کرنا۔"غفران کی ہدایت پر مائیر کے لب کھلنے لگے تھے مگر سیر انے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے تھما دیا۔

غفران نے نوح کو مخاطب کیا۔

"چلو بیٹا، آؤ ذرا تم سے بات کرنی ہے۔"نوح سفید شرٹ کو درست کرتا ان کے پیچھے ہو لیا تھا۔مرر ڈور سے گزر کر وہ پول سائیڈ پر آ گئے تھے۔غفران نے جیبوں میں ہاتھ اڑسائے نوح نے بھی ایسا ہی کر لیا۔وہ دونوں چھوٹے قدموں سے برابر چلنے لگے تھے۔چمکتا ہوا ساکت پانی اپنے عکس کو دیوار پر دے مار رہا تھا۔لہراتا سا عکس کبھی کبھی ان دونوں پر سے بھی ہو کر گزر رہا تھا۔غفران کی نگاہ سفید ٹائلز پر تھی جو بالکل بے داغ اور چمکدار تھیں۔

"تم نے کہا ہم کوئی بھی ایونٹ ارینج کر سکتے ہیں۔" انہوں نے خراماں خراماں چلتے ہوئے نگاہ ٹائلز پر ہی مرکوز رکھی۔ ان کے برابر چلتے وجود کی وہ فقط خوشبو سونگھ سکتے تھے۔ بھینی بھینی مخمور کر دینے والی مردانہ کلون۔۔

"کیا یہ بات تم دل سے کہہ رہے ہو؟" سننے والے کے لبوں پر مبہم سی مسکان پھیلی۔ اس کی آنکھیں اپنے جوتوں پر تھیں۔ سفید رنگ کے دو پٹیوں والے سادہ مردانہ جوتے۔ اس کے پاؤں ان جوتوں میں کتنے اچھے لگ رہے تھے نا۔ برابر انگلیاں، ترشے ہوئے ناخون، ابھری ہوئی رگیں اور سفیدی مائل سرخ رنگ۔

"ضروری تو نہیں دل کا عمل دخل ہر معاملے میں ہو۔ کبھی کبھی وقت کے تقاضے بھی فیصلہ کرواتے ہیں۔" اس کے لہجے کا دھیما پن اور آواز کی لوچ پر لمحے بھر کو غفران کے قدم تھمے تھے۔ جس بات کا خدشہ تھا وہ مجسم صورت ان کے درمیان آن کھڑا ہوا۔ مگر وہ چھپا ہوا کیوں تھا۔ بالکل واضح کیوں نہیں تھا۔ پرت کیوں تھی۔ عیاں کیوں نہیں؟ انہوں نے گردن اٹھائی۔ نظریں اس کی جانب گھمائیں۔

"مگر زندگی کے فیصلے وقت کے تقاضوں پر نہیں ہوتے۔" انہوں نے بحث کرنا مناسب سمجھا۔ ان کے اندر جو کھٹک تھی وہ بہت بڑی اور گہری تھی۔

"زندگی کے فیصلے کیا اب تو زندگی ہی وقت کے تقاضوں پر چلتی ہے۔" مسکراتی آواز، تضحیک آمیز سرسراتی آواز، تمسخر اڑاتی، مچلتی، روتی ویران آواز۔

"نوح کیا تم۔" ان کی آواز میں ششدر تھا۔ آنکھوں میں تفکر آن ٹھہرا۔ "اس سے موو آن۔۔۔۔ نہیں کر سکے؟" سوال میں خوف تھا۔ ایک ڈر، جانا پہچانا سا، یہ انسان، یہ لڑکا غفران کو اپنا آپ کیوں لگ رہا تھا۔ نہیں وہ ان جیسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ان کی طرح تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ مسکراہٹ کے پیچھے اپنے درد کو نہیں چھپا سکتا۔ ہرگز نہیں۔ ان کے دل کو کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچا۔ تکلیف چہرے تک پھیل گئی۔

"موو آن؟" اس نے اس سارے عرصے میں پہلی بار غفران کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ آنکھوں کی کرچیاں دل کے درد کی غمازی تھیں۔ "میں نے صبر کر لیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں کرچیاں تھیں تو لبوں پر مسکان کیسے تھی۔ کیوں تھی؟ غفران کے دل پر گھونسا پڑا۔

"صبر مرے ہوئے پر کیا جاتا ہے کھوئے ہوئے پر نہیں۔" وہ جیسے اس کے اندر تک اترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پول کے ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک اس کے اعصاب پر اترنے لگی۔

"میں نے کچھ سال پہلے آپ سے کہا تھا چاچو بلکہ درخواست کی تھی مجھے اس کا ذکر نہیں سننا۔ وہ کون ہے۔ کیا تھی اور میری زندگی میں اس کا کیا کردار رہ چکا ہے میں وہ سب بھلا چکا ہوں۔ آگے بڑھ چکا

ہوں۔مجھے سچ میں اب فرق نہیں پڑتا اس کے ہونے یا نہ ہونے سے۔میں سچ میں اسے ماضی کر چکا ہوں اگر ایسا نہ کرتا تو آج یوں اس طرح آپ کے سامنے نہ ہوتا۔"غفران نے اس کی بھوری آنکھوں میں اندر تک جھانکا تھا۔انہوں نے ایک آخری وار کھیلا۔

"نوح اگر تم کہتے ہو تو ہم اسے ڈھونڈ لیتے ہیں۔یہ اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔مگر اس طرح خود پر جبر کر کے ان چاہے رشتے کیلئے ہاں نہیں کہو۔تم دو زندگیاں برباد کر دو گے یوں۔"ہوا چلی تھی۔ایک تیز ہوا۔جس کے تحت پول کے پانی میں لہریں بننا شروع ہوئی تھیں۔لہروں کے سائے اوپر نیچے محو حرکت تھے۔نوح نے ایک ہاتھ جینز کی جیب میں ہی رکھا دوسرا غفران کے شانے پر۔لاؤنج میں بیٹھے مائیر کی نگاہ ان دونوں پر ہی جمی تھی۔وہ گفتگو سے لاعلم تھا لیکن دور سے نظر آتے تاثرات کچھ خاص خوشگوار نہیں تھے۔اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"آپ فکر نہیں کرو،کچھ برا نہیں ہو گا۔میں ایمانداری سے یہ رشتہ نبھاؤں گا۔"غفران نے ماتھے کو مسلا۔وہ پریشان ہو گئے تھے۔بے حد پریشان۔نوح نے اس کو ڈھونڈنے کی بات گول کی تھی۔اس کی آنکھیں لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔اتنا سکون،نہیں یہ نوح نہیں ہے۔یہ تو کوئی ناٹک باز ہے جو رج کر ناٹک کر رہا ہے۔ان کا ماتھا ٹھنک گیا۔

"اگر دل اب بھی اس پر اٹکا ہے تو ضد مت کرو۔ کوئی بوڑھے نہیں ہوئے تم۔ ہو جائے گی شادی بھی۔" اسے غفران کے کنسرن پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ وہ کھل کر سر جھکا کر مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ، مائیر کے ماتھے پر اچھے خاصے بل نمودار ہو گئے۔

"انکل پریشان ہیں اور یہ مسکرا رہا ہے۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" اس کی سوچ اس تک ہی رہی کسی دوسرے تیسرے تک نہیں گئی۔

"اس نے کہا تھا وہ پانچ سال بعد ملے گی۔ چھ سال ختم ہونے کے ہیں۔ اب وہ نہیں لوٹے گی۔ یوں بھی جانے والے اس لیے چھوڑ کر نہیں جاتے کہ وہ لوٹ آئیں گے۔ وہ ہمیشہ کیلئے الوداع کر جاتے ہیں۔ اور اب سچ کہوں تو میرے دل نے بھی اسے الوداع کر دیا ہے۔ اس نے خود کو خود گمایا ہے۔ گم ہوئے لوگ شاذ و نادر ہی ملا کرتے ہیں۔ اس لیے آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں اسے بھول چکا ہوں۔ آپ بھی پریشان ہونا بند کریں۔" غفران نے شاکی نظریں اٹھائیں۔

"واقعی؟" انہوں نے تصدیق چاہی۔ "دیکھ لو یہ دو زندگیوں کا معاملہ ہے۔"

"سو فیصد بس آپ جلد از جلد مجھ پر سہرا سجانے کی تیاری کریں۔" اس نے مذاقاً کہا تھا۔ اس کا مذاق اس پر ہی بھاری پڑ گیا۔ غفران تو سنجیدہ ہی ہو گئے۔

"لڑکے، پہلے تم شادی سے بھاگتے تھے اور اب کرنے کی ضد کر رہے ہو۔ڈبل پرسنالٹی کارڈ مت کھیلو، مائیر کا رنگ کچھ زیادہ چڑھ رہا ہے تم پر۔"نوح ہق دق رہ گیا۔ایسا لگا پول کا سارا پانی اس پر آ گرا ہے۔وہ صدمے کے آخری اسٹیج پر آ گیا۔

"آپ کہہ رہے ہیں میں آپ کو اپنی شادی کے لیے قائل کر رہا ہوں۔میں نے تو مذاق میں کہا ہے۔"اسی صدماتی آواز میں کہا۔مائیر کا بس نہیں چل رہا تھا ان دونوں کی گفتگو میں مخل ہو جائے۔ آخر ایسی کونسی طویل بحث چھڑ گئی تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔اوپر سے ان کے تاثرات۔وہ مزید اتاولا ہوا۔

"تو اور کیا کر رہے ہو۔میں ایک گھنٹے سے صبر کرنے اور فلک کا انتظار کرنے کا کہہ رہا ہوں اور تمہاری ٹانگ رخسار پر ہی اڑی ہوئی ہے۔کہیں اس کے ساتھ تو کوئی کمٹمنٹ نہیں کر لی؟"نوح نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھاما اور پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔اس کے بیٹھنے کی دیر تھی مائیر اسپرنگ کی طرح صوفے سے اچھل کر کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈور سلائیڈ کر کے وہاں آ گیا۔بس اب اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔اب وہ تماشائی بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

"یہ کیسا بہتان ہے۔ کس قسم کا بھلا؟"مائیر نے دونوں کو دیکھا۔ایک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے پنجوں کے بل بیٹھا تھا تو دوسرا پینٹ کی جیوں میں ہاتھ اڑسائے پھولے چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟"اس کے سوال پر کھڑے شخص نے اسی پھولے چہرے اور شاکی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔پھر پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکال کر سیدھا کیا۔اشارہ بیٹھے ہوئے شخص پر تھا۔

"جلد از جلد سہرا سجانے کا کہہ رہا ہے یعنی اسے اب بہت جلدی ہے۔"بیٹھے ہوئے شخص نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔اسی حساب سے وہ کھڑا بھی ہوا تھا۔

"چاچو، ایسا کچھ نہیں ہے۔"صدماتی آواز گہرے پاتال سے بر آمد ہوئی تھی۔"مجھے تو ابھی شادی کرنی ہی نہیں تھی مگر آپ لوگوں کے اصرار نے حامی بھروادی البتہ چوائس کا اختیار آپ لوگوں کو دیا ہے۔رخسار سے کروائیں شادی یا کسی سے بھی آئی رئیلی ڈیم کیئر۔"وہ اپنا مقدمہ لڑ رہا تھا۔اس کے ہاتھ پاؤں جانے کیوں سن ہو گئے تھے۔مائیر کے چہرے پر مزید سنجیدگی پھیل گئی۔

"اور تمہیں فرق کیوں نہیں پڑے گا۔ تمہیں فرق پڑنا چاہیے آخر کو یہ تمہاری زندگی ہے۔"وہ سنجیدہ تھا کسی ناصح کی طرح،اس کی آواز میں سرد پن تھا کسی برف کی طرح۔غفران کی ابرو اچکی جو وہ اگلوانا چاہتے تھے وہ سامنے کھڑا انسان اگل نہیں رہا تھا۔لیکن بھلا ہو مائیر کا اس نے پوائنٹ پکڑ لیا۔

"اوکے فائن، مجھے فرق پڑ رہا ہے۔ مجھے ابھی کوئی رشتہ نہیں بنانا۔ میں اسے افورڈ نہیں کر سکتا۔ فائنل فیصلہ، بات ختم۔" وہ رکا نہیں تھا۔ اسے لگا تھا اگر رک جائے گا تو مزید دل تنگ ہو گا۔ وہ الزام کے تیر سہار نہیں پا رہا تھا۔ اس کا دل اب اتنا مضبوط نہیں رہا تھا۔ وہ دونفوس اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

کمرے میں آکر اس نے دروازہ لاک کیا اور پورا گلاس پانی کا اٹھا کر ایک سانس میں خالی کر دیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ آنکھوں کے بند پردوں پر کچھ مناظر امنڈنے لگے تھے۔ روتا چیختا ہوا وہ، اسے سنبھالتا مائیر۔۔ پولیس کے سائرن کی آواز۔

اس نے جھٹ سے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ گہرے گہرے سانس بھرے۔

"تم نے کہا تھا غم نہیں لینا۔ میں نے نہیں لیا مگر حزن وہ پھر بھی رہ گیا۔"

غم ایک ایسا درد جو وقتی طور پر مستقل انسان کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ جان نہیں چھوڑتا۔ کچھ عرصے کیلئے ساتھ رہتا ہے۔ غم حال ہے۔ ابھی ہے۔ آج ہے۔ نوح کا خیال تھا فلک نہیں چاہتی تھی وہ آج کے غم میں مبتلا رہے۔ اسے ایک ہی بات ستائے رکھے کہ وہ اسے چھوڑ گئی۔ ایک ہی کاش اسے کے ساتھ رہے کہ وہ ٹھکرا گئی۔ وہ چاہتی تھی وہ حزن بن جائے۔ ماضی کی یاد، ایک ادھوری خواہش، ایک ٹوٹا خواب۔ ایک آہ، ایک کاش۔۔ وہ ماضی میں ہی رہے۔ ماضی بن جائے۔ وہ بن گئی۔ نوح

نے اسے ماضی بنالیا۔ اس کے غم کو حزن میں بدل کر دل کے گرد خول چڑھالیا۔ غم جو آنسو بن کر بہ جائے۔ حزن جو دل میں ہی جم کر رہ جائے۔ اسی لیے کہتے ہیں غم بانٹنے سے ہلکا ہو جاتا ہے مگر حزن اکیلے ہی سہنا پڑتا ہے۔ وہ سہہ رہا تھا۔ اس نے سہا اور پھر دل کو تھپک دیا۔ اب اسے اس پر صبر تھا۔ بے تحاشہ تھا۔

غم اور حزن دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہم اکثر ان دونوں کو ایک دوجے کے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ دونوں کے ایک ہی معنی لیتے ہیں۔ ایک ہی ترازو میں تولتے ہیں۔ مگر در حقیقت یہ دو الگ الگ صورتیں ہیں۔ غم جو ہوتا ہے۔ وہ فعل حال ہے۔ ابھی ہے۔ آج ہے۔ اسی وقت ہے۔ جو آپ جی رہے ہیں اسی پل ہے۔ جیسے کوئی حادثہ ہوا۔ جتنے دن اس حادثے کا اثر رہا اتنے دن غم آپ کے ساتھ رہا۔ آپ اس میں جیے۔ اس میں روئے۔ تڑپے سسکے مگر پھر صبر کر لیا۔ اسے درگزر کر دیا۔ ماضی بنالیا۔ بھلا دیا۔ آہ میں لپیٹ دیا۔ یاد آیا تو تھوڑا سا درد جاگا یا پھر وہ بھی نہیں۔ یہ ہوتا ہے غم، وقتی اور ابھی۔ لیکن اگر درد پہلے دن جیسا قائم ہے تو وہ حزن بن جاتا ہے۔ حزن فعل ماضی ہے۔ گزر گیا مگر یاد رہا۔ ٹیس دی البتہ دل میں آباد رہا۔ درد برقرار رہا۔ محرومی ویسی ہی قائم و دائم رہی۔ عام الحزن۔۔ حزن کا سال۔ وہ سال جو گزر گیا مگر تاحیات رہا۔ آخری سانس تک رہا۔

رات در رات۔۔۔

روز بہ روز۔۔۔۔

"میں نے تم پر صبر کر لیا فلک، تمہارے صبر نے مجھے الگ ہی انسان بنا دیا۔ اب میں مسکراتا ہوں اور بہت مسکراتا ہوں۔ میں مطمئن ہوں بہت ہوں۔ پر سکون ہوں کچھ زیادہ ہوں۔ میں ایسا نہیں ہوں فلک۔ میں ایسا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے تمہاری اداکاری چرالی۔ میں نے تمہارا فارمولا اپنا لیا۔ گو کہ تم پر شدید غصہ ہے۔ تم ملو تو شاید میں ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہ کروں مگر پھر بھی پھر بھی۔۔۔۔"اس سے آگے سوچا نہیں گیا۔ وہ اس سے آگے سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر سے گہرا سانس لیا پھر خود کو بستر پر سر کے بل گرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں غفران تھے۔ ان کے لگائے گئے الزامات تھے۔ وہی غفران بڑے سنجیدہ انداز میں مائیر کو سب کچھ بتا رہے تھے۔

"الو کے ڈیش نے ابھی تک اسے سے موو آن نہیں کیا اور چلا تھا کرنے شادی، زندگی برباد کرتا اپنی۔"وہ اچھے خاصے بپھرے ہوئے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کچھ کر دیں۔ اتنے عرصے اس نے جھوٹی مسکان کے باعث ان کی آنکھوں میں دھول جھونکے رکھی۔ اتنے عرصے۔۔ افف انہیں لگا آج وہ پاتال میں گر ہی جائیں گے۔

"لیکن یہ کس طرح ممکن ہے بھلا۔ چھ ماہ تکلیف میں گزار کر وہ باقی کے ساڑھے پانچ سال پر سکون رہا۔ کیا وہ اتنے عرصے تک ہمیں بے وقوف بناتا رہا؟" مائیر پینٹ اوپر کر کے پول کنارے رکھے کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔ غفران دونوں ہاتھ کمر کے گرد ٹکا کر یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں جلے پیر کی بلی کی طرح منڈلا رہے تھے۔

"میں خود شش و پنج میں مبتلا ہوں، یا تو وہ ہمارے ساتھ گیم کھیل رہا ہے یا پھر۔" وہ کوئی بھی بات اخذ کرنے سے قاصر تھے۔ دل کی ہوک سے انہیں بہت اچھے سے آشنائی تھی۔ ایک بار کوئی پوری سچائی کے ساتھ دل میں ثبت ہو جائے پھر بھلائے نہیں بھولتا۔ اس بات کو ان سے بہتر کون جان سکتا تھا بھلا۔ ان کا دل بے چین ہو گیا۔ بہت بری طرح سے ہو گیا۔

"ایک کام کرتے ہیں۔ فی الحال اس کی منگنی کر دیتے ہیں اگر واقعی وہ ماضی سے جڑا ہے تو تاثرات چہرے پر آئیں گے۔ ری ایکشن اگر زبردست ہوا تو ہم اس منگنی کو ختم کر دیں گے۔ لیکن اگر اس نے رخسار کو اپنا لیا تو یہ نوح کیلئے بہت بہتر ہو جائے گا۔" غفران نے بڑی درشتی سے اس کی بات کی نفی کی تھی۔ وہ نوح میں اپنا آپ دیکھ رہے تھے۔ نوح وہی تو بن گیا تھا۔ بیٹے باپ پر ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسے پالا تھا۔ انہوں نے اس کی تربیت کی تھی تو کیا اس کا نصیب بھی ان پر ہو گا؟ وہ سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"میں کوئی کام ایسا نہیں کروں گا جس سے میرے بچے کو تکلیف پہنچے۔ تم فلک کو ڈھونڈو۔ ہو سکتا ہے کوئی راہ نکل جائے۔" مائیر کی زبان میں کھجلی ہو رہی تھی۔ اس نے لبوں کو تر کر کے محتاط انداز میں کہا جو اس کے دل میں تھا۔

"اور اگر کوئی راہ نہ نکلی تب یعنی وہ ایک لڑکی ہے۔ اس کی تو اب تک شادی بھی ہو گئی ہو گی۔ بچے شچے بھی ہوں گے۔ کیا اچھا لگے گا میں اسے ڈھونڈ کر یہاں لاؤں اور اس کے بچے نوح کو ماموں بولیں۔ یوں نوح زیادہ ڈس ہارٹ ہو گا۔ سبکی ہو جائے گی۔ بہتر ہے اسے روپوش ہی رہنے دیں۔" غفران نے جن طوفانی نگاہوں سے اسے گھورا تھا وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے تو حقیقت بیان کی تھی اسے کیوں ایسے گھورا جا رہا ہے۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، جاؤ۔" وہ لمحے کا توقف کیے بنا ہی وہاں سے چلا گیا۔ غفران کی آنکھوں میں بھی وہی فکر تھی جو مائیر کے جملے میں تھی۔ فلک سفیر، کیا واقعی نوح کیلئے نا قابل رسائی ہو گئی ہو گی؟

انہوں نے ایک بار پھر سے تھک کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

سرخ آسمان تلے ایک بینچ پر تن تنہا ڈھلتی عمر والی عورت بیٹھی تھی۔اس کی آنکھیں غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ہاتھ میں میڈل تھا۔سنہرے بال ہوا کی دوش پر اڑ اڑ کر گالوں پر آرہے تھے۔ جدید تراش خراش کا جوڑا، مہنگی جوتی، چمکدار ناخون، گلوکر تا چہرہ، یاس بھری نظریں۔

انہوں نے ایک بار پھر سے گہری سانس بھری۔وہ ایک مشہور ڈرماٹالجیسٹ تھیں۔کتنے ہی ایسے میڈلز اور ٹرافیز جیت چکی تھیں۔کتنے ہی لوگ انہیں جانتے تھے۔کتنے ہی ان کے رسیا و دلدادہ تھے۔مگر ان کے پاس کیا تھا؟ان کے ہاتھ میں کیا تھا؟تنہائی، مایوسی، بے بسی، حسرت، آنسو۔

وہ کتنے ہی ملک گھوم لیں۔کتنا ہی خود کو مصروف کر لیں۔کتنے ہی دوست بنالیں۔تنہائی تو پھر بھی مقدر تھی نا۔پہچان تو پھر بھی کھوئی ہوئی تھی۔ان کی زندگی میں فقط ریت تھی۔سرمئی چبھتی ہوئی گہری ریت۔انہوں نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔مرچیں چبھ کر ڈیرہ جما گئیں۔

"کس کو بتاؤں کہ میں نے نمبر ون ڈرماٹالجیسٹ کا ایوارڈ جیتا ہے۔سوشل میڈیا کو؟وہ کون ہیں میرے۔میری اولاد اسے پتا ہونا چاہیے یہ، مگر وہ سب ہیں کہاں، وہ کیوں نہیں تھے جب مجھے یہ ایوارڈ مل رہا تھا۔وہ میرے ساتھ ہر جگہ کیوں نہیں ہوتے۔میں ہمیشہ تنہا کیوں ہوتی ہوں؟"ان کے لب جامد تھے۔آنکھیں بول رہی تھیں۔آسمان کی سرخی بڑھتی جارہی تھی۔سرخ آندھی نے بہت جلد سب کو اپنے گھیرے میں لے لینا تھا۔وہ جو ڈسٹ الرجی والی عورت تھی۔وہ بھلا کیسے

سروائیو کر پائے گی اس موسم کو۔ ان کی کار بھی تو کنارے پر بند کھڑی تھی۔ انہوں نے نم پڑتی آنکھوں کے ساتھ میڈل کو اور سختی سے انگلیوں کے درمیان بھینچا۔

"رامیہ، سویرہ میرے بچے۔"

ایک کا نام وہ بھول گئی تھیں۔ بھول نہیں گئی تھیں انہوں نے کبھی اسے یاد ہی نہیں رکھا تھا۔ وہ تو ان کی اولاد تھا ہی نہیں تو یاد کیوں رکھا جاتا۔ وہ تو کبھی تھا ہی نہیں نہ ہو گا۔ جو لوگ زندگی میں نہیں ہوتے ان کو یاد نہیں کیا جاتا۔ بھلا ہی دیا جاتا ہے۔ نوح جبران بھی ان لوگوں کی زندگی میں نہیں تھا۔ وہ اب تک ان کے دماغوں سے بھولا ہوا تھا۔ وہ جو کوئی نہیں تھا اسی کی کار کے ٹائر وہاں آکر جھٹکے سے رکے تھے۔ تنزیلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اونچا چوڑا، ہینڈسم، ہو بہو جبران کا پرتوں سیاہ ڈریس پینٹ پر سفید شرٹ پہنے فکر مندی سے اپنی سوک سے اتر کر ان کی طرف آرہا تھا۔ تنزیلہ کے دل میں اسے دیکھ کر اچانک خواہش جگی۔ کاش ان کا بھی بیٹا ہوتا۔ ہو بہو ایسا ہوتا۔

"مما، خیریت آپ یہاں اس طرح کیا کر رہی ہیں۔" بھاری ٹھہراؤ دار آواز، تفکر سے ملی ابرو، پریشانی چھلکاتی آنکھیں جو اب ان کی کنارے لگی کار پر جا ٹکی تھیں۔ وہ معاملہ سمجھ گیا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے بازو کہنیوں تک چڑھائے۔ پہلے چاروں ٹائروں پر نظر ثانی کی۔ وہ ٹھیک نکلے تو بونٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ پانچ منٹ گزرے تھے اسے بونٹ پر جھکے ہوئے جب ایک تیز ہوا کا گرد

آلود جھونکا چلا تھا۔نوح جھٹکے سے سیدھا ہو کر مڑا۔ تنزیلہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔بہت خاموشی سے بہت جذب کے ساتھ۔وہ چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"آپ کو ڈسٹ الرجی ہے۔ آپ میری گاڑی میں بیٹھ جائیں۔"وہ نہیں جانتی تھیں وہ کیوں کھڑی ہوئی ہیں مگر انہوں نے اس کی بات مان لی۔وہ اس کی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔یہاں سے بھی وہ اس کو بونٹ پر جھکا کھڑا دیکھ رہی تھیں۔ گرد آلود آندھی نے اس کے بالوں و شرٹ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔اس نے سیدھا ہو کر بونٹ کو بند کیا۔فون نکالا اور اسے کان سے لگالیا۔ تنزیلہ نے پرس میں موجود شور مچاتے فون کو باہر نکالا۔ آندھی کے جھکڑ کے درمیان میں کھڑا وہ ان کے فون اٹھانے کا منتظر تھا۔انہوں نے فون اٹھالیا۔

"مما۔"یہ طرز تخاطب، یہ والہانہ پن، یہ چاشنی میں ڈوبا لقب۔ تنزیلہ کی آنکھیں بھر آگئیں۔ وہ آج جذباتی ہوئی رہی تھیں۔ تنہا جو تھیں۔انہوں نے لبوں کو تر کر کے نمی کو پیچھے دھکیلا۔"بیٹری بالکل ڈاؤن ہے اور کوئی دوسری بھی نہیں ہے گاڑی میں اس لیے آپ کہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ گاڑی مکینک آکر لے جائے گا یہاں سے۔"انہوں نے بادقت تمام گلے میں اٹکے گولے کو نیچے دھکیلا پھر مدھم سا"ہوں"بول کر کال منقطع کر دی۔نوح نے چلتی ہوا میں خود کو اچھے سے جھاڑا پھر گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔اس کے بالوں میں پھر بھی گرد تھی۔اس کی ابرو بھی گرد

آلود ہو چکی تھی۔ سفید شرٹ پر مٹی بیٹھ چکی تھی۔ کہیں کہیں گریس کے بھی داغ لگ گئے تھے۔

تنزیلہ نے پوری توجہ سے اسے دیکھا۔

"تمہاری شرٹ میلی ہو گئی ہے۔" وہ چوڑے شانوں والا ان کا سوتیلا بیٹا ہولے سے مسکرا دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کو کہاں ڈراپ کروں؟" موبائل نکالے اس پر ایپ کھولے وہ ان سے دست سوال تھا۔ تنزیلہ نے جواب دیا۔

"گھر۔" یک لفظی جواب۔ وہ ایڈریس نوٹ کر رہا تھا۔ تنزیلہ نے ٹوک دیا۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس نے سر اٹھانے سے پہلے تلاش شروع کر دی۔

"آپ کو ان ڈرائیو کروا کر دے رہا ہوں۔ دراصل میں پورا مٹی میں بھر گیا ہوں اور آپ کو مٹی سے الرجی ہے تو۔" اس کے پاس آفرز آنا شروع ہو چکی تھیں۔ بس اس نے رائیڈ کو سلیکٹ کرنا تھا۔ اس نے نہیں کیا۔ تنزیلہ نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔

"نہیں تم ہی مجھے ڈراپ کرو گے۔ اسے بند کر دو۔" اس نے کوئی سوال جواب نہیں کیا۔ کوئی اگر مگر نہیں بس ان کے حکم کی پاسداری کی اور فون بند کر دیا۔

"آج کل کیا کر رہے ہو تم؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ دھول مٹی کی وجہ سے سڑک مبہم سی نظر آ رہی تھی۔ اس لیے اسپیڈ آہستہ تھی۔

"چھٹیوں پر ہوں۔"اس کی آواز کتنی اچھی تھی۔ کتنی شائستہ اور میٹھی۔ وہ اسے آج اچھے سے نوٹ کر رہی تھیں۔ پہلے کر لیتیں تو کتنا اچھا ہوتا نا۔

"شادی کیوں نہیں کی اب تک؟"نوح نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا۔ یہ ان دونوں کی پوری زندگی میں پہلی بار ایسی ملاقات تھی۔ پہلی بار ہی وہ اس طرح ایک دوجے سے مخاطب تھے۔ نوح کا دل آہستہ آہستہ مغلوب ہونا شروع ہوا۔

"کر رہا ہوں۔"تنزیلہ نے رخ اس کی جانب کیا۔ اس کے کان سرخ تھے۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ کیا وہ انہیں مما کہہ کر ان کے گلے لگ کر ان کا دست شفقت چاہ رہا تھا۔ کیا وہ اپنی محرومی کو مٹانا چاہ رہا تھا جو بچپن سے اس کے ساتھ تھی۔ وہ اسے جانچ رہی تھیں۔ وہ اسے جانچ گئیں۔

"کس سے کر رہے ہو؟"نوح نے موڑ کاٹا بہت توجہ اور احتیاط کے ساتھ۔ ٹریفک سڑک پر ایسے رینگ رہی تھی جیسے بچے کرال کرتے ہیں۔ گرد جو حد سے زیادہ تھی۔ وائپر بھی مٹی کو ہٹانے میں ناکام ہو رہے تھے۔

"وہ چاچو ڈیسائیڈ کریں گے۔"تنزیلہ کے لبوں پر مجروح سی مسکان دوڑ گئی۔ وہ جس طرح کا بچہ رہ چکا تھا۔ جو جو کرائسس اس کی زندگی میں آ چکے تھے۔ ان سب کے بعد اس کا یوں عدم اعتماد ہونا بنتا تھا۔ زندگی کے اس معاملے میں تو بالکل جائز تھا۔

"اچھی بات ہے۔ فیصلے بڑوں سے ہی کروانے چاہیے۔ کبھی کبھی ہماری مرضی پوری زندگی کی خطا بن جاتی ہے۔" ان کے لہجے کا غم، آنکھوں کی مایوسی اور تھکے جھکے سے شانے نوح پر ان کی پژمردگی کو آشکار کر گئے۔ گرد گہری سے گہری تر ہوتی جا رہی تھی۔ شیشے پر مٹی کی پرت کسی گناہ کی طرح چپک گئی تھی جو ہٹاتے نہیں ہٹ رہی تھی۔

"آپ پریشان ہیں؟" بہت احتیاط سے اس نے جھجھکتے جھجھکتے سوال داغا۔ تنزیلہ کی پھیکی مسکراہٹ کافی خالی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" سوال پر سوال وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔ تنزیلہ نے آہ بھری پھر ہاتھوں میں تاہنوز قید میڈل کو اس کی گود میں رکھ دیا۔

"آج ملا ہے مجھے یہ۔" اس نے میڈل پر اور اس پر کندہ تحریر پر نظر ڈالی۔ وہ ان کے مقام سے متاثر ہو گیا۔ خوشی اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑی۔ اس نے انہی نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ وہ اسی نظر کی تو منتظر تھیں۔ صبح سے یہی تاثر تو انہیں چاہیے تھا۔ وہ اسی طرح تو اپنی اولاد کو اپنی جانب متوجہ چاہ رہی تھیں۔ یہی آنکھیں، یہی چمکتی ہوئی پر فخر آنکھیں۔

"بہت مبارک ہو مما، یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے، بہت کم لوگ اس مقام تک پہنچتے ہیں۔" ان کا انتظار ختم ہوا۔ آس پوری، دن مکمل۔ مگر یہ کیا۔ گاڑی کیوں رک گئی۔ انہوں نے گردن ونڈ

اسکرین پر روکی۔ گرد سے اٹی عمارت ان کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ ان کی منزل آگئی تھی۔ سفر ختم ہوا۔ کیا بس اسی جملے پر، کیا بس یہیں تک۔۔

"اندر آؤ، تمہارے بابا کے کچھ کپڑے ہیں۔ تمہیں بالکل پورے آئیں گے۔ بدل کر جاؤ۔" انہوں نے دیکھا سامنے بیٹھے لڑکے کی آنکھوں کی جوت یک لخت ہی بجھی ہے۔ لب بھینچ گئے ہیں۔ کشادہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔ کھلتا مسکراتا چہرہ سنجیدگی کی چادر اوڑھ گیا۔ نوح جبران پتھر بن گیا۔

"نہیں۔" پتھر کے مجسمے سے انجانی سی آواز پھوٹی۔ "ضرورت نہیں ہے۔" ویسی سخت چٹان سی آواز۔ تنزیلہ اسے کچھ لمحے دیکھتی رہیں پھر وہ اس کی کار سے اتر گئیں۔ وہ ناک کے گرد دوپٹہ لپیٹے اندر کی اور بڑھ رہی تھیں۔ وہ جب تک نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئیں وہ وہاں کھڑا رہا۔ جبران نے سرخ آندھی کے درمیان سے اس پورے منظر کو دیکھا تھا۔ ان کے جبڑے کی رگیں ایک بار پھر سے تن گئیں۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر بالکونی سے کمرے میں اور پھر لاؤنج میں آگئے جہاں تنزیلہ ناک کے گرد سے دوپٹے کو ہٹا کر گہرے سانس بھر رہی تھیں۔ جبران انہیں دیکھ کر پھٹ پڑے۔

"اب کس کو دوست بنالیا ہے تم نے، اب کس کے ساتھ آئی ہو تم؟" جبران کا کھولتا ہوا لہجہ تھا اور تنزیلہ کی تمسخر آلود مسکان۔

"جس کو تم نے دیکھا اسی کے ساتھ آئی ہوں۔" جبران کا دماغ گھوم گیا۔ وہ پیچ اپ کا سوچ رہے تھے اور یہ عورت۔ ان کا دل کیا وہ پوری دنیا تہس نہس کر دیں۔

"تم نہیں سدھرو گی تنزیلہ، صحیح کہتے ہیں بھٹکی ہوئی عورت کبھی راہ راست پر نہیں آسکتی۔ تم سے میں کیا امید رکھوں، تم ہو ہی نہیں اس قابل کے تمہارے ساتھ پیچ اپ کیا جاسکے۔" تنزیلہ کی مٹھیوں میں سختی آئی۔ دل کیا سامنے کھڑے شخص کا منہ نوچ لیں مگر نہیں یہ تو ان کی سزا ہے۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس سزا کا انتخاب کیا تھا تو اب بھگتنا تو تھا نا۔ لب کاٹتے ہوئے انہوں نے اپنا پرس فرش پر پھینک کر مارا اور وہاں سے تن فن کرتی چلی گئیں۔ جبران کی سرخ آنکھوں میں نمی بھر آئی تھی۔ ان کا دل کر رہا تھا وہ دھاڑے مار مار کر روئیں۔ یہ کیا ہو رہا تھا ان کی زندگی میں، یہ کس طرح سے بکھر گیا تھا سب۔ چھوٹے چھوٹے قدم چلتے ہوئے انہوں نے سیڑھیوں کا رخ کیا تھا۔ شانے ڈھلک گئے تھے۔ دل بھر گیا تھا۔ آسمان ابھی تک سرخ تھا۔ بے تحاشہ سرخ۔

عدالت لگی ہوئی تھی۔اور اس عدالت میں وکیل اور جج رامیہ تھی اور مجرم ننھی سامیہ۔وہ چیخ رہی تھی۔چلا رہی تھی۔ننھے مجرم سے سراپا سوال تھی۔

"جب میں نے منع کیا تھا تو کس کی اجازت سے تم گئی تھی۔بولو۔بتاؤ۔اب خاموش کیوں ہو۔"سر جھکا تھا۔سر جھکنے کے سبب دو پونیاں آگے کو ڈھلکی ہوئی تھیں۔ہاتھ سامنے بندھے تھے۔رسٹ رنگ کی کھلی نیکر اور سفید رنگ کی ٹی شرٹ،اس ٹی شرٹ کی پاکٹ پر رسٹ رنگ سے ہی پرنسز لکھا ہوا تھا۔رامیہ کی بیٹی ہو بہو اس کی ہم شکل تھی۔مگر حرکتیں اس جیسی ہرگز نہیں تھیں۔بالکل بھی نہیں۔

"ایم سوری۔"سر گوشی۔رامیہ نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔کبھی بھی نہیں۔

"سوری۔۔۔کیا سوری سے آپ کی غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔تم نے مجھے کتنا ہرٹ کیا سامیہ۔میں نے منع کیا تھا۔کیا تھا کہ نہیں؟"سامیہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر میری بات کا مان کیوں نہیں رکھا۔کیوں میری انسلٹ کی۔کیوں بغیر بتائے گئی۔"چھوٹی بچی نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔وہ اپنی ماں سے محبت کرتی تھی۔بے تحاشہ محبت۔

"میں نے آپ کی انسلٹ نہیں کی ماما، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔"شستہ انگریزی لہجہ۔ آنسوؤں سے لبالب آنکھیں۔

"بغیر اجازت کے، انفارم کیے بنا جانا انسلٹ ہی ہوتا ہے۔ جو کہ آپ کر چکی ہیں۔ آپ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔ بہت زیادہ۔"وہاں سے گزرتے احسن کی سماعت سے جملوں کی تکرار ہوئی تھی۔ وہ مڑ کر سامیہ کے کمرے میں آ گیا۔ اس کی بیٹی سر جھکائے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں، میری بیٹی کو کیا کہہ رہی ہو تم۔"اس نے جلدی سے سامیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے لگایا۔ چہرہ اپنی مغرور بیگم کی جانب تھا۔

"میں نے اسے منع کیا تھا۔ یہ نوح کے ساتھ نہیں جائے گی مگر یہ پھر بھی گئی۔ بغیر اجازت، بغیر بتائے، کھڑکی پھلانگ کر۔ اگر میں کیمرے سے نہ دیکھتی تو مجھے اس کی حرکت کا ہرگز پتہ نہیں چلتا۔"احسن نے اچنبھے کے عالم میں اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پر فکر کی لائنیں بن گئیں۔

"یہ تو بہت غلط کیا آپ نے، آپ ہرٹ ہو سکتی تھیں۔ کوئی حادثہ ہو سکتا تھا۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئندہ آپ کو کہیں بھی جانا ہو تو بابا سے کہیں۔ میں لے کر جاؤں گا آپ کو۔"رامیہ نے سینے کے گرد بازو باندھ کر ابرو اچکائی۔ ساتھ ہی وہ مسکرا بھی دی۔ ناپسندیدہ مسکان۔

"کہیں بھی میں، نوح کا گھر ہر گز نہیں آئے گا۔" احسن نے تلخ نظر اٹھا کر اس کو دیکھا پھر وہ سامیہ کے شانے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جان گیا۔ اس کی بیوی بحث کے موڈ میں ہے۔ اسے اپنی بیٹی کی مینٹل ہلیتھ بے حد عزیز تھی اس لیے وہ دو قدم چلتا اس کے قریب آیا پھر اسے کر اس کر کے باہر آ گیا۔ رامیہ اس کی آنکھوں کی وارننگ دیکھ چکی تھی اس لیے بلبلاتی ہوئی اس کے پیچھے لپکی۔ احسن نے اپنی بیٹی کے کمرے کا دروازہ بند کیا اور رامیہ کے بولنے سے پہلے ہی اسے بازو سے تھام کر کمرے میں لے آیا۔

"تم نے مجھے آنکھیں کس خوشی میں دکھائی ہیں۔ اب تم یہ سب بھی کرنے لگو گے۔" وہ بپھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ احسن نے اس کے جھٹکنے پر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"تم بچی نہیں ہو رامیہ، تم چاہتی ہو تمہارے جیسا بچپن سامیہ بھی گزارے تو ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ میں اپنی بیٹی کی مینٹل ہیلتھ پر ہر گز سمجھوتا نہیں کروں گا۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو اس کی صحت کیلئے اچھا ہے۔ ہر اس جگہ اسے لے کر جاؤں گا جہاں وہ جانا چاہے گی۔ پھر چاہے اس میں نوح کا گھر آئے یا اس سے بھی بڑے تمہارے کسی حریف کا۔" وہ آج احسن رضا بن کر اس کے سامنے نہیں کھڑا تھا۔ وہ آج ایک باپ تھا۔ اپنی اولاد کی محبت میں پور پور ڈوبا باپ۔

"تمہیں لگتا ہے میں اپنی بیٹی کو دماغی سکون نہیں دے رہی۔ تمہیں لگتا ہے میں اس کیلئے مشکلات کھڑی کر رہی ہوں۔"وہ حیرت میں سوال کر رہی تھی۔اس کے دل میں ایک ڈر بیٹھ گیا جس کو زبان احسن رضا کی زبان نے دی تھی۔

"مجھے لگتا نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہے۔اس لیے طلاق کے بعد میں اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھوں گا۔تم جیسی سائکو کے حوالے ہر گز نہیں کروں گا۔"رامیہ کی تھوڑی کپکپانے لگی۔اس کی آنکھوں کی سرخی اس کے ضبط کی غمازی تھی۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔میری بیٹی میرے پاس رہے گی کسی بھنورے کے پاس نہیں جس کا دل گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر بھی نہیں بھرتا۔"ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ احسن اس کے وار سے گھائل نہ ہوا ہو۔روز اول سے وہ اس کے طعنوں سے چور چور ہوا تھا اور اب تک ہوتا آرہا تھا۔وہ جیسا بھی تھا۔جس طرح کی بھی فطرت تھی مگر رامیہ سے شادی کے بعد وہ اس کا ہی ہو کر رہ گیا تھا۔اسے اس سے محبت تھی۔وہ اس کی پسند تھی۔وہ ہی اس کی عورت تھی۔اس کی تمام عمر کی ساتھی۔وہ اس کے ساتھ صدق دل کے ساتھ نباہ کرنا چاہتا تھا۔مگر اس کے پرانے افئرز،ریکارڈز جب سے رامیہ کے سامنے کھلے تھے تب سے وہ اس سے بدزن ہو کر رہ گئی تھی۔اس سے کٹ گئی تھی۔قطع تعلق کر لیا تھا۔اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔نفرت پوری دنیا میں آخری چیز تھی جو وہ اپنی بیوی سے خود کیلئے توقع کر سکتا تھا مگر ایسا ہو گیا تھا اور وہ اس میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔اس نے آخری

کوشش تک کوشش کی تھی مگر وہ اسے معاف کرنے کو ہر گز تیار نہیں تھی۔ وہ مرد تھا۔ روز روز کی لڑائی اور طعنہ تشنوں کے بعد اس نے باہر راہ تلاشنا شروع کر دی تھی۔ وہ شادی کے بعد سچ میں بدلنے پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن اس کی بیوی نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ جب اس کی بیوی ہی زبردستی اس کے افئرز کسی نہ کسی سے جوڑ رہی تھی تو اس نے سوچا کیوں نہ پھر واقعی میں کہیں اور تعلق جوڑنا چاہیے۔ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔ بھاڑ میں گئی رامیہ اور بھاڑ میں گئی اس کی محبت۔ اس لیے اس نے راہ الگ کرنے کا سوچا۔ یہ رشتہ اب اس کے بس کا نہیں رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے دل کو زخمی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بار بار گم آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ اب بہت ہوا۔ بس بہت۔

"مگر ایسا ہو گا۔ میری بیٹی میری پاس رہے گی اور تم۔۔۔۔ خالی ہاتھ، بالکل تنہا۔۔ جیسے اب ہو اور جیسے شاید ہمیشہ رہو کیونکہ تم جیسی عورت رشتے ڈیزرو ہی نہیں کرتی۔"

اس نے پتھر برسائے تھے تو وہ اس کے دل پر برچھی چلا کر چلا گیا۔ رامیہ کی ساکت آنکھوں سے یکے بعد دیگر آنسو ٹپکے۔ وہ خود پر جبر کیے وہاں کھڑی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کا دل پھٹ جائے گا۔ یہ احسن رضا اسے کیا کہہ کر گیا تھا۔ یہ وہ کیا کر گیا تھا۔ کیا وہ محروم لڑکی تھی۔ کیا وہ ہمیشہ سے ہی قطعی تعلق کرنے والی لڑکی تھی۔ کیا اس نے خود ہمیشہ رشتوں سے کنارہ کیا تھا۔ وہ اسے سائکو کہہ گیا۔ وہ اس کی بیٹی کو اپنی بیٹی کہہ گیا۔ وہ فیصلہ سنا گیا تھا۔ وہ کہہ گیا تھا سامیہ اس کے ساتھ رہے گی۔

کیاوہ ایساہونے دے گی؟ہر گز نہیں۔اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔گردن اکڑائی اور پھر سے سینے پر بازو باندھ لیے۔

وہ رامیہ جبران ہے۔وہ کب ہاری ہے بھلا؟

وہ نہیں ہارے گی۔وہ احسن رضا کو دھول چٹا کر ہی رہے گی۔

بھاڑ میں گیا احسن رضا اور بھاڑ میں گئی اس کی دھمکیاں۔

آج موسم کافی خوشگوار تھا اس لیے وہ بچوں کو پارک لے کر آیا ہوا تھا۔اس کے ساتھ مائیر بھی تھا جو پچھلے آدھے گھنٹے سے فون پر اپنے کلائنٹ کے ساتھ مغزماری کر رہا تھا۔نوح عائشہ کو جھولا جھول رہا تھا۔دونوں رسیوں کو اپنے ننھے ہاتھوں میں تھامے وہ وقفے وقفے سے توتلی زبان کے ساتھ 'تھوڑا تیز' کہہ رہی تھی۔مگر جب نوح اسے تیز کرتا تو وہ چیخ پڑتی جس کے سبب وہ بوکھلا کر ان رسیوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا۔ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

"ڈاکٹر نوح یہ آپ ہیں۔"عائشہ کو جھولا جھولتے ہوئے وہ موہد پر نظر ٹکائے ہوئے تھا جو بچوں کے جم غفیر میں سلائیڈ لینے کی تگ ودو میں تھا۔اس کا انہماک برقرار رہتا اگر چہکتی ہوئی آواز عقب سے

نہ آتی۔اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔وہ رخسار تھی۔شولڈر کٹ بالوں میں فروالا اسکن رنگ کا ہیئر کیچر لگائے اور ہاتھ میں آدھی کھائی گلابی رنگ کی کاٹن کینڈی تھامے۔نوح کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں تارے ٹوٹ پڑے تھے۔ڈوریوں والی آسمانی رنگ کی فراک کے نیچے اس نے سفید رنگ کی پورے بازوؤں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔سفید بازوؤں پر اس کے گولڈن رنگ کے ہینڈ کف موجود تھے۔نوح اسے دیکھ کر جبراً مسکرایا۔

"اوہ یہ تو آپ ہی ہیں کیسے ہیں آپ،کب آئے۔ہسپتال کیوں نہیں چکر لگایا؟"وہ اپنا ہاتھ آگے کیے سوال پر سوال داغے جا رہی تھی۔نوح نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما بلکہ اور مضبوطی سے رسیوں کو جکڑ لیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں۔"رخسار کے رخسار اس کی نرم گرم سی آواز سن کر دہک گئے۔وہ اس کا حوال پوچھ رہا تھا۔کتنی دلفریب بات تھی نا یہ۔

"میں بھی ٹھیک ہوں انفیکٹ بہت اچھی ہوں۔کہیں بیٹھ کر باتیں کریں۔کافی پیں گے آپ۔"اس نے مروتاً اس سے اس کا حال احوال پوچھ لیا تھا۔وہ تو اس کے گلے ہی پڑ رہی تھی۔ہاتھ پیچھے کر کے اس لڑکی نے بال کان کے پیچھے اڑسائے تھے۔نوح بوکھلا گیا۔

"نہیں۔"اس نے عجلت میں انکار کیا۔"یعنی میں اپنے بچوں کے ساتھ آیا ہوا ہوں اس لیے میرا جانا ممکن نہیں ہے۔"رخسار کی آنکھیں پھٹ گئیں۔چہرے کے رنگ اڑ گئے۔وہ گرنے والی ہو گئی تھی۔نوح اس کی موجودگی میں انکمفرٹیبل ہونے لگا۔اس نے ہاتھ پرندوں کی طرح پھیلائے مست مگن سی جھولا انجوائے کرتی نگاہ عائشہ پر ڈالی۔وہ اب کیوں نہیں چیخ رہی تھی۔وہ شور کرے تاکہ وہ اسے اس جھولے سے اتار کر کہیں اور لے جائے۔اس لڑکی کی پہنچ سے دور ہو جائے۔

"آپ کے بچے، آپ کی شادی ہو گئی کیا۔"اس نے چیخنے والے انداز میں پوچھا تھا۔اتنی بلند آواز میں کہ آس پاس کے کچھ لوگ متوجہ ہو گئے صد شکر مائیرا ابھی تک فون میں ہی الجھا ہوا تھا ورنہ مسئلہ اور بگڑ جاتا۔

"میرے چاچو اور بہن کے بچے ہیں اور پلیز آپ آہستہ بولیں۔"اس نے کچھ ایسے خفا انداز میں کہا کہ رخسار یک دم بجھ گئی۔اسی بجھے پن سے کہا۔

"ایم سوری اور اگر یہ آپ کے بچے نہیں ہیں تو آئندہ انہیں کسی کے بھی سامنے اپنے بچے مت کہنا۔غلط فہمی ہو سکتی ہے۔"نوح نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔اسے گھبراہٹ ہونا شروع ہو چکی تھی۔لڑکیاں اور ان کی فرینکنس اسے کبھی نہیں بھاتی تھی۔یہ تو کچھ زیادہ ہی چپک رہی تھی۔خوشگوار

سے دن میں اس کا برا سا منہ بن گیا۔ اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموش ہی رہا۔ رخسار نے جب دیکھا وہ کوئی بھاؤ نہیں دے رہا تو اس نے خود سے ہی کہنا شروع کیا۔

"میں آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہوں۔ کیا آپ لنچ یا ڈنر پر ہمارے گھر آسکتے ہیں۔"

آنکھوں کو ٹمٹماتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے نوح کا حلق کڑوا کر دیا۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔" رخسار خوشی سے اچھل پڑی۔ نوح نے ایک بار پھر سے آنکھیں بند کر کے کھولیں تھیں۔ وہ جلد از جلد اس ماحول سے چھٹکارہ چاہ رہا تھا۔ اس کی آسانی عائشہ نے کر دی۔ بیٹیاں کتنی انمول اور پیاری ہوتی ہیں نا۔ اسے اس وقت ٹوٹ کر عائشہ پر پیار آیا۔

"ماموں اب اس والی رائیڈ کی باری۔" ہاتھ سیدھا کر کے وہ پارک کے آخر میں بنے جھولے کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے لپکنے والے انداز میں عائشہ کو گود میں اٹھایا اور رخسار کو ایکسکیوز کرتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

"وہ آنٹی آپ کو تنگ کر رہی تھیں نا، میں جان گئی۔" اور یہی وہ لمحہ تھا جب اسے عائشہ پر پیار آیا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھائے بغیر جواب دیے پارک کے اینڈ میں بنے جھولے پر لے آیا۔ عائشہ کی بہت سی عادتیں سیر اپر تھیں۔ اس کا دل بھی تو سیر اپر ہی گیا تھا۔ اپنے ماموں کی ہر بات جان لینے والا۔

نوح اس کو جھولے پر لے آیا تھا۔ وہ گول گول گھومنے والا جھولا تھا۔ چند بچے اس جھولے کے اندر راڈ پکڑ کر کھڑے تھے جبکہ باقی کے دو بچے راڈ کو پکڑ کر بھاگ رہے تھے۔ جب وہ جھولا اسپیڈ پکڑ تا تو اسے چلاتے دونوں بچے بھاگتے ہوئے اس جھولے پر چڑھ جاتے۔ اس نے احتیاط کے ساتھ بڑے بچوں کے درمیان میں عائشہ کو کھڑا کیا تھا۔ وہ کھکھلاتے ہوئے اس جھولے کے مزے لے رہی تھی۔ موہد بھی وہیں تھا۔ وہ عائشہ کے پیچھے دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر اسے کور کیے کھڑا تھا تاکہ وہ گر نہ جائے۔ نوح سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آج تو ان دونوں کے مزے ہو گئے۔" مائیر کی آواز اس کے قریب سے گونجی تھی۔ اس نے گردن موڑی۔

"ہاں صحیح کہا۔" مسکراتا ہوا چہرہ فریم لیس نظر کے گلاسز۔

"ویسے کب تک دوسروں کے بچوں کو یوں خوش ہو کر دیکھو گے۔ اپنے بچوں کی خواہش نہیں جاگتی دل میں۔" نوح کی نظر اسی پر تھی۔ وہ کنپٹی پر موجود بالوں کو کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نوح نے بالکل برا نہیں منایا۔

"یہ دونوں کب دوسروں کے بچے ہو گئے۔ یہ میری ہی اولاد ہیں۔" اس کے استحقاق اور جتانے والے انداز پر مائیر نے اس کے شانے کو تھپکا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا وہ اپنے اس بھائی کو دل نکال کر دے دیتا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا عائشہ اگر تمہاری بہو بنے گی۔ کوئی بات نہیں چار پانچ سال چھوٹے لڑکے بھی چل جاتے ہیں اور یوں بھی مرد عورت سے زیادہ بڑے لگتے ہیں۔" نوح نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا۔ وہ اس کی سوچ پر عش عش کر اٹھا تھا۔

"حد ہوتی ہے ویسے، کیوں تم چاچو کی خواہش پر پانی پھیرنا چاہتے ہو۔" مائیر نے ناک پر سے مکھی کی طرح بات کو اڑایا تھا۔

"تمہارے آگے میں کسی کو ویلیو نہیں دوں گا۔ تم جانتے ہو یہ بات۔" نوح نے پھر سے اسے شاکی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یہ لڑکا ایک نمبر کا نمونہ تھا۔ پوری دنیا کا مسخرہ پن اس پر ختم ہوتا تھا۔

"یہی بات یقیناً تم نے چاچو سے بھی کی ہو گی۔ کتنے فلپ بندے ہو تم یار۔" وہ جانتا تھا چاہے جتنا مرضی اسے شرم دلا لے مائیر کو رتی بھر فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جو ہر منفی بات کو سب سے آخر میں سوچتا تھا۔ مثبت تھا اور چیزوں کو مثبت ہی رکھنا چاہتا تھا۔ نوح کو اس کی یہ بات بے حد پسند تھی۔ اسی بات پر تو سیرا بھی فدا تھی۔

"اب تم اسے فلپ پنا کہو یا مصلحت یہ تم پر منحصر کرتا ہے۔ تم جانتے ہو میں ہر ایک کو خوش رکھنا جانتا ہوں۔ سب خوش دنیا خوش، زندگی جنت۔" وہ ہنس رہا تھا۔ ان کے بچے بھی ہنس رہے تھے۔ نوح نے مسکراتے ہوئے دائیں جانب گردن موڑی۔ ایک آدمی بہت سارے رنگ بہ رنگے غباروں کے درمیان بلبلوں کو چھوڑ رہا تھا۔ بلبلے اتنے زیادہ تھے کہ عقب میں کون کھڑا ہے پہچان کرنا مشکل تھا۔ نوح نے یونہی اس جانب سرسری نگاہ دوڑائی۔ اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا تبھی نگاہ وہیں ٹھہر کر رہ گئی۔ وہاں بلبلوں کے اس پار کوئی شناسا سا چہرہ تھا مگر کون۔ اس نے توجہ دینے کی کوشش کی۔ دل کی رفتار اچانک بدلی تھی۔ وہ ہنسی، وہ اڑتے ہوئے بال، وہ دھندلا سا چہرہ۔ اس کے وجود میں اچانک سوئیاں چبھ گئی تھیں۔ بنا سوچے کچھ بھی کہے بنا وہ اس سمت چل پڑا تھا۔

"اب کہاں جا رہے ہو تم، اوئے نوح۔"

مگر اس نے ان سنی کی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس آدمی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بڑے بڑے غبارے لاتعداد بلبلے۔ ہنسی، اڑتے بال اور شناسا سا چہرہ۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ اس کے پاس آیا۔ بلبلوں کو ہاتھوں سے جھٹک کر غباروں کو پرے دھکیل کر وہ جونہی ہنسی کی سمت لپکا اس کے قدم پتھر ہو گئے۔ اسے لگا کسی نے پاؤں کو زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ آنکھوں کا انتظار تھما۔ صدیاں سمٹیں۔ دل کی رفتار معمول پر آئی اور خواب ٹوٹ گیا۔ وہ، وہ نہیں تھی جو وہ سمجھا تھا۔ وہ تو رخسار تھی۔ جو ہنستے ہوئے کھلکھلاتے ہوئے بلبلوں کو فضا میں بلند کر رہی تھی۔ شناسا چہرہ مٹ گیا۔ اڑتے بال تھم

گئے۔ ہنسی کی گونج بدل گئی۔ نوح جبران پھر سے مر گیا۔ اس کے گرد گھیرا تنگ ہونا شروع ہو چکا تھا۔ گردن کے پٹھے کھنچ گئے۔ تکلیف بڑھ گئی۔ وہ جھٹکے سے مڑا تھا۔ مڑتے ہی اس کا ٹکراؤ مائیر کے ساتھ ہوا۔ اس کی آنکھوں کی تکلیف دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ نوح نے جبراً چہرے کے عضلات ٹھیک کرنے کی ناکام سعی کی۔ خول پھر سے چڑھایا اور دنیا کی سب سے بری مسکان لبوں پر سجالی۔ مائیر کو کم از کم وہ دنیا کی سب سے بری مسکان ہی لگی تھی۔

"بچوں کیلئے۔۔۔ غبارے لینے آیا تھا۔" خوامخواہ کی جھوٹی تاویل، نامہ اعمال میں گناہوں کا اضافہ۔

"غبارے والا تو پیچھے ہے۔" مائیر نے اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔ نوح کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ یہ ہوائیاں مائیر کو ایک آنکھ نہیں بھائیں۔

"ہاں صحیح کہا۔ چلتے ہیں۔ بچے پریشان ہو جائیں گے ورنہ۔" غبارے لیے بنا ہی وہ لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جا رہا تھا۔ مائیر نے ایک اچٹتی نگاہ بے خبر سی رخسار پر ڈالی اور پھر مڑ کر اس انسان کو دیکھا جو ایک پہیلی تھا۔

"یہ ابھی میں نے کیا دیکھا۔ کیا اس کا رجحان رخسار کی جانب ہو رہا ہے یا پھر وہ اس میں فلک کو کھوج رہا تھا۔ ہمم مائیر ایک بار پھر سے جاسوس کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مشن نوح پھر سے شروع کرنا پڑے گا۔" وہ یونہی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا اس کے پیچھے چل دیا تھا۔ جاتے جاتے ایک بار پھر سے اس نے

بلبلوں میں کھڑی لڑکی کو دیکھا تھا۔ رنگ برنگے بلبلے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ بہت سے راز خود میں چھپا رہے تھے۔

شام ڈھلے پرندے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ سورج کی کرنیں سرخ آلود تھیں۔ آسمان پر بنفشی رنگ جابجا بکھرا ہوا تھا۔ بادلوں کے چند آوارہ ٹکڑے بھی یہاں وہاں منڈلا رہے تھے۔ مغرب میں ابھی کچھ وقت تھا۔ فرخندہ نماز کے تخت پر بیٹھیں تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔ وہ کافی نحیف ہو چکی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سیاہ حلقے اب کافی واضح ہو گئے تھے۔ گالوں کی ہڈیاں بھی کھڑی تھیں۔ کمزور لاغر وجود اب سنبھالے نہیں سنبھلتا تھا۔ ان کے پیٹ سے بھوک کی شدت کی وجہ سے آوازیں آنے لگی تھیں۔ اب برداشت بھی کہاں ہو رہا تھا۔ کل دوپہر سے کچھ کھانے کو نہیں ملا تھا۔ ایک اور رات چڑھنے کو تھی۔ ان کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا۔

"اے مالک، معاف کر دے۔ گناہوں کو دھو دے میرے۔ یا اللہ، اب تو بھوک بھی برداشت نہیں ہوتی۔ یا اللہ مدد کر دے۔ غیب سے مدد کر دے۔ کچھ کھانے کو بھیج دے مالک تو ہی بس آسرا ہے میرا۔" ساتھ والے کمرے سے بچوں کے پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فرخندہ جھولی پھیلا پھیلا

کر اللہ سے دست سوال تھیں۔ پانچ منٹ بعد بچے چلے گئے اور مینہ کمرے میں نمودار ہوئی۔ سیاہ چادر اوڑھے وہ فرخندہ سے مخاطب تھی۔

"اماں دو بچے فیس دے گئے ہیں۔ میں اسٹور سے کچھ کھانے کا سامان لا رہی ہوں۔" وہ رکوع میں تھیں جب یہ مژدہ جاں انہیں سنائی دیا۔ ان کی آنکھ سے پھر سے اشک ٹپک پڑا۔ اللہ نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی فریاد سن لی گئی۔ وہ گناہ گار تھیں مگر تھی تو اس کی بندی نہ تو پھر وہ کیوں اسے یوں تڑپتا ہوا چھوڑتا۔ انہوں نے سجدے میں گر گر کر اللہ سے معافی طلب کی تھی۔ جب دعا مانگ کر فارغ ہو چکیں تو کچن میں سے آلو کی ترکاری کی خوشبو آنے لگی۔ ان کے ضبط کا آخری مرحلہ تھا۔ مینہ نے گرم گرم روٹی، آلو ترکاری اور پانی کا گلاس ان کے سامنے رکھ دیا۔

"تم بھی کھالو بیٹھ کر۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا معذور ہاتھ ماں کے گال پر رکھا۔

"نہیں آپ کھائیں۔ میں کچن سمیٹ لوں۔ نماز پڑھ لوں پھر کھالوں گی۔" گویا وہ جان گئی تھی ماں اس وقت بھوک کی شدت سے بلک رہی ہے اس لیے اس نے جلدی جلدی سب تیار کیا تھا ورنہ پھر شاید وہ نماز سے فارغ ہو کر ہی کرتی۔ فرخندہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مینہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی فرخندہ کھانے پر ٹوٹ پڑیں۔ مینہ نماز سے فارغ ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ بے بسی کی انتہا تھی۔ وہ کیا کرے۔ وہ کس قابل تھی

بھلا۔ اسے آتا ہی کیا تھا۔ اس کے ہاتھ، اس نے اپنے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کی جانب کیے۔ ایک صحیح اور ایک معذور، ان سے وہ کچھ کرنے کے قابل تھی بھی۔ وہ کچھ بھی تو نہیں تھی۔ بے کار اور بے وقعت تھی۔ اس کا دل کیا اونچی اونچی آواز میں دھاڑے مار مار کر رو دے۔ اتنی اونچی آواز میں کہ صدا عرش تک جائے اور فرش والوں کے دل پگھل جائیں۔ نگہت آپا آئیں۔ اسے گلے سے لگائیں۔ پیار کریں جیسے پہلے کرتی تھیں۔ دونوں بھائی آئیں۔ ہاتھ کا چھالا بنالیں اور پھر کبھی نہ چھوڑ کر جائیں۔ فلک، ہاں وہ اس کی دوست، اس کی غمگسار، اس کی محبت و فکر میں گھلی ہوئی لڑکی۔ وہ بھی تو آئے یا بس وہی آئے اور ہمیشہ کیلئے یہیں رہ جائے۔ فلک۔ آہ۔۔

اس نے اپنا فون اٹھایا۔ فلک کا نمبر ملایا اس آس کے ساتھ کہ کیا معلوم اب اس کا نمبر کھل جائے مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ نمبر شاید ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا تھا۔ کبھی نہ کھلنے کیلئے، سب دروازے بند، ساری آس پانی۔ قبل اس کے وہ فون رکھتی اس کے نمبر پر انجان نمبر سے فون آنے لگا تھا۔ اس نے جھٹ سے کال اٹھالی کہ کیا پتہ کوئی بھولا بسرا کوئی اپنا ہو مگر وہ کوئی اپنا نہیں تھا۔ وہ کوئی غیر تھا۔

"السلام علیکم، فلک سفیر۔۔۔۔" توقف۔ "کا گھر ہے یہ؟" مینہ کا دل برق رفتاری سے دھڑکنے لگا۔ یہ کون تھا۔ یہ کون تھا جسے معلوم تھا کہ یہ فلک سفیر کا گھر ہے۔ یہ کس طرح کی دستک تھی۔ کیسی امید تھی۔ اس نے زور زور سے سر اثبات میں ہلایا۔

"جی۔"کانپتی سی آواز۔"یہ اسی کا گھر ہے۔"دوسری جانب سناٹا رہا۔گھور سناٹا۔ایک لمحے کو لگا کال منقطع ہو گئی ہے۔اس نے فون کان سے ہٹا کر آنکھوں کے سامنے کیا مگر وہ چل رہی تھی۔اس نے جھٹ سے فون واپس کان سے لگایا۔

"کیا وہ۔۔۔اس وقت گھر ہے؟"مینہ کی آنکھیں بھر آگئی تھیں۔اس کی آواز میں بھی آنسو گھل گئے۔ساتھ والے کمرے سے فرخندہ کی شکر کی آوازیں آرہی تھیں۔

"نہیں وہ گزشتہ چھ سالوں سے گھر نہیں ہے۔کیا آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہے۔آپ اس سے آشنا ہیں۔اسے کہیں آجائے۔ہم بہت تنہا و بے بس ہیں اس کے بغیر۔"وہ رو پڑی تھی۔ناچاہتے ہوئے بھی اشک اس کی آنکھ سے رواں ہو گئے تھے۔کال کرنے والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔تھوڑی دیر بعد ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی تھی۔مینہ زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔اس نے بھیگی آنکھوں سے نمبر سیو کیا تھا۔فون کرنے والے نے بے بسی سے فون کاؤچ پر پھینکا۔گردن کو رگڑتے ہوئے وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم کہاں ہو فلک، تمہیں کہاں تلاشوں میں۔تم ملو گی تو نوح کا معاملہ حل ہو گا۔آہ۔۔"

مائیر نے کچھ سوچا پھر اس نمبر کو محفوظ کر لیا۔وہ اس بارے میں غفران کو بھی بتا چکا تھا۔فلک کے گھر والے بھی اس کے بارے میں نہیں جانتے تھے ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

"یعنی وہ صرف نوح کی زندگی سے ہی نہیں گئی بلکہ اس نے سب کو چھوڑ دیا۔" غفران نے سب کچھ جاننے کے بعد کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ کسی کو پسند کرتی ہو۔ گھر والے خلاف ہوں اس لیے وہاں نہیں گئی ہو۔" مائیر نے بہت سوچ وبچار کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا تھا۔ غفران نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایسا نہیں ہے۔ وہ نوح کو پسند کرتی تھی۔ سب بتایا تو تھا نوح نے، ہو سکتا ہے کوئی اور معاملات ہوں۔" غفران نے ابرو کھجاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔ مائیر ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کوئی انسان چھ سال تک غائب رہے اور گھر والوں سے بھی رابطے میں نہ رہے اس سے تو ایک ہی بات ذہن میں آتی ہے۔" اس نے گلا کھنکھار کر جھجھکتے ہوئے کہا۔ "وہ بیمار بھی تو تھی۔ اس کی اوپن ہارٹ سرجری ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ سروائیو نہ کر پائی ہو۔"

مائیر کے لفظوں نے غفران کا دل پکڑ لیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئے۔ ان کی سوچ نے ایک نیا رخ لیا تھا۔ وقت نے ایک نئی پہچان اوڑھی۔

کیا فلک سفیر واقعی اب اس دنیا میں نہیں تھی۔

کیا وہ واقعی سروائیو نہیں کر پائی۔

کیاواقعی میں؟

"عائشہ مجھے تم ذلیل نہیں کرو۔"

کھلے سے روشن روشن دن میں سیرا اس وقت گھن چکر بنی ہوئی تھی۔وہ عائشہ کے پیچھے پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔ہاتھ میں اس کے باؤل تھااور چمچ شہد رنگ کے مرغوبے سے بھرا ہوا تھا۔

"عائش ادھر آؤ،ادھر آکر چھپو۔"یہ موہد تھاجو اسے ٹینٹ ہاؤس میں چھپنے کا کہہ رہا تھا۔عائشہ نے دڑکی لگائی اور اس میں چھپ گئی مگر سیرا کی نگاہوں سے پھر بھی اوجھل نہیں ہو سکی۔وہ اسے دیکھ چکی تھی۔اس نے ٹینٹ ہاؤس میں ہی گھس کر اسے جالیا۔

"کیا لگتا ہے بیٹا مجھ سے چھپنا اتنا آسان ہے۔"وہ اسے کھینچتی ہوئی باہر لا رہی تھی۔عائشہ کے چیخنے کی آوازیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔لاؤنج میں نیٹنگ کا سامان لیے بیٹھی بتول نے اسے ڈپٹ دیا۔

"اونہہ سیرا،ہر وقت مت رلایا کرو اسے۔"وہ اس وقت بیٹھی عائشہ کا ہی سویٹر بن رہی تھیں۔گلابی سویٹر پر سرخ پھول کھلے ہوئے تھے۔

"چاچی، آپ نے دیکھا کتنی کمزور ہو گئی ہے یہ، کچھ نہیں کھاتی اوپر سے اس کے نخرے۔"اس نے زبردستی عائشہ کو صوفے پر بٹھایا اور اس کے منہ میں وہ مرغوبہ ٹھونسنے لگی۔

"بچوں کو پیار سے ہینڈل کیا جاتا ہے۔ یہ زبردستی کا اسے کہاں لگے گا بھلا۔"اس نے ایک اور چمچ بھرا۔ بھرے ہوئے منہ میں اس نے وہ بھی ٹھونس دیا۔

"ستر پرسنٹ کڑھ کر کھائی گی تو تیس پرسنٹ تو لگنے کے چانسز ہیں نا یہی بہت ہے۔"بتول نے سلائی رکھی اور پیار سے عائشہ سے دریافت کیا۔

"عائش، آپ کو کیا کھانا ہے بیٹا۔"عائشہ نے جلدی جلدی حلق میں موجود بدذائقے مرغوبے کو نیچے اتارا اور فٹ سے بول دیا۔

"میں پزا یا برگر کھا سکتی ہوں لیکن یہ نہیں کھاؤں گی۔"بتول مسکرا دیں۔ وہ اٹھنے لگی تھی مگر سیرا نے اسے پھر سے جھپٹ لیا۔ ایک اور چمچ منہ میں ڈال دیا۔

"سن رہی ہیں آپ محترمہ کی فرمائش، اس نے مجھے ماسی بنا دیا ہے۔ کوئی کہے گا یہ وہی سیرا ہے جو ناخون پر ایک خراش نہیں آنے دیتی تھی۔"اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی تھی۔ جل بھن کر مڑی۔

"میں کہوں گا۔ میں کہوں گا یہ وہی سیر اہے جو ہر وقت برانڈ برانڈ برانڈ کی رٹ لگائے رکھتی تھی۔ جس نے ڈگری حاصل کی۔ جاب کی اور پھر اسے فی الحال کیلئے کویٹ کر دیا تاکہ وہ اپنی فیملی کو اچھے سے وقت دے سکے۔ میں کہوں گا یہ وہی سیر اہے جس سے شادی کرتے ہوئے مجھے صرف اس لیے خوف آتا تھا کہ کیا پتہ یہ ذمہ داری سنبھال پائے گی بھی یا نہیں۔" اس کے سارے جملے ٹھیک تھے بس آخر والے نے کام خراب کر دیا۔ مائیر اس کے قریب آکر بیٹھا تھا۔ تھوڑا تھکا تھکا سا، بکھرے سے حلیے میں۔ اس نے بریف کیس پاؤں میں ہی رکھ دیا۔ میڈ جلدی سے اس کیلئے پانی کا گلاس لائی تھی۔

"پوائنٹ آف ویو، شادی ہی نہیں کرنی چاہیے۔" وہ ناراض ہو گئی تھی مائیر مسکرا دیا۔ بتول چپکے سے وہاں سے اٹھ کر گئی تھیں۔

"تم نہ کرتی میں تو پھر بھی تم سے ہی کرتا۔ پوری زندگی کنوارہ تھوڑی رہتا۔" اس نے ٹرے میں سے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔ عائشہ کا باؤل ختم ہو چکا تھا۔ وہ موقع جان کر فوراً بھاگ کھڑی ہوئی کہ کھانے کے معاملے میں مما سے زیادہ بابا سخت تھے۔ اوف ہو اس کی ننھی سی قسمت۔

"میں دو ہفتوں سے سیلون نہیں گئی۔ مجھے وقت ہی نہیں مل رہا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے سب ایک ہی نقطے پر رک گیا ہے۔ میں ایسی تو نہ تھی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ وہ سیر اجسے ہر وقت سج سنور کر

رہنے کی عادت تھی اب نارمل سے حلیے میں نظر آنے لگی تھی۔وہ جو اسے مغرب زیادہ لگتی تھی اب پورپور مشرق میں ڈوبی نظر آتی تھی۔مائیر نے اس کے گرد بازو وا کر دیے۔نرمی کے ساتھ سمجھانے لگا۔

"شادی اور بچوں کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کی زندگی قید ہو کر رہ جاتی ہے۔میں نے تم پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور نہ ہی میں اس کا خواہ ہوں۔مجھے تم پہلے بھی پسند تھی اور اب بھی ہو،ہمیشہ رہو گی لیکن یوں دل چھوڑنے سے اس طرح سے رہنے سے تم اور ڈپریس ہو جاؤ گی جو کہ میں نہیں چاہتا۔تم خود کو وقت دو۔سیلون جاؤ۔پارٹیز کرو۔جو دل میں آئے وہ کرو مگر اپنے لیے وقت ضرور نکالو۔"

وہ اسے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ۔ابھی ابھی لاؤنج میں آئے غفران نے اس منظر کو بڑے دل کے ساتھ جذب کیا تھا۔وہ ٹھیک کہتے تھے مائیر سیر اکیلئے ایک بہترین انتخاب ہے۔انہوں نے گلا کھنکھارا۔مائیر کرنٹ کھا کر بازو کھینچتا پیچھے کو سرکا تھا۔

"یار یہ کباب میں ہڈی،ہمیشہ غلط وقت پر ٹپکتے ہیں۔"وہ بڑبڑایا۔غفران اپنا بریف کیس سنبھالتے ادھر ہی آ گئے۔اس کے عین سامنے والے صوفے پر آ کر دھپ سے بیٹھ گئے۔

"لگتا ہے ابھی آئے ہو، یار جلدی فارغ ہوا کرو تو بتا دیا کرو ساتھ نکل پڑا کریں گے۔" مائیر نے جلدی لفظ پر جھٹ سے کلائی موڑ کر وقت کو دیکھا۔ سات بجنے والے تھے۔ اس نے شاکی نگاہیں غفران پر ڈالیں۔

"یہ آپ مجھ پر ہر وقت کام چوری کا بہتان نہیں لگایا کریں۔ میں پورے وقت پر آیا تھا۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے منہ کے زاویے ایسے بگڑے ہوئے ہوتے تھے کہ اعلی المان۔

"میں پانی بھجواتی ہوں آپ کیلئے۔" سیر اکے جانے کے بعد غفران نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی پھر ابرو چڑھا کر اسے دیکھنے لگے۔

"اب ایسے دیکھنے کا مطلب؟" وہ جذبذب کے عالم میں دریافت کر رہا تھا۔ غفران نے ٹیک چھوڑ دی۔

"تمہیں میں نے کہا تھا فلک کے بارے میں مزید معلومات نکلواؤ، تم نے ایسا کیا۔" مائیر نے ٹائی کھینچ کر نیچے کی تھی۔ اتنے میں میڈ غفران کو پانی سرو کر گئی۔

"فلک کے بارے میں۔۔۔ کل میں نے ایسا سین دیکھا کہ آپ اس کا گمان بھی نہیں کریں گے۔ موصوف رخسار کی اور کچی ڈوری کی طرح کھنچتے چلے گئے لیکن یہ معلوم نہیں فلک کی غلط فہمی میں

گئے تھے یا ان کی جانب رجحان ہو رہا ہے۔"غفران نے گہری سانس کھینچی تھی پھر بڑے آرام کے ساتھ کہا۔

"میں یہ پانی کا گلاس تمہارے منہ پر پھینک دوں گا اگر الٹی سیدھی بکواس کی تو، تم اس کے دل کے بارے میں نہیں جانتے کیا۔"مائیر نے بوکھلاتے ہوئے یہاں وہاں نظریں دوڑائیں۔صد شکر وہاں کوئی بھی نہیں تھا ورنہ اچھی خاصی اس کی بے عزتی ہو جانی تھی۔

"یا خدا، آپ مجھ پر ہی غصہ کیوں رہتے ہیں۔اسے پکڑیں۔بٹھائیں اور پوچھیں کیا چل رہا ہے اس کے دل میں تا کہ۔"اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔جملہ کسی اور نے پکڑا اور جواب دے دیا۔

"میرے دل میں کچھ نہیں چل رہا۔"مائیر نے مڑ کر جبکہ غفران نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے ٹراوزرز اور شرٹ میں ملبوس تھا۔بال بکھرے سے تھے۔ٹی شرٹ کا ایک حصہ تھوڑا سا ٹراوزر میں اٹکا ہوا تھا۔سیاہ ٹراوزر پر مٹی کے تھوڑے سے داغ تھے جبکہ سفید شرٹ گلے اور بغلوں سے پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔غالباً وہ ابھی سکواش کھیل کر آ رہا تھا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔یا تو میں شادی نہیں کروں گا اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ کروں تو کسی سے بھی کر لوں گا۔آپ لوگ جانے کیوں اتنا ڈریگ کر رہے ہیں اس بات کو۔"وہ سنگل سیٹر پر آ کر بیٹھ گیا۔سفید رنگ، سفید رنگ اس پر جچتا تھا۔شاید یہ رنگ بنا ہی اس کیلئے تھا۔

"ڈریگ کریں گے ہم نوح، ہاں ہم کریں گے ڈریگ کیونکہ معاملہ یہاں دل کا ہے۔ تم لاکھ خول چڑھالو چہرے سے تو پھر بھی سب عیاں ہے۔" اس کی مسکان سمٹی تھی۔ چہرے کا رنگ فق ہوا۔ مائیر نے محتاط انداز میں نگاہ اس کی جانب گھمائی۔ کاٹو تو لہو نہیں کی مثال چند لمحے خاموش رہا پھر گزرتی قیامت کے آثار لیے آواز کے ساتھ بولا۔

"تو کیا کروں۔" لرزتی ہوئی پسماندہ سی آواز۔ "اس کے ستم پر جوگی بن جاؤں۔ اس کی ناانصافی پر خوش ہوں۔ وہ گئی نہیں تھی چاچو، مجھے چھوڑ کر توڑ کر گئی تھی۔ اس بات کی گہرائی کو سمجھ سکتے ہیں آپ۔" کپکپاتے لب، بھری ہوئی آنکھ، ضبط سے پر لہجہ۔ غفران کے دل کو کسی نے بری طرح سے مٹھی میں جکڑا تھا۔ مائیر نے سر جھکا دیا۔

"پہلے آپ لوگ سوچ لیں آپ چاہتے کیا ہیں کیونکہ مجھ سے زیادہ تو کنفیوز آپ لوگ لگ رہے ہیں۔ میں اسے بھلا چکا ہوں میں نے کہہ دیا تھا۔ بار بار آپ لوگ اس کا ذکر کر کے مجھے اذیت پہنچاتے ہیں۔ میں اسے ماضی کر رہا ہوں آپ لوگ حال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خود ہی پیچھے پڑے ہوئے تھے شادی کروں اب جب راضی ہوں تو نت نئے ابہام پال رہے ہیں۔ میں نے جب کہہ دیا ہے چھوڑ چکا ہوں میں اسے تو پلیز خدا کیلئے اس کا ذکر کرنا بند کریں۔ اب وہ گفتگو کا موضوع نہیں بنی گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں میرے زخم ہرے نہ ہوں تو پلیز اس چیپٹر کو یہیں بند کر دیں ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا کیونکہ اب میری بس ہو رہی ہے۔"

اور انہوں نے کر دیا تھا۔ نوح کی مینٹل ہیلتھ کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس کا ذکر مکمل طور پر بند کر دیا جیسے پہلے کیا ہوا تھا۔ ان دونوں نے فلک کی کھوج لگائی تھی مگر وہ کہیں نہ ملی۔ شاید وہ پاکستان میں نہیں تھی ورنہ ان کے سورسز کی نظر سے اوجھل نہ ہوتی۔ غفران نے دو ماہ سکون سے گزارے تھے۔ انہوں نے نوح سے کسی بھی قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر تیسرے ماہ اچانک انہوں نے رخسار کے ساتھ نوح کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔ جس پر نوح نے کسی بھی طرح کا کوئی ری ایکشن نہیں دیا۔ وہ ان کے فیصلے کو عزت دے رہا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا پر سکون تھا یہی کافی تھا۔ غفران نے ان تین ماہ میں رخسار کو بڑی اچھی طرح جانچا تھا۔ وہ اچھی تھی۔ سادہ تھی۔ پر خلوص اور جولی سی۔ اس کی کمپنی میں سنجیدہ سا سنجیدہ انسان بھی مسکرا پڑتا تھا۔ انہوں نے کئی بار نوح کو بھی اس کے ساتھ ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ یہی چاہتے تھے۔ ان کی بس یہی خواہش تھی کہ نوح ہنستا مسکراتا رہے۔ یہ رخسار کی نیچر ہی تھی جس پر غفران نے اتنا انتہائی قدم اچانک اٹھایا تھا۔ وہ جانتے تھے رخسار نوح کو دل سے ہنسنے پر مجبور کر دے گی۔ تھوڑی بہت جو فلک کی یاد اس کے دل میں بسی ہے وہ ختم ہو جائے گی اور وہ مکمل طور پر اپنی زندگی جینے لگے گا۔ وہ اس کی زندگی کے اتنے قیمتی دن ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نوح دوسرا غفران بنے اس لیے انہوں نے اسی ہفتے کی شام کو اس کی منگنی کی تقریب رکھ دی تھی۔

ہفتے کی شام بس دو دن بعد ہی تھی۔

فقط دو دن بعد۔۔

شاپنگ مال کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ جم غفیر اتنا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ اس وقت رخسار کو منگنی کا جوڑا دلوانے آیا تھا۔ یہ خواہش بھی رخسار کی ہی تھی ورنہ اسے ان چیزوں میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ فون پر مصروف رخسار کو جوڑا پسند کروانے کے بعد ایکسکیوز کرتا ہوا باہر آیا کہ اندر اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ ایک انٹرنیشنل کال پر مصروف تھا اور اس پر توجہ دینے کیلئے اسے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانا ضروری تھا۔ جب اچانک مڑتے ہی ایک ناخوشگوار سا منظر اس کی نظر میں پڑا تھا۔ عکس کے ریٹینا پر پڑتے ہی ماتھے پر بل ابھر گئے۔ اس نے جھٹ سے کال کٹ کی تھی۔ اس کی عین آنکھوں کے سامنے تھوڑے فاصلے سے کوئی آدمی تنزیلہ پر انگلی تانے اسے دھمکا رہا تھا۔ نوح کا خون کھولنے لگا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان تک پہنچا۔

"زیادہ ہواؤں میں اڑ رہی ہو نا تم، ان تصاویر کو وائرل کر کے تمہاری عزت کی دھجیاں نہیں بکھیر دی تو میرا نام بھی عقیل نہیں۔" نوح نے لمحے کے ہزارویں حصے میں فون اس آدمی کے ہاتھوں سے جھپٹا تھا۔ ہوا میں لہراتا ہاتھ یکدم خالی ہو کر ٹھٹھر اگیا۔ وہ موٹی آنکھوں کا والا آدمی ششدر سے انداز میں اس افتاد کو دیکھ رہا تھا جو بس اس پر ٹوٹنے ہی والی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں، میں نے پوچھا کیا ہو رہا ہے یہاں۔" اس کی دھاڑ شدید تھی۔ تنزیلہ جو پہلے ہی ہونق تھیں اس کی آمد پر بت بن گئیں۔ ان کے چہرے پر سفیدی پھیل گئی تھی۔ مردے سی سفیدی۔

"کون سی تصاویر، کیا بکواس کر رہے تھے تم ہاں۔" سنڈے کا دن تھا۔ شدید رش تھا اتنا زیادہ کہ اپنی آواز بھی کانوں میں نہیں پڑتی تھی مگر اس کی دھاڑ نے کچھ لوگوں کو رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نوح اس آدمی کا گریبان تھامے منہ سے کف نکال رہا تھا۔ شاپ سے باہر آتی رخسار کے ہاتھ سے اس منظر کو دیکھتے ہی شاپنگ بیگز چھوٹ گئے۔ نوح جیسے متحمل مزاج انسان کا یہ روپ اس سے ہضم نہیں ہوا۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

"میری ماں کو دھمکائے گا۔ میری ماں کو، خون پی جاؤں گا تیرا۔" چیختے چلاتے ہوئے اس نے تین چار مکے اس آدمی کے منہ پر جڑ دیے تھے۔ وہ خون نکلے منہ کے ساتھ غش کھاتے ہوئے نیچے گرا تھا۔ عوام رک چکی تھی۔ اس منظر کو حیرانی و سوالات ملے دماغ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ تنزیلہ جہاں کی تہاں رہ گئیں۔ وہ جو اسے روکنے والی تھیں۔ وہ جو اسے تھم جانے کا کہنے والی تھیں۔ وہ اس کے 'ماں' لفظ پر دل کو گرا بیٹھیں۔ ان کے کان میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ آنکھیں جیسے دھندلا گئی ہوں۔ دل جیسے پھٹ سا رہا ہو۔

"مما۔"معصوم بھولی ترستی ہوئی آواز ماضی سے اڑ کر ان کے کان میں آ کر پھسپھسائی۔

"خبر دار جو مجھے مما کہا تو۔ میں تمہاری ماں ہر گز نہیں ہوں۔ حمیدہ لے کر جاؤ اس فساد کی جڑ کو یہاں سے۔ آئندہ یہ مجھے میرے آس پاس نہیں دکھے۔"

یہ کیسی تکلیف تھی۔ یہ کیسی اذیت تھی۔ کس طرح کا پگھلا ہوا سیسہ تھا جس نے ان کی سماعت کے ساتھ ساتھ ان کے پورے بدن کو جھلسا دیا تھا۔ ان کے پاؤں ان کا وزن برداشت کرنے سے انکاری ہوئے۔ قبل اس کے وہ گر تیں انہوں نے ریلنگ تھام لی۔ کسی نے پولیس کو بلا لیا تھا۔ زخمی ہاتھ کے ساتھ وہ اس وقت پولیس اسٹیشن تھا۔ اس کے ساتھ تنزیلہ اور رخسار بھی تھی۔ رخسار تنزیلہ کے گرد بازو پھیلائے بیٹھی تھی۔ وہ نوح کو سن رہی تھی جو انسپیکٹر سے کہہ رہا تھا۔

"وہ میری ماں کو ہراس کر رہا تھا۔ میں کیسے یہ سب برداشت کرتا۔ میرے بس میں ہوتا میں اسے قتل کر دیتا۔"اس کی آواز میں اب بھی غراہٹ تھی۔ تنزیلہ نے نمناک نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مگر پھر بھی آپ کو احتیاط کرنی چاہیے تھی۔ آپ نے حد سے زیادہ زخمی کیا ہے اسے، ڈاکٹر نوح اگر میں آپ کو اچھے سے نہیں جانتا ہوتا تو اس وقت آپ سلاخوں کے پیچھے ہوتے۔"اس نے اس انسپیکٹر کی ماں کا دل سیا تھا۔ میجر آپریشن تھا۔ ہر جانب سے ناامیدی تھی مگر اس نے یقین دہانی کروائی تھی کہ نا صرف یہ آپریشن کامیاب ہو گا بلکہ اس کی ماں لمبے عرصے تک جئیں گی۔ اس بات

کو تین سال ہونے کو تھے۔ ہر روز بیمار رہنے والی اس کی ماں تین سالوں میں بامشکل تین دن بیمار ہوئی تھیں۔ وہ ایک صحت یاب زندگی گزار رہی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ ڈاکٹر نوح کا محسن تھا۔ وہ کس طرح اسے جیل میں ڈال سکتا تھا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔

"مجھے انجام کی پرواہ نہیں ہے بس اتنا چاہتا ہوں اس آدمی کے پاس میری ماں سے متعلق جتنا بھی مواد ہے وہ سب حاصل کیا جائے۔ یہ شخص اے آئی کا استعمال کر کے میری ماں کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اس پر جتنا سخت چارج لگے کم ہے۔" وہ بار بار میری ماں کہہ رہا تھا۔ وہ جتنی بار بھی یہ لفظ ادا کر رہا تھا تنزیلہ کی آنکھ سے تب تب آنسو ٹپک رہا تھا۔ ان کی تھوڑی بری طرح عرق آلود تھی۔

"بالکل ایسا ہی ہو گا۔ آپ فکر نہیں کریں۔" نوح سر ہلا کر مصافحہ کرنے کے بعد مڑا۔ مڑتے ہی اس کی نگاہ تنزیلہ پر پڑی تھی۔ رو رو کر ان کا برا حال تھا چہرہ سرخ و متورم تھا۔ تھوڑی گردن سے لگی تھی۔ وہ ان کے پاس آیا۔ ان کے شانے پر ڈلا دوپٹہ اٹھا کر سر پر رکھا پھر بلیزر اتار کر ان کے کندھوں پر ڈال دیا۔

"چلیں مما۔" وہ ہاتھ بڑھائے ان کا منتظر تھا۔ تنزیلہ نے بدقت تمام اپنا کپکپاتا سر دہاتھ اس کے گرم ہاتھ پر رکھا۔ رخسار ان کو شانوں سے تھام کر کھڑا کر رہی تھی۔ وہ تینوں ایک ساتھ اسٹیشن سے باہر

آئے تھے۔راستہ بڑی خاموشی سے کٹ رہا تھا۔بیک سیٹ پر لیٹی تنزیلہ تاہنوز رو رہی تھیں۔نوح نے موڑ کاٹ کر گاڑی رخسار کے گھر کے باہر روکی۔

"میں آنٹی کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"اس نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا۔نوح نے ہاتھ بڑھا کر اس کی سائیڈ کا دروازہ وا کر دیا۔

"شام میں ملتے ہیں۔امید ہے تم کسی سے کوئی ذکر نہیں کرو گی۔"وہ شاکی نظریں ڈال کر موقع کی نزاکت سمجھتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی تھی۔نوح نے اسے الوداع میں ہاتھ ہلایا پھر گاڑی کو پھر سے روڈ پر ڈال دیا۔تنزیلہ مقام پر پہنچنے تک خاموش ہی رہی تھیں۔نوح انہیں اپنے فلیٹ میں لے آیا تھا۔یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اکثر اپنا غم غلط کرنے آجاتا تھا۔اس کی تنہائیوں سے آشنا دیواریں اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی تھیں۔نوح نے لاک کھولنے کے بعد سب لائٹس آن کر دیں۔تنزیلہ ابھی تک اس کے بازو کے حصار میں تھیں۔لائیٹ کے آن ہوتے ہی وہ اچانک ہی اس سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔وہ دیواریں جو کھل گئی تھیں پھر سے مرجھا گئیں۔ان کے حصے میں ہی درد دیکھنا کیوں لکھا تھا۔جانے کس کی آہ تھی ان دیواروں کو کہ وہ کبھی خوشی کے لمحات نہیں دیکھ پائی تھیں۔غم ایک بار پھر ہر جگہ پھیل چکا تھا۔نوح نے طویل سانس بھرا۔ماں کے آنسو اس کی آنکھیں جلا رہے تھے۔وہ ہولے ہولے ان کا سر تھپک رہا تھا۔تنزیلہ نے اس کے ہاتھ کو سر پر محسوس کرتے ہی اسے اٹھایا اور تڑپتے ہوئے کہا۔

"نوح وہ میری اصل تصاویر نہیں ہیں۔ میں اتنی گری ہوئی نہیں ہوں۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ تم، تم کرو گے نامیر ایقین۔" ماں کے سر سے آنچل ڈھلک گیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پھر ان کے سر پر درست کیا پھر اپنی بھاری گھمبیر آواز میں گویا ہوا۔

"مجھے ہے یقین مما، مجھے نہیں ہو گا تو کسے ہو گا۔ آپ کو صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" بس اتنی سی بات تھی۔ بس یہی جملہ تھا جو وہ ہمیشہ سے سننا چاہتی تھیں۔ زندگی کے کتنے سال انہوں نے صرف اس ایک جملے کیلئے صرف کر دیے تھے۔ کبھی غصے میں تو کبھی جان بوجھ کر وہ اس طرح کی دوستیاں پالتی تھیں۔ انتقام و غصے نے ان کے حواس بری طرح سلب کر لیے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ سب غلط ہے۔ وہ اپنے شوہر کو احساس دلوانا چاہتی تھیں کہ جب کسی کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کا عہد کرنے کے بعد انسان بھٹک جاتا ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ کتنی اذیت محسوس کی جاتی تھی۔ یہ سب کرتے کرتے وہ اپنی اہمیت، اپنا مقام، اپنا رتبہ گنوا بیٹھی تھیں۔ وہ خالی ہاتھ رہ گئی تھیں۔ کچھ بھی تو نہیں بچا تھا ان کے پاس سوائے رسوائی کے۔ اب وہ چاہتی تھیں کہ ان کا شوہر ان پر یقین کرے۔ بچے یقین کریں مگر کیا ہوا۔ کس نے کب کیا ان پر یقین۔ ان کا شوہر انہیں بد کردار سمجھتا ہے۔ ان کی بیٹی انہیں برا سمجھتی ہے۔ نوح بھی تو سمجھ سکتا تھا مگر اس نے نہیں سمجھا۔ وہ ان پر یقین کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا اسے ان پر یقین ہے۔ انہیں اپنی سماعت پر شک ہوا۔ پھٹی ہوئی

آنکھیں جو ایک جگہ پر ساکت تھیں میں ایک بار پھر سے نمی کی لہر ابھری تھی۔ انہوں نے انگلی اپنی جانب کی۔

"مجھ پر، تمہیں مجھ پر یقین ہے؟"نوح نے وثوق کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کے آنسوؤں کو پونچھا پھر انہیں تھامتا ہوا صوفے کے پاس لے آیا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"آپ میری ماں ہیں۔ سگی نہ سہی پر ہیں۔ ماؤں پر شک نہیں کیا جاتا مما صرف یقین کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی میری آنکھوں کے سامنے مجسم گواہ بھی لے آئے تب بھی میں آپ پر یقین کروں گا۔ آپ کی سائیڈ ہوں گا۔ کیونکہ مجھے آپ سے کبھی بھی گلہ نہیں رہا۔ آپ ہر معاملے میں بے قصور ہیں۔ یہ بات آپ ہمیشہ یاد رکھنا میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوں۔"وہ ان کے دونوں ہاتھ تھامے متانت و تحمل سے کہہ رہا تھا۔ تنزیلہ نے اپنا سر اس کے ہاتھوں میں ٹکا دیا۔ وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی تھیں۔ لاکھ ضبط کے باوجود بھی نوح کی آنکھ سے اشک چھلک پڑا تھا۔ اس نے لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

"میں نے تمہارے ساتھ کتنا غلط کیا نوح، تمہارا بچپن کھا گئی۔ تم سے رشتے جدا کر دیے۔ تمہیں تنہا کر دیا۔ میں کتنی بری ہوں۔" اس کے ہاتھ ان کے آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ حلق میں دردناک گولہ آن اٹکا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت کرنی چاہیے۔ تمہیں مجھ سے کراہت آنی چاہیے لیکن تم کہہ رہے ہو میں بے قصور ہوں۔ میں ہی تو سب سے زیادہ قصوروار ہوں نوح، میں ہی تو اصل مجرم ہوں۔ میں چاہتی تو تم نارمل زندگی گزار سکتے تھے۔ میں نے ایسا نہیں چاہا۔ میں نے تم سے بیر باندھا۔ تمہیں گھر سے نکلوا دیا۔ تمہیں مجھ سے نفرت کرنی چاہیے۔ تم مجھ سے نفرت کیوں نہیں کر رہے۔" وہ رو رہی تھیں۔ کرلا رہی تھیں۔ وہ چاہتا تو ماضی کی تمام باتوں کو یاد کر سکتا تھا۔ اپنے دکھوں پر نظر ڈال سکتا تھا۔ دل پھاڑ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے موو آن کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے سب بھلا دینا سیکھ لیا تھا۔ اس نے صبر کر لینا سیکھ لیا تھا۔ اس نے معاف کر دینا سیکھ لیا تھا۔ وہ ایک اچھا طالب علم تھا۔ وقت کو اس پر فخر ہوا۔

"ماؤں سے نفرت نہیں کی جاتی۔" اس کی بھری ہوئی آواز پر تنزیلہ نے سر اٹھایا تھا۔ ان کی آنکھیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج چکی تھیں۔

"ماؤں سے نہیں مجھ جیسی عورتوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ میں تو ماں کہلانے کے لائق ہی نہیں ہوں۔ میں کون ہوں نوح، ایک بھٹکی ہوئی عورت جس کی نہ کوئی اولاد اپنی ہے اور نہ شوہر، تم سے سب جدا کر کے میں کب سکھی رہی۔ میرے نصیب میں بھی کچھ نہیں رہا نوح، دیکھو خالی ہاتھ اور بدنام ہوں۔" نوح نے ایک بار پھر سے ان کی آنکھیں پونچھی تھیں۔ ان کے کھلے ریشمی بال گالوں سے چپک گئے تھے۔ دوپٹہ پھر سے ڈھلک چکا تھا۔ سورج ڈھلنے کو بے تاب تھا۔ رات کے سائے پر مارنے والے تھے۔

"ایسے مت کہیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا اور بھول جائیں ماضی کو سمجھیں بس سب ٹھیک ہو گیا۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ کسی میں جرات نہیں ہے آپ کا بال بھی بیکا کرنے کی، جب تک میں ہوں تب تک تو بالکل بھی نہیں۔" اس نے دوپٹہ پھر سے ان کے سر پر رکھ دیا۔ آں چل نے ان کے ریشمی بالوں کو ڈھانپ دیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہیں کافی دیر یک ٹک پھر بہت دیر بعد انہوں نے ٹھٹھراتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔

"کون ہو تم؟" لرزتے ہوئے سوال کا روہانسی سی مسکان بھرا جواب آیا تھا۔

"آپ کا بیٹا۔" تنزیلہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے لبوں کو تر کیا پھر تھوڑے سرکے ہوئے دوپٹے کو سر پر مزید اچھے سے جمالیا۔ ان کے بیٹے نے تین بار ان کے سر پر دوپٹے کو درست کیا تھا۔ اب یہ دوپٹہ مرتے دم تک ان کے سر سے نہیں اترے گا۔

"مجھے معاف کر دو نوح، میں بہت گناہگار ہوں۔" نوح اٹھ کر کچن میں گیا۔ وہاں سے پانی کا گلاس بھر کر لایا تھا۔ اس نے گلاس تنزیلہ کو تھمایا جسے وہ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے تھام گئیں۔

"تم مجھے معاف کر دو گے تو مجھے سکون مل جائے گا۔" وہ اس بار اکڑوں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ سر اٹھائے انہیں دیکھا پھر مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پھیکی، پژمردہ سی مسکان۔

"اگر میں آپ سے کہوں گا کہ میں کبھی آپ سے خفا نہیں رہا تھا تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گی اس لیے آپ کی تسلی کیلئے میں کہہ دیتا ہوں۔ میں نے آپ کو معاف کیا۔" تنزیلہ نے بدقت تمام گھونٹ کو حلق سے نیچے اتارا پھر تھوڑا سا جھک کر اس کے بالوں پر بوسہ دینے کے بعد سیدھی ہوئیں۔

"تمہارا بہت شکریہ، تم نے میرے دل سے بڑا بوجھ اتار دیا۔" نوح نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔ تنزیلہ نے اس کے بالوں پر ہاتھ رکھا پھر اسے ہولے ہولے سہلانے لگیں۔

"تم کہو تو تمہاری ماں کو ڈھونڈ سکتی ہوں۔ تم چاہو تو اس کے پاس رہ سکتے ہو۔ کوئی تمہیں مجبور نہیں کرے گا۔"نوح کے لبوں پر مجروح مسکان آن ٹھہری۔

"مجھے اب کسی کی چاہ نہیں، میری ماں ایک ہی ہے اور وہ میرے سامنے ہے باقی میں کسی کو نہیں جانتا۔یوں بھی جو چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بس چھوڑ جاتے ہیں۔"اس کی آواز مدھم اور گیلی تھی۔ تنزیلہ نمناک نگاہوں سے بیٹھی اس کے بالوں کو سہلاتی رہیں۔

"تم ایک بہترین انسان ہو نوح، تم اپنی زندگی میں بہت خوش رہنے والے ہو۔"انہوں نے صدق دل سے کہا تھا۔ پہلی بار دل سے ایک ماں ی طرح دعا اٹھ رہی تھی کیونکر نہ قبول ہوتی۔

"مما بس آپ میرے لیے دعا کریں۔ میرے دل کو سکون آجائے۔ اس کی بے چینی، خوف، ابہام سب ختم ہو جائیں۔"تنزیلہ نے دوپٹے کے پلو سے دکھتی آنکھوں کو پونچھا اور پھر دل سے وہ الفاظ ادا کیے جس نے نوح جبران کی تقدیر بدل دی۔ ماں کی دعا تھی۔ فرش سے عرش پر گئی اور قبولیت اختیار کر گئی۔

"اللہ میرے بیٹے کے نصیب اچھے کرے۔ تمہارے دل کی ہر خواہش کو قبول کرے۔ تمہارے حصے کی تمام خوشیاں تمہیں مل جائیں۔ تمہارے تمام انتظار ختم ہو جائیں۔ تمہارے دل کو سکون آجائے دائمی سکون۔"

انہوں نے کبھی کوئی دعا نہیں کی تھیں۔ آج لبوں سے پھوٹی بھی تو ایسے صدق سے کہ وہ فوراً قبولیت کے درجات کو پہنچ گئی۔ نوح کو دعا دینے کے بعد تنزیلہ کے اندر بھی سکون دوڑ اٹھا تھا۔ انہیں لگا جیسے وہ ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں۔ ان دونوں نے آج بہت ساری باتیں کی تھیں۔ سب گلے شکوے مٹا دیے تھے۔ آج ایک بیٹے کو ماں ملی تھی تو ایک ماں کو اس کا بیٹا ملا تھا۔ آج کا دن بے حد خوش نصیب دن تھا۔

تاریکیاں مٹ گئیں۔

خوشیوں کے در وا ہوئے۔

یہ اس کی منگنی سے ایک دن پہلے کی بات تھی جب اس نے سب کے سامنے اپنے اور تنزیلہ کے پیچ اپ کی بات کی تھی۔ اس خبر سے سب سے زیادہ خوش سیر اہوئی تھی۔ تنزیلہ آج کسی اور ہی روپ میں ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ سر پر دوپٹہ جما تھا اور لبوں پر مسکان تھی۔ جبران تک یہ خبر غفران نے پہنچائی تھی۔ وہ یہ سب سن کر بری طرح ٹھٹھکے تھے۔

"کیا واقعی ایسا ہو گیا ہے؟" انہوں نے انتہائی تعجب کے عالم میں دریافت کیا۔ وہ دونوں بھائی اس وقت کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ مرروال سے گزرتی وہیکل صاف نظر آ رہی تھیں۔

"بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ کچھ عرصے سے نوح سے رابطے میں تھیں۔" اچانک سے جبران کو اس دن والا واقع یاد آیا۔ انہوں نے اچانک آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنایا تھا۔

"تو اس دن بھی نوح ہی تھا۔" وہ بڑبڑائے تھے۔ ان کی آنکھوں میں پیشمانی کے رنگ چھلک پڑے۔ شرمندگی اتنی ہوئی کہ کوئی حد نہیں۔

"بھابھی سے اس کا پیچ اپ ہو گیا ہے۔ آپ کا چانس بھی بن سکتا ہے۔ ایک بار نوح سے بات تو کر کے دیکھیں۔" جبران نے آنکھوں پر سے ہاتھ کا چھجا ہٹایا۔ گول کپ میں فوم سے بھری کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"نہیں یار، میں حقدار ہوں اس کی ناراضی کا۔ میری خود غرضی اس کی خوشیاں کھا گئیں۔" ان کے لہجے میں بیتے مہ و سالوں کی خلش تھی۔ غفران نے سیاہ کافی کا گھونٹ بھرا۔

"لیکن اب وقت بیت گیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو بھی معاف کر دے۔" جبران نے نفی میں سر ہلایا۔ لوگوں کی سرگوشیاں ان کے اندر کی ویرانیوں کو مزید جھنجھوڑ رہی تھیں۔ کسی لڑکی کی بے باک زندگی سے پر ہنسی پر انہوں نے یونہی سر موڑ کر دیکھا تھا۔ کتنا سکون تھا اس کی ہنسی و آنکھوں میں۔ کتنی بے فکر تھی ناوہ۔ اللہ اس بچی کی خوشی و سکون کو یونہی برقرار رکھے۔

"اس نے کرنا ہوتا تو اب تک کر دیتا۔ میں مان چکا ہوں اس کا دل میرے طرف سے کبھی صاف نہیں ہو سکتا اور میں اسے اس بات پر مجبور بھی نہیں کروں گا۔ وہ حق بجانب ہے۔" غفران نے ہاتھوں کو ٹشو سے پونچھا پھر وہ میز پر دو انگلیاں بجا کر بل لانے کا کہہ رہے تھے۔

"آپ کوشش تو کریں۔ صرف ایک بار کر کے تو دیکھیں۔ بلائیں اسے۔ وہ آجائے گا۔"

ان کے لہجے کا استحکام کافی پختہ تھا۔ جبران سوچ میں پڑ گئے۔ اس رات انہوں نے بہت سوچا تھا۔ اگلے دن وہ اپنے بیٹے کی منگنی کی تیاریوں میں زور و شور سے مصروف تھے۔ وہ اس کا اہم دن ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے دل کو تسلی دے کر تھپک دیا مگر اس بات پر خود کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ آج ایک مکمل فیملی فوٹو ضرور بنوائیں گے۔ منگنی کوئی بہت زیادہ دھوم دھام سے نہیں ہو رہی تھی۔ غفران نے شہر کا ایک معروف ہال بک کروایا تھا مگر سیرانے اس ہال کی بکنگ کو کینسل کروا کر گھر کے عقب میں موجود خالی پلاٹ پر انتظام کرنے کا کہا تھا۔ ایسا اس لیے تھا کیونکہ اچانک ہی وہ شدید قسم کے فوڈ پوائزن کا شکار ہو گئی تھی۔ طبیعت زیادہ خراب تھی۔ گھر سے بیس منٹ کی مسافت پر بنے اس ہال میں اس کا جانا ناگزیر تھا۔ اور منگنی ملتوی کرنے کے حق میں وہ ہرگز نہیں تھی۔ اس لیے سب نے وہی کیا جو سیرا چاہتی تھی۔ مائیر نے اپنے مینیجر کو کہہ کر ویڈنگ پلانر کو ہائیر کیا تھا۔ غفران اور وہ بزنس کے کاموں میں مصروف ہوتے تھے۔ جس کا یہ کام تھا وہ بیمار تھی اس لیے اس کے مینیجر نے ہی یہ ذمہ داری اٹھائی تھی۔ بتول نے ٹیب پر کچھ آئیڈیاز سلیکٹ کر کے

اسے سینڈ کر دیے تھے۔ اس نے ڈیکوریٹر سے بات کر کے ان میں سے ایک ڈن کر لیا تھا۔ تیاری شروع کر دی گئی تھی۔ پلاٹ سج گیا تھا۔

وہ سب جب گھر کے عقب میں موجود پلاٹ کی اور بڑھ رہے تھے تو انہیں وہ پلاٹ کم ایک فائیو اسٹار میرج ہال زیادہ لگ رہا تھا۔ اینٹرنس زبردست قسم کی تھی۔ سفید اور سنہری پھولوں کے دروازے سے بہت پہلے زمین پر سنہری فلور مرر نصب کیا گیا تھا۔ پھولوں والے دروازے کے کنارے پر ڈاکٹر نوح اور ڈاکٹر رخسار کی اسکیچ والا فوٹو اسٹینڈر رکھا ہوا تھا۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس نوح نے سرسری نگاہ اس اسٹینڈ اور دروازے پر جھولتے اپنے اور اپنی ہونے والی منگیتر کا نام دیکھا پھر وہ عائشہ کو گود میں لیے سنہری جالی دار دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے عقب میں باقی گھر والے بھی تھے۔ اندر کی تو دنیا ہی نرالی تھی۔ سفید پھولوں کی چھت، جگمگاتے فانوس، مرر فلور اور چند ایک ٹیبلز جن پر مہمانوں کے نام کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ ہال کے ایک دیوار پر شیشہ لگا کر اس کے عقب میں مصنوعی بارش کی ہوئی تھی۔ اس بارش میں بھی فیری لائٹس آن تھی۔ جبکہ دوسری دیوار پر اول شیپ کے بڑے بڑے فریمز پر شیشے نصب کیے گئے تھے البتہ اسٹیج پر سامنے ایک سفید رنگ کا صوفہ رکھا گیا تھا اور اس کے دائیں بائیں سنگل سیٹر رکھے گئے تھے۔ صوفوں پر گولڈن چادریں آدھی آدھی ڈلی تھیں۔ میز پیور شیشے کی تھی جس کی ٹانگوں پر سنہری لکڑی سے

کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ میز پر کچھ میٹھائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ صوفے کے عقب میں بھی بارش برساتی دیوار تھی جب کے سر پر پھولوں کی اوٹ میں سے فانوس جھلک رہا تھا۔

"میرا ولیمہ نہیں منگنی ہے آج۔" نوح نے اتنے اہتمام کو دیکھ کر قدرے جل کر کہا تھا۔ مائیر نے اس کے شانے سے شانہ مس کیا۔

"کہہ تو بارات کروادوں۔" نوح کی سخت گھوری تھی اور مائیر کے کھڑے ہاتھ۔ وہ اس وقت سیاہ رنگ کے اٹالین سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے جوتے، گھڑی اور سلیقے سے جمے بال اس کے وقار میں بے پناہ اضافہ کر رہے تھے۔ وہ صوفے پر جانے کے بجائے اپنے چند ایک کلیگ سے ملنے چلا گیا تھا۔ منگنی میں بہت کم اور قریبی لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ نوح جبران کون تھا۔ اس کی ولدیت کیا تھی۔ اس کا جبران سے کیا تعلق تھا اب یہ باتیں پرانی ہو چکی تھیں۔ وہ اپنی ایک پہچان بنا چکا تھا۔ وہ اپنی ایک اٹھان اٹھا چکا تھا تبھی تو رخسار کے گھر والوں نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ نوح انہیں بتانا چاہتا تھا مگر موقع نہیں ملا نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی سوال کیا تھا۔ وہ اتنے اعلیٰ مقام پر تھا کہ اب کوئی اس سے سوال بھی نہیں کرتا تھا۔ یوں بھی جبران کا نام لگنے پر سب خود ہی سمجھ جاتے تھے کہ وہ جبران کا بیٹا ہے۔ وہ اس ہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ بھی رکھتا ہو تو اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت جس مقام پر تھا وہاں اس کی ولدیت نہیں اس کی کامیابی دیکھی جاتی تھی۔

اس نے رخسار کو دیکھا۔ وہ ہلکے آسمانی رنگ کی کامدار ساڑھی میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے۔ کانوں میں اور گلے میں سلور رنگ کی نازک سی جیولری تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے گولڈ کا ہینڈ کف پہنا ہوا تھا اور دوسرے میں ریسٹ واچ وہ اپنی ماں کے ہمراہ مسکراتے ہوئے چل کر اس تک آئی تھی۔ نوح نے اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکان پاس کی۔

"ہینڈسم لگ رہے ہو۔" وہ اس کے پاس کھڑے ہو کر کہہ رہی تھی۔ نوح جبران اسے اتنی آسانی سے مل جائے گا اس نے سوچا نہیں تھا۔ وہ اس وقت خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔ نوح نے نامحسوس انداز میں اپنی ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کیا۔ دل میں عجیب سی بے چینی شروع ہو گئی تھی۔ وہ جو ابھی بہت نارمل تھا اچانک سے گھبراہٹ میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے دماغ میں اچانک اسی پل وہ آئی تھی۔ وہ روتی ہوئی دو آنکھیں، وہ جگنوؤں سی باتیں، وہ مسکراتے لب، وہ الوداع میں ہلتا ہاتھ۔ اس نے سر کو زور سے جھٹکا۔ نہیں وہ بھٹک نہیں سکتا تھا۔ اسے ثابت قدم رہنا تھا۔ اسے خیانت نہیں کرنی تھی۔ وہ رخسار کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہلکے میک اپ سے سجا مسرتوں سے کھلا حسین چہرہ۔ اچانک بے حد اچانک اس چہرے میں کسی اور کا چہرہ آن سمایا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ریٹنا پر رخسار کی جگہ وہ ثبت ہوئی تھی۔ بھوری آنکھوں میں سیاہی گھل گئی۔ وہ ہیپناٹائز ہو رہا تھا۔ اس نے خود پر بند باندھ لیا۔ اس نے خود کو ڈوبنے نہیں دیا۔ نوح نے پھر سے سر کو جھٹکا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ یہ اسے کیا ہو رہا تھا۔ کیوں ہو رہا تھا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے غفران

کی تلاش میں نظریں گھمائیں۔ وہ دور سے ہی اسے دیکھ کر اس کی کیفیت جان کر اس تک آ گئے تھے۔

"اسلام علیکم، ماشاء اللہ میر ابیٹا کتنا پیارا لگ رہا ہے۔" گرمجوشی سے سلام کرنے کے بعد انہوں نے فوراً سے رخسار کی تعریف کر دی تھی۔ رخسار کی ممانے دلی خوشی سے جواب دیا۔

"پیاری کیوں نہ لگے اتنے دل سے اور اتنی دیر سے جو تیار ہوئی ہے۔" رخسار کے بابا اور غفران نے ایک ساتھ قہقہ لگایا تھا۔ وہ خجل پنے سے بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑسا رہی تھی۔

"بس اللہ ان دونوں بچوں کو خوش رکھے۔" رخسار کے والدین نے دل سے آمین کہا تھا۔ وہ نوح کو اپنے ہالے میں لیے تھوڑے آگے ہوئے۔ گھیراؤ میں پدرانہ شفقت گھلی تھی۔ احساس حامل تھا۔

"میں سمجھتا ہوں پہلے منگنی کی رسم کر لیں پھر سب سے ملاقات کر لیں گے۔" غفران کی بات کو رخسار کے والدین نے عزت بخشی تھی۔ وہ ان دونوں کا ہاتھ تھام رہے تھے۔ نوح کا ہاتھ تھامتے ہی انہوں نے الجھن سے اسے دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ سرد تھا کچھ زیادہ سرد۔ انہوں نے مان بھرے انداز میں اسے دبوچ لیا۔

"سب ٹھیک ہے۔" وہ ہولے سے کہہ رہے تھے۔ نوح نے گہرا سانس بھرا پھر نچلہ لب تر کر کے وہ سر ہلاتا ہوا ان کے ساتھ اسٹیج پر گیا تھا۔ غفران ان دونوں کو لیے اسٹیج پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں

نے تنزیلہ کو وہاں آنے کو کہا تھا۔ تنزیلہ اور جبران دونوں وہاں آئے تھے۔اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ سیر ابھی وہاں تھی۔ مگر وہ نہیں آئی تھی جسے خاص وہ خود بلانے گیا تھا۔اس کا سر جھکا تھا۔ ٹھہری چمکتی آنکھوں میں کل کے مناظر گھوم گئے۔تب جب وہ رخسار سے ملنے کا کہہ کر رامیہ کے ہاں چلا آیا تھا۔وہ رخسار کا شکریہ ادا کرے گا مگر پھر کبھی ابھی اسے اپنی بہن کو اپنی خوشی میں مدعو کرنا تھا۔وہ اس کے سامنے تھا۔

"میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے یہاں مت آیا کرو۔" درشت لہجہ، تنی ہوئی ابرو، سینے پر بندھے ہاتھ۔

"میری بہن کا گھر ہے میں آسکتا ہوں۔" رامیہ نے ہونہہ کر کے حقارت سے منہ پھیر لیا۔ دروازے کی آڑ میں چھپی سامیہ سب سن و دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہاری بہن نہیں ہوں۔ ہزار بار یہ بات دہرا چکی ہوں پھر سے کہہ رہی ہوں آئندہ مجھ پر حق جتانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میں سب بھول جاؤں گی۔" نوح صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔وہ کتنا دراز تھا۔کتنا شائستہ اور ٹوٹا سا۔

"یہی تو میں چاہتا ہوں آپ سب بھول جائیں اور ایک نئی شروعات کریں۔ جس میں سب کے حصے میں خوشیاں آئیں۔ آسودگی ہی آسودگی۔" رامیہ نے آنکھیں بند کر کے ضبط بھرا سانس کھینچا تھا۔

اس کے ایک دوجے میں لپٹے ہاتھوں کی مٹھیاں بن چکی تھیں۔اس نے ابھی رخ موڑا ہی تھا کہ نوح نے اس کی حلق سے آواز کھینچ لی۔وہ ایک لفظ نہیں بول سکی تھی۔

"صغراں کو مت بلائیں آپ، میں اس کے آنے پر نہیں جاؤں گا۔فکر نہیں کریں زیادہ دیر بھی نہیں ٹھہرنے والا بس چاہتا ہوں آپ میرے فنکشن میں آئیں۔"ننھی سامیہ کو وہاں آتی صغراں نے فوراً سے ہاتھ تھام کر پرے کیا تھا۔وہ بوڑھی تھی اور ان کی بچپن سے ملازمہ تھی۔طور اطوار اس کو اچھے سے معلوم تھے۔اس لیے اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"بری بات بچے، ایسے چھپ کر باتیں نہیں سنتے۔"اس کے بازو پکڑنے پر جہاں سامیہ لرز پڑی تھی وہیں اس کے سمجھانے پر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔اندر کیا ہو رہا تھا۔اب اس کو معلوم نہیں تھا۔

"جس دن بربادی کی دعوت دوگے اس دن ضرور آؤں گی ابھی کیلئے معذرت۔"چبانے والے انداز میں کہا گیا۔نوح کے لبوں پر مجروح سی مسکان دوڑ اٹھی۔اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے۔الفاظ اس کے لبوں سے پھوٹ رہے تھے۔

"پھر سمجھو یہ میری بربادی ہی ہے۔آجانا۔میں چاہوں گا میری تباہی کی پہلی چشم دید گواہ آپ ہی ہو۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ اپنے پیچھے ڈھیروں سوال لیے وہ وہاں سے چل آیا تھا اور اب یہاں اس کا منتظر تھا جو آئی تھی اور نہ ہی اسے آنا تھا۔ وہ یکدم اپنے نام کی پکار پر چونکا تھا۔ چاچو اسے بلا رہے تھے۔ سب لوگوں میں اس کی اور رخسار کی منگنی کی اناؤنسمنٹ ہو چکی تھی۔ تالیاں بھی بج گئی تھیں اور انگوٹھیاں بھی منگوالی گئی تھیں۔ وہ غائب دماغی سے اپنے ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی کی ڈبیا کو دیکھ رہا تھا جو چاچو نے اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔ اس نے وہ کیس کھولا۔ کیس کے اوپر والے حصے کے کھلتے ہی اس میں سے ایک باریک ٹارچ سی لائیٹ جگر جگر کرتی انگوٹھی پر پڑی تھی۔ ایک انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی اور ایک انگوٹھی گلے میں موجود چین میں جھول رہی تھی۔

"میرے دل کے کسی گوشے میں آج بھی تم زندہ ہو فلک، میں تمہاری جگہ تو کسی کو نہیں دے سکتا لیکن ہاں میں آگے بڑھ رہا ہوں کبھی نہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کیلئے۔ میں نوح جبران آج مکمل طور پر خود کو کسی اور کو سونپ رہا ہوں۔ ہماری کہانی کا اختتام یونہی ہونا تھا۔ ہماری کہانی اسی طرح لکھی تھی۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ گہرا سانس بھرا پھر مسکراتی ہوئی رخسار کے ہاتھ میں اس کو پہنا دیا۔ جس طرح نوح کے انگوٹھی پہنانے کے دوران تالیاں بجی تھیں اسی طرح رخسار کے بھی انگوٹھی پہنانے کے بعد تالیوں کی گونج فضا میں اٹھ گئی تھی۔ مبارک بادیں وصول ہوئیں۔

مٹھائیاں کھلائی گئیں۔ پانچ چھ کیمرہ مین ان کی تصاویر اتارنے آگئے تھے۔ کچھ کو سیرانے بلایا تھا۔ کچھ کو لڑکی والوں نے اور کچھ انتظامیہ کی جانب سے تھے۔ فلیش لائیٹس کی روشنیوں میں اچانک

سے اسے ایک مانوس سی آواز سنائی دی تھی۔ وہ جو مائیر کے خود کو بغل میں گھسانے پر دل سے مسکرا رہا تھا یکدم تھم گیا۔ دل رک گیا۔

"اس اینگل سے بناؤ۔" آنکھیں ساکت ہوئیں اور سانس وہ بس اوپر آئی اور پھر نیچے نہیں گئی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس آواز کو وہ لاکھوں لوگوں کے مجمع بھی پہچان سکتا تھا۔ یہ آواز اس کی روح میں گھلی تھی کیسے نظر انداز کر دیتا بھلا۔

"تم جا کر بوفے کو دیکھو کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔" ہاں یہ اسی کی آواز تھی۔ ہاں یہ وہی تھی۔ نوح کی سماعت میں تکلیف ہونے لگی۔ آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ ہنستے مسکراتے لوگوں میں فقط وہی تھا جو بت بن گیا تھا۔

"اس لائیٹ کو دیکھو وہ آف کیوں ہو گئی ہے۔ جلدی، ہری اپ۔" نوح نے زور لگا کر لوہا بنی اپنی گردن کو جھٹکے سے موڑا تھا۔ متلاشی نگاہیں اطراف میں گھومنے لگیں۔ سب سلو موشن سا لگ رہا تھا۔ بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں ایکدم سرد۔

"پانچ منٹ، پانچ منٹ بعد کھانا اوپن کرنا ہے۔" لوگوں کے ہجوم سے تھوڑا پرے وہاں جہاں فلیش لائیٹس نہیں پڑ رہی تھیں وہ اس لڑکی کی پشت دیکھ سکتا تھا۔ لمبے بالوں کی ٹیل پونی، گردن میں جھولتی نیلے رنگ کی پٹی کارڈ اور ایک کان میں لگا ائیر بڈ۔

کوئی نوح سے کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے بازو پر نرم ہاتھوں نے جگہ بنائی۔شاید شاید رخسار اس کی کہنی تھام کر اس کے ساتھ پوز بنوا رہی تھی۔اسے پرواہ نہیں تھی۔اس کا دل،اس کی سانس اس کی پلک کب کی رکی تھی۔وہ لڑکی جس کی عقب تھی اس کا پہلے سائیڈ پوز ابھرا۔

"ریٹرن گفٹ پر خاص نظر رکھنی ہے۔ہر ایک کو لازماً ملنا چاہیے۔"

بات کرتے کرتے وہ یکدم مڑی تھی۔نوح اسے پورا دیکھ سکتا تھا۔بہت واضح اور سامنے سے۔ دونوں کی نظر ملی تھی۔رات اور خزاں آلود شام کا ٹکراؤ ہوا۔سیاہ آنکھوں سے بھوری آنکھیں ٹکرائی تھیں اور پھر جیسے سب فنا ہو گیا۔نوح کی تھوڑی کا نپ اٹھی۔اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ کانوں میں سیٹیاں بجنے لگیں اتنی زیادہ کہ آس پاس کی تمام آوازیں پس پشت چلی گئیں باقی رہا تو دل کا شور جو اتنا زیادہ تھا۔اتنا زیادہ تھا کہ معلوم ہوتا تھا وہاں موجود ہر شخص کی سماعت اس سے واقف ہو گئی ہے۔وہاں موجود ہر شخص کیوں بلکہ تمام دنیا ہی اس کی دل کی دھڑکن سننے لگی ہے۔اس پر ہنسنے لگی ہے۔سیاہ آنکھوں نے بہت آرام کے ساتھ بھوری آنکھوں سے خود کو آزاد کرایا تھا۔جیسے نا آشنا ہو۔معلوم ہی نہ ہو سامنے کھڑا شخص کون ہے۔کیا ہے۔ایک انچ کا تاثر بھی نہیں ابھرا تھا ان آنکھوں میں۔وہ آنکھیں جن کا کبھی وہ بری طرح اسیر رہ چکا تھا۔وہ کہکشاں سی سیاہ آنکھیں۔دل آویز،حیسن آنکھیں۔

وہ وہی تھی اس کی فلک، فلک سفیر، اس کی محبت، اس کی متاع۔ اس نے پرواہ نہیں کی بالکل نہیں۔ رخسار کا ہاتھ بازو سے ہٹا کر وہ ہجوم کو چیرتا ہوا اسٹیج سے نیچے اترا۔ کون اسے کیا کہہ رہا ہے اسے پرواہ نہیں تھی راتی برابر بھی نہیں تھی وہ تو بس بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا جو بہت توجہ کے ساتھ کان میں لگی بلوٹھ کے ذریعے سب کو ہدایت دے رہی تھی۔ نوح لوگوں کو دھکیلتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی مائیر بھی وہاں آیا تھا۔

"فلک۔"

صرف لب ہلے تھے آواز نہیں نکلی۔ اس لڑکی نے ان دونوں کو نہیں دیکھا۔ ہاتھ میں آئی پیڈ تھامے وہ دوسری جانب چلی گئی تھی۔ وہ بہت مصروف معلوم ہو رہی تھی۔ مائیر نے نوح کو ہلکا سا جھنجھوڑا۔

"ابھی چلو نوح، یہ موقع نہیں ہے۔" اس نے دوبارہ جھنجھوڑا۔ اس بار نوح ہوش میں آیا تھا۔ اسے اب احساس ہوا تھا وہ کیا کر چکا ہے۔ سب کی گردنیں اسی کی جانب مڑی تھیں۔ ہر کوئی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ڈبڈبائی چمکتی ہوئی سوالیہ نگاہوں سے مائیر کو دیکھا تھا۔ مائیر اس کی آنکھوں کے تاثر کو دیکھ کر بری طرح ٹھٹھک گیا۔ یہ تو وہی تاثر تھا جو آج سے چھ سال قبل تھا۔ کیا اس نے

موو آن نہیں کیا تھا۔ کیا وہ وہیں کا وہیں تھا۔ کیا وہ واقعی گیم کھیل رہا تھا۔ کیا وہ سب واقعی ایک ناٹک تھا۔ اس نے سنا جو نوح کی چھ سال قبل والی آواز میں کہا گیا۔

"وہ، فلک۔۔۔ فلک ہے نا؟" اس کی آنکھیں اف اس کی آنکھیں۔ مائیر نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔ نوح نے لب کاٹے تھے۔

"نوح ابھی نہیں پلیز، ابھی نہیں بعد میں۔" مائیر کی التجا تھی اور نوح کا خود پر سے چھوٹتا کنٹرول۔ وہ کپکپاتے ہوئے لبوں کو بری طرح کاٹتا اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ مجھے یہاں سے جانا ہے۔" مائیر نے اثبات میں سر ہلایا پھر پھرتی سے اسٹیج پر جا کر رخسار اور چاچو کو اس کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ وہ دونوں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگے تھے۔

"کوئی بات نہیں اگر ان کی طبیعت خراب ہے تو آپ گھر لے جائیں انہیں، اگر میری ضرورت ہو تو بتانا۔" وہ بہت پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ مائیر کے چہرے پر شرمندگی کے اثرات پھیل گئے۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا اکثر یونہی بی پی لو ہو جاتا ہے۔ گھبراہٹ ہوتی ہے تو وہ ہجوم سے فرار چاہتا ہے۔ اس لیے پلیز آپ سنبھال لینا۔"

غفران آنا چاہتے تھے مگر ان کا یہاں رہنا بے حد ضروری تھا۔مائیر اسے گھر لے آیا تھا۔نوح نے آتے ساتھ ہی بلیزر اتار کر پھینک دیا۔اسٹڈ پھینک کر اس نے بازو کہنی تک چڑھائے اور ٹائی اتنی ڈھیلی کر دی کہ وہ بس لٹکی ہی رہ گئی۔بار بار مٹھیوں کو بند کھول کر کے وہ چوتھا گلاس پانی کا پی رہا تھا۔اسے پسینے آرہے تھے۔اس کا چہرہ بری طرح سرخ تھا۔ماتھے پر بے تحاشہ بل تھے۔لب بھینچے ہوئے اور تھوڑی ہلتی ہوئی۔ناک سے آواز کے ساتھ لرزتے ہوئے سانس لے کر وہ پلکوں کو بار بار شدت سے جھپک رہا تھا۔مائیر چپ چاپ کونے پر کھڑا اسے دیکھے جا رہا تھا۔پانچ منٹ میں وہ پچاسواں چکر کاٹ رہا تھا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے۔"بلا آخر مائیر کا انتظار ختم ہوا اور نوح کے لب دانتوں کی قید سے آزاد ہوئے۔آنسو روکنے کی سعی میں اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر گئی تھیں اور حلق وہ تو ہو ہی دردناک گیا تھا۔

"کچھ روز۔"نوح نے اونچی آواز میں اس کی بات قطع کی۔

"ابھی۔"شہادت کی انگلی کو دوبار زمین کی اور مارا۔اس کی آواز پورے گھر میں گونج گئی۔"ابھی اور یہاں۔۔۔۔پلیز مائیر۔۔۔۔۔۔۔اسے بلا کر لاؤ۔"مائیر نے چند لمحوں کا توقف لیا پھر کلائی موڑ کر وقت دیکھا اس کے بعد وہ فون نکال کر باہر گیا تھا۔پانچ منٹ بعد وہ اس کے ساتھ وہاں آیا تھا۔وہ

کام کر رہی تھی۔ وہ مصروف تھی۔ مائیر کے سنجیدہ آرڈر پر اسے یہاں آنا پڑا کیونکہ آج کے کام کی ساری ذمہ داری اس کے سپرد تھی اس لیے اسے یہاں آکر ہی دینا پڑا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہاں اسے ملاقات کیلئے بلایا گیا ہے۔ دروازے کی چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی اسے لٹکی ہوئی ٹائی والا انسان نظر آیا۔ جس کے دونوں ہاتھ باہم پیوست ہو کر گھٹنوں پر جمے تھے۔ سر جھکا تھا۔ سفید شرٹ میں کچھ شکنیں پڑ گئی تھیں۔ اس کی دائیں ٹانگ بری طرح سے ہل رہی تھی۔ فلک نے ایک طائرانہ نگاہ عالیشان سے کمرے پر ڈال مگر وہ اندر نہیں گئی وہیں مائیر سے دو بازو کے فاصلے پر کھڑی رہی۔

"نوح جبران، لانگ ٹائم۔" نوح نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں اٹھائیں۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اب بھی اس کی مسکان ویسی ہی تھی۔ مکھوٹے میں چھپی ہوئی خوشگوار سی، نوح نے بھی تو اس سے ہی اس طرح کی مسکان سجانا سیکھا تھا مگر آج وہ مسکان کہاں گئی۔ آج وہ چہرہ کہاں گیا جو سب گزشتہ ساڑھے پانچ سالوں سے دیکھ رہے تھے۔

"فلک سفیر۔" آواز کا ٹھہراؤ، سنجیدہ پن اور ویرانی دیکھنے کے لائق تھی۔ وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی ستی ہوئی آنکھیں، روہانسیت سے پر چہرہ کوئی اور ہی داستان سنا رہا تھا۔ فلک کی مسکان نہیں سمٹی وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔ "گویا تم اب ویڈنگ پلانر ہو۔" نوح کی آنکھوں کے کنارے سرخ تھے۔ چہرہ تمازت سے پر تھا۔ مائیر نے ہولے سے دروازے سے ٹیک لگائی۔ یہ گفتگو کس رخ جا

رہی تھی وہ تو کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا۔ منظر الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ اس کی بکھری سوچ ان کی آوازوں سے سمٹی۔

"ہاں بالکل، تمہیں اچھی لگی اپنی منگنی کی ارینجمنٹس۔" وہ پیرٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے قدم قدم چلتا اس کے پاس آیا۔ وہ پہلے سے زیادہ دراز، زیادہ چوڑا اور زیادہ جاذب نظر ہو گیا تھا۔ نوح نے نامحسوس انداز میں گہری سانس لی پھر سائیڈ مسکان لبوں پر سجا گیا۔

"اچھی۔۔۔ بہت اچھی لگی۔ میں چاہوں گا میری شادی کی تمام تقریبات بھی تم ہی دیکھو۔ اگلے ہفتے شادی ہے نا میری۔" مائیر نے بوکھلاتے ہوئے ٹیک چھوڑی تھی۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے اچانک گھبرا کر باہر کی سمت دیکھا۔ فلک کی آواز نے ایک باہر پھر اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔

"بالکل، میں کر دوں گی تم مجھ سے اپنے آئیڈیاز شئیر کر دینا۔" وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ جس کے بال بکھرے سے تھے۔ گلے میں ٹائی بہت ڈھیلی ہو کر جھول رہی تھی۔ ہاں اسی کی آنکھوں میں کسی نے کانچ توڑ کر بھر دیے۔ ستا چہرہ مزید ست گیا۔ آنکھوں کے کناروں پر اسے نمی ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً سے پلک جھپک کر سر جھکایا اور مسکرا دیا۔ ٹوٹی بکھری، مسکراہٹ۔ روتی کرلاتی مسکراہٹ۔ زخمی بلبلاتی ہوئی مسکراہٹ۔ درد سے چور مسکراہٹ۔

"ٹھیک ہے۔"ضبط کیا۔ سر اٹھایا۔"کل اس سلسلے میں مجھ سے میٹنگ کرنا۔یو مے لیو ناؤ۔"فلک نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کے کان میں کسی کی آواز آئی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر بلوٹھ کا بٹن پش کیا۔وہ بات سنتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔مائیر سوالیہ نظریں نوح پر جمائے ہوئے تھا۔فلک کے جانے کے بعد وہ جیبوں میں ہی ہاتھ اڑسائے دروازے کی سمت آیا۔

"یہ ابھی کیا کہا ہے اس۔"مائیر کی بات درمیان میں ہی رہ گئی وجہ نوح کا منہ پر دروازہ بند کرنا تھا۔وہ ہکابکا سا وہاں کھڑا رہ گیا۔

"مجھ پر غصہ کیوں نکالا، کیا میں ہی بلی کا بکرا ہوں۔"وہ دروازے کو پیٹنا چاہتا تھا مگر نہیں پیٹا کیوں کہ وہ جانتا تھا اندر بیٹھے انسان کی حالت کیا ہو گی۔نوح دروازے سے ہی ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ساکن آنکھیں انجانے نقطے پر جم گئیں۔چھ سال پہلے کے مناظر آنکھوں کے سامنے منڈلانے لگے۔ آوازیں کانوں میں سنائی دینے لگیں۔اس نے مٹھیوں میں بال جکڑ کر سر جھکا لیا۔چھ سال بڑے احترام کے ساتھ اس کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔

رات بیت رہی تھی پرت در پرت۔

داستاں سنائی جا رہی تھی سال در سال۔

باہر بادل گرج رہے تھے۔ درختوں پر لگے پتوں کا شور خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔ آسمان پر بجلی وقفے وقفے سے کڑک رہی تھی۔ بادلوں کی گونج سماعت پھاڑنے کیلئے کافی تھی۔ ایسے میں پارکنگ لاٹ میں گاڑی روکنے کی بجائے کوئی وہیں اسٹیشن کے باہر ہی گاڑی کو چلتا چھوڑ اندر کی جانب دوڑ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ڈر تھا۔ دہشت کی پرچھائیاں تھیں۔ کسی کے گم جانے کا غم تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"مجھے لوگ جلدی بھول جاتے ہیں لیکن میں انہیں لمبے عرصے تک یاد رکھتی ہوں۔ شاید میں کسی کی زندگی میں اہم نہیں ہوں اور یہ بہت بڑا دکھ ہے۔"

وہ بھاگ رہا تھا۔ دیوانہ وار۔ ایسے میں وہ کتنوں سے ٹکرا رہا تھا۔ کتنوں سے گالیاں کھا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اس کی رگوں کا خون جم جائے گا۔ وہ مر جائے گا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں تھا۔

"اس لیے میں نے اپنے دل اور دماغ کے دروازے بند کر کے ان پر تالا لگا دیا ہے تاکہ میں کسی کے ساتھ لگاؤ نہ رکھ سکوں اور تکلیف نہ اٹھا سکوں۔"

بھاگتے بھاگتے اچانک اس کا پاؤں رپٹ گیا۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا تھا۔ اس کی تھوڑی پھٹ گئی اس میں خون رسنے لگا تھا۔ خون کی باریک سی لکیر اس گردن پر بہنے لگی۔

"اب لوگ مجھے زندگی سے نہیں نکالتے بلکہ میں خود خاموشی سے ان سے دور چلی جاتی ہوں تاکہ میں بھی غم سے بچی رہوں اور انہیں بھی کنارہ کشی کی زحمت نہ کرنی پڑے۔"

وہ ٹرین والے سکیشن میں آگیا تھا۔ تین ٹرین روانگی کے انتظار میں قطار میں کھڑی تھیں۔ وہ ہر ٹرین کے اندر جاجا کر دیکھ رہا تھا۔ ہر بوگی خالی تھی ہر حصہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا مگر اس کیلئے ویران۔ بس آخری ٹرین، ایک اور ٹرین۔

"یہ ہیلدی لائف جینے کا سب سے بہترین رول ہے۔ کبھی آزمانا تم۔"

وہ اس آخری ٹرین کے پاس آگیا تھا مگر اس میں جا نہیں سکا کیونکہ اس کے دروازے لاک کر دیے گئے تھے۔ ٹرین کو چلا دیا گیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔

"مجھے ایسا کوئی رول نہیں اپنانا اور خبردار اگر تم نے ہماری زندگی سے جانے کی کوشش بھی کی تو، اپنے دماغ میں فضول میں کچھ مت پال لینا۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا دنیا تمہیں نظر انداز کر سکتی ہے۔ دنیا تمہیں بھول سکتی ہے لیکن نوح جبران نہیں۔"

وہ باہر سے جھانکتے ہوئے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کو تلاش رہا تھا۔ اس کی تھوڑی سے نکلتا خون رک کر جم گیا تھا۔ اسے میں درد ہونے لگ گیا تھا۔ اسے پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو اس دل کی جو بس بند ہونے کا منتظر تھا۔ اپنی متلاشی آنکھوں کی جو بینائی کھونے کو تھیں۔ اپنے وجود کی جو بس ابھی ساتھ چھوڑنے والا تھا۔ وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اسے نہیں مل رہی تھی۔ تلاش اگر کامل ہو اور دل میں صدق تو کھوئے ہوئے بھی مل جاتے ہیں۔ آنکھ سے اوجھل بھی نظر آجاتے ہیں۔ وہ بھی اسے نظر آگئی تھی۔ دوسری سائیڈ پر شیشے والی کھڑکی کے سامنے ٹھس بیٹھی ہوئی۔ نوح نے اچانک بری طرح سے بے چین ہو کر شیشہ بجایا تھا۔ وہ اسے پکار رہا تھا۔ آواز دے رہا تھا۔ کھڑکی بجا رہا تھا۔ آس پاس کے لوگ اس کی دستک و پکار سے متوجہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ فلک کے ساتھ بیٹھی لڑکی بھی اسے دیکھنے لگی تھی مگر اس نے دیکھا تھا اور نہ ہی وہ اسے دیکھنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اناؤنسمنٹ ہوئی تھی۔ سست رفتار سے چلتی ٹرین نے زور کا جھٹکا کھایا۔

"فلک۔۔۔ فلک پلیز ایک بار میری بات سن لو۔ فلک دیکھو مجھے۔ فلک میں مر جاؤں گا۔ فلک۔۔۔۔۔"

وہ ٹرین کے ساتھ بھاگنے لگا تھا۔ مائیر نے اسے شدت سے پکارا تھا۔ ٹرین نے گولی کی اسپیڈ پکڑی اور لمحوں میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ وہیں گھٹنوں کے بل گر سا گیا۔ مائیر نے گھبرا کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کا نام پکار رہا تھا۔ وہ

بری طرح دھاڑ رہا تھا۔ مائیر کے پیچھے پولیس بھی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا اسے کیا ہوا۔ وہ نہیں جانتا تھا اسے کیا ہو رہا ہے۔ اس کا خود پر اختیار کھو رہا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ یوں تو نہیں تھا۔ اس نے زندگی کے بہت سے مشکل فیز دیکھے تھے۔ ماں باپ سے محرومی، ٹھکرائے جانے کا احساس، بے نام و نشان زندگی، تنہائی وہ کبھی اتنا نہیں گھبرایا یوں خود کو ظاہر نہیں کیا۔ جب انتہا ہوئی تو جان لینے کی ٹھان لی مگر یوں پوری دنیا کے سامنے وہ کبھی نہیں ٹوٹتا تھا۔ اس طرح وہ کبھی نہیں ہارا تھا۔ یہ ہفتے کا دن یہ فروری کی بیس تاریخ اس کی زندگی کی سب سے سیاہ ترین تاریخ تھی۔ اس کی زندگی کا بے حد تاریک ترین باب۔

"انہوں نے دو جگہ سگنل توڑے۔ ہائی وے پر ضرورت سے زیادہ اسپیڈ کا استعمال کیا۔ انہیں بار بار وارن کیا گیا لیکن انہوں نے نہیں سنی آخر میں حد کر دی چلتی گاڑی پبلک پلیس میں چھوڑ کر چلے گئے۔ ان پر فرد جرم عائد ہوتا ہے۔ انہیں بھاری جرمانہ بھرنا پڑے گا۔" فائل کو میز پر رکھنے والا غفران کا دوست تھا۔ مائیر نے کن انکھیوں سے ایک بار دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد بالکل سن بیٹھے شخص کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ لب ایسے جامد جیسے کبھی نہیں بولے گا۔ سانس بہت ٹھہرا ہوا متوازن تھا۔ مائیر نے فائل اٹھائی۔ جرمانے کی رقم دیکھی۔ چلان بھرا اور جرمانہ ادا کر کے اسے لیتا وہاں سے باہر آ گیا۔ اس نے گھر میں کسی کو کال نہیں کی تھی۔ وہ ابھی فی الحال کسی کو

بھی اس معاملے میں انوالو نہیں کرنا چاہتا تھا۔مائیر نے اس کیلئے دروازہ کھولا۔نوح بلا حیل و حجت گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"تمہیں اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔"گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے شکوہ کیا مگر دوسری جانب خاموشی تھی۔

"اگر اعتماد میں لیتے تو بہتر حل نکل سکتا تھا۔"گھور خاموشی۔

"فی الوقت میں یہیں کہوں گا اپنے اندر کے طوفان کو دباؤ نہیں جو بھی محسوس کر رہے ہو اگل دو اس سے پہلے کوئی نقصان ہو جائے۔تم میرے کزن سے زیادہ بھائی ہو۔مجھ سے کچھ بھی شئیر کر سکتے ہو۔تم سن رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔"وہ اسے دیکھتا مخاطب تھا۔بار بار اس کو ونڈو اسکرین پر بھی نظر گھمانی پڑ رہی تھی اوپر سے اس کے جامد لب،خطرناک آنکھیں اور بند کتاب سا چہرہ۔مائیر کو یکدم سے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"نوح،پلیز۔"

اس نے اپنا ہاتھ نوح کے ہاتھ پر رکھا تھا مگر یہ کیا ہوا۔اسے اتنا شدید جھٹکا کیوں لگا۔وہ متحیر انداز میں اسے دیکھنے لگا تھا۔اس کا بدن جھلس رہا تھا۔اتنا تیز بخار،ابھی کچھ دیر قبل تو وہ بالکل ٹھیک تھا تو پھر اچانک سے یہ کیا۔نہیں اچانک سے نہیں،بخار اچانک سے نہیں ہوا۔اس کے اندر کا ابال تھا جو

اس کو جھلسا رہا تھا۔ جلا رہا تھا۔ مائیر نے گاڑی کی اسپیڈ تیز کی۔ پورچ میں کار کے رکتے ہی نوح اپنی سیٹ بیلٹ کھول کر اترا۔ دروازے کے کنارے رکھے باکس کی جانب وہ جارحیت سے بڑھ رہا تھا۔ باکس اٹھا کر اس نے جو بیل پر انگلی رکھی تو پھر ہٹائی نہیں۔ مائیر کو جس چیز کا خدشہ تھا وہی ہو رہا تھا۔ وہ خراماں خراماں چلتا اس کے پاس آ رہا تھا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سیرا نے حواس باختگی کے عالم میں دروازہ وا کیا تھا۔ نوح کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹھک گئی تھی۔ ضرور کچھ ہوا ہے۔ وہ جان گئی۔ نوح اندر جا رہا تھا۔ سیرا اس کے پیچھے لپکی۔ نوح نے اندر آتے ہی چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے صوفے پر بیٹھے اپنے باپ کے قدموں میں باکس پھینکا تھا۔ پھینکنے کا انداز انتہائی گستاخانہ تھا۔ اتنا زیادہ کہ لاؤنج میں پہنچتی سیرا وہیں پتھر کی ہو گئی۔ ایشل اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ غفران سے کچھ فاصلے پر بیٹھی کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ نوح کے غصے نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔ سادہ بھورا کارٹن بری طرح پھینکنے کے سبب ٹوٹ گیا تھا۔ اس میں سے نکلتی چیزیں آس پاس بکھر گئیں۔ خاص کر وہ رنگ کیس جو اس نے بہت محبت کے ساتھ فلک کو دیا تھا اور وہ سفید پھول بھی جو ابھی تازہ تھے۔

"مبارک ہو جبران صاحب، وہی ہوا جو آپ نے چاہا۔" مائیر دروازہ بند کر کے اندر آیا۔ اندر کا منظر کچھ خاص خوشگوار نہیں تھا۔ اس کی سوچ کے برعکس کچھ زیادہ ہی برا تھا۔

"برباد ہو گیا میں۔" جبران ہونق سے اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ غفران کی سمجھ سے بھی سب بالا تر تھا۔ وہ ایک دم سے بوکھلا گئے تھے۔ انہوں نے چائے کا کپ پرچ میں رکھا پھر لمحے میں نوح کے پاس پہنچے تھے۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ پور پور بکھرا ہوا۔ انہوں نے اسے پالا تھا۔ اس کے چہرے کی کیفیت کو کیسے نہ جانتے جھٹ سے بازو تھام لیا۔

"نوح میرے بچے، سب ٹھیک ہے؟" کیسی پدرانہ پکار تھی۔ کس طرح کی فکر تھی۔ نوح نے ڈبڈبائی نظریں اپنے پالنہار پر ڈالیں۔ غفران سکتے کی کیفیت میں آئے۔ ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا تھا۔

"نوح۔" اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے غفران کے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔ وہ ٹھٹھر گئے۔ یہ کیا ہو گیا۔ کیسے ہو گیا۔ یہ ان کا نوح تو نہیں۔ وہ تو ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں۔

"مر گیا نوح۔" سیدھی آنکھ سے اشک ٹپکا۔

بنجر سا اشک۔

ایک لمحے کیلئے لاؤنج میں خاموشی چھائی۔ اس کے الفاظ نے سب پر جمود طاری کر دیا تھا۔ وہ ایک نفرت بھری نگاہ اپنے پیدا کرنے والے پر ڈال کر کمرے میں چلا گیا۔ سب پتھر بنے رہے۔ کسی کے

وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ اس نے پانچ منٹ کا وقت لیا فقط پانچ منٹ کا۔ کیا ہوا تھا مائیر کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ تھا۔ کیوں ہوا تھا یہ بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ ٹھیک پانچ منٹ بعد پتھر کے مجسموں کے درمیان ایک بار پھر سے آن کھڑا ہوا۔ غفران کا دل کب سے نچڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے رد عمل سے بری طرح دلبرداشتہ تھے اور اب اسے بیگ پیک کے ساتھ دیکھ کر ہڑبڑا ہی تو گئے۔

"اپنے بھائی سے کہیے گا۔" ڈبڈبائی سی آواز، لرزتی بکھرتی ٹوٹتی آواز۔ "وہ اپنی ٹھکرائی ہوئی اولاد سے دور رہیں ورنہ۔" وہ کچھ کہتا کہتا رک گیا لیکن اس کے قدم نہیں رکے تھے۔ ایشل نے ابرو چڑھا کر سینے پر بازو باندھے۔ جبران کے چہرے پر سایہ لہرایا تھا۔ غفران تڑپتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے تھے۔

"نوح کہا جا رہے ہو تم۔" اس کا بازو تھامے وہ سگے باپ سے زیادہ محبت و بے چینی لیے اس سے دریافت کر رہے تھے۔ آنکھوں میں کھو جانے کا غم تھا۔ گرفت میں گم ہو جانے کا وہم تھا۔ وہ جانتے تھے انہیں نوح سے محبت ہے۔ انہوں نے اسے پالا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ اس کے سر پر سائے کی طرح رہے تھے۔ نوح کی کوئی بات ان سے مخفی نہیں رہی تھی۔ اس کی بخار کی راتیں، اس کے ڈپریشن کے دن، گود میں سر رکھ کر گھٹے گھٹے آنسو بہاتی آنکھیں، معصوم سا دل۔۔ وہ سب سے ہی تو واقف تھے۔ وہ اس کے دل تک اترے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا بس یہی قلق تھا۔ وہ ان کی سگی اولاد سے بھی بڑھ کر ہے یہی زعم ہے۔

"جب تک یہ یہاں ہیں میں اس گھر میں سانس بھی نہیں لے سکتا۔ مجھے مت روکیں چاچو۔" وہ ان کا ہاتھ ہٹانا چاہتا تھا۔ اس بار نہیں ہٹایا۔ غفران کی سخت گرفت نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ مائیر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے کھڑا تھا۔ معاملہ بہت پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ سیر اتر چہرے کے ساتھ کبھی نوح کو، کبھی اپنے باپ کو تو کبھی غفران کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی تو جان نکل رہی تھی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" انہوں نے اٹل لہجے میں کہا تھا۔ ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ نوح کی تھوڑی بری طرح کانپ رہی تھی۔ ایشل اس منظر سے بور ہونے لگی۔ وہ لٹے پٹے سے جبران پر ایک نگاہ ڈال کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ اس تصویر میں اس کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ فضول میں یہاں کھڑی تھی۔ اپنے رنگ وہ اس ڈپریشن زدہ پینٹنگ میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی اس لیے اب وہاں نہیں تھی۔

"چاچو۔" اس کا احتجاج پانی میں مل گیا۔ غفران اس کا ہاتھ تھامے گھر سے باہر آ گئے تھے۔ انہوں نے اسے اتنی سختی سے پکڑا ہوا تھا جیسے وہ اگر ہاتھ چھوڑ دیں گے تو تاحیات نہیں مل پائیں گے۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے پیدل ہی گھر سے باہر آ گئے تھے۔ باہر اب بارش برسنا بند ہو چکی تھی۔ ماحول کافی خنک تھا۔ وہ دونوں مختلف گلیوں و شاہراہوں سے گزرے۔ کئی سگنلز پر رکے۔ کتنے ہی زیبرا کراسنگ عبور کیے۔ کئی درختوں کے نیچے سے گزرے بلا آخر ایک شیڈ کے نیچے موجود وقفے

وقفے سے رکھے بینچز کے قریب سے گزرتے ہوئے نوح نے خود کو روک لیا۔ غفران نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی لیے تو چلے جا رہے تھے تاکہ وہ رک جائے۔ اس کی پناہ کونسی ہو گی یہی انہیں جاننا تھا۔ انہوں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ لب لرز رہے تھے۔ ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ ان میں سے دھواں کافی مقدار میں بر آمد ہو رہا تھا۔ غفران کو اس کی آنکھوں کے کناروں پر موجود سرخی نہیں بھائی۔ وہ اس کے اگلے رد عمل کیلئے تیار تھے۔

"اس نے مجھے چھوڑ دیا۔" آخر کار اس نے کہنا شروع کیا۔ گردن کی ہڈی تواتر سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ آواز بالکل نمی میں گھلی تھی۔ غفران کے ہاتھ میں قید اس کا ہاتھ کافی سرد ہو رہا تھا۔ وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

"اس نے سب کچھ جاننے کے باوجود مسٹر جبران کے کہنے پر مجھے چھوڑ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ میں۔" وہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ غفران مکمل طور پر اس کی جانب مڑے۔ انہیں اچانک بہت ہی اچانک نوح میں اپنی جوانی نظر آئی تھی۔ اپنا آپ نظر آیا تھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہی جس کا شک انہیں اور مائیر کو کب سے تھا۔ مائیر کو تو تصدیق ہو گئی تھی مگر وہ اپنی مصروفیت اور پھر جبران کی آمد کی وجہ سے نہیں کر پائے تھے۔

"میں اس پر اتنا انحصار کرنے لگا ہوں کہ اگر وہ مجھے نظر نہ آئی تو میں سانس نہیں لے پاؤں گا۔ میں نہیں جی پاؤں گا۔ وہ میری حقیقت، میری محرومی سب جانتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی میں اس کا کتنا عادی ہوں۔ میں اسے دیکھ نہ لوں بات نہ کرلوں مجھے سکون نہیں آتا۔ پھر اس نے کیسے صرف ان کے۔" گہرا سانس بھرا ایسے جیسے دم گھٹ رہا ہو اور اس کا دم گھٹ ہی تو رہا تھا۔ دل کٹ ہی تو رہا تھا۔ سب مٹ ہی تو رہا تھا۔ اس نے بہت مشکل سے جملہ مکمل کیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"ان کے کہنے پر مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے اسے بہت آوازیں دیں بابا، بہت پکارا، التجا کی منتیں کیں لیکن اس نے میری آواز نہیں سنی۔ سب نے سنا اس نے نہیں سنا۔ سب نے دیکھا اس نے نہیں دیکھا۔ وہ ایک بار تو دیکھتی بابا صرف ایک بار، دیکھ لیتی بات کر لیتی چلی جاتی میں اف تک نہیں کرتا۔ نہیں روکتا اسے مگر وہ کسی اور کہنے پر مجھے نہ چھوڑتی۔ اتنا مکمل دن دینے کے بعد یوں مجھے ادھورا نہیں چھوڑتی۔ وہ ایک بار تو مجھے سن لیتی بابا صرف ایک بار۔"

چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ وہ اونچا لمبا انسان کس طرح ٹوٹ رہا تھا۔ اس کی آہیں اطراف میں بکھرنے لگی تھیں۔ سفید دنیا سوز میں بدل گئی۔ سنہری افشاں جلتی آگ لگنے لگی۔ غفران کے دل میں ایک ایک کر کے کیلیں ٹھکنا شروع ہوئیں۔ خواہش نے پیراہن اوڑھا بھی تو کس لمحے تھا جب وہ خوش بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے دل کی تمنا تھی کہ بس ایک بار کبھی تو خود سے ہی نوح انہیں بابا کہہ کر پکارے۔ انہیں وہ لقب دے جس کیلئے

ان کے کان ترس گئے ہیں۔ پھر وہ خوشی سے نہال ہو جائیں اور ایک ایک کر کے سب کو پکڑ کر بتائیں کہ یہ جو بہت کامیاب اور ہینڈسم سا لڑکا ہے میں اس کا بابا ہوں اور وہ میری سگی اولاد۔ سب ان پر رشک کریں۔ سب انہیں مکمل باپ بیٹے کی جوڑی سمجھیں۔ وہ بھی تو انہیں فقط والد سمجھے نہ بلکہ مکمل طور پر گردانے۔ وہ ایک بار انہیں بابا کہے اور غفران اسے سینے میں بھینچ لیں۔ اس پر پڑتی ہر بری نگاہ، کالے نصیب اور محرومی کو جڑ سے نکال کر پھینک دیں۔ گلے سے لگائیں اور خوب پیار کریں۔ وہ یہ سب کر رہے تھے مگر ایک آہ سینے میں قید تھی۔ ایک خواہش چھوٹی سی پوٹلی میں بند صعوبت کے روز و شب کاٹ رہی تھی۔ آج وہ پوٹلی کھل گئی تھی۔ تمام انتظار رفع ہوا تھا لیکن خوشی کی کوئی جوت نہیں جل سکی۔ اظہار کا لمحہ مل ہی نہیں سکا۔ وہ اپنے جذبات اس پر نچھاور کر ہی نہیں سکے جن کی بدولت وہ پھر آج کے بعد انہیں مکمل طور پر بابا کہہ کر پکارتا۔ ایک کمزور لمحے میں ان کی خواہش پوری ہو کر پھر سے ادھوری ہو گئی تھی۔

"میں نے اس سے خود سے محبت تھوڑی ناکی تھی۔ میں تو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ روک رہا تھا۔ ڈپٹ رہا تھا خود کو مگر دل بار بار اسے دیکھنے کی چاہ کرتا تھا۔ اس سے ملنے کو مچلتا تھا۔ میں جانتا تھا سب مجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں جانتا تھا سب مجھے توڑ دیتے ہیں پھر بھی میں نے خود کے ساتھ ظلم کیا۔ پھر بھی میں نے۔" اس کی ہچکی، سانس، آہ بہت گہری تھی۔ "میں نے خود کو مار دیا۔ میں مر جاؤں گا بابا، میں اس کے بغیر مر جاؤں گا۔"

وہ منہ پر ہاتھ رکھے رکھے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا ہوا سجدہ الہیٰ میں ہی تو چلا گیا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے بالکل بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا دل پھٹنے کے قریب ہوا۔ روح پرواز کیلئے مچلنے لگی۔ اس کی گردن میں موجود گولے نے حلق تک درد بھر دیا تھا۔ اس کا سینہ بری طرح تنگ ہو رہا تھا۔ اسے خوشی راس نہیں تھی وہ کیسے بھول گیا تھا یہ اہم بات، اس نے کیسے نظر انداز کر دیا تھا اس کو۔

غفران والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے تھے۔ وہ اسے خود میں سمیٹ رہے تھے۔ اس کا سر زمین سے اٹھا کر شانے سے لگائے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ گئے تھے۔ نوح روتے بلکتے ہوئے ان کی سماعت میں سب کچھ انڈیل رہا تھا۔ ان کی سماعت اور سینے میں جو منتقل ہو رہا تھا وہ انہیں بری طرح بے بس کر رہا تھا۔ نوح کی ہچکیاں، آہیں، سسکیاں، آنسو گھلی آواز ان کے بدن و سماعت پر کڑی آزمائش تھی۔ وہ اس آزمائش کو سہہ رہے تھے۔ وہ سب سن رہے تھے۔

رات قطرہ قطرہ بیت رہی تھی۔ درد لمحہ لمحہ پھیل رہا تھا۔ سوز ہر رنگ اڑاتا جا رہا تھا۔ سفید دنیا کفن زدہ ہو گئی۔ سرد، سفید، بے جان۔

باہر برف گر رہی تھی۔ سفید سرد برف۔

کھڑکی کے پردے سمٹے تھے۔ کسی بچی کے بالوں کی طرح وہ کھڑکی کے اوپر والے حصے کو آدھا کور کر رہے تھے۔ وکٹورین طرز کی کھڑکی کے قریب ایک ایزی چیئر رکھی تھی جو ہولے ہولے ہل رہی تھی۔ اس کرسی پر جبران ٹھس بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کافی ٹیبل پر ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی جو سگرٹ کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ بس ایک زیرو پاور کی سنہری لائیٹ آن تھی جس کی مریل سی روشنی بامشکل ہی دیوار سے گزر کر باقی کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ روشنی فقط اتنی تھی کہ وہ دھندلی سی ایش ٹرے میں موجود بڈز کو دیکھ پا رہے تھے۔ وہ ٹکڑے جبران کو اپنے وجود کے ٹکڑے لگے۔ ان کا وجود بھی تو اسی طرح پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ جتنا سرد تھا اس سے کئی گناہ زیادہ ان کا دل سرد ہو چکا تھا۔ وہ کیا کر چکے تھے۔ انہوں نے کیا کر لیا تھا۔ ایک غلطی، ایک گناہ ان سے سرزد ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد سلسلہ ہی بن گیا۔ وہ گناہ پر گناہ کرتے چلے گئے اور ان گناہوں نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ نوح پیدا ہو گیا تھا تو کیا تھا۔ وہ کہہ سکتے تھے انہوں نے پہلے بھی نکاح کر رکھا تھا۔ دنیا کرتی ہے اس میں کوئی برائی تو نہیں۔ وہ اس کو اپنی سگی اولاد کے طور پر دنیا سے متعارف کروا سکتے تھے لیکن انہوں نے کیا، کیا اسے لاوارثوں کی طرح پھینک دیا۔ اس کی آہوں و سسکیوں پر دھیان ہی نہیں دیا۔

"صاب، بچہ بہت روتا ہے سنبھالنا بہت مشکل ہے اب، بیگم صاحبہ سے بات کرتی ہوں تو وہ جھڑک دیتی ہیں۔" انہیں دھوئیں کے مرغولے میں اپنا ماضی نظر آیا تھا۔

"دو تھپڑ لگا دیا کرو خود ہی چپ ہو جائے گا۔" ماضی کے اپنے الفاظ پر اپنی بے حسی پر انہیں کراہت آئی تھی۔

"آپ اس کو یتیم خانے داخل کروا دیں یوں معاملہ دب جائے گا۔" ان کے وکیل نے بڑی رازداری کے ساتھ ان سے کہا تھا۔

"نوکر پال رہے ہیں۔ ایک کونے میں پڑا رہتا ہے۔ مجھے اس سے کیا خطرہ اور ویسے بھی تنزیلہ کو کون سا نظر آتا ہے وہ جو میں یتیم خانے جا کر مزید جھنجھٹ پالوں۔ میں نہیں چاہتا گھر کی چار دیواری سے بات باہر نکلے۔"

انہوں نے گہری سانس بھری آزردہ سی سانس۔ کمرے میں دھواں بھر رہا تھا۔ ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"وہ آپ کی اولاد ہے بھائی لیکن نوکر سے بھی بدتر زندگی گزار رہا ہے۔ آپ اتنے بے رحم کیسے ہو سکتے ہیں۔ بس فیصلہ ہو گیا میں اس کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ آپ اسے میرے نام لکھ دیں۔"

درد رفتہ رفتہ شدت اختیار کر رہا تھا ایسے کہ بس ابھی جان نکلے۔

"میں اسے تمہیں سونپ دیتا ہوں لیکن تمہارے نام بالکل بھی نہیں لکھوں گا۔ تم بے وقوف ہو لیکن میں نہیں آخر کو کبھی تو تم شادی کرو گے ہی۔ اس کے وجود سے تمہاری میریٹل لائف ڈسٹرب ہو یہ میں ہرگز نہیں چاہ سکتا۔"

لبوں نے کش بھرنے سے انکار کیا۔ درد دائیں بازو سے ہوتے ہوئے انگلیوں تک پہنچ گیا۔

"نوح میرے لیے آہ ثابت ہوا ہے۔ کاش مجھ سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی۔"

آنکھیں ڈبڈبائیں۔ دل نے زور سے ہچکولہ لیا۔ انگلیوں میں قید سگرٹ چھوٹ کر قدموں میں آن گری۔

"وہ عام بچوں جیسا نہیں ہے بھائی۔ اس نے آج تک آپ کو بابا کہہ کر نہیں پکارا۔ وہ شاید بچپن سے ہی اپنے اور آپ کے درمیان لکیر کھینچ چکا ہے۔"

انہوں نے گہرے گہرے سانس لینے شروع کیے۔ وہ جان بوجھ کر کھانس رہے تھے۔ ایسی کھانسی جو ان کے دل میں مچلتی ہلچل کو تھما سکتی تھی۔ زیادہ کھانسنا ہارٹ اٹیک کے ریٹ کو کم کر سکتا ہے۔ انہیں یہ بات معلوم تھی۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا یہ کف سی پی آر تب کام کرتا ہے جب آپ ہسپتال کے آئی سی یو میں ہوں۔ جب مریض مانیٹر پر ہو اور ڈاکٹر آپ کے ساتھ کھڑا ہو۔ انہوں

نے اس میں وقت برباد کیا۔ ان کی جان کو خطرہ لاحق ہوا۔ کچھ دھواں بھرا تھا اور کچھ کھانسی کا اثر تھا۔ ان کی آنکھ سے پانی تواتر سے بہنے لگا۔

"آپ وہ انسان ہیں جو اولاد کے ہو سکے اور نہ ہی بیوی کے، نفرت ہے مجھے آپ سے، نفرت۔"

بھاری حقارت بھری آواز۔

ان کی گردن ڈھلک رہی تھی۔ وہ اپنی گردن کو ڈھلکنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ وہ خود کمزور نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہ تکلیف۔۔۔ آہ یہ تکلیف۔

"نفرت ہے مجھے آپ سے، نفرت۔"

بازگشت نے ان کی سماعت کے ساتھ ڈولتے ہوئے دل پر بھی ڈیرہ جمالیا۔ جبران کی ٹوٹتی بکھرتی سانسیں بدقت تمام کھینچ رہی تھیں۔ انہوں نے پاؤں مار کر میز گرا دی۔ کانچ کا گلاس ٹوٹا۔ میز کے شور نے خاموش گھر میں طوفان برپا کر دیا۔ قدموں کی آوازیں دروازے تک پہنچی تھیں۔ دوڑتے قدم اور شور انہیں سنائی دینے لگا۔ ان کی نظر بند دروازے پر تھی جانے اب آنکھ کھلے تو یہ منظر دیکھنے کو ملے بھی یا نہیں یا پھر ان کا خواب ٹوٹ جائے اور وہ حقیقت سے جا ملیں۔ ان کی نیم وا آنکھوں پر اتنا گہرا وزن آیا کہ وہ پھر کھلی رہنے کی کوشش بھی نہیں کر پائیں۔ دروازے کے کھلنے سے قبل ہی جبران نے اپنا ہوش کھو دیا تھا۔ اندھیرا چہار سو پھیل گیا۔ گھپ، تاریک اندھیرا۔

جبران کی آنکھوں سے ملتا جلتا اندھیرہ نوح کی آنکھوں میں بھی تھا۔ وہ ایک بینچ پر غفران کی گود میں سر رکھے سکڑا ہوا لیٹا تھا۔ اس نے بائیں جانب کروٹ لے رکھی تھی جس کی وجہ سے دل پر زور پڑ رہا تھا۔ عام دنوں میں تو کبھی اسے تکلیف نہیں ہوئی تھی مگر آج درد حد سے سوا ہوا تھا۔ دل بری طرح بھینچ رہا تھا۔ اس نے نظر انداز کیا۔ اب وہ ہر کچھ نظر انداز کیا کرے گا۔ اب وہ بالکل خاموش رہا کرے گا۔

"بھائی ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ اسے تسلی دے رہے تھے۔ آنکھیں کھلی تھیں ایک ہی جگہ پر ساکت، وہ غفران کی نرم انگلیوں کو بالوں میں چلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ان کے آس پاس سے مریض اور ان کے لواحقین آتے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سبزہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ بس کچھ فیری لائیٹس تھیں جو درختوں کو منور کیے ہوئے تھیں۔ ہسپتال کی سفید عمارت پر سوز سی کھڑی سینے میں کئی آہیں چھپائے ہوئے تھی۔ نوح کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔

"شکر ہے مائیر انہیں بروقت لے آیا ورنہ مسئلہ ہو جاتا۔" سوجی ہوئی آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، خاموش سا وہ۔

"سیر ابہت پریشان ہے۔ تمہاری جانب سے بھی اور اب بھائی کی وجہ سے بھی، تمہیں حوصلہ کرنا ہو گا۔"اس کی ساکت آنکھوں میں ایک بار پھر سے دھند چھائی۔اس دھند کو دھکیلنے کیلئے اس نے طویل ترین سانس خارج کیا تھا۔

"زندگی میں سب ہمیشہ نہیں رہتے کبھی نہ کبھی چلے جاتے ہیں۔کوئی آج تو کوئی کل، یہ بس ایک مسافر خانہ ہے جہاں ہر کوئی وقتی طور پر قیام کرنے آتا ہے اور پھر اچانک غائب ہو جاتا ہے۔یہی قدرت کا دستور ہے نوح، ہم اس کو چاہ کر بھی بدل نہیں سکتے۔میں مانتا ہوں دل دکھتا ہے۔بے حد دکھتا ہے۔مجھ سے بڑھ کر اس درد کو کون جان سکتا ہے بھلا لیکن سچ کہوں تو صبر میں ہی اجر ہے۔ یوں رونے سے دربدر بھٹکنے سے جگہ جگہ تلاشنے سے پریشان ہونے سے خود کو اذیت دینے سے گئے ہوئے واپس نہیں آجاتے بالکل بھی نہیں آتے۔بلکہ اس سے ہمیں اور ہمارے آس پاس کے لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہوتا ہے۔ہم خود بھی اذیت میں رہتے ہیں اور اپنے قریبی کو بھی اپنی وجہ سے تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔میں جانتا ہوں جب تک تمہارا دل نہیں پھر جاتا تب تک یہ درد تمہارے ساتھ رہے گا لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر اپنے اس درد کو طاقت بنا کر تم اس پر فتح پالو اور اپنی نظروں میں سرخرو ہو جاؤ۔یقین کرو ایک دن تم اس طرح نوازے جاؤ گے کہ تم خود دنگ رہ جاؤ گے۔اس دن تم سجدہ شکر میں گرو گے اور وہ دن تمہاری زندگی کے سنہری دنوں میں سے سب سے سنہری ہو گا۔"

وہ جب بھٹک رہا تھا۔ وہ جب تڑپ رہا تھا۔ فلک کو جگہ جگہ تلاش رہا تھا۔ خوشی، واش اینڈ شائن، پٹرول پمپ، ریستوران، گلی گلی، سڑک سڑک، شہر شہر۔ جب اس کی تلاش ریت ثابت ہو رہی تھی۔ جب وہ مکمل طور پر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو رہا تھا۔ جب اس پر پاگل پن طاری ہو رہا تھا۔ جب اس نے ہر چیز سے کوئیٹ کر دیا تھا۔ جب وہ واقعی مکمل طور پر ذہنی مریض بن رہا تھا تب ایک دن غفران نے بیٹھ کر اسے سمجھایا تھا۔

"تم ایک کے پیچھے ہم سب کو بھلا رہے ہو۔ تم اپنے بچپن کو دہرا رہے ہو۔ تم بھائی سے شدید ناراض ہونے کے باوجود ان کی بیماری کا سن کر ہسپتال گئے۔ تم اندر نہیں جا پائے کہ پھر وہاں تمہیں اس کا احساس ہوتا۔ تم نے وہاں بھی اپنے دل کی سنی نوح، تم نے یہ نہیں دیکھا ایک مریض بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم نے ان کے جڑے ہاتھ نہیں دیکھے۔ تم نے انہیں معاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمیں بھلا دیا۔ ہماری محنت، ہماری محبت سب کو پس پشت ڈال دیا۔ اب تم اپنی تعلیم سے بھی غفلت برت رہے ہو۔ تم کیوں خود کو برباد کر رہے ہو۔ تم ہم پر رحم کیوں نہیں کھا رہے نوح۔"

آنسوؤں سے تر آواز، بھیگی آنکھیں۔ نوح کے دل پر برچھی پڑی۔ اس نے اس دن بڑے غور سے سیرا کو دیکھا تھا۔ اس کا تمام فیشن ختم ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے واضح تھے۔ مائیر خاموش اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ کئی کئی وقت کا کھانا کھانا بھول جاتا تھا۔ وہ دونوں خاموش بت بنے پورا دن گھر

میں منڈلاتے رہتے تھے۔ کہیں بھی نہیں جاتے تھے۔ ایک منٹ، رک جاؤ۔ وہ پورا دن گھر میں کیوں رہ رہے تھے۔ ویک اینڈ بھی نہیں تھا تو پھر کیوں؟

سوال کا جواب اسے مل گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ ساتھ سب کو پریشان کر دیا تھا۔ سیر اا ور مائیر کیا غفران تک گھر میں پڑے تھے۔ چپ، افسردہ کھوئے کھوئے سے۔ اس رات نوح نے بہت غور کیا تھا۔ اپنے تمام خساروں کا تجزیہ کیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے رشتوں کو سزا نہیں دے سکتا تھا۔ وہ یہ ظلم نہیں کر سکتا تھا۔ اگلی صبح اس نے شیو بنائی، بال تراشے اور بیگ شانے پر ڈال کر باہر آ گیا۔

"تم دونوں یونی نہیں جا رہے؟" اس کے سوال پر سست روی سے انڈے پھینٹتی سیر ا ٹھٹھکی۔ مائیر یکدم اپنی جگہ سے بدکا تھا۔

"ایسے حیرانی سے کیا دیکھ رہے ہو۔ یونی چلنا ہے یا نہیں؟" سیر اا ور مائیر زور زور سے گردن ہلاتے ہوئے اپنے اپنے کمروں میں بھاگے تھے۔ اس دن کے بعد سے اس نے نارمل رہنا شروع کر دیا تھا۔ تمام تلاش روک دی تھی۔ فلک کا نمبر مستقل بند تھا۔ لوکیشن اس کے کرائے کے کمرے کا پتہ دیتی تھی۔ اس نے وہاں سے فلک کا فون برآمد کر لیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر سب نشان مٹا گئی تھی تاکہ کوئی اسے ڈھونڈ نہ سکے۔ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔ اس نے بھی اپنے تمام سورسز بند کر دیے۔ ایک طرح سے فلک کا پیچھا چھوڑ دیا۔ وہ اسے چھوڑ گئی ہے۔ ٹھیک ہے یہ اس کا ذاتی فیصلہ ہے۔ وہ اس

تک لوٹے گی۔ یہ نوح کا یقین ہو چلا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ سیشن لے رہا ہے۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ ہر ہفتے اپنی کاؤنسلنگ کرواتا تھا۔ جبران بیماری سے اٹھتے ہی پاکستان واپس چلے گئے تھے۔ اگر وہ اب بھی یہاں ہوتے تو اسے فرق نہ پڑتا۔ اس نے اپنا سارا فوکس پڑھائی پر کر لیا تھا۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ آگے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ چھ ماہ کے تاریک دور کے بعد وہ نارمل زندگی کی جانب لوٹا آیا تھا۔ اس دوران بتول نے خود غفران سے شادی کی پیش کش کی تھی جس کو غفران نے اللہ کی عطا سمجھ کر قبول کر لیا۔ اور اب وہ اٹالین سوٹ میں شرٹ پر بو لگائے غفران کے ساتھ چل رہا تھا۔ نوح اور مائیر ان کے دائیں بائیں تھے۔ بہار کی دوپہر میں سفید پھولوں کے گچھوں سے سجے بینچز پر مہمانوں کی نیم پلیٹس موجود تھیں ہر کوئی اپنے نام کی جگہ پر کھڑا تھا۔ کھلی جگہ پر پنجرے کی طرز کی پھولوں کی چھت بنی تھی۔ دولہا دولہن کے نام کا اونچا ڈیسک تھا جس کے قریب جاتے ہوئے غفران کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ اس دن نوح انہیں دیکھ کر پہلی بار دل سے مسکرایا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نے ہر سو بہار کھلا دی تھی۔ اس کی مسکان کو اس کی بہن نے ایسے دل سے دیکھا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے ایسے قہقہ لگا گئی تھی کہ پھر اس مسکان کو سمیٹنے کو نوح کا دل ہی نہیں کیا۔

تب سے چپکی مسکان اب بھی اس کے لبوں پر قائم تھی۔ مکھوٹا اس طرح چڑھا کہ پھر اترا ہی نہیں۔ اس نے عہد کیا تھا وہ اپنوں کیلئے ہمیشہ مسکرائے گا۔ خوشگوار بنے گا۔ ہنسے گا بولے گا۔ اپنے اندر کے غم کو اندر ہی رکھے گا۔ وہ گزشتہ چھ سالوں سے اس کردار کو بخوبی نبھا رہا تھا۔ وہ اس کو نبھانے کیلئے

کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ لیکن اب پھر سے اس کی زندگی میں دراڑ پڑ گئی تھی۔ جو دل سے کبھی نہیں نکلی وہ ایک بار پھر سے اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔

ایک بار پھر سے۔۔

۔

حال!

"یہ میں نے کیا سنا ڈاکٹر نوح ہماری شادی اگلے ہفتے ہو گی۔" خوش گفتار خوش اخلاق سی رخسار حیرت بھرے انداز میں اس سے سوال کر رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت ایک اوپن ریستوران میں بیٹھے تھے۔ آسمانی رنگ کی چھتری ان کے سروں پر تھی۔ سلش میں اسٹرا ہلاتے ہوئے وہ غائب دماغ سا لڑکا نظر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمم، میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ تم نے اس دن ماما کا بہت ساتھ دیا ان کی بات کا پردہ رکھا۔ میں اس کیلئے تمہارا مشکور ہوں۔" رخسار کے ماتھے پر بل ابھرے۔ جوش جھاگ کی طرح نیچے بیٹھ گیا۔ وہ پیچھے ہو کر کرسی سے ٹیک لگا گئی۔ بازو سفید رنگ کی شرٹ پر بندھ گئے۔ بیگی پینٹ، سکین کھلی لانگ مردانہ بٹنوں والی شرٹ اور اس کے نیچے سفید شرٹ یہ تھی کھلے بالوں والی رخسار، اس کا اوور آل

کرسی کی بیک پر پڑا تھا۔ منی ہینڈ بیگ، وہ نیلے رنگ کا چمکتا ہوا شیل تھا میز کے کونے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی چین سانپ کی طرح گول گول لپٹی ہوئی میز پر پڑی تھی۔ اس چین کی چمک رخسار کے رخساروں پر پڑ رہی تھی۔

"یعنی شکر ادا کرنے کیلئے مجھ سے شادی کی جا رہی ہے۔ کتنی بری بات ہے۔" پاؤں جھلاتے ہوئے وہ ناراض تھی۔ نوح نے اب باقاعدہ سر اٹھایا عین آنکھوں کے سامنے دوسری میز پر وہ بیٹھی ہوئی اسے نظر آئی تھی۔ تنہا، یہاں وہاں دیکھتی ہوئی۔ ٹھنڈا مشروب پیتی ہوئی۔ کیا اب وہ ہمیشہ ہی اسے یوں نظر آتی رہا کرے گی۔ غائب ہوئی تھی تو کمال کی ہوئی تھی۔ دکھائی دے رہی تھی تو بار بار۔

"اچھا اب خفا تو مت ہو۔" اس نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تا کہ آواز اس تک پہنچ جائے۔

"تمہارا روٹھنا اچھا نہیں لگ رہا مجھے۔" وقت کے ہندوسوں نے فلک پر اچھا اثر چھوڑا تھا۔ کافی سے زیادہ دلکش اور متاثر کن پرسنالٹی کی حامل ہو گئی تھی وہ۔ اس کی رنگت پہلے سے کافی کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ گالوں پر ایسا گلو تھا کہ یہاں سے بھی واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کا ڈریسنگ سینس، اس میں کتنا سدھار آیا تھا۔ کتنی اچھی لگ رہی تھی نا وہ فان رنگ کے کوآرڈ سیٹ میں۔ سنجیدگی جچ رہی تھی اس پر۔ وہ تاہنوز لاپرواہ سے پاؤں جھلاتے ہوئے اسٹرا سے گھونٹ بھر رہی تھی۔ وہ بار بار کلائی موڑ کر وقت بھی دیکھ رہی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے آگے جھک کر فون اٹھایا۔ کال ملائی۔ وہ نوح کو نہیں سن رہی تھی۔

"ہیں۔۔۔یہ کیا میں نے سنا؟"حیرت در حیرت تھی۔رخسار کیلئے یہ جملے غیر متوقع سا تھا۔نوح کی نگاہ ایک بار پھر سے اس پر اٹھی۔اس نگاہ کے اٹھنے کا بھی جواز تھا۔وہ کسی کو جوش کے ساتھ ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی جانب مخاطب کر رہی تھی۔نوح نے مڑ کر دیکھا۔نو ڈلز بالوں والی ایک بچی ہاتھ میں زرد اور سرخ رنگ کے غبارے تھامے اس کی جانب بھاگی چلی آ رہی تھی۔وہ غبارے کچے دھاگے سے بندھے ہوا کے دوش پر بھاگنے کے سبب پیچھے کی جانب اڑ رہے تھے۔فلک اس بچی کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔اس بچی نے حلق کی رگیں پھلاتے ہوئے اسے آواز دی تھی۔

"مما۔۔۔۔۔"

ایک پکار،ایک لقب،ایک خطاب نوح کے ارد گرد کی دنیا منجمند ہو کر رک گئی۔سفید برف کی تہہ ایک سیکنڈ میں پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے گئی تھی۔سب جم گئے تھے۔سب برف کے مجسموں میں بدل گئے۔برف کی تہہ کے نیچے دھنس گئے۔رنگ بچے تھے تو فلک کے اس بچی کے اور نوح کے۔

"مما۔"

نوح نے سرخ دھاگے آنکھوں میں سموتے ہوئے خود کو سلوموشن میں سیدھا کیا تھا۔اس کا سینہ ہولے ہولے اوپر نیچے اٹھ رہا تھا۔پلکیں ساکن ہو گئیں۔وقت کی رفتار تھم گئی۔وہ بچی فلک کے سینے سے جا لگی تھی۔اس نے دو پونیوں میں قید بچی کے بال ماتھے سے پیچھے کیے۔

"کتنی دیر لگا دی آپ نے، میں کتنا پریشان ہو گئی تھی۔اور کال کیوں نہیں پک کر رہی تھیں آپ، یہ ریسٹ واچ کس لیے ہے آپ کے ہاتھ میں، ہمم۔"پنجوں کے بل بیٹھی وہ والہانہ انداز میں اس کے دونوں بازو پر ہاتھ جمائے کہہ رہی تھی۔نوح نے دیکھا۔وہ بچی اس جیسی ہی تو تھی۔ویسی ہی آنکھیں، ویسی ناک اور ویسا ہی چہرہ۔

"اوف ہو میں فرینڈز کے ساتھ تھی نا اس لیے ایسا ہوا۔"فلک کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔اس تبسم نے دیکھنے والے کی آنکھوں میں مرچیں بھر دیں۔اس کے لب ایک بار پھر سے سختی سے بھینچے تھے۔ماتھے پر روہانسیت سے بھرپور بل نمودار ہو گئے۔

"اچھا میری نانی، اب چلیں دیر ہو رہی ہے۔"وہ دو رنگ اپنا تاثر چھوڑتے ہوئے وہاں سے جا رہے تھے۔سرد دنیا میں شدت کی ہوائیں چلنے لگیں۔معلوم ہوا دل جم کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔قبل اس کے اس کا وجود بھی جم کر دراڑ زدہ ہوتا کسی نے بری طرح اسے جھنجھوڑا تھا۔پلک جھپکی فسوں ٹوٹا، سحر چھوٹا، سب کچھ لوٹا۔سفید دنیا رنگین دنیا میں مدغم ہو کر رہ گئی۔برف کے مجسموں

میں حرکت ہوئی شگاف پڑی اور وہ پھر سے جی اٹھے۔ ٹھٹھراتی سفیدی کا دور چلا گیا۔ چلچلاتی دھوپ نے سب کو آغوش میں لیا۔ نوح انجانی آنکھوں سے متوجہ کرنے والی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کون تھی جس نے ابھی اس کی معرفت میں خلل ڈالا ہے۔ وہ غور سے اجنبی بنا اسے دیکھ رہا ہے۔

"کہاں کھو گئے بھئی۔" وہ چٹکی صرف چٹکی نہیں تھی۔ اس نے نوح کو ایک حصار سے کھینچ کر نکالا تھا۔ اس کے گرد پھیلا جادو توڑا تھا۔ بس ایک چٹکی اور پھر سب غائب۔

ستا ہوا چہرہ، مدھم لے میں چلتی سانسیں اور شور مچاتا دل۔ اس نے سر جھٹکا۔ ایک بار، دو بار پھر آنکھیں میچ کر کھولیں۔ رخسار اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ٹھیک تھا بھی نہیں۔

"کیا ہوا، ایوری تھنگ از اوکے؟" نوح نے دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ ہولے سے نفی میں سر ہلایا پھر جیب سے والٹ نکال کر پیسے شیشے کے واز میں قید گلاب کے قدموں تلے رکھ دیے۔

"میں اب چلوں گا۔" رخسار کی سنے بغیر وہ ڈولتے ہوئے قدموں سے گاڑی کی سمت گیا تھا۔ وہ کیسے گھر پہنچا اس کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے سیرا کی آواز بھی نہیں سنی۔ غفران کی پکار کو نظر انداز کر دیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر بند ہوا تھا۔ حصار بے شک ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا مگر اس کا اثر ابھی بھی باقی تھا۔

"اس کی بیٹی۔۔۔فلک کی۔۔۔۔فلک کی بیٹی۔"وہ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بیڈ کے کناروں کو مٹھی میں دبوچ گیا تھا۔ آنکھوں کے کنارے نم ہو چلے۔ سرخ ڈوروں میں اضافہ ہوا۔ دروازے پر دستک کا شور اٹھا تھا۔

"نوح۔"مائیر کی پکار تھی۔ پریشانی میں گھلی، تفکر میں لپٹی۔

وہ تاہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ دل میں عجیب سا درد اٹھا۔ اس نے دھندلی نظر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دستک ابھی تک جاری و ساری تھی۔ پکار غیر واضح اور غیر مفہوم سی ہونے لگی۔

"نوح کھولو دروازہ یار، کیا ہوا ہے۔ ایسے کیوں آئے ہو گھر۔ تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔"وہ جس طرح آیا تھا سب کا پریشان ہونا بنتا تھا۔ وہ جس طرح بیٹھا تھا اس کا پریشان ہونا بن رہا تھا۔ بدن میں دوڑتی چیونٹیاں، سن دماغ، دھندلاتی نظر اور مفلوج ہوتا وجود۔

"مما۔۔۔"ایک بازگشت، بلند، روح پرور، جھنجھوڑ دینے والی۔

"وہ اس کی ماں تھی۔ وہ اس بچی کی ماں تھی۔ فلک سفیر، نوح جبران کی فلک سفیر، جس کے نام پر اس نے اپنی زندگی کے ساڑھے چھ سال گزار دیے تھے۔ جس کے انتظار میں اس نے مہ و سال بتا دیے تھے۔ جس سے وہ کبھی بھی، کبھی بھی موو آن نہیں کر سکا تھا۔ جس کو وہ دن کے ایک حصے میں

یاد کرتا تھا تو رات پوری اس کے تصور میں گزار دیتا تھا۔ جو ہر پل، ہر جگہ ہر لمحہ اس کے ساتھ رہی تھی۔ اس کی کامیابی میں، اس کی ناکامی میں، اس کی خوشی میں اور اس کے دوست غم میں۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ اس کے دل میں آباد رہی تھی۔ اسی وجہ سے وہ چاہ کر بھی کسی لڑکی کی جانب رجحان نہیں کر سکا تھا۔ وہ چاہ کر بھی کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکا تھا۔ مائیر نے کتنی کوشش کی تھی کہ اس کی بات بن جائے مگر وہ، وہ تو ایک دو بار کے بعد بات ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا وہ خیانت کر رہا ہے۔ وہ فلک کا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ کم از کم اپنے اعمال میں خائن لفظ نہیں لکھوانا چاہتا تھا۔ وہ فلک کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کا لاشعور طور پر اب تک منتظر تھا۔ اس کا جو آج کسی اور کی اولاد کی ماں تھی۔ وہ واقعی اسے "چھوڑ" گئی تھی۔ مکمل طور پر، ہر لحاظ سے۔"

اس نے بھاری سر اٹھایا۔ پورا کمرہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ چکر اتنا شدید و طویل تھا کہ وہ فوراً سے بیڈ پر گرا تھا۔ توازن میں چلتا سانس ہولے ہولے مدھم ہونے لگا۔ اس نے بہت کوشش کی مائیر کو آواز دے مگر نہیں دے پایا۔ آنکھوں کے شٹر بند ہوئے تھے۔ ہر سو اندھیرا چھا گیا۔ جیسے نوح جبران کو سکون آ گیا۔

مگر اسے سکون نہیں آیا تھا جو بیڈ کے پاس سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ دواؤں کی مہک کو روم فریشنر نے ختم کیا ہوا تھا۔ کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ زرد محلول سوئی

کے ذریعے آہستہ آہستہ اس کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ڈاکٹر نے ایک نظر بیڈ کی پائنتی کے قریب رکھی میز پر اس کی فائل پر نظر ڈالی۔

"زیادہ کچھ نہیں ہے اسٹریس کی وجہ سے بی پی لو ہو گیا تھا۔باقی الحمدللہ ڈاکٹر نوح بالکل ٹھیک ہیں۔" مائیر نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کو دیکھا۔ان کے جانے کے بعد اس کی نظروں کا ٹکراؤ غفران سے ہوا تھا۔مائیر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئے تھے۔

"چھ سالوں تک ہمیں دھوکا دیتا رہا اور ہم اس کے دھوکے میں آتے رہے۔کتنے بے وقوف ہیں ہم۔" جھنجھلاتی آواز مائیر کی تھی۔غفران کا موڈ بھی کچھ خاص خوشگوار نہیں تھا۔ان کے ماتھے پر بھی بل موجود تھے۔ہسپتال کے کاریڈور میں ایک جگہ کھڑے وہ اپنی بھڑاس نکال رہے تھے۔ بھانت بھانت کے لوگ،مختلف زبانیں،شور اور ایک بے چینی۔یہ تھا نوح جبران کا ہسپتال جس کی بنیاد نوح نے چار سال قبل رکھی تھی۔چار سال سے اس کا یہ ہسپتال کافی کامیاب چل رہا تھا۔رخسار یہاں اپائنٹ ہوئی ایک ڈاکٹر ہی تھی۔جو نوح کی خاموشی،اس کی خوش مزاجی اور مقناطیسی پرسنالٹی سے متاثر ہوئی تھی۔وہ نوح کی یہاں آمد سے انجان تھی اور اس وقت امرجنسی وارڈ میں مریضوں کو دیکھنے کا کام سرانجام دے رہی تھی۔

"اس نے اپنے اندر لاوے کو دبائے رکھا۔ اپنے دکھ کو باہر نہیں آنے دیا۔ اب بھی وہ ان پر قابو پانے کے چکر میں خود کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ غلط کر رہا ہے۔" غفران ماتھے کو انگوٹھے سے کھرچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ انہوں نے منگنی کی رات اس کی حالت دیکھ لی تھی۔ پھر وہ پورے فنکشن سے ہی غائب رہا۔ ان سے ملا تک نہیں اور صبح جب ملا تو کچھ خاص ٹھیک نہیں تھا۔ اس کے چہرے کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں انجان سا تاثر تھا اور آواز، وہ تو تھی ہی نہیں اس کی۔

"میں رخسار سے اگلے ہفتے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ اس بارے میں اس کے والدین سے بات کریں۔" انڈے کے ٹکڑے کو کانٹے میں پھنسائے وہ ان سب کو دیکھے بنا ہی کہہ رہا تھا۔ کہنے کے بعد اس نے انڈے کا ٹکڑا منہ میں رکھا اس کے بعد آہستہ سے سر اٹھا۔ یہ کیا تھا سب اپنی اپنی جگہ جم کیوں گئے تھے۔ مائیر کے منہ سے گلاس لگا رہا تھا۔ سیر اکا نوالہ چبا تا جبڑا رک گیا۔ غفران کے چمچ میں پورتج بھرا رہا وہ منہ تک نہیں گیا اور بتول ان کا اورنج جوس اٹھاتا ہاتھ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

"میں نے ایسی کوئی غیر یقینی بات تو نہیں کہی۔" اس کے چہرے پر خفا کن سے تاثر چھا گئے۔ بتوں میں شکن آیا رکا ہوا وقت پھر سے چلنے لگا۔ غفران نے معمولی سے طیش میں چمچ کو منہ میں ڈال کر باہر نکالا ایسے کہ اس چمچ کی تکرار دانتوں سے ہوئی اور ناپسندیدہ سی آواز فضا میں منتشر کر گئی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔"انہوں نے اعلان کیا تھا۔نوح نے کافی کا کپ اٹھایا۔سیر اموہد کو اور بتول اپنے ساتھ ساتھ عائشہ کو کھانا کھلانے میں پھر سے مگن ہو گئیں۔

"اس میں ناممکنات جیسا تو کچھ نہیں۔"غفران نے چمچ کو پٹخ کر پلیٹ میں رکھا تھا۔عائشہ اور موہد بھی اب کی بار متوجہ ہوئے۔سیر ابڑے سنجیدہ انداز میں اپنے بھائی کو دیکھنے لگی تھی جس کے تمام کام الٹے تھے۔وہ ایک بار ٹھیک ہو جائے پھر بتائے گی اسے۔ابھی فوڈ پوائزن کی وجہ سے بہت ڈاؤن فیل کر رہی تھی۔انرجی آجائے پھر اس سے خوب لڑے گی۔

"نوح تم مجھے کیوں غصہ دلا رہے ہو۔یاد رکھو کل والا واقع اپنے پورے جزیات کے ساتھ تازہ ہے۔اس لیے میں کچھ فضول نہیں سنوں گا۔"نوح نے نیپکن سے منہ پونچھ کر اسے سائیڈ پر رکھا۔پھر اپنی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں رخسار سے اس بارے میں بات کروں گا اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہوا تو آپ لوگ اسی ہفتے کی ڈیٹ لے لیجیے گا۔"وہ اپنی بات ختم کر کے رکا نہیں تھا۔غفران کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔اس دن ان کا سر درد سے کم پھٹا تھا۔آج انہیں زیادہ غصہ آرہا تھا۔

"تو پھر اب کیا حل ہے۔"ڈائننگ ہال کا منظر مٹ گیا۔ہسپتال کا دواؤں بھرا ماحول پھر سے درمیان میں آگیا۔

"دیکھتے ہیں۔ کرتے ہیں کچھ۔"

وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ ان کی سوچ کا ایک ہی سرا تھا۔ وہ تھی فلک سفیر۔

"رک جاؤ رک جاؤ حور۔"

آسمان پر پرندے اڑتے ہوئے جابجا نظر آ رہے تھے۔ بادلوں کے ٹکڑے البیلوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ دھوپ کھلی کھلی سی تھی۔ فضا مہکی مہکی سی۔ وہ دونوں اس وقت قریبی پارک میں موجود تھے۔ غبارے کو ہاتھ میں تھامے حور جنگلے کے ساتھ ساتھ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی پولکا ڈاٹس والی پرپل فراک ہوا کے دوش پر اڑ رہی تھی۔ دو پونیوں میں قید بال خرگوش کی طرح اچھل کود رہے تھے۔ فلک تھک گئی۔ اس نے جھیل کنارے بنے آہنی جنگلے کو تھام لیا۔ وہ زیادہ نہیں بھاگ سکتی تھی۔ اس کی صحت اسے اس چیز کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ گردن کے قریب ہاتھ رکھ کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ کسی نے اس کی جانب پانی کی بوتل بڑھائی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک باوقار سی لڑکی تھی۔ پینٹ سوٹ میں ملبوس شاید کوئی بزنس وومن۔

"شکریہ۔" بوتل تھام کر اسے اونچا کر کے اس میں سے دو تین گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے بوتل واپس اس کو تھمائی۔

"کوئی بات نہیں، بیٹی ہے تمہاری؟" وہ سوال کر رہی تھی۔ فلک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حور اب کسی بچی کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔ رامیہ نے بوتل تھام کر اس کو جنگلے کے ساتھ بنی بنیری پر رکھ دیا یعنی اب وہ اس بوتل اور اس میں موجود پانی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ جب بھی وہ کوئی چیز دے دیتی تھی تو اس میں اس کی دلچسپی مفقود ہو جاتی تھی جیسے اب ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ احسن رضا کو اپنی بیٹی نہیں دے رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی بیٹی کی طرف سے بھی اس کی دلچسپی ختم ہو کر رہ جائے۔

"وہ میری بیٹی ہے۔" اس نے حور کے ساتھ کھیلتی سامیہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔ فلک اس بچی کو دیکھ کر مسکرا دی۔ ہوا نے اس کے بن میں بندھے بالوں کو بکھیرا تھا۔ کچھ آوارہ لٹیں اس کے گالوں پر منڈلانے لگی تھیں۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری، آپ جیسی ہے بالکل۔" رامیہ مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ کافی معنی خیز تھی۔

"تمہاری بیٹی بھی ہو بہو تم جیسی ہے اگر نوح سے تمہاری شادی ہوتی تو فارشیوریہ نوح پر جاتی۔" فلک لمحے بھر کیلئے سکتے میں آئی تھی۔ رامیہ نے ایک ادا سے اس کی جانب رخ موڑا۔ لبوں کی تیکھی مسکان، آنکھوں کا چیلنجنگ انداز اور سینے پر بندھے بازو۔

"ایکسیوزمی۔" فلک کو برا لگا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا وہ اس بات کو شدید ناپسند کر رہی ہے۔

"نوح۔۔۔۔ تمہارا بوائے فرینڈ تھا نا، تم سے کافی اٹیچڈ تھا۔ ایم آئی رائیٹ۔" فلک کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ اس کے ہاتھ کی مٹھی بندھی تھی۔ لب بری طرح آپس میں پیوست ہو گئے۔

"دیکھیں آپ کیا بات کر رہی ہیں مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی میں اس طرح کی بات سننا چاہوں گی۔ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اس لیے حد میں رہیں۔" رامیہ ہنس دی تمسخر آلود ہنسی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے اچھے سے حد کا مطلب سمجھاتی مگر اس وقت اسے حظ اٹھانا تھا اور وہ اٹھا رہی تھی۔

فلک کی دھڑکن متوازن ہو رہی تھی۔ توازن پر آتے ہی وہ ایک لمحہ یہاں نہیں رکے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

"میں نوح جبران اس کائنات کو، اس کے تخلیق کار کو، ان ہواؤں کو، اس پھیلے ہوئے نیلے سمندر کو، آسمان پر چمکتے چاند کو اور اپنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر فلک سفیر کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں۔ تاروں بھری رات تھی اور کھلکھلاتا ہوا اعتراف تھا۔ یاد آیا کچھ۔" لاؤنج کے منظر کو اس نے ڈرامائی انداز میں بیان کیا۔ کیا وہ اس سے واقف تھی۔ نہیں وہ واقف نہیں تھی۔ وہ تو بس ہوا میں تیر چلا

رہی تھی۔اس کا تیر عین نشانے پر لگا۔رامیہ کے دل کو سکون پہنچ گیا تھا۔فلک کی آنکھوں میں نمی گھل گئی۔اس نے شدت سے اس بہتان کا تردد کیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔"غراتی ہوئی آواز،وارن کرتا لہجہ۔

"اور اگر ایسا ہو گیا تو؟"

"میں کسی نوح جبران کو نہیں جانتی۔"س نے سختی سے کہا تھا۔رامیہ کی ابرو تن گئی۔

"کیا سچ میں،یہ تم اس کے سامنے کہو گی۔صرف ایک بار پلیز۔"رامیہ کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔

"کون ہو تم؟"سوال پر رامیہ واپس اپنی پہلی والی پوزیشن میں گئی۔جنگلے سے ٹیک لگالی۔پاؤں بنیری سے ٹکالیا۔

"رامیہ جبران،گوگل کرلینا معلوم ہو جائے گا۔"اسے گوگل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔وہ جبران نام سے ہی اندازہ لگا گئی کہ وہ کون ہو گی۔فلک کا توازن برقرار ہوا۔وہ اس جگہ کو چھوڑ کر جانے والی تھی جب اپنے عقب میں سے اسے آواز آئی۔

"نوح کی زندگی میں آنے کا سوچنا بھی مت ورنہ انجام کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔میں چاہتی ہوں وہ تمام عمر ترستا ہی رہے۔تمہاری کمی بس کمی ہی رہے۔"فلک نے غصے کی اٹھتی لہر کے ساتھ مڑ کر اسے

دیکھا پھر کچھ کہنے کی بجائے وہ ضبط کا دامن تھامتی وہاں سے چلی گئی۔ حور جو سامیہ کے ساتھ کھیل میں مگن تھی کا ہاتھ تھامے وہ وہاں سے جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ رامیہ نے آنکھوں پر شیڈز لگائے۔ ان شیڈز میں فلک کا سراپا تھا۔ گھر آ کر اس نے حور کو اس کے کمرے میں چھوڑا۔ دروازہ بند کرتے ہی اس نے گہری سانس لی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے چھوٹے سے کچن میں آئی۔ فریج کھولا اس میں سے پانی کی بوتل نکالی پھر اسے گلاس میں انڈیلنے لگی۔ جیسے جیسے پانی گلاس میں گر رہا تھا ویسے ویسے اس کی سوچ کی طنابیں بڑھتی جا رہی تھیں وہ مزید بڑھتیں جب اسے حور کی آواز سنائی نہ دیتی۔

"ماما، پانی کو ضائع کرنا گناہ ہوتا ہے۔" وہ بری طرح چونکی۔ گردن نیچے کی تو سفید پانی سیاہ کاؤنٹر پر بہتا ہوا نیچے گر رہا تھا۔ اس نے جھٹ سے بوتل کو سیدھا کیا تھا۔

"ماما کی غلطی، میں کچھ سوچ رہی تھی۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے گلاس کو لبوں سے لگا لیا۔

"کھڑے ہو کر مت پئیں پانی، بیٹھ کر پینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔" وہ اسے ٹوک رہی تھی۔ وہ اس کے الفاظ اسے لوٹا رہی تھی۔ فلک کے چہرے پر شرمندگی چھا گئی۔

"پھر سے غلطی کر دی۔" اس نے اعتراف کیا۔ وہ بار بار کر سکتی تھی۔

"ماما، کیا آپ پریشان ہیں۔"واس سے سوال کر رہی تھی۔ فلک نے ایک بار پھر سے گہرا سانس بھرا۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں میں پریشان ہوں لیکن تھوڑا آرام کروں گی تو شاید پریشانی ختم ہو جائے۔"حور چھوٹے چھوٹے قدم چلتی اس کے پاس آئی پھر اس کی ٹانگوں پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ دیے۔

"پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں ماما، وہ بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں بس صبر لازم ہے۔"فلک نے نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ لیا۔ حور ہولے ہولے اس کی ٹانگوں کو تھپک رہی تھی۔ وہ آج ساری باتیں اپنی ماما والی کر رہی تھیں جو اس کی ماما وقتاً فوقتاً اس سے کرتی رہتی تھیں۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس کی پیاری ماما۔

"بالکل ٹھیک کہا صبر لازم ہے۔ صبر کریں گے تو سب ٹھیک ہو گا ورنہ۔۔"لفظ اس کے لبوں میں ہی رہ گئے۔ وہ کہیں بھٹکنے والی تھی۔ اس کی روح کہیں اور جانے والی تھی۔ اس کا دماغ اپنا کنٹرول کھو رہا تھا۔ یہ اس کو کیا ہو رہا تھا۔ اس نے سر جھٹک دیا۔ نہیں اب وہ خود پر کسی کو غالب نہیں آنے دے گی۔ کسی کو بھی نہیں۔

"اچھا اب جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ میں آپ کیلئے نوڈلز بناتی ہوں۔"زبردستی چہرے پر مسکان طاری کرنے کے بعد اس نے پانی کا گلاس رکھ دیا تھا۔ حور کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک نوڈلز ہی تو تھے پوری دنیا

میں جو اسے بے حد پسند تھے۔ جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ حور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔

فلک نے گہری سانس بھری۔

"نوح کی زندگی میں آنے کا سوچنا بھی مت ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"

ایک ہی سانس میں بولا گیا جملہ، ایک ہی تکرار، ایک وارننگ اور ایک ہی کھینچ کر ماضی میں لے جاتی بات۔

رامیہ جبران، نوح جبران کی بہن۔ وہ اس سے کیوں ملی اور اگر ملی بھی تو یہ وارننگ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ کیا سمجھانا چاہتی ہے۔ نوح کی زندگی سے تو فلک سفیر کب کی نکل چکی اب اس بات کا کیا مقصد۔ اس کے موبائل کی بیپ بجنا شروع ہوئی تھی۔ اس نے کاؤنٹر میز پر رکھے فون پر نظر ڈالی۔ نمبر پر نظر پڑتے ہی اس کا دل بدل ہوا تھا۔ اسے یہ کال نہیں اٹھانی تھی مگر وہ یہ کال اٹھائے گی کیونکہ اس کال کو نظر انداز کرنا اس کے اختیار میں بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ چاہتی بھی تو اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔

بالکل بھی نہیں۔

سیاہ بادلوں نے پورے آسمان کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔ ان کے قبضے میں فقط آسمان نہیں بلکہ زمین پر بسنے والے بھی آئے ہوئے تھے۔ اندھیرا تھا گھور اندھیرا اتنا زیادہ کہ دل تنگ کر دے۔ روح کو دنگ کر دے۔ اس اندھیرے کو مات مسلسل بادلوں کا سینہ چاک کرتی بجلی دے رہی تھی۔ بجلی اتنی شدت سے چمکتی تھی کہ لمحے میں پورا عالم دن کے طرح منور ہو جاتا تھا۔ بادلوں کی چنگھاڑ کان پھاڑے دے رہی تھی۔ ہوا میں اتنی شدت تھی کہ درخت سجدہ ریزہ ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اس طوفانی موسم میں جب سب اپنے اپنے گھروں میں قید اللہ سے عافیت مانگ رہے تھے تب وہ تن تنہا اسٹیرنگ تھامے بیٹھا تھا۔ اس کی کار روڈ کے ایک سائیڈ پر پارک تھی۔ کار کے عین سامنے تھوڑے فاصلے پر سائن بورڈ ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ چیڑ کا درخت جو فٹ پاتھ کے ساتھ لگا تھا اس کی کار پر آدھا جھکا ہوا تھا۔ اسی سبب کار میں مزید اندھیرا ہو رہا تھا۔ اس کی ساتھ والی سیٹ پر رکھے موبائل کی روشنی بار بار جل بجھ رہی تھی۔ اس کی کار کے وائپر ساکت تھے جس طرح اس کی آنکھیں ایک نقطے پر ساکت تھیں۔

"ماما۔۔۔"

کیسی تکلیف دہ بازگشت تھی۔ کس طرح کا صور تھا۔ اتنی ذلالت بھری ریجیکشن۔ ایسا برا ٹھکرانا۔ وہ اس کا منتظر تھا اور تمام عمر رہتا۔ اس میں اسے کوئی مضائقہ نہیں لگا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر سکتا تھا چاہے شعور میں کرتا یا لاشعوری میں، مگر کرتا ضرور کیونکہ فلک سفیر کی جو اہمیت تھی اس کی زندگی

میں شاید ہی کسی کی ہو مگر اس نے بدلے میں اسے کیا دیا؟تکلیف، دکھ، الم۔وہ تو اس کا حزن تھا یہ غم کس طرح بن رہا تھا۔وہ تو اس پر صبر کر چکا تھا۔یہ جبر کیوں بن رہا تھا۔اسے بے چینی شروع ہونے لگی۔ابرو آپس میں جڑی تھیں۔ماتھے پر بل تھے۔اسے کسی طور چین نہیں آرہا تھا۔وہ فلک سفیر جو اس کی محبت تھی وہ کسی اور کی ہو چکی تھی۔کسی اور کا نصیب کسی اور کا رزق کسی اور کا سکون کسی اور کے گھر کی زینت بن چکی تھی۔وہی فلک جس کی آنکھوں کے آنسو اب تک اس کی آنکھوں میں تازہ ہیں۔جس کی تکلیف وہ اب بھی اپنے سینے میں محسوس کر سکتا ہے۔جس کا درد آج بھی اس کے گلے میں کانٹے اگا سکتا ہے۔وہ فلک سفیر جسے وہ دل و جان سے اپنا مان چکا تھا وہ کسی اور کی ہو چکی تھی۔وہ کس طرح کسی اور کی ہو سکتی تھی۔وہ کس طرح اس کے حصے کی محبت کسی اور کو دے سکتی تھی۔وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی۔

کسی نے اس کی کھڑکی کا شیشہ بجایا تھا۔اس نے چونکتے ہوئے گردن اس جانب موڑی مگر کچھ دیکھ نہیں پایا کیونکہ اس کی کار کے شیشے بری طرح گرد سے اٹ چکے تھے۔اس نے شیشہ نیچے کیا۔تیز ہوا کا طوفان یکایک ہی کار کے اندر آیا تھا۔مگر دوسری جانب پرواہ کسے تھی۔وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ٹریفک وارڈن کو دیکھ رہا تھا جو اپنے سر پر مچلتی ہوئی چھتری تانے کھڑا تھا۔

"سر آپ کو یہاں سے فوراً جانا ہو گا ورنہ گاڑی کو اور آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"وہ پارکنگ ایریا میں کھڑا تھا۔اس پر کوئی چارج نہیں بنتا تھا۔اوپر سے اس کی گاڑی، اتنی بڑی اور مہنگی گاڑی کسی عام

انسان کی نہیں ہو سکتی اسی سوچ نے وارڈن کو نرم لہجہ اختیار کرنے میں مدد دی تھی۔ ان اونچے لوگوں سے تو ویسے ہی اللہ کی پناہ، ایک منٹ میں اوپر کال کھڑکا دیتے ہیں۔ طوفان کے آگے ٹریفک وارڈن کھڑا تھا۔ اس لیے ہوا کے دباؤ میں کمی آئی تھی۔ نوح نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا۔

"کیا وہ یہاں سے جا سکتا تھا۔ وہ جائے تو جائے کہاں، اس حال میں کہاں؟" اس نے خود سے بند لبوں کے ساتھ سوال کیا۔ بٹن دبایا تو شیشہ پھر سے فولڈ ہو گیا اب وہ وارڈن پھر سے ریت کے پیچھے نظر آ رہا تھا۔ نوح نے وائپر آن کر دیے۔ اسی دوران موسلا دھار بارش شروع ہو چکی تھی۔ گرد شیشوں سے دھل گئی۔ دکھ بھی دھل جائیں گے۔ پچھتاوے بھی پگھل جائیں گے۔ دل بھی بدل جائیں گے۔ سب سنبھل جائیں گے مگر کب؟

کب سب سنبھلیں گے۔ کب سب ٹھیک ہو گا۔ کب تمام بے چینیاں اپنے اختتام کو پہنچیں گی۔ اس کے پاس ان تمام سوالوں کا جواب نہیں تھا۔ اس کا کشکول بالکل خالی تھا کسی بدنصیب فقیر سے بھی زیادہ خالی۔

"آہ نوح جبران آہ۔۔۔۔"

وہ بار بار گہری سانس بھر رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کر رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ جانے کب سے ایک ہی پوزیشن میں ہاتھوں کو اسٹیرنگ پر جمائے ہوئے تھا۔ اب جب

سوچوں سے نکلا تو بازوؤں کا درد محسوس ہوا۔ لیکن یہ درد اسے بہت بے معنی سا لگا۔ اصل درد تو وہ تھا جو ابھی دل میں ہو رہا تھا۔ اس ثقیل سے درد نے اس کے پورے وجود کو بے جان سا کر دیا تھا۔ وہ جانے کیسے گھر پہنچا۔ اس کی کار کے ہارن کی آواز سنتے ہی سب چہرے بیرونی دروازے میں سے برآمد ہوئے۔ نوح ان پر ایک نظر ڈال کر کار کو پورچ میں روکتا اس میں سے نکلا۔ اس کے باہر آنے سے پہلے ہی غفران بے تابی سے اس کی سمت لپکے تھے۔ انہوں نے کسی شوفر کی طرح چھتری اس کے سر پر تان دی تھی۔ نوح نے گاڑی کا دروازہ بند کرنے سے پہلے ہی چھتری ان کے ہاتھ سے لی کہ ان کی عزت ہزار غموں پر بھاری تھی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام گئی۔ آج وہ نہیں مسکرا سکتا تھا۔ کوشش بھی کرتا تب بھی نا۔

"کہاں تھے تم اور فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے۔ تم نے قسم کھائی ہوئی ہے مجھے پریشان کرنے کی۔" اس کو صحیح سالم دیکھ کر آنکھوں سے تفکر چھٹا تو طیش کا انگارہ آن بیٹھا۔ وہ پھٹنے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔ نوح ان کے قدم سے قدم ملا کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ مائیر کے ہاتھ کی مٹھی بندھی تھی جبکہ سیر اوہ تو نم آلود نگاہوں سے بس اسے ہی تکے جا رہی تھی۔

"موسم کا حال دیکھو تم کوئی حادثہ وغیرہ ہو جاتا پھر۔" اس نے پہلے اسٹیپ پر قدم رکھا اسی دوران ان کی بات نکلی تھی اور اسی دوران نوح کے لبوں پر کرلاتی ہوئی مسکان آئی تھی۔

"حادثہ، وہ تو کب کا ہو چکا اس کے ساتھ، اس حادثے نے اسے بہت زخمی کیا تھا۔ یہ زخم بس دیکھنے والے ہی دیکھ سکتے تھے۔ جن پر وجدان تھا وہی جانچ سکتے تھے۔ باقی سب تو بس سوال ہی اٹھا سکتے تھے۔ بے مول سے سوال۔

"یہ۔" وہ ٹھٹھکتے ہوئے چپ ہوا۔ یہ اس کی آواز کو کیا ہو گیا تھا۔ اس میں نمی کی آمیزش کیوں تھی۔ اس نے جھٹ سے گلا کھنکھارا۔ "یہ موسم پرانا تو نہیں۔" وہ جیسے یاد کروا رہا تھا انہیں کہ وہ اسی طرح کے موسم کا عادی رہ چکا ہے۔ اس طرح کے حالات کو تنہا جھیل چکا ہے۔ یہ موسم، اس کی ہولناکیاں، خاموشی اور ڈر کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ وہ بدل گیا تھا۔ چھ سالوں کا خول اس کے بدن پر چڑھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنی اصلیت بھول جائے۔ اپنا پرانا پن، اپنا ماضی سب کو فراموش کر دے۔ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں تھا۔ بالکل نہیں تھا۔ جبران اس کے لہجے پر ٹھہر گئے۔ وہ نظریں جھکائے بدقت تمام مسکرانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

"آپ کو کم از کم ہمیں اطلاع دینی چاہیے تھی۔ ایک فون کال ہی کر لیتے۔ اتنا دل گھبرا رہا تھا میرا۔" سیرا کی آواز اسے آس پاس سے سنائی دی تھی۔ نامحسوس انداز میں اس نے ٹائی کی گرہ کو مزید کھولا۔

"سیر اٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ کو کم از کم کال اٹھانی چاہیے تھی۔"بتول کی آواز بھی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ وہ ان لوگوں تک پہنچ گیا تھا۔ نوح نے شیڈز کے نیچے آتے ہی چھتری کو بند کیا۔ وہ ان سب کے پاس سے خاموش سا گزر رہا تھا۔ اسے ان سب کا رد عمل بڑا ہی کوئی ڈرامائی لگا۔ اس نے کہہ بھی دیا۔

"کم آن، میں بچہ نہیں ہوں۔ کسی کام میں پھنس گیا تھا دیٹس اٹ۔"وہ ان سب کو کراس کرتا ہوا اندر جا رہا تھا۔ مائیر اور غفران نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ دونوں جانتے تھے اس کی کیفیت کو، وہ دونوں ہی فی الحال نظر انداز کر رہے تھے۔ نوح ناک کی سیدھ میں اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ سیرا اسے اوپر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"ضرور کچھ ہوا ہے۔ مائیر آپ کو پتا ہے نا۔"اس نے گردن موڑ کر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے مائیر سے دریافت کیا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے نارمل انداز میں سیرا کی سماعت میں بم پھوڑ دیا۔

"فلک واپس آگئی ہے مسئلہ یہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اب ایک بچی کی ماں ہے۔"فلک واپس آگئی ہے اس بات کا علم تو سیرا کو منگنی پر ہی ہو گیا تھا لیکن اسے اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ اس کا بھائی ابھی تک اس سے موو آن نہیں کر سکا۔ اسے یکا یک رخسار کی فکر لاحق ہوئی۔

"ہاں تو پھر نوح کو کیا مسئلہ ہے۔ وہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ نوح نے کہا تھا اس نے اسے بھلا دی ہے تو پھر اس کے آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" بتول اور غفران بھی وہیں کھڑے تھے۔ وہ دونوں جانتے تھے نوح کو کیا مسئلہ ہے۔ وہ دونوں اس کے درد سے بخوبی واقف تھے۔

"ہمیں فرق نہیں پڑتا مگر نوح کو فرق پڑ رہا ہے سیر ا، کچھ زیادہ ہی فرق پڑ رہا ہے۔" مائیر کے کہنے پر وہ گھبرا گئی تھی۔

"تو پھر اب کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

اس کی نظر سیڑھیوں پر ہی تھی جس کے ختم ہونے کے بعد تھوڑا سا دائیں جانب مڑو تو نوح کا کمرہ آتا ہے۔ اس کمرے کے بند دروازے کے پیچھے وہ صوفے پر گرے ہوئے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ ناک پر بھی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھ کر پینٹ کی جیب سے موبائل باہر نکالا۔ تیس کالیں۔ اس کے گھر والوں نے اسے تیس فون کیے تھے۔ ان کا گھبرا جانا۔ تفشتیش کرنا۔ پریشان ہونا ڈرامائی نہیں تھا واجب تھا۔ حقیقی تھا۔ اس نے لاک کھولا۔ فون بک نکالی۔ کی پیڈ ابھر کر سامنے آ گیا۔ اس نے ایک ہندسہ دبایا۔ وہ نام جو صدیوں سے نمبروں کی قطار میں کہیں کھو گیا تھا ابھر کر سامنے آیا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس نے نمبر بدلا ہے یا نہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا

آج بھی اس کو بلاک کیا ہوا ہے یا نہیں، وہ نہیں جانتا تھا اس سے کیوں بات کرنا چاہ رہا ہے پھر بھی اس نے اس کا نمبر ڈائل کر دیا۔ بیل جا رہی تھی۔ اس کے دل میں بری طرح ہلچل ہوئی۔ یعنی اس سم کو دوبارہ نکلوا لیا گیا تھا۔ یعنی نوح کے پاس جو فلک کا موبائل تھا اس میں موجود سم اب بند تھی۔ وہ کال اٹھانے کا منتظر تھا۔ کال اٹھا لی گئی۔

"السلام علیکم۔" نوح کی ناک کے نتھنے یکدم پھولے تھے۔ اس نے گلا کھنکھارا۔

"شادی کی مبارک ہو تمہیں۔" کوئی طنز نہیں، کوئی حقارت نہیں، کوئی چیخنا چلانا نہیں، کوئی سوال جواب نہیں۔ بس ایک جملہ، ایک سادہ سا دل کو جھنجھوڑ دینے والا جملہ۔ دوسری جانب توقف کیا گیا پھر جواب آیا۔

"تمہیں منگنی کی۔" یہ وہ کال تھی جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ وہ کال تھی جس کا اسے برسوں انتظار رہا تھا۔ ساڑھے پانچ سال سے رہا تھا۔ نوح ہنس دیا۔ ٹوٹی بکھری ہنسی، غم سے چور، درد سے نڈھال تضحیکی ہنسی، ماتم کناں سی، آنسوؤں میں گھلی، دلو سوز سی ہنسی۔

"تمہارا شوہر، وہ۔۔۔ مہمت ہے نا۔" جب وہ ہنس کر تھک گیا تب تھکن سے چور ہی سوال کیا۔

"ہاں، اس کے علاوہ کون ہو گا۔ پاگل تھا میرے پیچھے۔ ڈھونڈ لیا۔" فلک کی آنکھ سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کی تھوڑی کانپ رہی تھی۔ وہ خود اپنی حالت پر پریشان تھی۔ اسے آنسو نہیں بہانے چاہیے۔ اب نہیں بہانے چاہیے۔

"ٹھیک کہا اس کے علاوہ کون ہو گا۔" اس کی آواز، اس میں صدیوں کی تکان کیوں شامل تھی۔ اس میں غم کا اثر کیوں تھا۔ پچھتاوا، خالی پن یہ سب کیوں تھا اس میں۔ درد، تشنگی، ادھورا پن، نمی یہ سب کیوں تھی اس میں۔

"تم نے فون مبارک باد دینے کیلئے کیا تھا؟" اس سے بات نہیں بن رہی تھی۔ وہ ہچکچا رہی تھی۔ نوح کی خاموشی اس کی آواز کی لرزش میں کچھ واضح تھا۔ وہ ان مفہومات میں پھنس گئی تھی۔ اس نے لب چباتے ہوئے پوچھا۔

"ہمم، اسی لیے کیا تھا۔ آج تمہاری بیٹی دیکھی کافی خوبصورت ہے۔ بالکل تم پر گئی ہے۔" اور فلک کا دل کیا اس مقام پر وہ دھاڑے مار مار کر رو دے۔ اس کے دل میں درد اٹھنا شروع ہوا تھا۔ چھ سال پہلے ایسا درد ہوا تھا اور اب چھ سال بعد پھر سے درد شروع ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو تھپک دیا جھٹک دیا۔

"شش، یہ کیا کر رہی ہو تم۔ اب کیوں کر رہی ہو تم۔ وہ ماضی ہو گیا ہے۔ وہ چھوٹ گیا ہے۔ تم آگے بڑھ چکی ہو۔ سب پیچھے چھوٹ چکا ہے۔ اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اب بس ریت ہے جس نے آنکھوں کو جلانا ہے اور بدن کو تڑپانا۔ اس لئے بند باندھ لو خود پر، اس لیے تھم جاؤ تم۔"

"سب یہی کہتے ہیں۔" وہ تھوڑی سی مسکائی تھی۔ نم آنکھوں کی مسکان۔

"سب سو فیصد درست کہتے ہیں۔ کیا تمہارا شوہر بھی یہ سب کہتا ہے؟" وہ جانے کیا کریدنا چاہ رہا تھا۔ وہ اپنے سوالوں سے خود انجان تھا۔ باہر زور دار بجلی کڑکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مصنوعی روشنیاں بھی گل ہوئیں۔ وہ اب اندھیرے میں تھا۔ وہ بھی اب اندھیرے میں تھی۔ اس کے فون کی روشنی اس کی ہلکی بڑھی شیو پر پڑ رہی تھی۔ فلک کے فون کی بھی روشنی اس کی لرزتی ہوئی تھوڑی پر پڑ رہی تھی۔ منور سی مدھم چاندنی جابجا تھی۔ سیاہی وہاں بھی تھی اور سیاہی یہاں بھی تھی۔

"مہمت کو میرے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔" اس ایک جملے نے تمام قصہ ختم کر دیا۔ بات کا مجموعہ و مفہوم سب واضح کر دیا۔ بس ایک جملہ اور نوح جبران کا بری طرح ٹوٹتا دل۔ اس نے کچھ نہیں سنا۔ مزید کچھ کہا و سنا ہی نہیں گیا۔ اس نے کال کاٹ کر فون ہاتھوں میں لیے سر جھکا دیا۔ تو یعنی وہ نیلی آنکھوں والا لڑکا اس پر سبقت لے گیا۔ اس کی محبت تکمیل کو پہنچی اور نوح جبران کی۔۔۔

کیا قسمت پائی تھی اس نے۔ اس نے اپنے خالی ہاتھ دیکھے۔ خود پر خود ہی ہنسی آئی۔

"مہمت کو میرے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔" کتنا خون میں رستا سڑا ہوا سا جملہ تھا نا۔ کتنا دل کی حالت کو غیر کرتا بے چین کرتا برا سا جملہ تھا۔

"مجھے بھی تو تمہارے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا۔ میں بھی تو اب تک منتظر تھا۔ صبر کا خول چڑھا کر دل میں ملنے کی امید لیے اتنے سال گزار دیے میں نے۔ کئی جگہ پر ٹھٹھکا، گرا، سنبھلا مگر ایک آس ہمیشہ رہی کہ تم لوٹو گی۔ آؤ گی میرے پاس اور کہو گی نوح، ناراضی ختم کرو مجھ سے، مان جاؤ اور میں بغیر حیل و حجت مان جاؤں گا۔ کوئی سوال جواب نہیں کروں گا کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ بس نرمی سے تمہیں خود میں سمولوں گا۔ ہر درد بھلا دوں گا لیکن یہ کس طرح کا اختتام ہوا بھلا۔" اس نے فون صوفے پر رکھا پھر اپنا وزن اٹھاتا کھڑا ہو گیا۔

"کہ میں انتظار لاحاصل میں رہا اور تم بلا مبالغہ مجھے کہہ گئیں کہ تمہارے شوہر کو تمہارے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا۔" وہ چلتا ہوا کھڑکی کی جانب آیا۔ اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے شیشہ سلائیڈ کیا۔ تیز بارش کی پھوار نے یکایک اس کو بھگونا شروع کر دیا تھا۔

"یہ کس طرح کی تاویل تھی فلک سفیر، یہ کیسا انجام تھا۔ میں کس طرح سے اپنے دل کو سنبھالوں۔ میں کیسے واقعی میں صبر کر لوں۔ میں کس طرح خود کو سمجھاؤں۔ میں کیسے تمہاری طرح آگے بڑھوں۔ کس طرح آخر۔" جامد لبوں کے ساتھ اس نے پینٹ کے جیب میں سے ہاتھ باہر نکالا۔

گلے میں لٹکتی چین کو اس نے دو انگلیوں سے باہر کھینچا تھا۔ اس چین کے ساتھ وہ انگوٹھی بھی باہر آ گئی جو اس نے کبھی منگیتر کے طور پر اپنی انگلی میں پہنی تھی۔ اس سلور انگوٹھی کے اندر فلک اور اس کا نام ساتھ میں کنندہ تھا۔ اس کے لبوں پر اداسی میں لپٹی مسکان پھیل گئی۔

"تم واپس آئی اور پھر سے اتنی دور چلی گئی کہ اب تو رسائی بھی ناممکن ہے۔ اب تو امید بھی دم توڑ گئی۔ اب میرے انتظار کا کیا۔ اب میری آس کا کیا۔ اب میری دعاؤں کا کیا۔ اب میرا کیا۔" اس کے گال بھیگے تھے۔ اس کا سینہ بھیگا تھا۔ بارش نے اس کی روح تک کو بھگو دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دھند چھا گئی۔ گہری دبیز دھند کی تہہ پورے عالم میں بچھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ پورے عالم میں جیسے اندھیرا چھا گیا ہو۔

گھور اندھیرا۔

--

بارش ہو رہی تھی تیز بارش۔ اس برستی بارش میں وہ بچی تکیے کے نیچے سر دیے لیٹی تھی۔ اس کو بجلی کی آواز سے خوف آتا تھا۔ وہ بہت ڈرا کرتی تھی لیکن ان سب چیزوں سے اوپر وہ آوازیں تھیں جو

باہر سے آرہی تھیں۔اسے دنیا میں تمام چیزوں سے زیادہ ان آوازوں سے ڈر لگا کرتا تھا۔وہ اس کے والدین کی لڑائی کی آوازیں تھی۔اس نے آنکھیں مزید میچ لیں۔کان مزید بند کر لیے۔

بروکن فیملی کبھی بھی خوشگوار فیملی نہیں ہوا کرتی ہے۔وہ ہمیشہ ٹکڑوں میں بٹی رہتی ہے۔مٹی کی طرح بھربھری ہوتی ہے۔ذرا سی ہوا چلتی ہے اور پھر سب بکھر جاتا ہے۔ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں کرچیاں بھر جاتی ہیں۔چہرے مرجھا جاتے ہیں۔خواہش،خواہش رہ جاتی ہے۔ حسرت،حسرت رہ جاتی ہے۔مکمل فیملی کا خواب بس خواب ہی رہ جاتا ہے۔وہ بچی تھی۔ایک چھوٹی بچی،خاص کر لڑکی۔اس کیلئے یہ ماحول ٹھیک نہیں تھا۔یہ الزامات یہ کھلے الفاظ ٹھیک نہیں تھے۔ اس کا چھوٹا سا دماغ اس سب کو ٹھیک سے ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔وہ ابھی چھوٹی تھی اس لیے پہلا خیال ہی فرار آیا تھا۔اسے یہاں سے جانا تھا۔اسے یہاں سے ابھی اور اسی وقت جانا تھا۔اس نے جونہی اپنے کانوں پر سے تکیہ ہٹایا کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔اس نے پرواہ نہیں کی۔شیشے کے ساتھ زمین پر پڑا ہوا اپنا بیگ اٹھایا اور بھاگ کر ڈریسنگ روم میں گئی۔ وہاں سے اس نے دو چار جوڑے اور کچھ ٹوائز بیگ میں ڈالے تھے۔رین کوٹ پہننے کے بعد ننھے سے دل سے ایک بار پھر سے پوچھا۔

"ہے،کیا تم واقعی ہمت کرنا چاہتے ہو۔کیا تم ڈرو گے تو نہیں؟"جواب فوراً اور مستحکم آیا تھا۔

"نہیں۔"

اس نے کھڑکی کا شیشہ کھولنے سے پہلے کاغذ اور پنسل اٹھا کر اس پر کچھ لکھا پھر وہ بنا مڑے ہی وہاں سے چلی گئی۔

"تم ایک آوارہ اور دھوکے باز انسان ہو۔ تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے مجھے۔" زہر میں بجھے الفاظ، زہر خند لہجہ۔ احسن نے سینے پر بازو باندھ لیے۔

"اچھا میں بد کردار ہوں تو اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ کون ہو تم ہاں، اپنے ذات کے نشے میں گم ایک کم ظرف عورت جس کو صرف خود سے پیار ہے باقی سب جائیں بھاڑ میں۔ لسن۔" وہ آنکھیں نکال کر انگلی اٹھاتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا۔

"یہ آخری بار ہے۔ آئندہ میں اپنے کردار پر ایک بات برداشت نہیں کروں گا۔" رامیہ کے چہرے پر ہتک کے رنگ آن سجے تھے۔ وہ لفظوں کو چباتے ہوئے پھنکاری۔

"اگر کردار کی اتنی ہی پرواہ ہے تو اپنی سرگرمیاں بند کیوں نہیں کرتے۔ کیوں زمانے بھر میں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی رسوا کرتے ہو۔" وقت پلٹا تھا۔ اس وقت رامیہ اور احسن نہیں لڑ رہے تھے۔ اس وقت جبران اور تنزیلہ لڑ رہے تھے۔ جو اس نے پورے بچپن میں دیکھا۔ جو اس کے دماغ میں

انجیکٹ ہوا آج اس کا اثر اس طرح سے ہو رہا تھا۔ آج وہ یوں اپنے شوہر کو کٹہرے میں لیے کھڑی تھی۔ آج ایک اور رامیہ کمرے میں بند تکیے کے نیچے منہ دیے پڑی تھی لیکن پرواہ کس کو تھی؟ بالکل، کسی کو بھی نہیں تھی۔

"تم مجھ پر اپنا در بند نہ کرو تو میں بھی یہ سب نہیں کروں گا۔ اب کیا ہے تو پھر بھگتو۔" احسن کی اب بس ہو رہی تھی۔ چبھتے، چلچلاتے لفظوں میں اس کا کھڑا ہونا محال ہوا۔ رامیہ سرکتے، سرکتے اس کے دل سے جانے کہاں جا رہی تھی۔ منزل بس جدا ہونے والی تھی۔ ایک قدم ہی تو تھا۔ اور دیکھو وہ قدم بھی اٹھ گیا۔

"میں تھوکتی نہیں ہوں تم پر، اب تو تم جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ سانس لینا بھی دشوار ہے۔ اس لیے کل صبح طلاق کے کاغذات پر سائن کر کے تمہارے منہ پر ماروں گی۔" اس نے ہاتھ کو بری طرح جھٹکا تھا۔ میز پر رکھا گلدان دور جا کر گرا، گر کر چکنا چور ہو گیا۔ رامیہ نے توقف نہیں کیا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے دھاڑ کے ساتھ دروازہ بند کیا پھر ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دوسرے سے اس نے ماتھے پر آئے تمام بالوں کو پیچھے کر دیا اور ہاتھ کو وہیں سر پر روکے رکھا۔ اس کے غصے کی انتہا ہو رہی تھی۔ اس کی اب بس ہو رہی تھی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر اس نے اپنے کمرے کا حشر کر دیا تھا۔ سب کچھ توڑنے پھوڑنے کے بعد جب وہ صوفے کے کنارے پر ٹکی تھی اچانک اس کو سامیہ کا

خیال آیا تھا۔ احسن اسے اس سے لے لے گا۔ وہ احسن کو ایسا نہیں کرنے دے گی۔ وہ اسے اپنی دوست کے پاس ابروڈ بھیج دے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ جلدی سے اس کے کمرے میں آئی تھی۔ تمام لائیٹس آن تھیں مگر کمرہ بالکل خالی تھا۔

"سامیہ۔" وہ سخت آواز میں اسے بلا رہی تھی۔ وہ پورے کمرے میں نہیں تھی۔ وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔ قبل اس کے رامیہ واش روم کی جانب بڑھتی بیڈ کے بیچوں بیچ پڑا ہوا ایک کاغذ اس کی توجہ کھینچ گیا تھا۔ وہ بیڈ کے پاس آئی جھک کر کاغذ اٹھایا۔ سامیہ کی ہینڈ رائیٹنگ اس پر جگمگا رہی تھی۔

"ڈیئر مام ڈیڈ۔ یہ میں ہوں آپ کی بیٹی سامیہ جسے شاید آپ لوگ بھول چکے ہیں۔ آپ دونوں ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ابیوز کرتے ہیں۔ چیختے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔ میں یہاں چھٹیوں پر آئی تھی۔ میں جب چھٹیوں پر آتی ہوں تو سب کو یہی لگتا ہے میں بہت مزے کرتی ہوں۔ میرے مام ڈیڈ بہت بڑے لوگ ہیں۔ وہ مجھ سے ڈھیر سارا پیار کرتے ہیں۔ مجھے بہت سے کھلونے لے کر دیتے ہیں۔ ان کو لگتا ہے میں دنیا کی خوش نصیب لڑکی ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں خوش نصیب نہیں ہوں۔ میں بہت بیڈ لک لڑکی ہوں۔ ایک جھوٹی ہوں جو سب کو ہیپی فیملی کا جھوٹ بولتی ہے۔ میں جھوٹ نہ بولوں۔ میں اپنے کانوں پر تکیہ نہ رکھوں اور میں آپ کو لڑتے ہوئے نہ دیکھوں اس لیے میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ میں جب بڑی ہو جاؤں گی تب

آپ دونوں سے ملنے ضرور آؤں گی۔ مجھے امید ہے آپ دونوں تب تک اپنی لڑائی بند کر دیں گے۔"

"بہت سارے پیار کے ساتھ سامیہ۔"

کاغذ پر تین لوگ بنے تھے۔ ایک ڈیڈ، ایک مام اور ان سے بہت دور کھڑی ایک چھوٹی بچی۔ لکھتے ہوئے شاید وہ بچی روئی تھی تبھی کاغذ پر چند جگہوں پر سوکھے آنسو کے نشان تھے۔ رامیہ اس خط کو پڑھ کر بیڈ پر گر سی گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اچانک ٹھنڈے ہوئے تھے۔ اس کا خون نچڑ رہا تھا۔ اس نے بے جان وجود کے ساتھ حلق میں خراشیں ڈالتے ہوئے احسن کو آواز دی تھی۔

پورا شہر تاریک تھا۔ پورے شہر کی لائیٹ گئی ہوئی تھی۔ وہ گھر روشن تھے جن میں لائیٹ کا بندوبست تھا۔ باقی سب اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ خطرناک رات ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ سڑکوں پر آوارہ کتے بھی موسم کی ہولناکی کی وجہ سے دبکے ہوئے بیٹھے تھے۔ درخت ابھی تک سجدہ ریز تھے۔ موسلا دھار بارش تھمی نہیں تھی۔ پورے شہر میں جیسے سونامی آگئی تھی۔ سونامی تو ان سب میں بھی آئی تھی۔ نوح اور مائیر تو جیسے پاگل ہی ہو گئے تھے۔ انہوں نے وقت نہیں دیکھا تھا۔ موسم نہیں دیکھا تھا۔ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ بھی سوچنے کی بات تھی۔ وہ دونوں احسن کے ساتھ سامیہ کو ڈھونڈنے میں نکل گئے تھے۔ رامیہ تنزیلہ کے شانے سے لگی

اشک بہار ہی تھی۔ آج وہ سچ مچ پریشان تھی۔ اس کا دل بیٹھا جارہا تھا۔ اس کی بیٹی، اس کی بیٹی کہاں جاسکتی تھی۔ وہ کہاں جاسکتی تھی بھلا؟

"فکر نہیں کرو، سامیہ مل جائے گی۔" تنزیلہ نے یہ کوئی دسویں بار اس سے کہا تھا۔ وہ پھر بھی تاہنوز روئے چلی جارہی تھی۔ سیر ابھی وہیں اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی تر تھیں۔

"وہ اندر ہی تھی پھر اچانک جانے کہاں چلی گئی۔" سیر اکا بڑا دل کیا وہ اس کو سامیہ کا گڈ بائے لیٹر پھر سے پڑھنے کو کہے مگر موقع کی مناسبت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس لیے اس نے لفظوں کو حلق تک ہی رکھا باہر نہیں آنے دیا۔

"کہانا مل جائے گی۔ اس کے ماموں اس کو ڈھونڈنے گئے ہیں۔ وہ کیسے گم ہو سکتی ہے بھلا۔" اس بات سے اچانک رامیہ کی نگاہوں میں نوح کا چہرہ آیا تھا۔ وہ کیسا ہونق سا وہاں آیا تھا۔ اس کے چہرے پر کیسی مردنی اور کرب چھایا تھا جب اس نے وہ خط پڑھا تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی مثال بنا وہ کھڑا تھا۔ وہ اس کے کھو جانے کی خبر سے رو دینے کو ہو گیا تھا۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ کوئی سوال جواب نہیں کیا تھا۔ آیا۔ خط پڑھا اور پھر گولی کی اسپیڈ میں وہاں سے چلا گیا۔

"نوح اسے ڈھونڈ لے گا ماما؟" اس نے آس سے دریافت کیا تھا۔ تنزیلہ نے پر تیقن لہجے میں کہا۔

"ہاں وہ اسے ڈھونڈ لے گا۔ فکر نہیں کرو۔"

رامیہ کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کا فون ابھی تک کسی بھی پیغام سے خالی تھا۔ وہ تنزیلہ کی گود میں سر رکھے دل مسوس کر لیٹی تھی کہ دفعتاً ایک میسج ابھرا۔ ایک روح فرساں میسج۔ اس کی آنکھیں اسے پڑھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ جہاں کی تہاں سانس روکے لیٹی رہی۔ اس کا دل لمحے میں سکڑا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا اور وہ زندگی میں پہلی بار غش کھا گئی۔

دن کے وقت جب سورج پورے آب و تاب سے سر پر چمک رہا تھا۔ پرندے یہاں سے وہاں منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ تب کھلے آسمان تلے مینہ اپنے تندرست ہاتھ میں چھوٹا سا شاپر تھامے چلی آ رہی تھی۔ اس شاپر میں ایک منہ دھونے کا صابن تھا۔ تھوڑی سی چینی، پتی کا ڈبا اور اچار۔

آج ہی اسے ٹیوشن کے پیسے ملے تھے۔ پہلے جو ملے تھے اس میں سے اس نے آٹا منگوا لیا تھا اب یہ چیزیں تھیں جو ضروری تھیں۔ کل رات کے طوفان نے گلی کوچوں کی حالت غیر کر دی تھی۔ شکر تھا پانی اکھٹا نہیں ہوا تھا ورنہ کراچی میں تو سونامی آ جاتی ہے۔ تباہی مچ جاتی ہے۔ خیر تباہی تو ابھی بھی مچی تھی۔ کیچڑ گند جا بجا تھا۔ بجلی کل رات سے گل تھی۔ تاریں جو ٹوٹ گئیں تھی ہوا کی زیادتی سے، اوپر سے حبس اور مچھر۔ وہ اپنے چہرے کے گرد چادر کو باندھے احتیاط سے چلتی ہوئی گھر آئی تھی۔

آتے ساتھ ہی اس نے سلام داغا تھا۔ دروازے کی کنڈی لگانے کے بعد وہ چادر اتارتی کچن میں آئی اور بری طرح ٹھٹھک گئی۔ کچن میں اتنا سارا سامان پڑا تھا۔ اتنا سارا راشن تھا کہ وہ سال دو سال ماہ آرام سے پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے۔ ہر طرح کی چیز وہاں موجود تھیں۔ وہ جلدی سے اپنے تھوڑے سے سامان والا شاپر رکھ کر فرخندہ کے کمرے میں گئی تھی۔ وہاں کا منظر بھی کچھ الگ نہیں تھا۔ بیڈ پر بے تحاشہ بیگز پڑے ہوئے تھے۔ کچھ میں سے تو جوڑے اور جوتے فرخندہ نکال چکی تھیں۔ کچھ کے منہ ابھی تک بند تھے۔ مینہ کے آتے ہی انہوں نے خوشی سے گلنار چہرے کے ساتھ اس کو دیکھا۔

"مینہ، میں نے کل بڑی رو رو کر دعا کی تھی اللہ سے کے بس اب بہت ہو گیا۔ اب بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ کوئی سبب پیدا کر دو۔ کوئی وسیلہ بنا دو اور دیکھو اللہ نے صبح کی روشنی کے ساتھ ہی کیا انعام سے نوازا ہے ہمیں۔" انہوں نے ایک پھولا ہوا پیکٹ بھی اس کی جانب بڑھایا تھا۔ وہ اسے کان کے قریب کر کے ہلا رہی تھیں۔ لہجے میں شدید اشتیاق تھا۔

"یقیناً اس کے اندر پیسے ہیں۔" مینہ کے چہرے پر ہوائیاں پھیل گئیں۔ اس نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"لیکن اماں یہ دے کر کون گیا ہے۔ اتنا سب کس نے بھیجا۔" اچانک ہی اس کے دماغ میں کوندا لپکا تھا۔ اس نے فرخندہ کے ہاتھ سے وہ لفافہ لیا۔ اس کو چاک کیا۔ اندر واقعی بہت موٹی رقم تھی۔ وہ جانتی تھی اتنا سب کچھ دینے کا ظرف کس کا ہے۔ کون انہیں اتنا نواز سکتا ہے۔ اس کے بھائی تو ایک جوڑا اور چند روپے دیتے تھے تو بھابھیاں مہینوں سنایا کرتی تھیں۔ اب تو باقاعدہ فون اٹھانا بند کر دیا تھا تاکہ مزید سوال نہ کر سکیں۔ رہی نگہت تو اس کی نیت تو ویسے ہی پوری سوری تھی۔ وہ اچھے وقتوں کی ساتھی تھی۔ مطلب کے ساتھ ماں اور بہن سے جڑی ہوئی تھی۔ فلک نے ان پر سے ہاتھ کیا کھینچا سب کے ہی بھیانک چہرے سامنے آ گئے۔ یہ سب فلک ہی ان کو دے سکتی تھی۔ اس کا ہی حوصلہ اتنا تھا۔

"یہ سب فلک نے بھیجا ہے مینہ، وہ ہی اتنا کچھ دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کا اتنا دل نہیں ہے۔ آج اس نے سامان بھیجا ہے۔ کل کو وہ خود آئے گی۔ دیکھنا تم۔" اشک سے لباب پر آنکھوں کے ساتھ بڑے وثوق سے وہ کہہ رہی تھیں۔ مینہ کا حلق جکڑا گیا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھی۔ بامشکل اس نے پانچ جماعتیں پڑھی ہوں گی۔ لیکن اس کے بولنے کا انداز اور کچھ بہتر انگریزی سے لوگ اسے پڑھا لکھا ہی سمجھتے تھے۔ اسی بھرم میں چند ایک طلباء اس کے پاس پڑھنے آتے تھے۔ ان سے بھی فیس اس کو ایسے مانگنی ہوتی تھی جیسے وہ بھیک کا تقاضا کر رہی ہو۔ قلیل فیس تھی اور کثیر اخراجات۔ سوچ سوچ کر خرچ کرنے کے بعد بھی رقم اتنی جلدی ختم ہو جاتی تھی کہ وہ پھر سے خالی ہاتھ لیے

بیٹھی رہتی تھی۔ لیکن آج، آج اس کے ہاتھ خالی نہیں تھے۔ آج ان میں اتنے پیسے تھی کہ وہ اسے دھندلے دھندلے دکھنے لگے۔ یہ رقم، یہ پیسے اسی سے تو سب رشتے ناطے جڑے تھے۔ یہ تھے تو بہن بھائی، شوہر سکون سب تھا۔ یہ گئے تو کچھ بھی نہیں رہا۔ نا اپنا گھر، نہ بہن بھائی اور نہ سکون۔

"ٹھیک کہا اماں اتنا دل فلک کا ہی ہے۔"

آنسو اس کے گال بھگو چکے تھے۔ ان آنکھوں میں جو چہرہ تھا وہ اس محلے سے تھوڑا باہر آنکھوں پر گاگلز لگائے کھڑا تھا۔ یہ سیاگاگلز بھی پلکوں پر اتری نمی کو چھپانے کی غرض سے ہی لگے تھے۔ اسے جب معلوم ہوا کہ سامان بحفاظت اصل مقام پر پہنچ گیا ہے تو وہ واپس گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ پچھلی نشست پر ٹھس بیٹھی وہ بھاگتی دوڑتی زندگی کو دیکھ رہی تھی مگر اس کا دماغ دو ہی نفوس پر اٹکا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا۔ اس کے یوں غائب ہونے پر مینہ اور فرخندہ کا یہ حال ہو گا تو وہ کبھی بھی روپوش ہونے کے بعد ان پر سے ہاتھ نہ اٹھاتی۔ کبھی انہیں یوں تنہا نہ چھوڑتی۔ وہ جو سہہ چکی تھی کبھی ان پر ایسا وقت نہ لاتی۔ اب جب اس کے معلوم کرنے پر اسے ان کی حالت کا ادراک ہوا تھا تو نوالہ حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ اسے ٹھیک سے سانس بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ طوفانی رات کے ختم ہونے کی منتظر تھی۔ وہ رات اس کے دل کی دنیا تو تہہ و بالا کر گئی لیکن وہاں سکون بھی اتار گئی۔ اس کے دل کی بے سکونی ختم کر گئی۔ گاڑی کے اس پار سب جگہ دھند ہی دھند تھی۔ پوری دنیا سمندر بن گئی تھی۔ اونچی بلڈنگز، کچی سڑکیں، پکی شاہراہیں، بوڑھے درخت کے نیچے ویران بینچ اور جاری

وساری ٹریفک۔ وہ جہاز میں بھی خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے لب تاہنوز جامد تھے۔ اسلام آباد کی سرزمین پر اترنے کے بعد اس نے کسی روبوٹ کی طرح خود کو کیب میں بٹھایا تھا۔

اس کی آنکھیں ایک ہی نقطے پر جمی تھیں۔ وہ نقطہ بریک لگنے پر ٹوٹا تھا۔ فلک چونک گئی۔ ڈرائیور نے مقام کے آنے کا بتادیا تھا۔ اس نے سر جھکایا۔ بیگ کھولا۔ والٹ نکالا پھر اس کی زپ کو کھینچ دیا۔ مخصوص آواز گونج کر معدوم ہوئی تھی۔ فلک نے چند نوٹ باہر نکال کر کیب والے کو پکڑائے پھر وہ گاڑی سے باہر آگئی۔ گھر پہنچ کر کیئر ٹیکر کو بھیجنے کے بعد اس نے تھوڑا آرام کیا تھا اس کے بعد وہ ہسپتال آئی تھی۔ اسے ہر ماہ باقاعدگی سے اپنا چیک اپ کروانا ہوتا تھا۔ چاہے وہ کسی بھی شہر میں ہو جب تک چیک اپ نہیں کرواتی تھی اس کو سکون نہیں آتا تھا۔ اسے جینا تھا۔ بہت سارا جینا۔ پہلے وہ مرجانا چاہتی تھی مگر جیسے ہی اس کی زندگی میں بہار آئی۔ اس کی بیٹی آئی۔ اس کے اندر جینے کی امنگ جاگ اٹھی۔ وہ اپنا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ ہاتھ میں فائلز لیے وہ کاریڈور سے گزر رہی تھی۔ اس کے آس پاس سے لوگ آجارہے تھے۔ ہجوم تھا۔ شور تھا۔ گرمی تھی۔ حبس تھی۔ اس نے اسکارف سے ماتھے کو پونچھا اور پھر اپنی نظر ریسیپشن پر دوڑادی۔ قطار در قطار لائنیں تھی۔ اسکرین پر نمبر چل رہے تھے۔ اس نے بیگ میں سے فون نکال کر اپنا سابقہ ریکارڈ آن کیا۔ لاہور کے ہسپتال نے اس کا ریکارڈ اسلام آباد ہسپتال میں منتقل کر دیا۔ اب بس ڈیٹا اینٹر کروا کر اسے خود کو چیک کروانا تھا۔ وہ فون کو واپس بیگ میں ڈال کر اس میں سے کچھ تلاش کر رہی تھی جب اپنے

قریب سے اسے ایک انجانی آواز سنائی دی۔ اس نے فوراً سر اٹھا کر اس سمت دیکھا تھا۔ وہ نوح تھا اور کسی ڈاکٹر سے بے حد سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔ اس کا حلیہ۔۔۔۔ اس کا حلیہ ٹھیک نہیں تھا۔ فلک نے بغور اسے دیکھا۔ کیچڑ لگی گہری بھوری پینٹ، آسمانی رنگ کی شرٹ جس کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے۔ ایک حصہ پینٹ کے اندر تھا اور ایک باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ شرٹ بھی ملگجی سی تھی۔ اس پر جھولتی کچھ زیادہ ڈھیلی ٹائی بھی خاص اچھی حالتوں میں نہیں تھی۔ اس کے سرے ڈھیلے ہو کر سینے پر لٹک رہے تھے۔ مرون رنگ مٹی کے داغوں میں دب گیا تھا۔ میلے جوتے، سوجی ہوئی آنکھیں، بھاری بوجھل آواز۔ فلک اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا۔ دوسرا ہاتھ بیگ کے اندر ہی جامد ہو گیا۔ گردن مڑی کی مڑی رہی۔ وہ اسے تکتی رہی۔ یہاں تک کہ نوح کی گفتگو میں خلل آیا تھا۔ اس نے الجھ کر نظریں یہاں وہاں دوڑائیں جیسے کسی کو تلاش رہا ہو۔ اس دوران وہ بات بھی کر رہا تھا پھر اس نے سر جھکا کر ابرو کو کھجایا تھا۔ ایک بار پھر اس نے گھبراتے ہوئے سر اٹھایا، اٹھا کر دائیں جانب موڑ دیا۔ وہ نگاہ پکڑ چکا تھا۔ کشش نے راستہ بنایا اور سر کو عین اس جانب گھما دیا جہاں سے اسے دیکھا جا رہا تھا۔ نوح کی بھوری آنکھیں اس کی سیاہی مائل آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ سامنا بڑا زبردست ہوا تھا۔ جانے ایسا تھا یا فلک کو لگا کہ اس ایک لمحے کی تکرار میں بھوری آنکھوں میں سمندر آیا ہے۔ پلکیں جھپکا دی گئیں، نظر پھیر لی گئی۔ وہ پھر سے اپنی سابقہ

پوزیشن میں چلا گیا تھا۔ فلک نے بوکھلاتے ہوئے رخ موڑا پھر جلدی سے آئی ڈی کارڈ نکال کر لائن میں کھڑی ہو گئی۔ دو منٹ بعد وہ اس کے برابر تھا۔

"این سی دو اپنا۔" وہی بکھری سی آواز، فلک نے گردن موڑی۔ نوح کی آنکھوں میں کاؤنٹر پر چلتے نمبروں کی روشنی پڑ رہی تھی۔ بھوری آنکھوں میں وقفے وقفے سے سرخی گھل رہی تھی۔ فلک نے جھجھکتے ہوئے کارڈ اسے تھما دیا۔ وہ کارڈ لے کر سیدھا کاؤنٹر پر گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سب عملہ کھڑا ہو گیا۔ نوح نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا تھا۔ کچھ ہی منٹوں بعد وہ ہاتھ میں خالی نسخہ لیے اس کے پاس سے گزرا، گزرتے گزرتے کہا۔

"آؤ۔"

وہ اس پکار پر لائن توڑتی ہوئی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا موڑ مڑ کر کہیں جا رہا تھا۔ فلک اس کے پیچھے ہی تھی۔ وہ جہاں سے گزر رہا تھا لوگ اس کو سلام کر رہے تھے۔ سر ہلاتے ہوئے سب کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے آ کر رکا پھر اس کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی تین چار بیٹھے ڈاکٹر کھڑے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر توقیر، ان کو ذرا دھیان سے چیک کیجیئے گا۔" سیاہ میز پر فلک کی فائل اور نسخہ رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ فلک نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ نوح اس کیلئے کرسی کو کھینچ چکا تھا۔ وہ یہ سب کر رہا تھا یعنی آنے والی ہستی بہت خاص تھی۔

"اوکے ڈاکٹر، مس آپ تشریف رکھیں۔" نوح کو کہنے کے بعد اس نے فلک سے کہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی نوح وہاں سے گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے طویل چیک اپ کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تھی۔ اس کی ساری رپورٹس ٹھیک تھیں۔ دل کی حالت بھی کافی بہتر تھی۔ اس کی بہت ساری دواؤں میں سے چند دوائیں کم کر دیں گئیں۔ وہ اس بات کو لے کر مطمئن و خوش تھی۔ لیکن اس کی خوشی ایک بار پھر سے اڑن چھو ہوئی تھی۔ ڈوبتے سورج میں ہسپتال کے لان کے ایک کونے میں وہ بینچ پر سر ہاتھوں میں دیے بیٹھا تھا۔ اس کا حلیہ وہی تھا۔ جھولتی ہوئی ٹائی، ملیے کپڑے، تھکا ہارا سا وجود۔

وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب بڑھی تھی۔ وہ جانتی تھی اب یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ اس پوائنٹ پر ٹھیک نہیں ہے جب نوح شادی کرنا والا ہے اور وہ پہلے سے ہی ایک بچی کی ماں ہے۔ لیکن اس کے قدم نہیں رکے۔ پرانی رفاقتوں نے اسے اس کی جانب بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ شانے پر چاکلیٹ براؤن بیگ جمائے وہ اس کے پاس آ کر رکی پھر بینچ کے آخری سرے پر بیٹھ گئی۔

"سب ٹھیک ہے؟"نہایت شائستگی سے دریافت کیا۔نوح نے چونک کر سر اٹھایا پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا اور دیکھتا رہا۔

"آپ کافی پریشان نظر آرہے ہو۔کیا کوئی بہت بیمار ہو گیا ہے؟"نوح نے پلکیں جھپکائیں۔کیا یہ سب سچ تھا۔وہ واقعی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔تھوڑی سی دور مگر ساتھ۔اتنا قریب کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا۔ہاں یہ سچ ہی تھا۔سب سچ ہی تھا۔لیکن کیا فائدہ ایسے سچ کا جس سے اسے کوئی فائدہ نہیں تھا۔اس نے سر کو ہولے سے اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں۔۔۔کوئی دل سے قریب بہت بیمار ہو گیا ہے۔"ایک ہوک تھی اس کے لہجے میں،فلک مسکرا نہیں سکی۔

"کیا ہوا۔ڈاکٹر پر امید ہیں؟"وہ نہیں جانتی تھی کیوں پوچھ رہی ہے لیکن وہ خود کو سوال کرنے سے روک نہیں پائی۔

"پھیپھڑوں میں پانی جانے کی وجہ سے وہ نمونیے کی زد میں ہے لیکن زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔وہ جلد ٹھیک ہو جائے گی۔"وہ جیسے خود کو زیادہ تسلی دے رہا تھا۔فلک نہیں جانتی تھی وہ کس کی بات کر رہا ہے۔شاید رخسار کی،ہاں اب وہ اسی کیلئے اس حد تک پریشان ہو سکتا ہے۔اس نے سوچا،سوچ کر دل بوجھل کر لیا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" مدھم آواز میں دی گئی تسلی کا جواب ترنت آیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ ہاں وہ بالکل صحت یاب ہو جائے گی اور میرے سینے سے آن لگے گی۔ میں کل رات اس تک دیر سے پہنچا لیکن ابھی جب وہ ہوش میں آئے گی تو سب سے پہلے مجھے اپنے سامنے پائے گی۔ اس بار دیر نہیں ہو گی۔ اب میں دیر نہیں کروں گا۔" وہ خود کلامی کر رہا تھا۔ وہ کتنا الجھا ہوا تھا۔ فلک کی پلکوں کے کنارے یکا یک مرچوں زدہ ہوئے۔ چھ سال بہت عرصہ ہوتا ہے موو آن کیلئے۔ کبھی جس کو دیکھ کر وہ مسکراتا تھا۔ اپنی ہر تکلیف بھلا دیتا تھا۔ اس کی ہر کلفت دور ہو جایا کرتی تھی۔ آج وہ اس کے ساتھ اس کے برابر بیٹھی ہے پھر بھی اس کے چہرے کا کرب ختم نہیں ہوا۔ مسکراہٹ آنا تو دور کی بات تاثرات نہیں بدلے، بیٹھنے کا انداز نہیں بدلا۔ فلک نے نظریں اٹھا کر یہاں وہاں بکھرے لوگوں کو دیکھنا شروع کیا۔ پریشان حال چہروں میں چند خوش حال چہرے بھی شامل تھے۔ کسی کو نئی زندگی کی نوید ملی تھی کسی کو صحت تو کسی کو روگ۔ اس کی آواز بہت آہستگی سے وہاں پھیلی۔

"بہت محبت کرتے ہوئے اس سے؟" جانے کہاں سے یہ سوال بر آمد ہوا۔ کیوں ہوا۔ اس کو معلوم نہیں تھا۔ سماعت تو بس جواب کی منتظر تھی۔

"بہت زیادہ اتنی زیادہ کہ میرے اختیار میں ہو تو میں اپنی زندگی اس پر وار دوں۔" مرد بھول جاتے ہیں۔ پہلی محبت، دوسری اور پھر تیسری بھی۔ وہ جلد اور آسانی سے بھول جاتے ہیں۔ یہ شرف ان کو ہی بس حاصل ہے۔ کتنے نوازے ہوئے ہوتے ہیں ناوہ۔ فلک کے گلے میں گولا سا بن گیا۔ وہ خود اپنی کیفیت پر حیران تھی۔ بینچ سے اٹھنا چاہا تھا مگر اٹھ نہیں سکی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کو گوند سے چپکا دیا ہے۔ دل کے اٹھتے درد کو کم کرنے کی خاطر ایک اعتراف اس نے بھی کیا۔

"میں بھی مہمت سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں۔ مجھے بھی نہیں معلوم مجھے کب اس سے اس حد تک محبت ہو گئی کہ اب اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میرے لیے بھی اب وہی سب کچھ ہے۔ اسے کچھ ہو جائے تو شاید میں مر ہی جاؤں۔" تھوڑے سے دور بیٹھے شخص کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اس کے وجود پر طاری جمود مزید بڑھا۔ کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ گھلا تو خون آپ ہی آپ جل اٹھا۔ اس انگاروں سے دھکتے خون نے اس کے دل میں دھواں بھرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اس دن کے آخری برے الفاظ تھے جو وہ سن سکتا تھا۔ یہ اس کی زندگی کے بدترین جملے تھے جو وہ سہہ سکتا تھا۔

"لیکن کوئی نہیں مرتا فلک، لوگ چھوڑ دیتے ہیں۔ ٹھکرا دیتے ہیں۔ توڑ دیتے ہیں۔ رسوا کر دیتے ہیں پھر بھی ہم زندہ رہتے ہیں۔ پھر بھی ہم جیتے ہیں۔ وہ واقعہ جس کے ہونے کے تصور سے ہی روح نکلنے لگتی ہے وہ مسکرا کر تضحیک اڑا کر پاس سے گزر جاتا ہے اور ہم بس بے بسی سے انہیں دیکھتے ہی

رہتے ہیں۔ کچھ نہیں کر پاتے۔ ہمیں لگتا ہے ہم مر جائیں گے۔ دم گھٹ جائے گا۔ دل پھٹ جائے گا تو ایسا نہیں ہوتا۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا۔ ہم زندہ رہتے ہیں۔ ہم جیتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے پھر وہ جینا جینا نہیں ہوتا۔ تم دیکھ سکتی ہو فلک، میں تمہارے سامنے اس کی جاویدہ مثال ہوں۔"

وہ سوچ رہا تھا۔ وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔

"آپ فکر نہیں کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب میں چلتی ہوں۔ حور میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ مہمت کے آنے کا بھی وقت ہو رہا ہے۔ مجھے گھر نہ پا کر وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ دونوں باپ بیٹی کھانے کی میز پر کانٹے بجاتے ہوئے میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ طوفان بدتمیزی مچا دیتے ہیں۔" اس نے فضول میں ہنستے ہوئے کہا تھا۔ نوح ایک لفظ نہیں بولا۔ اب کیا ہی رہ گیا تھا بولنے کو۔ وہ اپنی سانس کو مزید تنگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ فلک کی سیاہی مائل آنکھوں میں ڈھلکے شانوں والا شکست خوردہ سا شخص جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

رات اتر رہی تھی یا شاید وہ تو کب کی اتر چکی۔

دن تھا یا رات اس کو معلوم نہیں تھا۔ وہ تو بس اپنی ڈیوٹی دینے میں مگن تھی۔ ایک ہاتھ میں فائل تھی دوسرے میں پن، اس کے گلے میں جھولتا اسٹیتھو اسکوپ کے دونوں سرے اوپر نیچے تھے۔ گردن سے شانوں تک لہر کی صورت میں جاتے ہوئے درد کو کم کرنے کی خاطر اس نے پن والا ہاتھ گردن کی پشت پر رکھ کر ہولے ہولے دبایا۔ پھر فائل والے ہاتھ کی کلائی موڑ کر آنکھوں کے قریب کی۔

"ساڑھے پانچ۔" صبح کا ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ وہ کل سے ڈیوٹی دے رہی تھی۔ شام کو اس کا ریسٹ ہوتا تھا لیکن وہ نوح کی خاطر گھر نہیں گئی تھی۔ نوح کا حلیہ، اس کا اترا ہوا تھکا تھکا سا چہرہ اس کی پریشانی میں اضافے کا باعث تھا۔ رہی سہی کسر اس منظر نے پوری کر دی جو کل رات اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ وہ وہی لڑکی تھی جس کو دیکھ کر نوح منگنی کی رات حواس سے عاری ہوا تھا۔ اس کے رنگ بدلے تھے۔ وہ بدلا تھا۔ رخسار نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو نوٹ کر لیا تھا لیکن کہا کچھ نہیں تھا مگر کل شب، کس طرح کی تھی بھلا کل شب۔۔۔ کیسا منظر تھا وہ۔ رات کی اترتی سیاہی میں مدھم روشنی میں بیٹھے دو نفوس، ایک دوجے سے بالکل الگ لیکن ہو بہو ایک جیسے دکھتے ہوئے۔ جیسے ان میں کبھی کوئی بہت گہرا رشتہ رہ چکا ہو۔ جیسے وہ کبھی ایک دوسرے کے بہت شناسا رہے ہوں۔

"میں کسی کو پسند کرتا ہوں۔" منگنی والے دن دوپہر کے وقت نوح کی اس کو کال آئی تھی۔ مصلحت کا دامن تھامے شاید وہ اس کو بہت کچھ باور کروانا چاہ رہا تھا۔ اور وہ منہ پر وٹامن ماسک لگائے چپ چاپ اسے سنے جا رہی تھی۔

"ان فیکٹ بہت پسند کرتا ہوں۔ مجھے لگا تھا میں نے موو آن کر لیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں چاہ کر بھی اسے بھلا نہیں پا رہا ہوں۔ شاید صدیاں بیت جائیں لیکن وہ میرے دل سے کہیں نہیں جائے گی۔ پہلا مقام تو اسی کا ہی ہے۔" رخسار نے بے حد اچانک اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ نوح ٹھٹھک گیا۔

"اور آخری؟" وہ پول سائیڈ پر نیلے پانی پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ پانی کا عکس جو لہر دار تھا اس کے ساتھ ساتھ پوری دیوار کو بھی گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ رخسار نے نوح کی گہری سانس کی آواز سنی۔

"وہ سب مقام پر فائز ہے۔ میرا دل آمادہ نہیں ہے اس کی جگہ کسی اور کو دینے پر۔ میں تم سے جھوٹے وعدے نہیں کروں گا رخسار اور نہ ہی یہ کہوں گا کہ میں اسے بھولنے کی یا تمہیں دل سے اپنانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے اختیار میں ہی نہیں ہے یہ، میں بے بس ہوں اس معاملے میں۔ مجھے لگا تھا کسی اور کو زندگی میں شامل کرنے سے میری مشکل دور

ہو جائے گی۔ میں بھی باقیوں کی طرح ایک نارمل زندگی جی لوں گا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔" وہ رکا۔ اس کا توقف طویل تھا۔ رخسار کے چہرے پر لگا ماسک خشک ہونے لگا تھا بالکل اس کے دل کی طرح۔

"میری تمام حکمت عملی دھری کی دھری رہ گئی۔ میں مزید خود کو اور سب کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں مزید اپنے اور تمہارے دل کے ساتھ نہیں کھیل سکتا۔" رخسار مدھم سروں میں مسکرائی تھی۔ شاید اس کی مسکراہٹ میں کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے شامل تھے تبھی وہ نوح کی سماعت میں پیوست ہو گئے۔ کتنا ظالم تھا وہ۔ کتنے چاہ سے وہ لڑکی تیار ہو رہی تھی اور کتنے ہی بے مروت انداز میں اس نے اس پر اپنے دل کی بات کھول کر رکھ دی۔ بدتمیز، کل تک انتظار نہیں کر سکتا تھا کیا۔ ایک دن تو اسے خوش ہونے دیتا۔

"آپ اپنے دل، دماغ، جذبات اور فیصلے کے درمیان پزل ہیں لیکن فکر نہیں کریں آپ مشکل میں نہیں پڑیں گے۔ میں آپ پر زبردستی مسلط نہیں ہوں گی۔ منگنی ہی تو ہے کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ بات بنی ٹھیک ورنہ آپ اپنی انگوٹھی مجھے دے دینا اور میں اپنی آپ کو واپس کر دوں گی۔"

بات بن رہی تھی اور نہ ہی کبھی بنے گی۔ اس کا اندازہ اسے کل رات کے منظر سے ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی، وہ لڑکی ہی شاید وہ ہے جس کو نوح چاہتا ہے۔ کیونکہ جیسے وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہا تھا نا

کوئی سات سمندر پار سے بھی یہ نظارہ دیکھتا تو کہہ دیتا۔ وہ بیٹھا شخص اس لڑکی کی محبت میں پور پور ڈوبا ہے۔ اسی کا منتظر ہے۔ اسی کا اسیر ہے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اچانک گردن موڑ کر دیکھا۔ مائیر دروازے کے فریم میں تھا۔ اسے دیکھ کر رخسار کو اچانک سامیہ کی رپورٹس کا خیال آیا جو اس کے ہاتھ میں تھیں۔

"میں لا ہی رہی تھی۔" مسکراتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ مائیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں رپورٹس کے لیے نہیں آیا ہوں۔ تم گھر کیوں نہیں گئی ابھی تک، جاؤ جا کر آرام کر لو۔" یہ مائیر ہی تھا جس نے رامیہ، تنزیلہ اور باقی لوگوں کو گھر بھیجا تھا۔ سب معاملات ابھی ٹھیک تھے۔ سامیہ ہوش میں آچکی تھی۔ اس کی رپورٹس بھی ٹھیک تھیں۔ بس کچھ ہی دیر میں اسے ڈسچارج مل جانا تھا۔

"آپ لوگوں کے ساتھ ہی نکلتی ہوں۔ ڈبل ڈیوٹی ہو گئی تو آج کا تو آف ہی بنے گا۔" اس لڑکی کی مسکان لبوں سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ مائیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اچانک اس نے سوال داغا۔

"نوح نے کبھی کوئی بات کی تھی تم سے؟" وہ لڑکی اچھی تھی۔ مائیر کو بے حد پسند تھی۔ وہ دل سے چاہتا تھا نوح اس کے ساتھ اپنی دنیا بسا لے لیکن اسے چند خدشات تھے۔ جن کو ختم کرنے کی خاطر اس نے لفظوں کا استعمال کیا تھا۔ اچھا ہی ہوا کر لیا ورنہ سوال دماغ میں ڈیرہ جمائے ہی رکھتے۔

"کس بابت؟"رخسار انجان بنی۔اس کا انجان بننا ہی بہتر تھا۔

"اپنے ماضی کے متعلق۔"سفید کوٹ پہنے لڑکی نے پر سوچ انداز میں آنکھوں کو اوپر چڑھایا اس کے بعد فوراً سے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہو گئی۔

"نہیں تو، کچھ ہے ایسا جو مجھے بتایا جائے؟"مائیر نے نفی میں سر ہلایا۔وہ شش و پنج کا شکار تھا۔

"آں، نہیں کچھ خاص نہیں۔اوہ، تم۔۔تم جاؤ۔میں بھی چلتا ہوں۔"ماتھے کو مسلتے ہوئے اس نے قدم موڑ لیے۔اس کے جاتے ہی رخسار نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"آہ، بچت ہو گئی۔نوح جبران دیکھ لیں آپ کی وجہ سے کیا کیا کر رہی ہوں میں۔"

بڑبڑاتے ہوئے وہ فائل لے کر وہاں سے جا رہی تھی۔راہداری سے گزرتے ہوئے اس کی نظر کمرے کے کھلے دروازے پر پڑی۔نوح کے گھٹنے پر سر رکھے وہ بچی لیٹی ہوئی تھی۔مسلسل بولے جا رہی تھی۔نوح مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔اس کے بالوں میں انگلیاں چلائے جا رہا تھا۔رخسار نے اس کی آنکھوں پر غور کیا۔وہ جھکی ہوئی تھیں۔ان کا تاثر پوشیدہ تھا لیکن اس کی مسکراہٹ میں محبت گھلی تھی۔ویسی ہی محبت جیسی کل رات تھی۔نظروں کی تپش پر جھکی ہوئی نظریں اچانک اٹھیں اور رخ دروازے کی جانب کر گئیں۔نگاہوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔رخسار نے ہڑبڑا کر اپنی نظر کی

ڈور کھینچی۔ مسکان اس کے لبوں کی زینت بنی تھی۔ نوح بھی جوابی انداز میں مسکرایا تھا۔ اس مسکراہٹ میں اپنائیت مفقود تھی۔ رخسار نے ایک آزردہ سانس کھینچی پھر وہاں سے چلی گئی۔

"کس کو دیکھ رہے ہیں ماموں؟" سامیہ نے گردن کو تھوڑا سا اچکایا۔ رخسار وہاں سے جا چکی تھی۔

"کسی کو بھی نہیں، اپنے بیٹے کے ہوتے میں کسی کو دیکھ سکتا ہوں بھلا۔" سامیہ نے واپس اچکا ہوا سر اس کے گھٹنے پر گرا دیا۔

"ماموں میں نے فیصلہ کیا ہے اب آپ کے ساتھ رہوں گی۔ واپس نہیں جاؤں گی۔ آپ مجھے گود لے لیں گے؟" نوح کے پورے بدن پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ خاموشی چہار سو پھیل گئی۔ سامیہ کے الفاظ، اس کا فیصلہ، اس کا اٹل فیصلہ، ماضی میں کہے نوح کے الفاظ، نوح کا اٹل فیصلہ، سب آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہونے لگا۔ سب پھر سے تکلیف دینے لگا۔ بازگشت کافی واضح تھی۔

"میں اب کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے ان کا نام بھی نہیں چاہیے۔ میں چاہتا ہوں آپ مجھے گود لے لیں۔ میں آپ کے نام سے جانا جاؤں۔"

نوح نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بالوں تک پھیرا تھا۔ وہ اسے سہلا رہا تھا جیسے غفران اسے سہلاتے تھے۔ وہ اسے سمجھائے گا جیسے غفران نے اس وقت اسے سمجھایا تھا۔

"مجھے آپ کو گود لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ پہلے سے ہی میرے بیٹے ہو۔ آپ کو کوئی مجھ سے جدا نہیں کر سکتا۔ لیکن۔" وہ ہو بہو غفران کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ وہ وہی سب کہہ رہا تھا جو کبھی غفران نے اس سے کہا تھا۔

"لیکن حقیقت سے آنکھیں نہیں پھیری جا سکتیں بیٹے، رامیہ آپ کی ماما ہیں۔ بھلے الجھتی ہیں، لڑتی ہیں ڈانٹتی ہیں لیکن ماں ہیں۔ احسن آپ کے بابا ہیں بھلے ہی نالاں ہیں۔ وقت نہیں دے پاتے۔ پیار نہیں کر پاتے لیکن باپ ہیں۔ آپ کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی ہے کہ وہی آپ کی فیملی ہے۔ وہی آپ کی جڑ ہے۔ وہی آپ کی بنیاد۔ وہی آپ کا اصل ہے۔ آپ چاہے جتنا راہیں پھیر لو لوٹنا آپ کو ادھر ہی ہے۔ رہنا انہی کے ساتھ ہی ہے۔ آخری پڑاؤ آپ کا وہی ہو گا۔ یہی حقیقت ہے۔ یہی حقیقت رہے گی۔" وہ کہتے ہوئے کھو گیا تھا۔ وہ نوح سے غفران بن گیا تھا۔ یہ وہ الفاظ تھے جو غفران نے اس کی رگوں میں گھول دیے تھے۔ اب یہی الفاظ وہ سامیہ کی رگوں میں بھی گھولے گا تاکہ وہ متنفر نہ ہو۔ تاکہ وہ بھٹکے نا۔ تاکہ وہ اس کی طرح محروم نہ رہے۔ تاکہ وقت اپنا آپ نہ دہرائے۔

"لیکن انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ دونوں لڑتے رہتے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔ انہیں میری ضرورت نہیں ہے۔" وہ متنفر ہو گئی تھی۔ وہ بھٹک گئی تھی۔ کچی سی عمر میں پکی سی باتیں اس کے دماغ میں بیٹھ گئیں۔ خوبصورت آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"یہ آپ سے کس نے کہا انہیں فرق نہیں پڑتا۔ انہیں فرق پڑتا ہے بیٹا، بہت فرق پڑتا ہے۔ والدین کو اولاد کا دکھ کھا جاتا ہے۔ وہ بھی مٹ رہے تھے آپ کے بغیر، وہ بھی تڑپ رہے تھے آپ کے بغیر، آپ کو معلوم ہے آپ کی ماما سوئی نہیں۔ آپ کی فکر میں جاگی رہیں اور بہت روئیں جبکہ آپ کے بابا، وہ تو اتنے پریشان تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔" رامیہ اور احسن کے پاؤں دروازے کی چوکھٹ کے قریب ہی رک گئے۔ وہ دونوں ایک ساتھ بت بنے تھے۔

"ایسا سچ میں ہوا تھا۔ وہ دونوں تو میری بالکل پرواہ نہیں کرتے۔" اب کی بار آواز بھی بھرا گئی۔

"ایسا نہیں کہتے بیٹا، آپ کے ماما بابا اس دنیا کے سب سے بیسٹ مام ڈیڈ ہیں۔ وہ آپ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ آپ کی بہت فکر کرتے ہیں۔ انہیں واقعی میں فرق پڑا تھا۔ آپ کو لگتا ہے میں آپ کے ساتھ غلط بیانی کروں گا۔ میں کر سکتا ہوں ایسا کیا۔" سامیہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو کو رگڑا۔ دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی رامیہ زمین پر نظریں گاڑے اسی میں دھنسے جا رہی تھی۔

"وہ میری بالکل فکر نہیں کرتے اگر کرتے ہوتے تو مجھے ساتھ رکھتے باہر نہ بھجواتے۔ ہر وقت لڑتے نہ رہتے اور آپ سے ملنے پر پابندی نہ لگاتے۔ نانو کے گھر جانے دیتے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے ہیں۔ وہ برے مام ڈیڈ ہیں۔" وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے نوح کا گھٹنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی ٹانگیں

موڑے بیڈ پر بیٹھی تھی۔نوح پریشان ہو گیا۔یہ سامیہ کو کیا ہو رہا تھا۔اس کے اندر کتنا لاوا پک گیا تھا۔اس نے اس بچی کو اپنے شانے سے لگایا۔

"ایسا نہیں ہے بیٹا،مام ڈیڈ کبھی برے نہیں ہوتے کبھی بھی نہیں۔اور میں نے کہا نا وہ اب سے نہیں لڑیں گے۔آپ کو ساتھ رکھیں گے۔آپ کے ساتھ خوش رہیں گے۔ایک ہیپی فیملی کی طرح۔ میر ابیٹا تو بہت اچھا ہے نا۔ماموں کی بات مانتا ہے۔ان کا یقین کرتا ہے۔ہے نا؟"روتے روتے سامیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"وہ پکا نہیں لڑیں گے ؟"اس نے پکا اس انداز میں کہا کہ نوح یک لخت ہی سرد ہو گیا۔کسی کی یاد شدت سے آئی تھی۔

"پکا۔"اس کی آواز سرگوشی میں گھل گئی۔

سامیہ نے بڑی ساری مسکان سجا کر آنسو پونچھے اور نوح کے گھٹنے پر واپس سر رکھ کر لیٹ گئی۔وہ اس کے مسکرانے پر جبراً مسکرایا ورنہ دل کی جو حالت ہو گئی تھی وہ نا قابل بیاں تھی۔

رامیہ کا دل بھاری پتھر کا ہو گیا تھا۔آنسو رواں ہوئے تو پھر رکنے کا نام ہی نہیں رہا۔وہ گلے میں اٹکتے گولے کے ساتھ وہاں سے بھاگی تھی۔احسن نے ڈبڈبائی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ سب کچھ پانی ہو رہا تھا۔

سب کچھ تحلیل ہو رہا تھا۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا۔

چمکتے ہوئے دن میں پھولوں کی مہک گھلی تھی۔ تازے گلابی و سفید پھولوں کی خوشبو نے پورے لان کو مہکا دیا تھا۔ نت نئ ڈشز، میٹھے کی خوشبو اور قہقے۔

فلک نے ایک طائرانہ نگاہ پورے انتظام پر ڈالی۔ اسے آج کی ویلکم دعوت کیلئے خاص الخاص غفران نے مدعو کیا تھا۔ سیرا نے اعتراض اٹھایا تھا اس پر لیکن غفران نے اسے چپ کروا دیا تھا۔ غفران کے فیصلے کے آگے ان کی بھلا کہاں چلی ہے اس لیے انتظام کس طرح کے ہونے ہیں یہ اسے سیرا نے بتا دیا تھا۔ کھانے میں کیا تیار کروانا ہے اس کی ہدایت بتول نے دی تھی۔ دعوتی کارڈ کس طرح کے پرنٹ ہونے ہیں رخسار کا آئیڈیا تھا۔ بلانا کس کس کو ہے تنزیلہ نے بتایا تھا۔ وہ سر پر اوپن پی کیپ جمائے واکی ٹاکی میں اپنی ٹیم سے رابطے میں تھی۔ آج حور اس کے ساتھ ہی تھی۔ زرد رنگ کی بے بی فراک میں سفید رنگ کی اسٹف ڈول ہاتھ میں تھامے وہ فلک کی قمیض کا کونا پکڑے اس کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ دھوپ تھی مگر خوشگوار ہوا بھی تھی۔ پھولوں کے دروازے پر سامیہ کا

نام فکس کرواتے ہوئے اسے اچانک حور کے بھوکے ہونے کا خیال آیا تھا۔ مہمان آنے میں پندرہ منٹ تھے۔ اس کے آدھے گھنٹے بعد کھانا کھلنا تھا۔ وہ تب تک حور کو بھوکا نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ تو اس کو ایک سیکنڈ بھوکا نہیں رکھتی تھی اتنی دیر کیسے انتظار کر لیتی۔ وہ اس کی جانب مڑی۔

"آجاؤ میں پہلے آپ کو کھانا کھلا دوں۔" کانوں سے تار کو الگ کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ لان پورا سیٹ تھا بس پھولوں والے دروازے پر نام لگ رہا تھا۔ وہاں سب لوگ ہی موجود تھے۔ سب بالکل تیار تھے سوائے نوح کے جو اپنی سیوٹ پینٹس میں ہاتھ اڑسائے کھانے کا جائزہ لے رہا تھا۔ فلک کی آواز اس کی سماعت تک پہنچی تھی۔ اس نے مڑ کر بالوں میں بڑی ساری زرد بو لگائے بچی کو دیکھا جو فلک سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے نہیں کھانا، کھانا، صبح بھی کھانا دوپہر بھی کھانا رات بھی کھانا میں کھاتی ہی رہوں کیا۔" وہ ناک بھوں چڑھائے کہہ رہی تھی جانے کیوں اور کیسے نوح کے لبوں پر اس کی بات پر مسکان آگئی۔

"اور نہیں تو کیا۔ کھاؤ گی نہیں تو ہیلدی کیسے ہو گی۔" تار فلک کے ایک شانے پر ٹکی تھی۔ حور کی نظر بھی اس تار پر پڑی۔ آہ اسی طرح کا اسپرنگ مما اس کے بالوں میں بھی لگاتی ہیں۔ کیا اسی میں سے توڑ کر لگاتی ہیں۔ اس کے چھوٹے سے دماغ میں اسی طرح کا خیال آسکتا تھا۔

"ہیلدی ہونے کیلئے چاکلیٹ کھائی جاتی ہیں۔ جانتی ہیں نا اس میں کتنی کیلوریز ہوتی ہیں۔" وہ بچی دانت نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ابرو بھی اچکی تھیں اور کنپٹی پر انگلی بھی بج رہی تھی یعنی وہ اپنی ذہانت کو داد دے رہی تھی۔

"حور، میں بالکل بھی آپ کو چاکلیٹس نہیں دے رہی ہوں یاد ہے ناڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ نو مور میٹھا ورنہ دانت نکلوانا پڑے گا۔ اس لیے چپ چاپ چلو ہم کھانا کھا کر آتے ہیں۔" فلک نے ایپرن کی گرہ کھول دی۔ ایپرن اترتے ہی پھولوں پر سے جھڑتے کچھ تنکے اس ایپرن سے بھی ڈھلکے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ پی کیپ اتار دی۔

"ماما، آپ بہت ضد کرتی ہیں۔" بچی کا منہ پھول گیا۔ فلک نے شاکی نظروں سے اس کو دیکھا۔

"ضد میں کرتی ہوں یا آپ۔" نوح کھانا چیک کرتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ آوازیں اس کے عقب میں سے تاہنوز آ رہی تھیں۔

"ایسے مت دیکھیں۔ بابا ہوتے تو آپ کو ایسے گھورنے نہیں دیتے۔" پلاؤ کی دیگ پر کھڑے نوح کی مسکراہٹ یکایک سمٹی۔ اس کے دل میں پھر سے سناٹا پھیلا تھا۔

"حور آپ بہت زبان چلانے لگی ہو۔ آپ سے خفا ہو جاؤں گی تو پھر منانا نہیں مجھے۔ پتہ ہے نا مما کی ناراضی اچھی نہیں ہوتی پھر صاف کپڑے ملتے ہیں نا ہی بریک فاسٹ اور موبائل تو ہرگز نہیں۔" وہ

لبوں پر مسکراہٹ دبائے کہہ رہی تھی۔ فلک نے چلنے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حور نے پھولے چہرے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

"جب دیکھو بلیک میل کرتی رہتی ہیں۔" اس نے فقط سوچا تھا۔ بولنے کی ہمت کہاں تھی اس میں، توبہ۔

فلک نے نیچے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا۔

"اف ہو نخرے تو دیکھو میڈم کے، غصہ ہر وقت ناک پر موجود رہتا ہے۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے لے جارہی تھی۔ حور ناراضی سے کسمسا گئی۔

"فلک بچے کہاں جارہی ہو آپ؟" فلک کے بڑھتے قدم اچانک پتھر ہوئے تھے۔ یہ طرز تخاطب، یہ انداز، یہ اپنی سی آواز۔ سالوں بعد یہ الفاظ کانوں نے سنے تھے۔ ہاں سالوں بعد۔

وہ رخ موڑ گئی۔ غفران دھوپ تلے کھڑے اس سے مخاطب تھے۔ فلک کا سانس پل بھر کو رک کر چلا تھا۔

"میں بس تھوڑی دیر تک آرہی ہوں۔" مڑتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔ نوح وہاں سے چلا گیا۔ لیکن غفران وہیں کھڑے رہے۔ اس کے مڑنے پر اس کی جانب قدم بڑھانے لگے۔ کیا بدلا تھا ان

میں، کچھ بھی تو نہیں۔ وہی مشفق مسکراہٹ، وہ نرم گرم سے تاثر سے سجا چہرہ، وہی پدرانہ جذبہ چھلکاتی آنکھیں۔ فلک کا دل مغلوب ہو گیا۔ اس نے گلا کھنکھارا تھا۔

"وہ تو آپ آ رہی ہو پر جا کہاں رہی ہوں۔" قریب آ کر انہوں نے حور کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر وہی ہاتھ پینٹ کے جیب میں اڑسا لیا۔

"کھانے کا وقت ہو گیا ہے نا تو اس کو کھانا کھلانے لے جا رہی ہوں۔ یہ پھر رات میں مجھے بہت تنگ کرتی ہے۔" انہوں نے چونکتے ہوئے اس بچی کی سمت دیکھا۔ وہ اس کی گود میں تھی۔ ایک ہاتھ فلک کی گردن سے گزارے ہوئے اور دوسرے میں اسٹف ڈول پکڑے ہوئے۔ اس نے غفران کی مشکل آسان کر دی۔

"میری بیٹی ہے۔" وہاں آتا مائیر اور سیرا بھی اس کے الفاظ سن چکے تھے۔ مائیر نے غور سے فلک اور اس کی بیٹی کو دیکھا۔ جس کے پیچھے اس کا بھائی، کزن، دوست جوگی بنا بیٹھا تھا وہ تو اپنی دنیا میں مکمل و خوش تھی اور کسی حد تک کامیاب بھی لیکن وہ کہاں کھڑا تھا۔ اس نے مڑ کر اندر کی طرف جاتے نوح پر نظر ڈالی۔

"وہیں کا وہیں۔"

"اچھاماشاءاللہ، اللہ نصیب اچھے کرے اس کے۔"انہوں نے ایک بار پھر سے جیب سے ہاتھ باہر نکالا تھا۔اس بار ہاتھ خالی نہیں تھا۔اس میں والٹ بھی تھا۔وہ والٹ میں سے پیسے نکالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کھانے کیلئے آپ کو باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔یہیں سے لیں اور بچی کو کھلائیں۔مجھے دوبارہ نہیں کہنا پڑے ہمم۔"فلک کے آمین کہنے پر انہوں نے چند نوٹ نکال کر حور کی فراک کی فرنٹ پاکٹ میں ڈال دیے جہاں کپڑوں کے ساتھ چھوٹی سی اسٹف ڈال لٹکی ہوئی تھی۔فلک انہیں دیکھتی رہی۔یہ اس کے دل کو کیا ہو رہا تھا۔وہ پھر کیوں غفران سے اٹیچ ہو رہی تھی۔کچھ لوگ ہوتے ہیں زندگی میں ایسے جن سے دلی وابستگی ہوتی ہے۔چاہے سالوں کی گرد ہی کیوں نہ پڑ جائے جب وہ سامنے آتے ہیں تو آنکھ خود بہ خود بھر اجاتی ہے۔دل مغلوب ہو جاتا ہے اور خواہش،وہ تو بس ان کی شفقت ہی چاہتی ہے۔

"یہ تمہاری بیٹی ہے۔بہت پیاری ہے۔کیا نام ہے اس کا؟"سیر انے آگے بڑھتے ہوئے اس بچی کے گلابی گال کو ہولے سے کھینچا تھا۔

"حور۔"وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔وہ پھر ان کے مدار میں آ رہی تھی۔اس نے کانٹریکٹ سائن کر کے غلطی کی۔وہ اب مزید ان کے ساتھ کوئی کام نہیں کرے گی۔وہ پھر ان کے گرد نہیں

رہے گی۔ وہ مزید تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔ وہ پھر سے دل کو نہیں مار سکتی۔ وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ بہت دور چلی جائے گی۔ اس نے تہیہ کر لیا۔

"بہت پیارا نام ہے۔ دو اسے میں اندر لے جاتا ہوں۔ موہد اور عائشہ کے ساتھ لنچ کر لے گی۔ آجاو بیٹا، انکل کے پاس آجاؤ۔" مائیر نے آگے بڑھ کر بھرپور استحقاق کے ساتھ پھولے ہوئے گالوں والی بچی کو فلک کی گود سے لے لیا۔ وہ اس کی اس حرکت پر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ اسے آج بھی ویسا ہی ٹریٹ کر رہے تھے جیسا چھ سال قبل کرتے تھے۔ وہ کیوں گئی۔ کہاں گئی۔ کوئی سوال نہیں۔ کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ کوئی تفتیش نہیں جیسے چھ سال ان کے اور اس کے درمیان سے غائب ہو گئے تھے۔ فلک سفیر ایک بار پھر ان کے سامنے تھی۔ وہ ایک بار پھر سے اس کی فیملی بن رہے تھے۔ مائیر حور کو وہاں سے لے گیا۔ سیر ا اس کے ساتھ باتوں میں لگ گئی تھی۔ فلک بس ہوں ہاں میں ہی جواب دے رہی تھی۔ البتہ مسز بتول بہت گرمجوشی سے اس سے ملی تھیں۔ یہ ان کی اس سے تیسری ملاقات تھی۔ تیسری ملاقات میں بھی وہ اس سے مل کر بے حد خوش تھیں۔ مائیر حور کو اندر لے آیا تھا۔ کچن میں موجود ٹیبل پر عائشہ کے ساتھ والی کرسی پر اس نے حور کو بٹھایا۔

"کڈز، اسے ویلکم کرو۔ یہ آپ کی نئی بہن حور ہے۔ اسے اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ۔ اس کا تعارف لو اور پلیز تمیز سے پیش آنا۔ ہمیں شرمندہ نہیں کروانا۔ میں باہر جا رہا ہوں۔" مٹھی کو فولڈ کر کے انگوٹھے سے وہ لان کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ موہد نے بھنویں ملا کر اس لڑکی کا جائزہ لیا تھا۔ عائشہ بھی ٹکر

ٹکرا سے دیکھے چلی جارہی تھی۔مائیر مسکراتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد موہد نے نیپکن ٹرے سے ایک نیپکن اٹھا کر حور کی جانب بڑھائی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"شستہ انگریزی لہجہ،حور نے نیپکن پکڑتے ہوئے اسے اپنا نام،عمر اور اپنی تعلیم سے آگاہ کیا تھا۔

"متاثر کن،تم اچھی ہو۔"اس نے ایک پلیٹ،کانٹا اور چمچ اس کی جانب سرکائے۔

"میں موہد ہوں اور یہ عائشہ ہے۔ میں غفران بابا کا بیٹا ہوں اور یہ مائیر بابا کی بیٹی،میں اس سے بڑا ہوں۔مام ڈیڈ کے بعد یہ مجھے اس پوری دنیا میں سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے اسی وجہ سے میں چاہتا ہوں ہر کوئی اس سے اچھے سے پیش آئے۔کیونکہ تم میری نئی بہن ہو اس لیے تمہیں بھی عائشہ کے ساتھ بہت اچھے سے پیش آنا ہو گا۔اور اگر تمہیں کوئی بھی مسئلہ ہو۔کوئی بھی تنگ کرے تو تم نے مجھے بلانا ہے۔کیونکہ میں جوڈو سیکھ رہا ہوں۔اس لیے میں دیکھ لوں گا پھر سب کچھ،آج سے میں تمہارا بڑا بھائی ہوں،ویلکم ہوم۔"

سیڑھیاں اترتے نوح کی سماعت سے موہد کے الفاظ ٹکرائے تھے۔وہ اپنے کف لنکس بند کر رہا تھا۔گردن خود بہ خود کچن کی جانب محو حرکت ہوئی۔وہاں سے بچوں کے ہنسنے اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔وہ کف لنکس بند کرنے کے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔فون نکال کر فیڈز چیک کر رہا تھا

جب موہد بھاگتا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کی اٹھتی بند مٹھی سے اپنی بند مٹھ مس کر گیا۔ موہد کو آتے دیکھ نوح نے مٹھی بنا کر ہاتھ اونچا کر لیا تھا جیسا وہ ہمیشہ کرتا تھا۔

"آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں بالکل میری طرح۔" اس کی تعریف کرنے کے بعد وہ جس اسپیڈ میں آیا تھا اسی میں چلا بھی گیا۔ عائشہ بھی آئی تھی۔ اس کی گود میں کچھ دیر بیٹھی رہی۔ اس سے لاڈ کرتی رہی۔ فون پر نظمیں دیکھتی رہی اس کے بعد وہ بھی اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ نوح بھی عائشہ کے پیچھے اٹھ کر جا رہا تھا جب اس نے کچن میں سے دھپ کی آواز سنی تھی۔ ایسا لگا جیسے کوئی گرا ہو۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں آیا تھا۔ وہاں وہ تھی۔ زرد فراک والی، موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھرے اپنا گھٹنا تھامے بیٹھی تھی۔ نوح اس کے پاس آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا، ٹھیک ہو آپ؟" اس بچی نے زور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے ریشم سے بال بھی ہل گئے تھے۔ آنسو گویا سمندر کے کنارے تک پہنچ گئے۔

"میں کرسی سے گر گئی۔" آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ گھٹنا معمولی سا زخمی تھا۔ نوح اٹھا۔ اس کا رخ کیبنٹ کی جانب تھا۔ وہ جانتا تھا کچن کے کس حصے میں فرسٹ ایڈ باکس رکھا ہے۔ اس نے وہ باکس نکالا اور اس میں سے ایک ٹیڈی بیئر والی بینڈ ایج نکال لی۔ یہ بینڈ ایج وہ عاشہ کیلئے لایا تھا۔ عائشہ کو

ٹیڈی بیئر پسند تھے اور موہد کو کارز، دونوں کیلئے ان کی پسند کے حساب سے بینڈیجز وہاں موجود تھے۔

"کوئی بات نہیں۔ میں ابھی بینڈ یج لگا دیتا ہوں۔ آپ کا درد فوراً ختم ہو جائے گا۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے دل کی کیفیت بڑی عجیب سی ہوئی تھی۔ اس نے لمحے میں ہی ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ پھر بینڈ یج پر سے کور اتار کر اس کے گھٹنے پر لگایا۔ اس لمحے وہ بچی نچلہ ہونٹ دانتوں میں دبائے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مچی ہوئی تھیں۔ نوح کو اچانک اس میں فلک نظر آئی۔ وہ غیر مفہوم سی مسکراہٹ لبوں پر سجا گیا۔

"جب لگ جائے تو بتانا۔" وہ آنکھیں بند کیے دست سوال تھی۔ نوح کی بھاری، تنہا، تشنگی سے پر آواز وہاں گونجی۔

"لگ گیا ہے۔" اس بچی نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔ اسے تو درد بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے غیر یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر بینڈ یج کو دیکھا تھا۔

"کیا واقعی، آپ تو جادوگر ہیں۔" نوح نے کوٹ کی جیب سے چاکلیٹ نکال کر اس کی جانب بڑھائی۔

"میں جادوگر ہونے کے ساتھ مہربان بھی ہوں۔ یہ آپ کیلئے۔" وہ بچی ویسے ہی گھٹنا تھامے بیٹھی تھی۔ اس کی نظر بڑی ساری چاکلیٹ پر پڑی پھر اس نے انکار کر دیا۔

"میں یہ نہیں لے سکتی۔ مما کہتی ہیں اجنبی لوگوں سے چیزیں نہیں لیا کرتے۔ وہ اغوا کر لیتے ہیں۔" مسکراہٹ ایک بار پھر نوح کے لبوں پر تھی۔ کچن کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے ویران لاؤنج نظر آرہا تھا۔ سب باہر تھے۔ سب مہمانوں کو ویلکم کر رہے تھے۔ جس کیلئے پارٹی رکھی گئی تھی۔ وہ ابھی اپنی فیملی کے ساتھ یہاں نہیں آئی تھی۔

"آپ کی مما بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن میں اجنبی نہیں ہوں۔" چاکلیٹ اب تک ان کے درمیان میں تھی۔ حور نے ڈٹتے ہوئے کہا۔

"وہ کہتی ہیں اجنبی کہتے ہیں وہ اجنبی نہیں ہیں لیکن وہ ہوتے ہیں۔ ایم سوری میں یہ نہیں لے سکتی۔ میں مما کو ہرٹ نہیں کر سکتی۔" نوح نے گہرا سانس بھر کر کوٹ کی جیب میں واپس چاکلیٹ رکھی، رکھنے کے بعد کھڑا ہو گیا۔ حور بھی کھڑی ہوئی تھی لیکن اس سے ٹھیک سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ نوح نے اسے گود میں اٹھایا اور لاؤنج میں لے آیا۔ صوفے پر بٹھانے کے بعد وہ ایک بار پھر سے اس کے گھٹنے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاں چوٹ زیادہ نہیں تھی۔ بہت معمولی سی تھی۔ اس کی تشفی ہوئی۔

"انکل کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟" وہ جس انداز میں اس کے گھٹنے کا معائنہ کر رہا تھا۔ حور کو یہ سوال پوچھنا ہی پڑا۔ نوح نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ ایک ہینڈسم ڈاکٹر ہیں۔اگر میرے بابا ہوتے تو وہ بالکل آپ جیسے ہوتے۔"مسکراتے ہوئے اس کی بات سن کر نوح کے اندر اچانک سناٹا چھایا۔اس نے ٹھٹھکتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔

"آپ کے بابا؟"نوح کے دل میں یکایک اوس بھرنا شروع ہوئی تھی۔اتنی زیادہ کہ اچانک ہی اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہونا شروع ہوگئے۔یہ وہ کیا سن رہا تھا۔اس کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔ سماعت جواب سننے کیلئے بے قرار ہوئی اور وقت کے ہندسوں نے رفتار پکڑلی۔

"ان کا۔۔۔"اس سے سوال پوچھنا دشوار ہوا۔لان میں شور اٹھ گیا تھا۔سامیہ شاید آگئی تھی۔"ان کا نام کیا ہے؟"حور کے چہرے پر اداسی چھاگئی۔

"ان کا کوئی نام نہیں ہے۔میرے بابا نہیں ہیں۔"نوح اچانک ہی صوفے سے کھڑا ہوا تھا جیسے اس میں کانٹے چبھ آئے ہوں۔وہ متوحش ہوگیا تھا۔اس کی نظر حور پر ہی ٹکی رہی۔

"آپ کے بابا نہیں ہیں؟"اس نے اس بچی کے الفاظ دہرائے۔حور سامنے کھڑے ہینڈسم سے انکل کے اڑتے ہوئے رنگ دیکھ چکی تھی۔اچانک کچھ یاد آجانے پر اس نے لبوں پر زور سے ہاتھ رکھا۔ یہ وہ کیا کر چکی تھی۔کیوں بتایا اس نے یہ سب،ممانے سختی سے منع کیا تھا کسی کو بھی اپنے گھر کے معاملات نہیں بتانے ہیں۔بابا والی بات تو بالکل بھی نہیں بتانی ہے۔پھر وہ کیسے بہک گئی۔کیسے بتا

دیا۔افف اب مما سے اچھی خاصی ڈانٹ پڑے گی۔ڈانٹ کے خوف سے وہ بچی درد بھلا کر دوڑتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔

نوح اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر یک لخت ہی اپنے جمے ہوئے وجود میں حرکت ڈال کر وہ دو دو کر کے سیڑھیاں پھلانگ کر کمرے میں آیا تھا۔یہاں وہاں جلے پیر کی بلی کی طرح ٹہلتے ہوئے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔کیا فلک کی مہمت سے شادی نہیں ہوئی اگر نہیں ہوئی تو یہ بچی کس کی ہے؟اگر ہوئی ہے تو وہ کہاں ہے؟ان کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟کیا ان لوگوں کی علیحدگی ہو گئی ہے یا پھر مہمت کو کچھ ہو گیا ہے۔انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے ماتھے کو مسلنے کے بعد بلا آخر اس نے "خوشی" میں فون کیا تھا۔اس کا فون اٹھا لیا گیا۔فون اٹھانے والی کوئی لڑکی تھی۔

"مجھے مہمت پنار کا نمبر چاہیے۔میں ان کا دوست بول رہا ہوں۔"اس لڑکی نے اس کا نام پوچھا تھا۔نوح نے نام بتایا۔اس کے دو منٹ بعد کال ہولڈ پر لگانے کے بعد اسے جواب دیا گیا تھا۔

"مہمت پنار اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ شنگھائی گئے ہوئے ہیں۔اس لیے معذرت آپ کو ان کا نمبر نہیں مل سکتا۔"نوح چلتے چلتے رک گیا۔تھم گیا۔جم گیا۔

"بیوی؟"اس کے لب ہولے سے ہلے۔

"جی ان کی بیوی رامیل۔" اسے لگ رہا تھا۔ فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ وہ بھی گر جائے گا لیکن دونوں میں سے کچھ نہیں ہوا۔ وہ ڈٹا کھڑا رہا۔ اپنی پوری ہمت لگا کر، پوری قوت مدافعت کا استعمال کر کے۔

"کب۔۔۔۔ کب شادی ہوئی؟" مدھم سی سرگوشی میں لپٹا سوال۔

"سر، یہی کوئی آٹھ نو ماہ پہلے۔" اس نے ایک بار پھر ماتھا مسلا تھا۔ ماتھ کی مٹھی بن کر لبوں پر آ رہی تھی۔

"اس سے پہلے شادی ہوئی تھی مہمت کی؟" دوسری جانب بہت شور تھا۔ نوح کا روم روم سماعت بن گیا۔

"نہیں سر، میں حیران ہوں آپ کس طرح کے دوست ہیں جنہیں اپنے دوست کے بارے میں نہیں پتہ۔" اس نے فون کاٹ دیا۔ لڑکی نے حیرت سے فون کی جانب دیکھا تھا پھر وہ شانے اچکا کر پینٹری کی جانب بڑھ رہی تھی کہ ایک مردانہ آواز نے اس کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

"ویلنا، کیا جواب دیا پھر تم نے؟" اس لڑکی نے ٹوکری اٹھائی ہوئی تھی جو خالی تھی۔ شاید وہ پینٹری سے اسے ہی بھرنے جا رہی تھی۔

"وہی سر جو آپ نے کہا تھا۔ نوح یا فلک میں سے کسی کا فون آئے تو کہنا ہے آپ اپنی بیوی کے ساتھ شنگھائی گئے ہوئے ہیں۔" مہمت اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مڑنے لگا تھا لیکن مڑ نہیں پایا۔

مخصوص قہوے کی خوشبو وہاں پھیل گئی تھی۔ مگر اس خوشبو میں کبھی بھی وہ اپنا پن نہیں رہا تھا جو کبھی ہوا کرتا تھا۔

"لیکن سر آپ نے جھوٹ بولنے کو کیوں کہا جبکہ آپ کی تو شادی ہی نہیں ہوئی اب تک۔" مہمت اسے چند ثانیے تکتا رہا پھر خوشبو ملے ماحول میں اس کے الفاظ گھل گئے۔

"تم نہیں سمجھ پاؤ گی۔"

کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ آج بھی خوشی کا ماحول ویسا ہی تھا جیسے پہلے تھا لیکن اب نہ موسم وہ رہا تھا اور نہ وہاں کی خوشیاں۔ انسان وہ رہے تھے اور نہ وہاں کی دنیا۔

سب کچھ بدل گیا تھا دستور دنیا کی طرح۔

یہ صبح دس بجے کا وقت تھا جب وہ برق رفتاری سے سبزیاں چاپ کر رہی تھی۔ اس کے بال آج بھی ٹیل پونی میں بندھے تھے۔ اس نے شلوار پر چوکور شیپ کی قمیض پہن رکھی تھی جو بے حد کھلی تھی۔ شلوار پرنٹڈ تھی اور قمیض بھی بس فرق اتنا تھا شلوار سادہ تھی جبکہ قمیض پر بند گلے کے ساتھ

چوکور شیپ میں دھاگے کی کڑاہی کی ہوئی تھی۔ بازو بھی بہت کھلے اور کام والے تھے۔ رائیل بلیو اور سفید کا امتزج تھا۔ یہ جوڑا اس نے الکرم سے لیا تھا۔ آج اس کی بیٹی کے سکول میں پیرنٹ ٹیچر میٹنگ تھی۔ اسے ہر حال میں بارہ بجے تک اس میٹنگ میں جانا تھا۔ اسی حساب سے وہ تیار ہوئی تھی۔ ٹیل پونی، کانوں میں چھوٹی چھوٹی سفید کرسٹل کی بالیاں چہرے پر ہلکا سا میک اپ۔

وہ حور کیلیے پاستہ تیار کر رہی تھی جب دروازے پر بیل ہوئی۔ شملہ مرچ کو چاپ کرتے اس کے ہاتھ تھمے۔ نظر خود بہ خود کچن کے عین سامنے موجود داخلی دروازے پر پڑی۔ اوپن کچن تھا اس لیے اس نے جلدی سے کچرہ ڈسٹ بن میں پھینکا۔ ہاتھ دھوئے اور کچن سے باہر آگئی۔ چلتے چلتے چھوٹے سے لاؤنج میں موجود رکھے صوفے کی پشت سے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا اور بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔ غلط کیا۔ بے حد غلط، وہ جو سمجھے بیٹھی تھی کوریئر والا آیا ہے تو غلط تھی۔ اس کی عین نگاہوں کے سامنے وہ کھڑا تھا جس کا نچلہ لب دانتوں میں قید تھا۔ ابرو آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ چہرے پر اتھاہ سنجیدگی کے اثرات تھے۔ سفید شرٹ پر چاکلیٹ براؤن ٹائی جھول رہی تھی۔ دونوں ہاتھ بھوری پینٹ کی جیبوں میں تھے اور بال سلیقے سے بنے ہوئے۔ وہ یہاں کیوں تھا۔ اور اس کی آنکھیں، چہرے کے تاثرات وہ ایسے کیوں تھے۔ فلک گھبرا گئی۔

"آپ؟"

نوح نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ یونہی نچلے لب کو دانتوں میں پکڑے سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ ایک سیکنڈ۔۔۔دو سیکنڈ۔۔۔تیسرے سیکنڈ میں وہ اسے کراس کر کے بنا پوچھے اندر آیا تھا۔ہاتھ اس کے ابھی تک پینٹ کی جیبوں میں ہی تھے۔فلک نے اچنبھے سے مڑ کر اسے دیکھا۔وہ خراماں خراماں چلتا ہوا اس کے پورے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔پھر وہ سنگل سیٹر پر جا کر بیٹھ گیا۔

"تو یہ ہے تمہارا گھر،ایک مکمل گھر۔۔۔اچھا ہے۔"اس نے سراہتے ہوئے کہا لیکن اس کی سنجیدگی۔۔۔۔

"آپ کو کوئی کام تھا تو آپ مجھے فون کر لیتے میں آجاتی یا پھر آپ میرے آفس آجاتے۔"نوح نے چھوٹتے ہی جو کہا تھا اس نے فلک کو سن کر دیا۔وہ یکدم بوکھلائی تھی۔

"کیوں،کیا تمہارے شوہر کو اعتراض ہو گا۔"فلک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر چونکتے ہوئے اس نے پلکیں جھپکائی تھیں۔

"نہیں انہیں کیوں اعتراض ہو گا۔وہ بہت برا ڈمائنڈڈ ہیں۔"نوح نے ابرو اچکا کر گرائی۔ایک بار پھر اس کا نچلہ لب دانتوں میں چلا گیا تھا۔ایک بار پھر وہ پوری دنیا کی سنجیدگی خود پر طاری کر گیا۔

"واقعی؟"آنکھوں کا پیغام تھا۔تیر کمان اچک کر گری۔

"چائے لیں گے یا کافی؟" وہ اس کے یوں بیٹھے رہنے پر تذبذب کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ یہاں تھا مگر کیوں تھا۔ وہ اس طرح سے تھا لیکن کس لیے۔

"قہوہ۔" یک لفظی جواب۔ مسافتوں کو سمیٹ دیا گیا۔ وقت کو پھر تہہ کیا گیا۔ بہت کچھ باور کروایا گیا۔ سالوں پہلے کا منظر، کچن، اس میں آمنے سامنے موجود دو نفوس اور قہوہ۔ آہ کیا کچھ نہیں آنکھوں کے سامنے سے گزرا تھا۔ کیا کچھ نہیں یاد آ گیا تھا۔ فلک سر ہلاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ وہ وہیں بیٹھا رہا۔

"ادرک والا بنانا وہی جو تم بنایا کرتی تھی۔" کیتلی میں پانی بھرتے اس کے ہاتھ پل بھر کو تھمے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر نوح کی عقب کو دیکھا۔ اوس دل میں بھر رہی تھی۔ اوس سب کچھ جما رہی تھی۔

"آپ آنے کا مقصد بتائیں مجھے۔" برداشت جواب دے گئی تھی۔ نوح کی موجودگی اسے پھر سے بے چین کرنے لگی۔ اس نے برنر آن کر دیا۔

"مقصد تو بہت ذاتی نوعیت کا ہے۔ سن پائیں گی آپ؟" فلک اس کی عقب دیکھ سکتی تھی۔ اس کے تاثرات دیکھ لیتی تو جم جاتی۔ خیر جما تو اس کی آواز بھی رہی تھی جواب ضرورت سے زیادہ سرد ہو چکی تھی اور ہاں سنجیدہ بھی۔

"اگر شادی کی تیاریوں کے حوالے سے بات کرنی ہے تو میری جانب سے معذرت میں آپ کی شادی کو اریخ نہیں کروں گی۔ آپ اس کیلئے کسی اور کو ہائیر کر لیں۔ میں میسر نہیں ہوں گی۔"نوح صوفے سے تھوڑا سا آگے ہو کر بیٹھا کچھ سوچا اور پھر بنا نتائج و عواقب کی فکر کیے بنا سوال داغ دیا۔

"اور اگر میں کہوں مجھے صرف تم ہی چاہیے ہو تو؟"فلک اس کے سوال پر بری طرح سٹپٹائی تھی۔ اس کے ہاتھ سے چینی سے بھرا چمچ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔"یعنی مجھے تمہارے آئیڈیاز پسند ہیں۔ تم میری شادی کو اچھے سے اریج کر سکتی ہو۔"بہت جاندار مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر گزری تھی۔ اگر اس وقت فلک اس کے سامنے ہوتی تو اس کی حرکت کو پکڑ لیتی مگر وہ عقب میں تھی سختی سے مٹھیاں بھینچے، دانت پر دانت جمائے۔ ادرک اور پودینے کی خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔ بھینی بھینی لیکن بہت سٹرانگ۔

"معذرت یہ ممکن نہیں ہے۔ ان دنوں میرے اور بھی بہت سے پراجیکٹس ہے۔"اس نے شیشے کے کپ میں قہوہ انڈیلا، گہرا شربتی رنگ شیشے میں جاتے ہی سیاہی مائل سیاہ لگنے لگا۔ وہ شیشے کی ہی پرچ میں اس چوکور کپ کو رکھ کر اس کے پاس لے آئی۔ میز پر کپ رکھا اور خود سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں میں شادی آگے کر دیتا ہوں۔ جہاں اتنے سال گزارے کچھ دن اور سہی۔" اس نے پرچ کو گھما کر کپ کی ڈنڈی کا رخ اپنی جانب کیا پھر اس میں انگلی پھنسا کر اٹھالیا۔

"میں پھر بھی اس شادی کی ذمہ داری نہیں لوں گی۔" دوٹوک انداز، نوح نے جونہی کپ لبوں سے لگایا اس کا سلوٹ زدہ ماتھا سپاٹ ہو گیا۔ قہوے کی خوشبو نے اس کے موڈ پر اثر کیا تھا۔ گھونٹ بھرتے ہی اس نے ستائش سے ابرو اچکائی۔

"کیوں، کیا تم میری شادی کسی اور کے ساتھ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔" فلک کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے نچلے لب کو تر کر کے گلا کھنکھارا پھر ضبط کے آخری مراحل پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"بھولو مت میں شادی شدہ ہوں اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں۔ جو ہمارے بیچ تھا وہ سب ماضی ہو چکا۔" نوح کے لبوں کی مسکراہٹ اس کے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجا چکی تھیں۔ وہ دل سے مسکرا رہا تھا۔ وہی چھ سال قبل والی مسکان۔

"کرنی بھی چاہیے آخر کو وہی تو تمہارے سارے حقوق کا مالک ہے۔" نظر اٹھائی۔ بھوری آنکھوں میں ایک دنیا آباد تھی۔ فلک نے چونک کر نگاہیں پھر لیں۔

"نوح جبران۔" فلک کی لرزتی آواز پر اس کا سارا دھیان چلا گیا۔ "اپنے آنے کا مقصد بتاؤ۔" وہ جان گیا وہ سنجیدہ ہے۔ اس نے گھونٹ بھر کر جھک کر کپ میز پر رکھی پرچ پر رکھا پھر ٹائی کو درست کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہوتے ہی اس کے دونوں ہاتھ عادتاً جیبوں میں گئے تھے۔

"تم پر میرا ایک قرض ہے۔" فلک نے چھوٹتے ہی اس کی بات کا جواب دیا تھا جیسے اس کے دماغ میں یہی چل رہا تھا۔ جیسے وہ بس یہیں تک ہی سوچ سکتی تھی۔

"سات لاکھ، یاد ہے مجھے، بھولی نہیں ہوں میں۔" نوح نے آپس میں پیوست لب کھولے پھر ان میں سے گہری سانس چھوڑ دی۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ جیسے اس کی سوچ پر افسوس کر رہا تھا۔

"لیکن میں بھول گیا ہوں۔ مجھے کوئی سات لاکھ یاد نہیں، یاد ہے تو بس۔" فلک نے اس کی بات درمیان میں قطع کر دی۔ ہاتھ سیدھا کر کے وہ حتمیٰ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"آپ کے پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں کل تک ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ ابھی آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔" نوح نے دروازے کی سمت بڑھے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا پھر واپس نظریں اس کے چہرے پر جما لیں۔

"کیا واقعی میں چلا جاؤں؟" سوال بہت گہرا تھا۔

"پلیز۔"جواب اس سے زیادہ پر زور۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔ابھی میں چلا جاتا ہوں لیکن کل پھر آؤں گا۔"یونہی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلتے چلتے وہ رکا تھوڑا سا مڑا۔

"بائی داوے شادی کا گلوتم پر بہت آیا ہے۔پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو۔"فلک کا چہرہ لمحے میں سرخ ہوا تھا۔اس کے کان گرم ہو گئے اور ان میں سے سیٹیاں بجنے لگیں۔وہ بات ختم کر کے مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا لیکن فلک،وہ جوں کی توں بت بنی کھڑی رہی۔دس منٹ بعد پورے دس منٹ بعد اس کے دماغ نے کام کیا تھا۔چیل کی اسپیڈ سے وہ دروازے کی طرف لپکی۔اسے بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ ابھی کیا ہوا تھا۔کیا کہہ کر گیا ہے وہ۔"شش و پنج میں گھری اڑے حواسوں کے ساتھ وہ سوچ رہی تھی۔اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا وہ ابھی تک جل رہا تھا۔اسے یقین نہیں آیا بالکل نہیں آیا۔اسے یقین آ بھی کیسے سکتا تھا بھلا۔

کیا اسے حقیقت کا ادراک ہو گیا؟

کیا واقعی میں؟

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

ہر گز نہیں۔

بساط بچھی ہوئی تھی۔ پیادے اپنی اپنی جگہ پر تھے۔ رات تاریک تھی۔ خامشی گھور، ایک کمرے میں کرسی کے ہولے ہولے ہلنے کی آواز آرہی تھی۔ نائیٹ بلب آن تھا۔ سگار کے ٹوٹے ٹکڑے تھے۔ کرچیوں سے بھری آنکھیں اور بھاری دل۔

وہ جبران تھے۔ بالکل تنہا و اداس۔ کچھ روز قبل ہی کی تو بات ہے جب تنزیلہ نے آکر انہیں معاف کیا تھا اور ان سے معافی مانگی تھی۔ ان کی بیٹی بھی آئی تھی رامیہ، ان کی لخت جگر ان کی جان کا ٹکڑا۔ وہ بھی آکر ان سے معافی مانگ گئی تھی۔ اس نے بھی اپنے باپ کو معاف کر دیا تھا۔ سب اپنی جگہ ٹھیک ہو گیا تھا لیکن پھر بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ آج بھی وہی مسئلہ ویسا کا ویسا کھڑا تھا جیسے روز اول تھا۔ آج بھی نوح کی ذات ان کے دماغ پر حاوی تھی۔ آج بھی وہ اسے اپنانے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ آج بھی وہ اس کے ٹھکرا دینے سے گھبراتے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ان کی ہلتی کرسی تھمی۔ کمرے میں پھیلتی خوشبو نے ان پر واضح کر دیا کہ آنے والا کون ہے۔ لیکن انہوں نے گردن نہیں موڑی۔ اسے نہیں پکارا۔ ہاتھ بڑھا کر چھوا نہیں کیونکہ وہ جانتے تھے اس تخیل نے پھر

سے تحلیل ہو جاتا ہے۔ہاتھوں نے پھر سے خالی رہ جانا ہے۔قدموں کی چاپ قریب آئی۔بے حد قریب۔

"بابا۔"جبران کے دل نے غوطہ کھایا۔آنکھیں میچ کر کھولیں تو ان میں مرچیں و نمی گھلی تھی۔

"بابا۔"کیسے ترس گئے تھے کان یہ الفاظ سننے کیلئے۔کیسا تڑپ گیا تھا دل اس طرح کی پکار سننے کیلئے۔کیا یہ ایک خواب تھا۔کاش یہ خواب نہ ہو۔

"میں۔۔۔۔میں آگیا ہوں۔"

گیلی،لرزتی،کانپتی آواز۔جبران کا سینہ برق رفتاری سے اوپر نیچے ہونے لگا۔انہوں نے نظروں کو اٹھایا۔لمبا چوڑا حسین مرد ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔بکھرے بال،شرٹ کے مڑے ہوئے بازو،گلابی آنکھیں اور جھولتی ہوئی ٹائی۔

"نوح۔"انہوں نے سرگوشی کی تھی۔ایک یقین دہانی۔وہ لمبا چوڑا مرد گھٹنوں پر آگیا۔ان کے پاؤں کے قریب بیٹھا۔دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"نوح۔"اس کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے جبران کرنٹ کھا کر کرسی کی ٹیک چھوڑ گئے۔وہ ان کے سامنے تھا۔ان کا چشم و چراغ بالکل ان کے سامنے تھا۔

"یہ تم ہی ہو میرے بیٹے۔" انہوں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں بھرا تھا۔ نوح کے حلق میں درد ہونے لگا اتنا زیادہ کہ اس سے بولنا دشوار ہوا۔

"کیا واقعی۔" اس سے بولا نہیں گیا۔ اس نے گلا کھنکھارا۔ "واقعی آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ میں تو ایک غلطی تھا نا۔" گلابی آنکھوں میں سرخی دوڑی۔ جبران کا دل پارچہ پارچہ ہو گیا۔

"تم غلطی نہیں ہو بیٹے تم تو بے قصور ہو۔ یہ ہم جیسے مرد بدبخت ہوتے ہیں جو وقتی لذت کی خاطر اپنی دنیا و آخرت تباہ کر دیتے ہیں۔ میری ایک غلطی نے تمہاری پوری زندگی برباد کر دی۔ میں کس طرح بھلا اس کا ازالہ کر پاؤں گا۔ مجھ سے تو میرا رب بھی راضی نہیں ہو گا۔" وہ پورے مرد ہوتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی تنزیلہ، رامیہ، سیرا اور غفران دل مسوس کر اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ سیرا تو باقاعدہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو دی تھی۔

"میری ایک کوتاہی نے میری ساری اولاد کی زندگی برباد کر دی۔ میری خود کی زندگی تباہ ہو گئی۔ کوئی سکون میں نہیں رہا۔ کوئی کبھی خوش نہیں رہا۔" وہ رو رہے تھے۔ نوح نے خود کو اونچا کر کے ان کا سر اپنے شانے پر رکھ دیا۔

"مجھے تو کوئی بھی دل سے معاف نہیں کرے گا۔ مجھ سے تو اللہ بھی سخت ناراض ہو گا۔ میں کس کو کیا منہ دکھاؤں۔ میں ہوں ہی کب اس قابل۔" برسوں کا غبار آج نکل رہا تھا۔ برسوں کی کوتاہیاں آج لبوں سے بہہ رہی تھیں۔ نوح نے کس کر ان کے گرد بازو باندھ لیے۔

"میں نے تم سے دستبرداری کر کے تم پر ظلم کیے۔ میں نے رامیہ، سیرا کو نظر انداز کیا۔ میری بیوی مجھ سے کبھی خوش نہیں رہی۔ میرا گھر ٹوٹ گیا۔ گمراہی نے مجھے تباہ و برباد کر دیا۔ میں کہیں کا نہیں رہا۔ میں کہیں کا نہیں رہا۔" وہ رو رہے تھے۔ اعتراف کر رہے تھے۔ تنزیلہ نے رامیہ کے گرد بازو پھیلا دیے۔ لاکھ ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے آنسو پھسل پڑے تھے۔

"ایسے مت کریں بابا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ ان کو تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جبران نے جھٹکے سے خود کو اس سے الگ کیا۔ ان کی نم متورم آنکھوں نے اس کے دل پر گھونسا مارا تھا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا نا، دیکھو تم معاف نہیں کرو گے تو میری روح سکون سے نہیں نکلے گی۔" نوح کے دونوں ہاتھ انہوں نے مٹھی میں جکڑ لیے تھے۔ سیرا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر رخ پھیرا۔ اس کے نازک دل سے اب یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تنزیلہ سے نوح نے جبران کے گھر ہونے کی تصدیق کی تھی۔ انہیں جیسے پتہ چلا نوح جبران سے ملنے آ رہا ہے انہوں نے غفران کو فون کر کے مطلع کر دیا۔ غفران جب فون سن رہے تھے تب رامیہ اور سیرا

ان کے ساتھ ہی تھے۔وہ بھی اس بات سے پریشان ہو کر ان کے ساتھ آئی تھیں۔اب لگ رہا تھا نہیں آنا چاہیے تھا۔

"ایسی باتیں نہیں کریں بابا، میں کون ہوتا ہوں آپ کو معاف کرنے والا۔آپ بس رونا بند کریں مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"اور اس بات پر جبران کی آنکھوں سے مزید سیال بہنے لگا۔انہوں نے جھٹ سے نوح کو سینے سے لگایا تھا۔

"میں پوری دنیا کے سامنے اعتراف کروں گا تم میری اولاد ہو۔پوری دنیا کو پتہ چل جائے گا نوح جبران میرا بیٹا ہے۔اب سے تم سوالیہ نہیں رہو گے۔بالکل نہیں رہو گے۔"وہ اسے خود میں سموتے ہوئے کہہ رہے تھے۔نوح نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔جبران نے ایک بار پھر اسے شانوں سے تھام کر خود سے الگ کیا۔جیسے کوئی اہم بات یاد آگئی تھی۔جیسے وہ بات صدیوں سے ان کے دماغ میں تھی۔

"فلک کو میں نے نہیں کہا تھا تمہیں چھوڑنے کو۔میرا یقین کرو وہ میری وجہ سے تمہیں چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔"آنکھوں میں آس کے جگنو لیے وہ اسے دیکھ رہے تھے جیسے اگر نوح ہاں کہہ دے گا تو دل سے بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے گا ان کی بات کا تو جبران کا دل مزید درگور ہو جائے گا۔اس نے لاج رکھی تھی۔اس نے انکار نہیں کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ وہ آپ کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ اس نے بھی یہی کہا تھا۔ اس وقت میں غصے میں تھا اس لیے آپ کو الزام دے دیا۔ لیکن یقین کریں میں نے آپ کو اس بات کیلئے کب سے قصوروار ماننا چھوڑ دیا ہے۔" سیل ہٹی تھی۔ بھاری پہاڑ سی سیل۔ جبران نے مغلوبیت کے زیر اثر ایک بار پھر سے اسے خود سے لگایا تھا۔ اس بار بہت آرام سے محبت کے ساتھ خود میں سمویا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم آج بھی اسے چاہتے ہو۔ میں اس سے تمہارا رشتہ مانگوں گا۔ وہ انکار نہیں کرے گی۔ آخر کو اتنے سالوں تک اس نے بھی تو تمہاری وجہ سے شادی نہیں کی۔" نوح کی نم آنکھوں میں مسرت کی جوت جلی۔ غفران، تنزیلہ اور رامیہ وہاں سے چپکے سے گئے تھے۔ سیر اتو کب کی جا چکی تھی۔

"وہ شادی شدہ ہے۔ اس کی ایک بیٹی بھی ہے۔" جبران اس سے الگ ہوئے پھر نفی میں سر کو جنبش دیتے ہوئے بولے۔

"نہیں بیٹے، وہ شادی شدہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ بچی اس کی اولاد ہے۔ اس بچی کو اس نے پالا ہے۔ وہ خود کو اس کی ماں کہلواتی ہے۔ در حقیقت وہ اب تک کہیں نہ کہیں تمہاری منتظر ہے۔" نوح کو سب

معلوم ہو گیا تھا۔ وہ ان کے بتانے پر ہولے سے ہنس دیا۔ شطرنج کی چال بچھی ہوئی تھی۔ سب پیادے اپنی اپنی جگہ پر تھے۔ سب کتنے اچھے لگ رہے تھے نا۔

"آپ نے سب معلومات نکلوالیں۔" رات بیت رہی تھی۔ قطرہ قطرہ، منٹ منٹ۔

"تمہاری منگنی والے دن تمہاری حالت دیکھتے ہی اس کے بارے میں سب پتہ لگوالیا تھا۔" وہ ہنس رہا تھا۔ باتوں کا لامتناہی سلسلہ بس اب شروع ہی ہوا تھا۔

"وہ بہت ضدی ہے لیکن میرے لیے بے حد ضروری ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"میں جانتا ہوں۔" انہوں نے مان لیا۔

"جدائی اس نے بھی کاٹی اور میں نے بھی، ہم دونوں ہی خسارے میں رہے۔" جبران نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں باپ ہونے کا فرض نبھاؤں گا۔ تمہارے تمام خساروں کا ازالہ کروں گا۔" وہ مسکرادیا پھر ان کی گود میں سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے یقین ہے۔"

کھڑکی کے پردے سمٹے ہوئے تھے۔ وہاں سے جھانکتا بادلوں میں چھپا چاند یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ ایک باپ اور بیٹا جانے کب کے بچھڑے اب صدیوں بعد ملے تھے۔

شاید پہلی بار ملے تھے۔ آسمان پر موجود بادلوں کی اوٹ میں چھپے چاند نے مزید بادل کی چادر خود پر اوڑھی اور خود کو اس میں چھپا لیا۔

دن کے وقت جب سورج مکمل طور پر طلوع ہو جاتا ہے اور نوع انسان اپنے اپنے کاموں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ہاں اسی سمے ایک گھر میں سے کھانے کی لذیذ خوشبو اٹھ رہی تھی۔ قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ پلانز بن رہے تھے۔ وہ گھر رامیہ اور احسن رضا کا تھا۔ ایک خوش گھرانہ، جس کا خاکہ ان کی بیٹی نے کبھی بنایا تھا۔ وہ خاکہ آج عملی صورت موجود تھا۔ اب سب خوش تھے۔ اب سب مکمل تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں ڈزنی لینڈ چلتے ہیں۔" ڈائننگ میز پر کھانا چن دیا گیا تھا۔ کھانے چننے والی رامیہ تھی جس کے بازو ابھی بھی کہنوں تک فولڈ تھے۔ وہ کمچی سے بھرا باؤل رکھتے ہوئے چونکی جبکہ سامیہ وہ تو جوش سے تالیاں بجانے لگ گئی تھی۔

"ہاں یہ خیال بہت اچھا ہے۔ اب تو موسم بھی ہے۔" باؤل کو رکھنے کے بعد وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔

"بابا میں وہاں ساری رائیڈز لوں گی۔" سامیہ کا جوش قابل دید تھا۔ رامیہ نے متبسم نگاہوں سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"ڈن۔" احسن نے کافی کا کپ اٹھالیا تھا۔ وہ انڈے کے ٹکڑے کھاتے ہوئے ساتھ ساتھ کافی پیے جارہا تھا۔ وہ ناشتے کے دوران تین سے چار کپ کافی پیتا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی۔

"تو بابا میں جاکر پیکنگ کرتی ہوں کتنا مزا آئے گا نا۔" بات ختم کرتے ہی وہ اچھلتی ہوئی وہاں سے بھاگی تھی۔ رامیہ اسے آوازیں دیتی رہی لیکن وہ سنتی تب نا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا فیملی ٹرپ تھا۔ اس کا خوش ہونا بلکہ حد سے زیادہ خوش و پرجوش ہونا جائز تھا۔

"بہت خوش ہوگئی ہے۔" کہنے کے بعد رامیہ نے احسن پر نظر ڈالی تھی۔ پھر اس کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔ آنکھوں میں شرمندگی پھر سے در آئی تھی۔

"تمہارا شکریہ احسن، تم نے مجھے معاف کر دیا اور اس رشتے کو ایک اور موقع دیا۔" ان کے درمیان سب ٹھیک ہوگیا تھا۔ ان کے درمیان سب ٹھیک ہونا ہی تھا۔

"میں بھی یہی کہنا چاہوں گا۔ غلطیاں ہم دونوں سے ہوئی ہیں۔ ازالہ بھی ہم دونوں کو ہی کرنا پڑے گا۔" اس نے کپ رکھ دیا۔ کافی ختم ہوچکی تھی۔

"میں ہر طرح کا سمجھوتا کرنے کو تیار ہوں۔ میں اپنی بیٹی اور تمہیں نہیں کھو سکتی اب۔" جانے کیوں ان الفاظ سے احسن کا دل بھر آیا تھا۔ اس نے محبت پاش نگاہوں سے اپنی شریک حیات کو دیکھا۔ کان ترس گئے تھے اس منہ سے اس طرح کے الفاظ سننے کیلئے۔ یہ تو خواب کا سا منظر تھا۔

"سمجھو تا نہیں رامیہ، اب ہمارے درمیان محبت ہو گی۔ وہ محبت جو میں نے ہمیشہ تم سے کی ہے۔ جیسا بھی تھا۔ جو بھی تھا۔ تمہیں سچے دل سے چاہا ہے۔ تمہیں چھوڑ دینے کی بات میرے لیے بھی سوہان روح ثابت ہوتی تھی۔ تم نہیں جانتی میں نے خود پر کتنے ظلم کیے ہیں۔" اس کا سر جھک گیا تھا۔ پلکیں بار بار جھپک رہا تھا جیسے کچھ چھپانے کی سعی کر رہا ہوں۔

"جو بیت گیا اسے بھول جاتے ہیں۔ ایک نئی شروعات کرتے ہیں۔ دکھوں کو نہیں کریدتے۔" ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ احسن نے اپنے ہاتھ پر موجود رامیہ کا ہاتھ دیکھا۔ اس کے لبوں پر مجروح مسکان پھیل گئی۔

"ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم ایک مثالی خاندان بنیں گے" اپنے ہاتھ پر رکھے اس کے ہاتھ کو وہ دوسرے ہاتھ سے تھام چکا تھا۔

"ان شاء اللہ۔" اشتہا انگیز خوشبو یہاں پھیلی ہوئی تھی تو وہاں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس جگہ جہاں ہڑبڑی کا سماں تھا۔ فلک برق رفتاری سے حور کے جوتے پالش کر رہی تھی۔ حور بیگ پہنے ایک سانس میں ہی دودھ کا گلاس خالی کر رہی تھی۔ فلک بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کے پاؤں میں اسکول شوز پہنائے۔ اس کے بالوں کو سیٹ کیا پھر واٹر بوٹل کی ڈوری اس کے گلے میں ڈال دی۔

"یہ پوری خالی ہونی چاہیے۔"وارن کرنے والے انداز میں وہ اسے کہہ رہی تھی۔اتنے میں اسکول بس کا ہارن بجا تھا۔فلک حور کو لے کر باہر آئی۔اسے بس میں بٹھایا۔ڈرائیور اور کنڈکٹر کو ہدایت دی اس کے بعد واپس اندر آگئی۔گہرا سانس بھرتے ہوئے وہ دھپ کے سے انداز میں ابھی صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ ڈور بیل بج اٹھی۔فلک نے ٹھٹھکتے ہوئے داخلی دروازے کی سمت دیکھا۔

"کہیں حور کچھ بھول نہ گئی ہو۔"وہ اسپرنگ کی طرح صوفے سے اچھلی اور منٹ کے اندر دروازہ کھول گئی لیکن یہ کیا وہاں تو حور نہیں تھی۔وہاں تو۔۔

"اندر آنے کا نہیں کہو گی بیٹا۔"بھورے رنگ کی قمیض شلوار پر ہم رنگ واسکٹ پہنے وہ اس سے سراپا سوال تھے۔فلک نے ان کے سلام کا جواب دیا اور پھر سائیڈ پر ہو گئی۔جبران اندر آگئے۔سنگل سیٹر پر بیٹھنے کے بعد وہ اسے دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ڈھیلا ڈھالا سفید کرتا جس کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے۔پرنٹڈ باکس پلازو،بالوں کا بن جس کی وجہ سے کچھ لٹیں بکھری ہوئی تھیں اور ہاتھوں پر لگی تھوڑی سی کالس۔

"چائے بناؤں آپ کیلئے؟"سوال پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ہاتھ لمبا کر کے وہ اسے سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

"بیٹھیں، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" کچھ سال پہلے پہلی ملاقات پر بھی وہ کوئی بات کرنے آئے تھے اور اب کچھ سال بعد بھی وہ کوئی بات ہی کرنے آئے تھے۔ فلک نے صوفے کا کونا سنبھال لیا۔

"کہیے سن رہی ہوں۔" وہ جبران کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس چہرے پر آج خوشی کی رمق نظر آرہی تھی۔ آج ان کا حلیہ بھی خلاف معمول تھا۔

"میں اپنے بیٹے کے رشتے کی غرض سے آیا ہوں۔" فلک نے غیر محسوس انداز میں بازو کے فولڈ کھولے۔ وہ ان کو نیچے کر رہی تھی۔

"میں ایونٹ آرگنائز کرتی ہوں۔ یہ میرا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے۔" وہ مسکرا دیے جیسے باپ بچوں کی احمق باتوں پر مسکراتے ہیں۔ فلک کے ماتھے پر ان کی مسکراہٹ کے سبب خفیف سے بل پڑ گئے۔

"بیٹا، یہ والا ڈیپارٹمنٹ 'آپ' ہی کا ہے۔" ماحول میں عجیب سی کشمکش پھیل گئی تھی۔ فلک نے پہلو بدلا۔

"میں نے کہا نا میں شادیاں نہیں کرواتی۔" وہ زچ آرہی تھی۔ یہ وہ کیا بات کر رہے تھے۔ نوح کا رشتہ، اس کا تو رشتہ رخسار سے طے تھا اور وہ اس لڑکی سے محبت بھی کرتا تھا تو پھر اچانک اس سوال کا مطلب، وہ بہت کچھ سمجھ رہی تھی۔ وہ بہت کچھ سمجھنے کے باوجود انجان بن رہی تھی۔ اس کے دل

میں برف کے ٹکڑے جمنا شروع ہوئے جنہوں نے اس کے بازوؤں کو بھی جمانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ مگر مسلسل۔

"شادیاں نہیں کرواتیں اور کرتیں بھی نہیں۔ ہے نا۔" اس کے چہرے کے رنگوں سے جبران بخوبی واقف ہو رہے تھے۔ ان کی اس بات نے تو بالکل ہی اسے فق کر کے رکھ دیا۔ وہ متحیر نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔

"میری ایک بیٹی ہے۔" کمزور سی آواز میں کہا گیا۔

"بالکل ہے۔ وہ آپ کو ڈبلن کے ایک گھر کی سیڑھیوں پر سے ملی تھی۔ رات کے پہر آپ ٹوکری میں موجود بچی کی چیخوں کو نظر انداز نہیں کر پائیں اور نہ ہی اسے وہاں چھوڑ کر گئیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک ماہ انتظار کیا۔ روز اس گھر کی سیڑھیوں کے پاس صبح سے شام تک بیٹھی رہیں کہ کیا معلوم کوئی وارث آجائے۔ مگر کسی نے آنا تھا اور نہ ہی کوئی آیا اس لیے آپ نے اس بچی کو اپنے نام رجسٹر کروالیا۔ یوں حور آپ کی بیٹی کہلائی۔ غالباً اس بات کو سوا چار سال ہو چکے ہیں۔" کاٹو تو لہو نہیں کی زندہ مثال بنی وہ انہیں سن رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ کان گرم ہونے لگے تھے۔ انہیں اس سب کی خبر کیسے ہوئی۔ کیا وہ اس کے بارے میں ساری معلومات نکلوا چکے ہیں۔ کیا وہ

سب جان چکے ہیں۔ اگر وہ جانتے ہیں تو یقیناً گھر کے باقی افراد بھی جان گئے ہوں گے۔ باقی افراد میں تو۔۔۔۔ نوح بھی شامل ہے۔

وہ عجلت میں اپنی جگہ سے اٹھی۔

"دیکھیں میں آپ کی عزت کرتی ہوں اس لیے احترام کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔" جبران اسے دیکھتے رہے پھر کھڑے ہو گئے۔

"عزت دینے کیلئے شکریہ لیکن اپنے بیٹے کے حق میں ہاں سننا چاہتا ہوں میں۔ میں چاہو گا آپ میری بات کا مان رکھیں۔"

قبل اس کے کہ فلک کچھ بولتی عقب سے آتی آواز پر دونوں نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ وہ گرے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے کھڑا تھا۔ اس کی ہاف وائیٹ شرٹ پر ایش گرے ٹائی جھول رہی تھی۔ ٹائی آج بھی ڈھیلی ڈھالی ہی تھی۔

"بابا، آپ گاڑی میں بیٹھ کر میرا انتظار کریں۔ میں بس ابھی آتا ہوں۔" وہ وہیں دروازے میں ایستادہ ان سے کہہ رہا تھا۔ جبران نے ایک نظر بکھرے حلیے والی لڑکی پر ڈالی دوسری نوح پر پھر کچھ سوچ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے جونہی نوح کو کراس کیا۔ وہ خراماں خراماں چلتا اندر آ گیا۔ فلک جہاں کی تہاں، جوں کی توں کھڑی تھی۔ اس کا دل ابھی تک نہیں سنبھلا تھا۔ اس کے حواس

ابھی تک مختل تھے۔نوح عین اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔اس سے دراز،اس سے چوڑا نظریں جھکاتا ہوا۔فلک نے سر اٹھایا۔شاک سے لبریز آنکھوں میں جھلمل کرتا پانی بھی لہرا رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔میں چاہوں گی تم بھی یہاں سے چلے جاؤ۔"نوح کے الفاظ نے اس کی بولتی بند کر دی۔وہ گنگ ہوئی تھی۔

"اگر میں تنہا نہ جانا چاہوں تو، تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہوں تو؟"وہی پرانی آواز،وہی چھ سال قبل والا لہجہ،ویسی ہی لو دیتی آنکھیں۔

"تم کیوں بھول رہے ہو کہ میں شادی۔"نوح نے اس کی بات درمیان میں قطع کی اور ایسے کی گویا پورا جہان رک گیا۔

"شششش،اب نہیں،آج نہیں کیونکہ میں حقیقت سے واقف ہوں۔"شہادت کی انگلی فلک کے لبوں سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔فلک کی سانسیں اس سے ٹکرا رہی تھیں۔وہ متحیر انداز میں آنکھیں پھیلا گئی۔نوح کی آواز کی سرگوشی نے کھینچ کر راز کا پردہ فاش کیا تھا۔فلک کو دھڑکنیں اپنی سماعت میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"پھر بھی میں چاہوں گی تم یہاں سے چلے جاؤ۔"اس نے سنبھلتے ہوئے مستحکم آواز میں کہا۔پھر صبر کو پھسلتے دیکھا تو چلا اٹھی۔"جاؤ۔۔۔۔۔!"

"کیوں، کیا دل سے اتر گیا ہوں تمہارے؟" ستے ہوئے چہرے پر سنجیدگی کافی اچھی لگ رہی تھی۔

نوح اپنے ہاتھ کو واپس پینٹ کی جیب میں قید کر چکا تھا۔ فلک لاجواب ہو گئی۔

"وہ بات پرانی ہو چکی۔" آواز میں کافی بودہ پن تھا۔ نوح یکدم ہی مسکرا دیا، پھیکی غیر مفہوم سی مسکان۔

"میرے لیے تو۔۔۔۔ ابھی تک نئی ہے۔" جھکا سر اٹھا۔ "میں تو اب تک تمہیں بے انتہا چاہتا ہوں۔ بالکل ویسے ہی جیسے چھ سال قبل چاہتا تھا۔ رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا میری محبت میں۔ تمہارا دل کیسے بدل گیا فلک، یا پھر یہ بدلا نہیں ہے۔ تم پھر اپنے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ ہاں ایسا ہی ہے۔" وہ اسے دیکھتی رہی۔ اس کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔ پوری دنیا کی حیرانی آنکھوں میں سمٹ آئی۔ اس نے ہاتھ سیدھا کر کے شہادت کی انگلی سے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

"چپ ہو جاؤ پلیز، چپ ہو جاؤ۔" وہ ضبط بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے دل میں درد ہونا شروع ہو گیا تھا مگر وہ اس درد کا اثر چہرے تک نہیں لائی۔

"ایسے نہیں کرو فلک، تم نے کہا تھا نا جب ہم دوبارہ ملیں تو تم چاہتی ہو میں بہت کامیاب ہوں۔ میرا ڈپریشن میرے ساتھ نہ ہو۔ میری تنہائیاں میرے ساتھ نہ ہوں۔ میں خوش ہوں تو دیکھو میں واقعی خوش ہوں۔ بہت کامیاب ہوں۔ ڈپریشن کا ڈی بھی اب میرے ساتھ نہیں ہوتا۔ یقین کرو

میرا۔"وہ اچانک وہی بن گیا تھا جیسے چھ سالوں پہلے تھا۔نوح جبران، فلک سفیر کا نوح جبران۔ آخری ملاقات والا لڑکا۔

"میں نے یقین کر لیا نوح،اس سے زیادہ کی مجھ سے توقع نہیں کرنا کیونکہ اب وقت بیت چکا ہے۔ میں چاہتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی واپس نہیں آؤ۔"اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ناچاہتے ہوئے بھی آ گئے تھے۔ حلق میں پھندا لگ گیا تھا ناچاہتے ہوئے بھی لگ گیا تھا۔نوح نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم کیوں مجھے بھیجنے پر مصر ہو۔کیا تم واقعی مجھے بھول گئی ہو۔"پورے زمانے کا خوف اس کی آنکھوں میں آن بسا تھا۔ جیسے یہ بات اس کی زندگی کی آخری بات ثابت ہو گی۔

"نوح تم پاگل ہو۔تمہارے ہاتھ میں کسی اور کے نام کی انگوٹھی ہے۔کچھ دنوں بعد تمہاری کسی اور سے شادی ہونے والی ہے اور تم یہاں مجھ سے اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔یہ کیا کر رہے ہو۔تم تو خائن نہیں تھے پھر اب یہ خیانت کیسی۔"فلک نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تھا۔وہ اسے دیکھتا رہا۔کچھ دیر اس کی بات پر نظر ثانی کی پھر برق رفتاری سے اپنے گریبان میں ہاتھ دے کر باریک چین میں لٹکتی انگوٹھی باہر نکال لی۔فلک کی آنکھوں کے سامنے وہ پلاٹینیم کی انگوٹھی آئی تھی۔اس نے

آنکھیں پھیلاتے ہوئے متوحش انداز میں نوح کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کا پانی کچھ زیادہ ہی چمک رہا تھا۔

"رخسار سے پہلے میں تم سے منگنی کر چکا ہوں۔ تمہیں اپنی منگیتر اور بیوی مان چکا ہوں۔ اصولاً تو تمہارے ساتھ خیانت کر رہا تھا۔ اور اس نے تو کب کا انکار کر دیا شادی کیلئے، منگنی توڑ چکی ہے وہ۔ جرمنی جا رہی ہے۔ وہاں کے اسٹڈی ویزہ کیلئے اس نے کب سے اپلائے کیا ہوا تھا۔ وہاں سے آفر آئی تو اب وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اپنے خواب پورے کرنا چاہتی ہے۔" رخسار کبھی بھی نوح کے راستے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس نے منگنی تو ویسے بھی توڑنی تھی۔ اللہ نے اسے راہ دکھائی تو وہ نوح کو اس کی انگوٹھی واپس کر گئی۔ وہ جانتی تھی یہ فیصلہ نوح اور اس کیلئے بے حد سود مند ثابت ہو گا۔ یوں تین زندگیاں بچ جائیں گی۔ اس نے تین زندگیاں واقعی برباد ہونے سے بچالی تھیں۔

"اور اگر وہ نہ بھی جاتی تب بھی میں تمہارے علاوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ تم جانتی ہو یہ بات فلک، تم کیوں میرا امتحان لے رہی ہو۔ میں نے بہت سال صبر کیا ہے اب نہیں کروں گا۔ میں پوری زندگی محروم رہا ہوں اب نہیں رہوں گا۔ تم چاہے لاکھ انکار کرو میں ڈٹا رہوں گا۔ اب میں ہار نہیں مانوں گا۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ نوح پنجوں کے بل اس کے سامنے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"تم کیا بات کر رہے ہو۔ تم اس دن ہسپتال میں میرے سامنے اس کی محبت کا ذکر کر رہے تھے اور اب یہ سب کہہ رہے ہو۔ تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔" وہ الجھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ غلط بھنور میں پھنسی تھی۔ نوح اس کی بات پر چونک گیا۔

"کب؟" اس کے اوسان خطا ہوئے پھر یکدم سب یاد آ گیا۔ "بے وقوف وہ سب تو میں سامیہ کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ تمہیں لگتا ہے میں اپنی محبت کا اظہار یوں بے دھڑک کروں گا۔ تمہارے سامنے کروں گا۔ اور تمہیں لگتا ہے میں تمہارے علاوہ کسی سے محبت کر سکتا ہوں۔ لگتا ہے تو بڑے افسوس کی بات ہے۔" فلک کا سر ہاتھوں میں گرا رہا۔ آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر ہو چکا تھا۔

"میں تمہیں چھوڑ گئی تھی۔ تمہیں مجھ سے نفرت کرنی چاہیے۔" سر سے ہاتھ ہٹا کر وہ نم ناک نگاہوں سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ نوح مبہم سا مسکرا دیا۔

"تم نے لوٹنے کا بھی تو کہا تھا۔ آس تھما کر گئی تھی تم۔ پانچ سال بعد ہم ملیں گے۔ اس جملے نے مجھے تم سے کبھی نفرت نہیں ہونے دی اور تمہیں لگتا ہے نوح کبھی فلک سے نفرت کر سکتا ہے۔ نوح اور فلک کا تو بہت گہرا تعلق ہے اگر جانیں تو۔" وہ اسے قائل کر رہا تھا۔ وہ قائل ہو رہی تھی۔

"تمہیں چھوڑنے کے بعد میں نے تمہیں بہت مس کیا۔ تم مجھے روز یاد آتے تھے۔ لیکن میرا جانا بھی ضروری تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا شاید میں جی نہ پاؤں۔ اس وقت میرے دل کی حالت ٹھیک نہیں

تھی اور دوسرا میں اس بات سے ڈرتی تھی کہ کہیں تم خود باقیوں کی طرح مجھے نہ چھوڑ دو۔ میں تمہارا ٹھکرانا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے ایک بار وہ زہر پیا تھا۔ دوبارہ پینے کی سکت نہیں تھی۔ اس لیے چلی گئی۔ لیکن تمہیں چھوڑنے کے بعد میں بہت روئی۔ روز روئی، دن رات، صبح شام ہر وقت روئی۔ تمہیں چھوڑنا میرے لیے سوہان روح تھا۔ تمہیں آخری بار دیکھنا میرے لیے موت کو دیکھنے جیسا تھا۔ مجھے تمہاری بہت فکر ہو رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا تمہارا اعتبار انسانیت سے نہ اٹھ جائے۔ تم پھر سے جان لینے کی کوشش نہ کرو۔ اس فکر نے مجھے سونے نہیں دیا۔ میں نے کئی راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ تمہاری فکر میں شاید میں مر جاتی لیکن پھر مجھے حور ملی اور میں زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ اس کے بعد پتہ ہی نہیں چلا کیسے اور کب میں ٹھیک ہوتی گئی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرے کو چھپائے بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔ اعتراف کر رہی تھی۔ نوح کے چہرے پر بھی روہانسیت پھیل گئی۔

"میں نے کہا پرانی باتیں یاد کرو۔ مجھے اب وجہ وغیرہ کچھ بھی نہیں جاننا۔ جو ماضی ہو گیا اسے ماضی رہنے دو۔ میں چاہتا ہوں اب ہمارا حال خوشگوار رہے، کسی بھی فکر اور خوف سے آزاد، پر سکون اور مطمئن۔ کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گی۔" فلک نے منہ پر رکھے ہاتھوں کی انگلیاں فولڈ کیں۔ متورم آنکھیں، جڑی ہوئی پلکیں، پانی کی پرت کے پیچھے چھائی رضامندی۔

نوح نے تشکر بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے سر کو جھکا لیا۔

چار ماہ بعد!

نیویارک کا موسم ویسا ہی تھا جیسے ہوا کرتا ہے۔ گرے، گدلا، بوندوں سے بھرا ہوا۔ سڑکوں پر لوگوں کا جم غفیر تھا۔ نیون لائٹس سے جگمگاتے ٹیولٹس آج بھی سر اٹھائے کھڑے تھے۔ بڑی بڑی دکانوں کی عقبی دیواروں پر ماڈلز کے پوسٹر آویزاں تھے۔ مچل کورس کی ایک شاپ کے اندرونی دروازے سے وہ دونوں باہر آتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ زرد رنگ کے شاپنگ بیگ میں ایک گھڑی تھی۔ جو نوح نے اس کیلئے خریدی تھی۔ وہ فون بند کرتی اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر ہم حور کو بھی ساتھ لے آتے۔ میرا تو دل ہی نہیں لگ رہا اس کے بغیر۔" وہ دونوں ٹرانسپیرنٹ چھتری تلے چل رہے تھے۔ بارش کی ننھی ننھی بوندیں اس چھتری پر سے پھسل کر ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی تھی۔

"چاہتا تو میں بھی یہی تھا مگر رامیہ، انہوں نے کہا ہمیں تنہا جانا چاہیے۔ وہ اسے رکھ لیں گی۔" وہ دونوں ایک ساتھ چل رہے تھے۔ چلتے چلتے ہجوم والی جگہ پر آ گئے۔ نوح نے فلک کو کور کرنے کی خاطر اپنے آگے کیا اور خود اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"اس نے ابھی کہا ہے بابا سے کہیں میرے لیے ٹیڈی لے کر آئیں۔" نوح دل سے مسکرا دیا۔

"ٹیڈی، میں تو اپنی بیٹی کیلئے پوری ٹوائے شاپ لے کر جاؤں گا آپ فکر نہیں کریں۔" فلک نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس پر نوح نے فوراً اسے محتاط کیا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں آگے دیکھ کر چلیں کسی سے ٹکرا جائیں گی۔ مانا کافی ہینڈسم ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی آپ کی نظر ہی نہ ہٹے۔" شریر مسکان کو لبوں پر درے وہ اسے تنگ کرنے کی غرض سے بولا۔

"حد ہو گئی خوش فہمی کی بھی۔" وہ جاندار قہقہہ لگا گیا۔

"بیگم، یہ خوش فہمی نہیں حقیقت ہے۔ رکیں میں اس کا عملی مظاہرہ دکھاتا ہوں۔" اس نے ایک لڑکی کو روک کر پوچھا تھا کہ آیا وہ ہینڈسم ہے یا نہیں۔ وہ لڑکی اسے دیکھتی رہی اور پھر جو اس نے اس کی پرسنالٹی کی تعریفوں کے پل باندھنا شروع کیے کہ پوری دنیا کے پل ٹوٹ گئے۔ فلک اسے کھینچتے ہوئے آگے لے چلی تھی۔

"اس سے کیوں پوچھا، آئندہ میرے علاوہ کسی لڑکی سے نہیں پوچھنا ہے تم نے۔" پکا بیویوں والا لہجہ، وہ اس سے خفا ہی تو ہو گئی تھی۔

"آپ سے پوچھوں تا کہ تعریف کات بھی سننے کو نہ ملے اور ویسے بھی آپ کی معلومات کے اضافے کیلئے ہی میں نے اس سے اپنی وجاہت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ دیکھا تھانا کیسے فدا ہو گئی تھی مجھ پر۔" فلک نے پھر سے گردن موڑی تھی۔ نوح لبوں پر مسکان روکے سیدھا دیکھ کر چل رہا تھا۔

"نوح جبران، میں دیکھ رہی ہوں شادی کے بعد تم کافی بدل گئے ہو۔" وہ چندھی ہوئی آنکھوں سے اس کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوح کے لب مسکراہٹ روکنے کی وجہ سے بری طرح لرز رہے تھے۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ آپ کو پتہ ہے میرے کلیگ کہتے ہیں میں کافی سے زیادہ ہینڈسم ہو گیا ہوں۔ میری آنکھوں میں ضرورت سے زیادہ چمک آگئی ہے۔ شادی نے مجھ پر کافی اچھا اثر ڈالا ہے۔" نوح نے بھوری آنکھوں کا رخ اس کے چہرے پر کیا تھا۔ اسے چھیڑنے کا مزا ہی الگ تھا۔

"اپنے کلیگ کو کہو آنکھوں کا علاج کروائیں۔" فلک کے کہنے پر نوح نے چھوٹتے ہی کہا۔ وہ لوگ زیادہ ہجوم والی جگہ سے کم ہجوم والی جگہ پر آگئے تھے۔

"یہ مشورہ میں اپنی بیگم کو دینا چاہوں گا تا کہ وہ اپنے شوہر نامدار کی تمام خصوصیات اور وقار سے اچھے واقف ہو جائیں تا کہ دن رات وہ میرے ہی قصیدے پڑھیں۔" فلک نے چلتے چلتے مڑ کر ایک تھپڑ اس کی کہنی پر رسید کیا تھا۔

"میں نوح کے نون سے لے کر رح تک سے آگاہی رکھتی ہوں۔ مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔" نوح نے اپنی کہنی سہلائی۔ ان سے آگے چلتا شخص جانے کیوں شناسا سی وائبز دے رہا تھا۔ فلک کی توجہ اس جانب ہوئی۔

"تشدد پر سزا ہو جاتی ہے معلوم ہے نا۔" فلک نے پھر گردن موڑی۔

"تم دو گے مجھے سزا؟" اس نے سوال کیا تھا۔ نوح نے گردن اکڑا کر کہا۔

"ہاں دوں گا۔ سزا کے طور پر آپ کو پوری عمر میری تعریف کرتے ہوئے گزارنا ہے۔ بولیں منظور ہے۔" وہ یکدم مسکرا دی۔ نوح کی گہری بھوری آنکھوں سے گھبرا کر اس نے رخ موڑا تھا۔

"دل سے منظور ہے۔" اس نے دل میں کہا زبان سے مجال تھی جو کہہ لیتی۔ سر ہی نہ چڑھ جاتا پھر وہ اس کے۔

وہ شخص ابھی تک فلک کی توجہ کھینچے ہوئے تھا۔ اسے اچانک خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ شاید وہ مہمت ہو۔ اس نے نوح کی بات نظر انداز کر کے دور چلتے شخص کو اونچی آواز میں پکارا۔

"مہمت، یہ تم ہی ہو نا۔"

اور وہ انسان جو ان کی باتیں سنتا ہوا ان سے تھوڑا سا زیادہ آگے چل رہا تھا مڑا نہیں۔ اس کے قدم پل بھر کو تھمے مگر اس نے خود کو روکا نہیں۔ مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ پتھر کا نہیں ہو جانا چاہتا تھا۔ وہ وہیں

نہیں رہ جانا چاہتا تھا۔ فلک سفیر اس کا شہر تھا۔ وہ اس شہر اور ان گلیوں کو، ان میں موجود تمام یادوں کو اب مکمل طور پر الوداع کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے مڑ کر اسے دیکھا نہ ہی پتھر کا ہوا۔ اس نے اسے مبارک باد دی اور نہ ہی دل کو مزید توڑا۔ فلک اسے دیکھتی رہی لیکن اس نے نہیں دیکھا۔ آنکھوں پر گاگلز لگائے وہ آگے بہت آگے سب پیچھے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

دور بہت دور۔۔

"وہ مہمت ہی تھا نا؟" اس نے سوال داغا تھا۔ نوح نے گردن اچکا کر دیکھا۔ لوگوں کے ہجوم میں ایک انسان کو پہچاننا مشکل تھا۔ کم از کم نوح کیلئے تو تھا ہی۔

"میرے خیال سے نہیں، اگر ہوتا تو ضرور ہم دونوں کو مبارک باد دیتا۔ آخر کو تمہارا بیسٹ فرینڈ رہ چکا ہے۔" فلک نے شاکی نظروں سے پھر سے اسے دیکھا۔ وہ پھر سے اسے چھیڑنے پر آ گیا تھا۔ افف نوح جبران اور اس کی متعارف ہوتی نئی پرسنالٹی۔

"آگے دیکھیں بیگم آگے، زیادہ میرے حسن سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ تیز اسپیڈ میں چلنے لگی تھی۔

"ہونہہ، ہو ہی نہ جاؤ تم حسین۔"

نوح مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"اچھا آہستہ تو چلو۔"

فلک، میں نے کہا آہستہ چلو پلیز۔"

"اچھا ناراض ہو گئی ہو۔ پکا اب نہیں تنگ کروں گا۔ دیکھو ایسے مت بھاگو بالکل خرگوش لگ رہی ہو۔"

"سنو تو، فلک۔۔۔۔"

وہ اس کے پیچھے چھتری لیے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ آسمان سے بوند بوند پانی ٹپکتا چلا جا رہا تھا۔ دل مہکتا چلا جا رہا تھا۔

(ختم شد!)